دشتِ آرزو

اقرا صغیر احمد

DASHT-E-ARZOO

ماہنامہ آنچل ڈائجسٹ میں چھپنے والا، اقراء صغیر احمد کا مقبول ترین ناول

دشتِ آرزو

اقراء صغیر احمد

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔اردو بازار، لاہور
فون : 37352332,37232336

نام کتاب	....	دشتِ آرزو
مصنفہ	....	اقراء صغیر احمد
ناشر	....	گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	....	زاہد نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	....	ابرار، انیس احمد
سن اشاعت	....	جنوری 2012
قیمت	....	=/750 روپے

......ملنے کے پتے......

ویلکم بک پورٹ	خزینہ علم و ادب
اُردو بازار، کراچی	الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی	کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب!

میرے عزیز از جان والدین کے نام......

جن کی محبت و حوصلہ افزائی میرے قلم کی حقیقی روح ہے۔

جن کی ابدی جدائی دل کو تا زیست مضطرب رکھے گی۔

میری ساری زندگی محبتوں کی تلاش میں گزری۔ اس راہ گزر پر ہاتھ لہولہان اور وجود ریزہ ریزہ۔ یہ دُکھ میں سہہ سکتی تھی اگر سچی محبتیں اپنی عظمت کے مقام پر ملتیں۔ دکھ یہ نہیں کہ محبتیں نہ ملیں۔ غم یہ رہا کہ رشتوں نے مان کھو دیا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ شام ڈھلتے ہی پرندوں کی ڈار کی ڈار اپنے آشیانوں کی طرف محوِ پرواز تھی۔ سورج اپنی شعاعوں کو سمیٹتے تیزی سے مغرب کی سمت اپنے نشیمن کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ اُفق پر پھیلتی شام اور اُبھرتی رات کا گلابی و سیاہ امتزاج اسے ہمیشہ کی طرح افسردہ و سوگوار کر دیتا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی و بے تابی وہ اپنی رگ و پے میں اُترتی محسوس کرتی تھی۔ عجیب و بے معنی کیفیت جس کو وہ آج تک کوئی نام نہ دے پائی تھی۔ کچھ دیر قبل پُرشور فضا بالکل پُرسکون ہو چکی تھی اور یہ خاموشی اعلان کر رہی تھی کہ اس کے اسٹوڈنٹس جا چکے ہیں اور اب اسے بھی جانا ہوگا اور یہ سوچ اسے روز کی طرح جھنجھلاہٹ و بیزاری میں مبتلا کر دیتی تھی۔

شام کے ان آخری لمحوں میں جب ہر ذی روح کو گھر کی طلب بے تاب و بے چین کر ڈالتی تھی۔ ایسے میں وہ سوچتی تھی کوئی ایسی ترکیب، کوئی ایسی جادو کی چھڑی ہاتھ آ جائے جس سے وہ وقت کو ایک ہندسے پر روک دے۔ جامد کر دے کہ کبھی شام نہ آ جائے۔ نہ شام آئے گی، نہ اسکول کی چھٹی ہو گی، نہ اسے گھر جانا ہوگا اور زندگی یوں ہی تمام ہو جائے گی۔

ہاہا! شاید میرا شجرۂ نسب کسی نہ کسی طرح شیخ چلی سے ملتا ہے۔ ان موصوف کو بھی جاگتے میں خواب دیکھنے کی عادت تھی، بالکل میری طرح۔ اپنی سوچ پر وہ خود ہی مُسکرا دی۔ ”کاش! سب ہماری سوچوں جیسا ہو جائے۔ کوئی خواہش، کوئی آرزو درد ہو تو پھر جنت کی آرزو کون کرے گا؟“

”کرن! کرن! کیا گھر چلنے کا موڈ نہیں ہے؟“ اس کی ساتھی ٹیچر عادلہ چادر اوڑھتی ہوئی وہاں آ کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

”گھر ہی چلنا ہے، ابھی چلیں گے“۔ وہ ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی گویا ہوئی۔

”وہاٹ یار! ابھی چلیں گے سے کیا مراد؟ عجیب ہو تم۔ چھٹی ہوتے ہی بچوں کے ساتھ ساتھ ہم ٹیچرز کو بھی جلد از جلد گھر جانے کی لگتی ہے مگر تم ایک ہو۔ روزانہ تمہیں یاد دلانا پڑتا ہے کہ مس چھٹی ہو چکی ہے، گھر چلیں۔ واچ مین کلاسز لاکڈ کرنے آ رہا ہے“۔

”اوکے! چل رہی ہوں۔ لیکچر تو نہ دو“۔ وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی تو عادلہ نے اسے ناقدانہ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

”اوہ! بہت بہت شکریہ اس سخاوت کا، تا حیات احسان مند رہوں گی۔ ہونہہ! اب ایسا بھی کیا شوق تدریس کا کہ انسان گھر کا خیال ہی بھول جائے“۔

تمہاری امی، چھوٹے بہن بھائی بڑی چاہت سے تمہاری راہ دیکھتے ہیں۔ گھر میں قدم رکھتے ہی محبت بھری گرم جوشی سے تمہارا

استقبال ہوتا ہے۔ ایک بڑی بہن چاہت سے تمہارے کہے بنا تمہاری چادر تہہ کر کے رکھتی ہے۔ دوسری بہن پرس احتیاط سے ہینگ کرتی ہے۔ ایک بھائی پانی لے کر آتا ہے تو دوسرا تمہاری سینڈلیں اُٹھا کر رکھتا ہے اور تمہاری امی فٹافٹ چائے بنا کر لے آتی ہیں جس کے ہمراہ صبح ناشتے کے بچے پاپے، باقر خانی یا نمکین سموسے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تازہ آلو کے بنے سموسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ عام اور بے حیثیت چیزیں کتنی بڑی نعمت بن جاتی ہیں، جب تم سب ساتھ بیٹھ کر شیئر کرتے ہو، کھاتے پیتے ہو اور میں مانتی ہوں کہ انسان کھانے کا بھوکا نہیں ہے۔ وہ محبت کا بھوکا ہے۔ چاہت کا پیاسا ہے۔ وفا کا طلب گار ہے اور اپنی آخری پیدائش تک رہے گا۔ مجھے بھی انہی نایاب قدروں کی تلاش ہے اور میں بھی گھر جانے کو بے قرار رہوں گی بشرطیکہ مجھے بھی وہی چاہت، محبت واہمیت ملے جو مجھے میرے ہونے کا یقین دلائے۔ زندگی سے روشناس کرائے۔ وہ سوچتی رہی۔

''اوگاڈ! پھر مراقبے میں چلی گئیں۔ جلدی چلو واچ مین آرہا ہے''۔ وہ گم صم کھڑی کرن کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی کاریڈور میں لے آئی تھی۔

''چل رہی ہوں۔ ہاتھ تو چھوڑو''۔

''تاکہ تم پھر کھلی آنکھوں سے سونے لگو۔ جانتی تو ہو کہ گھر والے میرے بنا شام کی چائے نہیں پیتے اور انہیں انتظار میں جتلا رکھنا مجھے اچھا نہیں لگتا''۔

گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی بے زاری وادا سی عروج پر پہنچ گئی، جب ماں کو حسبِ معمول جاء نماز پر براجمان کسی وظیفے میں مشغول پایا۔ کوفت وجھنجلاہٹ سے اس نے سینڈل اُتار کر پاؤں سے ہی پلنگ کے نیچے اُچھالی تھیں۔ پرس ٹیبل پر رکھا۔ چادر کا گولہ بنا کر دور اُچھالا اور اس انداز سے دراز ہوئی کہ پلنگ کی ہر چول نے چیخ کر صدائے احتجاج بلند کی تھی۔

ماں نے تنبیہی نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔ ان کے انداز میں خفگی وبرہمی واضح تھی مگر اس پر مطلق اثر نہ تھا۔ وہ اسی طرح اکڑی منہ پھلائے پڑی رہی۔ وہ ان گھورتی نگاہوں اور کسی نہ کسی ورد میں محو رہنے والے لبوں کی عادی تھی کہ ان کا دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں یہی مصرف تھا۔ بارہ گھنٹے دیگر کاموں کے لیے وقف تھے اور بارہ گھنٹے ایسے ایسے وظیفوں واذکار میں مشغول رہ کر خود کو تو بھول ہی گئی تھیں، ساتھ اس کی ہستی بھی فراموش کر بیٹھی تھیں اور یہیں سے اس کے اختلافات شروع ہوئے تھے۔

''یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ سارا دن کوڑھ مغز اسٹوڈنٹس کے ساتھ مغز ماری کر کے آؤ۔ گھر آکر کوئی ایک گلاس پانی، ایک کپ چائے پلانے والا نہیں ہوتا۔ تھک کر آؤ اور آکر خود ہی چائے بنا کر پیو۔ ہونہہ! میں اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں''۔

☆......☆......☆

وقت شروع سے ہی چلا آرہا تھا۔ اسے بچپن سے محرومیوں وتشنگیوں کے سوا ملا ہی کیا تھا۔ ساتھ ماں کے سرد مہر وسخت رویئے نے اسے از حد خوف زدہ وبے اعتماد کر ڈالا تھا۔ وہ ماموں کے بچوں سے خاموشی سے مار کھا لیا کرتی تھی۔ ممانیوں کی زبانیں اور نفرت وحقارت

برساتی نگاہوں سے سہمی سہمی رہتی۔ اپنی ہم عمر کزنز کو خوب صورت کپڑوں اور شوز پہنتے دیکھ کر اس کی بھی خواہش اُبھرتی کہ وہ بھی ان کی طرح مہنگے و خوب صورت کپڑے پہن کر پریوں کی طرح لگے۔ ڈھیروں چاکلیٹس، جویلیز، پاپ کارن وغیرہ خرید کر کھا سکے اور بھی بے شمار خواہشات تھیں جو اس کے ساتھ ہی جوان ہوئی تھیں۔

ماں کی بے التفاتی کا دُکھ ہر دُکھ پر بھاری تھا۔ ہر طرف سے نفرتوں اور عزت نفس کو ہر لمحہ کچلنے جانے پر وہ نئی کرن بن گئی تھی۔ ہٹ دھرم، بدتمیز، اپنی من مانی کرنے والی لڑکی کا یہ روپ کسی طور بھی کسی کو نہ بھایا تھا اور سزا کے طور پر زندگی اس پر مزید تنگ کردی گئی تھی مگر وہ بہادری سے میدان میں اُتری تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ مرجائے گی مگر ان کے آگے اب نہیں جھکے گی، خواہ راہیں کتنی ہی خاردار و کٹھن ہوجائیں اور اس نے جو کہا، اس پر ثابت قدم تھی۔

"ہاں ہاں مرجا! زندہ رہ کر کون سے میرے کلیجے میں ٹھنڈک ڈال رکھی ہے۔ ہر وقت کے رونے سے بہتر ہے، تین دن رو کر بیٹھ جاؤں گی"۔ وظیفے سے فارغ ہوتے ہی نوشابہ جلے کٹے لہجے میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"اتنی ہی آرزو ہے مجھے مرا ہوا دیکھنے کی تو پیدا ہوتے ہی گلا دبا دیتیں میرا۔ کیوں اتنے سال تک برداشت کیا"۔

"کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تو اتنی بدتمیز و زبان دراز نکلے گی تو تجھے جنم دینے سے قبل کوکھ میں ہی مار ڈالتی"۔ انہوں نے جائے نماز تہہ کر سائیڈ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی بھی وقت ہے، گلا گھونٹ دیں میرا، یا زہر دے کر ماردیں"۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیزی سے جمع ہو رہا تھا لیکن زبان شعلے اُگل رہی تھی۔

"آخر ہے نا اس گندے خاندان کا گندا خون تیری رگوں میں جس میں اخلاص و مروت کی سرخی کے بجائے نیلاہٹ بھرا زہر گھومتا ہے، وہی زہر بھرے لفظوں سے نکلتا ہے۔ بداحساس باپ کی بداحساس و بدلحاظ اولاد ہے تو۔ میرے دودھ کی پاکیزہ مٹھاس بھی اس زہر کو نہ مار سکی"۔

"خیریت تو ہے نا، بڑی شدید بو آرہی ہے، کچھ جل کر خاک ہونے کی"۔ حمزہ دروازہ ناک کرتا ہوا مسکین صورت بنا کر گویا ہوا۔

"تمہیں کبھی تمیز نہیں آئے گی۔ کٹنی عورتوں کی طرح لوگوں کی سن گن لیتے پھرا کرو۔ اونٹ کی طرح تھوتھنی اُٹھائے گھس آتے ہو مزے سے"۔

"اس کے باپ کا گھر ہے۔ جب چاہے آئے جائے تم کون ہوتی ہے اعتراض کرنے والی۔ اپنے باپ کے گھر جاؤ تو اعتراض کرنا سمجھیں"۔ ہمیشہ کی طرح اس خیال سے کہ کہیں بھابی سن نہ لیں یا وہ بُرا نہ مان جائے کے ڈر سے خود ہی چیخ کر بولیں۔ بچپن سے اب تک ان کے ساتھ یہی مسئلہ رہا کہ ان لوگوں کی خوشنودی اور محبت حاصل کرنے کے لیے وہ اسے اسی طرح دبانے کی کوشش کرتی آئی تھیں، بجائے اس کی طرف داری کرنے یا خیال کرنے کے، وہ ایسا ہی بے رحمانہ سلوک کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح رہنے سے ان دونوں کی اہمیت وحیثیت بڑھ جائے گی، وہ کبھی اس سہارے سے بے سہارا نہ ہو پائیں گی لیکن جب وقت اُلٹی چال چل رہا ہو اور قسمت بھی

بے اعتنائی کی چادر میں ملفوف ہو جائے تو سب کاوشیں، قربانیاں واستقامت وایثار اُلٹ ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے وہ ماسوائے حمزہ کے کسی کو اپنا نہ بنا سکیں اور ساتھ بیٹی سے بھی دور ہو گئی تھیں۔ جس دوری کو وہ ابھی تک نہ سمجھ پائی تھیں، نہ سمیٹ پائی تھیں۔ عجیب اُلجھا، ٹوٹا، بکھرا سا رشتہ ان کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔

''اپنے باپ کے گھر تو میں ابھی چلی جاؤں لیکن آپ کی ناک میرا راستہ روک لیتی ہے''۔ باپ کے حوالے سے دیا گیا ہر طعنہ اسے بھڑکتے الاؤ میں پھینک دیا کرتا تھا اور اس وقت حمزہ کے سامنے وہ بالکل برداشت نہ کر سکی۔ ادھر اس کی بچی وکڑوی بات نے نوشابہ کو غصے سے کھولا دیا تھا۔ وہ اس کو مارنے کے ارادے سے جنونی انداز میں آگے بڑھی تھیں، اگر حمزہ درمیان میں نہ آجاتا تو وہ اسے پیٹ ڈالتیں۔

''بدزبان، بدتمیز، بدتہذیب کس منہ سے باپ کے گھر جائے گی۔ بے غیرت! اس باپ کی حمایت لیتی ہے جس نے کبھی پلٹ کر یہ نہیں دیکھا کہ تو زندہ ہے یا مرگئی۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے جس نے کبھی خبر نہیں لی۔ لوگ یتیموں، مسکینوں پر بھی عید، بقرعید پر شفقت کا ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ خیر خبر لے لیتے ہیں پر تیرا باپ تجھے یتیموں سے بھی بدتر سمجھتا ہے''۔ شدید اشتعال کے باعث ان کا سانس بُری طرح پھولنے لگا تھا۔ وہ ہانپتی ہوئی بیٹھ گئی تھیں۔

''پھپھو جان! اتنا غصہ کیوں کرتی ہیں۔ وہ بے وقوف ہے۔ آپ کو سمجھداری سے کام لینا چاہیے''۔ کرن اُٹھ کر باہر صحن میں چلی گئی تو حمزہ ان سے مخاطب ہوا۔

''مجھے خود پسند نہیں ہر وقت کی چخ چخ مگر وہ ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اللہ نے ایک بیٹی دی، وہ بھی ایسی نامراد و بدبخت کہ سوچتی ہوں اس سے بے اولاد ہوتی تو بھلی تھی''۔ وہ رونے لگی تھیں۔

''خطاوار وہ نہیں، آپ بھی ہیں پھپھو۔ اس کو نہ باپ سے شفقت ملی اور نہ آپ نے اسے محبت دی۔ میں بچپن سے آپ کا یہی رویہ دیکھتا رہا ہوں۔ دوسرے لوگوں کی زیادتیوں کو تو وہ فراموش کرتی آئی تھی۔ آپ کی بے توجہی نے اسے یہ نیا روپ عطا کیا ہے۔ مسلسل گرتے پانی کی بوند پتھروں میں سوراخ کر ڈالتی ہے پھر وہ تو نرم و نازک حساس دل رکھنے والی لڑکی ہے''۔

''میں اس کی دشمن نہیں، ماں ہوں، جو چاہتی ہوں اس کے بھلے کے لیے لیکن وہ یہ سب کہاں سمجھتی ہے۔ اس باپ کی حمایت لیتی ہے جس نے کبھی پلٹ کر یہ جاننے کی کوشش نہیں کی وہ کس حال میں جی رہی ہے''۔

کافی دیر تک پھپھو کو سمجھا بجھا کر وہ کرن کو ڈھونڈتا ہوا اسٹور روم میں آگیا اور گہری تاریکی ہونے کے باعث کسی چیز سے اُلجھ کر دھڑام سے گرا تھا۔ سر کسی سے بُری طرح ٹکرایا تھا۔

''آہ! اندھے ہو گئے ہو کیا؟'' کرن نے غصے سے کہتے ہوئے اُٹھ کر بلب آن کرتے ہوئے کہا۔ وہ دائیں ہاتھ سے سر سہلاتی جا رہی تھی۔ زرد و سیاہ امتزاج کے جارجٹ کے سوٹ میں وہ متورم آنکھوں اور سرخ چہرے پر دُنیا بھر کی سنجیدگی لیے اسے گھور رہی تھی جو زمین پر پڑے پڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب اُٹھ بھی چکو۔ کیا فوت ہو گئے ہو پڑے پڑے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی اندھیرے میں بیٹھنے کی؟" وہ اُٹھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی، آنکھیں بند کر کے آنے کی"۔

"ٹھیک کہتی ہیں پھپھو کہ تم بدتمیز ہو چکی ہو"۔ وہ بیٹھتے ہوئے شکوہ کناں تھا۔

"ہاں، انہیں مجھ میں خامیوں اور برائیوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سب تو اس گھر میں گونگے ہیں، میں ہی فقط زبان رکھتی ہوں یہاں"۔

"او..... کم آن کرن! تم اعلیٰ تعلیم یافتہ، واقعی سمجھدار ہونے کے باوجود ایسا بی ہیویئر کرتی ہو تو بالکل جاہل اور گنوار لگتی ہو، حالانکہ تمہیں ان کی ذہنی کشمکش کو، بے چارگی کو بہت اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ وہ شوہر کے سلامت ہونے کے باوجود بیوہ جیسی زندگی گزار رہی ہیں اور پھر رہی سہی کسر سگوں کی بے اعتنائی، غیریت بھرے رویئے وسلوک نے پوری کر دی ہے اور تم نے اپنی بدمزاجی و چڑچڑے پن کا فاضل بوجھ ڈال کر انہیں زندگی سے ہی بے زار کر ڈالا ہے"۔

"اگر وہ شوہر کے ہوتے ہوئے بیوہ جیسی زندگی گزار رہی ہیں تو میں بھی باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں کی طرح دن گزار رہی ہوں، پھر وہ مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟ دُنیا میں لاکھوں ایسے لوگ ہیں جو ہماری طرح زندگی گزار رہے ہیں لیکن انہوں نے زندگی سزا نہیں، راحت و آسودگی سے گزاری ہے اور گزار رہے ہیں۔ مما نے مجھے کبھی ممتا و اپنائیت کا احساس نہیں دیا۔ ہمیشہ میرا حق دوسروں میں بانٹتی آئی ہیں، جتنی آؤ بھگت، غلامی، چاپلوسی، خدمت و ذلت انہوں نے اس گھر اور گھر والوں کے دلوں میں جگہ پانے کے لیے بھگتی ہے، اگر سسرال میں کرتیں تو آج ان کے ساتھ میں بھی عزت و سرخروئی سے رہ رہی ہوتی"۔

گھر والوں کا رویہ اس سے پوشیدہ نہ تھا مگر پھر بھی کرن کے منہ سے سن کر اس کے چہرے پر سرخی چھا گئی تھی، پھر سر جھٹک کر گویا ہوا۔

"کر لو جتنا ذلیل کرنا چاہو۔ مجھ جیسا بھی تمہیں کہاں ملے گا جو اپنوں کی برائیاں منہ در منہ خاموشی سے بلا خفگی کے سن رہا ہو"۔

"اگر جھوٹ بول رہی ہوں تو سزا کے لیے تیار ہوں"۔ وہ صاف گوئی سے گویا ہوئی۔

"بات ساری سچائی کی ہے جبھی میں خاموش ہوں لیکن تمہیں بھی خود کو بدلنا ہوگا۔ ہم ہمیشہ دوسروں کے بدلنے کی توقع رکھتے ہیں۔ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے"۔

"میں نے خود کو حالات کے ساتھ بدلنا سیکھا ہے، جب ہی تو آج زندہ ہوں اور زندگی پانے کی جستجو میں مگن بھی ہوں، ورنہ مما نے مجھے بہت پہلے مار دیا تھا"۔

"پھپھو جان سے تمہارے تازہ ترین اختلافات کی وجہ کیا ہوئی ہے؟" اس کا دل تو ہر دم کسی ہمدرد و خیر خواہ کا متلاشی رہتا تھا۔ حمزہ کو مہربان پا کر اپنی خواہشات بتا دیں۔

"خواہشیں ایسے سمندر کی مانند ہیں جن کا کوئی کنارا نہیں ہوتا مگر جائز اور برحق خواہشیں اپنی منزل تلاش کر لیتی ہیں، بے غرضی و مروت صبر طلب ہوتی ہے۔" ہمیشہ کی طرح حمزہ نے اسے انتظار، صبر اور کامیابی کی تسلی دینا شروع کر دی تھی۔

☆......☆......☆

"صمد! کہاں جا رہے ہو؟"

"کیوں؟" وہ اُنگلی پر کی رنگ گھماتا ہوا سوالیہ انداز میں بولا۔

"میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ"۔ وہ شولڈر بیگ لٹکائے تیز تیز قدموں سے اس کے قریب آئی۔

"جہنم میں جا رہا ہوں، چلو گی؟"

"چلو تمہیں ایک اسٹاپ پیچھے اُتار کر آگے بڑھ جاؤں گی۔ جنت، دوزخ سے آگے ہے"۔ اس نے بھی اسی معصومیت سے جواب دیا۔

"جنت! ہونہہ، تم جیسے لوگ تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے"۔ پیچھے آتی چھوٹی ممانی کی بیٹی زرقون طنزیہ لہجے میں بولی۔

"جنت پر بھی کیا تمہارے پیرنٹس نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے؟"

"دعائیں دو میرے پیرنٹس کو جن کی بدولت تم ماں بیٹی اس گھر میں عزت و سکون کی زندگی گزار رہی ہو، ورنہ فقیروں سے بدتر حشر ہوتا تم لوگوں کا اور اس پر ممنون ہونے کے بجائے تم انہیں غاصب بتا رہی ہو۔ نمک حرام ہو ایک نمبر"۔ جتنی تحقیر زرقون کے لہجے میں تھی، اس سے کہیں زیادہ آنکھوں میں تھی۔

"یہ سب تمہارے نمک کا ہی اثر ہے، جس طرح تمہارے خون میں کشش نہیں ہے، اسی طرح تمہارے نمک میں بھی تاثیر نہیں ہے۔ تمہارا خون اور نمک دونوں ہی منافقت اور بے مروتی سے لبریز ہیں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے"۔ ایک ایک لفظ اس نے جما جما کر ادا کیا تھا۔ سامنے کلف شدہ کپڑے کی طرح اکڑی کھڑی زرقون اس کے لفظوں اور پُرسکون انداز پر ناگن کی طرح بل کھانے لگی تھی۔

"میرے خون کو اپنے خون کی طرح گندہ مت سمجھو نمک حرام، ذلیل باپ کی ذلیل اولاد! ہمارا کھاتی ہو اور ہم پر ہی غراتی ہو"۔

"میرے باپ کو گالی دی تم نے۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی"۔ باپ کے نام پر وہ ویسے ہی احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی تھی اور اس وقت تو زرقون نے ادب و احترام کی تمام حدود کراس کر ڈالی تھیں۔ وہ بپھری ہوئی اس کی جانب بڑھی۔ اسی دم ہکا بکا کھڑا صمد ان کے درمیان ایستادہ ہو گیا۔

"یہ...... یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تم دونوں کا"۔ وہ بوکھلایا۔ اسی دم گھر کے لوگ آ گئے، جنہوں نے زرقون اور کرن کو وہاں سے ہٹایا۔ بظاہر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ وہ جو عادلہ کے ہاں جانے کی تیاری کر کے نکلی تھی، صمد کی منتوں کے باوجود نہ گئی تھی، جبکہ زرقون اس وقت اپنی کزن کے ہاں جانے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی اور صمد کو اس سے ہنس ہنس کر بات کرتا دیکھ کر وہ جوشِ رقابت میں جلا ہو گئی تھی۔ جب ہوش پر جوش غالب آ جائے تو شعور سو جاتا ہے اور دل کی بات زبان پر رواں ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ہوا تھا جس کا اسے

قطعی افسوس نہ تھا۔ وہ ماں بیٹی ان کی نگاہوں میں راہ میں پڑے وہ بے جان و بے توقیر پتھر تھے جن کا کام صرف ٹھوکریں کھا کر بھی وہیں پڑے رہنا تھا، جن کو وہ بہت فراخ دلی و مستقل مزاجی سے ٹھوکر پر ٹھوکر لگاتے رہتے تھے۔

گھر کی دیگر خواتین اس موقع پر موجود نہ تھیں۔ زرتون نے رات واپسی پر ماں کو کرن کے بارے میں خوب بھڑکایا اور بیٹی کی طرح ماں کو بھی ازحد تشویش تھی کہ حمزہ کی طرح صمد بھی کرن کی طرف ملتفت ہونے لگا ہے جو خطرے کی بات تھی۔ راحیلہ نے دونوں چھوٹی دیورانیوں کے صبح خوب کان بھرے۔ جب مرد گھر کے باہر کاموں پر چلے گئے تو انہوں نے متحد ہو کر صلاح مشورے کیے اور کرن کی اسکول آمد سے قبل ہی نند کی طرف آ گئی تھیں۔

ایک کمرے اور درمیانے آنگن والا یہ حصہ اب جس قدر بے رونق و ویران نظر آتا تھا، ایک عرصہ قبل تمام رونقوں و مسرتوں کی کہکشائیں یہیں سے پھوٹتی تھیں۔ جب اس گھر کی بنیاد رکھنے والے حکمران موجود تھے جن کی نگاہوں میں نہ رشتوں کی تقسیم تھی، نہ محبتوں کی تفریق، جن کی مسرتیں و چاہتیں سب کے لیے یکساں تھیں۔ ان کی موجودگی میں یہ ایک بڑا اور خوب صورت پورشن تھا جو اب بڑی بھابھی راحیلہ کے دل کی طرح تنگ اور چھوٹا ہو گیا تھا۔ جب رشتوں میں فاصلے پڑ جائیں، دل احساسات سے خالی ہو جائیں تو گھر میں بھی جگہ تنگ پڑنے لگتی ہے۔ ساس سسر کی یکے بعد دیگرے وفات کے بعد انہوں نے بچوں کا بہانہ بنا کر اس طرف کے تین کمرے اور ڈرائنگ روم اپنی طرف لے کر ایک کمرہ اور آنگن ان کی طرف چھوڑ کر دیوار بنوا دی تھی۔

حسب معمول نوشابہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر وظیفے میں مشغول تھیں۔ تینوں بھاوجوں کو دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا تھا، پھر ان کے انداز و تیور انہیں کسی گڑبڑ کا احساس دلانے کے لیے کافی تھے۔ وظیفہ مکمل ہونے سے قبل وہ بول نہیں سکتی تھیں۔ انہوں نے اُٹھ کر پلنگ پر موجود چادر کو درست کر کے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”اری بنو! چھوڑو ان چیزوں کو۔ اگر دنیا ان چلوں اور وظیفوں سے کامیاب ہونے لگے تو ہر کوئی ہاتھ میں تسبیح پکڑے اور جائے نماز بچھائے نظر آئے گا“۔ راحیلہ نے بیٹھتے ہی کاٹ دار گفتگو کا آغاز کیا۔

”آج کا دور عمل کا دور ہے۔ جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے، یہ ہم نہیں کہتے ہمارے بزرگ کہہ گئے ہیں“۔ منجھلی ممانی نے بھی طنز میں حصہ جتایا۔

”کل کو اچھا کرتیں تو آج کو اچھا پاتیں۔ کیا دیا ہے تمہارے کاموں نے۔ کل بھی تم ہمارے در پر پڑی تھیں اور آج بھی پڑی ہو۔ یہ سب کرنے سے بہتر تھا، اپنی زبان کو سنبھال کر بولتیں تو آج یہ دن دیکھنے نہ پڑتے ہم لوگوں کو“۔ چھوٹی ممانی رخسانہ بھی پوری تیاری سے میدان میں آئی تھیں۔

”تم خود تو اچھی بیوی بن سکیں نہ اچھی بہو۔ کم از کم بیٹی کو تو اچھی لڑکی بننے کی تربیت دے دیتیں۔ خود تمہاری زندگی جیسے تیسے گزر گئی اور گزر جائے گی لیکن اس بلا کا سوچو۔ اس کا کیا ہو گا جس کے آگے پوری زندگی پڑی ہے، جو بدتمیزی اور ڈھٹائی میں تو سب سے آگے

تھی ہی، اب تو ہاتھ بھی چلانے لگی ہے"۔

"آئے ہائے بڑی بھابی! یہ کب کی بات ہے؟" انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"کل شام جب زرقون بڑے بھائی کے ہاں جا رہی تھیں، بس کرن وہیں اڑ گئی کہ وہ صمد کے ساتھ کیوں جائے گی، حالانکہ زرقون کی عادت تو سب کو معلوم ہے کہ وہ کس قدر معصوم اور شرمیلی لڑکی ہے۔ بھلا اس دور میں کہاں ہوتی ہیں ایسی بے زبان لڑکیاں"۔ حسب عادت انہوں نے اپنی بیٹیوں کی شان میں قصیدہ گوئی شروع کر دی۔

"یہ صمد کا تذکرہ کیوں آیا؟" آسیہ ممانی کے کان کھڑے ہوئے۔

"اس کی وجہ سے تو ہنگامہ کھڑا ہوا۔ زرقون جانے کے لیے نکلی تھی۔ صمد کی خواہش تھی کہ وہ زرقون کو چھوڑ کر آئے لیکن کرن سے یہ برداشت نہیں ہوا اور اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔" بڑی ممانی چھوٹی ممانی کے بگڑتے تیور دیکھ کر گڑبڑا گئیں۔

"صبح تو تم بتا رہی تھیں کہ تم نے خود صمد سے کہا کہ زرقون تنہا جا رہی ہے تم چھوڑ آؤ اور اب کہہ رہی ہو کہ صمد نے ضد پکڑی کہ وہ خود چھوڑ آئے گا۔" غصے میں وہ بھول گئیں کہ صبح یہ پلان بنا تھا کہ ہر بات سن کر یہ اظہار کرنا ہے جیسے وہ لاعلم ہیں۔

"بھابی! آپ بھول رہی ہیں، صبح ہمارے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔" رخسانہ آہستگی سے ان کے کان کی طرف منہ لے جا کر گویا ہوئی۔

"میں سب سمجھتی ہوں، جو تم کرنا چاہتی ہو لیکن اپنی یادداشت میں یہ بات بٹھا لو۔ اس گھر کی کوئی لڑکی میری بہو بننے کے قابل نہیں ہے۔ تم خواہ کتنے میرے بیٹوں پر ڈورے ڈالنے یا مجھے پٹانے کی کوشش کرو۔ ہو گا وہی جو میں چاہوں گی"۔

"بھابی! عقل کے ناخن لو۔ ہم یہاں اس کا فیصلہ کرنے آئے تھے یا آپس میں لڑنے مرنے۔ یہ ماں بیٹی تو چاہتی یہی ہیں کہ ہم آپس میں لڑ جھگڑ کر الگ ہو جائیں اور یہ عیش کریں"۔ ساجھے کی ہانڈی چوراہے پر پھوٹ گئی تھی لیکن آسیہ بہت چالاک و سازشی ذہن کی مالک تھیں۔ وہ شکار کو کند چھری سے ہلاک کر دینے والوں میں سے تھیں۔ ایسے لوگ کبھی معاف نہیں کرتے، سو وہ بھی جیٹھانی کو مزہ چکھانے کا عہد دل میں کر کے بظاہر معصوم و بے ضرر نظر آنے لگیں۔

"آپ بھی سوچتی سمجھتی نہیں، بس شروع ہو جاتی ہیں۔ بندے کو اتنا جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیے۔ راحیلہ پھر نادم نظر آنے لگی تھیں۔

"ہو جاتی ہے، عقل خراب ہے۔ ایک پریشانی ہو تو بندہ برداشت کر جائے۔ عاصم کاروبار کی طرف سے پریشان ہیں۔ حمزہ اور صمد کی پڑھائی کا آخری سال چل رہا ہے۔ اس دور میں جس طرح ہم گھر چلا رہے ہیں، یہ ہم جانتے ہیں یا ہمارا اللہ"۔

"ہاں بالکل درست کہہ رہی ہیں آپ۔ مہنگائی تو بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ گھر کے مرد کس قدر محنت کرتے ہیں۔ اسی ہفتے تو سنا ہے کہ عاصم بھائی کو کاروبار میں لاکھوں کا فائدہ ہوا ہے اور اسی خوشی میں وہ آپ کے لیے گولڈ کی چوڑیاں بنوا رہے ہیں، ڈائمنڈ جڑوا کر۔ اب کیا کریں اتنی مہنگائی میں بے چارے چوڑیاں ہی بنوا سکتے ہیں"۔

"پھر کیا کریں۔ پیٹ کا کھایا کون دیکھتا ہے۔ تن پر اعلیٰ کپڑے اور زیور ہوں تو عزت ملتی ہے، نام ہوتا ہے، پھر ہمارا تو اعلیٰ مقام

ہے سوسائٹی میں۔ دل مار کر یہ سب کرنا پڑتا ہے، ورنہ حالات تو ایسے نہیں ہیں۔ لوگوں کو نظر آتا ہے، لاکھوں کا فائدہ ہوا ہے لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ افسران کو نذرانے دینے کے بعد بچتا کیا ہے"۔ ان کے درمیان چلنے والی چپقلش جاری ہو چکی تھی، جس سے وہ اپنا مشن بھول گئی تھیں۔ نوشابہ تیزی سے اپنا وظیفہ مکمل کرنے میں مشغول تھیں۔

"میں نے سنا ہے آصف نے تمہارے نام سے ڈیفنس میں چھ کمروں والا اپارٹمنٹ خریدا ہے، ایک کروڑ میں۔ اگلے ہفتے تمہاری ویڈنگ اینیورسری پر گفٹ کریں گے اور عامر نے کوئی شوروم خریدا ہے"۔ انہوں نے بھی ان ہی کے انداز میں معصومیت سے کہا۔

"بھابی! وہی بات آ گئی کہ ہر جگہ ہاتھ چلانا ہوتا ہے۔ اس ہوشربا مہنگائی میں ایک کاروبار سے کہاں گزارا ہوتا ہے پھر بینش، مہوش کو خالی ہاتھ رُخصت نہیں کیا جائے گا۔ اس دور میں تو جتنا جہیز دو اتنی ہی بیٹی کی قدر رہتی ہے"۔

نوشابہ اپنا وظیفہ مکمل کر کے ان کے قریب نہ آ بیٹھتی تو نہ معلوم کب تک ان کی زر، زمین و دولت کی من پسند گفتگو جاری رہتی۔ ان کو قریب دیکھ کر وہ یک لخت اپنے حواسوں میں لوٹ آئی تھیں۔

"سنبھال کر رکھو اپنی لاڈلی کو۔ زبان تو چلتی ہی تھی اب ہاتھ بھی چلانے لگی۔ نہ معلوم کیا گل کھلائے گی۔ تمہاری کرنی کو بھگتنے کے لیے ہم بھائی بھاوج موجود ہیں مگر اس کو کون بھگتے گا؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں بڑی بھابی۔ کرن کے چلن اچھے نہیں ہیں۔ اس گھر میں اور بھی لڑکیاں ہیں جن کی کوئی آواز تک نہیں سنتا"۔

"رہنے دیں رخسانہ بھابی! بھینس کے آگے بین بجانے سے کیا فائدہ، جب اسے خود ہی پروا نہیں ہے۔ اس کو چھوٹ تو اس نے خود ہی دے رکھی ہے، ورنہ اس کی ہمت ہو سکتی ہے"۔ ان دونوں کی طرح آسیہ کی زبان بھی زہر اُگل رہی تھی۔

"اللہ گواہ ہے کہ میں نے کبھی بھی کرن کی کسی بھی معاملے میں حوصلہ افزائی نہیں کی۔ ہمیشہ اس کی مخالف رہی۔ دل شکنی اس خیال سے کی کہ کل کو وہ خود کو اس گھر کے لوگوں کے برابر سمجھ کر من مانی نہ کرے۔ حکمرانی کا خیال دل میں نہ لائے۔ یہ سوچ، یہ خوف مجھ پر اس قدر حاوی رہا کہ میں نے اسے وہ مقام، وہ محبت بھی نہ دی جو ماں ہونے کے ناتے مجھ پر لاگو ہے۔ جب عورت کی کوکھ آباد ہوتی ہے تو ممتا کے جھرنے اسی دم سے بہنے لگتے ہیں۔ محبت کی فصل تب ہی سے ہریالی پانے لگتی ہے اور مجھ بدنصیب کو دیکھو کہ اپنی ممتا کو اپنے ہاتھوں کچل کر میں جس طرح زندہ ہوں، آپ ماں ہونے کے ناتے میری اس تڑپ کو سمجھ سکتی ہیں۔ اگر آپ بھی مجھے قصوروار سمجھتی ہیں تو جو سزا دینا چاہیں، مجھے منظور ہو گی"۔ وہ کسی مجرم کی طرح ان کے درمیان بیٹھی تھیں۔

"لو کر لو بات۔ یہاں تو کہانی ہی اُلٹی چلتی ہے۔ اتنا کچھ ہونے پر بھی ہمیں ہی سنایا جا رہا ہے کہ ہم قصوروار ہیں"۔ راحیلہ تنفر آمیز لہجے میں غصے سے گویا ہوئیں۔

"یہ نہیں پوچھا جا رہا کہ بات کیا ہوئی ہے اور اپنی ہانکنے لگیں"۔

"پوچھتے ہیں وہ جو لاعلم ہوں۔ میں سب جانتی ہوں"۔

"پھر خود ہی انصاف سے فیصلہ کرو۔ کرن کو ایسا کرنا چاہیے تھا؟"

"آہ! مجھ جیسے لوگ جو اپنی بدنصیبی سے اپنوں کے ہی در پر آپڑے ہوں تو کہاں حق، انصاف و فیصلوں کی استطاعت رکھتے ہیں بلکہ میں آپ لوگوں سے معافی مانگتی ہوں کرن کی طرف سے، اس کی نادانیوں و بے وقوفیوں کی طرف سے جو نہ معلوم کس دن اپنی اوقات و حیثیت کا تعین کرے گی۔" وہ ہاتھ جوڑ کر گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں اور وہ تینوں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم تو بے مارے کی توبہ کرواتی ہو۔ ہمارا کام تھا تمہارے علم میں یہ سب لانا۔ کل کو دوبارہ ایسی بات ہوئی تو اس کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے"۔ وہ جس طرح آئی تھیں اسی طرح واپس چلی گئیں اور کرن جو بہت دیر سے کھڑی ان کی اندر سے آتی آوازیں سن رہی تھی، مزید ستون کی آڑ میں ہوگئی۔ کل ہونے والی بدمزگی سے ابھی تک اس کی طبیعت مکدر تھی اور اب اُن سے کوئی بحث کرنے کی طاقت وہ خود میں نہ پاتی تھی، سو خاموشی سے سب سنتی رہی تھی اور ان کے جانے کے بعد کمرے میں چلی آئی۔ نوشابہ کمرے میں نہیں تھیں۔

"یہ لو چائے پیو"۔ وہ ٹرے میں دو کپ چائے لے آئی تھیں۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا"۔

"دل کی بھی خوب رہی۔ نہیں بنا کر دو تو دل چاہتا ہے۔ اب بنائی ہے تو دل نہیں چاہ رہا"۔ ماں کی ناراضگی کے خیال سے وہ کپ لے کر آہستہ آہستہ پینے لگی۔

"مما! اب آپ کو فیصلہ کرنا پڑے گا، کرائے کے گھر میں رہنے کا۔ یہاں زندگی اتنی تنگ کردی گئی ہے کہ سانسوں پر بھی پہروں کا گماں ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں شکستگی تھی۔

"کرائے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں، پھر ہم اکیلی کس طرح غیروں کے درمیان رہیں گی"۔

"بجلی اور گیس کے چارجز جس قدر ہم سے وصول کیے جاتے ہیں، اسی رقم میں مزید رقم ملا کر ہم با آسانی کرایہ افورڈ کر سکتے ہیں، پھر تنہا ایک فرد ہوتا ہے۔ ہم دو ہیں اور دیکھئے گا غیروں کے درمیان ہمیں وہ اپنائیت و محبت ملے گی جو اپنوں میں فنا ہوگئی ہے"۔

"دیکھتی ہوں۔ پہلے بڑے بھائی سے اجازت لینا ہوگی"۔

"ہم کو ان اُلجھنوں سے نکلنا ہوگا اور خود فیصلہ کرنا ہوگا۔ تینوں ماموں اپنی بیویوں کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان ہی کی زبان بولتے ہیں۔ ایسے میں ان سے کسی اچھی بات کی توقع رکھنا عبث ہے"۔ کرن چائے کے خالی کپ کچن کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

نوشابہ کے لبوں پر اضمحلال بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کرن اپنی کم عمری کے باعث اتنی گہرائی میں نہیں سوچ سکتی تھی جو سوچیں انہیں آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے تھیں۔

بھائیوں کے احسان تلے جکڑی ہوئی عورت کس طرح اپنی مرضی سے فیصلہ کرسکتی ہے۔ یہ آج نہیں بہت عرصہ قبل سے ان کی بھی خواہش رہی تھی کہ وہ ان سے علیحدہ رہیں، خواہ دُگنا کرایہ ادا کرنا پڑے، وہاں اپنوں کی دی ہوئی اذیت بھری زندگی نہ ہوگی اور سب سے

بڑی دولت ذہنی سکون ہوگا جوان ماں بیٹی کی زندگیوں سے روٹھ گیا تھا۔

وہ موقع کی تلاش میں رہیں کہ کبھی بھائی تنہا ملیں تو بات کریں۔ شاید وہ مان جائیں پھر کچھ دن بعد جب سب گھر والے کہیں شادی میں گئے ہوئے تھے۔ بڑے بھائی عاصم انہیں تنہا مل گئے اور انہوں نے ڈرتے جھجکتے ہوئے اپنا مدعا بیان کر ڈالا تھا۔

''کیوں اس گھر میں کیا تکلیف ہے تمہیں۔ پورے گھر پر حکمرانی کرتی ہو۔ ایک عورت کو جو گھر گرہستی چلانے میں جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اس سے آزاد ہو۔ آرام وسکون سے رہتے رہتے کیا ہوتا ہے تمہیں، جو کرائے کے گھر کی بات کرتی ہو''۔ عاصم بھائی کے لہجے میں سخت ناپسندیدگی وبیزاری تھی۔

''بھائی جان! تینوں بھابیوں کا رویہ ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے۔ اب تو بچیاں بھی کسی لحاظ ومروت کی قائل نہیں رہیں۔ میرے ساتھ جو ہوتا آیا، میں برداشت کرنے کی عادی ہوگئی ہوں مگر کرن بچی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس میں برداشت وتحمل آئے گا۔ چند دن قبل معمولی سی بات پر کتنا ہنگامہ ہوا ہے۔ اسی......''

''معلوم ہے مجھے۔ سب بتایا تھا تمہاری بھابی نے۔ نکیل ڈال کر رکھو اسے۔ دو پیسے کیا کمانے لگی ہے، خود کو منسٹر سمجھنے لگی ہے۔ سمجھاؤ اسے اپنی حد میں رہے، ورنہ اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور تم بھی اپنی احمقانہ حرکتوں کو چھوڑ دو۔ اس مہنگائی کے دور میں تم ہمارے درمیان رہ رہی ہو، شکر کرو آئندہ میں ایسی کوئی بکواس نہ سنوں''۔

دل اتنی بار ٹوٹا تھا کہ اب مزید ٹوٹنے کی گنجائش نہ رہی تھی مگر پھر بھی ایک دراڑ سی تھی جو ان کے دل سے نکل کر روح تک پھیلتی چلی گئی۔ اتنا کٹھور، اتنا سنگ دل، اتنا بد احساس ان کا ماں جایا تھا۔ ان کا اپنا خون، اپنا سگا بھائی، بھائی جو بہنوں کے تحفظ وخوشیوں کی خاطر جانیں لٹانے کا عزم رکھتے ہیں، پھر یہ کیسے بھائی تھے جن کی خود غرضی وبے مروتی کی انتہا نہ تھی۔

☆......☆......☆

عادلہ کی بہن فری کی برتھ ڈے تھی۔

وہ چھٹی کے بعد اس کے گھر چلی آئی تھی۔ فری کے لیے گفٹ اس نے کل ہی خرید لیا تھا۔ گولڈن کلر کی خوب صورت رسٹ واچ تھی جو فری کی نازک سی کلائی پر بج رہی تھی۔ وہ یہ تحفہ پا کر بہت خوش تھی اور بار بار کرن کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

عادلہ کی امی نے شام کی چائے کے ساتھ چھولے، دہی بڑوں اور پاپڑوں کا اہتمام کیا تھا اور رات کو آلو کی طاہری تیار کی تھی۔ کرن کے علاوہ کوئی اور مدعو نہ تھا اور حسب عادت کرن ان لوگوں کے ساتھ بہت خوش تھی۔ اسے یہاں بھرپور پذیرائی ملتی تھی۔ ہر کوئی محبت واحترام سے پیش آتا کہ اسے اپنے ہونے کا احساس ہونے لگتا۔ گھر کی گھٹی گھٹی فضا میں ہر دم بیزار وچڑچڑی نظر آنے والی کرن ان کے درمیان بیچ مچ چہکنے لگتی۔ اس کا یہ ہنستا، مسکراتا روپ اسے از حد جاذبیت ودل کشی بخشتا تھا۔

رات عشاء کی نماز کے بعد تو شاہ بہ نے حمزہ کو اسے عادلہ کے ہاں سے لینے بھیج دیا تھا۔ وہ اس کے ہمراہ چلی آئی تھی۔

"بہت خوش نظر آ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟" ڈرائیونگ کرتے ہوئے حمزہ نے اس کی جانب دیکھا۔ لائٹ پرپل ایمبرائیڈری والے سوٹ میں سادہ چہرے کے باوجود وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دھیمی مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر اُجالا بکھیر دیا تھا۔

"عادلہ کے گھر آ کر واقعی مجھے خوشی ہوتی ہے۔ ٹوٹے فرش اور جھڑتی دیواروں والے اس چھوٹے سے گھر میں خوشیوں کے خزانے بکھرے ہوتے ہیں، جو وہاں جاتا ہے، مالا مال ہو جاتا ہے۔ ان چھوٹے گھروں میں رہنے والے لوگوں کے دل بڑے گھروں میں رہنے والوں کی طرح تنگ اور چھوٹے نہیں ہیں۔ بہت وسعت وکشادگی ہے ان کے دلوں میں"۔

"مائی گاڈ اتم نے پھر طنز کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ کبھی تو بخش دیا کرو"۔

"آسیہ ممانی کو معلوم ہے کہ تم مجھے پک کرنے آئے ہو؟"۔

"نہیں، مجھے پھپھو جان نے کہا اور میں آ گیا"۔

"ممانی کو معلوم ہو گیا تو پھر ایک نیا ہنگامہ شروع ہو جائے گا اور میں اب کسی بھی قسم کے ہنگامے سے بچنا چاہتی ہوں۔" اس کے لہجے میں نمی اُتر آئی تھی"۔

"او کے! مجھے اپنے دوست کے پاس جانا ہے، کمبائن اسٹڈی کے لیے۔ میں وہیں سے صبح یونیورسٹی نکل جاؤں گا۔ واپسی شام تک ہوگی۔ میں تمہیں ایک اسٹریٹ پہلے اُتار دوں گا۔ آرام سے چلی جانا۔ نہ کوئی دیکھے گا، نہ ٹینشن ہوگی" محتاط روی وایثار پیشہ حمزہ کی فطرت ہی اتنی نیک تھی کہ وہ لبوں پر آیا پھڑ پھڑاتا جملہ ضبط کر گئی۔

انسان جب حالات کی نامہربانیوں کے زیر سایہ چل رہا ہو تو ہر بنتی بات بگڑ جاتی ہے۔ تمام تدبیر اُلٹ جاتی ہے۔ حمزہ اسے گھر سے کچھ فاصلے پر اُتار کر چلا گیا تھا۔ اوپر ٹیرس پر کھڑے عاصم ماموں کار کو نہ پہچان سکے مگر کار سے اُتر کر آنے والی لڑکی کو وہ اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ کوٹھی کے گیٹ میں داخل نہ ہو گئی، پھر وہ طوفانِ بلا خیز کی طرح نیچے آئے تھے۔

"خبردار! اپنے نجس قدموں سے اس دہلیز کو ناپاک مت کرنا"۔ وہ اس طرح گرج دار لہجے میں گویا ہوئے کہ وہ ٹھٹک کر وہیں رُک گئی اور ان کی بلند آواز سن کر گھر کے تمام لوگ بھی وہاں آ گئے تھے جن میں نوشابہ بھی شامل تھیں۔

"اس سے قبل میں تمہاری آزاد روش کے متعلق سنتا تھا اور یقین نہیں کر پاتا تھا مگر آج تمہاری آوارگی و بدچلنی میں نے خود دیکھی ہے۔ کون تھا وہ، جو تمہیں چوروں کی طرح گھر سے دور اُتار کر گیا ہے۔ ایسی حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے، جنہیں کسی کا ڈر ہوتا ہے"۔

"بھائی صاحب! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ کوئی غیر نہیں......"

"تم خاموش رہو"۔ غیظ وغضب میں وہ اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ انہوں نے زوردار تھپڑ نوشابہ کے چہرے پر مارتے ہوئے بات قطع کی۔

"یہ سب تمہاری ہی ڈھیل ہے جو اسے ہماری ناک، ہماری عزت مٹی میں ملاتے ہوئے رتی بھر خیال نہ آیا"۔

"دیکھ لی اپنی آنکھوں سے حقیقت! اب یقین آ گیا ہوگا۔ بات اب برداشت سے باہر ہوگئی ہے۔ یہ جوان بچوں کا گھر ہے۔ اس کی صحبت میں لڑکے بگڑ گئے تو کبھی نہ سدھر پائیں گے اور لڑکیاں تمام عمر گھر میں بیٹھی رہ جائیں گی۔ کوئی نہیں پوچھے گا، جس گھر میں ایسی لڑکی ہو، اس گھر میں شریف اور اچھے لوگ نہیں آتے۔ بس اب فیصلہ ہو کر رہے گا۔ یا تو یہ اس گھر میں رہیں گی یا ہم"۔ بڑی ممانی کی آج دلی مراد بر آئی تھی، سو انہوں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کا تہیہ کیا۔

"بھابی! ہم کیوں اپنا گھر چھوڑیں۔ جانا تو ان فتنوں کو ہوگا"۔ آسیہ کرن کو ناگواریت سے دیکھتی ہوئی راحیلہ سے گویا ہوئیں۔

"نہیں آسیہ بھابی! راحیلہ بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں، اگر یہ یہاں رہیں تو ہم نہیں رہیں گے"۔ وہ سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ان کے لہجوں میں کڑواہٹ، آنکھوں سے نفرت چھلک رہی تھی۔ نوشابہ بھائی کے طرزِ عمل اور تھپڑ سے گم صم کھڑی تھیں۔ زخمی تو وہ پچھلے بیس سالوں سے لمحہ لمحہ ہوتی رہی تھیں لیکن اس وقت بیٹی پر ناروا بہتان اور بھائی کے نفرت انگیز سلوک نے ایسا کاری زخم لگایا کہ وہ مفلوج کھڑی رہ گئی تھیں۔

"یہاں کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ اس گندگی کی پوٹ کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہماری زندگی سے نکل جاؤ۔ آج سے تم ہمارے لیے مر گئیں اور ہم تمہارے لیے"۔ بڑے ماموں کی آواز ساکت وصامت کھڑی کرن کو حواسوں میں لے آئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر بھائی کے آگے گڑگڑاتی ہوئی ماں کو تھام کر بولی۔

"مما! اتنا کچھ سننے کے بعد بھی آپ اس جگہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں۔ آپ کے روبرو آپ کی بیٹی پر بدچلنی و آوارگی کے الزامات لگائے گئے ہیں پھر بھی آپ ان کے پاؤں پکڑ کر رحم کی التجا کر رہی ہیں۔ تعجب ہے مما! از حد ملال۔ اب تو آنکھیں کھول لیے، پہچانئے مجھے، میں آپ کی بیٹی ہوں۔ وہ بدنصیب بیٹی جو باپ سے تو دور رہی مگر ماں کے قریب رہ کر بھی ماں کا قرب نہ پا سکی۔ ان خونی رشتوں کی خاطر آپ نے اپنے خون کی پروانہ کی تھی۔ آج دیکھ لیں کیا اچھا و اعلیٰ انعام ملا ہے، آپ کی چاکری کا"۔

"زبان بند کرو ذلیل لڑکی! اس سے قبل کہ اس کے ناپاک خون سے میرے ہاتھ رنگ جائیں، دفع ہو جاؤ یہاں سے اور کبھی پلٹ کر یہاں کا رُخ نہ کرنا۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا"۔ ان کے لہجے میں سختی و قطعیت تھی۔ لفظ جیسے قوت گویائی سے محروم ہو گئے تھے۔ وحشت و خاموشی بین کرنے لگی تھی۔ عاصم اندر چلے گئے تھے۔ وہ سب وہیں تھے۔ خاموش لب اور چنگھاڑتی ہوئی آنکھیں ان ماں بیٹی پر مرکوز کیے ہوئے گویا وارننگ دے رہی ہوں کہ رشتہ ناتا سب ٹوٹ گیا، اب یہاں کچھ نہیں ہے۔ دل کے دروازے تو مدتوں قبل مقفل ہو چکے تھے۔ آج گھر کے دروازے بھی بند کیے جاتے ہیں۔

بعض اوقات ایک فیصلے کے لیے سالوں گزر جاتے ہیں اور فیصلہ نہیں ہو پاتا اور کبھی فیصلے کے لیے ایک پل، ایک ساعت، ایک لمحہ کافی ہوتا ہے اور یہ لمحہ نوشابہ کی زندگی میں در آیا تھا۔ انہوں نے مضبوطی سے کرن کا ہاتھ پکڑا تھا اور ایک الوداعی نگاہ اس گھر پر ڈالی تھی

جہاں انہوں نے شادی سے قبل حسین و حکمرانی سے بھرپور دن گزارے تھے، پھر وہی جنت دوزخ بن گئی۔ ان کا اقتدار چھین کر اسیری کی زندگی بھی اسی گھر میں ملی تھی۔ وہ یاد کرنا بھی چاہتی تو تکلیف دہ باتیں اچھی یادوں پر حاوی ہو جاتی تھیں۔ کانچ کا برتن ٹوٹ جائے تو افسوس ہوتا ہے۔ خون کا رشتہ ٹوٹنے پر ملال تک نہ تھا۔ بھابیوں، بھتیجیوں کے سرد و بیگانہ رویوں نے انہیں اتنا گھائل کیا کہ وہ کرن کا ہاتھ پکڑے پکڑے لڑکھڑاتے قدموں سے گیٹ عبور کر گئی تھیں۔

☆......☆......☆

"فارگاڈ سیک! اپنا موڈ تو درست کرو"۔

"تمہیں میرے موڈ سے کیا لینا ہے، جو تم نے چاہا وہ میں نے کیا۔ اب کیا پرابلم ہے؟"

"غبارے کی طرح منہ پھلا کر پارٹی میں جاتے ہوئے اچھے لگو گے؟"

"آئی ڈونٹ کیئر"۔ لاپرواہی و بے زاری اس کے چہرے پر وجیہہ نقوش سے ظاہر تھی۔

"ہاں بھئی تمہیں کیئر ہونے بھی کیوں لگی۔ بہت ہیں تمہاری پروا کرنے والیاں۔ تمہارے رُخِ روشن، وجودِ تابندہ کی اسیر"۔ اس کے انداز میں قدرے شوخی و معنی خیزی تھی۔

"تمہاری اس بکواس سے مجھے الرجی ہونے لگی ہے"۔ اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ٹرن لیا تھا۔ یہ ایک لمحہ غفلت کا، اس کے لیے بھاری ثابت ہوا۔ سڑک کراس کرتی ہوئی دو خواتین اس کی کار سے ٹکرائی تھیں۔

"او شٹ!" وہ دونوں برق رفتاری سے کار سے نکل کر ان کی طرف بڑھے تھے جہاں نوجوان لڑکی اُٹھ گئی جبکہ دوسری عمر رسیدہ خاتون کا سر بونٹ سے ٹکرانے باعث زخمی ہو گیا تھا اور اس میں سے خون نکل رہا تھا۔ خون دیکھ کر لڑکی بدحواسی و خوف سے چیخنے چلانے لگی تھی۔ ان دونوں نے اسے سمجھا بجھا کر خاموش کرایا تھا۔ کچھ وہ بھی خون دیکھ کر پریشان تھی۔ انہیں لعنت ملامت کرتی، ان کے ہمراہ ہاسپٹل چلی آئی تھی جہاں اسے گرنے کے باعث معمولی خراشوں کے باعث ٹریٹمنٹ دے کر فارغ کر دیا گیا تھا، البتہ دوسری خاتون کی حالت سیریس تھی۔ ان کا خون بھی خاصا بہہ چکا تھا اور بی پی لیول بھی از حد بڑھا ہوا تھا۔ وہ بے ہوش تھیں۔ شعبہ نگہداشت میں انہیں ایڈمٹ کر دیا گیا تھا۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ہم پارٹی میں نہیں پہنچ سکیں گے اور وہی ہوا اور ہوتا بھی کیوں نہیں، جب تمہارا تھوبڑا سوجتا ہے تو کچھ نہ کچھ پرابلم کری ایٹ ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اب فاریہ کو کیا جواب دوں گا۔ کس طرح اس کی ناراضگی دور کروں گا"۔ سعد انس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاسپٹل کے لان میں موجود تھے۔

"یہ تمہارا ہیڈک ہے۔ ویسے بھی وہ محترمہ اس قدر روٹھتی ہیں کہ تم کو اب تک منانے اور ناراضگی دور کرنے کے ہزاروں طریقے ازبر ہو جانے چاہئیں"۔ انس نے شانے اُچکا کر کہا۔

"ہاں جیسے تمہاری محترمہ تو روٹھنا جانتی ہی نہیں ہوں گی"۔

"مجھے تمہاری طرح نخرے برداشت کرنے کی عادت نہیں ہے اور نہ ہوگی"۔

"یہ دعوے قبل از وقت ہیں میری جان! شادی کے بعد پوچھوں گا"۔

"ڈیم اٹ! اندر چل کر دیکھو۔ ان خاتون کو ہوش آیا یا نہیں۔ ہم کب تک یہاں رہ سکتے ہیں۔ گھر پر گرینی کی نرس ڈیوٹی ٹائمنگ سے ایک پل فالتو نہیں رُکتی۔ اس کی ٹائمنگ ختم ہونے والی ہے۔ مجھے نکلنا ہے یہاں سے"۔ انس نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

"چارجز بلز کی منمنٹ تم نے کر دی ہے۔ چلو چل کر معلوم کرتے ہیں۔ ان کے کسی فیملی ممبر سے کنٹیکٹ کر کے صورت حال بتا دیتے ہیں، پھر ہم آزاد ہیں"۔ وہ دونوں اس لڑکی کے پاس چلے آئے جو آئی سی یو سے اٹیچڈ کاریڈور میں رکھے صوفے پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

"ارے آپ رو کیوں رہی ہیں۔ پلیز خاموش ہو جائیں۔ آپ کی مدر کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں، وہ کچھ دیر بعد ہوش میں آجائیں گی۔ آپ کہاں رہتی ہیں۔ کنٹیکٹ نمبر دیں، آپ کے گھر والے آجائیں تو آپ کو تسلی ہو جائے گی"۔ سعد موبائل ہاتھ میں لے کر اس سے مخاطب ہوا مگر وہ ہنوز خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"آپ اپنے گھر کا فون نمبر یا موبائل نمبر دیں۔ ہم انہیں انفارم کرنا چاہتے ہیں"۔

"ہمارا کوئی گھر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رشتے دار ہے"۔ لڑکی کے بھیگے لہجے میں ایسی آزردگی و بے چارگی کی تڑپ تھی کہ سعد جیسا نرم خو بندہ شدید متاثر ہوا تھا جبکہ انس نے چونک کر کڑی و تنقیدی نگاہ اس کے جھکے چہرے پر ڈالی تھی۔

"مسٹر! کوئی نہیں ہے آپ کا؟" سعد کے لہجے میں جتنی ہمدردی و ترس تھا، انس کے چہرے پر اتنی ہی کوفت و ناپسندیدگی تھی۔

"نہیں کوئی نہیں، کوئی بھی نہیں"۔ وہ شدتوں سے رو پڑی تھی۔

"پھر آپ زمین سے برآمد ہوئی ہیں یا آسمان سے نازل ہوئی ہیں"۔ اس کے سرد و خشک اور مضحکہ اُڑاتے سوال نے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"بی ہیو یور سیلف یار! کیا کر رہے ہو۔ وہ اتنی دُکھی ہے۔ تم کس طرح بات کر رہے ہو"۔ سعد اس کا مزاج جانتے ہوئے اس کو بازو سے پکڑ کر دور لا کر گویا ہوا۔

"عقل استعمال کرو۔ جب ان کا گھر اور رشتے دار نہیں ہیں تو وہ کہاں اور کس طرح رہیں۔ یہ اسٹوری بہت پرانی ہے۔ ان بے سہارا اور بے گھر خواتین کو اب سب کچھ چاہیے ہوگا۔ آج سہارا اور گھر کل وہ آپ کی تمام حق حلال کی کمائی لوٹ کر ایسی غائب ہوں گی کہ تم سوچتے رہ جاؤ گے کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان ہڑپ کر گیا"۔

"وہ ایسی نہیں ہیں یار! شکل سے ہی شریف و مظلوم نظر آرہی ہیں"۔

"سب اداکاری ہے، ڈرامہ ہے۔ مجھے لگتا ہے کار سے بھی جان بوجھ کر ٹکرائی ہیں"۔

"ایکسکیوزمی مسٹر! آپ اپنی بکواس بند کریں۔ ضروری نہیں ہر کوئی آپ کی گھٹیا سوچ کا عکس ہو۔ جو آپ سمجھتے ہیں، وہی ہو"۔ وہ

ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اس وجیہہ صورت والے بد دماغ و مغرور شخص کی بلند گفتگو با آسانی سن رہی تھی۔ اس سے اس کی فضول گفتگو برداشت نہ ہو سکی تو اُٹھ کر وہیں چلی آئی۔

"اینی وے! مجھے چیپ آرگومنٹس سے چڑ ہے اور میں کسی لیڈی کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔ میں جا رہا ہوں۔ گرینی کی نرس جا چکی ہوگی۔ تمہارا دل جب اس سوشل ورکنگ سے بھر جائے تو آ جانا۔ اوکے، بائے!" وہ تضحیک آمیز لہجے میں کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ سعد نے اس سے انس کے رویے کی معافی مانگی تھی۔ وہ اس سے کیا کہتی کہ نہ ان کے سر پر چھت رہی تھی، نہ قدموں کے نیچے زمین، وہ ماں بیٹی وہاں سے نکل آئی تھیں اور نہ نکلتیں تو دھکے مار کر نکالی جاتیں کہ ظالموں کو کھلی اجازت مل چکی تھی۔ وہاں سے نکل کر اس نے سوچا تھا کہ جب تک کرائے کا گھر کا انتظام نہیں ہو جاتا، تب تک وہ عادلہ کے ہاں رہ لیں گی۔ اسے یقین تھا کہ وہ فراخ دلی سے انہیں رہنے کی جگہ دیں گی لیکن جب تقدیر مذاق کرنے پر کمربستہ ہو تو ہر تدبیر بدل جاتی ہے۔ وہاں دروازے پر پڑا ہوا بڑا سا تالا خود کو منہ چڑاتا محسوس ہوا۔ محلے والوں سے معلوم ہوا کہ عادلہ کے ماموں کی ڈیتھ کی خبر سن کر وہ لوگ کچھ دیر قبل بہاولپور روانہ ہوئے ہیں۔ یہ پہلا و آخری ٹھکانہ ملنے سے قبل ہی گم ہو گیا تھا۔

رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا بنی بے گھر، بے در بھٹک رہی تھیں۔ زندگی اس وقت ایسا بوجھ بن گئی تھی جس سے چھٹکارا پانے کے لیے موت انہیں پُرسکون حل نظر آنے لگی تھی۔ ذہنی طور پر وہ اتنی ماؤف ہو گئی تھیں کہ انہیں محسوس نہ ہوا کہ وہ سڑک کے درمیان چل رہی ہیں اور اسی دم وہ سامنے سے آتی ہوئی کار سے ٹکرائی تھیں۔ نوشابہ آگے ہونے کے باعث گھائل ہوئی تھیں۔ ان کی ذہنی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ تھی۔ مزید خرابی ایکسیڈنٹ نے کر دی تھی۔

سعد کے خلوص کی تاثیر تھی یا وہ خود ہی ذہنی خلفشار و دربدری کے خوف میں جکڑ کر اس پر اعتماد کر بیٹھی تھی۔ کم و بیش تمام صورت حال اسے بتا بیٹھی تھی۔

سعد کو گویا اس دور کی بے ثباتی و بے حسی چھو کر نہ گزری تھی۔ وہ سچ مچ ان کی ڈھال بن گیا۔ نوشابہ کو چند گھنٹے بعد ہوش آ گیا تھا۔ ان کا بی پی نارمل تھا۔ ڈاکٹرز نے احتیاطاً انہیں دو دن ایڈمٹ کرنے کی تلقین کی تھی۔ سعد نے پرائیویٹ روم انہیں لے دیا تھا۔

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ تقدیر ان پر اس طرح بھی مہربان ہو سکتی ہے۔ اپنوں کے ٹھکرائے ہوئے کو غیر اس طرح اپنائیت و تحفظ دے سکتا ہے، جس سے خون کا رشتہ تو در کنار جان کاری کا رشتہ بھی نہ تھا، جو چند گھنٹوں میں سگوں سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔

"بیٹی! سب سے بڑا رشتہ انسانیت کا ہوتا ہے، جب رب مہربان ہو جائے تو پتھروں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس کی قدرت ایسی ہی انوکھی و زبردست ہے"۔ سعد کے جانے کے بعد اپنے محسوسات اس نے ماں سے شیئر کیے تو وہ آہستگی سے بولیں۔

"اللہ اپنے بندے کو اس کے حوصلے سے زیادہ نہیں آزماتا۔ جہاں اس نے دیکھا، ہمارے حوصلے پست ہو رہے ہیں، برداشت کھو کھلی ہو کر زمین بوس ہو چکی ہے، وہیں اس نے انسان کے روپ میں فرشتہ بھیج دیا"۔

"مما! آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا"۔ بڑی چاہ سے اس نے ماں کا ہاتھ چومتے ہوئے محبت

سے کہا اور نوشابہ نے بھی پہلی بار ممتا بھرے انداز میں اس کی پیشانی چومی تھی۔

ازحد طمانیت و مسرت کا احساس اس کی رگ و پے میں دوڑتا ہوا اس کی روح تک کو شانت کر گیا تھا۔ وہ بے اختیار ان کے کھلے بازوؤں میں سما کر رونے لگی۔ سالوں کی دلوں پر جمی کدورت گی و غبار آنکھوں سے گرتے پاک و شفاف موتیوں سے دھل کر صاف ہو گیا تھا۔

''آج سے قبل مجھے آپ کے ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں خود کو تنہا، کمزور، بے سہارا سمجھتی تھی لیکن اب مجھے ممتا کا خزانہ مل گیا ہے۔ اب میں کسی سے ڈرنے والی نہیں ہوں''۔

☆......☆......☆

''چھوٹے صاحب! نرس ملازمت چھوڑ کر چلی گئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ اگر اسے چار گنا زیادہ رقم ملے تب بھی وہ یہ جاب نہیں کرے گی''۔ اس کے لیے پریشان کن خبر موجود تھی۔ وہ چند ثانیے کھڑا کچھ سوچتا رہا، پھر گرینی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ان کے بیڈروم کی کھڑکیوں کے شیشوں سے اُبھرنے والی نائٹ بلب کی روشنی نے اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''گڈ مارننگ گرینی!'' وہ فریش ہو کر سیدھا ان کے کمرے میں پہنچا تھا۔

''ہوں، گڈ مارننگ! آج صبح ہی صبح شکل دکھا رہے ہو۔ یقیناً یہ سب اس چڑیل صورت نرس کے دفع ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی، وہ نحوست جب تک یہاں منڈلاتی رہے گی، ہر خوشی، ہر سکھ مجھ سے دور ہی رہے گا۔'' جواباً انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے ہشاش بشاش لہجے میں کہا۔ انس نے دائیں بائیں تکیے اور کشن لگا کر انہیں بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ اس دوران ملازمہ ناشتے کی ٹرالی رکھ گئی تھی۔ وہ نیپکن پھیلا کر انہیں ناشتا کرانے لگا۔ بہت سعادت مند بچی کی طرح انہوں نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے ناشتا کیا اور میڈیسن لی تھیں۔

''گرینی! ایسا کب تک چلتا رہے گا۔ آپ جانتی ہیں کتنی دقت سے گورنس ملی تھی اور فل ڈے ڈیوٹی دے رہی تھی۔ آپ نے اسے بھی بھگا دیا اور وہ دوبارہ آنے پر بھی راضی نہیں ہے۔ اس طرح......''

''ارے وہ اب آئے تو سہی۔ مسٹنڈی کی ٹانگیں توڑ کر گلے میں نہ لٹکا دوں۔ حرام خور کو کب سے برداشت کر رہی تھی۔ ارے میرے گھر میں آ کر مجھ پر ہی حکمرانی کرنا چاہ رہی تھی۔'' انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''آپ کی کسی سے نہیں بنتی۔ کوئی زیادہ کھانے والی ہوتی ہے تو کوئی ازحد سونے والی۔ کوئی گونگی ہوتی ہے تو کوئی خاموش رہنا نہیں جانتی۔ بتائیں اب ایسی ہستی میں کہاں ڈھونڈوں جو آپ کے آئیڈیل کے مطابق ہو'' اس کا لہجہ دھیمہ اور احترام سے پُر تھا۔ کچھ کچھ شکایتی ہونے کے ساتھ متفکر بھی تھا۔

''بھولے آ میرے لیے۔ بس سارے دلدر دور ہو جائیں گے''۔

''چند دن بعد اس کا ہاتھ بھی پکڑ کر آپ نے نکال دیا تو میں کیا کروں گا۔ چار سے زیادہ کی اجازت ہمارے مذہب میں نہیں

ہے"۔ وہ شوخی سے گویا ہوا تو وہ بھی بے اختیار ہنس پڑی تھیں۔

"نہیں میرے بچے! وہ تیری بیوی ہوگی۔ میری بہو، اس گھر کی ملکہ، تیرے حوالے سے وہ میری عزت کرے گی، مجھے چاہے گی۔ یہ پیسے کی خاطر کام کرنے والی عورتیں صرف پیسے سے پیار کرتی ہیں۔ ان کے کام میں وہ خلوص، انداز میں وہ اپنائیت ناپید ہوتی ہے جو اپنوں کے قرب سے ملا کرتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم باپ بیٹے ان عورتوں کو زیادہ سے زیادہ پیسہ اس لیے دیتے ہو کہ وہ میرا خیال رکھیں گی، میری خوشیوں کے لیے جتن کریں گی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اپنوں جیسا کوئی نہیں ہوتا ہے"۔ ان کے چہرے پر آزردگی پھیل گئی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں گرینی! مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں۔ ہمیں اپنی ضرورتوں کے تحت مجبوریوں کی خاطر کمپرومائز کرنا پڑتا ہے"۔

"اچھا جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔ تمہاری شام کی فلائٹ ہے۔ شمو سے کہہ کر میں نے پیکنگ کروادی تھی۔ دیکھ لو جا کر ایک دفعہ، کوئی چیز تو نہیں رہ گئی"۔ اپنی طرف سے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے انہیں بروقت یاد آیا۔

"آپ کو اس طرح چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ میں پیا کو منع کر دیتا ہوں"۔

"ارے میری فکر مت کر، تُو چلا جائے گا تو تیرا باپ آ جائے گا، میری نگرانی کے لیے۔ یہاں افسر پر افسر لگا ہے، تُو فکر مت کر۔ ہاں وہ بدبو کے ڈھیر شمو سے کہہ دینا کہ جب بھی میرے پاس آئے تو نہا کر، کپڑے بدل کر اور کوئی خوشبو لگا کر آئے، ورنہ کمرے میں قدم نہ رکھنے دوں گی۔ کم بخت ماری کے پسینے میں ایسی بو ہے کہ دماغ پھٹنے لگتا ہے"۔

"مجھے لگتا ہے شمو کے لیے بھی ایک ملازمہ رکھنی ہوگی"۔

"لو بھلا وہ کیوں؟" ان کی حیرانگی قابلِ دید تھی۔

"آپ نہیں سمجھیں گی"۔ وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

ایئرپورٹ پر سعد اسے سی آف کرنے آیا تھا۔ فلائٹ کسی فنی خرابی کے باعث ایک گھنٹہ لیٹ تھی۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے۔ سینڈوچ اور کافی پینے کے دوران سعد اسے کرن اور نوشابہ کی کہانی سناتا رہا۔ انس کچھ کہہ نہیں رہا تھا مگر اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ باآسانی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سعد پر ہنس رہا ہے۔

"بلیوی یار! رئیلی وہ بہت مجبور و مظلوم ہیں۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے ہمارے لوگوں کو، ذہنیتوں کو، احساسات کو، تنزلی و بے حسی کے عروج پر ہی پہنچا ہوا ہے، آج کا انسان۔ خود غرضی، مادہ پرستی، بے اعتنائی و بے ثباتی کی کڑواہٹ نے محبت کی مٹھاس، مروت کی چاشنی و خلوص بھرے احساسات کو زہر آلود کر ڈالا ہے۔ نفسا نفسی نے بے سکونی و بدگمانی کو جنم دیا ہے"۔ سعد اس کے احساسات کو جانتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تُو ایک ٹرسٹ کھول لے" سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کے نام سے۔ رئیلی ایک ویک اینڈ کے اندر اندر ایسی مظلوم عورتوں کی قطاریں ہوں گی اور تم سب کی اسٹوریز سن کر ان کے ساتھ آنسو بہاتے رہنا"۔

"فارگاڈ سیک! تمہیں سمجھانا تو بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے"۔

"اور تمہیں سمجھانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کسی ڈینجرس پریکٹیکل کے بعد ہی تم سوشل ورکنگ سے تائب ہو گے۔ قبل از وقت نہیں"۔ کافی پیتے ہوئے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ سعد نے جواباً کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تھے مگر پھر اس کی طرف دیکھ کر متفکرانہ انداز میں بولا۔

"کوئی پرابلم ہے؟ کیا وہ نرس ہائے ہائے کر گئی؟"

"ہاں"۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

"گرینی کو اس سے کیا شکایت ہوئی؟" سعد نے کافی کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ سوتے میں خراٹے بہت لیتی تھی"۔

"ہاہاہا...... یہ گرینی بھی زبردست جوکس کرتی ہیں"۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

"پپا کل کی فلائٹ سے یہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ گرینی کے معاملے میں کتنے کونشس ہیں، تم بخوبی جانتے ہو پھر چند دنوں بعد ہماری مصروفیات مزید بڑھ جائیں گی اور تب تک نئی گورنس کا انتظام نہیں ہوا تو پرابلمز بڑھ جائیں گی۔ ان چند دنوں میں تمہیں نئی اور بہترین گورنس کا انتظام کرنا ہے۔ گرینی کی چوائس تو تم جانتے ہی ہو"۔ اس نے وہی فرمائش کی جس کا اسے خوف تھا۔

"گرینی کے لیے گورنس! نہ بابا نہ۔ کوئی گستاخی گورنس سے ہوگی اور گرینی کا جوتا میرے سر پر ایسا پڑے گا کہ آنے والی نسلیں گنجی پیدا ہوں گی"۔ سعد نے فوراً ہی کان پکڑتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"پلیز میری پرابلمز کو سمجھو۔ میں بہت جلدی واپس آجاؤں گا۔ دراصل پپا بزنس اب یہیں سیٹل کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے کئی کام کرنے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میری پرابلم حل کر دو گے"۔ سیاہ تھری پیس سوٹ میں اس کی پرسنالٹی نمایاں تھی۔

"او کے مگر اس شرط پر کہ گرینی کو معلوم نہ ہو کہ میں نے وہ مشکل کام کیا ہے، ورنہ صبح و شام جو کلاس لگے گی وہ تم اچھی طرح جانتے ہو"۔

"او کے! ایسا ہی ہوگا۔ مجھے اجازت دو۔ اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے۔ فلائٹ ریڈی ہے"۔ بڑی گرم جوشی سے وہ ایک دوسرے سے گلے ملے تھے۔

☆......☆......☆

تقدیر مہربانی کی معمولی سی جھلک دکھا کر رہ گئی تھی۔ ان کے مصائب و مسائل میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ گھر اور جاب کا مسئلہ منہ پھاڑے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔

اسکول کی جاب اس سے لے لی گئی تھی، وہاں بھی رمانیوں کی سازشیں کام آئی تھیں۔

دو دن بعد آج نوشابہ کو ہاسپٹل سے چھٹی مل گئی تھی۔ سعد ان دو دنوں میں باقاعدگی سے چکر لگاتا رہا اور اب بھی وہ ان کے چارجز پیمنٹ کر کے آیا اور انہیں خاموش و متفکر دیکھ کر کہنے لگا۔

"ایک در بند ہوتا ہے تو سو کھل جاتے ہیں۔ رازق اور پالنے والا تو رب ہی ہے۔ میرے پاس ایک بہت اچھی جاب ہے۔ لوگ اچھے ہیں۔ ماحول بہترین ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہاں آپ کو رہائش بھی ملے گی، عزت و وقار کے ساتھ"۔

"کیا جاب ہے بھائی، جہاں اتنی سہولیات مل رہی ہیں؟" کرن متجسس ہوئی۔

"ایک عمر رسیدہ خاتون ہیں۔ فالج کے اٹیک نے انہیں معذور کر ڈالا ہے۔ ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ خاتون اس گھر میں کوئی ہے نہیں۔ ان کا بیٹا اور پوتا بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر باہر رہتے ہیں۔ بیماری بلکہ لاچاری کی نوعیت اور تنہائی کے احساس نے انہیں از حد چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ ان سے محبت و اپنائیت سے پیش آئیں گی تو وہ آپ کی گرویدہ ہو جائیں گی۔ آپ کو چند دن نہایت صبر و تحمل سے گزارنے ہوں گے۔ یہ یقین میں آپ کو دلاتا ہوں کہ آپ کو سیلری منہ مانگی ملے گی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔"

سعد کل سے سوچ سوچ کر یہی فیصلہ کر سکا تھا، وہ کرن سے بات کرے گا پھر یہاں آ کر اسے کرن کی جاب چھوٹنے کا معلوم ہوا تو اس کی سوچ کو یقین مل گیا تھا۔ آج صبح مدثر صاحب بھی نیویارک سے واپس آ چکے تھے۔

"پیسے کی بھوک ہمیں کبھی نہیں رہی۔ عزت و جاہ کے متلاشی ضرور رہے ہیں۔ سروں پر چھت، پیروں تلے زمین، پیٹ میں روٹی، تن پر کپڑا ملا رہا ہو تو زندگی بوجھ نہیں لگتی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ راضی ہیں۔ اوہ تھینکس گاڈ! میری بہت بڑی پرابلم حل ہوئی ہے، ورنہ کل سے میں بے حد پریشان تھا"۔

"بیٹا! تمہارا قرض تو ہم کبھی نہیں اُتار سکتے، جو تم نے ہمارے ساتھ کیا وہ اپنے بھی نہیں کرتے۔ تم نے اس وقت ہمیں سہارا دیا جب ہمیں اپنوں نے ٹھکرا دیا تھا، پھر یہ ملازمت تو ہماری اشد ضرورت ہے۔ تمہارے دیگر احسانوں میں ایک اور احسان مندی ہے۔ بھلا اس دور میں کوئی اس قدر بے غرض و فرشتہ صفت ہو سکتا ہے۔ ہم مرتے دم تک تمہارے احسان نہیں بھولیں گے"۔ نوشابہ فرطِ جذبات سے رونے لگی تھیں، جبکہ کرن کی پلکیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔

"ارے ماں جی! آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں گناہ گار بندہ ہوں اور میں نے کوئی احسان نہیں کیا، البتہ اپنا قرض ضرور اُتارا ہے اور وقت آپ کو بھی موقع دے گا۔ آپ بھی اسی طرح کسی کی مدد کر کے بری ہو جایئے گا۔" وہ انہیں کار میں بٹھائے انس پیلس کی طرف روانہ ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ انہیں اپنے حالاتِ زندگی بتاتا جا رہا تھا۔

"میرے بچپن میں ہی والدین کا سایہ میرے سر سے چھن گیا تھا۔ چچا چچی کے زیرِ سایہ میری تربیت اسی طرح سے ہوئی جس طرح عموماً مجھ جیسے یتیم و مسکین بچے کی ہوتی ہے۔ چچا کی بے نیازی، چچی کی نفرت و ظلم اور ان کے بچوں کی بے دام غلامی کرتے کرتے میرا اپنوں کے علاوہ انسانیت سے ہی اعتبار اُٹھ گیا تھا۔ اگر مدثر صاحب سے حادثاتی طور پر میری ملاقات نہیں ہوتی تو شاید میں آج آپ کی مدد کرنے کے بجائے اپنی محرومیوں و زیادتیوں کا حساب لینے کے لیے انسانیت کا مجرم اور معاشرے کا ناسور بن چکا ہوتا۔ یہ مدثر انکل کی مہربانی ہے جو میں آپ کے سامنے باعزت شخص بنا بیٹھا ہوں، ورنہ میرا انجام برا تھا۔ اس رات نہ میں چچا کی چھوٹی بیٹی کی فرمائش پر مونگ

مچھلیاں لینے نکلتا، نہ جلد بازی کے باعث ان کی کار سے ٹکراتا، نہ میری زندگی سدھرتی"۔

گزرے دنوں کی تلخ یادوں نے اس کے مسکراتے چہرے پر یاسیت پھیلا دی تھی۔

"ایکسیڈنٹ میں میری دائیں ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔ دو ماہ تک میں بستر پر پڑا رہا تھا۔ اس دوران اطلاع کے باوجود چچا کے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔ مدثر صاحب خود گئے تو انہوں نے برملا کہہ دیا کہ وہ اپنے بچوں کو پالنے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ اس لنگڑے کی تیمارداری کرنے کا وقت ہے نہ پیسہ۔ اسے یتیم خانے میں بھجوا دیں۔ مدثر صاحب پہلے ہی میرا سارا خرچ اُٹھا رہے تھے۔ چچا چچی کی دست برداری و لاتعلقی کے بعد انہوں نے میری پوری ذمے داری اُٹھالی۔ مجھے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ بہترین ہاسٹلز میں ایڈمٹ کروایا۔ آج دیکھ لیں، میرا اپنا گھر، اپنا کاروبار ہے۔"

"ہاں بیٹا! اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ بھی قسمت سے ملتے ہیں اور یہ کام تو بہت اچھا ہے، دیئے سے دیا روشن کرنے والا"۔ نوشابہ دھیمے سے بولیں۔

خوب صورت ٹائلز سے بنا بڑے بڑے لانز و کشادہ راہداریوں والا انس پیلس واقعی کسی پیلس کی طرح حسین و منفرد تھا۔ اس کے شیشے جیسے فرش پر چلتے ہوئے اسے اپنا حلیہ، اپنا آپ بہت کمتر لگ رہا تھا۔ وہ بلاوجہ احساسِ کمتری کا شکار ہو رہی تھی۔ لمبے قد اور اسمارٹ جسم کے مالک مدثر صاحب اپنی حیثیت و مرتبے کے لحاظ سے بالکل مختلف تھے۔ تکبر و تفاخر نام کی ان میں معمولی سی رمق نہ تھی۔ وہ ان سے بہت اخلاق سے ملے اور سعد کے کہنے پر ہی وہ اسے جاب دینے پر راضی ہو گئے تھے۔

سرونٹ کوارٹرز میں سے انہیں بھی ایک کوارٹر مل چکا تھا۔ دو کمروں، دالان، اٹیچڈ باتھ اور کچن پر محیط یہ صاف ستھرا کوارٹر اس ایک کمرے اور صحن پر مشتمل گھٹن زدہ جگہ سے بہت کشادہ و آرام دہ تھا۔ سعد انہیں ڈیوٹی کے متعلق سمجھا کر جا چکا تھا۔

آج آرام کا دن تھا۔ کل سے اسے ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔

"مما! سب خواب کی مانند لگ رہا ہے۔ اب ہم یہاں اپنی مرضی و سکون سے جئیں گے۔ کوئی روک ٹوک، کوئی ڈر، کوئی خوف نہ ہوگا۔ آہ! یہ حقیقت ہے تو کبھی نہ بدلے، اگر خواب ہے تو کبھی آنکھ نہ کھلے"۔ کرن سنگل بیڈ پر بیٹھی ماں سے لپٹتی ہوئی مسرت سے سرشار لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں کہتی تھی نہ کہ اللہ کی مہربانی و رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ وہ جو کرتا ہے، ہمارے اچھے کے لیے کرتا ہے، جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے"۔ ان کا مرجھایا ہوا چہرہ کچھ شاداب ہوا تھا۔

"لیکن مجھے گرینی سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ وہ بہت سخت مزاج و چڑچڑی ہیں۔ سعد بھائی اور مدثر صاحب کی باتوں سے ایسا ہی لگ رہا ہے۔ نا معلوم میں انہیں ہینڈل کر پاؤں گی بھی یا نہیں"۔ ذہنی کشمکش اس کی زبان پر آ گئی تھی۔

"ایسے نہیں سوچو۔ اَن تھک محنت اور خلوص کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔ مشکلوں سے کبھی بھی شکست مت تسلیم کرنا۔ آج نہیں تو کل ضرور سرخرو ہو جاؤ گی"۔

ڈرتی جھجکتی بظاہر خود کو از حد پُر سکون و پُر اعتماد ظاہر کرتی وہ مدثر صاحب کے ساتھ گرینی کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

گھر کے دیگر کمروں کی طرح یہ کمرہ بھی ویل ڈیکوریٹڈ تھا۔ بیڈ پر دراز سفید لباس میں ملبوس شخصیت میں شاہانہ جاہ و جلال نمایاں تھا۔ مدثر صاحب نے اس کا تعارف کرایا۔ کرن نے آہستگی سے سلام کیا تھا، جبکہ وہ بڑی تنقیدی نگاہوں سے اسے جانچ رہی تھیں۔ وہ اعتماد کے دامن کو بمشکل تھامے کھڑی تھی۔

"اس ننھی چڑیا کو لایا ہے میرے لیے۔ جب وہ ہاتھی جیسی جسامت رکھنے والی مسٹنڈیاں نہ ٹھہر سکیں تو یہ چھپکلی کیا کر سکے گی؟" یہ ان کے جائزے کی رپورٹ تھی۔

"پلیز اماں! کرن اتنی محبت سے آپ کے پاس آئی ہیں لیکن آپ کا رویہ بالکل اچھا نہیں ہے۔ پلیز اسے اپنی خدمت کا موقع تو دیں"۔ مدثر ان کی ٹانگوں کے قریب بیٹھ کر دھیرے دھیرے ٹانگیں دباتے ہوئے متانت سے سمجھانے لگے۔

"تم باپ بیٹا آخر کب تک مجھ پر غیر عورتوں سے تجربات کرواتے رہو گے"۔ مجھے اس گھر میں گھر کی ملکہ چاہیے جو گھر کو گھر بنائے، وارث دے۔ ملازموں کی لائنیں لگا دینے سے گھر سنور نہیں جاتا، گھر سنورتا ہے گھر والی سے۔ تو نے بہو کے مرنے کے بعد شادی نہیں کی مگر بیٹے کو تو سمجھا۔ وہ کب تک ذمہ داریوں سے بھاگتا رہے گا"۔ ان کی سخت بارعب آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔ کچھ دیر قبل پتھر کی طرح سخت و بے لچک نظر آنے والی گرینی موم کی طرح پگھل رہی تھیں۔ عجب شعلہ و شبنم جیسا روپ تھا ان کا۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں اُداسی پھیل گئی تھی۔

"اماں! یہ آپ کا کام ہے۔ اس معاملے میں میری پکڑ میں نہیں آتا وہ"۔ یہ ذمہ داری انہیں سونپ کر وہ بری الذمہ ہو گئے تھے پھر اسے دواؤں اور غذا کا چارٹ سمجھا کر چلے گئے تھے۔ ان کے باہر نکلتے ہی وہ پھر ان کی کڑی نگاہوں کی زد میں تھی۔

"بیٹھ جا یا تجھے انوی ٹیشن دینا ہو گا بیٹھنے کے لیے"۔ وہ بوکھلا کر بیٹھ گئی۔

"اتنا ڈر کیوں رہی ہے۔ تجھے کھا نہیں جاؤں گی"۔ وہ نرمی سے گویا ہوئیں۔

"جوس...... جوس لاؤں آپ کے لیے؟"

"میں ٹھنڈی چیزیں نہیں لیتی۔ ہاں کافی لے آؤ"۔ وہ سیدھی کچن کی طرف آ گئی۔

بے حد خوب صورت امریکن طرز کے کچن میں گندگی وابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر پر سبزیاں پھیلی ہوئی تھیں، جو فریج سے نکال کر تقریباً دوپہر کے کھانے کی تیاریوں کے سلسلے میں تھیں۔ قریب ہی چکن کے پلاسٹک بیگ سے خون کی دھاریں نکل کر کیبنٹ کو خراب کرتی ہوئی نیچے ٹائلز پر گر رہی تھیں۔ سائیڈ میں لگے سنک میں گندے برتنوں کا ڈھیر تھا جو شاید کل سے نہیں دھلے تھے۔ برنر یونہی جل رہے تھے۔ بہر حال، مالک کے اعتماد و پیسے کا فراخ دلی سے استعمال ہو رہا تھا۔ لمحے بھر کو اس کی نفاست پسند طبیعت متلا کر رہ گئی۔ جبراً اس نے کافی تلاش کر کے کافی بنائی۔ وہ کافی لے کر نکل رہی تھی، جب شمو اور اس کی نوجوان بیٹی چندا وہاں آئیں اور اسے وہاں دیکھ کر جھینپتی ہوئی بولی۔

"مجھے بتا دیا ہوتا میں بنا دیتی"۔ وہ اس کے ہاتھ میں مگ کی ٹرے دیکھ کر بولی۔

"پہلے اپنا کام تو ذمے داری سے کرو"۔ وہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔ ایک مگ مدثر صاحب کو دے کر گرینی کے پاس آ گئی جو اسے دیکھ کر استعجابیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"اتنی جلدی کافی لے آئیں۔ کافی بنانی بھی آتی ہے یا نہیں؟"

"آپ پی کر دیکھیں۔" اس نے انہیں تکیوں کے سہارے بٹھا کر سارس کی مدد سے کافی پلائی اور گرینی کے چہرے پر نرمی کے تاثرات نمودار ہوتے دیکھ کر وہ کچھ شانت ہوئی تھی۔

"بہت عرصے بعد مزے دار کافی پی ہے۔ لڑکی! تم نے کافی اچھی بنائی ہے"۔ یہ اس کے اور گرینی کے درمیان پہلی انڈراسٹینڈنگ تھی جو چند دنوں میں بہت پائیدار ہوئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ گرینی نے ایک کافی مگ کے عوض اس کے اندر پوشیدہ اچھائیوں و بہترین صلاحیتوں کو کھوجا تھا یا اس کی تابعداری و خوش اخلاقی نے یکدم ہی انہیں اسیر کر ڈالا ہو، ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس کے ہر دم چوکنا و مستعد رہنے کے باوجود انہوں نے اس کی بھی وہی درگت بنائی تھی جو اس سے قبل آنے والیوں کی بنا چکی تھیں مگر اس کی ثابت قدمی وتحمل مزاجی نے رفتہ رفتہ انہیں اس کے وجود کا عادی بنا دیا تھا۔ اب انہوں نے بے جا فرمائشوں اور زچ کر دینے والی حرکات از حد کم کر دی تھیں۔ مدثر اس کی کاوشوں سے بہت مطمئن تھے۔ ان کا رویہ بہت مشفقانہ تھا۔ ان کے اصرار پر نوشابہ نے گھر کے دیگر امور سنبھال لیے تھے جن میں سرفہرست اپنی نگرانی میں صفائی کروانا، کھانا بنوانا، لان کی تراش خراش اور ڈسٹنگ وغیرہ وغیرہ۔ باہر سے خوب صورت نظر آنے والا انس پیلس اندر سے بھی اتنا ہی خوب صورت ہو گیا تھا۔ سعد بھی وقتاً فوقتاً آتا رہتا تھا۔ وہ دو مرتبہ اپنے ساتھ اپنی منگیتر فاریہ کو بھی لایا تھا۔ وہ اسی کی طرح پُرخلوص اور سادہ مزاج تھی۔ پہلی ملاقات میں گھل مل گئی تھی اور دوسری ملاقات میں وہ کرن کی اچھی دوست بن گئی تھی۔

زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ سکون و طمانیت نے ان کے سراپوں میں اعتماد و شادابی لوٹانی شروع کر دی تھی۔ وہ دونوں جو کبھی ایک دوسرے کے وجود سے متنفر و بدظن رہتی تھیں، اب ایک جان دو قالب تھیں۔

☆......☆......☆

"گرینی! گرینی! آنکھیں کھولیں۔ میں جانتی ہوں، آپ سو نہیں رہیں۔ پلیز یہ ٹیبلیٹس آپ کو لازمی لینی ہیں"۔ وہ جھکی ہوئی ان سے کہہ رہی تھی جو آنکھیں بند کیے خود کو سوتی ہوئی ظاہر کر رہی تھیں۔

"بھاگ جا لڑکی! دماغ مت چاٹ میرا۔ جا بھاگ جا"۔ وہ آنکھیں کھول کر سخت غصے سے گویا ہوئیں۔

"جی چلی جاؤں گی مگر پہلے آپ یہ دوائیں کھائیں"۔

"کیوں کھاؤں۔ تیرے باپ کی ملازمہ ہوں جو تیرا حکم مانوں"۔ ان کا موڈ آج پوری طرح سے بگڑا ہوا تھا۔ کرن کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو انہوں نے بُری طرح سے جھٹکا تھا۔

"ملازمہ تو میں آپ کی ہوں۔ آپ جو چاہے میرے ساتھ سلوک کریں، مجھے منظور ہے مگر دوائیں تو آپ کو ٹائم پر لینی ہوں گی"۔
اس کی برداشت قابلِ داد تھی۔

"تو لڑکی نہیں ہے، پچھل پیری ہے۔ پیچھے لگ گئی ہے میرے۔ نہ معلوم کیا کر کے چھوڑے گی؟" وہ بڑبڑاتی ہوئی اس کے سہارے سے اُٹھ بیٹھی تھیں اور دوائی تھی۔

"رات کو کھانے میں کیا لیں گی؟" اس نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"سوپ اور بریڈ لے لوں گی"۔ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

"او کے! اب آپ تھوڑی دیر ایکسر سائز کریں گی۔ اس کے بعد آدھا گھنٹہ ریسٹ کریں گی پھر میں آپ کو شام کی سیر کے لیے باہر لے کر چلوں گی"۔

"اچھا جو تیرا دل چاہے وہ کر"۔ باہر جانے کے نام پر وہ مسرور ہو جایا کرتی تھیں۔ اب بھی آسانی سے مان گئی تھیں۔ کرن بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

"ہاں ہاں نکال لے دانت۔ ان چند دنوں میں مجھے اپنا اتنا عادی بنا دیا ہے کہ میں تیرے بن خود کو ادھورا سمجھتی ہوں"۔ روانی میں ان کے منہ سے نکل گیا۔

کرن کے اندر ان کے بے ساختہ اظہار سے سرشاری سی دوڑ گئی تھی، حالانکہ وہ انہیں جھینپتے دیکھ کر بیگانہ بن گئی تھی۔ یہ خوشی اسے مسرور کر رہی تھی کہ اس کی محنت، برداشت و صبر رائیگاں نہیں جا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ہی سہی وہ گرینی کی توقعات پر پوری اُتر رہی تھی جو از حد مشکل ترین مراحل تھے۔

☆......☆......☆

رات کو انس واپس آ گیا تھا۔

گرینی اس وقت سو چکی تھیں۔ مدثر صاحب سے مل کر ان کی خیریت معلوم کرتا رہا۔ مدثر صاحب بھی اسے پہلے کی نسبت خاصے مطمئن و بہتر نظر آئے۔ گرینی کی اور ان کی گفتگو و خیر خیریت فون و نیٹ کے ذریعے معلوم ہوتی رہتی لیکن اسے باپ کو مطمئن دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ بزنس کی ضروری باتیں وہ کافی دیر تک کرتے رہے تھے۔ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر وہ گرینی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اندر سے کسی لڑکی کی آواز آ رہی تھی جو انہیں اخبار پڑھ کر سنا رہی تھی۔ وہ دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوا تو اس لڑکی کی اس کی طرف پشت تھی۔ اس نے چونک کر سر کو دوپٹے سے ڈھانپا تھا۔ گرینی نے اسے دیکھتے ہوئے کرن کا ہاتھ جس میں اس نے اخبار پکڑا ہوا تھا، دور کرتے ہوئے کہا۔

"لڑکی اب جا! میرا بچہ آ گیا ہے۔ مجھے کچھ گھنٹوں تک پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ کرن نے خاموشی سے اخبار سمیٹے اور کمرے سے نکل آئی۔ گرینی کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج سے وہ واقف نہیں ہوتی تو اس وقت ان کا رکھائی و بیگانگی سے پُر لہجہ اسے بے

حد ڈ کھ دیتا لیکن وہ عادی ہو چکی تھی۔

گرینی انس کو دیکھ کر حسب عادت کھل اُٹھی تھی۔ وہ بھی انہیں پہلے سے بہتر و صحت مند دیکھ کر طمانیت محسوس کر رہا تھا۔

"پپا بھی گورنس کی بے حد تعریف کرتے رہے ہیں۔ وہاں تو مجھے یقین نہیں تھا مگر یہاں آپ کو دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ پپا کی تعریفیں غلط نہیں تھیں۔ آپ پہلے سے زیادہ ہیلدی اینڈ کیوٹ ہو گئی ہیں۔ سعد کی سلیکشن ہم سے زیادہ بیسٹ ہے"۔ وہ گرینی کی طرف دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"کیا سعد لے کر آیا ان ماں بیٹی کو؟" ان کے انداز میں حیرانگی تھی۔

"جی"۔ ماں بیٹی کے نام پر وہ چونکا تھا۔

"میرے پاس تو اکثر آیا ہے لیکن اس نے ذکر نہیں کیا"۔

"اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ گرینی کو نہیں بتانا ہے۔ اگر گورنس سے کوئی مس ٹیک ہوئی تو جوتے میرے سر پر پڑیں گے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوا لیکن اس کے اندر وہ دو نام برابر گردش کر رہے تھے جس سے اس کے ذہن میں ایک خاکہ اُبھر رہا تھا اور اس کی سچائی کو جانچنے کے لیے اسے فوراً سعد سے ملنا تھا۔ گرینی اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑ چکی تھیں۔ کسی اور موضوع پر وہ کچھ کہیں نہ کہیں مگر اس کی شادی کے موضوع پر وہ گھنٹوں بے تکان بول سکتی تھیں اور وہی ہوا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

"گرینی! میری آزادی آپ کو نہیں بھا رہی۔ ابھی ہم مل جل کر رہ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا خیال ہے۔ آپس میں محبت ہے۔ آنے والی سے کہاں یہ سب برداشت ہوگا۔ وہ گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی حاکمیت جتائے گی اور باقی لوگوں کو مکھن میں پڑے بال کی طرح نکال پھینکے گی۔ آج کل کی بہوئیں ایسی ہی ہوتی ہیں خود غرض، خود پسند، بدتمیز کسی کو خاطر میں نہ لانے والی"۔ اس نے انہیں خوف زدہ کرنے کی پوری کوشش کی۔

"ہماری فکر مت کر۔ نہیں سمجھے ہمیں وہ، نہ کرے ہماری پروا، نہ پیش آئے ہمارے ساتھ محبت سے، پڑے رہیں گے ہم کھوٹے سکوں کی طرح ایک طرف۔ لیکن تجھے تو سمجھے گی۔ تیری تنہائی مٹ جائے گی۔ تُو محبت کرنا جان جائے گا۔ تیری زندگی بن جائے گی۔ ہماری پروامت کر، رہ کتنی گئی ہے، گزر جائے گی۔ تُو جو خزاں رسیدہ پتے کی طرح اُڑتا پھرتا ہے، بے چین، بے کل، بے رنگ اس طرح تجھے دیکھ کر ہمارا دم بھی نہ نکل سکے گا"۔ وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

"اوہ گرینی! ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا ہے"۔ اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"سب سمجھتی ہوں میں، مجھے مت بنا۔ اس چڑیل کو تُو بھول نہیں سکا ہے ابھی تک۔ ارے اس ہرجائی میں رکھا ہی کیا ہے۔ کیوں بھول نہیں پاتا تُو اسے؟"

"گرینی پلیز! اس ٹاپک پر بات مت کیا کیجئے"۔ وہ بے قراری سے کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر سوزو اضطراب چھا گیا تھا پھر وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ ان سے اجازت لے کر نکل آیا تھا۔

"سردیوں کے بھی فائدے ہیں۔ سبزیاں بہت فریش اور زیادہ تعداد میں آتی ہیں۔ گاجر، مٹر، چقندر، مولی بہت ہی لذیذ لگتی ہیں پھر کئی طرح کی مزے دار ڈشز بن سکتی ہیں"۔ کرن مٹر چھلکوں سے نکالتی ہوئی ماں سے مخاطب تھی۔ وہ گرینی کے موڈ سے سمجھ گئی تھی کہ وہ شام سے قبل اسے طلب کرنے والی نہیں ہیں۔ ان کا چہیتا پوتا آ گیا تھا جس کے ذکر و فکر میں وہ ہمہ وقت مشغول رہتی ہیں۔ اسے روبرو پا کر گفتگو کا سلسلہ طویل ہوگا۔ اب وہ شام تک فارغ تھی۔ موسم اچھا تھا۔ سردی قدرے کم تھی۔ ہر سو پھیلی ہوئی سنہری دھوپ صحن کے عقبی حصے میں بھی در آئی تھی جہاں نائیلون کی چٹائی بچھائے نوشابہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"گھر کا سامان ختم ہونے کو ہے۔ تمہیں آج فراغت ہے تو جا کر لے آؤ۔ میں ایک ہفتے سے جانے کا سوچ رہی ہوں مگر اس موسم میں میرے گھٹنے درد سے اکڑ جاتے ہیں۔ درد کے باعث میں خریداری نہ کر سکوں گی"۔ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ کرن سے گویا ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔ امی! میں سوچ رہی ہوں سعد بھائی اور فاریہ کے لیے کچھ گفٹس لے آؤں۔ وہ لوگ کئی بار سوٹ پیس، کاسمیٹکس گفٹ کر چکے ہیں۔ سعد بھائی کی اینورسری بھی قریب ہے"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اتنا نیک بچہ ہے۔ اسی کی وجہ سے آج ہم یہ سکھ بھرے دن دیکھ رہے ہیں، ورنہ اپنوں نے تو مرنے سے بدتر کر دیا تھا"۔ بیتے دنوں کی یادیں کرب بن کر ان کی آنکھوں میں جھلملانے لگی تھیں۔

"نہیں لیا کریں امی ان لوگوں کا نام میرے سامنے۔ درد و ذلت کا احساس رگوں میں دُکھ بن کر دوڑنے لگتا ہے۔ کتنا گھٹیا اور کس قدر گھناؤنا الزام لگایا تھا۔ ممانیاں کہتیں تو کوئی ملال نہ تھا لیکن ماموں کے انداز مجھے بھلائے نہیں بھولتے"۔ کرن کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے اعتماد کی کرچیاں تھیں۔ وہ دونوں اپنے اپنے آنسو ضبط کرنے کے چکر میں خاموش ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

"گرینی کے لیے جو نرس تم نے اپائنٹ کی ہیں، وہ کون ہیں؟" اسی شام وہ سعد کے ہاں پہنچ گیا تھا اور پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"انسان ہیں اور کون ہیں"۔ جواباً وہ ہنس کر گویا ہوا۔

"خود کو زیادہ اسمارٹ نہ سمجھا کرو"۔ وہ چڑ کر بولا۔

"فاریہ تو یہی کہتی ہے کہ اس جہاں میں مجھ سا اسمارٹ کوئی نہیں ہے"۔

"سعد بی سیریس! میں ڈپریسڈ ہوں"۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی محسوس کر کے سعد سنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"اس ڈپریشن کی وجہ؟"

''گھر میں جو نئے سرونٹ آئے ہیں۔آئی مین گرینی کے لیے جو گورنس اپائنٹ ہوئی ہیں وہ انہی خاتون کی لڑکی ہے جو کار سے ٹکرائی تھیں؟''

''ہاں''۔سعد نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیوں؟ تمہیں معلوم ہے مجھے اس قسم کے فراڈی لوگ بالکل پسند نہیں ہیں اور یہ بات تم بخوبی جانتے ہو کہ گرینی موو نہیں کر سکتیں۔ڈیڈی بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر گھر سے باہر رہتے ہیں۔ایسے میں وہ گھر کا صفایا کر جائیں جیسا کہ اس سے قبل متعدد بار ہو چکا ہے۔تم سب کچھ جانتے ہو پھر کس طرح یہ غلطی کر بیٹھے ہو''۔وہ استعجابیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں۔اچھے اور برے لوگوں کی پہچان مجھے تم سے زیادہ ہے اور تمہارے گھر کی تمام پراہلمز سے بھی واقف ہوں پھر میں کس طرح غلط لوگ رکھ سکتا ہوں۔ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ گرینی نے کسی گورنس کو نسی خوشی پورے تین ماہ برداشت کیا ہے اور انہیں اس سے کوئی معمولی سی بھی شکایت نہیں رہی ہے۔اس میں سب سے زیادہ دخل کرن کی محنت، برداشت و ہمت کا رہا ہے، ورنہ تم جانتے ہو گرینی کو خوش رکھنا، ان کے کہنے پر عمل کرنا کوئی آسان نہیں ہے''۔جواباً سعد نے جذباتی انداز میں تقریر کر ڈالی تھی۔

''تم نے خود غور کیا بلکہ بنا غور کیے ہی گرینی کی طبیعت وصحت بہتر نظر آ رہی ہوگی، پھر سب سے اسٹرونگ پوائنٹ یہ ہے کہ گرینی کی کیئر ٹیکر وہی لڑکی تین ماہ سے ہے۔پکھ نہ پکھ کوالٹیز تو اس میں ہیں جو گرینی نے اس سے جان نہیں چھڑائی بلکہ وہ آنٹی کو بھی کافی پسند کرتی ہیں۔اکثر انہیں اپنے پاس بلواتی ہیں''۔

''بائی دے وے تم کچھ بھی کمنٹس دو، میں مطمئن نہیں ہوں گا۔تمہیں ہر لڑکی مظلوم ومجبور نظر آتی ہے اور ہر عورت تمہاری خالہ، پھپو، تائی ہوتی ہے۔میں ایسی باتوں اور رشتوں پر یقین نہیں رکھتا ہوں''۔

''جس کو سانپ ڈس لے وہ رسی سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔تمہارا حساب بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ایک کی محبت تمہیں اس صنف سے نفرت کروا گئی ہے اور یہ باشعور لوگوں کا انداز نہیں ہوتا''۔

''بات کو گھماؤ مت''۔وہ مضطرب سا گویا ہوا۔

''اچھا یار، میں نے بہت سوچ سمجھ کر، دیکھ بھال کر کرن اور آنٹی کو وہاں رکھا ہے۔وہ اچھے گھرانے کی بُرے نصیب سے مار کھائی ہوئی عورتیں ہیں۔ان احسان فراموش اور بے ضمیر عورتوں کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے نہ صرف چوریاں کیں بلکہ گرینی کو بھی بہت تکلیف پہنچائی تھی، اگر تم اب بھی مطمئن نہیں ہو تو پھر انکل سے بات کرو''۔وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''پپا سے کیا بات کروں۔وہ بھی تمہاری قبیل کے ہیں۔کسی صورت نہیں مانیں گے۔ان کی محبت میں وہ تم سے بھی کہیں آگے ہیں''۔

''میری مانو تو کچھ عرصہ تم بھی انہیں دیکھو اور اگر وہ تمہاری توقعات پر پوری نہیں اُتر تیں تو تم جو فیصلہ کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گا''۔وہ اُٹھتے ہوئے بولا اور فریج سے بنانا شیک بنانے کے لیے کیلے اور دودھ نکالنے لگا۔

☆......☆......☆

''کرن! کرن! اومائی گاڈ! یہ تم ہی ہو نا کرن!'' وہ شاپنگ کر کے رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی۔ جب اچانک مانوس آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی اور بے اختیار اس نے مڑ کر دیکھا۔ حمزہ تقریباً بھاگتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

کرن کے چہرے پر بھی مسرت کے رنگ پھیل گئے تھے۔ اتنے عرصے بعد وہ اس طرح اس سے اچانک ہو جانے والی ملاقات پر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ وہ شاپنگ بیگز اور پرس سنبھالے اس کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک وہی تو تھا جو ظالم و جبر کے سیاہ ہولناک اندھیروں میں روشنی و زندگی کی کرن بن کر جگمگاتا تھا، زندہ رہنے، زندگی گزارنے کے درس دیتا تھا۔

''کرن! کتنی کیوٹ ہو گئی ہو تم۔ میں کتنی دیر سے تمہیں شاپنگ سینٹر کی سیڑھیوں سے اُترتا دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ لگ تو یہ وہی رہی ہے مگر ایسی سرخ و سفید رنگت میری اس سڑیل مزاج و چڑچڑی کرن کی کہاں تھی جو ہمیں چھوڑ کر ایسی گئی ہیں کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی کہاں چلی گئی تھیں؟ پھپھو جان کیسی ہیں؟ کہاں ہو تم لوگ؟ میں نے اور صمد نے ہر جگہ تلاش کیا ہے تمہیں اور پھپھو کو اور ناکام رہے ہیں''۔ مسرت و استعجاب کی کیفیت میں سرشار حمزہ نے یکے بعد دیگرے کئی سوال کر ڈالے۔

''تمہارے کسی بھی سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے حمزہ!'' لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''آئندہ کبھی ایسا اتفاق ہو تو مجھے مخاطب کرنے کی کوشش مت کرنا۔ بڑی مشکل سے زندگی سے آشنائی ہوئی ہے۔ آزادی کے مزے، مسرتوں کے رنگوں کو دیکھنا شروع کیا ہے۔ گو کہ یہ سب اتنا سہل نہیں ہے مگر اپنوں کی بے التفاتی سے غیروں کی بے اعتنائی بری نہیں لگتی''۔

''میں جانتا ہوں۔ مجھے رات کو ہی صمد نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ اس وقت گھر میں ہی تھا مگر پاپا کے خوف سے نیچے نہیں آیا تھا۔ مجھے سکون نہیں ہے۔ اس رات سے آج تک ہر چہرے میں میں تمہیں کھوجتا ہوں۔ پھپھو کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ میں ان کے رویوں کی تم سے معافی مانگتا ہوں۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ میں نے پاپا سے کہا تھا کہ تمہیں ڈراپ کر کے گیا تھا اور انہیں یقین بھی آ جاتا اگر آسیہ آنٹی یہ نہ کہتیں کہ میں تمہیں بچانے کے لیے جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ پاپا اس وقت اس قدر غصے میں تھے کہ انہوں نے میری بات پر یقین نہیں کیا لیکن انہیں یقین کرنا پڑے گا، جب میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا تو انہیں یقین آ جائے گا۔ سچائی جب رُوبرو ہو تو ہزار جھوٹ بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتے''۔

''حمزہ! وہاں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم ان کے لیے مر گئے ہیں اور مُردے کبھی لوٹ کر دنیا میں نہیں آتے۔ آئندہ کبھی نہ ملنا''۔ وہ کہتی ہوئی مضبوط قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ حمزہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ شدید ترین اذیت کے تاثرات اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

''کرن! کرن! پلیز ان کی سزا مجھے تو مت دو''۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گویا ہوا۔

''مت آؤ میرے ساتھ''۔

"مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو"۔ بے حد خاص بات اس نے عام سے انداز میں کی تھی جو غصے وتنفر میں وہ محسوس نہیں کر سکی تھی۔

"پلیز! اب ہم جینا چاہتے ہیں۔ ہمیں جینے دو۔ ماضی کے ہر پہلو، ہر ذات کو ہم بھلا چکے ہیں۔ پلیز تم ہمیں خوش دیکھنا چاہتے ہو تو کبھی بھی ہمارے راستے میں مت آنا۔ اجنبی بن کر گزر جانا۔ ان رشتوں کا کیا فائدہ جو نشتر بن کر لگتے ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ میری اور مما کی زندگی میں کوئی نشتر ہو"۔

وہ قریب سے گزرتے رکشے کو ہاتھ دے کر اس کی جانب بڑھ گئی تھی۔ حمزہ بے قرار و رنجیدہ نگاہوں سے اسے اوجھل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ وہ نگاہوں سے جتنی دور ہو رہی تھی، دل سے اتنی قریب ہو رہی تھی۔ اتنی قریب...... اتنی قریب کے وہ اپنی سانسوں میں اس کی خوشبو محسوس کر رہا تھا۔

......❁......

وہ رات اس کے لیے بے خوابی اپنے پروں میں سمیٹ لائی تھی۔

آج اچانک ایک عرصے بعد حمزہ کا یوں مل جانا اسے خوش گوار تحیر زدگی میں مبتلا کر گیا تھا اور اس نے جانا کسی اپنے کا اس طرح اتفاقاً مل جانا کیسی انوکھی مسرت سے ہمکنار کر دیتا ہے لیکن وہ مسرت، وہ تحیر آمیز شادمانی لمحوں کی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ آگے بڑھی تھی اور اسی دم شعور کے در وا ہوئے تو سر خوشی پر رسوائی و ذلت کی ردا چھا گئی۔ خود پر اُچھالے گئے غلاظت کے چھینٹے صاف نظر آنے لگے اور وہ وہیں جامد ہو گئی۔ اپنا اپنا سا مہربان دکھائی دینے والا حمزہ پل بھر میں اجنبی و لاتعلق نظر آنے لگا، دل پر چھائی کثافت زبان پر لفظوں کی صورت بہنے لگی۔

دماغ پر جب جذبات کی حکمرانی ہو تو زبان کسی جلاد کے ہاتھ میں پکڑی تلوار کی طرح سفاکی سے چلنے لگتی ہے، بلا سوچے سمجھے جو بھی سامنے آتا ہے، بریدہ ہو جاتا ہے، خواہ وہ بے گناہ ہو یا گناہ گار، خطا کی ہو یا بے خطا، مگر بچ نہیں پاتا، یہی حمزہ کے ساتھ ہوا، وہ کتنی خوشی سے پُرجوش انداز میں اس کی جانب بڑھا تھا۔

پھر اس کے بے رحم و بیگانگی بھرے طرزِ عمل و گفتگو سے کس قدر پریشان و حواس باختہ ششدر رہ گیا تھا۔ خوشی سے دمکتا چہرہ لمحے بھر میں بجھ گیا تھا، آواز میں اُداسیاں اُتر آئی تھیں اور آنکھوں کی طرح لہجہ بھی بھیگ سا گیا تھا۔

"معاشرے میں پھیلی ذہنی پیچیدگیوں میں ایک یہ پیچیدگی بھی ہے کہ ہم جب تک اپنا غصہ کسی دوسرے فرد پر نکال نہ لیں تو بے سکون رہتے ہیں۔ اب وہ فرد متعلقہ ہو یا غیر متعلقہ، ہمیں اپنا بوجھ ہلکا کرنا ہوتا ہے، پھر تم تو اسی خاندان کے ایک فرد ہو جہاں میری ماں کو بے عزت کیا گیا، اس کی تربیت پر کیچڑ اُچھالی گئی اور میرے کردار کو گالی دی گئی...... گالی بھی برداشت نہیں ہوتی، اگر بالفرض محال برداشت کر بھی لی جائے تو کوئی بھی عورت کردار پر گالی برداشت نہیں کرے گی، کیونکہ کردار کی مضبوطی ہی عورت کی سب سے معتبر دولت ہے، اگر کردار چلا جائے تو عورت، عورت نہیں گالی بن جاتی ہے"۔

وہ دائیں کروٹ کے بل لیٹی سوچوں کے جنگل میں بھٹک رہی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی ہر سمت سکون آمیز سکوت پھیلائے ہوئے تھی۔ دوسرے بیڈ پر نوشابہ بے خبر سو رہی تھیں۔ یہاں آ کر انہیں ان وظیفوں سے چھٹکارا مل گیا تھا جو بھائیوں کے گھر میں حالات کی بہتری کے لیے وہ کیا کرتی تھیں۔

''حمزہ! ممّا کہتی ہیں، میں بدلحاظ اور بے مروت ہوں۔ آنکھیں بدلنے میں لمحہ بھی صرف نہیں کرتی، مجھ میں برداشت بالکل صفر ہے اور مجھے اعتراف ہے ممّا کا ایک لفظ غلط بھی نہیں ہوتا۔ میں ایسی ہی ہوں، نہ غلط کہتی ہوں اور نہ برداشت کرتی ہوں اور خصوصاً جہاں مجھ یا مجھ سے وابستہ کسی تعلق کو بلاوجہ، بلا قصور برا بھلا کہا جائے۔ مجھ سے قطعی برداشت نہیں ہوتا اور اس وقت تک مجھے سکون و قرار میسر نہیں آتا، جب تک جوابی کارروائی مکمل نہ کرلوں، یہ وقت کا تقاضا ہے جیسا کرو ویسا بھرو، لیکن تم ایسے نہیں ہو، بہت اچھے، بے حد نائس انسان ہو جس پر آج زیادتی کر کے میرا ضمیر مجھے سزا دے رہا ہے کہ میں بدلحاظ، بدتمیز، بے مروت و منہ پھٹ ہوں مگر میرے اندر کچھ مثبت سوچیں بھی ہیں جن میں سے ایک یہ ضمیر صاحب ہیں جن کا وجود نادیدہ ہے مگر ہمہ وقت یہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ شام سے اب تک تمہاری مہربانیوں و احسانات کو اتنی مرتبہ یاد کر چکے ہیں کہ مجھے اپنی زیادتی کا احساس شدت سے ہونے لگا ہے۔ جو کچھ بھی ہوا، یہ سب نادانستگی و جلد بازی میں ہوا یا گھر والوں کے ناروا سلوک کے شکار تم ہو گئے، غصے میں عقل پر پٹی بندھ جاتی ہے اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں چاہتی ہوں ممّا اس راہ پر اب لوٹ کر نہ جائیں جس راہ پر کانٹے ہی کانٹے ہیں جو بدن کو ہی نہیں، روح کو بھی گھائل کر دیتے ہیں۔ ایک مدت تک میری ماں ان رستے زخموں کے سنگ رہی ہیں، اب دوبارہ ان زخموں سے کھرنڈ ہٹتے، میں نہیں دیکھ سکتی، میں تم سے خوش دلی سے ملتی اور یہاں آنے سے نہیں روک سکتی تھی اور تمہیں دیکھ کر ممّا کے دل میں بھائیوں، بھاوجوں کی دبی ہوئی محبت از سر نو جاگ اٹھتی اور وہ زیادہ دن خود پر جبر نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ سب کچھ بھلا کر ان کی طرف دوڑتیں جو انہیں دھتکار کر نازیبا الزام ان کی بیٹی پر لگا کر زندگی و موت کے تعلق توڑ چکے تھے۔ میری ماں کی وسعت قلبی و درگزر معاف کر دینے کی پرانی عادت ہے لیکن میں اپنی ماں سے متضاد طبیعت کی مالک ہوں۔ میرا خمیر، انا و ضد سے اٹھا ہے اپنی انا کے خلاف مجھے کچھ گوارا نہیں ہوتا، بلا کی انا پرست ہوں، مجھے معاف کر دینا حمزہ ڈیئر! اپنے سلوک پر تم سے شرمندہ ہوں مگر سوچتی ہوں میرا رویہ درست تھا۔'' وہ تصور میں حمزہ سے مخاطب تھی۔

☆......☆......☆

یہ موسم سبز پتوں کا
سنہری دھوپ کرنوں کا
گلاب کے مہکنے کا
ہمیں کب راس آیا ہے
ہماری زرد آنکھوں نے بنجر خواب ہی دیکھے

کہ اپنی خواب ہستی میں
عتاب آلو بستی میں
کوئی خوشبو نہ آنچل ہے
کوئی جھونکا نہ بادل ہے!

''ایکسکیوزمی۔ میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' خوب صورت کھنک دار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے سرسری سی نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ بلیک جینز، ریڈ اینڈ بلیک بڑے بڑے پھولوں کے پرنٹ والے شارٹ کرتے میں سرخی مائل گولڈن بالوں کی پونی میں چیونگم چباتی، بائیں ہاتھ سے پرس شولڈر پر ڈالے وہ بہت پُر اعتماد انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

''یس...... شیور...... وائے ناٹ''۔ اس نے میگزین بند کر کے آگے کھسکایا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تھینکس اے لوٹ''۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سرخ پرس ٹیبل پر رکھا اور چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ ایکچوئیلی، میں کسی اور کے ساتھ بھی شیئرز کر سکتی تھی لیکن اس پورے ہال میں مجھے آپ ہی بہت شریف و بے ضرر محسوس ہوئے اور میرے دل نے کہا کہ میں یہیں بیٹھ جاؤں، یہاں تمام میلوریز روڈ ہیں''۔ وہ چہرے سے جتنی بولڈ نظر آ رہی تھی، انداز میں اس کے اتنا ہی بھولپن و معصومیت تھی۔ انس اس کے خصوصی ریمارکس پر بے ساختہ مسکرا اُٹھا تھا۔

''کتنا ایکسپرینس ہے، آپ کو لوگوں کی آئیڈینٹیٹی کا؟''

''جتنی میری لائف ہے''۔ سابقہ انداز میں جواب آیا تھا۔

''اوہ...... آپ نے پیدا ہوتے ہی لوگوں کو شناخت کرنا شروع کر دیا تھا کہ کون بدمعاش ہے، کون شریف ہے؟''

''شاید...... آپ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں؟ چہرے پر آتی لٹ کو وہ کان کے پیچھے کرتی ہوئی کنفیوزسی گویا ہوئی تھی۔

''ارے نہیں...... میں تو ایسے ہی معلوم کر رہا تھا، آپ نے بات ہی ایسی کی جیسے بہت معمر ہوں، جس کے باعث چہرہ دیکھتے ہی محسوس کر لیتی ہوں اچھائی و برائی کو، ویسے آپ کی عمر کیا ہو گی؟'' نہ معلوم کیا ہوا تھا اس لڑکی کا نروس زدہ چہرہ و اضطرابی حرکات و سکنات اسے گفتگو پر اکسا رہے تھے۔

''اوہ سوری، میں بھول گیا تھا کہ کسی خاتون سے ان کی عمر پوچھنا سخت ترین گستاخی ہوتی ہے''۔ وہ دل کشی سے مسکراتا ہوا معذرت کرنے لگا تھا۔

''عمر کے معاملے میں اب خواتین سے زیادہ مرد حساس ہو گئے ہیں۔ عموماً شو بزنس سے تعلق رکھنے والے یا کسی اور وجہ سے پاپولر ہونے والے مرد بھی صرف برتھ ڈے ڈیٹ بتاتے ہیں، ایئر نہیں، یہ اوور ایج کمپلیکس آپ کی جنریشن میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ صرف پلیئرز ہیں جن کی درست عمریں سب کو معلوم ہوتی ہیں''۔

"ارے رے...... آپ تو مائنڈ کر گئیں، میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا"۔

"میں نے مائنڈ نہیں کیا، بتا رہی ہوں آپ کو، پہلے صرف عورتوں کو کہا جاتا تھا کہ عمر میں ڈنڈی مارتی ہیں، اب یہ مرد "ڈنڈا" مارنے لگے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"عورتیں مردوں کو شانہ بشانہ چلنا چاہیے نا۔ اسی کی عملی تفسیر ہے"۔

"آپ کو تو اپنی قوم کا دفاع کرنا ہی ہے"۔

"آف کورس، کیا کھائیں گی آپ؟" ویٹر کو قریب آتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... میں اپنی فرینڈز کا انتظار کر رہی ہوں، وہ آنے والی ہیں۔" وہ رسٹ واچ دیکھتی ہوئی قطعی انداز میں بولی۔

"آپ نے مجھے اتنے سویٹ ٹائٹل دیئے ہیں، اب میری شرافت کا تقاضہ ہے کہ آپ کو اس طرح کیسے جانے دوں، لیمن جوس تو آپ کو پینا پڑے گا"۔ ویٹر کو دو گلاس لیمن جوس کا آرڈر دے کر وہ اس سے گویا ہوا تھا۔

"تھینکس گاڈ! ابھی آپ نے بُرا مانا ہے"۔ وہ کھل کر مسکرائی۔

"آپ نے مجھے معتبر کر دیا ہے، اب میں اپنے فرینڈز کو فخر سے کہہ سکتا ہوں جو ہمیشہ کہتے ہیں انسی! تم بڑے کمینے و بدمعاش ہو"۔

"آپ کا نام انسی ہے؟"

"جی، انس مرشد خان"۔

"بہت پیارا نام ہے، میرا نام منال خان ہے"۔ جواباً اس نے بھی متعارف کروایا۔

"اب میں ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ بہت پیارا نام ہے"۔ ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ مزید بڑھتا کہ سامنے سے آتی اپنی فرینڈز کو دیکھ کر وہ خوشی سے چہکتی ہوئی اُٹھ گئی اور انس گویا ٹرانس کی کیفیت میں بیٹھا دیکھتا رہ گیا۔

ایک دم زور سے چھناکا ہوا تھا اس نے چونک کر ماضی سے حال میں چھلانگ لگائی تھی۔ سینٹر ٹیبل پر رکھا گلاس قالین پر گر کر ٹوٹا تھا جو شاید اس کے ہاتھ کی زد میں آ گیا تھا۔ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے لائٹ بلو قالین پر بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھا۔ ہونٹوں کو زور سے بھینچ لیا، گویا قالین پر کانچ نہیں دل کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہوں۔

☆......☆......☆

"چھوٹے صاحب! بیگم صاحبہ یاد فرما رہی ہیں"۔ ملازمہ دستک دے کر اندر آ کر بولی۔

"اچھا...... آ رہا ہوں"۔

وہ اُٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ گریٹی لمحے بھر اس کے چہرے پر پریشانی محسوس کر لیتی اور پھر نتیجتاً ایک لمبا لیکچر اٹینڈ کرنے کی اس کی اس وقت قطعی استطاعت نہ تھی کہ جب ماضی کی گرفت اس پر حاوی ہوتی تو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے میں وہ بند کمرے

میں ہر شے کو فراموش کر دیتا تھا۔

ٹوتھ برش استعمال کرنے کے بعد ہاتھ لیا اور کپڑے بدل کر گرینی کے پاس چلا آیا جو خاصی ناراض دکھائی دے رہی تھیں۔

"جی گرینی! آپ نے یاد کیا ہے؟" وہ چہرے پر بشاشت لانے میں کامیاب ہوا تھا، جواباً گرینی اسے گھور کر بولیں۔

"تم کون سا سابق ہو جو تمہیں یاد کروں گی"۔

"خیریت تو ہے نا، کوئی بات ہو گئی ہے؟"

"اس سے بڑی بات کیا ہو گی کہ اپنوں کے ہوتے ہوئے میں ملازماؤں کے آسرے پر پڑی ہوں، وہ جیسا چاہیں سلوک کریں میرے ساتھ، کوئی دیکھنے والا نہیں ہے"۔ گرینی تیز تیز کہہ رہی تھیں۔ اندر داخل ہوتی کرن کے قدم ان کے لہجے اور انس کی موجودگی کی باعث قدرے سست پڑ گئے تھے۔

"کسی سرونٹ کی جرأت نہیں ہو سکتی گرینی کہ آپ کی خدمت میں کوتاہی برتیں یا بدتمیزی کی جسارت کریں، اگر کسی نے ایسی گستاخی کرنے کی کوشش کی بھی ہے تو مجھے بتائیں"۔

"میری خاطر کس کس سے اُلجھو گے، کس کس کو سزا دو گے، پتھر راہ میں پڑا رہے تو ٹھوکروں کی زد میں رہتا ہے، اگر دیوار میں چن جائے تو عمارت کہلاتا ہے۔ میری قدر و قیمت جب تم ہی نہیں جانتے تو یہ ذکر چاکر کیا جانیں گے"۔ ان کے لہجے میں آزردگی چھانے لگی تھی۔

"یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے، ہمارے دل میں آپ کی محبت و عزت نہیں ہے"۔ وہ ان کے نزدیک بیٹھتا ہوا اپنائیت سے گویا ہوا۔

"میری بات مان رہا ہے تُو؟"

"گھر کا سکون اور میری محبت بلکہ خالص محبت آپ سے گوارا نہیں ہو رہی ہے گرینی۔" اس نے مُڑ کر دروازے پر کھڑی کرن کو وہاں سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تُو رٹی رٹائی باتوں کو کیوں رٹتا ہے، جب میں نے کہہ دیا، آنے والی جو سلوک کرے گی مجھے گوارا ہے، وہ سیاہ کرے، سفید کرے، لڑے، جھگڑے، چاہے کچھ بھی کرے، کم از کم گھر میں تو ہو گی"۔ گرینی اپنے اس پسندیدہ موضوع پر بلا تکان بول سکتی تھیں اور بول رہی تھیں۔ وہ جتنا اس موضوع سے بھاگتا تھا، وہ اتنا ہی اس کا ورد کرتی رہتی تھیں۔

"ہماری نیت کا ثمر، سوچوں کا ردعمل ہی ہمیں بھگتنا ہوتا ہے، ہمارے اعمال ہماری کھیتی ہے، گلاب بوئیں گے تو گلاب اُگیں گے، پیار بانٹیں گے، پیار پائیں گے۔ یہ دُنیا عمل، ردعمل، سزا و جزا کی میزان پر دھری ہے"۔

"گرینی! آپ کو مجھے کچھ ٹائم دینا ہے، تھوڑا وقت لگے گا"۔ وہ ان کا نحیف و نزار ہاتھ اپنے مضبوط و توانا ہاتھ میں لے کر عاجزی سے گویا ہوا۔

"ٹائم...... ٹائم...... ٹائم...... نہ معلوم کب ختم ہو گا یہ ٹائم تیرا، پچھلے ایک سال سے یہی الاپ جا رہا ہے، جیسے کسی بچے کو لالی پوپ

دے کر بہلا دیا جاتا ہے، یہی تُو میرے ساتھ کرتا ہے، لگتا ہے تیرا "ٹائم" ختم نہیں ہوگا اور میرا سانس ختم ہو جائے گا، میری زندگی ختم......"

"گرینی! پلیز ایسی باتیں مت کریں"۔ وہ تڑپ اُٹھا۔

"کیوں نہیں کروں، تُو جانتا ہے، شوگر، ہارٹ اٹیک اور یہ معذوری، ہر سمت سے بیماریوں میں جکڑی ہوئی ہوں، نہ معلوم کب ایسی رات آجائے جس کی صبح مجھ سے ہمیشہ کے لیے روٹھی ہوئی ہو یا ایسی صبح آجائے جس کی کبھی رات نہ ہو، موت تو ایک حقیقت ہے بیٹے اور پھر مسلمان کبھی بھی موت سے نہیں گھبراتے کہ موت مومن کے لیے راحت ہے، نجات ہے"۔

"بے شک گرینی! میں نے کب اس سے انکار کیا ہے (کہ اب میری خواہش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس ہرجائی دُنیا کو چھوڑ دینے کی ہے) لیکن آپ ایسا نہ سوچا کریں"۔

"باجی! چائے پی لیں اور یہ پیٹیس کھاؤ، بڑے مزے کے ہیں۔" چندا چھوٹی ٹرے میں چائے کا مگ اور پیٹیس رکھے اس کے پاس لے آئی تھی جوانس کے اشارہ کرنے پر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"میں ناشتہ کر کے آتی ہوں، تمہیں معلوم ہے"۔

"تو کیا ہوا باجی! ایک کپ چائے، ایک پیٹیس سے موٹی تھوڑی ہو جاؤ گی۔ میں دس کھا جاؤں اور ڈکار بھی نہ ماروں"۔ وہ بے فکری سے ہنستی ہوئی بولی۔

"مت کھایا کرو اس قدر چکنائی والی چیزیں، کبھی پیٹیس کی طرح ہی پھول جاؤ گی۔ آج کل سلم ہونے کا کتنا کریز چل رہا ہے۔ جس کو دیکھو دبلا ہونے کے لیے اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتا نظر آتا ہے، تم تو ابھی کافی اسمارٹ ہو"۔ وہ اس کے بے حد اصرار پر چائے پیتے ہوئے بولی، اس کے منع کرنے پر چندا کارپٹ پر بیٹھ کر پیٹیس کھاتے ہوئے بولی۔

"نہ باجی مجھے شوق نہیں ہے دبلے ہونے کا، موٹے تازے لوگ اچھے ہوتے ہیں اور لڑکیاں موٹی ہوں تو اچھی لگتی ہیں، کپڑے زیور پہنے بھی اچھے لگتے ہیں، سوکھی سڑی لڑکیاں ہوتی ہیں کوئی، شکل سے لگتی ہیں فاقے زدہ، سوکھے کی مریض، لکڑیوں کی طرح"۔ وہ جتنی تیزی سے کھا رہی تھی، زبان بھی اتنی تیزی سے چل رہی تھی، گرین و پنک سوٹ میں اس کی گندمی رنگت نمایاں تھی۔

"آہا...... کیا بات ہے۔ کاش تمہارے خیالات سے استفادہ کوئی حاصل کر سکے"۔

"اماں کہتی ہے اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ اپنی صحت سے پہچانے جاتے ہیں، ویسے ہماری برادری میں ہمارا گھرانہ زیادہ عزت دار ہے"۔

"اچھا......"

"ہماری طرح کھاتا پیتا کوئی نہیں ہے، ابا کی تو بہت ہی عزت ہے"۔

"تمہارا ابا تو پہلوانوں سے مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے"۔

''نہ باجی! ایسے کیسے ہو سکتا ہے''۔ چندا اس کی بات کو نہیں سمجھی تھی، اسی دم اس کی ماں نے آواز دی تو وہ چلی گئی۔ کرن نے وال کلاک دیکھا، ٹائم گزر رہا تھا اس وقت تک وہ گرینی کو ناشتہ اور میڈیسن دے کر فارغ کر چکی ہوتی تھی اور آج سب کچھ اتنا لیٹ ہو رہا تھا۔

اس نے محسوس کیا تھا انس کے آنے سے قبل وہ اس سے بہت مانوس ہو گئی تھیں۔ خاصی حد تک انحصار، اس کی ذات پر کرنے لگی تھیں۔ اکھڑ پن اور بے زاری جوان کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی، کبھی کبھی وہ موڈ ان پر طاری ہوتا تھا مگر جب سے وہ آیا تھا، گرینی بدلتی جا رہی تھیں۔ ان کی کوشش ہوتی وہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنے پوتے کے ہمراہ گزاریں اور وہ فاقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور ان کے اس رویے کے سبب وہ ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ ایک خرابی کئی خرابیوں کی جڑ بنتی ہے، ان کی ایک لاپروائی میڈیسن کی ٹائمنگ کو خراب کر رہی تھی جو ان کی صحت کے لیے سخت نقصان دہ تھی اور وہ اس بات کو ماننے کو تیار نہ تھیں۔

''اوہ...... یہاں ناشتہ چل رہا ہے، وہاں گرینی کا نہ صرف بریک فاسٹ بلکہ میڈیسن کا شیڈول بھی آؤٹ ہو رہا ہے''۔ وہ اسی فکر میں غلطاں چائے پی رہی تھی کہ اس کی سخت آواز سن کر بوکھلا کر کھڑی ہوئی تھی جو بیک ڈور سے اس کی پشت پر آن کھڑا ہوا تھا۔

''سس...... سر! وہ......''

''مجھے کوئی آرگومنٹس نہیں چاہیے، مجھے ڈیوٹی کے ٹائم صرف ڈیوٹی چاہیے، آج فرسٹ اینڈ لاسٹ وارننگ ہے، تمہارے لیے نیکسٹ ٹائم میں ایسی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔ مجھے ایسے غیر ذمے دار ملازموں کی ضرورت نہیں۔ جو اپنے پیٹ کی پرواہ کریں اور مالک بھوکا انتظار کرتا رہ جائے۔'' جتنی سختی و تندی اس کے لہجے میں تھی، اس سے زیادہ کڑواہٹ و تنفر اس کے لفظوں میں تھا، بے حد تنقیدی نگاہوں سے اس نے کرن کے ہاتھ میں پکڑے مگ اور سینٹر ٹیبل پر رکھی ٹرے میں بکھرے پیش کے ذرات کو دیکھا اور دھپ دھپ کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور وہ تو جیسے ذلت و بے عزتی کے احساس سے گنگ کھڑی رہ گئی تھی۔ خوش ذائقہ چائے کا گھونٹ کڑوے سیال میں بدل گیا، رگوں میں گویا تیزاب کی جلن جھلسانے لگی۔

اس قدر اہانت، اس قدر ذلت، اس قدر سفاکی؟

لاؤنج کسی دائرے کی صورت میں گھومنے لگا، ہاتھ میں پکڑے مگ میں باقی ماندہ چائے...... چائے نہیں خون تھا، خون اس کی عزت نفس کا، خون اس کی محنت و وفاداری کا جو وہ بڑی دیانت داری کے ساتھ ملازمت کی صورت میں ادا کرتی رہی تھی۔

اسے ان سے باتیں کرتے وقت کوئی شیڈول یاد نہ رہا تھا۔ اسے جب بڑی حقارت سے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا، تب بھی اسے کوئی ٹائمنگ یاد نہ آئی تھی۔ کتنی آسانی سے، کیسی سفاکی سے وہ اسے غیر ذمے دار ہونے کا طعنہ دے گیا تھا۔

کیا غیر ذمے داری کی تھی اس نے؟ ایک طرح سے اس نے اسے نمک حرام ہی کہا تھا۔ بے شک سارا وقت گرینی کی خدمت میں گزارنے کے باوجود کھانے کے اوقات وہ سرونٹ کوارٹر جا کر کھا کر آتی تھی۔ پہلی بار آج چندا کے اصرار پر وہ چائے کے چند گھونٹ پینے کی گناہ گار ضرور ہوئی تھی جو ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ سزا کے طور پر کیا کچھ نہ سننے کو مل گیا تھا۔

اس نے تنگ آ ہستگی سے ٹیبل پر رکھا اور اپنے مشتعل حواسوں کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''بڑے گھر میں رہنے والے چھوٹے دل کے شخص، اگر مجھے کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر ہوتا تو اسی پل ملازمت تیرے منہ پر مار کر جا چکی ہوتی، کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا، بلاوجہ کسی کی عزت نفس مجروح کرنے کا، یہاں جو کچھ بھی ملتا ہے، وہ نہ احسان ہوتا ہے اور نہ نمک، وہ محنت کا معاوضہ ہوتا ہے''۔ حسب عادت اس نے غائبانہ طور پر اسے کھری کھری سنائی تھیں۔

پہلی بار عزت نفس مجروح نہ ہوئی تھی۔

پہلی بار ذلت وتوہین کا احساس نہ جاگا تھا۔

یہ ارزانیت و بے مائیگی کا احساس اس کے ساتھ سائے کی طرح رہا تھا اور حیرت اس امر کی تھی کہ وہ ابھی تک اس کی عادی نہ ہو سکی تھی۔

وہ اپنے نفس کے واویلوں کو نظر انداز کرتی، دماغ کی ہدایت پر گرینی کے روم کی طرف بڑھ گئی کہ وقت، حالات اس کے تابع نہ تھے، وہ ان کی محکوم تھی۔

گرینی کا موڈ حد سے زیادہ آف تھا۔ وہ کسی ضدی وخودسر بچے کی طرح نخرے کر رہی تھیں۔ ناشتہ سونخروں سے کیا تو ہزار ناز اُٹھوا کر میڈیسن لی تھیں اور اسے بے نقط سنائی الگ، آج اس کا ستارہ گردش میں تھا۔

''بہت چپ چپ ہو کرن! طبیعت تو ٹھیک ہے''۔ اس کے ستے ہوئے چہرے، نم آنکھوں کو دیکھ کر نوشابہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

''طبیعت نہیں، نصیب خراب ہیں ماما!'' وہ یاسیت کا شدید شکار تھی اس وقت۔

''کیا ہوا؟ کسی سے کوئی بات ہوئی ہے؟'' وہ پریشانی سے بولیں۔

''وہی ذلت بھری زندگی کا رُخ ایک عرصے بعد پھر دیکھا ہے میں نے، جس کو چند ماہ قبل میں چھوڑ آئی تھی، طنزوتحقیر بے شک جنس بدل لیں مگر کاٹ نہیں بدل پاتے، ایک ایک لفظ بندے کو گھائل کر کے تڑپنے، سسکنے پر مجبور کر دیتا ہے''۔

''کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہو، صاف صاف بتاتی کیوں نہیں ہو، کیا ہوا ہے'' ان کی ممتا میں فطری بے قراری عود کر آئی تھی۔

اس نے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جو صبح سے اس کے ذہن واعصاب پر جونکوں کی طرح چمٹے ہوئے تھے، وہ باوجود کوشش کے خود کو اس تکلف سے باز نہ رکھ سکی تھی۔

''کیا کریں؟ بات ہے تو اخلاقیات کے لبادے سے نکلی ہوئی مگر پھر وہی بات آتی ہے، ہمارا ان سے کوئی قریبی تعلق یا خون کا رشتہ نہیں ہے، ہمارا تعلق نوکر و مالک کا ہے۔ ہم خواہ کچھ بھی کرلیں، اپنے کو ان سے بڑھ کر نہیں پا سکتے، سمجھ رہی ہو نا میری بات، مالک کی کسی بات کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنانا''۔

''انا اور عزت نفس! ان احساسات کا تو لگتا ہے، سودا کر بیٹھی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح زندگی کی گاڑی چلے گی۔ ہمارا جیون بھی کسی کٹھن پُرخار راستے کی مانند ہے جہاں کے نشیب و فراز، کٹھنائیاں اس قدر پر پیچ ہیں کہ جہاں آسانیوں و آزمائشوں کے اختتام کی کوئی منزل ہی نظر نہیں آتی۔ ہاں تھوڑا وقت کسی اچھے خواب کی مانند گزرا ضرور ہے۔ اب آنکھ کھلی ہے تو وہی حالات ہیں، چہرے بدل گئے ہیں، خدوخال بدل گئے ہیں مگر طنز و تنفر، حقارت و بے مائیگی نمایاں کرنے کے مظاہرے وہی ہیں''۔

اس پر پوری طرح سے یاسیت و پژمردگی چھا گئی تھی، وجہ شاید یہ بھی تھی ماموں کے گھر میں وہ برابر کے جواب دے کر حساب بے باک کردیا کرتی تھی۔ یہاں اس شخص نے اسے جس طرح بے بھاؤ کی سنائی تھیں، مستزاد اس کا لہجہ و انداز اسے بھلائے نہ بھول رہے تھے۔ قصور نہ ہوتے ہوئے بھی اسے سب سننا پڑا، پھر کوئی صفائی کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ بے شک وہ اپنے اور اس کے مرتبے کو پہچانتی تھی، سو بدتمیزی سے نہیں ادب سے ہی وہ اسے سمجھا سکتی تھی کہ وہ تو خود اس بات سے پریشان ہو رہی تھی گرینی کے ناشتے اور میڈیسن کا ٹائم آؤٹ ہو رہا تھا اور ان کے شدید مرض کے نوعیت کی باعث کسی بھی معاملے میں دیر نہیں ہونی چاہیے مگر وہ اپنی حیثیت کے تعین کے باعث صبر کر کے بیٹھی رہی تھی اور اس کو پوری گفتگو کرنے کے بعد خیال آیا تو بڑی آسانی سے وہ اسے مورد الزام ٹھہرا کر بے عزت کر گیا تھا۔

''نشیب و فراز، دھوپ و چھاؤں ہی تو ہم کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کرتی ہیں، جمود تو بیٹا موت ہے۔ متحرک رہنا ہی حیات ہے۔ چھوڑو، وہ ہمارے کوئی عزیز تو ہیں نہیں، جو شکایت کرنے پہنچ جائیں، قدموں کے نیچے زمین اور سروں کے اوپر چھت کی قیمت ہمیں اسی طرح چکانی پڑے گی، پھر جا بھی کہاں سکتے ہیں بھلا؟'' بیٹی کی بھیگی آنکھیں اور اُتری شکل ان کے دل کو آری کی طرح کاٹ رہی تھیں۔ وہ اپنے خون کے شاہانہ پن کو جانتی تھیں جس ماحول میں اور جس طرح کرن کو نامساعد حالات میں ایک ایک ضرورت کی چیزوں کے لیے تڑپنا اور جھڑکیاں و طعنے سننے کو ملتے تھے، ایسے میں کوئی بھی دوسری بچی ہوتی تو وہ عزت نفس، وقار و انا بھول کر لوگوں کے اشارے پر چلنے والی بے حیثیت و بے مول لڑکی ہوتی، لیکن وہ سب بھگتنے کے باوجود الگ مزاج کی لڑکی تھی، کسی کا جھوٹا کھانے سے بہتر وہ بھوکے اسکول جانا پسند کرتی تھی، کسی کی اُترن سے بہتر اسے اپنے گھسے پرانے کپڑے عزیز تھے، اپنے پھٹے جوتوں میں وہ اس کروفر سے چلتی جیسے کوئی شہزادی بڑے طمطراق و تفاخر سے چل رہی ہو، فقیری زندگی گزارنے کے باوجود اس کے مزاج بچپن سے شاہانہ تھے، کسی سے ناجائز دبنا یا، کسی سے سننا تو اسے گوارا ہی نہ تھا۔ بھابیاں غصے میں کہتی تھیں۔

''سنبھال کر رکھا کرو اپنی ملکہ نور جہاں کو۔ ابھی بھی وقت ہے سنبھالو اسے، چھوڑ دے ایسی حرکتیں ورنہ اگلے گھر پہلے دن ہی چوٹی پکڑ کر نکال دی جائے گی، تمہیں تو تمہارے بھائی بھگت رہے ہیں، اسے کون برداشت کرے گا؟''

''اللہ نہ کرے جو میری قسمت میری بیٹی کی پرچھائیں بنیں''۔ وہ فوراً دل میں لرز کر دعا مانگا کرتی تھیں۔

اب بھی اس کی نوابی طبیعت، شاہانہ مزاج پر اُس کا رویہ کوڑے برسا رہا تھا اور بچپن کی طرح اب بھی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھی۔

''لاحول ولا، ایسا انسان نما جانور سے میں رشتے داری کا سوچ بھی نہیں سکتی''۔ وہ منہ بنا کر تیزی سے بولی تھی۔

''ارے آواز تو دھیمی رکھنا بچے، جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر، کچھ تو عقل کا استعمال کرنا سیکھ جاؤ''۔

''ساری احتیاطیں، ساری سمجھداری ہمارے ہی کھاتے میں آتی ہے، آخر کیوں؟''

''بس چھوڑو فضول کی بحث، کھانا کھاؤ، پھر اندر سے بلاوا آئے گا''۔ وہ اُٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

''تم نہیں کھاؤ گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ یہ کوئی بات نہیں ہوئی کہ جہاں کوئی بات ہوئی تم نے کھانے سے ناراضگی شروع کر دی''۔

''مما! میرا دل نہیں چاہ رہا''۔

''کھانے کا تعلق معدے سے ہوتا ہے، دل سے نہیں۔ کھانے بیٹھو گی تو بھوک لگے گی، ویسے بھی ان چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز کرنا سیکھو، ورنہ بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے اور سوچ لینا اس ٹھکانے کے بعد ہمارے پاس کوئی اور در نہیں ہے۔ زندگی ہماری ایک جہد مسلسل ہے، پھر کیوں اس میں مزید رکاوٹیں بڑھانے کی سعی کر رہی ہو، سنتی تھی بارہ سال بعد گھوڑے کے دن بھی بدل جاتے ہیں مگر بیس سال بعد بھی ہمارا وقت نہ بدلا، شاید ہمارے مقدر میں اسی طرح رہنا لکھا ہے تو ہمیں اب بھی سنبھال لینا ہے، خود سے جو ہو رہا ہے، اچھا ہو رہا ہے، سمجھ کے رہنا ہے''۔

☆......☆......☆

''وحشت تنہائی میں اے جانِ جہاں!

لرزاں ہیں تیری یادوں کے کنول، تیرے ہونٹوں کے سراب

وحشت تنہائی میں......''

''مائی فٹ، اسٹاپ اٹ''۔ اس نے جھنجلا کر ٹیپ آف کیا تھا۔

''یہ سنو پھر''۔ سعد نے دوسری کیسٹ پلے کرتے ہوئے کہا۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن!

بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے......

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی......''

''سعد...... سعد! تم باز نہیں آئے تو میں کار کسی درخت سے ٹکرا دوں گا۔ حد ہوتی ہے کسی کو زچ کرنے کی بھی''۔ حسب عادت وہ بری طرح تڑپ اُٹھا۔

''زچ تم کر رہے ہو نا کہ میں؟ ہر وقت تھوبڑا سوجائے رکھتے ہو، کوئی شرافت والی بات نہیں ہے۔ تمہارا چہرہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے، گویا قبرستان سے اپنی محبوبہ دل نواز کو دفنا کر آ رہے ہو، غم والم کی تصویر بنے''۔

''شٹ اپ یار! بات تو اچھی کیا کرو اور یہ اوٹ پٹانگ مثالیں دینے سے پرہیز کیا کرو''۔

"ہاں سب کچھ میں کروں، تمہیں تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے"۔ اس بار وہ بُری طرح جل کر گویا ہوا تو انس بے ساختہ مسکرا اُٹھا۔

"تمہاری پرابلم کا کیا حال چال ہے؟ جب سے آیا ہوں ملاقات نہیں ہوئی ہے"۔ بہت خوب صورتی سے وہ اس کا موڈ چینج کر چکا تھا۔

"پرابلم نہیں، خوشی کہو، شادمانی کہو، دُنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہے وہ، اسے دیکھتے ہی قوس وقزح میں رنگ بھر جاتے ہیں، چاند کی چاندنی اس کے وجود سے ہے، پھولوں میں دل کشی، ستاروں میں تابندگی، اس کے دم سے ہے، تم کیا جانو وہ کیا ہے"۔

"مجھے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، تم جانتے ہو یہ کافی ہے"۔ وہ کار کلفٹن اسٹریٹ کی جانب موڑتے ہوئے بولا۔

"تم کہہ رہے تھے، کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ کیا بات ہے؟" وہ ریسٹورنٹ میں آگئے تھے۔ ویٹر سینڈوچز اور کافی سرو کر گیا تھا۔

"کل فاریہ کے پپا نے بلوایا تھا مجھے، وہ شادی کرنا چاہتے ہیں"۔ سعد نے سینڈوچ کھاتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

"وہ چاہتے ہیں شادی کرنا: یو مین سیکنڈ میرج؟"

"او شٹ، مطلب وہ چاہتے ہیں، میں جلد از جلد فاریہ کو مسز فاریہ سعد بنا کر گھر لے آؤں تا کہ اس سے چھوٹی بہنوں کا بھی نمبر آسکے۔" وہ اس کی شوخی پر گھورتا ہوا وضاحتی انداز میں بولا۔

"پھر تمہیں کیا پرابلم ہے، تمہاری تو دلی مراد بر آرہی ہے، کیا سوچ رہے ہو اور کیوں؟ میرے تو خیال میں تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیے، کوئی تو طلب کے راستوں میں سرخروئی کی منزل کو حاصل کرے، ورنہ یہ ایسا دشتِ لاحاصل ہے جہاں عمریں تمام ہو جاتی ہیں اور ہاتھ صرف خوابوں کے، کچھ اور نہیں لگتا"۔ انس نے کافی کپ سے نکلتی بھاپ کو گھورتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"لگن سچی ہو تو ہر شے حاصل ہو جاتی ہے جیسے تالی بجانے کے لیے دو ہاتھ درکار ہوتے ہیں، ایسے ہی طلب کی راہ پر چلنے کے لیے جذبے بھی کھوٹ سے پاک ہونے چاہئیں تو کامیابی کبھی نہ کبھی ضرور قدم چومتی ہے"۔

"اچھا تو تم اب مجھے گائیڈ کرو گے"۔ گم ہونٹوں سے لگاتا وہ مسکرا کر بولا۔

"اونہوں، میری کیا مجال ہے جو شخص خود مس گائیڈ ہونا چاہے وہ کس طرح گائیڈ ہونا پسند کرے گا، اینی وے، تم نے اب اپنی فیوچر پلاننگ کیا کی ہے؟"

"بات تمہارے فیوچر پلان کی ہو رہی ہے، مجھے بھول کر اپنی سوچو، فاریہ کے فادر کی بات مان لو اور اگلے ہفتے بارات لے کر پہنچ جاؤ"۔

"میں تو یہی چاہتا ہوں، مگر وہ کہتے ہیں میرے بزرگوں سے ملیں گے، پھر شادی کی ڈیٹ فکس ہوگی"۔ کل سے وہ جس اُلجھن میں مبتلا تھا وہ اس کے لبوں پر جاری تھی جو انس بڑے دھیان سے سن رہا تھا۔

"بیٹی کو کھلی آزادی دیتے وقت ان فادر کی آنکھیں کیوں بند ہو جاتی ہیں۔ اب جب کہ ہر بات طے ہونے کے بعد انہیں کیوں تمہاری فیملی ٹرمز یاد آئے ہیں۔ اس سے قبل کہاں تھے وہ؟" وہ بگڑے موڈ سے بولا۔

"میں نے آنٹی سے کہا تھا، وہ معذرت کرتے ہوئے گویا ہوئیں کہ انہوں نے یہ معاملہ ان سے اوجھل رکھا ہوا تھا۔ انہیں اب معلوم ہوا ہے تو وہ میرے خاندان وحسب ونسب سے مکمل آگاہی چاہتے ہیں اور مجھے فاریہ کے حصول کی خاطر انہیں مطمئن کرنا بھی پڑے گا، ورنہ......" وہ یکلخت چپ ہو گیا۔

"ورنہ...... کیا ورنہ" اس نے مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"فاریہ کا حصول میرے لیے ناممکن ہے۔" اس نے دھواں دھواں لہجے میں بتایا۔

"وہاٹ؟ یہ کیسے ممکن ہے۔ کسی کے جذبوں سے کھیلنا کوئی مذاق نہیں ہوتا یار! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"انکل بہت غصہ ور ہیں پہلی ملاقات میں ہی مجھے معلوم ہو گیا ہے، وہ اپنی تسلی کیے بغیر کسی صورت نہیں مانیں گے"۔

"شادی کے لیے اتنی فضولیات، ویسے بنا تعلق کے لڑکی کسی کے ساتھ گھومتی پھرے، جب انہیں اپنی عزت وخاندانی وقار کا خیال نہیں آتا ہے"۔

"ایسی بات نہیں ہے یار! اور میں "کسی" تھوڑی ہوں۔ فاریہ سے سچی محبت کرتا ہوں، ہمارے درمیان ازحد مضبوط تعلق بن گیا ہے"۔ اسے خود کو غیر کہلانا انس کے منہ سے پسند نہ آیا تو رنجیدگی سے بولا۔

"مائینڈ نہ کرو، تم بلا کسی معتبر رشتے کے ان کے لیے غیر ہی ہو، اب تم نے گپ ہانک رکھی ہے کہ وہ تمہاری فیانسی ہے، تم نے اسے اس کی برتھ ڈے پر گولڈ رنگ پہنا دی اور سمجھے تعلق استوار ہو گیا"۔

"آنٹی نے یہی کہا تھا کہ وہ رفتہ رفتہ انکل کو منا لیں گی، ویسے میں رشتے کو پکا سمجھوں اور میں کیا کرتا، جو انہوں نے کہا وہ میں نے کیا"۔

"مجھے ان نام نہاد عزت داروں کی بات سمجھ میں نہیں آتی، جن سے بیٹیوں کی جوانیاں سنبھالی نہیں جاتیں، پھر پانی سر سے اونچا ہو جائے تو ایسے لوگ دوسروں کی پگڑیاں اُچھالنے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں"۔ ان کے لہجے سے اندر کا درد محسوس ہو رہا تھا۔

دونوں کے درمیان گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔ سوچوں کے گرداب میں پھنسے کافی پی رہے تھے، پھر کچھ توقف کے بعد انس بولا۔

"اب تم بتاؤ کیا چاہتے ہو، یہ کوئی فلمی اسٹوری تو ہے نہیں جو تم کرائے پر ماں، باپ و دیگر عزیز واقارب اکٹھا کر کے لے جاؤ گے۔ یہ ریئل لائف ہے، یہاں جتنے کریکٹرز ہوں گے، سب ریئل پرسنالٹیز والے چاہئیں"۔

"میں تمام حقیقت انہیں بتا چکا ہوں، پھر بھی نہ معلوم وہ کیوں بضد ہیں"۔

"ان جیسے پیرنٹس کو ان ہی موقعوں پر اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس ہوتا ہے، ویسے یہ ہر معاملے سے لاتعلق رہتے ہیں۔ تم فکر مت کرو، میں چلوں گا تمہارے ساتھ اور ان کی ہر تسلی کو مکمل کر دوں گا"۔ وہ اطمینان سے بولا تو سعد کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک دم کھل اُٹھا اور وہ مُسکرا کر بولا۔

"ریئلی، تم چلو گے نا؟ دراصل میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ چلو، کیونکہ تم مجھے اچھی طرح کنوینس کر سکتے ہو وہاں پر"۔

"تم نے خود آفر کیوں نہیں کی؟" اس نے سعد کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس...... مجھے ڈر تھا کہ...... تم انکار نہ کردو"۔

"یہی دوستی ہے؟ اتنا سمجھ پائے ہو مجھے؟" اس کے بھاری لہجے میں خفگی تھی۔

"نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ہے یار! محبت بڑی ظالم شے ہے جب ہوتی ہے تو بندے کو بڑا عجیب سا بنا دیتی ہے یہ، اس کا کرشمہ ہے جو میں پُر یقین ہونے کے باوجود اس وسوسے کا شکار تھا کہ کسی وجہ سے تم نے انکار کر دیا تو میں اسے کھو دوں گا اور میں اسے کھونا نہیں چاہتا"۔

"اوکے، اوکے اگر میں تمہاری کیفیت سمجھ نہیں پا رہا ہوتا تو پھر میں دماغ درست کر دیتا"۔ وہ ویٹر کو بل پے کرنے کے بعد اُٹھتے ہوئے بولا، تو سعد کے لبوں پر بھی جان دار مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

☆......☆......☆

دروازے پر دستک ہوئی تھی، نوشابہ نے اندر سے آنے والے کا نام دریافت کیا تو جواباً نام کے بجائے خاموشی سننے کو ملی تھی۔

"کون ہے بھئی، جواب کیوں نہیں دیتے؟" خاصے توقف سے وہ گویا ہوئیں۔

"پھپھو! میں ہوں حمزہ"۔

"حمزہ!" چند لمحے اس نام کی گونج ان کے اندر پھیلتی رہی تھی، انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ گومگو کی کیفیت میں دروازے کو تکے جا رہی تھیں جس کے دوسری جانب وہ کھڑا تھا جو ان کے سب سے قریب تھا، جس کی بے لوث محبت اور ہمدرد وجود نے انہیں کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔ "کیا وہ سچ مچ حمزہ ہے؟ اگر وہی ہے تو یہاں کیسے پہنچا؟ کس نے بتایا اِدھر کا ٹھکانا؟"

"پھپھو! دروازہ کھولیں۔" اس بار حمزہ کی آواز نے انہیں دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سامنے کھڑا تھا، فروٹس کے شاپرز ہاتھوں میں پکڑے ایک عرصے بعد اسے سامنے دیکھا تھا جس کو صبح و شام دیکھنے کی عادی تھیں۔ دل کو نہ معلوم کیا ہوا کہ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکیں۔

"السلام علیکم، پھپھو جان! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

وہ خود ہی اندر آ گیا تھا اور شاپرز چیئر پر رکھتا ہوا بولا تو نوشابہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"کتنے عرصے بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں، آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا، دل میں کیسی طمانیت پھیلی ہے، لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی"۔ وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولیں۔

"یہاں پلنگ پر بیٹھو آرام سے، اور سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں، بھائی، بھابیاں، بچے وغیرہ سب ٹھیک ہیں؟" وہ بھی وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

"جی سب ٹھیک ہیں"۔ گھر والوں کے ذکر پر وہ جھینپ گیا تھا۔ وہ بڑے لگاؤ سے ایک ایک کا پوچھ رہی تھیں، ان کے انداز میں کوئی طنز یا نفرت نہ تھی۔ وہی محبت سے گوندھا شہد آگیں لہجہ، وہ ویسی ہی تھیں بے قصور مار کھا کر بھی دُعا دینے والی، بے نفس، صبر و شکر کا پیکر،

سراپائے ایثار و وفا، ورنہ وہ تو آتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ پھپھو کہیں دھکے دے کر نکال باہر نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کرتی بھی تو بے جا نہ تھا، جس تذلیل و گندے بہتان لگا کر ان کو اور کرن کو در بدر کیا گیا تھا، ایسے سلوک پر ان کا ردعمل بے جا نہ ہوتا، اس دن جو کچھ ہوا اس میں سراسر قصور وار وہ بھی تھا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ کچھ بہادری کا مظاہرہ کرتا، کرن کو گیٹ سے دور اُتارنے کے بجائے گیٹ کے پاس ہی اُتار جاتا تو ہرگز یہ نہیں ہوتا جو ہوا۔

''پھپھو! میں بہت شرمندہ ہوں۔ اس دن جو کچھ ہوا بہت غلط، بہت بُرا ہوا۔ آپ کو وہ گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، پاپا نے آپ کو گھر سے نکالا اور آپ نکل گئیں، ان کی آنکھوں پر تو سازشوں کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کے باعث نہ انہیں مظلوم بہن کی بے بسی نظر آئی اور نہ ہی جوان بھانجی کی عزت، میں شام کو یونیورسٹی سے واپس آیا تو باہر ہی صمد نے مجھے پوری تفصیل سنا ڈالی تھی اور میں اسی وقت اسے لے کر آپ کو اور کرن کو ڈھونڈنے نکل گیا تھا۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا آپ کو، ایدھی ہوم تک کھنگال آئے تھے پھر کئی چکر کرن کی دوست عادلہ کی طرف لگائے ہر بار اس کے دروازے پر پڑا تالا اور پریشانی میں مبتلا کر گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ لوگ ہیں کہاں۔ پہلی بار پاپا کے روبرو بھی ہوا، آپ کی سائیڈ لی، پاپا نے کہا انہیں خود یقین نہیں تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ممی اور آنٹیز کی زبانی سب سن کر بھی یقین نہیں کرتے تھے، میں نے قسم کھا کر بتایا کہ وہ میں تھا کوئی اور نہیں جو کرن کو جلدی کی وجہ سے ڈراپ کر کے گیا تھا۔ پاپا کو یقین آ گیا تھا مگر ان کا کہنا آج تک یہی ہے کہ وہ غصے میں انہیں گھر سے جانے کا کہہ بھی بیٹھے تھے تو وہ گھر چھوڑ کر کیوں گئیں؟ جب اس گھر کے سوا کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں تھا تو کیوں دہلیز پھلانگ گئیں، اگر حق پر تھیں تو یہیں رہ کر اپنے سچ کو ثابت کرتیں، کوئی آس، کسی سے کوئی اُمید تھی جس کے سہارے گھر چھوڑ کر گئی ہیں''۔

''امید، آس، ہی نہیں، یقین تھا کہ جس نے پیدا کیا ہے جو تقدیریں بنانے والا ہے، جس نے پانی کی تہوں میں کیڑوں کے گھروندے بنائے ہیں، جس نے پتھروں میں بھی اپنی مخلوق کو رزق پہنچانے کی ذمے داری اُٹھائی ہے، وہ بھلا ہم سے غافل کس طرح رہ سکتا ہے، پھر وہ خود فرماتا ہے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، وہ جیسا گمان رکھتا ہے مجھ سے، میں ویسا ہی نوازتا ہوں تو دیکھ لو، اپنوں نے سر سے چھت چھین کر بے آسرا سمجھا تھا، پیروں تلے زمین کھینچ کر بے سہارا کیا تھا، آج اس مہربان ذات کی عنایت سے مجھے چھت بھی میسر ہے اور زمین بھی، بہت سکون سے زندگی گزار رہے ہیں، کرن کل بھی ملازمت کر رہی تھی اور آج بھی کر رہی ہے''۔ وہ آہستگی سے اسے بتا رہی تھیں۔

''مجھے معلوم ہے پھپھو! گھر والوں کے بدصورت رویوں کے متعلق، لیکن پھر بھی کہوں گا آپ کو گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا''۔

''محسوس کرنا اور سہنا الگ الگ کیفیت ہیں بیٹا! پھر گھر تو چھوڑنا ہی تھا، خیر چھوڑو یہ بتاؤ، تمہیں یہاں کا پتہ کہاں سے ملا؟ کس نے بتایا؟ وہ اس تکلیف دہ موضوع کو چینج کرتے ہوئے پُراشتیاق لہجے میں بولیں۔

اس دوران وہ حمزہ کے منع کرنے کے باوجود شربت بنا چکی تھیں اور دو گلاس بھر بھر کر اسے پلا چکی تھیں، ان کے چہرے پر ایسی روشنی تھی جو کئی راتیں اماوس کے سیاہ اندھیروں کے بعد چمکتی ہے۔

"آپ کو کرن نے نہیں بتایا، ایک ہفتہ قبل میری اس کی شاپنگ سینٹر کے باہر ملاقات ہوئی تھی اور اس نے حسب عادت میری طبیعت صاف کی تھی، حالانکہ اس نے سختی سے منع کیا تھا کہ اگر پھر دوبارہ ملاقات ہو جائے تو بیگانگی سے گزر جاؤں اور میں نے سوچا تھا کہ ایسا ہی کروں گا مگر...... نہ کر سکا، بہت احتیاط سے اس کے رکشے کا پیچھا کرتا ہوا میں یہ دیکھ چکا تھا، جب سے آج میں ہمت کر پایا ہوں یہاں آنے کی، کرن کا رویہ کچھ بھی سہی، مگر میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا"۔ اس نے جذباتی انداز میں ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"تم دل چھوٹا نہ کرو، میں کرن کو سمجھاؤں گی، پوچھوں گی اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں"۔ نوشابہ کو کرن کی اس حرکت نے دُکھ پہنچایا تھا۔

"میرے خیال میں ابھی آپ اس سے میرے آنے کا ذکر نہ کریں تو بہتر ہے"۔

"کیوں...... میں کس طرح چھپاؤں گی؟" وہ متحیر ہوئیں۔

"اس کا غصہ اُتر جائے تو پھر بتایئے گا۔ ابھی نہیں"۔ وہ اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھا کہ جو کہتی تھی وہ کر کے بھی دکھاتی تھی۔ اس کے عزائم شروع سے خطرناک ہوتے تھے، ایک عرصے بعد وہ ملی تھی اور اس بار وہ اسے پا کر کھونے کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔

☆......☆......☆

انس مدثر کسی آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگ گیا تھا، نہ معلوم اسے اس سے کیا پُرخاش تھی، ہر کام میں وہ عیب نکالتا تھا اور آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔ گرینی کے کمرے میں سے اسے مٹھائی رکھی ہوئی مل گئی تھی۔ گرینی کا شوگر لیول آج کافی ہائی ہو رہا تھا، وہ خود بھی خاصی پریشان ہو رہی تھی کہ اتنی احتیاط، دیکھ بھال کے باوجود شوگر کنٹرول کیوں نہیں ہو رہی تھی، حالانکہ وہ دوا اور غذا انہیں ٹائم پر دے رہی تھی۔ وہ یہ معمہ حل کر بھی نہیں پائی تھی کہ بھید بھی اس کے ہاتھ لگا تھا جس کی شخصیت بظاہر بہت پُروقار مہذب دکھائی دیتی تھی مگر مزاج اس کا شخصیت کے متضاد تھا، وہ لفظوں کی مار سے انسان کو نڈھال کر دیا کرتا تھا۔

وہ کچن میں گرینی کے لیے دلیہ بنانے کے لیے کریلوں کا جوس بنا رہی تھی، جب وہ ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ پکڑے دندناتا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"ایسی ڈیوٹی دیتی ہو تم؟ یہ تمہاری ایفی شنسی ہے؟" اس نے اس کے قریب کاؤنٹر پر مٹھائی کا ڈبہ اُچھالتے ہوئے چیخ کر کہا تھا۔ اس کے اس طرح اچھالنے سے ڈبے سے نکل کر گلاب جامنیں اِدھر اُدھر بکھر گئی تھیں۔ شیرے کی چھینٹیں اُچھل کر اس کے چہرے پر آ گری تھیں۔

"یہ...... یہ کہاں سے ملا ہے سر"۔ وہ بوکھلا گئی تھی اور کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی ہوئیں شمو اور چندا بھی اس کے انداز سے سہم کر ایک طرف کھڑی ہو گئی تھیں۔

"گرینی کی بیڈ کی دراز سے ملا ہے، تمہیں معلوم ہے، کنڈیشن کتنی ویک چل رہی ہے۔ وہ پہلے ہی پیرالائزڈ لائف گزار رہی ہیں اور اپنی نااہلی سے کیا مزید چاہتی ہو تم، کسی اور پرابلم کی گنجائش ہے کیا؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا، یہ کہاں سے آ گیا، میں نے سب جگہ چیکنگ کی تھی"۔ وہ ہکا بکا سی سمجھ نہیں پا رہی تھی، کس طرح اپنی صفائی پیش کرے۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں، کام کے ٹائم پر صرف کام مانگتا ہوں، کوئی وضاحت، کوئی بہانہ، کوئی عذر نہیں مانتا"۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں سر۔ یہ مٹھائی وہاں نہیں تھی"۔

"وہاں نہیں تھی تو مجھے کیسے مل گئی؟"

"میڈم نے کہیں چھپا کر رکھی ہوگی، میرے کمرے سے نکلنے کے بعد وہاں رکھی ہوگی، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ میں چیک کر چکی ہوں، دوبارہ چیکنگ نہ کروں گی"۔ جو بات اس کی سمجھ میں آئی وہ کہہ بیٹھی تھی۔

"میں ایسے کسی پلان کو نہیں مانتا ہوں، تمہاری ڈیوٹی کی ٹائمنگ اب ڈے نائٹ رہے گی اور اگر اس دوران کوئی کوتاہی ہوئی تو میں کوئی رعایت نہ کروں گا ملازمت سے نکالنے میں"۔ وہ بھرے بادلوں کی طرح آیا، برسا، گرجا اور چلا گیا۔ وہ پراگندہ ذہن کو مزید بوجھل محسوس کرنے لگی۔

"صاحب کی بات کا بُرا مت مانو بیٹی! صاحب زبان کا جتنا کڑوا ہے، دل کا اتنا ہی میٹھا اور نرم ہے"۔ اس کی بدحواس شکل دیکھ کر شمو تسلی دیتی بولی تو اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہم ملازم ہیں شمو! ہمیں مالک کی اچھائی و برائی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہمیں صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے"۔ اس نے سنک میں لگے نل سے اپنے چہرے پر پانی ڈال کر شیرے کے چھینٹے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کہتی ہو درست بات، ویسے ایک بات پوچھوں، بُرا تو نہیں مانو گی"۔ وہ چندا کو آٹا گوندھنے کا کہہ کر خود قیمہ بھونتے ہوئے اس سے جھجک کر بولی۔

"ہوں، پوچھو"۔ وہ دلیہ باؤل میں ڈالنے کے بعد چکن کے چھوٹے چھوٹے پیس کر کے اس میں ڈالتے ہوئے بولی۔ چکن اس نے کالی مرچ و نمک ڈال کر پہلے ہی بوائل کر لیا تھا۔ کریمی طبیعتاً خاصی چٹوری واقع ہوئی تھیں۔ مریضوں والی غذا وہ بالکل نہیں کھاتی تھیں، اس لیے ایسی ہلکی پھلکی چیزیں اسے خود سے تیار کرنی پڑتی تھیں جن کو بھی وہ بے تحاشہ نخروں سے تناول فرماتی تھیں۔

"تم اور تمہاری ماں کسی اچھی فیملی کی لگتی ہو، میرا مطلب ہے ہم لوگ جدی پشتی مالکوں کی خدمت کرتے آرہے ہیں، ہم لوگ اس ماحول، اس رہن سہن میں اس قدر رچ بس گئے ہیں کہ یہاں کی زبان بھی ہماری زبان بن گئی ہے، جب کبھی چھٹیوں میں ہمیں گاؤں جانا پڑتا ہے تو اپنی برادری میں ہماری شان ہی الگ ہوتی ہے۔ ہمارے لوگ کہتے ہیں، شہر میں رہ کر بالکل شہری بن گئے ہو۔ اپنے لوگوں کی باتیں ایک طرف مگر جی ہر کوئی ہمیں دیکھ کر پہچان جاتا ہے کہ ہم ملازم ہیں مگر آپ لوگوں کو دیکھ کر محسوس نہیں ہوتا کہ آپ لوگ ملازم ہیں"۔

شمو نے اپنی بات سمجھانے کے لیے اپنی عقل کے مطابق ہی دلیل دی تھی۔

"شکل وصورت سے کچھ بھی نہیں ہوتا شمو۔ انسان کو چلانے والی شے کا نام نصیب ہے۔ اس کے آگے ہر صورت، ہر سیرت مات ہے۔" وہ ٹرے میں دلیہ اور جوس رکھتی ہوئی بولی اور ٹرے اُٹھا کر گرینی کے کمرے میں چلی آئی جو سو کر اُٹھ چکی تھیں اور بڑے جارحانہ تیوروں سے اسے اندر داخل ہوتے دیکھ رہی تھیں۔

"میرے کمرے کی تلاشیاں بھی ہوا کریں گی اب؟" وہ کڑک کر بولیں۔

"کیوں..... کوئی خاص بات ہوئی ہے؟" وہ ٹرے ان کے نزدیک رکھتے ہوئے انجان بن کر گویا ہوئی۔ ساتھ ایپرن اُٹھا کر ان کے گلے میں سیٹ کرنے لگی تھی۔

"ہوں، میرے کمرے میں کون آیا ابھی جب میں سو رہی تھی"۔ وہ گول مول انداز میں اس کے چہرے کو ٹٹولتے ہوئے بولیں۔

"انس سر آئے تھے"۔ وہ پلیٹ میں دلیہ نکالتی ہوئی بولی۔

"ہاں، مجھے شبہ تھا، یہ اسی کی کارستانی ہو سکتی ہے۔ کہاں ہے بلا کر لاؤ، اسے میں پوچھتی ہوں اس سے اس گھر میں، میں مرضی سے کچھ کھا پی بھی نہیں سکتی"۔

وہ ایک دم آگ بگولہ ہو گئی تھیں۔ ایپرن بھی انہوں نے نوچ کر پھینک دیا تھا۔

"میڈم! میڈم پلیز آپ غصے نہ ہوں، میں انہیں بلاتی ہوں۔" انہیں چیختے چلاتے دیکھ کر وہ پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے باہر بھاگی تھی تا کہ کسی سے کہہ کر انس کو بلوا سکے کہ اندر آتے انس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"کیا پرابلم ہے؟" وہ ایک سائیڈ میں ہوتا ہوا بولا۔

"وہ..... میڈیم کھانا نہیں کھا رہی ہیں۔ بہت غصے میں ہیں"۔

"شمو سے کہو میرا کھانا یہیں لے آئے، گرینی کے ساتھ ہی کھاؤں گا"۔ اس بار اس کا رویہ کچھ بہتر تھا۔ کرن نے شمو کو ہدایت دے دی تھی اور واپس کمرے میں آئی تو گرینی غصہ، جنون سب بھول بھال کر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"موت تو برحق ہے بیٹا، پھر جب مرنا ہی ہے تو کھا کر مرو، کیوں ترس ترس کر مرا جائے، میں ان ڈھکوسلوں کو نہیں مانتی ہوں"۔

"یہ سراسر خودکشی ہے۔ میں نہیں مانتا آپ کی من گھڑت تاویلوں کو"۔

"تو مانتا ہی کب ہے میری، جواب مانے گا"۔

"گرینی! پلیز یہ بچوں کی طرح بی ہیویئر کرنا چھوڑیں آپ، آپ کی زندگی ہمارے لیے بہت معنے رکھتی ہے"۔ وہ از حد فکرمند تھا۔

"بس، رہنے دے خوب جانتی ہوں، کتنی محبت کرتا ہے"۔

"محبت کسی فیشن یا دکھاوے کا نام نہیں ہے جو سب کو نظر آئے، یہ تو دل میں اُتر جانے والی سانسوں کا نام ہے کہ جب تک

دھڑکنیں ہیں، زندگی ہے"۔

"بس یہ باتیں بنانے کے علاوہ آتا کیا ہے تجھے؟ کچھ میری بھی مرضی اس گھر میں چلے گی یا نہیں۔ بہو میری خواہش پر اس گھر میں نہیں آسکتی اور مٹھائی......"

"پلیز......پلیز گرینی! اس ٹاپک کو میں اب کلوزڈ کر دینا چاہتا ہوں"۔ وہ جھنجھلا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"اچھا......اچھا زیادہ ہوشیار نہ بن، جب بھی شادی کی بات کرو، تجھے پتنگے کیوں لگ جاتے ہیں، جائز بات کرتی ہوں ناجائز نہیں"۔ گرینی بھی اسی کے انداز میں بولیں تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"میڈم! کھانا......" اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ رُکی رہے یا جائے، کیونکہ اس وقت وہ پرسنل گفتگو کر رہے تھے جس کے دوران اسے اپنا یہاں موجود رہنا بالکل مناسب نہ لگ رہا تھا، سو ہمت مجتمع کر کے بولی۔

"آپ جائیں، گرینی میرے ساتھ کھانا کھائیں گی۔" وہ اس سے مخاطب ہوا تو کرن فوراً ہی کمرے سے نکل آئی تھی۔ شمو ٹرالی پکڑے چلی آرہی تھی۔ وہ اپنے کوارٹر میں آگئی۔ کرسی پر رکھے فروٹس نے اس کی توجہ فوراً اپنی طرف مبذول کرائی تھی، وہ شاپرز سے جھانکتے ہوئے سیب، کیلو اور اسٹرابیری کے باکس دیکھ کر نوشابہ کی طرف مڑی تھی جو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر اُٹھ رہی تھیں۔

"مما! یہ کہاں سے آئے، کون لایا ہے؟"

"حمزہ لایا تھا"۔ انہوں نے جائے نماز تہہ کرتے ہوئے جتنے اطمینان سے کہا تھا، وہ سن کر اتنی ہی حیران و پریشان ہوئی تھی۔

"حمزہ......لایا تھا......وہ کس طرح پہنچا یہاں پر۔ وہ یہاں کس طرح آسکتا ہے؟ اسے یہاں کا ایڈریس کس نے دیا؟"

"اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے"۔

"حیران نہیں، پریشان ہو رہی ہوں، آج وہ پہنچ گیا ہے، کل دوسرے آئیں گے اور پرسوں وہ سازشی کھوپڑیاں پہنچ جائیں گی اور ہم یہاں سے بھی نکال دیئے جائیں گے۔" وہ سخت مضطرب تھی۔

"کیوں فضول کے وسوسوں کا شکار ہوتی ہو، ایسا کچھ نہیں ہوگا، پھر تم حمزہ کو اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ ایسا بچہ ہے؟ اس نے قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیا ہے، اپنی ماں کی نہیں، ہماری پرواہ کی ہے، کیوں بھولتی ہو اس کے احسانوں کو، کیا کچھ نہیں کیا تھا اس نے ہمارے لیے"۔

"یہ اچھا نہیں ہوا ہے مما! وہ یہاں پہنچ کیسے گیا ہے؟" اس کا ذہن اسی ادھیڑبن میں لگا ہوا تھا۔

"جس دن وہ تمہیں بازار میں ملا تھا وہیں سے تمہارے رکشے کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور جگہ دیکھ گیا تھا۔ بہت ڈرتا، جھجکتا آیا تھا، کہہ رہا تھا کرن کو پتا نہ چلے کہ میں آیا تھا، اسے تمہارے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ اس سے مارکیٹ میں تمہاری ملاقات ہوئی ہے۔ اس کی محبت دیکھ لو، پہنچ ہی گیا وہ یہاں پر"۔ بھتیجے سے ملاقات ہونے پر وہ خاصی خوش و مسرور دکھائی دے رہی تھیں۔ کرن غور سے ماں کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، جس کو محسوس کر کے وہ کہہ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ایسا کیا دیکھ رہی ہو؟''

''حمزہ سے مل کر کتنی خوش ہیں، ایسا کیوں ہے؟''

''اپنوں سے مل کر خوشی کس کو نہیں ہوتی، پھر حمزہ میرا خون ہے، میرے بھائی کی اولاد''۔

''میں بھی تو کسی کا خون ہوں، کسی کی اولاد ہوں، میرے بھی تو اپنے ہوں گے، پھر انہیں خون کی کشش تڑپ میں مبتلا کیوں نہیں کرتی؟ ایک بار بھی کوئی پکارتا نہیں آخر کیوں؟'' اس کی ذہنی رو پھر بہکی تھی۔

''زبردستی کے بندھنوں میں کشش نہیں ہوتی اور محبت تو بالکل بھی نہیں۔ تمہارے باپ سے میری شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی اور مزید ستم یہ ہوا کہ ان کی خواہش کے بغیر ہی تم دُنیا میں آ گئیں۔ ان سے تنہا میرا وجود ہی برداشت نہ ہوتا تھا، چہ جائیکہ ہم دو ہو گئے تھے۔ تمہاری دادی کی خواہش تھی پوتے کی اور تمہاری پیدائش نے ان کی اُمیدوں کے چراغ ہی گل کر دیئے تھے۔ مجھے اپنی ناقدری و بے وقعتی گوارا تھی مگر میں تمہیں ان کی نفرتوں کا شکار بنتے دیکھنا برداشت نہ کر سکی اور گھر چھوڑ کر چلی گئی اور ان کی دلی مراد بر آئی۔ وہاں سے پھر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ اس وقت امی، ابا زندہ تھے، گھر کی حکمرانی میرے ہاتھ میں تھی، بھائی بھی جان چھڑکتے تھے، بھابیوں کی ہمت نہ تھی آواز نکالنے کی۔ بہت اچھی زندگی گزار رہی تھی، پھر خاندان کے بزرگوں نے کہا کہ شادی شدہ بیٹیاں گھر بیٹھی جچتی نہیں ہیں۔ ان کا اصل مقام سسرال ہے، امی، ابا، بھائیوں کو سب نے سمجھایا کہ معاملہ درست کر کے مجھے اور کرن کو گھر بھجوائیں کہ آج ماں باپ کی موجودگی میں بھائی، بھابیاں برداشت کر رہی ہیں، ان کے بعد کوئی نہیں پوچھے گا۔ مجھے بھی بہت کچھ سمجھایا گیا، اونچ نیچ بتائی گئی اور مجھے بھی سمجھ آ گئی کہ واقعی آج میری بچی چند ماہ کی ہے، کل بڑی ہو گی تو ضرور اپنے باپ کا پوچھے گی، اپنے سے وابستہ رشتوں کا پوچھے گی تو کس طرح سمجھا پاؤں گی؟ گھر میں جب اپنے ماموؤں کے بچوں کو باپ سے لاڈ اُٹھواتے، دادا، دادی سے پیار سمیٹتے دیکھے گی تو احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو گی؟ ان ہی سوچوں، انہی خیالات نے مجھے اس زندان میں دوبارہ جانے پر راضی کر لیا، جہاں سے میں ہمیشہ کے لیے نکل آئی تھی مگر ان لوگوں کے سینوں میں دھڑکنے والے دلوں میں گداز ہے نہ محبت، انہوں نے ہمیں اپنانے سے انکار کر دیا اور تمہارے باپ نے صاف کہہ دیا کہ اس گھر میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، اگر وہ آنا چاہیں تو خود ہی آئیں، یہاں سے کوئی نہیں جائے گا انہیں لینے''۔ انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔

''بس پھر کیا تھا، ماں باپ تو ہوتے ہی اولاد کے لیے محبت و ایثار کے پیکر، ان دنوں بھائیوں کی محبتوں کو ابھی بھابیوں کی جلن و حسد کی دیمک نہ لگی تھی، وہ میری محبتوں میں پوری طرح سرشار فیصلہ سنا بیٹھے کہ ہماری بہن ہم پر بوجھ نہیں ہے، ساری عمر ہم ان دونوں کو سر آنکھوں پر رکھ سکتے ہیں۔ ہماری بہن اور بھانجی اسی صورت میں یہاں سے جائیں گی، جب وہ خود آ کر عزت و احترام کے ساتھ لے کر جائیں۔ انہیں کیا غرض پڑی تھی جو وہ زبردستی کے بندھن کو نبھاتے، نہ وہ آئے اور نہ ہی مجھے اجازت ملی گھر سے قدم باہر نکالنے کی، وقت گزرتا چلا گیا، تم دو سال کی ہوئیں تو اماں کے بعد ابا بھی ساتھ چھوڑ گئے، گھر کی حکمرانی از خود ہی بھابیوں کے ہاتھوں میں آ گئی، بھائی اپنے بزنس میں اتنے مصروف ہوئے کہ رفتہ رفتہ تقریباً بھول ہی گئے کہ اس گھر میں اپنی جس بہن و بھانجی کو اتنے فخر و مان سے رکھا تھا، ان کا کیا

حال ہے، پھر تمام صورت حال سے تم واقف ہو، آج میں نے تمہیں وہ حقیقت بتادی ہے جس کو سننے کو تم ہمیشہ سے متمنی رہی ہو"۔

آج بلا ارادہ ہی وہ اسے سب کچھ بتا چکی تھیں جو وہ شعور کے آتے ہی بڑی شدت سے جاننے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ اب حقیت جان کر جو دکھ و تکلیف اس کے چہرے سے عیاں ہوئی تھی، اسی تکلیف، اسی بے وقعتی کے احساس سے بچانے کی سعی وہ کرتی رہی تھیں، لیکن حقیقت پھر حقیقت ہوتی ہے جو کبھی نہ کبھی آشکارا ہونا ہوتی ہے۔

"اپ سیٹ ہوگئی ہو"۔ انہوں نے اس کے زرد پڑتے چہرے، بھرآنے والی آنکھیں دیکھ کر ملامت سے کہا۔

"میں اسی لیے تم سے یہ حقیقت چھپاتی آئی تھی کہ شاید تم برداشت نہ کرسکو۔ اپنی ذات کی نفی، اپنے وجود کا ناپسندیدہ ہونا کوئی برداشت نہیں کرسکتا"۔ انہوں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے بھرائے لہجے میں کہا اور وہ جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

☆......☆......☆

اپریل کی وہ رات بے حد خوشگوار اور روشن تھی۔

بہار کا موسم تھا۔ اَن گنت پھول لان میں مہک رہے تھے۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور پورے چاند کی دل کش چاندنی ہر سو پھیلی روشنی پھیلا رہی تھی اور اس کے اندر یادوں کی رم جھم پھوار پڑنے لگی۔

یہی مہینہ تھا، بہار کے اوائل دن ہی تھے جب وہ سراپا بہار بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی اور بڑے کروفر سے اس دل کی سلطنت پر حکمرانی کرنے لگی تھی۔ منال خان سے دوسری ملاقات بھی ایسی ہی اتفاقیہ تھی۔

وہ ان دنوں بزنس میٹنگ کے لیے اسلام آباد آیا ہوا تھا، جب وہ اسے فیصل مسجد کے باہر آئس کریم کھاتی ہوئی ملی، پھر نہ معلوم کیا ہوا، وہ از خود کسی اَن دیکھی طاقت کے زیر اثر اس کی جانب کھنچا چلا گیا۔

"ہیلو، کیسی ہیں منال خان"۔

"ارے آپ...... انس مرشد خان۔ آئم فائن، آپ یہاں کیسے؟" وہ جو کچھ جھجکتا ہوا اس خوف سے کہ وہ نہ معلوم کس ردعمل کا اظہار کرے، پہچانے یا نہ پہچانے تو بے عزتی نہ کر ڈالے مگر خلاف توقع وہ بڑے پُرتپاک انداز میں اس کی جانب بڑھی اور اپنا سفید مخروطی ہاتھ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تو اس نے بڑھ کر اپنے مضبوط ہاتھ میں اس کا نازک ہاتھ تھام کر دھیرے سے دبا کر چھوڑ دیا تھا۔

"بزنس کے سلسلے میں آیا ہوں"۔

"میں یہاں اسپرنگ انجوائے کرنے آئی ہوں"۔

"اپنے شہر میں بہار نہیں آئی؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں، آتی تو ہے پہلے تھری پرسنٹ پالوشن کی نذر ہو کرون پرسنٹ مل جایا کرتی تھی، اب جگہ جگہ ترقیاتی کاموں سے پیدا شدہ گڑھوں اور دھول، مٹی، کوڑا کرکٹ کی نذر ہو کر وہ بھی مٹ گئی ہے۔ پورے سال خزاں کا موسم ہی کراچی میں چھایا رہتا ہے"۔

وہ آئس کریم ختم کر کے رومال سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی بولی۔

''اتنی محبت ہے آپ کو بہار سے''۔

''خوب صورت چیزوں سے سب کو محبت ہوتی ہے''۔

''لوگ کہتے ہیں خوب صورتی یا بدصورتی ہمارے اندر ہوتی ہے جو ہمارے اندر کے موسم کے تحت ہمیں نظر آتی ہے''۔

''لوگوں کو چھوڑو، آپ اپنی بات کریں، لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے کچھ نہ کچھ کہنے کی۔ لوگوں کی باتوں میں نہ آیا کریں، آپ کا دل کیا کہتا ہے، وہ سنا کریں''۔ وہ شرارتی انداز میں گویا تھی۔ میرون اور بلیک خوب صورت کڑھائی والے سوٹ میں، سلکی بالوں کو شانوں پر بکھرائے وہ پہلے دن سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس نے شولڈر بیگ کھول کر دو چیونگم کے پیکٹ نکالے، ایک کا ریپر ہٹا کر منہ میں رکھا اور دوسرا انس کی طرف بڑھایا تھا۔

''نو تھینکس۔ مجھے پسند نہیں ہے''۔ اس نے معذرت کی تھی۔

''اوہ...... خاصے بدذوق آدمی ہیں آپ''۔ وہ دوسری ببل کا بھی ریپر پھینک کر ببل منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔ ''اوہ سوری...... آپ نے مائینڈ تو نہیں کیا؟'' اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا تو گھبرا کر بولی۔

''ارے نہیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مائنڈ کر کے اپنی انرجی ویسٹ کرنے کا عادی نہیں ہوں میں''۔

''ویری گڈ...... کول مائنڈڈ ہیں آپ''۔

''ساری باتیں یہاں کھڑے کھڑے ہی کریں گی؟'' وہ اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔

''کھڑے کھڑے کیوں بیٹھ جائیں''۔ آرام سے جواب آیا تھا۔

''یہاں نہیں...... کسی اچھی سی جگہ پر جہاں کافی مل سکے''۔

''انس کی تجویز پر اس کے دل کش چہرے پر سوچوں کی پرچھائیاں پھیل گئی تھیں جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔

''پاسبل نہیں ہے تو ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں''۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، دراصل میں اپنی فیملی کے ساتھ یہاں نہیں آئی ہوں، اپنے فادر کے کزن کے ہاں آئی ہوں، یہ لوگ بہت نیرو مائنڈڈ ہیں۔ یہ لوگ کسی سے ریلیشن نہیں رکھتے، صرف اپنے لوگوں میں خوش ہیں، اگر میں آپ کے ساتھ چلی گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ وہ اندر گئے ہیں، بس باہر آتے ہی ہوں گے، ایسا کریں آپ مجھے اپنا کنٹیکٹ نمبر دے دیں، موقع دیکھتے ہی میں آپ سے کنٹیکٹ کرلوں گی''۔

وہ بے چین نظروں سے مرکزی گیٹ کی جانب دیکھتی ہوئی بولی۔ انس نے کوٹ کی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھایا جس کو بڑی احتیاط سے اس نے اپنے بیگ میں رکھا اور اسے بائے بائے کہتی آگے بڑھ گئی۔

......❁......

جب دل دُنیا کی رنگینیوں سے لاتعلق ہو جائے۔ حقیقتوں کے چہرے بے لباس ہو جائیں، زندگی بہاروں کے سبز پیراہنوں سے بے نیاز ہو کر خزاؤں کی عریانیت اپنا لے تو فقط وقت گزرتا ہے، دن اور رات کے سانچوں میں ڈھل کر، جہاں پھر خوشیوں کے اُجالے کبھی نہیں پھیلتے، صرف اور صرف غموں کے سائے اور دُکھوں کے اندھیرے میں ہر سمت پر، ہر شے پر اپنے دبیز وجود محیط کر دیتے ہیں۔ ایسے گھور اندھیروں میں جب آس کے دیے، اُمید کے چراغ، آرزوؤں کے جگنو اپنی روشنی کھو بیٹھیں تو خیالات کی زمین پر تصورات کے رنگ اُبھرنے لگتے ہیں اور دل کی دُنیا میں محبت کے عکس مجسم ہو کر ماضی کی متحرک تصویروں میں ڈھل جاتے ہیں، پھر چھڑانے سے بھی دامن نہیں چھوڑتے، تنہائی میں آپ کے رفیق بن جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔

منال سے ملاقات سے قبل وہ ہنگاموں کا شیدائی تھا۔

پکنک، پارٹیز اور ہلا گلا، زندگی کی تمام خوب صورتیاں وشوخیاں اس کے وجود سے ہم آہنگ تھیں، لمحے لمحے سے زندگی کا رس کشید کرنا اُسے بخوبی آتا تھا۔ ایک وہ وقت تھا جب وہ جمود کو بے جان وجود گرواتا تھا اور اب اس وقت وہ کوئی تحریک، کوئی ہلچل اپنے اندر نہ پاتا تھا، ماسوائے اس کے کہ تنہائی موقع پاتے ہی ماضی کی سوئی چپکے سے ری وائنڈ کر دیتی تھی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان خیالات میں کھو جاتا تھا۔

☆......☆......☆

”دیکھی تم نے بڑی بھابی چلتر بازیاں؟ کیسی چالاکی سے ان کی بیٹی کا پتا بھی صاف کیا اور ان کے پورشن پر غاصبانہ قبضہ بھی جما کر بیٹھ گئیں“۔ آسیہ جو کافی دنوں سے راحیلہ بھابی کی طرف سے دل میں بھرنے والا غبار لیے بیٹھی تھیں، ان کے گھر سے نکلتے ہی وہ دل کی بھڑاس رخسانہ کے سامنے نکالنے لگیں۔ رخسانہ بالوں میں برش کر رہی تھیں، ان کے انداز پر سیدھی ہو بیٹھیں۔

”ہاں بھی، کیا کریں بڑی بہو جو ہیں اس گھر کی۔ اماں بی کو مرتے وقت کلمے کی اتنی فکر نہ تھی جتنی اس گھر کی چابیوں کی تھی۔ چابیوں کا گچھا بھابی کو تھماتے ہی وہ سکون سے ہمیشہ کے لیے سو گئی تھیں۔ خود تو سکون سے سو گئیں بڑی بی اور ہماری ناتواں جانوں پر اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئیں“۔

”بات تو تم سو فیصد درست کہہ رہی ہو، بڑی بھابی کی مکاریوں نے میرا دل خراب کر ڈالا ہے۔ اماں بی کے بعد گھر کی سربراہ بن بیٹھی ہیں مگر سربراہی صرف اپنی ذات اور فیملی کی فلاح و بہبود تک ہی محدود ہے۔ بڑے ایسے ہوتے ہیں بھلا؟ ان ماں، بیٹی کو یہاں سے نکلوانے کے لیے ان کے ساتھ ہم نے برابر ساتھ دیا۔ کیا کیا جتن نہ کیے، ہزاروں جھوٹ بولے، بے شمار غلط بیانیوں سے کام لیا اور بھی نہ معلوم کیا کیا ان کی پڑھائی گئی پٹیوں میں پڑ کر کیا، وہ تو نکل گئیں، سوچا تھا وہ پورشن مین گیٹ سے ملحقہ ہے اس کو گیسٹ روم بنا دیں گے، کوئی نہ کوئی مہمان دور و نزدیک سے آ کر قیام پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے مہمانوں کے لیے بالکل درست رہے گا وہ پورشن، جوان بچیوں کا

گھر ہے، احتیاط ہی بہترین شے ثابت ہوتی ہے اس دور میں، مگر بھابی بیگم نے تو صاف جواب دے دیا کہ وہ پورشن ان کے پورشن سے ملحق ہے اور انہیں سخت ضرورت ہے مزید کمروں کی۔ وہ اسے گیسٹ روم نہیں بنا سکتی، پھر دیکھ لو اسی ہفتے میں انہوں نے وہ حصہ تڑوا کر از سرِ نو تعمیر کروایا، کتنا کشادہ اور خوب صورت پورشن ہو گیا ہے ان کا"۔

"پیسہ بھی تو دل سے لگایا ہے۔ دیواروں پر امپورٹیڈ ٹائلز، موزائیک کے فرش، امریکن کچن کا تمام سامان امپورٹیڈ ہے، باتھ روم میں سرامکس ٹائلز کا استعمال ہوا ہے، ہر شے میچنگ کی اور امپورٹیڈ ہے پھر کیوں نہ ان کا پورشن لشکارے مارے گا؟ امپورٹیڈ چیزیں تو نفاست و خوب صورتی میں سب میں نمایاں ہوتی ہیں، ہماری لوکل چیزوں کی طرح تھوڑی آج استعمال کی کل ہاتھ میں آ گئی"۔

"ویسے تو بڑی بھابی کا ایک روپیہ خرچ کرتے ہوئے دم نکلتا ہے، اب کیسے لاکھوں نکال کر دیئے ہوں گے۔ اول نمبر کنجوس مکھی چوس ہیں"۔

"وہ مثال ہے نا، اندھا بانٹے اپنوں اپنوں میں ریوڑھیاں، تو وہی مثال ان کی ہے اپنوں پر خرچ کرتے وقت تو وہ حاتم طائی کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہیں۔ پیسے نہ ہونے کا مسئلہ تو ہم ساتھ ہوں، تب اٹھتا ہے"۔ آسیہ راحیلہ سے از حد متنفر و حاسد نظر آ رہی تھیں۔

"دراصل بات یہ نہیں ہے، جن کو صرف لینے کی عادت پڑ چکی ہو، وہ پھر وصول کرنا جانتے ہیں۔ بڑی بھابی کو اول روز سے ہی کل مختار بنایا گیا، تمام سیاہ و سفید انہیں سونپ دیا گیا، ہر ماں کی طرح ان کی جان بھی بیٹی میں تھی جو بڑی بھابی نے بہت جلد جان لیا اور بہت جلد انہوں نے اماں کی دکھتی رگ، تو شابہ کو بہت اہمیت و محبت دینی شروع کی جو بتدریج بڑھتی چلی گئی اور ان کی حسب توقع اماں بی کے ساتھ ساتھ ابا بھی ان کے گرویدہ ہو گئے۔ عاصم بھائی تو پہلے ہی ان کی مٹھی میں تھے۔ بہن بھائیوں اور ماں باپ سے بیوی کی محبت نے انہیں ان کا بے دام غلام بنا ڈالا"۔

"ہاں۔ پھر ساس، سسر کے مرتے ہی وہ اپنی اصلیت پر آ گئیں اور ان ماں بیٹی کو دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال پھینکا"۔ آسیہ منہ بنا کر گویا ہوئیں پھر اچانک ہی وہ چونک کر آگے کو جھکی تھیں۔

ارے رخسانہ! تمہارے بال تو آگے سے سفید ہو رہے ہیں، بالکل فلمی اسٹائل میں۔" وہ ہنس کر گویا ہوئیں، رخسانہ جو اس معاملے میں خاصی حساس تھیں غیر ارادی طور پر دایاں ہاتھ پیشانی کے اوپری حصے پر رکھ کر کھسکا کر بولیں۔

"یہ سب نزلے کی کارستانیاں ہیں، ورنہ میری تو ایسی عمر نہیں ہے جو بال سفید ہوں"۔

"خیر ماشاء اللہ۔ عمر تو ٹھیک ہی ہے۔ اب تم نہ مانو تو یہ تمہاری مرضی، لیکن یہ بال پول کھول رہے ہیں۔ تم ڈائی کیوں نہیں کر لیتیں؟" کچھ لمحے قبل وہ راحیلہ کی برائیاں کر کے دل ٹھنڈا کر رہی تھیں۔ اب رخسانہ کا چہرہ دیکھ کر اپنے مزاج کو تسکین پہنچا رہی تھیں جبکہ مارے خجالت و غصے سے ان کی بری حالت تھی۔

"گولڈن کلر ڈائی کروانا ساتھ ریڈ کلر کی لیرز ڈلوا لینا، اچھی لگو گی پھر ڈائی میں یہ کلرز بہت ان ہیں۔ میں نے بھی چند دن قبل کروا لیے ہیں"۔ وہ اپنے چمکتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مشورہ دینے لگیں۔

"نہ بابا! مجھے ایسے فیشن نہیں چاہئیں، جسے دیکھ کر لوگ کہیں اُٹھیں، بوڑھی گھوڑی لال لگام، فیشن ہمیشہ عمر کے حساب سے ہی سوٹ کرتا ہے"۔ رخسانہ نے ایک ہی جملے میں حساب برابر کر دیا تھا۔ وہ بہانہ بنا کر اُٹھ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

داغِ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیے جلانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

گرینی کے کمرے میں داخل ہوتا انس ٹھٹک کر رُک گیا تھا۔ وہ گرینی کے بیڈ کے نزدیک چیئر پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں شاید کوئی کتاب تھی، اپنی جانب اس کی پشت ہونے کے باعث وہ کتاب نہ دیکھ سکا تھا۔

خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی سہانے لگے
داغِ دل ہم کو یاد آنے لگے

واپسی کے لیے اس کے اُٹھتے قدم وہیں تھم سے گئے تھے۔ اے سی کی کولنگ سے ٹھنڈے کمرے کی پُرسکون فضا میں اس کی دھیمے لہجے میں اُبھرتی آواز میں ایک اسرار تھا، ایک سحر، ایک دل کی گہرائیوں میں اُتر کر روم روم کو شانت کر دینے والی، مست و بےخود کر دینے والی پُرکشش آواز تھی۔

اب تو ہوتا ہے ہر قدم پہ گماں
ہم یہ کیسا قدم اُٹھانے لگے
ایک پل میں وہاں سے ہم اُٹھے
بیٹھنے میں جہاں زمانے لگے

آواز تھی کہ زنجیر، لفظ تھے کہ حال زار، وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

اپنی قسمت سے ہے مفر کس کو
تیر پر اڑ کے بھی نشانے لگے
شام کا وقت ہو گیا باقی
بستیوں سے پیام آنے لگے

"جاؤ، مجھے نیند آنے لگی ہے"۔ گرینی کی خمار آلود آواز نے اس طلسماتی ماحول کا طلسم توڑا تھا۔ وہ بھی چونک کر حواسوں میں لوٹا تھا، پھر جس طرح بے آواز قدموں سے آیا تھا، واپس لوٹ گیا تھا۔

"شب بخیر میڈم!" وہ نائٹ بلب بند کر کے دروازہ لاک کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ پچھلے دنوں کی نسبت آج گرینی کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس کا دن بھی اچھا گزرا تھا، پھر آج ایک دفعہ بھی اس کی مڈبھیڑ انس سے نہیں ہوئی تھی جو سخت و طنزیہ باتیں سنانا اسے اپنی ڈیوٹی بنا چکا تھا۔

"شکر ہے تم آ گئیں، میں ابھی تمہیں دیکھنے ادھر آ ہی رہی تھی کہ نہ معلوم کیا ہو گیا جو تم ابھی تک نہیں آئی ہو"۔ نوشابہ اسے دیکھ کر طمانیت بھرا سانس لیتی ہوئی پلنگ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"میڈم کے مزاج کی طرح پسند و ناپسند بھی بدلتی رہتی ہے۔ پچھلے ماہ سے پرانے فلمی گیت سی ڈی پلیئر پر سننے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ آج کہنے لگیں لو بھلا اب بڑھاپے میں، میں یہ سنتی اچھی لگوں گی، میرا لال دوپٹہ ململ کا، ہوا میں اُڑتا جائے، جھمکا گرا رے بریلی کے بازار میں۔ کہنے لگیں، کسی وقت میں یہ گانے خود گاتی تھی۔ شادی بیاہ کی تقریبات میں بڑی دھوم مچتی تھیں"۔

"سچ مچ دھوم مچ جاتی ہو گی۔ آواز تو ابھی بھی بہت اچھی ہے ان کی"۔

"آج سے انہیں ادب و شاعری کا ذوق چڑھا ہے، کھانے کے بعد سے اب تک غزلیں اور اشعار سنا سنا کر میرا سر گھوم چکا ہے"۔ وہ تھکے تھکے انداز میں اپنے بستر پر دراز ہوتی ہوئی بولی۔

"مجھے احساس ہے تمہاری محنت کا، میں تو چاہتی ہوں وہاں اگر کچھ تمہارا ہاتھ بٹاؤں، تاکہ تمہیں کچھ آرام مل سکے"۔ نوشابہ بیٹی کی تھکی تھکی صورت پر ممتا بھری نظر ڈالتی ہوئی بولیں۔

"مگر تم نے وہاں آنے سے منع کر رکھا ہے، اس خیال سے رُک جاتی ہوں"۔

"نہیں مما! جہاں عزتِ نفس مجروح ہونے کا خدشہ ہو وہاں قدم نہ رکھنا ہی دانش مندی ہے۔ بڑے سر کی بات کچھ اور ہے۔ یہ انس صاحب تو بہت بدتمیز و بدلحاظ انسان ہیں۔ ذرا سی دیر میں بے عزت کر دیتے ہیں۔ بہت گھمنڈ ہے انہیں اپنی دولت اور جائیداد پر، کسی کو کچھ اپنے آگے گردانتے ہی نہیں ہیں"۔

"سو جاؤ میں دعا گو ہوں، کبھی نہ کبھی تو ہمیں اطمینان و سرخروئی حاصل ہو گی"۔

"شاید جب دل ان احساسات سے دست بردار ہو چکا ہو گا۔ طلب کی کونپلیں کھلنے سے قبل ہی نوازیدگی کی موت مر چکی ہیں۔ تب تک خواہشوں کے کنول بھی مرجھا کر اپنے وجود کھو بیٹھے ہوں گے"۔

☆......☆......☆

سردیوں کی اداس شامیں و سرد راتیں الوداع کہہ کر رخصت ہو چکی تھیں۔ موسم گرما اپنے تمام جاہ و جلال و تپش کے ہمراہ وارد ہو چکا تھا۔

آج بھی گرمی زوروں پر تھی۔

سورج کی زرد شعاعیں ہر سمت آگ سی دہکا رہی تھیں۔

وہ آفس کے ٹائم سے قبل اُٹھ گیا تھا کہ آج اسے سعد کے ساتھ اس کے سسرال جانا تھا۔ فاریہ کے والد نے انہیں بلایا تھا۔

''کیا بوریت ہے یار! میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، کیوں اس قدر خود کو ہلکان کر رہے ہو۔ فاریہ کے فادر سے ملنا ہے، ملاقات کرنی ہے، کوئی بارات لے کر نہیں جا رہے ہو''۔

وہ جو گزشتہ دو گھنٹے سے سعد کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھا مختلف کریمز اور اسپرے استعمال کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی تیاری مکمل ہوتے نہ دیکھ کر چڑ کر بولا۔

''وہ مجھے پہلی بار دیکھیں گے اور تم تو جانتے ہی ہو گے کہ پہلی نظر ہی آخری نظر ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں ان کے روبرو ایسا ہینڈسم و اسمارٹ بن کر جاؤں، انہیں یقین ہو جائے کہ یہی وہ ماہ کامل ہے جو ان کی بیٹی کے سیاہ راتوں جیسے نصیب کو جگمگا سکتا ہے۔ اسے خوشیاں دے سکتا ہے''۔

''امیروں کی بیٹیوں کے نصیب کبھی سیاہ راتوں جیسے نہیں ہوتے۔ باپ کی دولت انہیں ہمیشہ روشن رکھتی ہے، البتہ تم جیسے ماہ کامل رات و دن ان کے آس پاس رہتے ہیں''۔ وہ فریج سے آئس کریم کی ڈش نکالتا ہوا بولا۔

''وہ نقلی چاند ہوتے ہوں گے۔ میری طرح ریئل مون نہیں''۔ سعد بھلا اس کی باتوں کو سنجیدگی سے کب لینے والا تھا۔

''آئس کریم بہت ٹیسٹی ہے۔ کون سا فلیور ہے یہ؟'' اس نے توصیفی لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کھویا فلیور ہے تم نے کبھی اتنی ٹیسٹی آئس کریم کھائی نہ ہو گی''۔

''ہاں فرسٹ ٹائم میں نے ٹیسٹ کیا ہے۔ لاجواب ہے۔ ڈش تو گھر کی لگ رہی ہے۔ کون سی اسنو پی سے لائے ہو؟'' وہ بڑی رغبت سے کھاتے ہوئے بولا۔

''ایسے اعلیٰ ذائقے کسی بھی اسنو پی سے نہیں ملتے، میری جان! یہ محبت کا فلیور ہے جو بے لوث و بے ریا جذبوں سے بنائی گئی ہے۔ پرسوں میں تمہارے پاس گیا، تم ملے نہیں۔ گریبی کے پاس تنہا جانے کی میری استطاعت کہاں، میں نوشابہ آنٹی کے پاس چلا گیا، وہاں باتوں باتوں میں قلفی کا ذکر نکل گیا، میں نے کہا وہ قلفی کھانے کو بڑا دل کرتا ہے جو دودھ اور کھوئے سے بنی ہوتی تھی۔ اس وقت تو آنٹی خاموش رہی تھیں، مگر کل کرن آفس میں مجھے یہ ڈش پکڑا گئی''۔ وہ خود پر اسپرے کرتا ہوا بولا۔

''ہری اپ۔ وہاں لیٹ پہنچے تو تمہارا سارا امپریشن دھرا رہ جائے گا''۔ اس کا موڈ خواہ مخواہ ہی آف ہو گیا۔ خالی پیالی اور چمچ اس نے جھٹکے سے رکھی تھی۔ دل کی مزید لینے کی خواہش کو بھی دبا گیا۔

''بس۔ بس آئم ریڈی یار! یہ بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں؟'' بالوں میں برش کر کے وہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر بولا۔

"ویری ڈیسنٹ اینڈ ویری اٹریکٹیو"۔ وہ اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھتا ہوا مطمئن انداز میں گویا ہوا۔

"بنڈل آف تھینکس۔ پہلے یہ بتاؤ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی؟"

"ہوں، رہ تو گئی ہے"۔ وہ مسکراہٹ دبا کر بولا

"رہ گئی ہے؟ کیا کیا جلدی بتاؤ"۔ وہ مضطرب ہو اُٹھا۔

"جھومر، ٹیکہ، عروسی لباس کی"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اوہ شٹ، میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں مستی سوجھ رہی ہے"۔

"اتنا خوف و بے اعتمادی کس لیے، فاریہ کے فادر سے ملاقات کرنے جا رہے ہو یا عزرائیل سے؟"

"لاحول ولاقوۃ، شکل تو تمہاری اچھی ہے مگر باتیں اچھی نہیں کرتے تم"۔

شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے، جب وہ وہاں پہنچے۔

فاریہ کے والد سیٹھ کرم داد جیولرز تھے۔ اپنے حلقۂ احباب میں خاصے ممتاز تھے۔ ان دونوں سے بڑے پُرتپاک انداز میں ملے۔ ان کی بیگم نائلہ بھی ازحد شفقت و محبت سے پیش آئی تھیں۔ کولڈ ڈرنکس کے دوران ان کے درمیان تعارف و دیگر سرسری باتوں کا مرحلہ طے ہوتا رہا، وہ سعد کو پسند کر چکے تھے کہ سعد بزنس مین ہونے کے علاوہ شخصیت کے لحاظ سے بھی مکمل وخوبرو تھا۔

پھر انس مرشد کے ساتھ اس کی دوستی و دیرینہ مراسم نے بھی انہیں مطمئن کر ڈالا تھا اور وہ جو چاہتے تھے، اس کے خاندان، حسب و نسب کے بارے میں مکمل معلومات تو اس کی پُروقار و پُراعتماد شخصیت نے تمام وسوسے دور کر دیے تھے۔ انہوں نے زبردستی ڈنر کے لیے روک لیا تھا۔

کھانا بے حد پُرتکلف تھا۔ خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ فاریہ سے ملاقات ٹیبل پر ہی ہوئی تھی۔ پنک لباس، پنک دوپٹے میں سمٹی سمٹائی سی فاریہ نے سلام کے علاوہ کوئی اور بات نہ کی تھی۔

سعد بھی کرم داد کی بارعب شخصیت کے رعب میں آ چکا تھا۔ اس نے بھی نگاہ اُٹھا کر فاریہ کی طرف نہ دیکھا تھا۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا تھا۔ انس نے اصل موضوع کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے اُمید ہے انکل! آپ سعد سے مطمئن ہو گئے ہوں گے"۔

"ہاں بیٹا! میں نے معلومات تو پہلے ہی کروائی تھیں۔ ان سے مل کر دل کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ دراصل فیصلے کرنے والا تو اوپر بیٹھا ہے، وہی جوڑے بناتا ہے۔ اس کے حکم سے ہی رشتے، تعلق وجود میں آتے ہیں۔ یہ رشتہ بھی اس کے حکم سے ہے تو باپ ہونے کے ناتے فارملٹیز پوری کرنی تھیں، سو کر لیں"۔ وہ سر جھکائے بیٹھے سعد کی جانب مشفقانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ سعد کے چہرے پر ایک طمانیت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں کھڑکی سے کان لگائے فاریہ بھی خوشی سے کھل اُٹھی تھیں۔

"پھر آپ ڈیٹ کب فکسڈ کر رہے ہیں شادی کی؟" انس ذمے دار اور محبت کرنے والے دوست کا پورا حق ادا کر رہا تھا۔

"نیکسٹ منتھ کی کوئی ڈیٹ فکسڈ کر دیں گے، دراصل اس کے لیے آپ کو مجھے کچھ ٹائم دینا ہوگا۔ مجھے اپنے بہنوں بھائیوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔ شادی کے معاملات خاصے نازک ہوتے ہیں۔ سب کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔ میری فاریہ سے چھوٹی دونوں بیٹیاں بھی گھر پر نہیں ہیں"۔

"او کے نیکسٹ منتھ فکسڈ ہو چکا ہے۔ ڈیٹ آپ بتا دیجئے گا"۔ وہ اُٹھتے ہوئے بولا تو کرم داد بھی مصافحہ کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

"تمہاری ماں نے یہاں آنا بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، ایسی کیا مصروفیات پال لی ہیں انہوں نے، جو گھڑی دو گھڑی کسی کی دل جوئی کرنے کے لیے بھی نہیں ہیں ان کے پاس"۔ گریبی، کرن سے مخاطب تھیں جو ان کا کمرہ صاف کر رہی تھی۔ دواؤں کے کیبن، کتابوں کے شیلف ترتیب دے رہی تھی۔

"ان کی ایسی کوئی مصروفیت نہیں ہیں اور وہ آپ کو بہت یاد کرتی ہیں"۔ وہ شیلف میں کتابیں لگاتے ہوئی بولی۔

"ایسی کوئی مصروفیت پاؤں کی زنجیر بھی نہیں۔ کوارٹر کا فاصلہ بھی یہاں سے چند قدم کا ہے، پھر کیا وجہ ہے جو انہیں یہاں آنے سے روکتی ہے؟"

"میں نے منع کر رکھا ہے میڈم!"

"تم نے؟ کیوں ایسی کیا بات ہوگئی؟" گریبی سخت متعجب تھیں۔ کرن چند لمحے تو خاموش رہی پھر ان کی گھورتی نگاہوں کا احساس ہوا تو آہستگی سے گویا ہوئی۔

"انس سر کی وجہ سے"۔ اندر داخل ہوتا انس اپنے نام پر وہیں رُک گیا تھا۔

"کیوں اس نے کیا کیا؟"

"معلوم نہیں، مجھے یہ بات کہنی چاہیے یا نہیں مگر کہے بغیر آپ کی بات کا جواب نہیں بن سکتا۔ انس سر اوّل روز سے ہی مجھے اور مما کو اچھا نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں ہم ایسی عورتیں ہیں جو لوگوں کو اعتماد میں لے کر ان کے گھروں کا صفایا کرتی ہیں۔ عرفِ عام میں ہم خراب کردار کی عورتیں ہیں"۔

"وہاں کھڑی کیا کہہ رہی ہو، یہاں بیٹھ کر بات کرو"۔ گریبی کو اس کے سادہ و بے چارگی بھرے انداز پر بے حد ترس آیا تھا۔

"انس سے کب ملی تھیں؟ ایسا کیا ہوا جو وہ ایسا سمجھنے لگا؟" ان کی کھوجتی نگاہیں ازسرِ نو اس کے سراپے کا جائزہ لینے لگیں اور ماموں، ممانیوں کے سلوک، گھر سے الزام لگا کر نکالے جانا، راستے میں انس کی کار سے ٹکرانا اور ہاسپٹل میں انس کی تلخ کلامی، سعد کی

مہربانیاں، اس کے توسط سے یہاں آنا۔ سب مختصراً بتاتی چلی گئی۔ گرینی محویت سے سن رہی تھی۔ سعد کی شادی کے بارے میں بتانے کے لیے آنے والا انس بھی دروازے کی اوٹ میں پردے کے پیچھے دم بخود سنتا چلا گیا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا میڈم! یہ ان کا گھر ہے ورنہ میں کسی قیمت پر یہاں جاب نہیں کرتی۔ تذلیل و تحقیر مجھ سے برداشت نہیں ہوتی ہے۔ پیار سے کوئی مانگے تو میں جان بھی دے دوں۔ دھونس و زیادتی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی ہے“۔ آنکھوں میں موجزن پانی کو پلکیں جھپک جھپک کر روکنے کی کوشش کرتی کرن انہیں بہت مختلف لگ رہی تھی۔

”یہ بات نہیں ہے بیٹا! میرا انس تو بہت رحم دل و نجی واقع ہوا ہے۔ ماں تو اس کی بچپن میں مر گئی۔ تعلیم کے سلسلے میں زیادہ تر ملک سے باہر رہا۔ عورتوں کے کئی روپ دیکھے اس نے اور سب کے سب خود غرض و مفاد پرست“۔ اپنے ذکر پر وہ چپ چاپ وہاں سے نکل گیا تھا۔

”اس کی ساتھی لڑکیاں پیسے کی پجارن نکلیں۔ یہاں آیا تو میری دیکھ بھال کے لیے رکھی جانے والی عورتوں نے بھی رنگ ڈھنگ اپنائے ہوتے تھے، بلکہ کتنیوں نے تو رفتہ رفتہ گھر کا صفایا ہی کر کے رکھ دیا تھا۔ بس جب سے وہ کچھ زیادہ ہی اجنبیوں پر اعتماد کرنے سے گریز کرتا ہے“۔

جواباً وہ خاموش رہی تھی۔

”مدثر کو بیوی سے اور بیٹے سے اس قدر محبت تھی کہ میرے ہزار ہا بار کہنے کے باوجود اس نے شادی نہ کی۔ بہانہ یہی تھا کہ سوتیلی ماں سوتیلی ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو سوتیلی ماں کے چنگل میں نہیں پھنسنے دے گا۔ اس نے جو کہا، کر کے دکھایا۔ بیٹے کا تو بہانہ تھا وہ بیوی کی یادوں سے خود کو آزاد نہ کر پایا تھا۔ پھر وقت گزر گیا مگر اپنی ساری دل کشی و بہاریں سمیٹ کر کسی بیوہ کی طرح اجڑا ہوا بے رنگ، بے روپ، باپ تو اپنی تاریک زندگی کے ساتھ سمجھوتہ کر چکا تھا۔ بیٹا بھی چند مہینوں کی محبت کا ایسا روگ لگا بیٹھا کہ اسے عورت ذات سے چڑ ہو گئی۔ بیٹے کا صدمہ میں جھیل گئی تھی مگر پوتے کی اجڑی زندگی مجھے نیم مردہ کر گئی۔ انہی دنوں مجھے پہلا فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا اور پھر میں خود کو سنبھال نہ سکی اور معذور ہو کر پڑ گئی“۔ ان کے کمزور و ناتواں لہجے میں گزرے دنوں کی محرومیاں و دکھ بول رہے تھے۔

”اپنی ماں کو ضرور بھیجنا۔ اس سے بات کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے“۔

☆......☆......☆

”تم نے آخر وہی کیا جس کا مجھے ڈر تھا۔ آخر ضرورت کیا آن پڑی تھی تمہیں زبان کھولنے کی۔ انہوں نے اپنے پوتے سے کچھ کہا اور اگر انہیں بات ناگوار گزری تو جانتی ہو نتیجہ کیا نکلے گا؟“ کرن نے خوشی خوشی ماں کو گرینی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا تو وہ اندیشوں میں گھر کر بولیں۔

”مما! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ان کا موڈ بہت اچھا تھا آج، جب ان کا موڈ اچھا ہو تو سمجھو بچت ہی بچت ہے“۔ وہ خاصی مسرور تھی۔ دل سے بوجھ ہٹ جانے پر۔

"خیر الٰہی خیر کرے۔ مجھے تو ڈر ہی لگا رہتا ہے۔ فی الحال تیار رہنا۔ شام میں سعد آیا تھا وہ شادی کی شاپنگ کرنا چاہ رہا ہے، کچھ مدد کرو اس کی"۔

ممّا! وہ فاریہ کی پسند کی شاپنگ کریں۔ کیوں ہمیں لے جانا چاہتے ہیں"۔ وہ پلنگ کی چادر تبدیل کرتے ہوئے بولی۔

"فاریہ کی پسند تو ساری زندگی چلے گی۔ اب تمام چیزیں میری بہن کی پسند کی ہونی چاہئیں"۔ سعد اندر داخل ہوتا ہوا نوشابہ کو سلام کر کے اس سے گویا ہوا۔

"اوہ سعد بھائی! بالکل بلی کی چال چلتے ہوئے آئے ہیں جو ذرا بھی آہٹ نہیں اُبھری"۔ وہ پلنگ پر بیٹھتے سعد سے ہنس کر بولی۔

"اب تو نہ معلوم کون کون سی چالیں اپنانی پڑیں گی، شادی جو کر رہے ہیں"۔ جواباً سعد بھی ہنس کر بولا۔

"شادی کر رہے ہیں سعد بھائی! یا کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں"۔

"شادی بھی سیاست سے کم نہیں ہے"۔

"مکمل زندگی کی شروعات کی طرف بڑھ رہے ہو بیٹا! بہتر یہی ہے اپنے دل و دماغ کو فضولیات سے پاک کرو پہلے۔ شادی محض دو صنفوں کو ایک رشتے میں باندھنے کا نام نہیں ہے، یہ دو خاندانوں کو یکجا کرنے کا نام ہے۔ ایک نئی نسل کو اعلیٰ و بہترین پروان چڑھانے کا نام ہے، اس بندھن میں بہت راحتیں ہیں تو تکلیفیں بھی کم نہیں ہیں، جیسے پھولوں کے سنگ کانٹے ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوشیوں کے ساتھ پریشانیاں ہوتی ہیں۔ کانٹوں سے اُلجھے بغیر پھولوں کا حصول تو ہمارے لیے ممکن ہے، مگر زندگی کے نشیب و فراز میں ہمارا سابقہ سب سے پڑتا ہے جن کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہی جیت کی نشانی ہے"۔

"بہتر ہے آنٹی! جن کی رہنمائی بزرگ کرتے ہیں وہ خوش نصیب ہوتے ہیں اور میں بھی ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں جو آپ جیسی ہستی میری رہنمائی کے لیے موجود ہے"۔ سعد کے لہجے میں ممنونیت تھی۔

"تمہاری محبت ہے یہ، جو ایسا سمجھتے ہو، ورنہ میں کس قابل ہوں"۔ نوشابہ اس کے خلوص کے آگے شرمندہ ہو جایا کرتی تھیں۔

"ہیرے کو اپنی قیمت کا اندازہ کب ہوتا ہے۔ ابھی ویز میں ذرا گرینی اور انس سے مل کر آ رہا ہوں، اتنے میں آپ دونوں تیار ہو جائیں"۔ وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

"میں نہیں جا سکوں گی۔ عرصہ ہو گیا مجھے بازار کی شکل دیکھے ہوئے۔ اب اگر شاپنگ کرنا چاہوں تو نہ کر سکوں گی۔ تم کرن کو لے جاؤ بلکہ کرن صحیح کہہ رہی ہے کہ فاریہ بیٹی کو لے لو۔ وہ اپنی پسند کی چیزیں خرید لے گی، آخر کار اسے ہی استعمال کرنا ہے"۔

"اس کے والد اجازت نہیں دیں گے پھر میں بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان ایک حد ابھی سے قائم ہو جائے تو بہتر ہے"۔ ان کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

"کیا مقصد...... فاریہ سے اپنی پسند سے شادی کر رہے ہو"۔ اس کے انداز نے نوشابہ کے ساتھ ساتھ کرن کو بھی چونکا دیا تھا۔

"بالکل...... لیکن میں چاہتا ہوں میاں بیوی کے درمیان محبت کے علاوہ احترام کا رشتہ بھی ہو، جب عورت یہ چاہتی ہے کہ شوہر اس کے والدین، بہن، بھائی اور دیگر عزیز واقارب کی عزت کرے تو اسے بھی جواباً یہی سب کرنا چاہیے مگر جہاں مرد اس کی راہ پر چلنے لگتا ہے تو وہ اس کے رشتے داروں کو ٹھوکروں میں اُڑا دیتی ہے۔ یہ عورت کی بہادری نہیں، مرد کی کمزوری ہوتی ہے جو ایسا کرنے دیتا ہے"۔ سعد کے لہجے میں بچپن کے دُکھ بول رہے تھے۔ آنکھوں میں ماضی پانی بن کر چمکنے لگا تھا۔

"چچا چچی سے محبت میں بھی ایک حد قائم رکھتے تو انہیں جراُت نہ ہوتی، مجھے اس طرح بے گھر و بے نام کرنے کی۔ آج بھری پُری برادری کے ہوتے ہوئے بھی میں تنہا ہوں، اگر انس کی فیملی اور آپ لوگوں کا ساتھ نہ ہوتا تو میں نہ معلوم کیا کرتا، اور کہاں ہوتا؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

جب سے فاریہ کے والد نے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھا تھا، تب سے وہ عجیب سی بے کلی و بے چینی اپنے اندر پانے لگا تھا اور اب شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں اسے امی، ابو کی یادیں بڑی تڑپانے لگی تھیں۔

"خوشی کے موقع پر کیوں اُداس ہوتے ہو۔ خوشی خوشی تیاریاں کرو"۔ نوشابہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولیں تو اس نے ان کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ وہ اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانا چاہتا تھا۔

گرینی اس کی شادی کا سن کر بڑی خوش ہوئی تھیں، خاصی دیر اس کی ہونے والی بیوی کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں۔

"مجھ سے ملانے اسے ضرور لانا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی تمہاری شادی کا سن کر۔ شادی اس عمر میں ہو جائے تو کامیاب رہتی ہے، ہر کام وقت پر ہی اچھا لگتا ہے"۔

"میں سیدھا آپ کے پاس ہی لے کر آؤں گا اسے، آپ کی دعاؤں کے بغیر نئی زندگی کی ابتداء کس طرح کر سکتا ہوں بھلا"۔ گرینی کے اچھے اور خوشگوار موڈ نے اسے خوب حوصلہ بخشا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں تم نے تو بروقت فیصلہ کر لیا اب اس کوڑھ مغز کھامڑ کو بھی سمجھاؤ کہ وقت گزر رہا ہے اور گزرتا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ تمہیں دعائیں میں نے دے دیں۔ شاید اسے دعائیں دینے کے لیے میں موجود بھی نہ ہوں"۔ انہوں نے سعد کے برابر بیٹھے انس کی طرف اشارہ کیا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"پلیز...... پلیز گرینی! آپ کیوں اس قسم کی باتیں کرتی ہیں؟"

"تجھے مجھ سے یہی شکوہ رہتا ہے، میں اس قسم کی باتیں کیوں کرتی ہوں، کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ کہ میں کیا بُرا کہتی ہوں"۔

حسب عادت ان کی غصیلی طبیعت بیدار ہو چکی تھی۔

"یہ موقع ان باتوں کا نہیں ہے۔ آپ ان کی خوشیاں تو ملیامیٹ نہ کریں"۔

"میں کیوں ملیا میٹ کرنے لگی اس کی خوشی، تیری طرح یہ بھی مجھے عزیز ہے"۔

کچھ دیر قبل خوشگوار ماحول ایک دم بوجھل ہو گیا۔ شمو ٹرالی میں چائے اور دیگر لوازمات لے آئی تو موضوع ایک دم ہی بدل گیا تھا، مگر سعد نے محسوس کیا تھا گرینی کے چہرے پر تھکن آمیز یاسیت چھا گئی ہے۔

"گرینی کی خواہش تمہیں جلد از جلد پوری کر دینی چاہیے انس!" وہ باہر آئے تو سعد نے اس سے کہا تھا۔

"اب تم بھی مجھے تیز کرو گے"۔ اس کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"اب فضول قنوطیت دفع کرو۔ گرینی کی حالت پر رحم کھاؤ۔ شادی کر لو کہ یہ نہ صرف گرینی، بلکہ مدثر انکل کی بھی دیرینہ آرزو ہے، پھر اس گھر کو ایک عورت کی، اس گھر کی اصل مالکن کی اشد ضرورت ہے"۔

"تم اپنی فکر کرو، یہاں کی مت سوچو، ادھر سب درست ہے"۔

"حقیقت سے فرار کب تک کرتے رہو گے انس!" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا تو وہ ڈھیلے انداز میں آنکھیں موند کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"فرار حاصل کرنا تو میں زندگی کی سانسوں سے چاہ رہا ہوں"۔

"بزدلوں کی طرح باتیں مت کرو، پھر تمہاری اور منال کی محبت کو ایسے......"

"پلیز...... میں اس کا نام اپنے ذہن کی سلیٹ سے مٹا چکا ہوں"۔

"مگر دل کی سلیٹ سے نہ مٹا سکے؟"

"نہیں۔ جن سے ہم محبت کرتے ہیں، انہیں بھلا نہیں سکتے اور جن سے نفرت کرتے ہیں وہ تو بالکل ناقابلِ فراموش ہوتے ہیں"۔ اس نے ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"یہ نفرت کا کون سا روپ ہے، جس کی خاطر تم نے خود کو تنہائیوں میں مقید کر لیا ہے۔ اپنی خواہشیں، آرزوئیں مدفون کی ہی تھیں، ساتھ گھر والوں کی تمناؤں کے پھول بھی خاکستر کر ڈالے ہیں، یہ تم کس سے انتقام لے رہے ہو......؟ خود سے یا اس سے...... جو تمہیں بھلا کر زندگی کے مزے لوٹ رہی ہے۔ اسے ملال تک نہیں ہے اور تم روگ لگا بیٹھے ہو پھر کہتے ہو نفرت کرتے ہو اس سے"۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے نہ صرف اس سے بلکہ دُنیا کی ہر لڑکی سے نفرت ہو گئی ہے۔ بھولی صورت، معصوم اداؤں والی یہ صنفِ نازک ناگن سے زیادہ زہریلی، لومڑی سے زیادہ عیار ہوتی ہے۔ انسان پھانسی کے پھندے سے بچ سکتا ہے مگر عورت کے بچھائے جال سے بچنا ناممکن ہے...... ناممکن"۔

اس کے وجیہہ چہرے پر بیتے وقت کے سائے سرخی بن کر چھا گئے تھے، آنکھوں میں انگارے سے دہکنے لگے تھے۔

"سب ایک جیسی نہیں ہوتیں میرے یار!" سعد کے لہجے میں اس کا دُکھ تھا۔

"شاید، لیکن دل کو یقین آئے تب بات ہے نا"۔

"آ جائے گا یقین بھی۔ ہو جائے گا پیار بھی۔ بس اب میرے بعد تمہارا نمبر ہے"۔

"ہوں، پہلے اپنی تو ہو جانے دو"۔ وہ مُسکرایا تھا۔

☆......☆......☆

"ممی! کون آیا تھا؟" حمزہ یونیورسٹی سے آیا تو ٹیبل پر رکھے برتن اور ماں کے پاس بیٹھی چچیوں کو دیکھ کر حیرانگی سے گویا ہوا تھا۔

"و......و......کو......کوئی بھی نہیں"۔ حمزہ کی آمد بالکل غیر متوقع تھی جوان کو بُری طرح بوکھلا گئی تھی۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو بوکھلائے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں ایک دوسرے میں اُلجھی یہ سوال کر رہی تھیں۔

"کیا بتائیں؟ کیا جواب دیں؟ یہ غلط موقع پر آ گیا۔ نوشابہ کا چچہ، کرن کا خیر خواہ، اگر اسے اصل معاملے کی بھنک بھی پڑ گئی تو نہ معلوم کیا کر بیٹھے گا"۔

"آپ کی معنی خیز خاموشی اور ساتھ مل بیٹھنے کا انداز بتا رہا ہے کہ پھر کسی کے خلاف سازش تیار کی جا رہی ہے۔ بہتانوں کی گندگی مجتمع کی جا رہی ہے۔ جھوٹ کے انبار، سیاست کے نت نئے داؤ کھیلے جا رہے ہیں"۔ ان کے ہوائیاں اُڑتے چہروں نے اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی پھر ٹیبل پر رکھی اعلیٰ کراکری اور ان میں عمدہ قسم کے لوازمات نے ظاہر کر دیا تھا کہ آنے والی شخصیت بہت معتبر اور معاشی طور پر بے حد اعلیٰ استحکام کی حامل ہے۔

"حمزہ! شرم کرو کچھ۔ یہ ماں اور چچیوں سے بات کرنے کا طریقہ ہے؟ پھر ہم نے ایسا کیا کر دیا جو تم ابھی تک وہ بھولے نہیں جو صحیح تھا پھر ہم کون سی ایسی گری ہوئی عورتیں ہیں جن پر تمہیں یقین نہیں ہے"۔ راحیلہ غصے سے بولیں۔

"ہم ساتھ ساتھ تو سدا سے رہتے آئے ہیں۔ تمہیں آج محسوس ہوا؟"

"معاف کیجئے گا ممی حضور! اور آنٹیز آپ بھی زندگی کے تمام سال ہم اس گھر میں آپ لوگوں کے درمیان گزارتے آئے ہیں، آپ لوگوں کے تمام چہروں سے واقفیت ازبر ہو چکی ہے۔ کون کس کے لیے کیا جذبات رکھتا ہے، اس سے آپ لوگ بھی واقف ہیں، جس قدر نزدیک آپ بیٹھی ہیں، آپ کے دلوں میں فاصلے لامحدود وسعت تک ہیں، دکھاوے وحسد کی زندگی جی رہی ہیں آپ۔ جب تک پھپھو اس گھر میں تھیں، تب برائے نام ہی سہی آپ لوگوں میں محبت وخلوص تو تھا۔ اب تو محض دھوکہ ہی دھوکہ، دشمنی ہی دشمنی ہے۔ پھپھو تھیں تو صرف ایک دیوار تھی جو انہیں ایک طرف دھکیل کر کھینچ دی گئی تھی۔ آج دیواریں ہی دیواریں ہیں۔ گھروں کے درمیان، دلوں کے درمیان، جذبوں کے درمیان اور محبتوں کے درمیان"۔ وہ بولا تو بولتا ہی چلا گیا اور وہ ششدر ہوئیں ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہی تھیں۔ اس کا ایک ایک لفظ سچ تھا۔ پہلے نوشابہ کو یہاں کی آسائشوں سے بے دخل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے اور اس کے درمیان دیوار کھڑی کروائی تھی، پھر کچن علیحدہ کر دیا تھا اور رفتہ رفتہ وہ ماں بیٹی بوجھ بنا دی گئی تھیں۔ اب مکافاتِ عمل کچھ یوں ہی شروع ہوا تھا۔ راحیلہ کے نوشابہ کے حصے پر

قبضہ اور تعمیر نے ان کے درمیان شدید چپقلش ڈال دی تھی۔ پہلے تو معاملہ اندر ہی اندر سلگتا رہا پھر بات نکلی تو زبردست جھگڑے کے بعد ان تینوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر کے پورشن علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے تھے۔ کچن بھی الگ الگ، کھانا پینا بھی علیحدہ ہو گیا تھا۔

"حمزہ بیٹا! ہم تو جاہل ہیں۔ اچھے بُرے کی تمیز نہیں رکھتے مگر تم اپنے علم پر کیا عمل کر رہے ہو، بڑوں سے بات کرنے کا یہ طریقہ کار بہت غلط اور نامناسب ہے میرے بچے"۔ آسیہ بات سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ارے میرے لال کو کیا چاچا کیا کہہ رہا ہے، یہ تو جادو کے زیرِ اثر ہے۔ اس جادوگرنی کے جو خود تو فوت ہو گئی مگر اسے باندھ گئی"۔ راحیلہ نے تڑپ کر فوراً بیٹے کی حمایت لی۔

"او گاڈ! نہ معلوم کیا چاہتے ہیں آپ لوگ۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود ابھی بھی کوئی کسر باقی ہے"۔ وہ غصے میں سب بھول بھال کر نکل گیا۔

"شکر ہے بلا ٹلی۔ ورنہ میں تو ڈر ہی گئی تھی، ابھی سب معلوم ہو جائے گا حمزہ کو اور ہماری کہانی ختم ہو جائے گی"۔ راحیلہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تو رخسانہ اور آسیہ بھی مطمئن ہو کر بیٹھ گئیں۔

"بھابی! جلدی بتائیں یہ سب ہوا کیسے؟ مجھے جیسے ہی آسیہ بھابی نے بتایا کہ برہان آئے تھے، نوشابہ اور کرن کو لینے میں تو آپا سے معذرت کرتی ہوئی سیدھی چلی آئی یہاں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ حمزہ چلے آئے۔ اُف توبہ آخر ایسا کیا ہوا جو بائیس سال بعد بیوی و بیٹی کی محبت میں خراماں خراماں چلے آئے۔ باسی کڑھی میں یہ اُبال کیونکر؟"

"اُبال تو آنا ہی تھا۔ وہ جدی پشتی زمین دار لوگ ہیں جس طرح ان کی زمین کے ایک انچ ٹکڑے پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا، اسی طرح اپنے خون کو بھی کسی کی گرفت میں نہیں دیکھ سکتے۔ نوشابہ سے تو انہیں ابھی بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ کرن کی وجہ سے آئے تھے"۔

"آپ نے کیا کہا؟"

"وہ...... وہ کچھ کہا ہے کہ وہ خواب میں بھی انہیں دیکھنا پسند نہیں کریں گے"۔ راحیلہ اور آسیہ پوری بات بتانے کے بعد ہنستے ہوئے بولیں۔

"مگر انہیں اصلیت معلوم ہو گئی تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو نہیں ہیں جو بلا تحقیق کے یقین کر کے بیٹھ جائیں گے"۔

"آدمی معمولی ہو یا غیر معمولی، اہم ہو یا عام بات جب مردانہ غیرت کی آ جاتی ہے تو عقلوں پر ان کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، پھر اس کی آنکھوں میں سزا دینے کا جذبہ ہوتا ہے، مارنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ جب میں نے روتے ہوئے انہیں بتایا کہ وہ ہماری عزت مٹی میں ملا کر اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ہیں تو پوچھو نہیں اس وقت کس قدر غضب ناک ان کا چہرہ ہو گیا تھا، گویا خون چھلک پڑا ہو"۔

"ان کی بدچلنی و آوارگی کے ایسے ایسے قصے سنائے ہیں کہ اگر وہ کسی سے تصدیق بھی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے"۔

"بھابی! انہیں یقین تو آ گیا تھا نا؟ کہیں بات لوز ہوئی تو سمجھ لیجئے گا، ہم تینوں بھی خوب بے عزت کر کے یہاں سے ہمیشہ کے لیے نکالے جائیں گے۔ ابھی ان بھائیوں کی آنکھوں پر ہماری باتوں کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کبھی کھل گئی تو پھر مجھے قیامت نظر آنے لگتی ہے۔" رخسانہ کان پکڑتے ہوئے بولی۔

"ارے تم فکر ہی مت کرو۔ بڑی بھابی کی اداکاری اور ڈائیلاگ ڈلیوری اتنی زبردست ہے کہ بے گناہ از خود ہی اپنے گناہ قبول کر لے"۔ آسیہ راحیلہ کی جانب دیکھتے ہوئے ستائشی لہجے میں بولی۔

☆......☆......☆

سعد کی بری کی تمام تیاریاں نوشابہ اور کرن نے کی تھیں۔ سعد نے سگے بیٹے کی طرح ہر موقع پر ان کا بھرپور خیال رکھا تھا تو انہوں نے بھی اس کی دل جوئی و دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔

مدثر صاحب آ گئے تھے اور ان کی خواہش پر ہی سعد کی شادی کی تمام تقریبات انس پیلس میں ہی ارینج کی گئی تھیں۔ پوری کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ مدثر صاحب کے علاوہ گرینی کے چہرے پر بھی خوشیوں کے رنگ تھے۔ انہوں نے اوپر پورشن میں اس کے لیے بیڈروم ڈیکوریٹ کروایا تھا۔ رخصتی کے بعد دلہن یہیں آنی تھی اور ولیمے کے دوسرے دن ہنی مون ٹور پر شمالی علاقہ جات کی جانب عازم سفر ہو جاتے جس کا تمام انتظام اس کی طرف سے گفٹ کے طور پر تھا۔

وہاں سے واپسی پر سعد کو اجازت ہوتی اپنے گھر جانے کی۔ تمام پروگرام گرینی کی ہدایت پر ترتیب دیا گیا تھا۔

"بیٹی! ایک کپ مل جائے تو تھکن اُتر جائے گی"۔ فائل چیک کرتے ہوئے انس نے ایک نگاہ باپ کی طرف دیکھا جو وہاں سے گزرتی کرن سے مخاطب ہوئے تھے۔ کرن "جی اچھا" کہتی ہوئی فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ آپ کے چہرے پر کچھ ناگوار تاثر نظر آ رہے ہیں"۔ وہ بیٹے کی نگاہ پہچان کر مخاطب ہوئے۔

"ڈیڈی! مالک اور ملازم کے درمیان ایک حد ایک فاصلہ رہے تو بہتر ہوتا ہے، ورنہ اعتماد و اعتبار کا خون ہوتے دیر نہیں لگتی"۔

اس کا دھیما لہجہ بے حد مہذبانہ و شائستہ تھا۔

"مائی ڈیئر سن! لوگوں کو پرکھنا سیکھو، دولت کے انبار پر انسانی قدروں، خلوص کے پندار کو چکنا چور کرنے والے بڑی دشمنی کرتے ہیں اپنے آپ سے، دولت و طاقت آپ کو بڑائی عطا نہیں کرتی ہے، محبت و عزت آپ کا مخلصانہ طرزِ عمل آپ کو دیتا ہے، اگر کوئی محنت کر کے اپنا پیٹ پالتا ہے تو وہ ہم سے کم تر و حقیر نہیں ہو گیا، کیونکہ محنت تو ہم سب کرتے ہیں، بس ذرائع مختلف ہیں"۔ ان کا لہجہ شیریں و ناصحانہ تھا۔

"سوری ڈیڈ! میرا یہ مقصد نہ تھا"۔ وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گیا تھا۔

"زندگی کے روشن پہلو چھوڑ کر جب انسان تاریک پہلوؤں کو زیست کا جزو بنا لیتا ہے تو کچھ ایسی ہی بے زاری و بے اعتمادی ہر شے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ بطور باپ نہیں بلکہ ایک فرینڈ کے، میری ایڈوائز یہی ہے کہ زندگی اس طرح سے گزاریں جس طرح مدثر خان

کے بیٹے کو سوٹ کرتی ہے"۔

"جو حکم ڈیڈی! میں آپ کی وِشز کا منتظر رہتا ہوں"۔

"ہماری دُعاؤں کے حصار تو آپ کے گرد ہی تو قائم ہیں"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

☆......☆......☆

سعد کی بارات کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

گرینی کی رات سے اچانک طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ وہ دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھیں، گزشتہ دنوں سعد کی مایوں اور رسم حنا کے ہنگاموں کے باعث انس پیلس میں خاصا ہنگامہ ہو رہا تھا۔ گرینی وہیل چیئر کے سہارے ہر کام میں پیش پیش رہی تھیں۔ نوشابہ سعد کی طرف سے تو مکمل ذمے داری نبھا رہی تھیں، مزید بوجھ مدثر صاحب نے گھر کی تمام ذمے داریاں بھی انہیں سونپ کر ڈال دیا تھا۔

شادی کے باعث ملازموں کی تعداد بھی بڑھا دی گئی تھی، پھر بھی سب کی دیکھ بھال، بری کے سامان کی پیکنگ اور حفاظت بہت ذمے داری کے کام تھے جوان ماں بیٹیوں نے احسن طریقے سے نبھائے تھے۔

آف وہائٹ شیروانی، وہائٹ تنگ پاجامے اور آف وہائٹ خوب صورت کلّے میں سعد دولہا بن کر خوب بج رہا تھا۔

بارات کا استقبال شان دار طریقے سے کیا گیا تھا۔ شہر کے مہنگے میرج لان میں انتظام تھا۔ زرق برق ملبوسات کی سرسراہٹیں، خوشبوئیں، قہقہے، خوشیاں ہر سمت بکھری ہوئی تھیں۔ نکاح ہوا تو مبارک باد کی صدائیں پھیلنے لگیں۔ طویل مدت بعد آج نوشابہ ڈھنگ سے تیار ہوئی تھیں۔ پرپل شفون کی ساڑھی پر ڈارک پرپل اینڈ بلیک باریک ستاروں اور موتیوں کے دیدہ زیب فینسی کام والی ساڑھی میں ہم رنگ میچنگ جیولری اور لپ اسٹک، بالوں میں جوڑا باندھے وہ بہت سوبر لگ رہی تھیں۔ کرن نے سلک کا تنگ پائجامہ کرتہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ سلمی ستاروں سے سجا اس کا سوٹ جھلمل کر رہا تھا، میچنگ نازک سی جیولری لائٹ میک اپ میں اس کا سویا حسن دمک اُٹھا تھا۔ کئی ستائشی نگاہیں اس کے چہرے کی جانب اُٹھی ہوئی تھیں۔

"مما! کافی ٹائم ہوگیا ہے۔ میں ایک نظر میڈم کو دیکھ کر آؤں"۔ دلہن کو نکاح کے بعد اسٹیج پر بٹھایا جا رہا تھا۔ مووی بن رہی تھیں۔ گرین عروسی جوڑے میں سجی سنوری فاریہ دوستوں اور کزنز کے جھرمٹ میں خراماں خراماں اسٹیج کی جانب بڑھ رہی تھی، اچانک کرن کو خیال آیا تو ماں سے مخاطب ہوئی۔

"شمو اور چندا ان کا دھیان رکھ رہی ہوں گی، پھر بھی تم ایک دفعہ دیکھ آؤ تو اچھا ہی ہوگا۔ ابھی تو بہت وقت لگے گا یہاں پر"۔

وہ ڈرائیور کے ہمراہ آ گئی تھیں، گرینی سکون سے سو رہی تھیں۔ شمو اور چندا آرام سے وہیں براجمان تھیں، اسے دیکھ کر چندا بولی۔

"قسم سے باجی! آج تو آپ آفت لگ رہی ہو، پہچانی ہی نہیں جا رہی ہو"۔ وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے بولی۔

"چپ بے وقوف، جو دل میں آتا ہے، وہ منہ پھاڑ کر کہہ دیتی ہے"۔

''لو اماں! کیا کسی کی تعریف کرنا جرم ہے؟''۔

''تیری موٹی عقل میں ایسی باتیں نہیں آئیں گی، جب کسی کی تعریف کرتے ہیں تو پہلے ماشاءاللہ کہتے ہیں''۔

''لو آگئی میری عقل میں بات، تم کب کہہ رہی تھیں آئے گی نہیں''۔ وہ منہ پھلا کر بولی تو کرن بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

''شمو! اس کو مت ڈانٹا کرو، سمجھ تو جاتی ہے پھر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو تم ڈانٹ رہی ہو''۔ وہ شمو کو ضروری ہدایات دے کر باہر نکلی تو کاریڈور کو تازہ گلاب کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا پایا۔

''یہ مہک کہاں سے آرہی ہے؟ کتنی زبردست ہے''۔

''انس صاحب لائے ہیں کسی کمرہ سجانے والے کو، لایا تھا ٹوکریاں بھر بھر کر پھولوں کی، سعد صاحب کا کمرہ سجانے کے واسطے دو آدمی تھے، کمرہ سجا کر گئے ہیں کچھ دیر ہوئی''۔ چندا نے اطلاع دی تھی۔

''اچھا تم دروازہ اندر سے بند کرلو، میں ڈرائیور کے ساتھ جارہی ہوں''۔

وہ کاریڈور سے باہر نکل کر تا نظر برآمدہ عبور کر کے باہر آئی تھی تو ڈرائیور کار سمیت وہاں سے غائب تھا، وہاں انس کی کار کھڑی تھی۔

''کس کو دیکھ رہی ہیں آپ؟'' انس اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا، اسے اِدھر اُدھر سراسیمہ دیکھ کر استفسار کر بیٹھا۔

''جی...... وہ ڈرائیور کو دیکھ رہی ہوں''۔ اسے اچانک دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی تھی۔ لائٹ بلو کوٹ سوٹ میں اس کی شاندار پرسنالٹی نمایاں تھی۔

''آپ کو وہاں شادی میں ہونا چاہیے تھا، یہاں کیا کررہی ہیں آپ؟'' وہ جیب سے کار کی چابی نکالتا ہوا گویا ہوا۔

''میں وہیں سے آئی ہوں''۔

''آپ وہیں سے آئی ہیں...... لیکن کیوں؟'' وہ ڈرائیونگ ڈور کھولتے ہوئے چونک کر رُکا اور اس کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''میڈم کو کچھ میڈیسنز دینی تھی۔ وہ دینے آئی تھی مگر وہ سو رہی ہیں، شمو کو سمجھا کر آگئی ہوں۔ میڈم کے جاگنے کے بعد وہ دے گی''۔ وہ گھبرائی بوکھلائی اس کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ اس نے بے ارادہ نگاہیں اُٹھائی تھیں اور ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

''وہی انداز، وہی نقوش، معمولی سے تغیر کے ساتھ بھلا اس قدر مشابہت و یکسانیت بھی چہروں میں ہو سکتی ہے؟'' اس نے گہرا سانس لے کر دروازہ کھولا، پھر اس سے مخاطب ہوا جو اس کے اس طرح دیکھنے سے پریشان ہوگئی تھی۔

''ڈرائیور کو میں نے کام سے بھیجا ہوا ہے۔ آپ آجائیں میں وہیں جارہا ہوں''۔ اس نے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے آکر بیٹھ گئی۔

''آپ تقریب چھوڑ کر میری خاطر آئیں۔ آپ کے اس خلوص نے میری تمام سابقہ غلط فہمیاں و بدگمانیاں زائل کردی ہیں۔

دراصل میں یہی چاہتا تھا کہ کوئی ایسا ہو جو اپنی ڈیوٹی محض ڈیوٹی نہیں، محبت سمجھ کر انجام دے، کیونکہ ملازمت و محبت دو الگ جذبوں کے نام ہیں۔ ملازمت کا تعلق ضرورت سے اور محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور یہ بہت پاور فل جذبہ ہے"۔ وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں ایکسکیوز کرتا ہوں آپ سے اپنے تمام اِل سینز ڈ بیہیورز کی"۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں سر!" وہ اس کے معذرتی انداز پر خود کنفیوژ ہو گئی تھی۔

میرج لان تک ان کے درمیان پھر کوئی بات نہ ہوئی تھی، اس نے کار پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی تو وہ اپنا پرس اور دوپٹہ درست کرتی ہوئی اندر بڑھ گئی، جبکہ انس کار لاکڈ کر کے پلٹا تو گویا آگے بڑھنے کی سکت نہ رہی تھی۔

بلیک جھلملاتی ساڑھی، بغیر آستینوں کے مختصر بلاؤز میں اس کے شاداب جسم کی رعنائیاں عروج پر تھیں۔ سیاہ تراشیدہ بال شانوں پر پہرہ دے رہے تھے۔ مہارت سے کیے گئے میک اپ نے اس کے بے باک حسن کو مزید دو آتشہ کر ڈالا تھا۔ بلیک ڈائمنڈز کی جیولری کی جگمگاہٹ اس کے سرخ عارضوں اور براؤن آنکھوں میں کوندرہی تھی۔

"ہیلو انس! ہاؤ آر یو؟" وہ مست ہوا کے جھونکے کے مانند اس کی جانب بڑھی۔

"فائن"۔ اس کے چہرے پر یکلخت تناؤ پھیل گیا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟" وہ مسرت سے کھلی پڑ رہی تھی۔

"جیسے آپ ہیں"۔ وہ کہتا ہوا سرعت سے آگے بڑھا تھا کہ اس نے آگے بڑھ کے اس کا بازو پکڑ لیا، پھر جذباتی لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

"اتنی بے گانگی، اتنی سرد مہری، ابھی تک نہیں بھول پائے، ان باتوں کو؟"

"ایسی باتیں کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ہیں، جن میں جسم کے ساتھ روح بھی گھائل کر دی گئی ہو"۔ وہ ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹاتا آگے بڑھا تھا۔

"ماما!" پانچ سالہ بے حد کیوٹ سا سرخ و سفید رنگت و پھولے پھولے گالوں والا بچہ اندر سے آ کر منال کے قدموں سے لپٹ گیا تھا۔

"انس! یہ میرا بیٹا ہے"۔ جواباً انس نے کوئی جواب نہ دیا تھا اور تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ سعد اسے ڈھونڈتا باہر ہی آ رہا تھا۔

"ایسے اہم موقع پر مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہو، جانتے ہو مجھے تمہاری کتنی ضرورت ہے اور تمہیں کوئی فکر نہیں ہے"۔ بولتے بولتے اس کی نگاہ انس کے چہرے پر پڑی۔

"ارے کیا ہوا؟ یہ تمہارا رنگ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے اور اتنا پسینہ کیوں آ رہا ہے؟"

"کچھ...... نہیں ...... بس تھوڑا سا پانی پلواؤ"۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھتا ہوا بولا، وہاں سے گزرتے ویٹر سے پانی منگوا کر اسے دیا، پانی پی کر اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔

"کیا ہوا یار؟ ایسا کیا ہوا جس نے تمہیں اتنی تکلیف پہنچائی ہے؟"

"پانچ سال میں جو زخم بھرے تھے، یکلخت ہی تازہ ہوئے تو یہ حال ہونا ہی تھا۔ منال یہاں موجود ہے اپنے بیٹے کے ہمراہ"۔ وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

"اوہ...... یار! لعنت بھیج ایسی خبیث عورت پر، کیوں دل پر لیتا ہے"۔

"وہاں سب پوچھ رہے ہیں اور آپ دونوں یہاں پر کیا کر رہے ہیں"۔ مدثر صاحب وہاں آ کر گویا ہوئے۔

"ڈیڈ! سعد کے بیڈ روم کا فائنل فلاورز ڈیکوریشن کمپلیٹ کروا کر آ رہا ہوں۔ وہی سعد کو بریف کر رہا تھا"۔ انہیں سامنے دیکھ کر دونوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

"اوکے۔ وہاں چلیں کچھ سلامی وغیرہ کی رسمیں ہیں، اس کے بعد ڈنر کا ارینجمنٹ ہے، میں ترائی کروں گا رخصتی جلدی کرنے کی"۔ وہ ان کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے۔

"جوتا چھپائی کی رسم ہو رہی ہے، آپ بتائیں کتنی رقم مناسب رہے گی۔ بچیاں خوش ہو جائیں اتنی رقم تو ہونی چاہیے"۔ مدثر صاحب نوشابہ سے مخاطب ہوئے تھے اور قبل اس کے نوشابہ کوئی جواب دے پاتیں، لائٹ براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس، منہ میں سگار دبائے اپنی جانب جارحانہ انداز میں بڑھتے شخص کو دیکھ کر وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑی رہ گئیں۔

چہرے سے جھلکتی رعونت۔

مزاج سے ٹپکتی جارحیت۔

آنکھوں سے چھلکتی نفرت۔

کچھ بھی نہ بدلا تھا، ماسوائے کنپٹیوں کے ہوئے سفید بالوں کے، وہ آ کر ان کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے، کینہ توز نگاہوں سے مدثر صاحب کو گھورتے ہوئے۔

"ہ...... ہا...... ن!" نوشابہ سکتے کی کیفیت سے نکل کر یقین کی زمین پر پاؤں رکھ چکی تھیں۔ ان کے درمیان سالوں کی طویل مسافت رہی تھی۔ اتنی مدت بھی ان کے مزاج کو بدل نہ پائی تھی۔

"ہاں میں، چونک گئی ناں، تم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اس طرح رنگے ہاتھ پکڑوں گا تمہیں رنگ رلیاں مناتے ہوئے"۔ وہ قہر آلود لہجے میں بولے۔

"یہ...... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" نوشابہ کو لگا، زمین ان کے قدموں سے سرک گئی ہے۔ آسمان ٹوٹ کر سر پر آ گرا ہے۔

''مسٹر برہان لغاری! شٹ یور ماؤتھ''۔ مدثر صاحب بھی اس سچویشن کو سمجھ نہ پائے تھے اور جب بات ان کی سمجھ میں آئی تو وہ غصے سے دھاڑے تھے۔

''چیخو مت، چلانا مجھے بھی آتا ہے اور تم سے زیادہ بلند آواز میں چیخ سکتا ہوں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میرے عزیز فرینڈ کی بیٹی کی شادی میں کوئی پرابلم کری ایٹ ہو اور......''

''آپ میری بات تو سنیں برہان! خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے مدثر صاحب کی میں بھائیوں کی طرح عزت کرتی ہوں''۔ نوشابہ روتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھ گئی تھیں۔

''تم جیسی عورتوں کے پاس ایسے بھائیوں کی کمی نہیں ہوتی جو دن میں شرافت کا نقاب لگا کر دھوکہ دیتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں......''

''اپنی زبان کو لگام دو لغاری! ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا''۔ مدثر صاحب کی حمیت برداشت نہ کر سکی، اتنی تذلیل وہ بری طرح بپھر رہے تھے۔

کرن جو ماں کو دیکھنے کی خاطر اس طرف آئی تھی، یہ سب دیکھ کر ٹھٹک کر رُک گئی تھی۔ وہ چہرہ اس کے سامنے تھا جس کو دیکھنے کی حسرت زندگی کی اولین تمنا بن گئی تھی، وہ وجود اس کے سامنے تھا جس کا شفقت بھرا لمس پانے کو وہ بے کل رہتی تھی۔ آج وہ سامنے تھے جن کو سامنے دیکھنے کی وہ دعائیں کرتی آئی تھی لیکن یہ انداز کیسا تھا ان کا؟ یہ روپ کون سا تھا ان کا؟ جس نے اس کے قدم زمین سے جوڑ دیے تھے۔ اسے پتھر کا بنا دیا تھا۔

''ڈیڈی! ڈیڈی! پلیز......کول ڈاؤن سنبھالیں خود کو اندر لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ تماشہ بن جائے گا''۔ انس کسی گوشے سے برآمد ہوا تھا اور باپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اندر لان کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ یہ بیرونی حصہ اس وقت سنسان تھا، کیونکہ اندر دلچسپ رسموں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ سو اس وجہ سے لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول ہونے کے باعث ان کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو سکا تھا، کوئی اس طرف نہ آیا تھا۔

''میری بیٹی نے تمہارے بیٹے کو زک پہنچائی تھی، اس کا بدلہ ہے نا یہ......تو یاد رکھ لینا، آج سے میرا انتقام کا آغاز ہوتا ہے مدثر خان! ایسا بدلہ لوں گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں میرے نام سے کانپیں گی''۔ ان کا لہجہ بے حد خوفناک تھا۔

''اپنی رذیل ذہنیت اور غلط فہمی کو دور کرو گے تو ساری حقیقت تمہیں سمجھ آ جائے گی اور اس عورت کی پاکیزگی و پاک دامنی کی میں قسم کھا سکتا ہوں''۔

''مجھے نہ تم پر اعتبار ہے نہ اس عورت پر اور نہ تمہاری قسموں پر۔ شاید میں اعتبار کر بھی لیتا، اگر میں اس کی اور اس کی بیٹی کی آوارگی اور بدچلنی کی داستانیں اس کے اپنوں کے منہ سے نہ سن لیتا۔ ایک عرصے بعد میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا تھا اور میں انہیں لینے اس کے باپ

کے گھر گیا، وہاں جا کر معلوم ہوا یہ اور اس کی بیٹی ان کے چہروں پر کالک مل کر اپنے آشناؤں کے ساتھ بھاگ چکی ہیں"۔

"آہ......" بڑا شدید وار تھا خنجر پیچھے سے ہی حسب عادت گھونپا گیا تھا۔

ہاتھ وہی تھے جنہیں اپنائیت کا دعویٰ تھا، ضرب بڑی کاری پڑی تھی۔ تکلیف کا احساس ہر شے پر محیط ہوتا چلا گیا۔ کچھ دیر قبل جگمگاتا ماحول تاریکی میں بدلنے لگا تھا، جس ایک دم اتنا بڑھا کہ نوشابہ کو اپنی سانسیں رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

"ایسی عورت سے میں کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا، جو کام مجھے آج سے بہت سال قبل کر دینا چاہیے تھا، وہ آج کر رہا ہوں۔ نوشابہ بیگم! میں بقائمی ہوش و حواس، تمہاری بدکرداری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تمہیں......

طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں۔

تین لفظوں کا یہ تعلق جو دو لوگوں کو ایک رشتے سے جوڑ دیتا ہے اور تین لفظ ہی اسے توڑنے میں بھی کافی ہوتے ہیں۔ بڑا اعتماد رشتہ ہے، یہ کبھی پہاڑ سے زیادہ مضبوط تو کبھی دھاگے سے بھی کچا۔ محبت، اعتماد اور اعتبار اس رشتے کی اساس ہیں جہاں یہ جذبے ناپید ہوتے ہیں وہاں شک کے یہ ناگ اسی طرح ڈستے ہیں۔ نوشابہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین بوس ہوئی تھیں۔

"مما!" کرن کی وحشت زدہ چیخ ماحول میں گونج اُٹھی تھی۔

......❀......

وہ بھاگ کر ماں کی طرف بڑھی تھی۔ اس سے پہلے انس اُن تک پہنچ چکا تھا۔ انہیں ہوش میں لانے کی ہر تدبیر ناکام ثابت ہوئی تھی۔ انس نے انہیں اُٹھا کر بیک سیٹ پر لٹایا۔ کرن نے وہاں سے جاتے ہوئے باپ کی پشت پر جلتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی، اس لمحے برہان لغاری نے بھی غیر ارادی طور پر جاتے ہوئے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

باپ بیٹی کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔

باپ کی نگاہوں میں اشتعال، برہمی و بداعتمادی کی سُرخی تھی تو کرن کی دھواں دھواں ہوتی نم نگاہوں میں نفرت ہی نفرت تھی۔ چند لمحے وہ ایک دوسرے کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے، پھر برہان لغاری تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے تو وہ کار کی طرف بڑھ آئی تھی۔

"پریشان مت ہوں، اللہ بہتر کرے گا"۔ مدثر صاحب جو اچانک پیدا ہونے والی صورت حال سے شدید اَپ سیٹ تھے، کرن کی جانب دیکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولے تو وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

"ڈیڈی! یہاں سب کچھ آپ کو سنبھالنا ہے۔ سعد کو ذرا بھی محسوس نہ ہو"۔ انس باپ کی جانب دیکھتے ہوئے آہستگی سے مخاطب ہوا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔ اس نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔ کرن نوشابہ کا سر گود میں رکھے ان کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر قبل یہ چہرہ کتنا ہشاش بشاش، سچی خوشیوں سے جگمگا رہا تھا، پہلی بار اس نے انہیں اتنے اچھے انداز میں دیکھا تھا۔ کتنی باوقار وخوب صورت لگ رہی تھیں وہ۔ بار بار ان کی جانب نگاہ اُٹھ رہی تھی۔ کئی بار اس نے انہیں آج کے دن نگاہوں کے ذریعے دل میں اُتارا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ آنے والے لمحات اس کے لیے کیسے کٹھن و ناقابلِ برداشت درد لیے چلے آ رہے ہیں۔ بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

واقعہ اتنا بڑا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ایک دم ہی مفلوج ہو گئی تھیں۔ تین دن تک وہ آئی سی یو میں موت وزیست کی حالت میں رہی تھیں۔ چوتھے دن موت نے زیست کو شکست دے دی تھی۔ وہ جو ساری زندگی صبر وخاموشی سے گزارتی آئی تھیں، اسی خاموشی سے دُنیا سے چلی گئیں۔ تین روز قبل جس گھر میں شادی کے شادیانے بج رہے تھے، اس گھر میں اب موت کی بوجھل وخاموش ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

زندگی سے زیادہ ناقابلِ اعتبار و ناپائیدار کوئی شے نہیں ہوتی، انسان کیسے کیسے خواب دیکھتا ہے، تصورات میں گم رہتا ہے، خواہشوں کے تاج محل بناتا ہے، آرزوؤں کے شیش محل تیار کرتا ہے، تمناؤں کے دیپ جلاتا ہے، موت کی حقیقت کو فراموش کیے زندگی کے جھوٹے بہلاوؤں میں بھٹکتا ہوا موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے، ہمیشہ کے لیے۔

نوشابہ کو دفن ہوئے چوتھا دن تھا، مدثر صاحب نے نوشابہ کی ڈیڈ باڈی ہاسپٹل سے وصول کرتے وقت کرن سے سوال کیا تھا کہ ڈیڈ باڈی گھر لے کر جائیں یا وہ اپنے ماموؤں کے ہاں جانا پسند کرے گی۔ جواباً اس نے ماموؤں کے گھر جانے سے انکار کر دیا تھا اور پھر مدثر صاحب نے ان کی ڈیڈ باڈی اپنے گھر سے ہی اُٹھوائی تھی۔ ان کے توسط سے خاصے ملنے والے آ گئے تھے جو سوئم تک رہے تھے۔ انہوں نے نوشابہ کو اپنی کزن کے طور پر ہی متعارف کرایا تھا۔

کرن کی حالت ازحد دگرگوں تھی۔

اس کے ہونٹ مضبوطی سے بند تھے، بولنا جیسے وہ بھول ہی گئی تھی۔ اس کی آنکھیں برستی رہتیں، خواہ فارغ بیٹھے یا نماز وتلاوت قرآن پاک میں مصروف ہو۔ کوارٹر میں تالا لگ چکا تھا۔ کرینی نے اس کے لیے ایک بیڈ اپنے کمرے میں لگوا لیا تھا تاکہ تنہائی محسوس نہ کرے۔

"لڑکی! اس طرح خاموش رہنے سے کیا ہوگا، کیوں تُو نے اپنے ہونٹ سی لیے ہیں، بھلا اس طرح بھی ہوتا ہے۔ موت تو اسی طرح اچانک آنے والی شے ہے۔ بندے کو معلوم نہیں ہوتا مگر وہاں تو اس کا پورا ٹائم ٹیبل لکھا ہوا ہے، وہاں ٹائم ختم ہوتا ہے اور یہاں بلاوا آ جاتا ہے تو جانا پڑتا ہے۔ موت کا ذائقہ تو ہر ذی روح کو چکھنا ہے، اس سے مفر کسی کو حاصل نہیں ہے"۔

"کیا کہوں میڈم! اور کیسے کہوں؟ ممی کے ساتھ میں بھی مرگئی ہوں"۔ اس کی دھیمی آواز آنسوؤں کے بوجھ سے لرز رہی تھی۔

"غلط بات ہے، مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرتا"۔

"آپ نہیں سمجھ سکتیں میڈم! جو ہمارے ساتھ ہوا ہے"۔ وہ شدت سے رو پڑی۔

"سمجھتی ہوں، انس نے مجھے سب بتا دیا ہے"۔

"نہیں سمجھ سکتیں آپ، میں پچھتاوؤں کے جس الاؤ میں جل رہی ہوں، وہ تکلیف صرف میں محسوس کر رہی ہوں یا وہ محسوس کرے گا جو میرے جیسے حالات سے گزرا ہو"۔

"یہاں آؤ، میرے پاس آکر بیٹھو"۔ گرینی کے اندر ایک دم ممتا جاگ اُٹھی تھی۔ وہ بیڈ پر اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

"ہاں، جو تمہارے دل میں ہے، جو تم سوچ رہی ہو، جس بات کا تمہیں پچھتاوا ہے، جو یاد تمہیں تکلیف دے رہی ہے، سب مجھ کو بتاؤ، کچھ بھی مت چھپانا، تمہارے دل پر جو بوجھ ہے، وہ سب اُتار پھینکو، مجھے بتاؤ۔ ان لمحوں میں تم مجھے اپنی ماں ہی سمجھو لو"۔ گرینی نے اسے رونے دیا، کافی دیر بعد وہ خاموش ہوئی تو انہوں نے انٹرکام پر شمو سے پانی کا کہا، وہ پانی لے آئی تو چائے کا آرڈر دے دیا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا ابھی تک کہ ممی مجھے چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ اتنی جلدی، اتنا اچانک وہ سب ہوا کہ مجھے یقین نہیں آرہا ممی کی جدائی کا"۔

گرینی کی شفقت نے اسے کھل کر رونے کا موقع دیا تھا۔ وہ جو گزشتہ دنوں کی گھٹن کا شکار تھی، طبیعت ہلکی پھلکی محسوس کرنے لگی تھی۔

"اللہ تمہیں صبر دے (آمین)"۔ گرینی دُعا گو ہوئیں۔

"میری ممی نے بہت تکالیف اُٹھائیں، بے حد دُکھ جھیلے۔ اپنوں کے ہاتھوں پہنچنے والی ہر ذلت، اذیت کو اپنا مقدر سمجھ کر برداشت کرتی رہیں، اس اُمید پر کہ کبھی تو اس شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا خیال ہوگا، کبھی تو انہیں خیال آئے گا کہ اُن کے نام سے وابستہ دو ہستیاں بھی اس دُنیا میں موجود ہیں، سویا ہوا ضمیر کبھی نہ کبھی تو بیدار ہوگا اور جس دن وہ بیدار ہوگا وہی دن ہمارا یوم نجات ہوگا"۔ اُمڈ آنے والے آنسوؤں نے اس کی آواز بھاری کردی۔

"میری ماں بہت خود دار، صابر اور نیک تھیں، اپنی ذات کے لیے وہ کسی سے لڑنا نہیں جانتی تھیں۔ لوگوں کی زیادتی وظلم کے جواب میں اُن کے پاس واحد ہتھیار خاموشی ہوتی تھی۔ اب بھی وہ اسی خاموشی سے چلی گئیں"۔

"بہت اچھی عورت تھی تمہاری ماں، بے حد نیک اور ملنسار"۔ اسی دم شمو دروازہ کھول کر اندر آئی اور بولی۔

"باہر کوئی ملنے آئے ہیں آپ سے"۔ وہ کرن سے مخاطب ہوئی تھی۔

"کون؟" وہ بے دھیانی سے بولی تھی پھر اک دم ذہن میں جھماکا ہوا کہ یہاں تو ایک وہی آسکتا ہے اور کوئی نہیں۔

☆......☆......☆

"کرن...... کرن! وہ چوکیدار کیا کہہ رہا ہے؟ پھپھو کہاں ہیں؟ گیٹ پر تالا کیوں لگا ہوا ہے؟" اس کی آواز، اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ گیٹ پر چوکیدار نے اسے جو خبر دی تھی اس نے اسے بدحواس کر ڈالا تھا۔ وہ چوکیدار سے کوئی بات کیے بنا بھاگتا ہوا کوارٹر کی طرف گیا تھا، وہاں دروازے پر پڑے تالے نے اس کے حواسوں کو مزید منتشر کر دیا تھا۔ اس نے چوکیدار سے کرن کے متعلق پوچھا تو اس نے ملازمہ سے کرن کو بلانے کو کہا تھا۔ کرن کے آنے تک وہ بے کل سا دُعائیں مانگتا رہا تھا۔

"اللہ کرے یہ بات جھوٹ ہو، جو میرے کانوں نے سنا ہے، وہ غلط ہو۔ پھپھو، میری پیار پھپھو اس طرح کیسے جا سکتی ہیں"۔ وہ سوچ رہا تھا لیکن جس طرح سوچا ہوا پورا نہیں ہوتا ایسے ہی ہر دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ وائٹ پُرشکن لباس، اُلجھے بکھرے بال، شدت گریہ سے سُرخ و سوجی ہوئی آنکھیں، رنج والم کی تصویر بنا سراپا، چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا جو اس نے سنا ہے، وہ دُرست ہے۔

"کرن! بولو نا، خاموش کیوں ہو؟ کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا یہ سب؟ اتنا بڑا سانحہ گزر گیا اور تم نے ہمیں اطلاع تک نہیں دی۔ پھپھو کے آخری دیدار سے بھی محروم رکھا، کیوں کیا تم نے ایسے، کیوں کیا؟" وہ جو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رہتا تھا، اس وقت بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"تم اتنی کٹھور و سنگ دل ہو گی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اپنوں کے ہوتے ہوئے پھپھو غیروں کے کاندھوں کے سہارے سفرِ آخرت پر روانہ ہوئیں۔ تم ضدی، خودسر تھیں، حالات کو دیکھتے ہوئے میں تمہیں ان رویوں میں حق بجانب سمجھتا تھا لیکن اب جو تم نے کیا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ تم بے حس، بے رحم لڑکی ہو۔ انا پرست و خود پسند لڑکی"۔ روتے روتے وہ چیخا تھا۔

"تم نے اتنا بڑا ظلم کیا ہے، اتنی بڑی زیادتی کی ہے کہ میں آئندہ خواب میں بھی تمہاری صورت تو کیا پرچھائیں دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میں نے تمہارے حوالے سے کتنے خواب دیکھے تھے، ایک اچھی و کامیاب زندگی گزارنے کے، دُنیا بھر کی خوشیوں سے تمہارا دامن بھرنے کے، اُن خوابوں میں محض ہمارے ہی وجود نہ تھے بلکہ پھپھو جان کے وجود کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ ہمارے ہر سکھ، ہر راحت، ہر خوشی کی ابتدا اُن کے وجود سے تھی، میرے خواب آنکھ کھلنے سے قبل ہی ٹوٹ گئے تھے۔ میری مسافتیں ہمیشہ کے لیے منزل کھو بیٹھی ہیں۔ تم میری زندگی کی اوّلین خواہش تھی، آخری آرزو تھیں، جو اب ہمیشہ کے لیے میرے لیے کسک بن جائے گی۔ بہت بُرا کیا ہے تم نے، ناقابلِ معافی جرم ہے تمہارا"۔ وہ کرن کو نفرت سے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اوپر ٹیرس پر کھڑا انس کیلئے بال ٹاول سے رگڑتا وہاں آیا تھا، لان میں کھڑے اجنبی نوجوان کو دیکھ کر رُک گیا، پھر کرن آ گئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو نے غیر ارادی طور پر اُسے رُکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خاموش کھڑا وہاں سن رہا تھا۔

"اگر کہہ چکے ہو تو چلے جاؤ یہاں سے اور کبھی پلٹ کر مت آنا، جو تعلق درد کے ہوں اُنہیں توڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ میں اپنی ماں کے قاتلوں سے کوئی واسطہ رکھنا بھی نہیں چاہتی ہوں"۔ اس کی بھیگی آنکھوں و شعلے اُگلتے ہونٹوں و زرد چہرے پر ایسی کوئی بات ضرور تھی جو حمزہ ہزار ہا غصے و اشتعال کے باوجود چونک اُٹھا تھا، پھر اس کے آخری جملے نے اسے بے چین کر ڈالا تھا۔

"ہمیں ہمارے حق سے محروم رکھنے کے باوجود تمہاری یہ بدظنی و نفرت ختم نہیں ہوئی۔ کیا چاہتی ہو تم آخر؟ اب کیا رہ گیا ہے؟" وہ چیخ اُٹھا۔

"میری ماں جن سانپوں کو دُودھ پلاتی رہی، انہوں نے ہی اسے ڈس لیا۔ میری ماں کو مار کر مجھ سے حساب مانگنے آئے ہو اور کیوں نہیں مانگو گے، خون تو اُن کا ہی ہو، جو مارتے ہیں اور رونے بھی نہیں دیتے، چھپ کر وار کرتے ہیں پھر نشانہ بھی خطا نہیں ہونے دیتے"۔ وہ بھی بپھر اُٹھی تھی۔ اندر سے شمو چند تیز آوازیں سن کر باہر نکل آئی تھی۔

میرس پر سے انس اندر چلا گیا تھا، چند لمحوں بعد وہ نیچے آ رہا تھا۔

"میری ماں کا خون اپنی آستینوں میں، اپنے چہرے پر دیکھو" ۔ وہ کہہ کر اندر چلی گئی، پیچھے شمو اور چندا بھی چلی گئی تھیں۔ حمزہ گومگو کی حالت میں کھڑا اسے اندر جاتا دیکھ رہا تھا۔

اس کا جارحانہ انداز، مبہم لہجہ اسے ذہنی خلجان میں مبتلا کر چکے تھے۔ کرن سے اکثر اس کی کھٹ پٹ ہو جاتی تھی، وہ منہ پھٹ و صاف گو سدا کی تھی، وہ بات بغیر کسی لگی لپٹی مقابل کے منہ در منہ کہا کرتی تھی۔ اب بھی اُس کا انداز وہی تھا لیکن لہجہ بالکل مختلف تھا۔

"السلام علیکم، آئم انس مدثر۔ آپ مجھے کچھ وقت دیں گے؟" حمزہ جو اسی کیفیت میں کھڑا تھا، اندر سے آتے وجیہہ و اسمارٹ شخص کو دیکھ کر رُک گیا تھا۔

☆......☆......☆

لینڈ کروزر دُور سے آتی دیکھ کر چوکیداروں نے مستعدی سے وہ بھاری بھرکم گیٹ کھول دیا تھا۔ اندر کا سرسبز و شاداب منظر نگاہوں کو تراوٹ بخشنے کے لیے کافی تھا۔ وسیع و عریض لانز کے سبزے، تناور درختوں، پھلوں و پھولوں کے درمیان ایستادہ سنگ مرمر کی خوب صورت عمارت پر جدید دور کے تاج محل کا گمان ہو رہا تھا۔ لینڈ کروزر روانی سے چلتی ہوئی گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی اور کچھ فاصلے پر رُک گئی تھی۔

گاڑی رُکتے ہی وہ ملازم نہ معلوم کس کونے سے برآمد ہوا اور جھٹ آگے بڑھ کر دروازہ بے آواز انداز میں کھولا تھا۔

"سلام مالک!" اُس نے گاڑی سے نکلتے برہان لغاری کو مؤدبانہ انداز میں سلام کیا تھا۔ ڈارک تھری پیس سوٹ میں ملبوس برہان لغاری کے چہرے پر بلا کی رعونت و نخوت تھی۔ وہ گردن اکڑائے حاکمانہ انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

ملازم کے سلام کا جواب دینا تو درکنار، اُنہوں نے ایک نگاہ اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہ کیا جو بریف کیس اُٹھائے غلامانہ انداز میں پیچھے آ رہا تھا۔ کوریڈور، لاؤنج عبور کرتے ہوئے کئی ملازم و ملازمائیں تھیں جنہوں نے اُنہیں ایسے ہی جھک جھک کر بے حد مودبانہ انداز میں سلام کیا تھا اور وہ اسی کروفر سے آگے بڑھتے رہے تھے۔ ملازم بریف کیس لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ ایک کمرے میں آ گئے جہاں ایک معمر خاتون نماز کی چوکی پر بیٹھی تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھیں۔ سفید سوٹ میں اُن کے سرخ و سپید چہرے کا جاہ و جلال نمایاں تھا۔ برہان لغاری نے محبت بھری نگاہ اُن کے چہرے پر ڈالی، پھر مودبانہ انداز میں اُن کے قریب بیٹھ گئے تھے۔

کمرے کی ٹھنڈی و خاموش فضا میں تلاوت کی دھیمی آواز گونج رہی تھی۔ برہان کی آمد بھی اُن کے انہماک کو جز بز نہ کر سکی تھی۔ بہت اطمینان سے انہوں نے سپارہ مکمل کیا تھا۔ قرآن چوم کر جزدان میں لپیٹ کر ریک میں رکھا تھا پھر چہرے پر ہاتھ پھیرتی ہوئیں وہ اُن کی طرف متوجہ ہوئیں اور مسکراتے ہوئے اُن پر پھونک مارنے لگی تھیں۔

"السلام علیکم والدہ حضور!" ماں کو فارغ دیکھ کر انہوں نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، سدا خوش رہو" ۔ اُنہوں نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''والدہ حضور! اُسے آپ نے بلوالیا ہے نا؟''

''نہیں''۔

''نہیں، کیوں؟''

''تمہارے لیے ایک خبر ہے''۔

''کیا خبر ہے؟''

''نوشابہ مرچکی ہے''۔

''یہ بہت اچھی خبر ہے، اگر وہ نہ مرتی تو میں اسے ماردیتا''۔ برہان کے لہجے میں زخمی بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی۔

''تمہارے والد کو کتنا سمجھایا تھا کہ غیر برادری کی لڑکی مت لاؤ، رشتے داری ہم پلہ، برابر حیثیت والوں سے جوڑنی چاہیے، مگر وہ نہیں مانے، لے آئے بے حیثیت خاندان کی ادنیٰ لڑکی اور آتے ہی دکھادی اس نے اپنی اوقات۔ ایک سال بھی وہ ٹک نہ سکی تھی''۔

''وہ وقت گزر گیا، ہم نے بھی اُس کی من مانی کی پوری پوری سزادی تھی بلکہ وہ اس قابل نہ تھی کہ اتنے سال ہمارے نام کے ساتھ عیاشیاں کرتی۔ ہمیں بہت پہلے اس کی ناک چوٹی کاٹ کر نکال پھینکنا چاہیے تھا''۔ نوشابہ کے ذکر پر وہ اشتعال کا شکار تھے۔

''چھوڑو اس ذکر کو، وہ مرگئی، خس کم جہاں پاک۔ تم نے اسے طلاق دے دی تھی، بہت اچھا کیا۔ ہم تو پہلے کہہ رہے تھے جان چھڑاؤ اس سے، خیر اب مسئلہ رہ جاتا ہے کرن کا۔ اس نے تربیت ایک غلط عورت کی گود میں پائی ہے تو اسے وہی تربیت ملی ہے جو دی گئی تھی۔ ہمارے درمیان رہے گی تو بدل جائے گی وہ، اسے یہاں بلواؤ، وہ ہمارا خون ہے اور ہم اپنی زمینیں اور اولاد کبھی دان نہیں کرتے۔ کل رات کی تاریکی سے قبل ہم اسے یہاں اپنے رُوبرو دیکھنا چاہتے ہیں''۔ اُن کی بارعب آواز میں تحکم پیدا ہوگیا تھا۔ اسی دم پردے کے پیچھے سے منال اندر آئی تھی۔

''اوہ ڈیڈی! آپ آگئے، دودن کا کہہ کر گئے تھے، پورا ہفتہ لگادیا آپ نے''۔ وہ مسکراتی ہوئی باپ کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

''مشینری میں نے جاتے ہی خرید لی تھی، موسم کی خرابی کے باعث فلائٹ نہیں مل رہی تھی''۔ وہ اس سے خوش گوار انداز میں مخاطب تھے۔

''اوکے، یہ کس کو گھر لانے کی باتیں ہورہی ہیں؟''

کرن! آپ کی جونیئر سسٹر، اب یہیں رہے گی''۔

''سسٹر! اٹس ناٹ فنی، میری کوئی بہن نہیں ہے''۔ وہ سخت کبیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

''تمہارے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، اس حقیقت کو تمہیں تسلیم کرنا ہوگا''۔ والدہ حضور سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

''فضول میں، ڈیڈی کی تمام دولت وجائیداد کی میں مالک ہوں۔ میرے علاوہ اس میں کوئی شیئر نہیں کرسکتا''۔

"منال! حدِ ادب کے دائرے سے باہر مت نکلو۔ والدہ حضور سے بات کرتے ہوئے آپ کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ بچپن سے آج تک ہم نے ان کی ہر بات مانی ہے اور آخری سانس تک مانیں گے۔ آئندہ ایسی بدتمیزی ہم بالکل برداشت نہیں کریں گے۔ سوری کرو دادی حضور سے"۔ منال کا تیز لہجہ و باغیانہ انداز برہان کو نہ بھایا تو وہ تنبیہی لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے۔

"سوری گرینڈ مدر! سوری ڈیڈی! مجھے غصہ آ گیا تھا"۔

"اچھا اچھا، ٹھیک ہے جاؤ اب میں عصر کی اذان تک آرام کرنا چاہتی ہوں"۔ وہ چوکی سے اُٹھ کر ملحقہ کمرے میں آرام کرنے چلی گئیں۔

☆......☆......☆

سنتے ہیں اپنے ہی تھے گھر لوٹنے والے

اچھا ہوا میں نے یہ تماشہ نہیں دیکھا

یہ شہرِ صداقت بھی عجب شہر ہے شبنم

میں نے یہاں ایک شخص بھی سچا نہیں دیکھا

انس نے اسے سعد کی شادی میں رُونما ہونے والے اس واقعے کی تفصیل بتادی تھی اور وہ دم بخود سا بیٹھا رہ گیا تھا۔

"میں اپنی ماں کے قاتلوں سے کوئی واسطہ رکھنا بھی نہیں چاہتی ہوں۔ میری ماں جن سانپوں کو دُودھ پلاتی رہی، اُن ہی سانپوں نے اسے ڈس لیا"۔ کرن کی بھیگی آواز اُس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے وہ کار ڈرائیو کر کے گھر آیا تھا اور بے جان قدموں سے اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔ سب گھر والے شادی کی تقریب اٹینڈ کرنے گئے ہوئے تھے، لہٰذا گھر میں گہری خاموشی کا راج تھا۔ وہ جوتے اُتارے بغیر بیڈ پر اوندھا لیٹ گیا۔ اس کی رگ رگ میں انگارے سُلگ رہے تھے۔ دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا اور دماغ ماؤف سا ہو گیا تھا۔

آج اُس پر ایک قیامت گزری تھی، پے در پے دُکھوں کا شکار ہوا تھا وہ۔ جان سے بڑھ کر چاہنے والی پھپھو کی اَبدی جدائی اس کے لیے زبردست شاک تھا۔ اُس دن تو وہ اُن کو ہنستا مسکراتا چھوڑ کر آیا تھا۔ جب وہ واپسی کے لیے اُٹھا تھا تو وہ بڑے پیار سے اُسے دوبارہ آنے کی تاکید کرتی رہی تھیں، اس بات سے بے خبر کہ پھر ملنا مقدر میں کہاں تھا۔

"پھپھو...... پھپھو! کہاں ڈھونڈوں آپ کو؟ اتنی دُور چلی گئیں، میں کتنا غلط تھا۔ نہ معلوم کیوں آپ کی موت کی خبر مجھے حواسوں سے بیگانہ کر گئی تھی، یہ احساس ہر شے پر حاوی تھا کہ میں آپ کو اب کبھی نہ ڈھونڈ پاؤں گا، دُنیا کے جھمیلوں میں گُم لاکھوں، کروڑوں لوگوں کے چہروں میں کبھی مجھے آپ کا چہرہ نظر نہ آئے گا اور میں کیسے جی پاؤں گا؟" یکلخت ہی وہ اُٹھ کر بیٹھا تھا اور شدت سے رونے لگا تھا۔

"میں نے کبھی کرن کو اُس کی زیادتی پر بھی کچھ نہیں کہا، اس کا غصہ، اس کی کڑوی باتیں، اس کی ہر زیادتی مجھے کبھی ناگوار نہ گزری

تھی لیکن اس نے جو آپ کے آخری دیدار سے محروم رکھ کر عمر بھر کا زخم دیا ہے، شاید اس زخم کے بھرنے تک میں اسے معاف نہ کرسکوں اور گھر میں رہنے والے پتھر دل لوگوں کو تو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا"۔ وہ تکیہ اُچھال کر جنونی انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور وارڈ روب سے اپنے کپڑے اور اہم ڈاکومنٹس نکال کر سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔

دوسرے دن سنڈے تھا۔

رات سب شادی ہال سے لیٹ آئے تھے پھر چھٹی کی وجہ سے سب ہی سو کر دیر سے اُٹھے تھے۔ چھٹی والے دن ناشتہ تینوں بھائی، بیوی، بچوں کے ہمراہ لانگ روم میں کرتے تھے جس کے لیے وہ تینوں دیورانیاں، جٹھانیاں مل کر خاصا اہتمام کرتی تھیں۔ ابھی وسیع دستر خوان انواع واقسام کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا، دستر خوان کے گرد سب بیٹھ گئے تھے۔ آسیہ چائے تھرماس میں بھر کر لائیں تو کمرے میں حمزہ کی غیر موجودگی پر صمد کو اسے بلانے بھیجا تھا۔

"وہ کہہ رہے ہیں مجھے بھوک نہیں ہے"۔ صمد کا انداز پریشان کن تھا جو وہاں تو کسی نے محسوس نہیں کیا مگر آسیہ کی زیرک نگاہوں سے صمد کی گومگو کیفیت چھپ نہ سکی تھی۔

"آپ لوگ شروع کریں میں بلا کر لاتی ہوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں سدا سے لاپرواہ ہے، ذرا اپنی صحت کا خیال نہیں ہے اسے"۔ وہ کہتی ہوئی وہاں سے گئیں تو رخسانہ اور راحیلہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے ناشتے کے لوازمات شروع کیے تھے۔

"تم دن بدن تمیز وتہذیب بھولتے جارہے ہو، تمہیں معلوم ہے ہفتے میں ایک دن تمہارے پاپا اور چچا سب کے ساتھ ناشتہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کی پوری فیملی اُن کے ساتھ ہو"۔ وہ آتے ہی برسی تھیں، پیچھے صمد بھی چلا آیا تھا۔ حمزہ کی حالت نے اُسے بے چین کر دیا تھا۔

"مگر تم ہر گزرتے دن کے ساتھ ہم سے دُور ہوتے جارہے ہو، گویا ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ من مانی کی عادت اچھی نہیں ہوتی ہے۔ کسی اور کی نہیں اپنی پھپھو کی ناکام زندگی سے سبق سیکھو، اس کی بھی من مانی کرنے کی عادت......"

"فار گاڈ سیک مما! اب تو ان کا پیچھا چھوڑ دیں، قبر کی تاریک گہرائیوں میں پہنچانے کے باوجود آپ لوگوں کو چین نہیں آیا"۔ وہ جو خاموش کھڑا تھا آسیہ کو ذوشابہ کے خلاف اسٹارٹ لیتے ہوئے دیکھ کر چلا پایا تھا۔

"بھیا! کیا کہہ رہے ہو؟ پھپھو کے لیے ایسے لفظ استعمال کر رہے ہو......" صمد کی سماعتوں پر گویا بجلی سی گری تھی، وہ ایک جست میں اس کے قریب آیا، جبکہ آسیہ بھی ہکا بکا کھڑی اس کے لفظوں کو سمجھنے کے چکر میں اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

بکھرے بال، سُرخ بے خواب آنکھیں، بڑھی شیو اور پُرشکن لباس......

"پھپھو ہمیں چھوڑ گئیں صمد! وہ ہم سے اتنی دُور چلی گئیں کہ کبھی ہم انہیں ڈھونڈ ہی نہ پائیں گے"۔ وہ صمد سے چپٹنے سے لگا کر رو پڑا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، تمہیں کیا معلوم وہ کہاں ہے؟ تمہیں کس نے بتایا وہ مر گئی؟" آسیہ دھیمے و مضطرب آمیز لہجے میں استفسار کر رہی تھیں۔

"یہ کس طرح ہوا بھائی! مجھے یقین نہیں آ رہا، پھپھو ہمیشہ کے لیے چلی گئیں"۔

صمد کو بھی مہربان و شفیق پھپھو کی جدائی کا گہرا صدمہ ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تو کیا بکواس کر رہا ہے حمزہ"۔ وہ بُری طرح سراسیمگی کا شکار ہو کر گویا ہوئی تھیں۔ اِدھر یہاں سے جاتی آوازوں نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔ پہلے رخسانہ، پھر راحیلہ اندر داخل ہوئی تھیں، پیچھے اُن کے زرقون اور مہرون تھیں۔

"خدایا خیر! کیا ہوا بڑی بھابی، یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہاں کے منظر نے انہیں بدحواس کر دیا تھا۔ وہ گھبرا کر بولی تھیں۔

"یہ حمزہ...... کہہ رہا ہے...... نوشابہ...... مر...... گئی......"

"اوہ! کب، کس طرح......؟" راحیلہ بوکھلا کر بولیں جب کہ زرقون فوراً یہ خبر باپ اور چچاؤں کو سنانے کے لیے دوڑی تھی اور پھر آن واحد میں حمزہ کا بیڈروم گھر کے تمام لوگوں سے بھر گیا تھا۔ اس وقت ان کے چہروں سے بے یقینی و تجسس جھلک رہا تھا۔ نگاہیں دگرگوں حالت والے حمزہ پر جمی تھیں۔

"کیا لغو مذاق ہے یہ، کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" عاصم کڑے انداز میں حمزہ کو گھورتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

"وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھیں، اپنا کوئی پتہ، ٹھکانہ نہیں بتایا تھا پھر آپ کو الہام ہوا ہے یا کوئی خواب میں بتا کر گیا ہے"۔ مجھلے چچا آصف جو بھوک کے کچے تھے، صبح ہی ایسی بات وہ بھی لوازمات سے بھرے دستر خوان کو چھوڑ کر اُٹھنے پر سخت بدمزاجی کا شکار ہو کر بولے۔

"نہیں، یہ معلوم کرنے کا طریقہ مناسب نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں حمزہ بیٹا! ایسی بات بغیر کسی ثبوت یا یقین کے نہیں کہہ سکتا۔ نوشی سے اس کی محبت کی انتہا سے سب ہی واقف ہیں"۔ چھوٹے چچا جو دونوں بڑے بھائیوں سے مزاج مختلف رکھتے تھے، بے حد صلح جو ذی فہم تھے۔ حمزہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا تھے۔

"آپ نوشی سے ملتے رہے تھے؟ آپ اس کے ٹھکانے سے واقف تھے؟ کیسے ہوا یہ سب؟ وہ بہت حوصلہ مند اور صابر تھی، بڑے بڑے طوفانوں کا تنہا مقابلہ کرنے والی۔ ہر ظلم و جبر کو خاموشی سے سہنے والی، ایسی کیا زک پہنچی اسے جو وہ دُنیا ہی چھوڑ گئی۔ یقیناً کوئی بڑی تکلیف، کوئی ایسی اذیت جو وہ برداشت نہ کر سکی، کیا ہوا ہے حمزہ! مجھے بتاؤ"۔

"یہ مجھ سے زیادہ اچھی طرح سے ان خواتین کو معلوم ہے، ان سے پوچھئے"۔ وہ ان تینوں کے سفید پڑے چہروں کو ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھتا ہوا گویا ہوا تو اپنی جانب سب کی نگاہوں کا رُخ دیکھ کر اس بُری طرح بوکھلائیں کہ سچ از خود ہی ان کے منہ سے نکلنے لگا۔

"یہ سب بڑی بھابی اور آسیہ بھابی نے کیا ہے، میرا کوئی قصور نہیں ہے، میں تو اس دن گھر میں نہیں تھی جس دن برہان لغاری نوشابہ اور کرن کو لینے آئے تھے"۔ راحیلہ نے عامر کی خشمگیں نگاہیں خود پر محسوس کر کے تیزی سے کہا تھا۔

"کیا...... برہان لغاری یہاں آئے تھے؟ کرن اور نوشابہ کو لینے مگر کب؟ اور ہمیں کیوں ان کی آمد سے بے خبر رکھا گیا؟" عاصم بے یقینی سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے گرجے تھے۔

"وہ...... وہ...... وہ آسیہ! تم کہو نا"۔ رخسانہ جو اُن میں سب سے زیادہ حاضر دماغ، چالاک و فتنہ پرور تھیں، اس وقت اُن کی مکاریوں و چال بازیوں نے بالکل ساتھ چھوڑ کر انہیں بے دست و پا کر دیا تھا۔ دوسروں کو مزے سے فساد و فتنے کا درس دینے والی کو کوئی راہ فرار نظر نہیں آ رہی تھی۔

"میں کیا کہوں، آپ نے کچھ کہنے کے قابل چھوڑا ہی کہاں ہے۔ یہ آپ کا کیا دھرا ہے، میں تو ڈر کے مارے آپ کی باتوں میں آ گئی کہ حکمرانی گھر میں آپ کی چلتی ہے، اگر ساتھ نہ دیا تو وہی مثال ہو جائے گی کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر"۔ راحیلہ کو آنسو بہاتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی تھیں۔ آنسو بہانے میں انہیں دشواری کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا تھا کہ جو کہا تھا اس کا پول اس طرح اُن کے سامنے ہی کھل جائے گا جس سے وہ چھپاتی رہی تھیں، کس کس طرح لگائی بجھائی سے انہوں نے ان بھائیوں کے دل سے بہن و بھانجی کی محبت نکال پھینکی تھی، اب وہی بازی جسے وہ جیت سمجھ رہی تھیں، شکست بن کر اُن پر اُلٹی تھی تو خود کو بچانے کے لیے وہ ایک دوسرے پر ہی الزام تھوپ رہی تھیں۔

"اوہ، تم دونوں تو بڑی دودھ کی دُھلی ہو، مجھ پر الزام لگا کر بچتی ہو بچ جاؤ گی۔ ہرگز میں ایسا نہیں ہونے دوں گی"۔ رخسانہ غصے سے چیخی تھیں۔ اسی لمحے عاصم صاحب نے آگے بڑھ کر پے در پے تھپڑوں سے اُن کا چہرہ لال کر دیا تھا۔ عامر اور آصف نے مشکل سے انہیں پکڑ کر دُور کیا تھا۔

"بھائی جان! خود کو سنبھالیے، یہ وقت ان ناہنجار عورتوں سے نمٹنے کا نہیں ہے، پہلے پوری تفصیل معلوم کریں، ان کا فیصلہ بعد میں ہوگا"۔ آصف اپنی بیوی راحیلہ پر قہر آلود نگاہ ڈال کر گویا ہوئے۔

حمزہ نے ان سے پہلی ملاقات پھر کل کرن اور پھر اُس سے ہونے والی تمام گفتگو حرف بہ حرف دہرا دی تھی۔

کمرے میں موت کا سا سکوت چھا گیا تھا۔

تینوں بھائیوں کے چہروں پر رنج و اَلم کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اُنہیں آج اپنی ایک ایک غلطی، ایک ایک کوتاہی کا احساس ہو رہا تھا۔ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن جو چھوٹی ہونے کے ناتے، تینوں کی بے حد لاڈلی تھی، آنکھ کا تارا تھی، شادی سے قبل وہی مرکزِ نگاہ تھی، گھر میں داخل ہونے کے بعد اُن کی نگاہوں کا محور وہی ہوتی تھی۔

عاصم اس کے لیے چاکلیٹ اور فروٹ لانا نہیں بھولتے تھے تو آصف کا روز کا معمول تھا رات کو کھانے کے بعد اسے آئس کریم کھلانے لے کر جانا اور عامر اُس کے لیے رنگ برنگے ربن، اسٹوری بکس اور کلر پینسلز پابندی سے لاتا تھا اور وہ بھی اُن پر جان چھڑکتی تھی، عاصم کو چائے پینے کی عادت تھی، ہر بار وہ بغیر کہے اسٹرونگ چائے کا مگ بڑی محبت سے اُنہیں تھماتی تھی۔

آصف کو ڈریسنگ کا بڑا شوق تھا، اُن کے تمام کپڑے وہی پریس کرتی تھی۔ عامر کی بکھری ہوئی چیزوں و پھیلے ہوئے کمرے کو

سنوارنے کا ہنر صرف وہی جانتی تھی۔ بے حد مستعدی وچستی، پھرتی اس میں موجود تھی۔ اُن تینوں کے ساتھ ساتھ وہ اماں ابا اور گھر کا خیال بڑی نفاست سے رکھتی تھی۔ اس کی شادی پر تینوں بھائیوں کی آنکھیں نم تھیں۔

شادی کے بعد برہان کا رویہ اور ساس کی بے جا تنقید و جھگڑوں نے انہیں پریشان کر ڈالا۔ وہ تینوں ہی نوشابہ کو وہاں چھوڑنے پر راضی نہ تھے مگر ابا کا دباؤ، خاندان والوں کی مداخلت پر وہ بمشکل نوشابہ کو وہاں چھوڑنے پر راضی ہوئے تھے کہ کرن کی پیدائش پر جب زندگی ان لوگوں نے ان پر بالکل ہی تنگ کر دی تو عاصم خود جا کر اسے لے آئے تھے اور کہہ آئے تھے کہ اگر برہان کو بیٹی اور بیوی کے حقوق کی پاسداری کا احساس ہو جائے تو اسے آ کر لے جائیں، اب نوشابہ از خود یہاں نہیں آئے گی۔ وہ بہن و بھانجی کو گھر لے آئے تھے، بہت مان و پیار سے رکھا تھا۔

پھر نہ معلوم کیا ہوا۔

کیسا وقت بدلا تھا جو اُن کی نگاہیں، احساسات و جذبات بھی بدل گئے تھے۔ کاروباری مصروفیات از حد بڑھتی چلی گئیں، تینوں بھائیوں نے بچوں اور بیویوں کی ناز برداریوں میں سب کچھ فراموش کر ڈالا تھا۔

”وہ بچپن سے میری ہر بات پر عمل کرتی تھی، دیکھو مرتے مرتے بھی اسی تابعداری کا مظاہرہ کر کے گئی ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ ہمارے لیے مرگئی، ہم اُس کے لیے۔ کبھی شکل مت دکھانا تو اُس نے وہی کیا۔ آخری دیدار سے ہمیں محروم رکھا، ہمارا کاندھا تک لینا گوارا نہ کیا“۔ عاصم بے ساختہ رو پڑے تھے۔ عامر اور آصف ان کے بازوؤں سے لپٹ گئے تھے۔

”ہمارے گلشن میں محبت وچاہت کے پھول کھلتے تھے، پنچھی خوشیوں کے گیت گاتے تھے، ہر سو یگانگت ومروت کی خوشبوئیں مہکتی تھیں...... نفرتوں و بے گانگی کے ببول اِن حاسد عورتوں نے بوئے اور اس قدر صفائی ومہارت سے جو ہماری آنکھوں میں، ہمارے دلوں میں پیوست ہو گئے اور ہم محسوس بھی نہ کر سکے“۔ جانے والی جا چکی تھی، جس محبت واپنائیت کو وہ ترستی چلی گئی وہ اب اُس کے جانے کے بعد بیدار ہوئی بھی تو بے مصرف تھی۔ کل جن اپنوں نے اُس بدنصیب عورت کو خون کے آنسو رلایا تھا، آج وہ اُسے یاد کر کے رو رہے تھے۔

لیکن پانی کی پیاس تشنگی بروقت ضرورت پوری نہ ہو تو بے مصرف ہے۔ وہ محبت وخلوص کے چند قطروں کو ترستی پیاسی چلی گئی تھی، اب اُن کا ہر افسوس، ہر آہ بے کار تھی۔

☆......☆......☆

سعد اور فاریہ اُسے لینے آئے تھے۔

کھانے کے بعد وہ مدثر صاحب کی معیت میں لیونگ روم میں بیٹھے تھے، انس بھی موجود تھا۔ کرنی اپنی وہیل چیئر پر وہاں تھیں۔

مدثر صاحب کا رویہ اوّل روز سے ہی اُس کے ساتھ بہت مشفقانہ ونرم رہا تھا، اس واقعے کے بعد وہ بہت زیادہ اُس کا خیال رکھنے لگے تھے۔ اُن ہی کے اصرار پر وہ یہاں رہ رہی تھی۔ سرونٹ کوارٹر پر تالا لگا دیا گیا تھا۔

"گرینی! نوشابہ آنٹی نے مجھے بیٹا بنایا تھا، میں جو رشتوں کے معاملے میں بالکل قلاش تھا، اُن جیسی فرشتہ صفت عورت کو میں نے دل و جان سے ماں کے درجے پر فائز کیا تھا، وہ میری توقعات سے بڑھ کر بامروت و پُرخلوص ثابت ہوئی تھیں۔" سعد دھیمے انداز میں کہہ رہا تھا اور ماں کے ذکر پر کرن ہونٹ بھینچ کر آنسو ضبط کر رہی تھی۔

"اُن کے بھائی ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے کرن کی ذمہ داری نبھانا، میں اسے گھر لے جانا چاہتا ہوں"۔

"کرن کو یہاں کیا تکلیف ہے، یہ یہاں رہ سکتی ہے"۔ گرینی بولیں۔

"گستاخی معاف گرینی! دراصل بات یہ ہے کرن یہاں جاب کرتی ہے، میں بہت پہلے انہیں یہاں سے لے جانا چاہتا تھا مگر جب مسئلہ تھا ان کی خودداری اور میرا التجا ہونا، اب فاریہ گھر میں ہے، کوئی اپنی گری ہوئی سوچوں پر عمل پیرا نہ ہو سکے گا۔ میں اسے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں"۔ وہ سنجیدگی سے اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔

"تم کچھ دنوں کے لیے اسے لے جا سکتے ہو"۔ اس کی کھلی وضاحت کے باوجود گرینی سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

سعد نے اُلجھن آمیز نگاہوں سے انس کی جانب دیکھا تھا، جواباً اُس نے اس انداز میں شانے اُچکائے تھے، گویا کہہ رہا ہو، "میں کچھ نہیں کر سکتا"۔

"سعد بیٹے! مما کی کرن سے محبت اپنی جگہ مگر اصل فیصلہ کرن کو کرنا ہے، یہ باشعور ہے، فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کو اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہے"۔ مدثر صاحب نے گمبھیر ماحول میں شگفتگی سے کہا تھا۔

"کرن! انکل کی بات دُرست ہے، فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے"۔ فاریہ نے کہا۔

"رشتوں کے جو مکروہ چہرے میں نے دیکھے ہیں اگر آپ سب لوگوں کی بے غرض اور بے لوث مہربانیاں ہم پر وارد نہ ہوتیں تو انسانیت پر سے ہی میرا یقین متزلزل ہو چکا ہوتا، سعد بھائی نے اُس وقت سہارا نہ دیا ہوتا تو نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا ہوتا، پھر یہاں کے لوگوں کی مہربانیوں کو بھی میں بھلا نہیں سکتی۔ سعد بھائی! میں آپ کے جذبوں اور خلوص کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کو رشتوں کا مان رکھنا آتا ہے، مجھے فخر ہے ایسے بھائی کو پانے پر، مگر میں گرینی کی خدمت سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ مجھے ماں کی خدمت کا موقع نہ مل سکا، وہ حسرت میں گرینی کی خدمت کر کے پوری کروں گی"۔

انس نے چونک کر اُس کی جانب دیکھا تھا جس کے لہجے کی صداقت نے اُسے متاثر کیا تھا۔ گرینی کے لیے اُس کی خدمت و توجہ کو وہ پہلے فراڈ اور ڈرامہ سمجھتا تھا، پھر آہستہ آہستہ سچ اُس کے سامنے آتا گیا تھا اور اب جبکہ وہ گرینی جیسی پل پل موڈ بدلتی بیمار و اپاہج کے وجود سے جان چھڑانے کا بہترین موقع ضائع کر رہی تھی تو یہ اُس کی اعلیٰ تربیت و بہترین حسن سلوک کی اعلیٰ نشانی تھی۔

سعد اور فاریہ چلے گئے تھے۔ وہ گرینی کی چیئر دھکیلتی ہوئی کمرے میں لے آئی اور بیڈ پر لیٹنے میں اُن کی مدد کرنے لگی۔ اُن کے بیڈ پر لیٹنے کے بعد وہ وہیل چیئر اسٹور روم میں رکھ کر نکل رہی تھی، جب اس نے شمو کو اپنی جانب آتے دیکھا تھا۔

"بڑے صاحب بلا رہے ہیں"۔ اس نے اطلاع دی تھی، وہ ان کے روم کی طرف چلی آئی تھی۔ دروازے پر ناک کر کے اندر چلی گئی تھی۔

"آئیں کرن! یہاں بیٹھیں"۔ وہ صوفے پر بیٹھے تھے اور دوسرے صوفے کی طرف اشارہ کر کے مخاطب ہوئے تھے۔

وہ بیٹھ گئی تھی، ایک طرف سنگل صوفے پر انس بھی بیٹھا ہوا تھا اور دونوں باپ بیٹے کے چہروں پر غیر معمولی سنجیدگی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"آپ نے مجھے بلایا ہے سر!" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے فادر کی کال آئی تھی، وہ آپ کو یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں"۔ مدثر بلا کسی تمہید کے گویا ہوئے تھے۔

"آپ نے کیا کہا؟" اس کے اندر سلگتی آگ باپ کے نام سے بھڑک اٹھی تھی، جو باپ کی پہلی نفرت بھری نگاہوں نے لگائی تھی۔

"کال میرے سیکرٹری کے پاس آئی تھی، انہوں نے میسج مجھ تک کنوے کیا ہے، وہ چند لمحوں بعد کال بیک کریں گے، آپ جو فیصلہ کریں، بتا دیجئے گا۔ آپ اپنا فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں، کسی بھی قسم کا دباؤ اور لحاظ و احسان مندی کا آپ خیال نہیں کریں گی، کیونکہ آپ آزاد ہیں، بہت سوچ کر فیصلہ کیجئے گا، کیونکہ برہان لغاری کی بیٹی کی حیثیت سے اب آپ یہاں ہیں"۔

"میں ایسے آدمی کو باپ کا درجہ نہیں دے سکتی جس نے بیس، بائیس سال بیٹی کی پروا نہ کی، اپنی ماں کا فیصلہ میں اللہ پر چھوڑ چکی ہوں، پہلی ملاقات میں ہی جس شخص نے اس کی خوشیوں کے گلستان میں آگ لگا دی ہو، پیار، محبت، مان و فخر کی جگہ الزام و بہتان کے خنجروں سے زخم زخم کر دیا ہو، ایسے شقی القلب، ظالم و بے حس شخص کو میں باپ ہی نہیں مانتی تو ان کے ساتھ جانے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ میں ان کے ساتھ نہیں جا سکتی، نہیں جاؤں گی۔" اُس کا فیصلہ اٹل تھا، لہجے میں پتھر کی سی سختی اور چہرے پر عزم تھا۔

"آپ کے نہ ماننے سے اُس شخص کی حیثیت بدل نہیں جائے گی، آپ کے برتھ سرٹیفکیٹ پر بہ حیثیت فادر اُن کا نام ہوگا، ہمارے کلچر میں بچے باپ کے نام سے آئیڈنٹی فائی کیے جاتے ہیں، اُن کو لیگلی سپورٹ حاصل ہوگی، اگر وہ آپ کو ساتھ لے جانا چاہیں تو...... بہت سوچ کر فیصلہ کریں"۔ انہوں نے سمجھایا تھا۔

"میں اُن کے ساتھ کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی، وہ باپ نہیں میری ماں کے قاتل ہیں۔ اُن کے نام سے ماسوائے محرومیوں، ذلت و کسمپرسی کی زندگی کے علاوہ کیا ملا ہے۔ آخر میں اُنہوں نے مجھے میری جنت سے ہی محروم کر دیا"۔ وہ ضبط کرنے کے باوجود رو پڑی تھی۔

"میں اُس چہرے کو دیکھنا نہیں چاہتی جس چہرے پر میری ماں کا خون نظر آئے گا"۔

"آپ روئیں مت، خود کو تنہا مت سمجھیں۔ اگر آپ وہاں جانا نہیں چاہتیں تو یہاں سے کوئی آپ کو مجبور نہیں کرے گا"۔ مدثر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

"ڈیڈی! آپ برہان لغاری کے چیلنج کو بھول گئے ہیں، آپ بخوبی جانتے ہیں، وہ خود کو "بگ مین" اطلائز کرنے کے لیے کس حد تک جا سکتے ہیں"۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی، کہیں اور چلی جاؤں گی۔ میری وجہ سے آپ کسی پرابلم میں پڑیں، میں گوارا نہیں کر سکوں گی"۔ وہ کھڑی ہو کر بولی۔

"آپ یہیں رہیں گی، کچھ نہیں ہوگا، خوب اچھی طرح نمٹنا جانتا ہوں ایسے لوگوں سے۔ پہلے میں نے شکست کھائی تھی تو صرف آپ کی وجہ سے، آپ کی محبت اور جذبات کی وجہ سے، ورنہ تمہارا باپ نہ جب کمزور تھا، نہ آج کمزور ہے"۔

قبل اس کے کہ اُن میں مزید گفتگو ہوتی، موبائل فون سے آتی بپ نے انہیں خاموش کر دیا تھا، وہ دونوں باپ بیٹے کمرے سے نکل گئے۔ اُس نے آگے بڑھ کر موبائل اُٹھا لیا تھا۔

"ڈرائیور گاڑی لے کر آ رہا ہے فوراً آجاؤ، میں نہیں چاہتا میرے دشمن کے ہاں تم ایک لمحہ بھی مزید گزارو"۔ دوسری جانب سے بھاری اور تحکم بھری آواز سنائی دی۔

"آپ کون ہوتے ہیں مجھے یہ حکم دینے والے اور یہ کیسے سوچ لیا کہ آپ بلائیں گے اور میں آجاؤں گی؟" وہ نفرت بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"وہاٹ...... دماغ دُرست ہے تمہارا...... کس سے بات کر رہی ہو، معلوم نہیں ہے تمہیں؟" دوسری جانب سے پوری طاقت سے چیخ کر کہا گیا تھا۔ آواز میں ایسی دھمک تھی کہ اُسے اپنی سماعتوں میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

"بہت اچھی طرح معلوم ہے"۔ وہ ذرا مرعوب نہ ہوئی تھی۔

"ہوں...... جانتا ہوں ناگن کا دُودھ پیا ہے تم نے، زہر ہی اُگلوگی"۔

"میری ماں کے دُودھ میں شہد تھا، یہ کڑواہٹ آپ کے خون کے زہر کی ہے"۔

"ہوں...... ہوں، بہت زبان دراز ہو، بہت گھمنڈی، اُس عورت کی طرح جس کو ہم اپنے جوتوں کی خاک سے زیادہ کمتر سمجھتے تھے۔

"خود کو سب سے اعلیٰ وارفع سمجھنے والے، ایک دن منہ کے بل گرے خاک چاٹتے نظر آتے ہیں۔ آپ کے بھی وہ دن دور نہیں ہیں"۔

"یا...... بس...... خاموش، میرے دشمنوں میں رہ کر دشمنوں کی ہی زبان بولوگی۔ قصور تمہارا بھی نہیں ہے"۔ اس طرف جیسے خود کو سنبھالا گیا تھا۔ آگ اُگلتا لہجہ ایک دم ہی پھواریں برسانے لگا تھا۔

"نہ معلوم غصے میں کیا کیا کہہ گیا ہوں، سوری۔ میں اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے ترس رہا ہوں۔ پہلے اس عورت نے پہرے لگائے تھے، اب میرے دشمنوں میں پھنس کر تم اپنے باپ سے بدظن ہو رہی ہو"۔ اُن کے لہجے میں حیرت انگیز نرمی و محبت آگئی تھی، اگر وہ ان کے اصل چہرے سے آگاہ نہ ہوتی تو لمحہ بھر یہاں نہ رُکتی مگر اب اُسے اُن سے کراہیت آ رہی تھی۔

"باپ ہونے کے ناتے میں تمہاری فیلنگز سمجھ رہا ہوں اور نہ چاہتے ہوئے بھی صرف ایک دن دے رہا ہوں آپ کو وہاں گزارنے کا، اُن لوگوں سے ہوشیار رہنا، بہت خطرناک ہیں وہ، میری وجہ سے تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں"۔

"شکریہ انفارم کرنے کا"۔ اُس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"کل شام ڈرائیور آئے گا، سیدھی چلی آنا"۔ رابطہ ختم ہو چکا تھا۔

اُس نے موبائل ٹیبل پر رکھا، کمرے سے باہر نکل آئی۔ مدثر صاحب اور انس اپنے بیڈ رومز میں جا چکے تھے۔ وہ کرن کے کمرے میں آئی۔ نیلگوں ڈِم لائٹ میں کرن بے خبر سو رہی تھیں، وہ واپس باہر آ گئی۔

"انس صاحب نے چائے مانگی تھی، میں نے دو کپ بنا لیے ہیں"۔ شمو چائے کا مگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

"شکریہ شمو! بہت خیال رکھتی ہو میرا"۔ وہ مگ لے کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

جب سے اُن پر انکشاف ہوا تھا کہ کرن بڑے باپ کی بیٹی ہے، وہ دونوں ماں بیٹی اور دوسرے ملازم اُس کی مالکوں کی طرح عزت کرنے لگے۔ وہ سب اُن تکلیف دہ باتوں سے ناواقف تھے جو اُن کے درمیان ہوئی تھیں۔ شمو اور چندا اُس کا بہت خیال رکھنے لگی تھیں۔ شمو اکثر ملازموں سے یہ جملے دُہراتی نظر آتی تھی۔

"میں تو پہلے کہتی تھی، وہ اونچے گھرانے کی لگتی ہیں، وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ کوئی مجبوری اُنہیں لے کر یہاں آئی تھی، وہ ہم میں سے لگتی نہ تھیں"۔

چندا ماں کی ہاں میں ہاں ملاتی فخر سے۔

"وہ......ایک بات کہنی ہے آپ سے"۔ شمو ملتجی انداز میں مخاطب ہوئی تھی۔

"ہاں......کہو کیا بات ہے؟" کرن چائے کا گھونٹ لے کر بولی۔

"موقع تو نہیں ہے، دل بھی نہیں مانتا مگر وہ لوگ نہیں مان رہے"۔

"کون لوگ؟ تم کس کی بات کر رہی ہو؟" کرن اس کی گفتگو پر اُلجھی تھی۔

"چندا کے سسرال والے، وہ کہتے ہیں شگن کریں گے، انگوٹھی پہنائیں گے، میں نے منع کر دیا کہ ہمارے مالکوں کے غم میں ہم خوشیاں مناتے اچھے نہیں لگیں گے۔ پر وہ کہتے ہیں اسی ہفتے کے اندر اندر منگنی نہ کی تو وہ اپنے بیٹے کا رشتہ کہیں اور ڈال دیں گے۔ انہیں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور سچ کہتے ہیں اس دور میں اچھے بَر کہاں ہر کسی کو ملتے ہیں، لڑکیاں انتظار میں عمر گنوا دیتی ہیں"۔

"تم کیوں منع کر رہی ہو اُن کو، لڑکا تمہارے معیار پر پورا اُترتا ہے بلاؤ اُن لوگوں کو، کیوں منع کر رہی ہو"۔

"یہاں دُکھ......"

"خوشی اور دُکھ، زندگی اور موت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کوئی کسی کے لیے نہیں رُکتا۔ تم بلاؤ اُن لوگوں کو، ہمیں خوشی ہوگی"۔ شمو کے چہرے پر اطمینان جھانکنے لگا تھا۔

"لڑکا کیا کام کرتا ہے؟ کچھ پڑھا لکھا ہے؟" کرن نے چائے پی کر مگ خالی کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں جی، خط لکھ لیتا ہے، اخبار پڑھ لیتا ہے۔ دُودھ، دہی کی دکان ہے اُن کی، لوگ بھی تھوڑے ہیں، نندیں اپنے گھر کی ہوگئیں، دیور، جیٹھ کوئی ہے نہیں، صرف ساس سسر ہیں، عیش کرے گی اکلوتی بہو بن کر چندا"۔ شمو کے سانولے چہرے پر پھیلتی ممتا کی چمک اُس کے اندر برق بن کر لہرائی تھی اور ہوک اُٹھی تھی، وہ اس ممتا سے محروم ہو چکی ہے۔ ماں کی قدر وہ جانتے ہیں جو اس نایاب رشتے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ انسانی رشتے ہوں یا بے جان چیزیں، وہ ہماری دسترس میں ہوں تو اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھتی ہیں اور جب وہ کھو جاتی ہیں، بچھڑ جاتی ہیں تو ہمیں اپنی بے پروائی اور بے حسی پر غصہ آتا ہے، ملال ہوتا ہے اور ہم سوچتے ہیں کاش کسی طرح وہ ہمیں واپس مل جائیں تو کبھی ہم اُنھیں نگاہوں سے اُوجھل نہ ہونے دیں، لیکن ایسا کب ہوا ہے کہ جانے والے پلٹ کر آ گئے ہوں، کھونے والے لعل گئے ہوں......

ماں کی یاد درد بن کر دل میں جاگی تھی۔

دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں میں اُبھرنے لگا تھا۔ شمو کیا کہہ رہی تھی؟ اُسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا، ماضی کی فلم نگاہوں میں چلنے لگی تھی۔

وہ شمو کو وہیں چھوڑ کر باہر لاؤنج میں نکل آئی تھی اور بوگن ویلیا کے ستون سے ٹیک لگا کر گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی۔

اُس نے کون سا ماں کو سکھ دیا تھا، بچپن سے جلاتی آئی تھی۔ باپ کو کھوجنے کے جنون میں وہ ماں کو قصوروار ٹھہراتی رہی تھی، یہاں آنے کے بعد اُن میں دُوری ختم ہوئی تھی، محبت بڑھی تھی۔ ماں اپنی ممتا کے خزانے شروع سے ہی اُس پر نچھاور کر رہی تھی، اُن کی قدر اُسے یہاں آ کر ہوئی تھی، ابھی وہ جی بھر کر ممتا کے خزانے سمیٹ بھی نہ پائی تھی کہ اُن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑنا پڑا تھا۔ اُس کی بے چین نگاہیں ہر سمت اُن کو ڈھونڈتی تھیں اور کہیں دُور سے صدا اُبھرتی تھی۔

زندگی سے ہار مانی اور لحد میں کھو گئے
خاک کا تکیہ بنایا اور سکوں سے سو گئے
ایک آندھی آئی اور سامانِ دُنیا لُٹ گیا
دیکھتے دیکھتے ہی برسوں کا ساتھ چھُٹ گیا
کس قدر تم کو پکارا، کس قدر آواز دی
تم مگر خاموش تھے، میری ہی بس آواز تھی
ایسا لگتا ہے جیسے ساتھ رہتے ہی نہ تھے
اس طرح رُخصت ہوئے جیسے کہ جانتے ہی نہ تھے
کوئی سرگوشی، کوئی آواز آتی ہی نہیں
کیا ہماری بھی کوئی آواز جاتی ہی نہیں

☆......☆......☆

منال، برہان لغاری کی بیٹی تھی جو اُن کی پہلی بیوی سے پیدا ہوئی تھی۔ اُن کی پہلی شادی لو میرج تھی۔ منال کی پیدائش سے قبل برہان اور فائقہ میں بے حد محبت اور انڈر اسٹینڈنگ تھی، وہ یک جاں دو قالب تھے۔ برہان لغاری نے اپنی تمام وفائیں اُن کے لیے وقف کر دی تھیں۔ دل وجان سے چاہا تھا، منال کی پیدائش کے بعد اُن میں آہستہ آہستہ ہونے والے جھگڑے و اختلافات نے شدت اختیار کر لی تھی۔

فائقہ کے بعد وہ کسی عورت کو اُس کا اصل مقام نہ دے سکے تھے۔ بے شمار عورتیں اُن کی زندگی میں آئیں جو لمحوں کی ساتھی بنیں، زیست کی ساتھی نہ بن پائی تھیں۔ وہ ایسے کسی ساتھی کے تمنائی بھی نہ رہے تھے۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ عیش و عشرت میں گم ہو کر وہ اپنے بعد دولت وجائیداد، خاندانی حسب ونسب کو زندہ رکھنے والے وارث کی ضرورت کو بھول چکے تھے مگر ان کے والد ہارون لغاری اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرنے لگے تھے اور اُن کی کوششوں سے نوشابہ دوسری بیوی بن کر اُن کی زندگی میں داخل ہوئی تھیں۔ برہان لغاری نے اُنہیں دل سے قبول نہ کیا تھا، اگر ہارون لغاری عاق کرنے کی دھمکی اُن کو نہ دیتے تو وہ کبھی بھی اس زنجیر کو پیروں میں نہ باندھتے، وہ کلی کلی، پھول پھول منڈلانے والے بھنورے بن چکے تھے۔ ایک ڈال پر قناعت کیونکر ممکن ہوتی۔

نوشابہ کے نوخیز حُسن وشاداب کے پیکر نے اُنہیں کچھ عرصے کے لیے سحرزدہ ضرور کیا تھا مگر ساری حیات کے لیے اسیر نہ کر پایا تھا۔ چند ماہ نوشابہ کے ساتھ گزار کر وہ بزنس کے سلسلے میں بیرونِ ملک گئے، واپسی میں کئی دوستیاں ساتھ لگا کر لائے تھے۔ نوشابہ کے ساتھ گزرے دنوں کا خمار بھاپ بن کر اُڑ چکا تھا۔ وہ اُن کے لیے پُرکشش نہ رہی تھیں۔ اُن کی بے گانگی وسرد مہری بڑھتی ہی گئی، پھر ایک جگہ رہتے ہوئے انہوں نے لاتعلقی اختیار کر لی تھی اور ایسا کرنے میں اُن کی ماں کی سازش تھی۔ ساس، بہو کی ازلی چپقلش نے غریبوں کی جھونپڑی سے امیروں کے محلوں تک رسائی حاصل کر رکھی ہے، کسی نہ کسی دو عورتوں کے درمیان یہ نفرت وبغض کی دیوار حائل رکھتی ہے، یہاں بھی برہان لغاری کی والدہ رقیہ بیگم کو یہ بات ہضم نہ ہو رہی تھی کہ اُن کی بہو اُن کی ہم پلہ، ہم جوڑ نہیں ہے۔ وہ اپنے سے کم امیر، کم حیثیت بہو کو قبول نہ کر پائیں اور اُنہوں نے برہان کے فضول کان بھرنے شروع کر دیے تھے۔ ہارون لغاری نے بیٹے کے بگڑے چال چلن دیکھ کر اپنے سے کم حیثیت لوگوں میں سے بہو لانے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ ایسے گھرانے کی لڑکیاں ہر حال میں ایڈجسٹ ہو جاتی ہیں۔ سب جان کر بھی اپنی اور خاندان کی عزت کی خاطر خاموشی سے گزارا کرتی ہیں۔ اُن کی مصلحت کامیاب ثابت بھی ہوئی تھی، کرن کی پیدائش سے قبل اُن کا انتقال ہو گیا تھا اور اُن کے بعد رقیہ کو من مانی کرنے کا پورا پورا موقع مل گیا تھا۔

کرن کی پیدائش پر جو ایک آس واُمید کی ڈور بندھی تھی، پوتا ہونے کی وہ ٹوٹ گئی تو اُن ماں بیٹی کا وجود ٹھوکروں میں آ گیا تھا، جو وہ چاہتی تھیں وہی ہوا۔ نوشابہ کرن کو لے کر چلی گئیں۔ انہوں نے کبھی اُنہیں واپس لانے کی ضرورت محسوس ہی نہ کی۔

منال نے اس خوب صورت وسیع وعریض حویلی میں شروع سے اپنی حکومت دیکھی تھی۔ یہاں کی ہر شے پر اُس کی اجارہ داری تھی۔ ملازم ہاتھ باندھے اس کے آگے پیچھے رہتے تھے، وہ جو چاہتی وہی کرتی تھی۔ برہان لغاری اُس سے کوئی باز پُرس کرتے نہ تھے، رقیہ بیگم بھی اُس کی گستاخانہ وبدلحاظ فطرت کے باعث زیادہ فری نہیں تھیں۔

اس احساس سے وہ ہر وقت سرشار رہتی تھی کہ اپنے باپ کی وسیع جائیداد کی وہ اکلوتی وارث ہے، اس کے سوا کوئی شراکت دار نہ تھا اور جب یہ احساس یقین کی منزلوں سے گزر کر مستحکم ہو گیا تو اچانک ہی اُس کی ملکیت کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے اُس کو لایا جا رہا تھا جس کے وجود کو وہ بھول چکی تھی۔ کل سے آج تک وہ کانٹوں پر چلتی رہی تھی۔ کسی پل، کسی لمحے سکون نہیں ملا تھا۔ باپ کے تیور وہ دیکھ چکی تھی، دادی سے کوئی بات شیئر کرنا وہ اپنی توہین سمجھتی تھی۔ کوئی فرینڈ اتنی کلوز نہ تھی جس سے اتنی اہم بات ڈسکس کی جاتی۔ اس کے پاس فقط ایک سہارا تھا فائقہ کا، جو اُس سے دُور رہ کر بھی ہمیشہ نزدیک رہی تھیں، لیکن کل سے وہ بھی فون ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔

وہ ابھی اسی سوچ میں گم تھی کہ کس طرح مما سے رابطہ کرے کہ ایسے حالات میں وہی گائیڈ کر سکتی تھیں۔ فون کی بیل ہوئی تھی، اسکرین پر چمکتے نمبرز دیکھ اُس نے پھرتی سے فون اُٹھایا تھا۔

"ہیلو مما! کہاں ہیں آپ؟ میں کل سے رنگ کر رہی ہوں آپ کو اور آپ مل ہی نہیں رہی ہیں، کتنی پریشان ہوں، آپ فیل نہیں کر سکتی ہیں"۔

"ریلیکس...... ریلیکس مائی بے بی! پہلے میری بات سنو، میں سنڈے کو مانچسٹر چلی گئی تھی، آج واپس آئی ہوں۔ میسج ریکارڈ میں آپ کے نمبرز دیکھ کر میں نے ڈائریکٹ کال کی ہے"۔

مما کی پُر اعتماد آواز سن کر اُس کے کشیدہ اعصاب پُرسکون ہونے لگے تھے۔

"ہوں، اب بتاؤ، کیا ہوا ہے ایسا جس نے آپ کو اتنا ڈسٹرب کیا کہ آپ نے کل سے اب تک ففٹی سے زائد کالز کی ہیں؟"

"مما! پاپا نے اپنی سیکنڈ وائف کو ڈائیورس دے دی ہے"۔

"ذہنی طور پر وہ اُسے بہت پہلے چھوڑ چکا تھا"۔ اُن کی مسکراتی آواز اُبھری۔

"آپ کو حیرت نہیں ہوئی مما؟"

"یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے، مجھے معلوم تھا یہی ہو گا۔ وہ جو ایک شخص ہے، برہان لغاری نام کا، اُس کی رگ رگ سے میں واقف ہوں"۔

"وہ کرن کو یہاں لا رہے ہیں، کرن مائی اسٹیپ سسٹر۔ میں نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا وہ میری جائیداد میں پارٹنر نہیں بن سکتی تو پہلی بار پاپا نے بھی مجھے اگنور کیا اور گرینڈ مدر نے بھی ڈانٹا۔ مجھے فوراً ہی اُن سے ایکسکیوز کرنا پڑا تھا"۔

"یہ کیا اسٹوپڈ حرکت کی ہے تم نے، ضرورت کیا پڑ گئی تھی تمہیں ایسی چیپ حرکت کرنے کی"۔ اس کے لہجے میں ناگواری در آئی تھی۔

"آپ ہی تو کہتی ہیں مما! یہ سب میرا ہے، پھر کیوں نیز کر رہی ہیں مجھے"۔ فائقہ کا سخت لہجہ اُسے بالکل نہ بھایا تھا، وہ غصے میں بولی۔

"میری باتوں کو مائنڈ مت کیا کرو، جو کہتی ہوں تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔ کانونٹ ایج سے گائیڈ کر رہی ہوں، میری ہی گائیڈنس کی وجہ سے آپ پراپرٹی کی مالک ہو، ورنہ اُس اولڈ وومن نے کیا کیا حرکتیں نہ کی تھیں۔ تھرڈ اسٹیپ مدر اور اُس کے ذریعے اسٹیپ برادر کو

لانے کی، ایسا ہوتا تو کس کے پاس جاتی پراپرٹی اور آپ کو کیا ملتا؟" فائقہ نے حسب عادت اُس کی طبیعت صاف کر کے رکھ دی تھی۔

"سوری مما! میں کل سے بے حد ٹینس ہوں اسی وجہ سے......"

"اِٹس او کے، اگر کامیاب زندگی گزارنے کی خواہاں ہو تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا اپنے دل کی بات، اپنے پرسنلز کبھی بھی کسی کے آگے مت کہنا، اپنے کب غیر بن جائیں، دوست کس لمحے دشمن ہو جائیں، کچھ پتا نہیں ہوتا ہے۔ اپنے دل کی بات اُن کے سامنے کہہ کر تم نے سب سے بڑی بے وقوفی کی ہے"۔

"سوسوری مما! میں گلٹی فیل کر رہی ہوں، اب کرنا کیا ہے یہ بتائیں؟"

"وہ آجائے تو اپنا رویہ بگ سسٹر جیسا ہی رکھنا۔ کرن کے ساتھ کسی کو بھی محسوس نہ ہو کہ آپ اُس کے آنے پر خوش نہیں ہیں۔ آئندہ کا پروگرام اُس کے آنے کے بعد ہی ہم طے کریں گے۔ اوکے، گڈ بائی"۔ ریسیور رکھتے ہوئے وہ مطمئن تھی، ساری ٹینشن غائب ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

حمزہ نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جس نے سنا وہ دم بخود رہ گیا۔ رات بھر اُسے فیصلہ کرنے اور فیصلے پر عمل درآمد کرنے کے لیے کافی تھی۔ نفیس و حساس طبیعت رکھنے والے، محبتوں و رشتوں کے تقدس کی پاسداری کرنے والے حمزہ کے لیے یہ ایسی کاری ضرب تھی جس سے وہ گھائل ہو گیا تھا۔ گھر میں تناؤ و گھٹن پہلے ہی تھی، مزید پریشانی حمزہ کے فیصلے نے بڑھا دی تھی۔

"تم اس طرح کیسے جا سکتے ہو، میں تمہیں کبھی اجازت نہیں دوں گی حمزہ!" رخسانہ تڑپ اُٹھی تھیں۔

"اگر آپ مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو آپ کو اجازت دینی ہو گی، ورنہ میں یہاں رہا تو خودکشی کر لوں گا یا پاگل ہو جاؤں گا"۔

اُس کے انداز میں جنون تھا۔

"بیٹا! کوئی اس طرح بھی جاتا ہے، ابھی آپ زیرِ تعلیم ہو، کہاں جاؤ گے، پھر بھابی، بھائی ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے"۔

راحیلہ نے سمجھانے کی سعی کی۔

"میں نہیں مان سکتا، کسی طرح یقین نہیں کر سکتا کہ اس گھر میں رہنے والے لوگوں کو رشتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ آپ لوگ ان راہوں سے بھٹک چکے ہیں، رشتوں کی توہین، اپنائیت کا خون جس بے جگری سے یہاں بہایا جاتا ہے، ایسا قصائی بھی نہیں کرتے ہیں۔ یہ گھر نہیں ہے، مقتل ہے، یہاں کی گھناؤنی اور بدبودار فضا میں رہا تو حواس کھو بیٹھوں گا"۔ وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر سسکنے لگا تھا۔ بیٹے کی حالت نے رخسانہ کو پہلے ہی بے چین کر رکھا تھا، پھر شوہر کا بدلا بدلا رویہ، طعنے و گالیاں اُن کی زندگی ایک دم ہی بدل گئی۔

کل تک وہ جنت کی باسی تھیں، آج یکلخت ہی جہنم میں گر گئی تھیں۔ اب حمزہ کی ضد نے انہیں زندہ درگور کر ڈالا تھا۔ سب نے ہی سمجھایا تھا اُسے مگر وہ نہیں مانا تھا۔ اُس نے کبھی ضد نہ کی تھی، اب کی تو پوری کر کے ہی چھوڑی تھی۔

عاصم صاحب گم صم ہو کر رہ گئے تھے۔

اُنہوں نے اسے روکنے کی ایک مرتبہ بھی کوشش نہ کی تھی۔

"آپ کیوں خاموش ہیں، روکیں اسے یہ جا رہا ہے، میری نہیں مان رہا"۔ وہ روتے ہوئے اُن سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"جانے دو اُسے تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو، جب کوئی اپنا جان سے پیارا جدا ہوتا ہے تو دل کی دُنیا کس طرح اندھیر ہوتی ہے"۔ انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"تم نے خود کے لیے فیصلہ کر لیا اور جا رہے ہو، میرے لیے کچھ سوچا ہوتا مجھے اس جہنم میں چھوڑ کر جا رہے ہو"۔ صمد راستے میں اُس سے مخاطب ہوا تھا۔

"میرے جانے کے بعد گھر جنت بن جائے گا، لیکن خاصا وقت لگے گا۔ دراصل جن لوگوں کو تواتر سے خوشیاں، آسائشیں و دولت مل جاتی ہے، وہ پھر صلہ رحمی، مروت و خلوص، لحاظ و محبت کے جذبوں سے عاری ہو کر ان سفلی عادات کا شکار ہو جاتے ہیں جن کا ہمارے گھر والے ہوئے ہیں، انہیں غم و دُکھ نہیں ملے تھے، اس لیے یہ حاکم بے در بن بیٹھے تھے، اب سب ٹھیک ہو جائے گا، گھر کے مردوں کو عقل آچکی ہے"۔

"بڑا ہنگامہ ہوا تھا دوپہر گھر میں، پپا گھر میں مما کو رکھنے پر راضی نہ تھے، بڑے اور منجھلے پاپا کا بھی یہی فیصلہ تھا۔ مما اور دونوں آنٹیز نے بڑی منت و سماجت کے بعد اُنہیں منایا ہے، اُن کی ویلیوز بالکل ڈاؤن ہو گئی ہیں۔ مجھے ایسا بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے"۔ صمد نے افسوس سے کہا۔

"فی الحال میرے جذبات بالکل صفر ہیں"۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کہاں جا رہے ہو اور کب لوٹ کر آؤ گے؟"

"کہاں جا رہا ہوں یہ خبر خود مجھے بھی ڈھنگ سے نہیں، کب آؤں گا؟ جب رشتوں کا اعتبار آجائے گا"۔

"مجھ سے بھی چھپا رہے ہو؟" صمد خفگی سے بولا۔

"بالکل نہیں، ایک تم ہی تو ہو جس نے تعلق کا مان دیا ہے"۔

"کرن سے نہیں ملو گے؟" کار کی رفتار تیز کرتے ہوئے صمد نے سوال کیا۔

"نہیں"۔ خاصے توقف کے بعد جواب ملا تھا۔

"کیوں؟ اُس دُکھ کی گھڑی میں اُسے تنہا چھوڑنا محبت نہیں ہے"۔

"وہ بہت ہٹ دھرم و ضدی ہے، جان سے گزر جائے گی اپنی اَنا نہیں توڑے گی، غلطی کسی صورت قبول نہیں کرے گی۔ میں ہمیشہ اُس کی مانتا آیا ہوں، کیا جاتا اگر وہ کال کر کے مجھے مطلع کر دیتی۔ میرا نمبر تھا اُس کے پاس، جو وہ کہتی میں کرتا، وہ گھر والوں کے سلوک کا

جواب دینا چاہتی تھی، میں کبھی اُس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا مگر وہ مجھے نہ سمجھ سکی اور میں اُس کو اب سمجھنا چاہتا بھی نہیں"۔

"وقتی غصہ ہے یہ اُترے گا تو پچھتاؤ گے، پھر غیروں کے پاس اُسے چھوڑ دینا کہاں کی دانش مندی ہے یار! حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے ہیں، پھپھو کی موت نے اُن کے دل بدل دیے ہیں۔تم، بڑے چاچا، پاپا انکل کو کرن کا ایڈریس بتادو تو اچھا ہے وہ اُسے گھر لے آئیں گے"۔

"تمہارے خیال میں وہ آجائے گی؟"۔

"آف کورس، وہ اتنی بڑی نہیں ہوئی ہے کہ اپنے ماموؤں کی کوئی بات نہ مانے یا اُن کے ساتھ نہ آئے، وہ دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد آجائے گی"۔

"نہیں، ہرگز نہیں۔تم اُسے ابھی سمجھ ہی نہیں سکے ہو، وہ کسی قیمت پر نہیں آئے گی، اسی وجہ سے میں نے کسی کو مانگنے کے باوجود وہاں کا ایڈریس نہیں دیا تھا، ویسے بھی وہ وہاں ایڈجسٹ ہو چکی ہے، بہت اچھے لوگ ہیں، بہت زیادہ اُس کی کیئر کرتے ہیں، جس محبت و تحفظ کی توقع وہ اپنوں سے کرتی تھی وہ اسے غیروں سے مل رہی ہے، وہ خوش ہے، میرے دل کو یہی اطمینان ہے"۔

☆......☆......☆

مدثر صاحب کو اس نے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا، جواباً وہ اُسے دعائیں دے کر آگے بڑھ گئے تھے۔وہ گہری سانس لیتی لان کے اُس گوشے میں بیٹھ گئی تھی جہاں موتیے کے پودوں کی بہتات تھی۔سبز پتوں کے درمیان کھلے کٹوری نما سفید پھولوں سے نکلنے والی پاکیزہ خوشبو جسم وروح کو معطر کر رہی تھی، وہ ماربل کی بنچ پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

اوائل راتوں کا پُرشباب ماہتاب اپنی تابانیاں بکھیر رہا تھا۔مہکتی ہوا دھیمی تھی۔آج اُس کی یہاں پر آخری رات تھی، پھر نہ معلوم زندگی یہاں آنے کا موقع دے یا نہ دے، اس لیے وہ آج کی رات جاگ کر گزارنا چاہتی ہے، تاکہ یہاں کی یادیں اُس کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔

یہ گھر اس کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا، یہاں آکر اس نے ماں کی محبت کو محسوس کیا تھا، اس کی ممتا کی قدر جانی تھی، اس کی مجبوری سمجھ سکی تھی۔اس گھر میں اُسے زندگی گزارنے کے اُصول ملے تھے، یہیں سے اُس نے زندگی کو زندگی سمجھا تھا، ماں کے سنگ خوب صورت یادگار دن گزارے تھے۔

"کیا میں اس گھر کو چھوڑ سکوں گی؟ اس گھر میں جہاں میری ماں کی یادیں بستی ہیں، مما کا وہ لمس کہیں اور کیونکر پاؤں گی؟" اس نے گہری سانس لی تھی۔

"برہان لغاری جس کو باپ ماننے کو دل نہیں مانتا مگر ماں کی حرمت کی خاطر مجھے اُس کے حق کو ماننا ہے، وہ خطرناک ہے، جو شخص لمحے بھر میں گرگٹ کی طرح رنگ بدلے اُس پر اعتبار کس طرح کیا جا سکتا ہے اور میں اعتبار کروں گی بھی نہیں، جس اذیت اور ذلت سے بائیس سال ہمیں ہمکنار کیا گیا تھا، اب وہی میں اُسے لوٹانے جا رہی ہوں اور میں کامیاب رہوں گی۔مجھے کامیاب رہنا ہے، خواہ اس کے

لیے مجھے جان کی بازی ہی لگانی کیوں نہ پڑے"۔

"کیا سوچا جا رہا ہے، نیند نہیں آ رہی آپ کو؟ اوہ میں بھول گیا، آج آپ کو نیند کہاں آئے گی، کل آپ کو آپ کے قادر کے ہاں جو جانا ہے"۔ انس باہر سے آیا تو اُسے وہاں دیکھ کر چلا آیا تھا۔

"آپ سے مجھے ایسے گھٹیا مذاق کی توقع نہیں تھی"۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"او کے، آپ مائنڈ کر گئیں، ویری سوری! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں"۔ انس کچھ بوکھلا کر گویا ہوا تھا۔

"تمام اسٹوری آپ کے سامنے ہے، پھر بھی آپ ایسی باتیں کریں گے تو میں ہرٹ نہ ہوں گی؟" اس کے اشارے پر وہ بیٹھ گئی تھی۔

"یہی تو سمجھانا چاہ رہا ہوں، کیوں ہرٹ ہو رہی ہیں آپ، اپنوں کے پاس جا رہی ہیں تو گزری ناگوار باتوں کو ذہن سے نکال جائیں تو اچھا ہوگا"۔

"یہ مت بھولیں وہ میری ماں کے قاتل بھی ہیں، بائیس سال اپنے نام کا پھندا لگا کر انہوں نے میری ماں کو اذیت ناک زندگی دی اور پھر محض سُنی سنائی باتوں پر یقین کر کے میری ماں کے گلے سے وہ پھندا کھینچ لیا، مار دیا اُنہیں"۔

"پھر کس لیے جا رہی ہیں؟" وہ متعجب ہوا۔

"اُن سے انتقام لینے، بدتر موت مارنے"۔ وہ سخت مشتعل تھی۔

"وہ آپ کی دسترس سے بہت دُور کی شے ہیں، جا رہی ہیں تو سب بھول کر جائیں، ورنہ مت جائیں، اس طرح آپ خود کو نقصان پہنچائیں گی"۔

"اُنہیں مار کر ہی مروں گی، خون اُن کا ہی ہوں"۔

"گرینی کو بتایا ہے جانے کا؟" اُس نے بات بدلی تھی۔

"نہیں...... مجھے جانے نہیں دیں گی"۔

"ہاں۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، اگر آپ کے کزن حمزہ آجائیں تو انہیں کیا بتایا جائے کہ آپ کہاں ہیں"۔

"وہ نہیں آئے گا"۔ حمزہ کے نام پر اُس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"آپ کو کیسے معلوم؟ ملاقات ہوئی ہے اُن سے؟" انس کو اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا، وہ نہ جانے کس جذبے کے تحت گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

"نہیں، لیکن میں جانتی ہوں وہ پلٹ کر نہیں آئے گا"۔

"آپ کے اور اُن کے درمیان کافی انڈراسٹینڈنگ رہی ہے شاید؟"

"جی بالکل"۔

"سعد اور فاریہ بھابی سے نہیں ملوگی؟" اُس کے لہجے میں اضطراب سمٹ آیا تھا۔

"میں کسی ایسے رشتے سے نہیں ملوں گی جو میرے پاؤں کی زنجیر بن جائے۔ کچھ پانے کے لیے قربانی دینی پڑتی ہے اور میں ان نایاب اور قیمتی رشتوں کی قربانی دے رہی ہوں اور نہیں چاہتی کہ ان میں سے کسی کا سامنا ہو اور میں اپنا مشن بھول جاؤں"۔ وہ مضطربانہ لہجے میں بولی تھی۔ اُن کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔

وہ گردن جھکا کر بار بار اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

وہ بغور اُس چہرے کو دیکھ رہا تھا جس میں ایک اور چہرہ نظر آ رہا تھا۔

سعد کی شادی والے دن جب وہ گریٹی کو دیکھنے آئی تھی اور وہ سعد کے کمرے میں پھول ڈیکوریٹ کروانے آیا تھا، ڈرائیور اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے حکم پر ڈیکوریٹرز کو چھوڑنے چلا گیا تھا۔

وہ جانے کے لیے پارکنگ لاٹ میں آیا تو اُسے پریشان سا ٹہلتا پایا تھا اور جب پہلی بار اُس نے اسے غور سے دیکھا تھا تو دیکھتا رہ گیا تھا۔

دو مختلف اجسام، دو مختلف خاندانوں و علاقوں سے تعلق رکھنے والے ہم شکل کس طرح ہو سکتے ہیں، وہ منال کی کاپی تھی، معمولی سی تبدیلی کے ساتھ۔ پھر اس حیرانگی میں اُسے زیادہ وقت گزارنا نہ پڑا تھا، بہت جلد اُس کا تجسس، تجسس نہ رہا تھا۔

بڑا دردناک، رقت انگیز ڈراپ سین ہوا تھا۔

"حمزہ سے آپ کی انڈر اسٹینڈنگ تھی یا لو انڈر اسٹینڈنگ تھی"۔ بالآخر وہ دل کی بات زبان پر لے آیا تھا۔ وہ بُری طرح چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"آپ...... آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ بہت خاص بات اس نے عام سے لہجے میں کی تھی۔ وہ بری طرح گھبرا گئی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے ایسی کوئی خوف ناک بات نہیں کی جو آپ اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں"۔ اس کے انداز پر وہ متبسم ہوا تھا۔

"یہ کس طرح ممکن ہے؟" وہ سخت سراسیمگی کا شکار تھی۔

"یہ ناممکن کو ممکن بنانے کا دور ہے، پھر شادی کرنا ناممکن نہیں ہے"۔

"سوری، اپنی ماں کی اُجڑی زندگی اور باپ کا سفاک رُوپ دیکھ کر میں نے کبھی بھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے"۔

...... ❀ ......

"یہ جواب بلکہ احساس بالکل بچگانہ ہے۔ نصیب سب کے الگ الگ ہوتے ہیں۔ کسی کی ناکام زندگی ہر ایک زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ کسی کو پانی میں ڈوبتے دیکھیں گی تو کیا پانی پینا چھوڑ دیں گی؟ کسی کو بلندی سے گرتا دیکھیں گی تو بلندی پر چڑھنا چھوڑ دیں گی؟"

وہ بہت پُراعتماد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"میری ماں کی زندگی میرے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اس کی روشنی میں ہی مجھے اب ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھانا ہے"۔ وہ اس کی طرف سے رُخ پھیرتے ہوئے بولی۔

"وائے ناٹ، میں آپ کے اس خیال سے متفق ہوں۔ آپ باشعور ہیں۔ بہت ذہین وفطین بھی۔ ایسی خوبیاں خواتین میں بہت نایاب ہیں، میرا فیصلہ کوئی لمحوں کے زیرِ اثر نہیں ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر میں نے آپ کو پرپوز کیا ہے۔ آپ پر کوئی زبردستی نہیں ہے لیکن پھر بھی میں کبھی نااُمید نہیں ہوں گا"۔ وہ چند ثانیے وہاں رُکا رہا پھر چلا گیا۔

وہ گم صم سی کھڑی رہ گئی۔

انس کا پرپوز کرنا بالکل غیر متوقع بات تھی۔ بھلا اس نے کب ایسا چاہا، کون سی ادا، کون سی بات اس حد تک اسے اس کی طرف راغب کرگئی؟ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ پے در پے صدمات نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں وحسیات منجمد کردی تھیں۔

ماں کی موت، باپ سے ملن، دونوں تعلق اسے عزیز از جان رہے تھے۔ وہ شعور کی آگہی کے بعد سے باپ کی محبت اور انہیں دیکھنے، ان کے قریب رہنے کی خواہش مند رہی تھی۔ باپ کے ذکر پر ماں کا بگڑتا مزاج اور گھر میں موجود ممانیوں اور کزنز کے طعنے اسے مشتعل کردیتے تھے، پھر وہ بلا سوچے سمجھے ان سے لڑنے لگتی۔ ماں سے اکثر رہنے والی اَن بَن کا سبب وہی ہستی تھی۔

باپ......! اس کے لیے ایک ایسے اَن دیکھے سے جزیرے کی مانند تھا، جہاں پر محبتوں کی فضا تھی۔ سکون وچین کی زمین پر آسودگی وطمانیت کے بادل سایہ فگن تھے، جس کا تصور کرتے ہی اس کے رگ وپے میں عجیب سی خوشی دوڑنے لگتی اور اس کا دل چاہتا کہ کسی طرح وہ اس جہنم سے نکل کر اس جنت میں پہنچ جائے جہاں چاہتوں ومسرتوں کی رم جھم ہر سو برستی تھی۔ طویل وصبر آزما انتظار کے بعد وہ اپنی جنت سے ملی تھی۔ ایک قیامت کے بعد وہ جنت، وہ جنت نہ تھی، جس کے اس نے خواب دیکھے تھے۔

وہ کسی طوفان کی صورت میں سامنے آئے تھے اور اس کے خوابوں کا "چمن" آرزوؤں کے مرغزار، تصورات کے شیش محل آن واحد میں کرچی کرچی کرگئے تھے۔ وہ کوشش کے باوجود بھی خود کو سنبھال نہیں پارہی تھی۔ انس کے پرپوزل نے اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ گرینی کے بتانے کی وجہ سے اس کے ماضی سے واقف تھی تو یہاں رہنے کے باعث اس کے حال سے بھی خاصی حد تک آگہی حاصل کرچکی تھی۔

وہ اسے سخت مزاج، مغرور اور انتہا پسند شخص کے روپ میں ملا تھا۔ اس نے دیکھا تھا وہ "نفرت ومحبت" دونوں جذبوں میں انتہا پسند تھا۔

جن سے وہ محبت کرتا تھا، ان کی ایک آہ پر اپنا آپ برباد کردینے والا اور جو اس کے ناپسندیدہ ہوں ان کو اپنے رویے سے خوار کردینے والا۔ پھر نہ معلوم کون سا لمحہ اس کی گرفت میں آیا جو وہ اس سے سیدھے منہ بات نہ کرنے والا، جیون ساتھی بنانے کی خواہش کر بیٹھا تھا۔

☆......☆......☆

نفاست وخوب صورتی سے سجے کمرے میں وہ والدہ حضور کے قریب صوفے پر سر جھکائے مودبانہ انداز میں بیٹھے تھے۔قریب ہی دوسرے سنگل صوفے پر منال بیٹھی تھی۔گو کہ اس کا انداز باپ کی طرح ازحد مودبانہ نہ تھا۔باپ کی ناراضگی کے خوف سے وہ احتراماً بیٹھی تھی اور بہت اطمینان سے گاہے بگاہے اِدھر اُدھر دیکھ لیتی تھی۔خصوصاً کمرے کی وسطی دیوار میں آویزاں قد آدم گلاس ڈور سے نظر آتا باہر لان کا دلکش منظر سر سبز درختوں و پودوں کے درمیان بے تحاشہ حسین پھولوں کی سنگت میں لگا فوارہ سحر انگیزی کا مظہر تھا۔

وہ بار باراس طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہوں......جیسی مائی، ویسی جائی! دکھادی نا اس نے ماں جیسی فطرت۔نہیں دی تمہاری بات کو کوئی اہمیت۔اپنی ماں کی طرح، سچ کہہ گئے تھے اچھے لوگ، بیٹی ماں کا عکس ہوتی ہے۔ماں کی ہی فطرت پاتی ہے"۔

والدہ حضور کی آواز ان کی شخصیت کی طرح ہی بارعب وسخت تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں والدہ حضور! میں آج لے آؤں گا اسے"۔

"اس کی مرضی کے مطابق لاؤ گے، اپنی مرضی سے نہیں"۔ان کا انداز تیکھا تھا۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات"۔انہوں نے ماں کی طرف دیکھا۔

"تمہاری ناسمجھی نے ہی یہ دن دکھایا ہے جو پہلے وہ عورتیں تمہاری بے عقلی سے فائدہ اُٹھاتی رہیں اور اب ان کی اولادیں اپنی من مانی کررہی ہیں"۔وہ تنقیدانہ نگاہوں سے سامنے بیٹھی منال کو گھور کر بولیں۔جس کا غیر مہذبانہ انداز نشست وگستاخانہ انداز بصارت انہیں ہمیشہ سے ناگوار گزرتا تھا۔وہ ہر ایک سے حاکمانہ رویہ روا رکھنے کی عادی تھیں اور برہان جیسا بے حد ادب وآداب والا انداز دیکھنے کی عادی تھیں۔منال کی لاپرواہی، گستاخی، بے نیازی وبے باکی انہیں متنفر کرچکی تھی، اس کی ذات سے۔مگر برہان سے بھی شکایت نہ کرسکیں کہ اپنی ذات کی نفی انہیں کبھی گوارا نہ تھی۔سو بہت خاموشی سے ان کے درمیان یہ سرد جنگ چل رہی تھی، جس سے برہان قطعی بے خبر تھے۔

"دادی ماں! پلیز میری مما کا نام مت لیں، ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اس گھر سے"۔منال تڑخ کر گویا ہوئی تھی۔

"تمہاری صورت میں تعلق موجود ہے"۔وہ بھی ترکی بہ ترکی گویا ہوئیں۔

"بات میری ہورہی ہے تو میرا تعلق باپ سے وابستہ ہے۔میری ماں کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔باپ کے چہرے کے بگڑتے زاویے اس کے لہجے کو دھیما کرگئے مگر وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"وہ کم ذات وکم نسل ہمارے خاندان سے تعلق جوڑنے کے لائق بھی نہ تھی۔اپنے بیٹے کے پیار اور ممتا کے ہاتھوں مجبور ہوکر ہم نے اسے اس اعلیٰ وبرتر خاندان میں جگہ دی۔اپنے گھر کی حکمرانی اسے سونپ دی اور اس نے کیا ثابت کیا۔یہی کہ کیچڑ کا پتھر محل کی دیوار میں نصب نہیں ہوسکتا۔اس کی اصل جگہ وہی کیچڑ کی گندگی ہی ہوتی ہے جہاں وہ دوبارہ جاکر گرگئی"۔والدہ حضور کے لہجے میں کراہیت، نفرت وحقارت اس نے باپ کی آنکھوں میں بھی اُمنڈتی دیکھی تو بپھر کر کھڑی ہوگئی۔

''زبان سنبھال کر بات کریں دادی ماں! میں اپنی مما کے خلاف کچھ نہیں......''

''شٹ اپ...... لہجہ درست کرو اپنا''۔ برہان ایک دم چیختے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو وہ انہیں اشتعال میں دیکھ کر ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

''چلاؤمت برہان! ملازم متوجہ ہوں گے۔ اس گھر کی آواز کبھی دیواروں سے باہر نہیں نکلی ہے''۔ منال غصے ورنج سے کانپ رہی تھی۔ اس کا تنفس تیز تھا۔ آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا۔ وہ غصہ وجنون ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ کاٹ رہی تھی جبکہ والدہ حضور اس کی حالت کی بہ نسبت بالکل پُرسکون و بے فکر نظر آرہی تھیں۔ ان کے لبوں پر چڑانے والی وہیمی مُسکراہٹ تھی۔

''یہ آپ سے بدتمیزی کرے، میں کس طرح برداشت کرسکتا ہوں؟'' وہ منال پر قہر آلود نگاہیں ڈال کر گویا ہوئے۔

''چاند پر تھوکنے والا خود اپنا چہرہ گندہ کرتا ہے۔ ہم اتنے کم ظرف نہیں جو ایسی فضول وغیر اہم باتوں کو اپنی توہین سمجھیں۔ منال ہم سے کتنی ہی کبیدہ خاطر ومتنفر ہو مگر ہمیں تمہاری بیٹی، تمہارا خون ہونے کی وجہ سے اتنی ہی عزیز ہے جتنی تمہیں ہے''۔ وہ بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''ہونہہ مکار ومنافق بڑھیا! ان ہی حرکات وجارحیت پسندی کے باعث دونوں مرتبہ بیٹے کا گھر بسنے نہ دیا''۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی تھی۔

''یہ سب آپ کا بڑا پن اور محبت ہے والدہ حضور!'' وہ ممنونیت سے گویا ہوئے اور ساتھ ہی بیٹی کو معافی مانگنے کا اشارہ بھی کیا۔

''سوری دادی ماں! مجھے غصہ آگیا تھا''۔ وہ بادل نخواستہ معافی مانگ رہی تھی۔

''میں نے برا نہیں مانا مگر میری نصیحت پر عمل کرو تو غصہ بھول جاؤ۔ ہر برے اور بگڑے کام کی اساس یہی غصہ ہوتا ہے، جس نے غصہ پر قابو پالیا سمجھو اس نے کامیاب زندگی کا راز پالیا اور تم تو ویسے بھی شادی شدہ بچی ہو''۔

''جی بہتر، ہم بات کر رہے تھے کرن کی آمد کی۔ وہ بات تو وہیں رہ گئی اور ہم نہ جانے کس طرف نکل گئے، بلاوجہ کی بدمزگی پھیل گئی''۔ موضوع کو اپنی طرف گھومتے دیکھ کر سمجھداری سے خود کو بچا گئی تھی۔

''اس کا ارادہ شام تک آنے کا ہے مگر تم ابھی بلواؤ اسے۔ اس گھر میں عورتوں کی مرضی نہیں چلا کرتی''۔ وہ اپنے مخصوص حاکمیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''جی بہتر۔ میں ابھی لینے جارہا ہوں''۔ وہ فوراً کھڑے ہوگئے تھے۔

''تم...... تم کیوں جاؤ گے؟ ڈرائیور مرگیا ہے کیا؟''

''میں...... وہ پہلی مرتبہ آئے گی گھر میں تو......'' وہ خجل سے ہوگئے۔

''تو کیا ہوا؟ اس کی ماں کو تم لینے نہیں گئے تھے۔ اس کی یہی خواہش تھی کہ تم لینے جاؤ تو وہ آئے، پھر اب اس کی بیٹی کو کیوں لینے

جاؤ گے۔اس مری ہوئی کی روح کو خوش کرنے کے لیے"۔منال انہیں دیکھتی رہ گئی۔کیسی ظالم و بے ضمیر عورت تھیں کہ زندہ و مردہ سب سے انتقام لینے کی عادی تھیں۔

بے حد اثر و رسوخ، سماجی و سیاسی سمجھ بوجھ و بصیرت رکھنے والے برہان لغاری ماں کے سامنے کسی کم عقل و نا سمجھ بچے کی طرح رہتے تھے۔تمام تیزی و طراری، خود اعتمادی ماں کے سامنے ہوا ہو جاتی تھی۔وہ بچپن سے باپ سے زیادہ ماں کے رعب و دبدبے میں رہے تھے۔والدان کے بے حد نرم مزاج، خوش اخلاق وانسان دوست تھے۔بچوں کے ساتھ وہ بالکل بچہ بن جایا کرتے تھے۔

ماں کی سخت خود پسند و بارعب شخصیت نے ان کے سامنے کبھی ان کو خود اعتمادی نہ بخشی تھی۔وہ ہر فیصلے میں ان پر مسلط رہی تھیں۔

وہ شرمندہ شرمندہ اُٹھے اور اپنے ذاتی ڈرائیور کو حکم دینے لگے۔

☆......☆......☆

جب انسان محبت میں دھوکا کھاتا ہے تو ہر رشتے سے اعتماد و اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔یہ احساسات وقتی طور پر بہت شدت سے حاوی ہوتے ہیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، ہر احساس اپنی اصلی شکل میں آ جاتا ہے۔آج میں خوش ہوں کہ آپ کے احساسات کی نوعیت اپنی حالت میں واپس آ گئی لیکن ایک جگہ دل میں کچھ گرہ سی رہ گئی ہے۔مدثر صاحب اس کی جانب دیکھتے مبہم لہجے میں گویا ہوئے۔

"اس گرہ کو کھول دیجیے ڈیڈی۔میں نے ہمیشہ آپ کو ایک ایک بات سے باخبر رکھا ہے۔ہر پرابلم آپ سے ڈسکس کی ہے۔ہر راز آپ سے شیئر کیا ہے"۔وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔رات کرن سے بات کرنے کے بعد صبح ناشتے پر وہ انہیں بتا چکا تھا۔

"مجھے آپ کے اس دوستانہ رویے سے ہمیشہ ہی خوشی ملی ہے۔ہماری انڈرسٹینڈنگ مثالی ہے مگر بات یہاں ایک زندہ وجود کی آتی ہے جس سے میں بیٹی کی طرح محبت کرتا ہوں۔اس کی تابع داری و سعادت مندی نے میرے دل میں ایک نرم و گداز جذبہ بیدار کر دیا ہے جو ایک باپ صرف اپنی بیٹی کے لیے ہی محسوس کرتا ہے۔اس حوالے سے میں آپ کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ کرن آپ کے انتقام کی بھینٹ چڑھے اور میں خود کو معاف نہ کر سکوں"۔ان کا لہجہ سچا و کھرا تھا۔انس کو ان کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔

"بیٹے کی محبت پر چند ماہ کی فرماں برداری حاوی ہو گئی ڈیڈی؟"

"محبتیں لالچ و غرض سے پاک ہوں تو ایسا ہی تعلق مربوط کرتی ہیں"۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ڈیڈی آپ میری خواہش پر شک کے کانٹے پھیلا کر مجھ کو تکلیف میں مبتلا کر رہے ہیں۔یہ آپ نے کس طرح سوچ لیا کہ میں کسی بے قصور سے انتقام لوں گا؟"۔

"کرن، منال کی سوتیلی بہن ہے۔برہان لغاری کی اصل بیٹی، کیا یہ حقیقت کافی نہیں ہے، میرے شک کو تقویت دینے کے لیے"۔

"آپ اس تکلیف دہ حقیقت کو کیوں بھول رہے ہیں جو ان رشتوں کے انکشاف کی وجہ بنی۔کرن اپنی مدر کی ڈیتھ کی وجہ بھول سکتی ہے؟ برہان جیسا ڈپلومیٹک، تنگ ذہن شخص کرن کے لیے ایسا ہی محبت کرنے والا باپ بن سکتا ہے جیسے باپ ہوتے ہیں؟"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا یقین کے ساتھ۔ وہ پل پل موڈ بدلنے والا شخص ہے۔ اپنی عقل و سمجھ سے زیادہ لالچی و خوشامدی لوگوں کی باتوں پر یقین کرنے والا"۔

"مجھے آپ کے حکم کا انتظار ہے"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"اس کا رشتہ مانگنے ہمیں برہان لغاری کے پاس جانا پڑے گا۔ اس کا جواب کیا ہوگا۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے رسانیت سے سمجھانے لگے تھے۔ "جس آگ کے شعلے بڑی مشکلوں سے سرد ہوئے ہیں۔ انہیں پھر سے ہوا مت دو۔ اسی میں بہتری وامن ہے"۔

"ڈیڈی! اب شکست ہمارا مقدر نہیں بن سکتی"۔

"یہ جنگ میں لڑنا ہی نہیں چاہتا تو شکست و فتح سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

وہ اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ انس نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا، پھر ایزی ہو کر نیم دراز ہوا اور سوچوں کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ باپ کے گریز واجتناب کی وجہ وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔ برہان لغاری کی شرانگیزیاں اور بدقماشیاں ان جیسا شریف وصلح جو شخص کبھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ انہوں نے قدم پیچھے ہٹانا ہی سودمند سمجھا تھا لیکن اس بار وہ پوری طرح تہیہ کر چکا تھا ان سے ٹکرانے کا۔

☆......☆......☆

جب سے گریبی نے سنا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ انہیں چپ لگ گئی تھی، نہ وہ کوئی فرمائش کر رہی تھیں، نہ ضد۔ بالکل خاموشی سے کام کروا رہی تھیں۔ ان کی خاموشی نے اسے وحشت زدہ کر دیا تھا۔ ایسی وحشت، ایسی بے چینی وہ اس وقت بھی محسوس نہ کرتی تھی، جب وہ بات بے بات اس کو کھری کھری سناتی تھیں۔ نخرے وضدیں کر کے زچ کر ڈالتی تھیں۔ ان کی فرمائشوں کے نت نئے انداز بھی اسے اتنا پریشان نہ کرتے تھے جتنا اس وقت ان کی خاموشی کر رہی تھی۔

"تم آج چلی جاؤ گی۔ شمو کو سمجھا جانا، وہ صفائی کا خاص خیال رکھے بس"۔ وہ انہیں ناشتہ کروا کر فارغ ہوئی تو وہ گویا ہوئیں۔

"میں اسے سمجھا چکی ہوں...... کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" بالآخر ہمت کر کے اس نے پوچھ لیا۔

"جاؤ...... میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔

"میڈم پلیز! میری مجبوری سمجھیں۔" وہ ان کی طرف جھکی تھی۔

"میں تم سے ناراض کیوں ہوں گی۔ تمہارا رہنا میری قسمت میں لکھا ہے۔ اس میں تمہارا کیا دوش؟ جہاں رہو خوش رہو۔ میری دعا ہے تمہارے لیے"۔ انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، تاکہ وہ وہاں مچلتا نمکین پانی دیکھ نہ پائے۔ رات سے اس کا دل بھی بھر بھر آرہا تھا۔ کئی مرتبہ وہ رو چکی تھی۔ گریبی کے کمرے سے نکل کر وہ اپنے کوارٹر میں آگئی۔

دہلیز پار کرتے ہی ماں کی یاد، ماں کی خوشبو، ہر سمت پھیلی محسوس ہوئی۔ اس کی قربت کا لمس، لہجے کی مٹھاس از سر نو بیدار ہوگئی تھی

اور وہ خالی خالی نگاہوں سے ان در و دیوار کو تکنے لگی تھی جو کل تک ماں کی موجودگی میں سکون و آسودگی، نجات و عافیت کا مسکن لگتے تھے اور اب خاص دھول میں اَٹے کسی ویرانے کا منظر پیش کر رہے تھے۔

"ہاں مما! ہمارے ستارے آپس میں کبھی ملے ہی نہیں۔ ہمیشہ گردش کے دائروں میں متحرک رہے اور پھر ابدی جدائی کے دبیز اندھیروں میں کھو گئے۔" وہ رو پڑی۔

"بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں"۔ شمو کی آمد پر اس نے آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آئی۔ دل تھا کہ پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

"یہ ذکی الدین صاحب آپ کو لینے آئے ہیں"۔ وہ اندر داخل ہوئی تو مدثر صاحب صوفے پر بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئے۔

"آداب مس! مجھے برہان صاحب نے بھیجا ہے۔ وہ کسی اہم میٹنگ کی وجہ سے نہیں آ سکے ہیں......" وہ اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہوا اور وضاحتی لہجے میں گویا ہوا۔

"لیکن مجھے شام کو جانا تھا"۔

"سر کا حکم ہے، آپ ابھی میرے ساتھ چلیں گی"۔ ذکی الدین کا لہجہ نرم مگر قطعیت و خود اعتمادی سے بھرپور تھا۔ وہ گندمی رنگت، عام نقوش و کرخت چہرے والا شخص برہان الدین کا ہم عمر تھا۔

"ابھی میں نے ان کی دہلیز پر قدم رکھا بھی نہیں اور احکامات لاگو ہو گئے؟"

"سر نے اس میں آپ کی بہتری دیکھی ہو گی بس"۔ ذکی الدین اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر رسانیت سے گویا ہوا۔

"سفر کئی گھنٹوں پر مشتمل ہے۔ ابھی روانہ ہوں گی تو رات تک وہاں پہنچیں گی۔ پھر جب جانا ہی ہے تو صبح و شام کا کیا انتظار کرنا"۔ مدثر نے کہا۔

"چلیں مس! باہر ڈرائیور گاڑی لیے کھڑا ہے۔ سر کا آرڈر ہے یہاں سے آپ کوئی سامان لے کر نہیں جائیں گی"۔ ذکی الدین، مدثر اور برہان کے درمیان کشیدہ و خراب تعلقات کو جانتا تھا۔ وہ برہان الدین لغاری کا بے حد خاص ملازم، بلکہ دست راست تھا۔ اس نے اپنی وفاداری کا ثبوت یہاں آ کر پوری طرح دیا تھا۔ مدثر صاحب سے اس نے رسمی علیک سلیک بھی نہ کی تھی۔ چوکی دار سے گیٹ کے باہر سے ہی اپنا مدعا کھلوایا تھا۔

یہ مدثر صاحب کی خوش اخلاقی و اعلیٰ ظرفی تھی جو وہ اسے لیونگ روم تک لائے۔ اس کی خاطر تواضع کرنا چاہی مگر اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کے ہر انداز سے تکلف، اجتناب و گریز عیاں تھا۔

کرن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سامان وہ پہلے ہی چندا اور شمو میں بانٹ چکی تھی، پھر سامان تھا ہی کتنا، چند سوٹ، کپڑے، کچھ

روزمرہ استعمال کے برتن اور دو بستر یا چند چھوٹی موٹی ضروری اشیاء تھیں۔

"جب ضرورت محسوس ہو پکار لینا، اپنے قریب ہی پائیں گی"۔ مدر نے جاتے سمے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا تھا۔

وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔ اشکوں کی دبیز تہہ تھی جو آنکھوں تلے چھائے جا رہی تھی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

اپنے باپ کے گھر میں وہ پہلی بار خشک آنکھوں، بلند حوصلوں و مضبوط اعصاب کے ساتھ داخل ہونا چاہتی تھی۔ بہادر و نڈر بن کر۔

چندا اور شمو نے اسے روتے ہوئے رخصت کیا تھا اور گیٹ تک آئی تھیں۔ گریہ تو سو رہی تھیں، پھر بھی اس کی ہمت نہ ہو سکی انہیں الوداعی نگاہوں سے دیکھنے کی بھی کہ کچھ ایسی ہی محبت ان سے ہو چکی تھی۔

انس سے نکلتے سمے ٹکراؤ ہوا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"تم نے میرے پرپوزل کا جواب تسلی بخش یا اُمید افزا نہیں دیا تھا مگر دُنیا امید پر قائم ہے اور میں بھی ہر روز تمہارے جواب، تمہاری "ہاں" کا منتظر رہوں گا"۔ اس کے گھمبیر لہجے میں نہ معلوم کیا تھا کہ پہلی بار اس نے دل کی دھڑکن کو عجیب سا پایا اور بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی تھی۔ گاڑی سبک رفتاری سے رواں دواں تھی۔

باوردی ڈرائیور مودبانہ انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر ذکی الدین بیٹھے تھے۔ وہ پچھلی نشست پر بیٹھی بلائنڈ ر گلاس ڈور سے باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر بے دھیانی سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

بڑھی ہوئی شیو، بکھرے بال، ملگجا شکن آلود لباس، نیند سے بے نیاز سرخ آنکھیں، بیمار چہرے و اضطرابی کیفیت رکھنے والا وہ وجود حمزہ کا تھا۔ وہ گھر سے نکل کر سیدھا ائیر پورٹ گیا تھا، وہاں فلائٹ کئی گھنٹے لیٹ روانگی کی اناؤنسمنٹ ہوئی تو وہ باہر نکل آیا تھا۔ صمد اس کے لاؤنج میں جانے کے بعد جا چکا تھا۔ وہ وہیں ٹی شاپ میں آ کر بیٹھ گیا۔ ویٹر کو اس نے چائے اور سینڈوچز کا آرڈر دیا تھا اور خود کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ پے در پے لگنے والے اعصابی و ذہنی شدید ترین جھٹکوں کو سہہ نہیں پایا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام حسیات سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔

افسوس در افسوس......جنون در جنون......اضطراب در اضطراب......

بے سکونی کے دریچے وا ہو گئے تھے۔ وہ بہت بڑے خلجان میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ویٹر کی مودبانہ آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور سیدھا اُٹھ بیٹھا تھا۔ چائے کی مہک، خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیے گئے سینڈوچز نے اسے احساس دلایا کہ گزشتہ کئی گھنٹوں سے بھوکا ہے اور جب بھوک کا احساس غالب آ جائے تو ہر جذبہ، ہر احساس شکم سیری تک دور کہیں محو ہو جاتے ہیں۔

بھوک مٹی تو کچھ قرار ملا، جسم و جاں میں نئے انداز سے توانائیاں بیدار ہوئیں۔ شل دماغ و بوجھل اعصاب میں شوریدہ سری جاگی تھی اور گزرا ہوا پل پل اسے یاد آنے لگا۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ وہ یہ کیا کر آیا ہے؟ گھر والوں کے ساتھ اس کا رویہ حق بجانب تھا مگر کرن کے ساتھ وہ بہت زیادتی کر بیٹھا ہے۔ اس احساس نے اسے اتنا مضطرب و پریشان کر ڈالا تھا کہ وہ واپس ایئر پورٹ جانے کے بجائے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں کمرہ بک کروا چکا تھا۔ کل تک وہ کرن سے اتنا بدظن و متنفر ہو چکا تھا کہ اس کی صورت دیکھنا تو در کنار اس کی آواز تک سننے کا روادار نہ تھا۔

اب آنکھوں سے غصے و جنون کی تاریکی چھٹی تو صورت حال کا ادراک ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ پرندہ بن کر اُڑ کر وہاں پہنچ جائے، جہاں وہ لڑکی رہتی ہے۔ جس سے وہ کبھی ناراض ہو ہی نہیں سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی ظالم، کٹھور، سنگ دل اور بے مروت کیوں نہ ہو۔ وہ اس کی ہر جفا بڑی وفا سے نبھاتا آیا تھا، پھر کس طرح اس سے منہ موڑ سکتا تھا، جبکہ اسے اب وہ کسی صورت تنہا نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ ذہنی کشمکش، اعصابی توڑ پھوڑ اور صدموں نے اسے یک لخت ہی بیمار کر ڈالا۔ ایک دن، ایک رات وہ بخار کی کیفیت میں مدہوش پڑا رہا تھا۔

دوسرے دن بھی خود میں ہمت نہ پا کر مجبوراً اسے صمد کو موبائل کرنا پڑا۔ حسب توقع صمد اس کی کال پر فوراً دوڑا چلا آیا تھا اور اسے اسی شہر میں اپنے روبرو دیکھ کر اسے خوشی و حیرانگی کے احساسات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ حمزہ نے ہمیشہ کی طرح اسکو اپنی سوچوں و خیالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"سیکنڈ کلاس ہوٹل تم نے کیوں چوز کیا؟" ساری باتوں کے جواب میں صمد کا سوال اسے بے چین سا کر گیا تھا۔

"مجھے یقین تھا، گھر والے اس طرح میری روانگی کو مصلحتاً برداشت کر گئے ہیں مگر اتنی آسانی سے فراموش نہ کر سکیں گے اور میری تلاش شہر کے اندر اور باہر فیس ہوٹلز میں ہو گی۔ ایسے ہوٹلز کا تو انہیں خیال بھی نہیں آئے گا"۔ وہ صمد کے چہرے کی جانب کھوجتی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خواہ مخواہ ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی ہے تم نے۔ تمہیں تو سیکرٹ سروسز کے لیے اپلائی کرنا چاہیے تھا"۔

"مشورے کا شکریہ، لیکن اب وہ بات بتاؤ جس کو تم چھپانے کی سعی کر رہے ہو۔ میں نے تم سے کہا کہ کرن کے پاس چلنا ہے، اسے منا کر لانا ہے اور تم نے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا، جس کا مطلب ہے کہ کوئی گڑ بڑ ہے"۔ صمد نے افسردہ نگاہوں سے بھائی کے بے چین و مضطرب چہرے کو دیکھا تو اپنے دل کو بند ہوتے محسوس کیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"صمد...... صمد! فار گاڈ سیک۔ تمہاری یہ خاموشی میرا دماغ بلاسٹ کر دے گی۔ پلیز...... جو بھی بات ہے، بتا دو"۔

"میں کل گیا تھا وہاں......" صمد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کرن وہاں نہیں ہے۔ اسکے فادر اسے وہاں سے لے گئے ہیں"۔

"و...... ہا...... ٹ!" یہ کس طرح ممکن ہے؟ وہ سراسیمگی کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا مگر مدثر صاحب نے وہاں کا کنٹیکٹ نمبر دیا تھا، وہاں آپریٹر نے بات کی۔ پہلے تو وہ معذرت کرتا رہا، پھر راضی ہوا تو برہان لغاری سے رابطہ کروایا تھا"۔ وہ لمحہ بھر توقف کے بعد گویا ہوا۔

"پہلی بار میں نے پتھروں کو بولتے سنا...... اوگاڈ! کیسا پتھریلا و سنگلاخ لہجہ تھا۔ رعونت و نخوت سے بھرپور۔ میرے تعارف کے جواب میں گویا ہوئے۔ کرن سے کسی کا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے بھول کر بھی یاد نہ کیا جائے۔ اگر دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ زندگی سے

ہاتھ دھو بیٹھے گا"۔ ان کا لہجہ، ان کا انداز بتا رہا تھا، وہ جو کہتے ہیں وہ کر دکھاتے بھی ہیں۔ ان جیسوں سے مخالف سمت چلنا ہی بہتر ہے"۔

"وہ اتنا ہی طاقتور اور رئیس آدمی ہے تو بیوی و بیٹی کو کیوں اس قدر کسمپرسی و بے بسی کی حالت میں چھوڑا تھا؟ ساری زندگی بیٹی کی یاد نہیں جاگی، پھر اب کس حساب میں رعب جما رہے ہیں"۔ حمزہ کا غم و غصے سے برا حال ہونے لگا۔

"جو لوگ جائز طریقوں سے دولت کماتے ہیں، ان کے دل کشادہ و گداز ہوتے ہیں اور جو کالا دھن بناتے ہیں وہ اسی طرح سیاہ دل، بے ضمیر و بے حس ہو جاتے ہیں پھر انہیں اپنے قول و فعل کے تضاد کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ اپنا محاسبہ کرنا پسند کرتے ہیں، جو چاہیں جس طرح چاہیں اپنے ہر سلوک کو جائز سمجھتے ہیں"۔ صمد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں کرن سے ملوں گا اور دیکھتا ہوں کہ کون روکتا ہے مجھے، اس سے ملنے سے"۔

"کول ڈاؤن۔ کول ڈاؤن۔ اپنی کنڈیشن دیکھو۔ پہلے ہی اتنا تیز بخار ہو رہا ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے تو کچھ کرتے ہیں"۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ ٹھیک ہوں میں۔ ہم ابھی چلیں گے"۔ وہ واش روم کی طرف بڑھتا ہوا قطعی انداز میں گویا ہوا۔

"ایسی بھی کیا جلد بازی ہے یار! کرن کو وہاں ایڈجسٹ ہونے دو"۔

"وہ وہاں گئی ہے لیکن میں جانتا ہوں، وہ بہت بے صبری و جلدی باز لڑکی ہے۔ بے حد منتقم مزاج بھی۔ بدلہ لینے اور جواب دینے میں دیر کرنے والی نہیں"۔

"کیا بخار تمہارے دماغ پر اثر انداز ہونے لگا ہے جو بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو"۔

"میں بہک نہیں رہا یار! نہ دماغ خراب ہوا ہے میرا"۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔

"تم بخوبی جانتے ہو، کرن کو اپنے ڈیڈ سے ملنے، ان کے ساتھ رہنے کی کتنی خواہش تھی، جو اب پوری ہوئی ہے تو وہ خوش نہ سہی، مطمئن تو ہو گی"۔

"نہیں...... جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد وہ ایسی کسی خواہش کی آرزومند نہ رہی ہو گی۔ وہ وہاں گئی ہے تو نیک ارادوں سے نہیں گئی ہو گی...... وہ کیا کر گزرنے کی نیت سے وہاں گئی ہے۔ یہ میں نہیں جانتا مگر یہ میرا دل گواہی دے رہا ہے، وہ کچھ کر گزرنے میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرے گی۔ ایسی ہی ضدی و ہٹ دھرم ہے وہ"۔

حمزہ کے چہرے سے تفکر و اضطراب جھلک رہا تھا جس سے واقف ہو کے صمد بھی متفکر ہو گیا تھا۔

"اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا۔ کبھی نہیں......"

"ڈونٹ وری۔ چلو تم تیار ہو۔ پہلے ہم ہسپتال چلیں گے، تاکہ تمہیں کچھ ٹریٹمنٹ مل سکے، کیوں کہ بخار بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد ہم چلتے ہیں"۔

☆......☆......☆

گاڑی عظیم الشان گیٹ کے آگے پہنچی ہی تھی کہ وہ آٹو میٹک انداز میں کھلتا چلا گیا اور گاڑی آگے بڑھ کر چند منٹ کا فاصلہ طے کر کے رُک گئی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ دروازہ کھولنے کے لیے لاک کا بٹن پش کرتی، ذکی الدین پھرتی سے اپنی سیٹ سے اُتر کر اس طرف آ گئے اور گیٹ کھول کر مودبانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"پلیز کم بے بی!" اور وہ خاموشی سے باہر نکل آئی تھی۔

ذکی الدین کی رہنمائی میں وہ خوب صورت روش پر دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ دل میں عجیب سا جوار بھاٹا اُٹھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کبھی اس جگہ سے اس کی ماں بھی گزری تھی۔ جگہ یہی تھی۔ مقام یہی تھا لیکن سمتیں جدا جدا تھیں۔ وہ اندر کی جانب بڑھ رہی تھی اور وہ باہر کی سمت جا رہی تھی۔

راستہ یہی تھا...... منزل جدا تھی......

وہ اسے گود میں بھر کر بھی خود کو تنہا محسوس کر رہی تھیں۔ وہ تنہا ہو کر انہیں اپنے ساتھ محسوس کر رہی تھی۔ چند سیڑھیاں عبور کر کے وہ اوپر آئی تو سامنے گولڈن فریم میں آویزاں پینٹ گلاسز والے خوب صورت گیٹ کو بند دیکھ کر وہ رُک گئی۔ ذکی الدین نے کچھ حیرانگی سے آگے بڑھ کر دل کی شکل کا گولڈن ہینڈل پکڑ کر گیٹ کھولنا چاہا تو اسے اندر سے لاکڈ دیکھ کر ان کے چہرے پر حیرانگی کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی عود آئی۔

"کیا بات ہے؟ یہاں آنے والوں کو ویلکم اس انداز میں کیا جاتا ہے؟" کرن بند گیٹ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے طنزیہ لہجے میں بولی۔

"نہیں بے بی! میں پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں اسے بند دیکھ رہا ہوں"۔

"اچھا...... اس کا مطلب سمجھیں گے آپ...... یا آپ سمجھ چکے ہیں؟"

"مطلب...... میں سمجھا نہیں"۔ وہ ہکا بکا کرن کا بدلا ہوا موڈ دیکھ کر گویا ہوا۔

"اس گھر کے ہی نہیں، دل کے دروازے بھی میرے لیے بند ہیں۔ یہ مطلب ہوا اس سلوک کا ذکی الدین صاحب! انسان کی اس سے بڑی تذلیل کیا ہو گی کہ گھر بلا کر دروازے بند کر دیئے جائیں۔ سمجھ رہے ہیں ناں آپ؟"

"جی...... جی...... نہیں...... نہیں...... پتا نہیں"۔ وہ بری طرح سٹپٹا کر رہ گیا۔

اسی دم ایک ملازمہ عقبی سمت سے آ کر گویا ہوئی۔

"مالکن کا حکم ہے کہ مہمان کو اس گیٹ سے اندر لے کر آئیں"۔ وہ ذکی الدین سے مخاطب ہوئی۔ اس کی نگاہیں کرن پر مرکوز تھیں۔

"چلیں بے بی! ہم کو بیک سائیڈ سے اندر جانا ہو گا"۔

"بیک سائیڈ، وہاں سے کس کی آمد و رفت ہوتی ہے؟" وہ براہ راست ملازمہ سے مخاطب ہوئی۔ ذکی الدین کو بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"ہم تمام ملازمین کا راستہ وہی ہے۔ مزارعوں کی بیویاں، بیٹیاں، مالن، دھوبن اور وہ....." اسی لمحے اس کی نگاہ ذکی الدین کے چہرے پر پڑی تو وہ چپ ہو گئی۔

"جاؤ۔ چلیں بے بی!" ملازمہ سے کہہ کر وہ کرن سے مخاطب ہوا۔

"وہاں سے اندر جاؤں گی میں؟ جہاں سے وہ لوگ جاتے ہیں جو یہاں بسنے والے فرعونوں کے لیے بے حیثیت و کمتر وجود رکھتے ہیں، جن کی ان کی نگاہوں میں کوئی قدر و منزلت نہیں، کوئی عزت و وقار نہیں۔ زمین پر رینگنے والے کیڑوں اور ان لوگوں میں یہ لوگ کوئی فرق نہیں سمجھتے ہیں۔ میں وہاں سے جاؤں گی؟" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

"آپ...... آپ غلط سمجھ رہی ہیں"۔ وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"تم نے حق نمک ادا کر دیا۔ نمک حلالی کا ثبوت دے دیا۔ اب چلے جاؤ۔ تمہاری رہنمائی کی مجھے مزید ضرورت نہیں ہے اور میں یہاں مہمان نہیں ہوں۔ برہان لغاری کی بیٹی ہوں اور ان کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اس جگہ پر، اس کی ہر شے پر میرا پورا پورا حق ہے، اگر اس حوالے سے کسی کو کوئی غلط فہمی ہے تو وہ بھول جائے۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

ذکی الدین برا پھنسا تھا۔ وہ نہ رک سکتا تھا اور نہ جا سکتا تھا۔ کرن وہیں رکھی کین کی کرسیوں میں سے ایک پر بڑے طمطراق سے بیٹھ گئی تھی۔ وہ یہاں پہلی بار آئی تھی لیکن اس کے انداز سے کوئی اجنبیت یا گھبراہٹ ظاہر نہ ہو رہی تھی جو پہلی بار کسی نئی جگہ پر آنے کے بعد محسوس ہوتی ہے۔

"ذکی الدین صاحب! آپ جائیں"۔ اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر کرن بولی۔

"آپ کو اس طرح چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟"

"یہ میرا گھر ہے۔ آپ کو میری نگرانی پر کس نے مامور کیا ہے؟"

"نو بے بی! میرا مقصد یہ نہیں ہے"۔

"اوکے بے بی! گڈ بائے"۔ وہ الجھا الجھا، اس کے اصرار پر وہاں سے نکل آیا تھا۔ گیٹ سے باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس میں بیٹھ کر اس نے برہان لغاری کو کال کی جو پہلی بیل پر ریسیو کی گئی تھی۔ اس نے تمام صورت حال من و عن انہیں سنا کر مشورہ مانگا تھا۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا ہے ذکی! تم جاؤ۔ ہم آ رہے ہیں، راستے میں ہیں"۔ موبائل آف کرتے ہوئے ذکی الدین کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی تھی۔ وہ کار لے کر چلا گیا۔

ذکی الدین کے جانے کے بعد وہ ڈھیلے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ غصے و توہین کے احساس سے اس کے اندر شعلے بھڑک رہے تھے۔ اسے معلوم تھا، اس کا استقبال شاندار طریقے سے نہیں کیا جائے گا لیکن اس طریقے سے کیا جائے گا کہ داخلی دروازے بند کر کے وہ دروازہ کھولا جائے گا جو اسے تیسرے درجے کے لوگوں کی صف میں لا کھڑا کر دے گا جو اسے کسی طور پر بھی گوارا نہ تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ جب تک برہان لغاری نہیں آئیں گے، وہ یہیں بیٹھے گی۔ دونوں اطراف میں بنائے لانز بہت سرسبز و شاداب تھے۔ ملکی و غیر ملکی پھولوں کی مسحور کن مہک ہوا کے جھونکوں کو معطر کر رہی تھی۔ سامنے پہاڑ کی چوٹی پر سورج اپنی الوداعی شعائیں بکھیر رہا تھا جو ہر سو پھیل کر ایک اداس کر دینے والا تاثر پھیلا رہی تھیں۔

دور اُفق پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ پرندوں کی قطاریں تھیں جو ترتیب سے ایک دوسرے کے پیچھے محو پرواز تھے۔ وہ سب دیکھ رہی تھی۔ پھیلتی شام کی تمام اُداسیاں اسے اپنے وجود کے اندر سموتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے سر جھٹک کر آنکھوں میں آتی نمی سے چھٹکارا پایا۔ وہ طے کر کے آئی تھی کہ یہاں ایک آنسو نہیں بہائے گی۔

ملازمائیں کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں آجا رہی تھیں۔ وہ دور دور سے چور نظروں سے اس کی جانب دیکھتیں اور اس کی نگاہ اُٹھتے ہی سر جھکا کر آگے بڑھ جاتیں۔ اس طرف آنے کی کسی ملازمہ کو اجازت نہ تھی۔ یہ وہ سمجھ چکی تھی۔

ایک دم ہی ملازمین میں کھلبلی مچی تھی۔ وہ سب تیزی سے الرٹ ہونے لگے تھے۔ ان کی نگاہوں کے تعاقب میں اس نے دیکھا تو گیٹ سے پجارو اندر داخل ہو رہی تھی، اس کی نگاہیں سرعت سے اس جانب متوجہ ہوئیں۔

گاڑی رُکتے ہی ایک ملازم پھرتی سے آگے بڑھا اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر سائیڈ میں سر جھکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر بڑی شان و بدبے سے اس نے اس شخص کو باہر نکلتے دیکھا تھا جس کو دیکھنے کی آرزو میں ایک جیون گزرا تھا۔ تھری پیس سوٹ میں اس کی سرخ و سپید رنگت و بارعب شخصیت نمایاں تھی۔ انہوں نے چہرہ گھما کر ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی، پھر ملازم سے کچھ کہہ کر بڑے کروفر سے آگے بڑھ گئے تھے۔

"صاحب بلا رہے ہیں آپ کو"۔ ملازم نے آکر اطلاع دی تو وہ طویل سانس لیتی اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

برہان لغاری اوپر پہنچے تو گیٹ وا تھا۔ اسی لمحے کرن بھی ان کے نزدیک پہنچ چکی تھی، اس نے سلام کیا۔ سر کی جنبش سے جواب دیا گیا۔ وہ اسے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چل دی۔

چھت کے وسط میں آویزاں خوب صورت فانوس سے دودھیائی روشنیاں نکل کر ہر شے کو منور کر رہی تھیں۔ بالکل الف لیلوی ماحول تھا۔

حسین و جمیل خوب صورت...... خواب ناک تصوراتی، مکینوں کی دولت و ثروت کا منہ بولتا ثبوت۔ کئی کمرے، لاؤنج، راہ داریاں عبور کرتے وہ ایک کمرے کے آگے رُک گئے تھے۔ دروازہ ناک کرنے پر ایک ملازمہ باہر نکلی تھی۔

"مالکن کا حکم ہے، وہ ابھی آرام کر رہی ہیں، کسی سے نہیں ملیں گی"۔ مودبانہ انداز میں وہ برہان لغاری کو سلام کرنے کے بعد گویا ہوئی۔ وہ بنا کچھ کہے واپس مڑے تو اسے بھی ان کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

"مائی سکینہ!" برہان لغاری نے آواز لگائی تو نہ معلوم کس گوشے سے بوتل کے جن کی طرح ایک ادھیڑ عمر عورت فوراً حاضر ہوئی تھی۔

"حکم سائیں حکم!" وہ گردن جھکا کر ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"بی بی کو کمرہ دکھاؤ"۔ وہ حکم دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

"مجھے یہاں بلانے کا مقصد کیا یہی تھا؟" وہ سکینہ کو نظر انداز کرتی تیزی سے ان کے مقابل آ گئی تھی۔

"کون سا مقصد؟" وہ اس کی جانب دیکھے بنا سخت انداز میں بولے۔

"دروازے بند کر کے میری تذلیل و اہانت کرنے کا، یہاں آنے والوں کا استقبال اسی طرح ہوتا ہے؟" اس کے انداز میں بے خوفی تھی۔

"ہر جگہ کے اصول علیحدہ ہوتے ہیں اور رہی بات آنے والوں کی تو ان کی توقیر...... تو شخصیت اور ویلیوز کی بیک پر کی جاتی ہے"۔

وہ گویا بھرپور طمانچہ کردار و عزت کے حوالے سے اس کے منہ پر مار کر جا چکے تھے اور وہ بت بنی ان کے دور ہوتے وجود کو دیکھتی رہی...... ساری زندگی کردار، حرمت و چلن بنانے کی تگ و دو میں، جس عورت نے گزاری تھی۔ بدکرداری و بدچلنی کے الزام نے جس کی جان لی تھی۔ مرکز بھی اس کی روح کو بے سکون اب اس طرح کیا جاتا تھا۔

مائی سکینہ نہایت احترام سے اسے ایک کمرے میں لے آئی تھی۔ اعلیٰ فرنیچر، بہترین پردوں، امپورٹڈ وال ٹو وال کارپٹ سے ڈیکوریٹڈ کمرہ اس کے اندر کی تشنگی کو فرو نہ کر سکا تھا۔ وہ بے جان انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ خواہشیں وہ خوش رنگ و گل رُخ تتلیاں ہیں کہ جن کے حصول کی خاطر ہم پیچھے بھاگ بھاگ کر پاؤں فگار کر لیتے ہیں۔ اُنگلیاں لہولہان اور جسم نیم مردہ ہو جاتے ہیں۔ جب نامرادی و نااُمیدی کی کسک سوز حیات بن جاتی ہے، جن کے بغیر رہنے کی عادت ہو جائے تو پھر وہی خواہشات ان تتلیوں کی طرح ہاتھوں میں آتی ہیں جن کے رنگ کھو گئے ہیں...... جن کے پَر ٹوٹ گئے ہیں...... جن کے وجود تنکا تنکا بکھر گئے ہیں......

بے کشش و بے مصرف چیزوں کا حصول بے معنی ہوتا ہے۔ شدید بھوک میں روٹی کا حصول وقت کی اوّلین و شدید ضرورت ہوتی ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد ہر طلب اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔

وہ باپ سے ملنا چاہتی تھی...... ددھیال سے ملنا چاہتی تھی...... اس گھر میں رہنا چاہتی تھی، جہاں اب موجود تھی۔ خواہشیں پوری ہو گئی تھیں، اُمیدیں بر آئی تھیں...... لیکن مردہ تتلیوں کی طرح......

آنکھوں سے پھر نمکیں سمندر موجزن ہونے لگا تھا۔

ماں کی یاد رگوں میں خون کی روانی کی طرح گردش کرنے لگی تھی۔ وہ طویل سانس لے کر سیدھی ہوئی تو مائی سکینہ کو ہنوز اسی پوزیشن میں کھڑا دیکھ کر حیرانگی سے ہوئی۔

"تم! گئی نہیں؟"

"بی بی صاحبہ کا حکم ہو گا تو جاؤں گی"۔ وہ اسی طرح ہاتھ جوڑے، گردن جھکائے ملگجانہ انداز میں بولی۔

"جاؤ"۔

"جو حکم بی بی صاحبہ!" وہ آہستگی سے چلی گئی۔ کرن نے اُٹھ کر دروازہ لاکڈ کیا۔ سینڈل اُتار کر سائیڈ میں رکھے اور سامنے بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ براؤن اور گولڈن شیڈز کا خوب صورت بیڈ کور بے شکن تھا اور روم میچنگ سے خوب صورت لگ رہا تھا۔

اے سی کی وجہ سے پہلے ہی کمرے میں خاصی ٹھنڈک تھی۔ وہ بالوں سے کیچر نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر دراز ہو گئی۔ اچھے جذبات لے کر وہ یہاں داخل نہیں ہوئی تھی۔ کبیدگی و خفگی اس کے اندر شدت سے موجود تھی، مگر جس اہانت آمیز انداز میں اس کا استقبال کیا گیا تھا۔ اس کی اسے اُمید نہ تھی کہ گھر بلا کر ذلیل کرنا بے ضمیروں و کم ظرفوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ ان کی ایسی صفات سے وہ پہلے ہی واقف ہو چکی تھی۔ یہاں آکر مہر تصدیق ثبت ہو گئی تھی اور ساتھ ہی اس کے اندر بغاوت و نفرت کی کبھی نہ بجھنے والی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔

☆......☆......☆

پورے دن وہ صمد کو ساتھ لے کر برہان لغاری کی جستجو میں رہا اور اس کی رہائش گاہ ڈھونڈنے میں ناکام رہا تھا۔ حالانکہ برہان لغاری کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کو تلاش کرنے میں دشواری پانا کامی ہو۔ وہ اعلیٰ طبقوں میں باحیثیت مقام رکھتا تھا، بااثر و بھرپور شخصیت کا مالک تھا لیکن...... اسے کھوجنے سے معلوم ہوا وہ اپنے چہرے کو کئی نقابوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ اس کی پرسنالٹی مضبوط مگر کچھ پُراسرار بھی تھی۔ بزنس ورلڈ میں وہ کنگ تھا۔ ظاہر و خفیہ کئی کاروبار کا وہ مالک تھا۔

اس کی کئی رہائش گاہوں پر وہ کرن کو تلاش کر چکا تھا۔ وہ اسے کہیں نہیں ملی تھی۔ چالاک اور ٹرینڈ چوکی داروں سے وہ بڑے محتاط اور دانش مندانہ انداز میں معلوم کرتا رہا تھا۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ کوٹھی خالی ہے۔ نہ معلوم صاحب کے گھر والے کدھر ہیں اور ان کی باتوں کی تصدیق خاموش و ویران نظر آنے والی جگہوں سے ہو جاتی تھی۔ وہاں سے ناکام ہو کر اس نے ڈائریکٹ برہان لغاری سے ملنے کی کوشش کی مگر وہاں بھی اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی تو بددل ہو کر واپس ہوٹل آ گیا تھا۔

"صبر سے کام لو یار! اپنی طبیعت دیکھو۔ سارے دن کی خواری نے تمہاری حالت بگاڑ دی ہے"۔ صمد اس کا سرخ چہرہ اور اُداس آنکھیں دیکھ کر بولا۔

"مجھے ڈر ہے وہ احمق خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے"۔ وہ نڈھال سا بیڈ پر لیٹتا ہوا فکر مندی سے بولا۔

"تم جتنا کرن کو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہو، اتنا ہی میں بھی کرتا ہوں۔ وہ ایسی احمق ہرگز نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔ لڑنے بھڑنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ یہ تم جانتے ہو۔ اس کے غصے کے آگے بڑے بڑے لوگ نہیں ٹھہر سکتے۔ پھر یہ تو زائد و تعلقات کیا اہمیت رکھتے ہیں؟" صمد ہنستے ہوئے بولا۔

"وہ ٹوٹ چکی ہے۔ اس میں پہلے جیسی بات کہاں رہی ہوگی؟"

"تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے کہ تم دل سے سوچتے ہو اور میں دماغ سے۔ دل کے معاملے میں تو ویسے بھی کون ہوش مند رہا ہے جو تم رہو گے"۔

''میری چاہت کی کلیاں تو بن کھلے ہی مرجھا گئی ہیں، جہاں کل گلستان تھا، وہاں آج صحراؤں کی دھول اُڑتی ہے۔ جلے ارمانوں کی راکھ اُڑتی ہے۔''

''اوہ...... گاڈ دیکھو بھائی! میں ویسے بھی خاصا بد دل و بے زار ہو گیا ہوں، ان جذباتی و غم زدہ مکالموں سے۔ گھر میں ممی پچھتاوؤں و دکھوں کی تصویر نظر آتی ہیں تو ڈیڈی دکھ و غم کا چلتا پھرتا وجود۔ ان سے گھبرا کر باہر آیا تو تم...... سوگوار محبت کا مزار بنے بیٹھے ہو، جو ہونا تھا ہو گیا، جو ہونے والا ہے اسے روکنے پر نہ تم قادر ہو اور نہ میں، پھر کیوں اندیشوں و وسوسوں میں مبتلا ہو کر پریشان ہوں''۔ صمد نے اس بار خاصے چڑ کر غصے سے کہا۔

''اچھا فضول ٹرزمت کرو۔ روم سروس پر کھانے کا آرڈر دو۔ میں اتنے میں کپڑے چینج کر کے آتا ہوں۔ خالی پیٹ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے''۔ حمزہ اٹیچڈ باتھ کی جانب جاتا ہوا گویا ہوا۔

''کھانے سے پیٹ بھر جائے گا مگر خالی ''دماغ'' کس سے بھرو گے''۔ صمد نے شوخی سے کہا، جواباً حمزہ کی جانب سے کشن کھینچ کر مارا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو مام!'' منال نے ریسیور کان سے لگا کر چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاؤ آر یو سویٹ گرل!'' خاصی چہکتی ہوئی آواز آرہی ہے میری چڑیا کی۔ یقیناً کوئی گڈ نیوز ہے''۔ جواباً وہ بھی شوخی سے بولیں۔

''ہوں۔ ہے تو گڈ نیوز، مگر مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس طرح بنا کہے سمجھ جاتی ہیں؟'' منال ماں کی ایسی باتوں پر ہمیشہ حیران ہو جاتی تھی کہ وہ کہہ بھی نہ پاتی اور ادھر سے وہی بات کی جاتی جو اسے حیرانگی میں مبتلا کر دیتی تھی۔

''سمجھ دار کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے میری جان''۔

''آئم ٹوٹ اینگری مما! آپ کے پاس کوئی میجک ہے''۔

''برین سے بڑھ کر بھی کوئی میجک ہو سکتا ہے سوئٹی؟''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی ہیں''۔ وہ اُلجھتے ہوئے بولی۔

''پہلے بہت سمجھ دار تھیں، اب لگتا ہے اپنے فادر کی طرح چند دنا سمجھ ہوتی جا رہی ہو۔ بات بات پر بچوں کی طرح سوالات کرنے بیٹھ جاتی ہو''۔

''اوہ...... سوری مما! ایکچوئیلی میں آج کل بہت اپ سیٹ ہوں۔ شاید اس وجہ سے ایسا رویہ کر رہی ہوں''۔ وہ کونشس ہو گئی۔

''ابھی کہہ رہی تھیں کہ گڈ نیوز ہے۔ اب کہہ رہی ہے کوئی ٹینشن ہے۔ کیا سمجھوں میں، کیوں اتنی پریشرائزڈ ہو''۔

''آپ ٹینس مت ہوں۔ چلیں پہلے میں آپ کو گڈ نیوز سناتی ہوں۔ ڈیڈ کی سیکنڈ ڈاٹر آج آ گئی ہے اور گرینڈ مدر نے کلوز ڈور سے

اسے ویلکم کہا ہے"۔

کرن کے ذکر پر اس کے چہرے پر چھائی پریشانی کھلکھلاہٹ میں بدل گئی تھی۔

"وہ بہت ڈپلومیٹک دومن ہیں۔ پہلے ڈیڈ کو پریشرائز ڈ کیا کہ وہ اسے کل کے بجائے آج بلوائیں۔ پھر اس کے آنے سے قبل انہیں نہ معلوم کس کام سے فیکٹری روانہ کر دیا اور پھر اس کی آمد سے پانچ منٹ قبل تمام ڈورز کلوزڈ کروادیے اور نوکروں کو بھی حکم دے دیا کہ کوئی اس سے بات نہیں کرے گا"۔

"ہوں...... آپ کی دادی کے دماغ میں شیطان حکمرانی کرتا ہے۔ لوگوں کو کس طرح زچ کیا جاتا ہے؟ کس طرح ستایا جاتا ہے؟ یہ انہیں بخوبی علم ہوتا ہے۔ ہاں پھر آگے سناؤ کیا ہوا؟" فائقہ بھی ہنستے ہوئی بولیں۔

"وہ آئی اور دروازہ بند ملا۔ بے چاری کی حالت اس وقت دیکھنے والی تھی۔ وہ سوچ رہی ہو گی اتنے اصرار سے بلوایا گیا ہے تو پروٹوکول بھی وی آئی پی ملے گا یہاں تو بند دروازوں نے ویلکم کہا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی"۔

"آپ کہاں سے دیکھ رہی تھیں؟"

"اپنے کمرے کی کھڑکی سے۔ ڈیڈ اسے اندر لے کر آئے پھر بھی گرینڈ مدر نے اس سے ملنے سے منع کر دیا کہ وہ آرام کرنے کے بعد ملاقات کریں گی"۔

"تھینکس گاڈ! آپ کے لیے راستہ کلیئر ہے، ورنہ مجھے خدشہ تھا کہ وہ مکار بڑھیا اس لڑکی کے ساتھ مل کر کوئی اور گیم کھیلنا نہ شروع کر دے۔ اینی وے، کس وجہ سے اتنی ڈسٹرب ہو، جلدی سے بتاؤ۔ مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے جس کے لیے تیاری کرنی ہے"۔ ان کے لہجے میں عجلت در آئی تھی۔

"میں سرور شاہ سے ڈائیورس لینا چاہتی ہوں"۔

"کیوں......؟" ان کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

"میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی"۔

"ہوں...... پھر انس مدثر کی محبت نے بے چین کیا ہے؟" ان کے سنجیدہ لہجے میں معنی خیزی در آئی تھی، جبکہ اس کی آنکھوں میں چراغ سے جل اُٹھے تھے۔ چہرے پر رنگ در آئے تھے۔

"یس مما! ڈیڈ کے کہنے پر میں نے وہ سب کر تو دیا مگر میرے دل میں آج تک اس کی محبت کی آگ بھڑک رہی ہے، جس نے اتنے عرصے بعد بھی مجھے اس سے دور نہیں ہونے دیا"۔ اس کے دھیمے لہجے میں شکستگی تھی۔ قبل اس کے کہ بات مزید آگے بڑھتی، دروازے پر باہر سے ہونے والی دستک نے اسے ریسیور رکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو باہر ملازمہ تھی جو کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ اسے ابھی آنے کا کہہ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب آئی تھی۔ تھری سائیڈ مررز میں اس کا عکس نمایاں تھا۔

وہائٹ اینڈ بلو کاٹن کے دیدہ زیب سوٹ میں اس کا ملکوتی حسن اپنی رعنائیاں بکھیر رہا تھا۔ میچنگ ڈائمنڈ جیولری کی دمک اس کی آنکھوں سے مشابہ تھی۔ شانوں پر بکھرے اخروٹی بالوں سے خوشبوئیں پھیل رہی تھیں۔ وہ خوش تھی۔ گزرتے وقت نے اس پر اپنے کوئی اثرات مرتب نہیں کیے تھے بلکہ اسے پہلے سے زیادہ نکھار عطا کیا تھا۔

ہر زاویے سے اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ مطمئن ہو گئی۔ ہیئر برش بالوں میں پھیرنے کے بعد شاکنگ پنک لپ اسٹک ہونٹوں پر لگانے کے بعد وہ پرفیوم اسپرے کر کے کمرے سے نکل آئی اور ڈائننگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

فانوسوں کی دودھیا روشنیوں میں منور ڈائننگ ہال میں وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل کے گرد ڈیڈ اور گرینڈ مدر پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ برہان لغاری بیٹی کو دیکھ کر شفقت سے مسکرائے تھے۔ والدہ حضور کے سپاٹ و سنجیدہ چہرہ پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا تھا۔ وہ کلف شدہ کپڑے کی طرح اکڑی بیٹھی تھیں۔

"بڑی مزے دار خوشبوئیں آ رہی ہیں"۔ وہ ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمام ڈشز آپ کی پسند کی ہیں"۔ برہان نے کہا۔

"پھر تو مزہ آ جائے گا...... بھئی وہ کہاں ہیں ہماری سویٹ اینڈ نٹل سسٹر۔ ہماری تو ملاقات ہی نہیں ہوئی ان سے"۔

"آ رہی ہیں، ابھی ملاقات کر لیجیے گا"۔

"گرینڈ مدر بڑی خاموش ہیں۔ کیا ہماری سسٹر کی آمد ناگوار گزری ہے آپ کو؟" وہ بڑی معصومیت سے ان سے مخاطب ہوئی۔

"والدہ حضور کے اصرار پر ہی ہم اسے یہاں لائے ہیں پھر ناگواری کیسی؟"

"جو ہم نے چاہا وہی اس گھر میں ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ یہ ناپسندیدگی و ناگواری جیسے الفاظ ہمارے اختیارات کی ڈکشنری میں نہیں ہیں۔ ہم حکم دینا اور حکم منوانا جانتے ہیں۔ ایسے لفظوں، ایسے جذبوں کی ہمارے یہاں گنجائش نہیں ہے"۔ حسب توقع ان کی بادقار سپاٹ دار آواز نے بے لچک انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

برہان لغاری اثبات میں سر ہلا کر ان کی باتوں کی تائید کر رہے تھے، جبکہ ان کا انداز اسے ہمیشہ کی طرح جلا گیا تھا۔

"سرور شاہ کا فون آیا تھا"۔ وہ ایک نگاہ منال پر ڈالتے ہوئے برہان لغاری سے مخاطب ہوئیں جو ماں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر سیدھے ہو بیٹھے تھے۔

"وہ شکایت کر رہے تھے کہ گزشتہ چھ ماہ سے منال نے ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھا ہے، نہ ملنے کو تیار ہے اور نہ فون اٹینڈ کرنے کو۔ بچہ بھی ماں سے ملنے کو بے چین ہو رہا ہے"۔

"وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ نہیں ہوں میں اس کی ماں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"یہ تمہیں اسی وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم اس کی ماں بننے کو تیار ہوئی"۔ وہ سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

"غلطی تھی وہ میری۔ اب میں اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہتی"۔

"اگر کوئی پرابلم ہے تو بتائیں۔ سرور شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے جس کو اس طرح نظرانداز کیا جائے، پھر اس سے ہمارے بزنس ٹرمز ہیں جو بہت مضبوط ہیں"۔ برہان لغاری تفکرانہ انداز میں بیٹی سے مخاطب تھے۔

"ڈیڈ! ہم اس میٹر کو پھر کبھی ڈسکس کریں تو بہتر نہ ہوگا؟...... لعل سسٹر سے پہلی بار مل رہی ہوں۔ ایسے میں ہمارے ذاتی معاملات منکشف ہو جائیں تو ہماری پوزیشن کمزور ہو جائے گی"۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے ہم رات کو یہ ٹاپک ڈسکس کریں گے"۔

"ڈیڈ! یہ رات تو ہو گئی ہے۔ آپ کس رات کی بات کر رہے ہیں"۔ وہ مسکرائی تو برہان بھی دھیرے سے مسکرا دیے تھے۔ ان کی نگاہیں رسٹ واچ پر تھیں۔ مائی سکینہ کو کرن کو بلانے گئے دس منٹ ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔

پندرہ منٹ بعد واپس آئی بھی تو تنہا تھی۔

"بی بی صاحبہ کو بھوک نہیں ہے۔ وہ کھانا نہیں کھائیں گی"۔ وہ آ کر اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی۔

یہ انکار ایک تھپڑ تھا۔

جو ان ماں بیٹے کے منہ پر بھرپور طریقے سے ثبت ہوا تھا۔ لمحے بھر کو والدہ حضور کے چہرے پر سرخی نمودار ہو کر غائب ہو گی۔ برہان لغاری غم وغصے کے باعث ساکت سا رہ گئے تھے کہ ایسا کب ہوا تھا یہاں اور کون اتنا دلیر تھا کہ ان کے حکم سے رُوگردانی کی ہمت کر سکے۔ ان کے بلاوے کو سرے سے اہمیت ہی نہ دے۔

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھے۔

"بیٹھ جاؤ برہان!" والدہ حضور ان کا ارادہ بھانپ کر بولیں۔

"اس کی یہ ہمت! ہماری چھت تلے رہ کر ہماری حکم عدولی کرے"۔

"ہم کوئی تماشہ نہیں چاہتے۔ بیٹھ جاؤ"۔

"اس کی گستاخی کی سزا فوراً نہ دی گئی تو وہ مزید نڈر ہو جائے گی"۔ طوعاً کرہاً ماں کے حکم پر بیٹھتے ہوئے وہ آتشیں لہجے میں بولے۔

"جہاں وہ جیون گزار کر آئی ہے، وہاں ایسی خاندانی و نجیب الطرفین تربیت کہاں ہوتی ہے۔ گھٹیا خاندان کے کمتر لوگ بھلا ہمارے مرتبے تک کہاں پہنچ سکتے ہیں، جہاں وہ رہی وہاں ایسا ہی ہوتا ہے"۔

"نہیں والدہ حضور! میں اس گستاخی کی سزا اسے ضرور دوں گا"۔

"کیچڑ میں پتھر پھینکو گے تو چھینٹوں سے خود کو بھی نہ بچا پاؤ گے۔ وہ بدتمیز اور گستاخ ہی نہیں، ضدی و سرکش بھی ہے۔ اس کا مزاج اس کی اس ایک ادا نے ہی بتا دیا ہے"۔

"بڑے بڑے سرکش واڑیل جانور یہاں سدھر جاتے ہیں۔ وہ کیا شے ہے؟" برہان لغاری کے لہجے سے شعلے نکل رہے تھے۔

"اس کے لیے ایک نکیل ہی کافی ہے، جس کا انتظام میں نے قبل از وقت کر رکھا ہے"۔ والدہ حضور کے لہجے میں پُراسراریت جھلک آئی تھی۔ برہان لغاری نے چونک کر ماں کی جانب دیکھا تھا۔

"کامران مرزا کی بڑی خواہش ہے ہمارے خاندان سے اپنے تعلقات مربوط کرنے کی تو میں نے سوچا ہم کیوں پیچھے ہٹیں۔ دیکھے بھالے خاندانی لوگ ہیں۔ کرن کو ہم ان کے اکلوتے صاحب زادے عمران کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر کے کیوں نہ سرخرو ہو جائیں؟"

"گرینڈ مدر! وہ عمران......" خاموش بیٹھی منال نے کچھ بولنا چاہا تو انہوں نے بارعب آواز میں اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

"جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو چھوٹوں کو خاموش بیٹھنا چاہیے"۔ ان کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا، جلتی پر تیل چھڑکنے والا اور منال جو سراپا شعلہ تھی، ان کے اس انداز پر شعلہ جوالہ بن جاتی تھی مگر بہت ساری مصلحتوں کے تحت اپنے غصے وجنون، نفرت وعناد کو ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

☆......☆......☆

مائی سکینہ کو واپس کر کے ان تمام دہکتے انگاروں پر گویا شبنم گرنے لگی تھی جو اس دہلیز کو عبور کرتے ہی اس کے اندر دہک اُٹھے تھے۔ ایک کیف وسرور کی کیفیت تھی جو رگ وپے میں دوڑتی اس کے انگ انگ کو شانت کرنے لگی تھی۔ خاصے عرصے بعد اس کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ اُبھری تھی۔ اس نے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اُٹھا کر گلے میں ڈالا اور باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ واش بیسن کے اوپر آویزاں آئینے میں اس نے اپنا چہرہ مدت بعد غور سے دیکھا تھا۔

سفید رنگت میں زردیاں گھلی تھیں۔

ڈارک براؤن دراز پلکوں والی آنکھیں بجھے دیوں کی مانند تھیں۔ ڈارک براؤن دراز بالوں کی چوٹی سے بال بے ترتیبی سے نکل رہے تھے۔ اتنا بے رونق چہرہ وپژمردہ وجود اس کا اس وقت بھی نہ تھا جب وہ ماموؤں کے ہاں رات دن کی چخ چخ میں مبتلا رہتی تھی۔

عادلہ اس کی واحد دوست تھی، وہی اسے احساس دلانے کی سعی میں رہتی کہ وہ بے حد حسین ہے، اگر ہر وقت چڑچڑے پن وغصے سے باہر نکلے تو شاداب رنگ وروپ مزید نکھر جائے۔

مگر اس نے کبھی خود پر توجہ نہ دی تھی۔ بننا سنورنا، آرائش وزیبائش جیسے جذبات سے وہ کوسوں دور رہی تھی پھر...... نہ معلوم کیوں اس لمحے اسے اپنی ماند پڑتی رنگت وکشش کھوتے حسن کا خیال در آیا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ بال بنانے لگی۔ اسی اثناء میں دروازہ ناک کرتی منال اندر داخل ہوئی، اسے دیکھ کر کرن کھڑی ہو گئی۔

"تمہیں تو ہم سے ملنے کا شوق نہیں ہے مگر ہم تم سے ملے بنا نہیں رہ سکے"۔ وہ بڑے کروفر سے صوفے میں بیٹھتی ہوئی بے تکلفانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ منال ہیں؟" کرن اس کی جانب متوجہ ہو کر نارمل انداز میں بولی۔

"یس......ہم منال ہیں۔شکر ہے تم نے ہمارے نام کے ساتھ وہ باجی، آپا، آپی جیسے بیک ورڈ ورڈز نہیں لگائے جو ہمیں پسند نہیں ہیں"۔

"باجی، آپا، آپی یہ محض لفظ نہیں، ایسے جذبے ہیں جن کی گہرائی دل کی زمین کی جڑوں تک رسائی رکھتی ہے۔محبت کے تعلقات مربوط ہوتے ہیں۔آپ نہیں سمجھ سکتیں ان فیلنگز کو"۔

"آف کورس۔یہ مڈل کلاس کی فیلنگز ہوتی ہیں۔ہماری کلاس کا مینٹلٹی تمہاری کلاس سے میچ نہیں ہوتا"۔اس کے انداز سے نخوت و برتری کا کلی احساس اُجاگر ہو رہا تھا۔وہ اس کی جانب تحقیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔وہ کسی بھی طور اس سے مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔اس کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ان کے لیے اس کے دل میں کوئی نرمی پہلے ہی نہ تھی۔اب ان کے رویوں نے اسے بالکل ہی بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ ان سے مروتاً بھی اخلاق برتنے کو تیار نہ تھی۔

"ڈیڈ بتا رہے تھے، تم نے انس مدثر کے ہاں جاب کی ہے۔کیسا پایا ان لوگوں کو......آئی مین کیسے لوگ ہیں وہ؟" وہ کرن کی جانب بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہ مجھ سے زیادہ آپ بہتر جانتی ہیں"۔وہ اطمینان سے بولی۔

......❁......

کرن کے پُر اعتماد انداز میں ایسی اَن دیکھی چبھن تھی جس نے منال کو سرتاپا بے چین کر کے رکھ دیا تھا، چند لمحے وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔چند لمحے ان کے درمیان سکوت رہا تھا پھر منال نے کہا۔

"تمہارا ان کا ہر وقت کا ساتھ رہا ہے، مجھ سے فرینڈشپ اتنی کلوز نہ رہی کہ میں ان کو بخوبی جان سکتی"۔

"میں نے وہاں ملازمت کی ہے اور اپنے کام سے کام رکھا ہے۔ملازم اور مالک میں جو فرق ہوتا ہے، جو فاصلہ ہوتا ہے، اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔

"تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو"۔منال بے وجہ بھڑک اُٹھی تھی۔

"مجھے ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

"تمہارے اور ان کے درمیان مالک اور ملازم کا رشتہ ہوتا تو وہ تمہیں یہاں بھیجنے پر اتنے معترض کیوں ہوتے؟ پھر جو تمہارے وہاں ٹھاٹ باٹ تھے، وہ کسی ملازم کے نہیں ہوتے۔تم ان کے ساتھ بیٹھ رہی ہو، کھا رہی ہو، رہ رہی ہو، ہر شے پر مالکوں کی طرح حکمرانی کر رہی ہو، پھر یہاں بھیجنے پر نہ انس راضی تھا اور نہ اس کا باپ! پھر تم کہتی ہو تم وہاں ملازمت کر رہی تھیں۔"

کرن نے مسکراتی نگاہوں سے اس کے خوب صورت چہرے کے بگڑے زاویوں کو دیکھا، کچھ لمحے قبل بے تحاشا حسین نظر آنے والا کا چہرہ شدید غصے و تنفر کے باعث بگڑ کر رہ گیا تھا۔

"میں جو بھی کر رہی تھی، میرا ذاتی معاملہ تھا مگر آپ کی جاسوسی اور اب تفتیشی انداز کو میں کیا معنی دوں؟" وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

"میرے جوتے کے برابر بھی تمہاری حیثیت نہیں ہے، میں تمہاری جاسوسی کیوں کراؤں گی؟"

"پھر ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟"

"تمہیں، تمہاری اوقات یاد دلائے رکھنے کے لیے، اس محل میں آ کر خود کو یہاں کی حق دار مت سمجھنے لگنا۔ یہ سب میرا ہے، تمام دولت و جائیداد کی میں بلا شرکت غیرے مالک ہوں"۔ کرن کا اعتماد اسے دہکا رہا تھا۔

"اس پر گفتگو ہم پھر کبھی کریں گے، فی الوقت میں آرام کرنا چاہتی ہوں اور جب میں آرام کرتی ہوں تو کسی کی موجودگی برداشت نہیں کرتی"۔ دوسرے معنی میں وہ اسے وہاں سے جانے کا کہہ رہی تھی۔

کرن کے اس انداز پر لمحے بھر کو اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہوا تھا۔ تنگ پیشانی پر بے شمار سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ آنکھیں شعلے اگلنے لگی تھیں، اس نے سلگتی نگاہوں سے کرن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوکے، سی یو اگین"۔ اور تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی۔

کرن نے اس کے قدموں کی دھمک بند دروازے کے پار دور تک سنی تھی۔

وہ کیا جاننا چاہتی تھی؟

اس کی نگاہوں میں کیا کھوج تھی؟

اس سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ وہاں بھی بن بلائی گئی تھی، مجبوری کی چابک برداشت کرتے ہوئے محبت، اجنبیت، انسیت وَلاتعلقیت کے نئے انداز دیکھے تھے، وہاں بھی اور یہاں آ کر جس انداز میں پذیرائی ہوئی تھی وہ انداز بھی یادداشت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا تھا۔ ہر مزاج، ہر انداز، ہر طبیعت سے واقف ہونے کے باوجود وہ آج تک کسی ایک انسان کو بھی مکمل طور پر سمجھ نہ پائی تھی۔

انسان...... رب کائنات کی بہترین تخلیق، جس کو اس نے اشرف المخلوقات کا اعلیٰ و معتبر رتبہ دیا۔ اس کی اصلاح و ہدایت کے لیے بے حد ذرائع مختلف انداز و صورتوں میں پیدا کیے اور اپنی محبتوں کی، عنایتوں کی، رحمتوں کی نوازشیں بے بہا کر دیں۔ انسان ازل کا ناشکرا، شکر کے کلمات سے ناواقف ہے۔ اس نے یہی دیکھا تھا شکر و صبر، برداشت و تحمل، رواداری و انکساری کے وہ جذبات جو انسان کو ایک دوسرے کی محبت سے سرشار کرنے کا باعث تھے، مفقود ہو چکے تھے۔ ایک سے خدوخال اجسام رکھنے والے لوگ بالکل مختلف تھے۔ کسی ایسی پیچیدہ، کبھی نہ سمجھ آنے والی مشینری کی طرح۔ اس نے طویل سانس لے کر پشت کی جانب نظر آنے والی کھڑکی کو کھولنا چاہا تو کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ کھڑکی کے شفاف شیشے سے نظر آنے والا لان کا حصہ سبزے سے ڈھکا ہوا تھا۔ سرو کے درخت شان سے سربلند کھڑے تھے۔ ہمارے اندر سکون، طمانیت، سرشاری و بےفکری کی حکمرانی ہو تو صحرا بھی گلستان نظر آتا ہے، برائی میں بھی اچھائی کے پہلو نکل آتے ہیں اور جب احساسات کی دنیا میں تسلسل سے پریشانیاں، تفکرات، مصائب کا سلسلہ دراز ہی رہے تو خوب صورتی یا بدصورتی کوئی کشش نہیں

رکھتی۔اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

وہ تقدیر کے لیے تختہ مشق تھی جو مسائل و مصائب کا ہر تیر اس پر آزماتی آئی تھی۔اب نئے انداز میں وہ اس کے نشانے پر تھی۔

یکے بعد دیگرے وہ تینوں سمتوں میں آویزاں کھڑکیوں کے شیشے چیک کرتی گئی۔تمام ہی لاکڈ تھے۔وہ بے جان انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''یہ کمرہ ہے یا قید خانہ اور مجھے اس طرح قید کرنے کا مقصد؟'' وہ بڑبڑائی تھی۔اسی دم دروازے پر دستک ہوئی تھی، اس نے دوپٹہ درست کر کے اس طرف دیکھا تو برہان لغاری اندر آرہے تھے۔وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی تھی۔

انہوں نے بے آواز دروازہ بند کیا پھر درشت لہجے میں گویا ہوئے۔

''اس عورت نے تمہیں مینرز، ایٹی کیٹس نہیں سکھائے؟''

''مجھے بھوک نہیں تھی، میں نے منع کر دیا۔اس میں مینرز کی کیا بات ہے؟''

''اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ تربیت بڑوں کی تعظیم و عزت ہماری روایات کا سب سے بلند درجہ رہا ہے۔بچپن سے آج تک ہم نے والدہ حضور کی حکم عدولی نہیں کی اور کرنا تو ایک طرف کبھی سوچا بھی نہیں۔ان کی ہر پکار پر ہم رات ہو یا دن دوڑے چلے جاتے ہیں کہ ان کی دعاؤں کے طفیل، ان کے قدموں کی برکت سے آج برہان لغاری کو ایک دُنیا جانتی ہے، مانتی ہے، ان کے آگے تمہارے باپ کی جرأت نہیں ہوتی نگاہ اُٹھا کر بات کرنے کی اور تم نے...... تم نے انکار کر دیا ان کے ساتھ کھانا کھانے سے''۔وہ بھرے بادلوں کی طرح برس رہے تھے، گرج رہے تھے۔کرن ان کی شعلے اُگلتی آنکھوں کی تپش اپنے چہرے پر بخوبی محسوس کر رہی تھی۔

''آپ بلاوجہ اتنے سیریس ہو رہے ہیں، میں نے کوئی بدتمیزی یا گستاخی نہیں کی ہے''۔وہ ان کے گرجنے، برسنے سے ذرا مرعوب نہ ہوئی تھی۔

''بدتمیزی، گستاخی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے تمہیں سکھایا بھی گیا ہے بلکہ اب تو میرے دشمنوں نے اس سے بھی زیادہ زہر بھرا ہوگا، تاکہ میرا تماشا دیکھ سکیں۔مگر ایسا کبھی بھی ممکن نہیں ہوگا، میرے دشمن یہ حسرت لیے قبروں میں دفن ہو جائیں گے۔برہان لغاری نے کبھی شکست نہیں کھائی۔برہان لغاری فاتح ہے، وہ جیتنے کے لیے پیدا ہوا ہے، بڑے بڑے سورما یہ حسرت دلوں میں لیے چلے گئے ہیں۔'' غرور تکبر، رعونت بن کر ان کے چہرے پر چھا گئے تھے، بلند قامت و بھرپور شخصیت کے مالک برہان لغاری کرن کو اس وقت بہت کوتاہ قامت و کم تر لگ رہے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو سچ سچ بتا دو، کیا پلان کیا ہے تم نے مدثر اور انس کے ساتھ مل کر۔سیدھی طرح بتا دو گی تو تمہارے لیے بہتر ہے ورنہ بے حد طریقے آتے ہیں مجھے حقیقت جاننے کے، سچ اگلوانے کے''۔ان کا انداز بالکل ہی بدل گیا تھا۔وہ بغور ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے وقت وہ قہر و غضب کی زندہ تصویر تھے۔کچھ دیر قبل اپنی بڑائی و دانائی بیان کرتے وقت تکبر و تنفر کی زندہ

مثال تھے تو اب سفاکی و بے ضمیری ان کے روپ میں مجسم تھی۔ پل پل روپ بدلنے والا یہ شخص سب کچھ ہو سکتا تھا مگر باپ نہیں۔

''مجھے جواب چاہیے، اس طرح خاموشی سے کام نہیں چلے گا''۔

''کاش! پیدا ہوتے ہی میں مرگئی ہوتی یا میری پیدائش سے قبل آپ''۔

''کیا بکواس کررہی ہو......؟'' وہ دھاڑتے ہوئے چند قدم آگے آئے۔

''آپ نہ کبھی اچھے شوہر ثابت ہوئے، نہ اچھے باپ اور آج آپ نے ثابت کردیا کہ آپ اچھے انسان بھی نہیں ہیں، بلکہ آپ کو میں انسان ہی نہیں سمجھتی۔'' اس کے ایک ایک لفظ سے نفرت، از حد نفرت ٹپک رہی تھی۔ برہان لغاری کو اس کا انداز برداشت کی حدوں سے آزاد کر چکا تھا، انہوں نے سخت اشتعال میں آگے بڑھ کر کئی تھپڑ اس کے رخساروں پر دیئے اور چیختے ہوئے کہا۔

''تم نے بھی ثابت کردیا کہ تم اسی کنیا کی بچی ہو جس کو دھکے مار کر اس گھر سے نکالا گیا تھا، جس نے کتیا کی طرح ہی لوگوں کے تلوے چاٹ کر، ان کے بچے کھچے پھینکے گئے ٹکڑوں پر زندگی گزاری اور مرتے دم تک اس گھر میں آنے کے لیے ترستی رہی مگر...... تمہیں میں وہ سزا دوں گا اس زبان درازی اور بدتمیزی کی کہ مرتے دم تک سکون و آرام کو ترسو گی''۔ شدید غصے میں وہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھ پائے تھے۔ ''جیسی ماں ویسی بیٹی، والدہ حضور درست کہتی تھیں''۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

اس کے اندر دور تک مہیب سناٹا پھیلتا چلا گیا تھا۔ قوت گویائی سلب ہوگئی تھی۔ رخسار ایسے دہک رہے تھے کہ ان کی تپش سے روح تک جھلسی جارہی تھی۔ یہاں آنے سے قبل اسے یقین تھا کہ اس کی پذیرائی پھولوں سے نہیں کی جائے گی مگر اتنی جلد کانٹوں سے سواگت ہوگا، اس کی بھی اُمید نہیں تھی۔

''یہ عزت افزائی تو تیرا ابتدا ہی ہے، کرن برہان لغاری صاحبہ! اس گھر میں آنے کے لیے، اس باپ کو پانے کے لیے تم نے اپنی فرشتوں جیسی صابر ماں کا پل پل دل گھائل کیا تھا، رُلایا تھا، تڑپایا تھا۔ یہ ''اعزاز'' اسی کرنی کا پھل ہے۔ ابتدا ہے ابھی انتہا نا معلوم کیا ہوگی؟ میں نے ماں کا بہت صبر سمیٹا، زندگی کا ایک حصہ انہوں نے میری وجہ سے نہایت اذیت میں گزارا۔ میں اپنے حال کو روتی رہی، ان کے کرب کو جاننے کی کوشش نہ کی، جس میں وہ مبتلا رہی تھیں۔ مجھے یقین ہے میری ماں نے کبھی مجھے بددعا نہیں دی ہوگی، کوئی ماں دے ہی نہیں سکتی اور میری ماں جیسی کبھی بھی نہیں...... مگر وقت ہر لمحے کا حساب رکھتا ہے، جو ہم کرتے ہیں وہ ہمیں خاص وقت پر واپس کردیتا ہے، مجھے بھی میرا کیا ہوا لوٹایا جانے لگا ہے اور میری صورت میں برہان لغاری کو بھی اس کے کیے کا بدلہ ملنا شروع ہو چکا ہے''۔ اس نے خشک آنکھوں کو رگڑتے ہوئے نئے عزم سے سوچا۔

☆......☆......☆

بخار اس کا اُتر گیا تھا۔ سر کے درد سے مکمل چھٹکارا نہیں ملا تھا۔ تین دن بخار اور سر درد کے باعث وہ بستر سے اُٹھ نہ سکا تھا۔

آج اس نے طبیعت میں خاصی بہتری و چستی محسوس کی تھی۔ اُٹھ کر پہلے اس نے باتھ لیا، پھر روم سروس سے ناشتہ منگوا کر ناشتہ

کیا۔صمد دوروز سے نہیں آرہا تھا اور یہ غیر معمولی بات تھی جو اس کی طرف سے اسے تشویش میں مبتلا کررہی تھی۔

اس نے ٹیبل پر رکھا موبائل اُٹھایا اور چیک کیا۔اس کی طرف سے نہ میسج تھا اور نہ ہی کوئی کال کی گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟''اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

''صمد کسی پرابلم میں ہے، ورنہ اس طرح غائب نہیں رہ سکتا''۔اس نے کسی جذبے کے تحت بے اختیار اس کا نمبر پش کر ڈالا تھا۔ دوسری جانب مسلسل بیل جارہی تھی اور وہ ریسیو نہیں کررہا تھا۔اس کے اندر عجیب سی بے چینی پھیل رہی تھی۔وہ اُٹھ کر سلائیڈنگ ڈور کھولتا ہوا باہر جھانکنے لگا۔ہوا کے ٹھنڈے جھونکے نے اس کا استقبال کیا تھا، بے ساختہ اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔گہرے سیاہ بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔خواب ناک سا اندھیرا ہر سو پھیلا ہوا رات کا سماں پیدا کررہا تھا، حالانکہ ابھی دن کا آغاز ہوئے چند گھنٹے ہوئے تھے۔گہرے ابر نے سورج کو ڈھانپ دیا تھا۔بارش کا موسم دل کا موسم ہوتا ہے جو اپنے اندر بہت ساری کیفیات لے کر آتا ہے، پھر اپنے ساتھ کسی کے دل اور کسی کی آنکھوں کو برسائے جاتا ہے اور ہر سو جل تھل کردیتا ہے۔

اس کے اندر ماحول کی تمام گھٹن وحبس سرایت کرنے لگی۔بے کل وہ پہلے ہی تھا، اب مضطرب بھی ہونے لگا، اس نے دھواں دھواں ہوتی براؤن آنکھیں نیچے سڑک پر بھاگتے دوڑتے ٹریفک پر لگا دیں۔

گاڑیوں کی بے ہنگم آوازوں نے ماحول کے سکوت میں عجیب ارتعاش ڈالا تھا۔آسمان سے شفاف موتیوں کی لڑیاں گرنی شروع ہوگئی تھیں۔حمزہ نے سڑک سے نگاہ ہٹا کر نیچے لان پر ڈالی تھی جہاں لوگوں کی بڑی تعداد برسات کو انجوائے کرنے جمع ہوگئی تھی۔

اس نے گہری سانس لے کر سلائیڈنگ کھینچ دی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ذہن کی اسکرین پر بیتے لمحوں کے کچھ عکس لہرانے لگے تھے۔

''اوہ گاڈ!یہ بارش پھر آگئی؟''کرن نے ناگواری سے لان میں رم جھم برستے پانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔وہ اسکول سے آکر سوئی تو ابھی اُٹھی تھی۔

''پھر آگئی......؟پھر آگئی سے کیا مراد......کب آئی تھی؟''صمد نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔وہ سب وہاں جمع تھے۔

''ابھی پچھلے سال ہی تو اور کب''۔وہ اسے گھور کر بولی۔

''ابھی......یعنی......پچھلے سال!......ایسے کہہ رہی ہو جیسے پچھلے گھنٹے کی بات ہو، معلوم بھی ہے ایک سال میں تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں''۔

''تمہارا میتھ تو ہمیشہ سے کمزور رہا ہے مگر اتنا کمزور نہ تھا''۔کرن اس کی جانب دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''تمہاری یادداشت شروع سے ویک رہی ہے تو تمہیں کس طرح یاد ہوگا''۔

''ارے بابا بس کرو، معمولی سی بات کو جھگڑا بنا لیتے ہو، موسم تم لوگوں پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتا ہے''۔حمزہ نے ان کے بدلتے

تیور دیکھ کر مداخلت کرنی ضروری تھی اور اس کی مداخلت کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ وہ ٹرالی میں رکھے موسم کے پکوان پر جت گئی تھی۔ کرن نے ایک سموسہ پلیٹ میں رکھا، اس پر ڈھیر سارا کیچپ ڈال کر کھایا اور اپنا مگ چائے سے بھر کر وہاں سے ہٹ آئی تھی کہ جب تک وہاں رہتی ان کی خون خوار نگاہوں و زبانوں کی زد میں رہتی۔ وہاں سے ہٹ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ نوشابہ، بھاوجوں کے ساتھ کچن میں مصروف تھیں۔ وہ آدھا کپ چائے پی چکی تھی، جب حمزہ وہاں چلا آیا تھا۔

''وہاں سب بارش انجوائے کر رہے ہیں اور تم اس بند کمرے میں بیٹھی ہو''۔

''مجھے بارش اچھی نہیں لگتی''۔

''واٹ...... تم بالکل احمق بلکہ غیر رومانٹک لڑکی ہو۔ بارش بھی بھلا کسی کے لیے ناپسندیدہ رہی ہے''۔ وہ جھنجلایا تھا۔

''تم خود رومانٹک ہو یہی کافی ہے''۔ وہ چڑ کر بولی۔

''کافی نہیں ہے، اس کے لیے تمہیں بھی رومانٹک ہونا پڑے گا''۔ اس کا لہجہ از خود دھیما ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں خمار چھانے لگا تھا۔

''مجھے کسی پاگل کتے نے نہیں کاٹا ہے جو رومانس رومانس چلاتی پھروں''۔ اس نے مگ خالی کر کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

''ان کو پاگل کتا کاٹتا ہے جو رومانس کرتے ہیں؟''

''ہاں...... مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے''۔

''اوہ گاڈ! اب کیا میں یہ دعا کروں کہ تمہیں پاگل کتا کاٹ جائے''۔ وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔ وہ سن نہ سکی۔

''آج کل بڑی رومانس کی فکر لگ گئی ہے، کیا کسی لڑکی سے محبت وحبت ہو گئی ہے؟'' وہ چارپائی کی چادر درست کرتے ہوئے شوخی سے بولی۔

''ہوں۔ ہو تو گئی ہے''۔

''کیا...... سچ؟''

''ہاں، بالکل سچ''۔

''کون ہے وہ؟'' وہ مارے تجسس کے تکیے پر کور چڑھاتے ہوئے رک گئی۔

''ہے ایک لڑکی پاگل سی''۔

''کہاں رہتی ہے؟''

''میرے دل میں''۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ تم مجھے اُلو بنا رہے ہو''۔

''بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے''۔ وہ ہنس پڑا تھا

"اچھا یہ عشق کا بھوت تمہارے سر سے نہ اُتروایا تو میرا نام بدل دینا، میں ابھی جا کر بڑی آنٹی کو بتاتی ہوں کہ ان کے صاحب زادے کسی پاگل لڑکی کے عشق میں خود بھی پاگل ہو گئے ہیں"۔ وہ تکیہ رکھتے ہوئے جارحانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"اوفوہ! میں مذاق کر رہا تھا اور تم سیریس ہو گئی ہو"۔ وہ اُٹھ کر اس کے راستے میں حائل ہو گیا، تا کہ وہ ممی تک نہ پہنچ سکے۔

"بزدل! ابھی تک ڈرتے ہو بچوں کی طرح"۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"میرا ڈرنا ہی اس لڑکی کے حق میں بہتر ہے، کیونکہ وہ لڑکی شاید کبھی نہیں سمجھے گی، مگر ممی فوراً سمجھ جائیں گی اور پھر کیا کچھ نہ ہو گا"۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" کرن اسے خاموش دیکھ کر گویا ہوئی۔

"یہی کہ تمہیں بارش پسند کیوں نہیں ہے؟" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ بارش بُری ہے بلکہ بارش کے بعد جو پریشانیاں ہوتی ہیں، وہ قبل از وقت ہی بے مزہ بلکہ خوف زدہ کر دیتی ہیں۔ سب سے پہلا اور سب سے بڑا مسئلہ الیکٹرک سپلائی ہے، معمولی سی پھوار پڑنا شروع ہوئی اور بجلی گھنٹوں کے حساب سے غائب، پھر بارش کا پانی جو جگہ جگہ کیچڑ و گندگی میں تبدیل ہو کر کراہت و پریشانی کا باعث بنتا ہے۔"

"یہ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں، سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ وقتی طور پر ملنے والی خوشیوں پر، بعد میں آنے والی تکلیفوں کو کیوں فوقیت دیتی ہو۔ جو ہو گا سب کے ساتھ ہو گا، پھر کیوں آج کی خوشی پر کل کا سوگ طاری کر رہی ہو"۔ وہ اس بار زچ لہجے میں گویا ہوا تھا جوابًا وہ گردن جھکا کر بولی۔

"نہیں کر سکتی میں اس طرح کیونکہ جانتی ہوں خوشی کی عمر کم اور غم کی عمر طویل ہوتی ہے، جو اندھیروں کے باسی ہوں انہیں اُجالے کہاں راس آتے ہیں"۔

بادل زور سے گرجا اور اس کی محویت ٹوٹ گئی۔ اس نے بغور اپنی شرٹ کے دامن کو دیکھا جہاں نا معلوم کس لمحے آنکھوں سے نکلنے والے موتی گر کر جذب ہو رہے تھے۔

وہ اس لمحے برسات کے نئے لمس سے آشنا ہوا تھا، دل میں درد جگاتی کسی یاد کا موسم ہے یہ۔ اضطراب و اضطراب کا موسم ہے یہ...... باہر بارش موسلا دھار شروع ہو چکی تھی۔

اندر برسنے والی برسات کی کوئی آواز نہ تھی، رفتار و گتی تھی، وہاں صرف احساس تھا، بے چینی کا، اُداسی کا۔

☆......☆......☆

برہان لغاری سیدھے اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔ موڈ ان کا ابھی تک بے حد آف تھا۔ پہلی بار انہیں کسی نے آئینہ دکھایا تھا جو وہ برداشت نہیں کر سکے تھے۔ جوابًا ان کا ہاتھ اٹھ گیا تھا جس کا انہیں قطعاً ملال نہ تھا۔ ملال کا تعلق دل میں آباد محبت سے ہوتا ہے اور ان کے دل میں اس کے لیے محبت کی ایک ننھی سی کونپل تک نہ پھوٹ سکی تھی۔

"بدزبان عورت کی بدزبان بیٹی"۔ وہ غصے سے بڑبڑائے اور ذہن میں کرن کے کہے گئے جملے گونج رہے تھے۔

"کاش! پیدا ہوتے ہی میں مرگئی ہوتی یا میری پیدائش سے قبل آپ"۔

وحشت از سرِ نو بڑھی تھی۔

"آپ کبھی نہ اچھے شوہر ثابت ہوئے نہ اچھے باپ...... اور آج آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ اچھے انسان بھی نہیں ہیں بلکہ میں آپ کو انسان ہی نہیں سمجھتی"۔

آنکھوں میں عجیب سی درندگی اُبھر آئی تھی۔ قبل اس کے کہ ان کی وحشت و جنون کسی سنگین و ناقابلِ تلافی غصے کا باعث بنتی والدہ حضور کی طرف سے بلاوے کا پیغام ان کے اشتعال و وحشت کو کچھ فرو کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ وہ وہاں چلے آئے تھے۔

"آؤ بیٹھو"۔ وہ ان کے چہرے کا بغور جائزہ لیتی ہوئی بولیں۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے انہوں نے اپنے چہرے کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی مگر والدہ حضور حد درجہ زیرک نگاہ تھیں، بلا کی معاملہ فہم و حالات شناس، اب تو صورت حال سے آگاہ ہونے کے باعث وہ خود بھی اندر سے بے کل و مضطرب تھیں۔

"گئے تھے تم اس کے پاس؟" انہوں نے اپنے لہجے کو کمزور نہیں ہونے دیا۔ "تمہیں نہیں جانا چاہیے تھا، جو لوگ اپنی عزت کا خیال نہ رکھتے ہوں وہ دوسروں کی عزت کرنا کیا جانیں گے"۔

"والدہ حضور! ہم عزت کرتے ہیں تو کروانا بھی جانتے ہیں۔ وہ خود کو کچھ بھی سمجھتی ہو مگر ہم سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی اوقات اسے بتا کر رہیں گے"۔ وہ پُرعزم انداز میں گویا ہوئے۔ "بڑا زہر بھرا ہوا ہے اس ناگن کی اولاد میں۔ میں چاہوں تو لمحے بھر میں اس کا سر کچل ڈالوں مگر یہ سزا کافی نہیں ہے اس کے لیے، اس کو میں ایسی سزا دوں گا کہ وہ سسک سسک کر مرے گی"۔ ان کا لہجہ اتنا سفاک تھا کہ وہ ان کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگیں۔

"زندہ دفن کروں گا اسے، آسان موت نہیں دوں گا"۔

"زندہ دفن کرو یا مردہ، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کا سسکنا تم دیکھ تو نہ سکو گے"۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

"میں اسے زمین پر دیکھنے کو تیار نہیں ہوں"۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو برہان! وہ تمہارے دشمنوں کی پناہ حاصل کر چکی ہے، تمہاری ایسی کوئی جذباتی لغزش برسوں کے بنائے گئے اصولوں کو مسمار کر سکتی ہے، ورنہ جہاں بے شمار خاموش قبریں بنتی آئی ہیں اس جگہ اس ایک قبر کا اضافہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے"۔ وہ سنجیدگی سے گویا تھیں۔ "ہمیں یہ افسوس تاحیات رہے گا تمہاری زندگی میں دو عورتیں آئیں اور گھر ایک بھی نہ بسا سکی"۔

برہان کے چہرے کے عضلات درست ہو چکے تھے۔

"آپ کا سایہ سر پر سلامت رہے، مجھے کسی اور کی ضرورت بھی نہیں ہے، اب آپ حکم کریں، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

یہ طے ہے، میں اسے زیادہ دن اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ میری سوچوں سے بڑھ کر بدتمیز اور خودسر ہے، اس کے سامنے گیا تو شوٹ کردوں گا“۔

”کامران مرزا سے بات ہوئی ہے میری، انہوں نے اس رشتے کو دل وجان سے منظور کیا ہے۔ کل رات کو کھانے پر بلوالیا ہے، ان دونوں باپ بیٹے کو۔ کل ہی سب معاملات طے کرلیے جائیں تو اگلے ہفتے کے کسی بھی دن نکاح ورخصتی رکھ دیں گے اور تم اپنا شیڈول دیکھ لو پھر اسی حساب سے کام کریں گے“۔ وہ پوری منصوبہ بندی کرکے بیٹھی ہوئی تھیں۔

”میرا شیڈول اپ سیٹ نہیں ہوگا، پھر اگلے ہفتے میں وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔ میرے خیال میں سنڈے کو ہم فائنل کردیتے ہیں“۔

”ہاں ٹھیک ہے جتنی جلد ممکن ہو سکے اس بلا سے جان چھڑا پائیں ہم“۔ وہ نخوت بھرے انداز میں بولی تھیں۔

”سرور شاہ آئے ہیں ابھی چند لمحے قبل تم سے ملاقات نہیں ہوئی؟“

”نہیں، کہاں ہیں؟“ داماد کے ذکر پر ایکسائیٹڈ ہو اُٹھے تھے وہ۔

”منال کے کمرے میں بھیج دیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جو بھی بات ہے وہ خود ہی سلجھالیں تو بہتر ہے۔ ہماری موجودگی مسئلے کو اُلجھا بھی سکتی ہے۔ یہی سوچ کر میں نے ان کے درمیان موجود رہنا درست نہیں خیال کیا“۔

”میرا جانا بھی ان کے درمیان درست نہیں ہوگا“۔

”ہاں......ان کے مسئلے ان کو ہی نمٹانے دو تو بہتر ہے“۔

☆......☆......☆

منال، کرن سے ملنے کے بعد ایک اَن جانے، اَن دیکھے احساس سے دوچار ہوگئی تھی۔ انس مدثر، جس سے وہ دل لگی کی خاطر راغب ہوئی تھی۔ مقصد اس سے تعلقات بڑھا کر وہ تمام معلومات حاصل کرنی تھیں جو ڈیڈی کو مطلوب تھیں، جن کو وہ بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود حاصل نہ کر پارہے تھے اور اسے حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اسے استعمال کیا تھا۔ خوب صورت شخصیت وذہین آنکھوں والا انس اس کی محبت کے جال میں پھنس کر، محبت کے جذبے میں ڈوب کر اتنا بے وقوف بن گیا کہ بلا سوچے سمجھے بزنس کی سیکرٹ انفارمیشن اسے بتاتا گیا۔ مطلوب حاصل ہونے پر وہ ڈیڈی کے کہنے پر اس سے آنچل چھڑا کر سرور شاہ کی طرف بڑھ گئی تھی جو ان دنوں بزنس ورلڈ میں خاصی شہرت پا رہا تھا۔ وہ عمر میں انس سے دُگنا تھا، گندمی رنگت وعام سی شخصیت کا مالک، سرور شاہ کسی طور پر انس مدثر کا مقابل نہ تھا مگر ان دنوں وہ حسن کے زعم میں مبتلا تھی، چاند کی چاندنی، پھولوں کی دلکشی میں اسے اپنا حسن دکھائی دیتا تھا۔ ہر منہ سے وہ اپنے حسن کے قصیدے سننے کی متمنی رہا کرتی تھی۔ ستائشی نگاہوں وداد دیتے لبوں کی عادی تھی۔ انس کو چھوڑنے کا سبب اس کی خاموشی تھی۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا مگر اس نے کبھی ایسے جملے اس کی شان میں نہیں کہے جو وہ سننے کی عادی تھی۔ اس نے کبھی اس کی جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھا بھی تو نہایت احترام کے ساتھ، وہ اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا، ازحد پسند کرتا تھا اور شادی کا بھی خواہش مند تھا مگر اس کا انداز بہت محتاط و

احترام والا ہوتا تھا جو اس جیسی آزاد خیال و بے باک فطرت لڑکی سمجھ نہ پائی تھی۔ اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہاں نفس کی اجارہ داری تھی، عریانیت، بے ہودگی، لائف اسٹائل بن چکے تھے۔ عزت، احترام، توقیر و تکریم جیسے مقدس لفظوں و جذبوں سے ناآشنا نفس پرست و بے ضمیر لوگ، پھر کچھ ڈیڈی کی برین واشنگ کا بھی زیادہ گہرا اثر تھا کہ وہ بہت آسانی سے انس کی پاکیزہ محبت کو خاطر میں نہ لاکر سرور شاہ کی بن گئی تھی۔ بے شک سرور شاہ، انس کی طرح ہینڈسم نہ تھا، نہ اس کی طرح لونگ کیئرنگ، نہ پرسنالٹی میں اس سے میچ کرتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ......وہ ہر خوبی رکھتا تھا جس کی وہ توقع رکھتی تھی۔

شادی کے ایک سال تک وہ اس کے سنگ پوری دنیا گھومتی رہی تھی پھر شادی کی پہلی سالگرہ کے بعد وہ اس خمار کے غبار سے نکلنے لگی تھی جس میں گم ہو کر وہ خود کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ سرور شاہ کی بے خود کر دینے والی نگاہیں بزنس فائلز میں گم ہونے لگیں۔ ہر دم اس کے حسن و روپ کی شان میں قصیدہ گو رہنے والی زبان، اب اسے احساسِ ذمے داری و گھر داری کا درس دینے لگی تھیں۔ فقط ایک سال کے عرصے میں اس کی نگاہوں پر چڑھی غفلت و سرور کی عینک اُتری تو اس کی آنکھیں حقیقت دیکھنے کے قابل ہوئیں اور اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے۔ چاند کو چھوڑ کر اندھیروں سے دامن بھر لیا ہے، پھولوں کے گمان میں کانٹوں سے اُلجھ بیٹھی ہے، ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ احساس حاوی ہوتا گیا، دن تو اس کے کچھ بہتر اس کے سنگ جیسے تیسے گزر جاتے مگر قربت کے لمحوں میں وہ اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کرتی، پھر یوں ہونے لگا اس کی سرد مہری رفتہ رفتہ بڑھتی بے گانگی سرور شاہ کو متفکر کرنے لگی۔ وہ سمجھے ان کی بزنس کی بے تحاشا مصروفیات نے منال کو ان سے بدظن کر دیا ہے، اس کی خوشی کی خاطر وہ کاروباری مصروفیت پس پشت ڈال کر ورلڈ ٹور کا پروگرام سیٹ کر بیٹھے۔ منال جو پوری طرح ٹھکرائی ہوئی محبت کے دُکھ و پچھتاوے میں گم ہو چکی تھی، اس نے انکار کر دیا۔ وہ ان لمحوں کی قربت برداشت نہ کر پارہی تھی، چوبیس گھنٹوں کے ساتھ میں تو شاید مر ہی جاتی۔ سرور شاہ ہر کوشش کر کے ہار گئے۔ اسے نہ جانا تھا، نہ وہ گئی۔ اب وہ ان کے بندھن سے آزاد ہونا چاہتی تھی مگر ممی نے سختی سے ڈانٹا تھا کہ وہ ایسی حماقت نہ کرے۔ پہلے ان کی تمام پراپرٹی اپنے نام کروائے جس میں وہ ففٹی پرسنٹ کی مالک تھی۔ باقی سرور شاہ کے بیٹے کے نام تھی۔ منیب، سرور شاہ کی پہلی بیوی کا بیٹا تھا جو بیٹے کی پیدائش کے بعد مر گئی تھی۔ بیوی کے مرنے کے پانچ سال تک سرور شاہ کسی بھی عورت کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تھا پھر ایک پارٹی میں اس کی ملاقات برہان لغاری نے منال سے کروائی تھی، یکے بعد دیگرے ہونے والی کئی ملاقاتوں میں انہیں منال میں وہ خوبیاں نظر آئیں جو وہ اپنی شریکِ حیات میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اسے پرپوز کرنے سے قبل وہ برہان لغاری اور منال کو بیٹے کے بارے میں بتا چکے تھے۔ برہان لغاری کو بزنس میں ان کی بیک چاہیے تھی، منال بھی ان کی دولت کی چکاچوند، جادو بھری باتوں کے سحر میں مسحور ہو چکی تھی۔

منیب ہاسٹل میں رہتا تھا، چھٹیوں میں بھی گھر کم کم ہی آتا تھا، سو اس کی موجودگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ویسے بھی وہ عام بچوں کے مقابلے میں بہت کم گو اور سیدھا معصوم بچہ تھا۔ سرور شاہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا، ویسے بھی وسیع تر بزنس کی بے تحاشا مصروفیت میں انہیں ملک میں کم سے کم ٹھہرنے کا موقع ملتا تھا۔ اس دوران منال کا موڈ بھی کچھ بہتر ہو جاتا تھا۔ ان جیسے پیار کرنے والے

شخص کے لیے یہی بہت تھا۔

وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

منال کے چہرے پر برہمی، خفگی و سرد مہری کی دبیز تہہ چڑھی ہوئی تھی، جبکہ سرور شاہ کے والہانہ پن میں وہی گرم جوشی و لگاوٹ تھی جو ایک ٹوٹ کر چاہنے والے شوہر کے انداز و نگاہوں میں ہوتی ہے۔

''آپ کو اندازہ نہیں اس بات کا، آپ کی ناراضگی نے میرا کیا حال کیا ہے۔ چھ ماہ، چھ صدیاں بن گئی ہیں میرے لیے۔ تمام بزنس پینڈنگ کر آیا ہوں۔ منیب بھی بے حد مس کر رہا ہے آپ کو''۔

کمرے کے بوجھل سکوت میں خاصی دیر بعد ان کی آواز اُبھری تھی۔

''منیب کیوں مس کر رہا ہے مجھے؟ میں اس کی سگی ماں نہیں ہوں''۔ اس کے لہجے میں طنز و تمسخر موجود تھا۔

''ماں، ماں ہوتی ہے۔ سوتیلی، سگی نہیں ہوتی ہے۔ منیب نے ماں کے روپ میں صرف آپ کو دیکھا ہے، اس کی ماں صرف آپ ہیں''۔

''اچھا، یہ آپ بھی سمجھتے ہیں؟'' وہ ایک انداز سے مسکرائی۔

''یقیناً، کیوں نہیں''۔

''پھر تمام پراپرٹی میرے نام کیجیے''۔

''منال! چھ ماہ قبل بھی یہی ضد ہمارے درمیان تلخی کا باعث بنی تھی اور میں نہیں چاہتا پھر یہ ٹاپک اوپن ہو''۔ وہ سنجیدگی سے بولے۔

''یہ ٹاپک اوپن رہے گا، اس وقت تک جب تک پراپرٹی مجھے ٹرانسفر نہیں ہو جاتی۔ یہ غیر تحفظ کا احساس مجھے کبھی بھی ایک اچھی ماں نہیں بننے دے گا سرور! آپ سمجھنے کی کوشش کریں، اگر منیب کی اپنی ماں ہوتی تو تب بھی آپ ایسا کرتے؟ اسے بتاتے کہ......''

''پلیز، پلیز...... منال! سمجھنے کی کوشش کرو''۔

''میں سمجھ گئی ہوں، لیکن آپ بھی سمجھیں، جو میں سمجھانا چاہتی ہوں''۔

''اوکے...... اوکے! موڈ ٹھیک کرو اپنا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ ''گھر چلو، منیب سے زیادہ میں مس کر رہا ہوں تمہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے ساتھ وقت گزارے ہوئے ہمیں''۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔

''میں نے تمام پراپرٹی آپ کو ٹرانسفر کر دی ہے''۔ انہوں نے دھماکہ کیا۔

''رئیلی...... یہ فاؤل تو نہیں ہے''۔ وہ مسرت سے اچھل پڑی تھی۔

''نو ڈاؤٹ۔ میں نے زندگی میں کبھی فاؤل گیم نہیں کھیلا، کسی کے ساتھ بھی نہیں، پھر اپنی ''لائف'' کے ساتھ کیسے فاؤل کر سکتا ہوں''۔ وہ چاہت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے جو ایک دم خوشی سے کھل اُٹھی تھی اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے دونوں بانہیں ان کے گلے میں ڈال کر مسکرا کر بولی۔

"بہت زبردست سرپرائز دیا ہے آپ نے مجھے، ڈاکومنٹس کہاں ہیں؟"

"وکیل کے پاس، چند روز میں مل جائیں گے"۔

☆......☆......☆

رات کا دوسرا پہر تھا جب بے آواز دروازہ کھولتی ہوئی مائی سکینہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم! اس وقت کیوں آئی ہو؟" باپ کی یہ خاص ملازمہ اسے زہر لگی۔

"شش...... بی بی صاحبہ! چیخیں مت"۔ وہ بدحواس ہو کر آگے بڑھی تھی۔ "میں آپ کی مدد کو آئی ہوں"۔ وہ اسے غصے سے چیختے دیکھ کر آہستگی سے بولی۔

"مدد کو؟ ہونہہ، غلامی کی بیڑی! وفاداری کا طوق پہن کر تم کس قسم کی مدد کرو گی، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے"۔ اس کے لہجے میں بے یقینی و تنفر تھا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کو یقین کس طرح آئے گا، مگر میں سوہنے رب سائیں کی قسم کھا کر کہتی ہوں، میں آپ کو دھوکہ نہیں دوں گی"۔ مائی سکینہ کے لہجے میں سچائی تھی۔ آواز میں کسی گہرے دُکھ کی لرزش تھی۔ سر جھکائے، ہاتھ باندھے مجبور و بے بس نظر آنے والی عورت سے یہ مضبوط و پُر اعتماد لہجے میں بات کرنے والی عورت بالکل مختلف تھی، گو انداز اس کا اب بھی ایسا ہی مودبانہ تھا مگر چہرے پر کسی عزم کی سرخی وآنکھوں میں آئی نمی کسی ملال کا حصہ تھی جس نے اسے بہت مختلف بنا دیا تھا۔

"میں قسموں پر یقین نہیں رکھتی"۔

"اللہ پر تو رکھتی ہیں"۔

"میں تم پر اعتبار کیوں کروں، پھر تم کیوں میری مدد کرنا چاہتی ہو؟" سکینہ کے سوال نے اسے لاجواب کر دیا تھا مگر وہ ہارنا نہیں جانتی تھی۔

"اس سوال کے پیچھے ایک داستان ہے جو میں آپ کو ضرور سناؤں گی وقت آنے پر۔ پہلے ضرورت ہے آپ کو یقین کرنے اور سمجھنے کی، اس طرح شاید میں آپ کو بچا لوں"۔ وہ دھیمے سے بولی۔

"جو کہنا ہے سیدھے طریقے سے کہو، مجھے احمق مت سمجھنا۔ تم جیسے سرچڑھے ملازموں کی مکاریوں، ہیرا پھیریوں سے واقف ہوں میں کہ کس طرح ڈبل گیم کھیلتے ہو، اگر مجھ سے چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو مزہ چکھا دوں گی"۔

"ہاں مجھے منظور ہے جو چور کی سزا وہ میری جو اگر دغا کروں"۔

"کہو کس مقصد سے آئی ہو؟" وہ سکینہ کی طرف سے اُلجھن کا شکار ہو گئی تھی۔

"بی بی صاحبہ! میں ملازمہ ہوں، کم ذات وکمی زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے ہم سے زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔ میں اپنی اوقات کو پہچانتی ہوں، مالکوں کے معاملے میں دخل دینے کی ہمت تو خواب میں بھی نہیں کر سکتی"۔ وہ کچھ بتانا چاہ رہی تھی، کس بات بے

باخبر کرنا چاہ رہی تھی مگر اپنی حیثیت اور پھر کرن کے کڑے تیور و بد اعتمادی ظاہر کرتا سخت رویہ اسے وہ بات کہنے کی جرأت نہ دے رہے تھے جس کی خاطر وہ چھپ کر اس وقت یہاں آئی تھی اور کچھ کہہ نہ پائی تو بے ساختہ رو پڑی۔

''ارے یہ کیا.....'' کرن کے لیے یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر بیڈ پر بٹھانا چاہا تو وہ فوراً اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ہمارا ٹھکانا مالکوں کے قدموں میں ہے بی بی صاحبہ''۔

''زیادہ باتیں مت کرو، اوپر بیٹھ جاؤ''۔ کرن کے انداز میں نرمی در آئی تھی۔

''نہیں بی بی صاحبہ! قدموں کی خاک سر پر نہیں ڈالی جاتی، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں''۔ اوپر بیٹھنے کے نام پر وہ یوں بدکی جیسے برقی تاروں کو چھو لیا ہو۔

''جلدی کہو، کیا کہنا چاہتی ہو، مجھے تمہارے رویے سے اُلجھن ہونے لگی ہے''۔

''بڑے صاحب اور بڑی مالکن آپ کی شادی کرنا چاہتے ہیں عمران مرزا کے ساتھ۔ آپ ان سے شادی مت کیجئے گا''۔ اس کے دھیمے لہجے نے زوردار دھماکہ کیا تھا۔ وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

''عمران مرزا اچھے آدمی نہیں ہیں، بہت خراب ہیں وہ۔ کئی شادیاں کر چکے ہیں وہ، ان کی تین بیویاں پُراسرار طریقے سے مر چکی ہیں''۔

''کیا کہہ رہی ہو؟'' اسے چار سُو اندھیرا پھیلتا دکھائی دیا۔

''سچ کہہ رہی ہوں، وہ کل کھانے پر آ رہے ہیں۔ آپ کو میری بات کا یقین تب آئے گا، اتوار کو آپ کی شادی ہوگی، مالکن سب طے کر چکی ہیں''۔

''تم...... کس طرح یہ سب جان سکتی ہو؟'' وہ سخت متوحش تھی۔

''سب سے پرانی اور وفادار نوکرانی ہوں، اس لیے مجھ سے کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے''۔

''پھر بھی سوال تمہیں مشکوک کرتا ہے کہ ایسا کیوں کر رہی ہو۔ اس سے تمہاری کیا غرض پوشیدہ ہے۔ اگر تم کوئی سازش نہیں کر رہیں تو مجھ سے کسی بڑے انعام و اکرام کی توقع رکھتی ہو تو سن لو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے''۔

''نہیں بی بی صاحبہ! آپ کو ابھی بھی میری نیت پر شک ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ کو سب بتایا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو میں زندہ دفن کر دی جاؤں گی''۔

''اچھا تم جاؤ، جو ہوگا دیکھا جائے گا، بے فکر رہو مجھے جب تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی، تمہیں کہوں گی''۔ اس کے اندر تفکرات کا تلاطم برپا ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

دو دن مزید گزرنے کے باوجود صمد نہیں آیا اور نہ ہی اس نے رابطہ کیا تو وہ بری طرح سے پریشان ہو گیا تھا لیکن بدگمانی و بدظنی اس حد تک اس کے اندر سرایت کر چکی تھی کہ وہ ایسی پریشان کن صورت حال کے باوجود گھر والوں سے رابطہ کرنے کو تیار ہرگز نہ تھا۔ اسی پریشانی کے احساس کو مٹانے کے لیے وہ ہوٹل سے نکل آیا تھا۔ بارش ایک دن برس کر رُک گئی تھی۔

موسم ابھی بھی ابر آلود تھا، بادل کبھی گہرے سیاہ ہو جاتے، کبھی ہلکی بوندا باندی وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھی۔ جون جولائی کی بوکھلا دینے والی گرمی کی جگہ ٹھنڈک و خوش گواریت نے لے لی تھی۔ موسم آج کا بھی سہانا تھا، کار اس کے پاس تھی نہیں، وہ ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

پریشانی و اضطراب اس پر کسی نحوست کی طرح چھا گیا تھا۔ کرن کی طرف سے پہلے ہی اندیشوں و وسوسوں کا شکار بنا ہوا تھا، نئی افتاد صمد نے ڈال دی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس طرح ان تک رسائی حاصل کرے۔ اسی اودھیڑ بُن میں نامعلوم وہ کس لمحے فٹ پاتھ سے اُتر کر سڑک کے درمیان چلنے لگا تھا۔ پیچھے سے آنے والی کار کے ہارن نے اسے اپنی غلطی کا احساس دلایا تھا۔

''آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں''۔ مردانہ آواز پر اس نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا۔ ڈرائیونگ ڈور سے جھانکنے والے چہرے کو وہ ایک بار دیکھ کر کبھی بھلا نہیں سکتا تھا۔ بے اختیار سلام کر کے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''نہیں شکریہ۔ میں ایسے ہی واک کے لیے نکلا تھا''۔

''آ جاؤ یار! میرا بھی آج لانگ ڈرائیونگ کا موڈ ہے۔ اکیلے میں لانگ ڈرائیونگ کہاں مزہ دیتی ہے''۔ انس کا انداز اتنا بے تکلف و دوستانہ تھا کہ وہ نہ چاہنے کے باوجود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ مضافاتی علاقے میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے عام سی گفتگو کر رہے تھے۔ انس نے کار ایک درمیانے درجے کے بنے ہوئے ہوٹل کے آگے روک دی تھی اور اُترتے ہوئے بولا۔

''ہوٹل تو عام ہے مگر چائے یہاں کی بہت خاص ہوتی ہے۔ میں عموماً یہاں آتا رہتا ہوں، کئی دفعہ ڈیڈی کو بھی لایا ہوں، انہیں بھی پسند آتی ہے یہاں کی چائے۔ یقیناً تمہیں بھی پسند آئے گی۔'' وہ اسے لے کر اندر آ گیا تھا جہاں گول میزوں کے گرد کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، جگہ کشادہ اور صاف ستھری تھی، جس طرف وہ بیٹھے تھے وہاں لکڑی کے پٹوں والی کھڑکی تھی جس میں جا بجا لوہے کی سلاخیں گھری ہوئی تھیں۔ باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

اس نے چائے اور پیسٹری کا آرڈر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا۔ باجرے کے کھیت مست ہوا سے جھوم رہے تھے۔ ان کے سبز پتوں پر رنگ برنگی چڑیوں کے غول اٹھکیلیاں کرنے میں مصروف تھے، ان کی باریک آوازیں پُرسکوت ماحول میں سریلا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

''حمزہ! کوئی پریشانی ہے؟'' انس چائے کا آرڈر دینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا تو اسے بڑی محویت سے کھڑکی سے باہر دیکھتا پایا تھا۔ کچھ سیکنڈ تک وہ اس کی توجہ توڑ نہیں کر سکا تو انس کہہ اُٹھا۔

''نہ...... نہیں۔ مجھے بھلا کیا پرابلم ہو سکتی ہے''۔ انس کی گمبھیر تشویش زدہ آواز سن کر وہ سیدھا بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"او کے۔ کہتے ہو تو مان لیتا ہوں مگر یقین کرنے کو دل نہیں کرتا"۔ بلا کی صاف گوئی تھی جو اسے کسی کی یاد از سر نو جگا گئی۔

"مگر میں آج کل بہت پریشان ہوں"۔ چائے والا چائے اور پیسٹری کی پلیٹ رکھ گیا تو کپ میں چائے انڈیل کر ایک کپ اس کو سرکا کر اور دوسرا اپنے پاس رکھتا ہوا وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"خیریت تو ہے نا۔ کرن سے رابطہ ہوا؟" اس کے اندر کے وسوسے نے بھرپور انگڑائی لی تھی۔

"تم تو بہت پریشان ہو گئے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"پھر بھی میں کرن کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں"۔ وہ خود کو سنبھال نہیں پایا۔

"میں ان سے کوئی رابطہ نہیں کر سکا ہوں۔ برہان لغاری اور ہمارے درمیان جاری بزنس وار سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔ میں اسی کوشش میں ہوں کسی طرح کرن سے بات کروں، اپنے سوال کا جواب چاہیے مجھے ان سے"۔ وہ پیسٹری ان کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"کیا سوال کیا تھا تم نے اس سے؟" اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔

"میں اسے لائف پارٹنر بنانا چاہتا ہوں"۔ پیسٹری اسے اپنے حلق میں پھنستی ہوئی محسوس ہوئی، گرم گرم چائے کا گھونٹ منہ جلا گیا۔

"اس نے کیا جواب دیا؟" حمزہ کو اپنی سماعتیں گم ہوتی محسوس ہوئیں۔

"وہ شادی کرنا نہیں چاہتی، اپنی مدر کی ناکام میرڈ لائف نے اسے ہرٹ کیا ہے۔ وہ سمجھتی ہے تمام میرڈ لائف ایسی ہوتی ہیں جو اچھا خیال نہیں ہے"۔ انس چائے پیتے ہوئے کرن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ بلو جینز وائٹ شرٹ میں اس کی دل کش پرسنالٹی نمایاں تھی۔ سرخ و سپید رنگت پر گرے کلر کی آنکھیں ذہانت سے بھرپور تھیں۔ دولت و وجاہت دونوں اسے فراخ دلی سے عطا کی گئی تھیں۔ مستزاد اس کی پُرخلوص، بامروت و باوقار عادت نے اسے مکمل شخصیت عطا کی تھی۔ ایسا شخص ہر لڑکی کا آئیڈیل ہوتا ہے۔ وہ خود خواہش مند تھا کرن کو اپنانے کے لیے، اس سے بڑھ کر کرن کی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس نے دھواں دھواں دل کو تھپکی دی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، وہ مجھے مسترد کریں گی یا قبول؟" وہ حمزہ کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس صورت حال کو حمزہ کو فیس کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا، اس کے باوجود وہ حوصلہ پکڑے ہوئے تھا۔

"میں اسے اتنا نہیں سمجھتا ہوں جتنا آپ توقع کر رہے ہیں۔ ہمارے درمیان دوستی کم دشمنی کا تعلق زیادہ رہا ہے۔ میری سوچ کے برعکس ہی کرتی رہی ہے وہ"۔ چائے ختم کرتے ہوئے اس نے خود کو لاتعلق سا پیش کیا تھا۔ دل کی فریاد پر اس نے شعور کی صدا کو ترجیح دی تھی۔

دل کا کیا اعتبار، یہ ہمیشہ اپنے حق میں دلائل دیتا ہے۔ پاگل جو ٹھہرا۔ اس کی راہ پر جو چلا ہے کب منزل تک پہنچا ہے۔ اس کی ترغیب بھٹکانے والی ہے۔ وہ بھٹک چکا تھا، ان راستوں کا راہی بن گیا جن کی بھول بھلیوں میں عمر بیت جاتی ہے۔ اجل لبیک کہہ دیتی ہے۔ حیات فنا ہو جاتی ہے، یوں ہی بے نام و بے مراد۔

"کرن کو آپ سے بہتر کوئی اور شریکِ حیات نہیں مل سکتا"۔

"تم سے بڑھ کر پیار دے سکتا ہوں میں اسے؟" دل میں مچلتے سوال کو بالآخر اس نے زبان دے دی تھی۔ انس کا لہجہ دھیما تھا لیکن حمزہ کو لگا اس کی سماعتیں دھماکے سے لرز اٹھی ہوں۔ اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جو بغور اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"جو تم سمجھ رہے ہو، کرن سے شادی کے خواہش مند تو تم بھی ہو"۔

"ہوں نہیں تھا کبھی، بلکہ میری حماقت تھی وہ جو میں نے ایسا سوچا تھا لیکن اب میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ شادی دو جسموں کے ملاپ کا نام نہیں ہے، یہ دو قلب، دو مزاج، دو ذہنوں کی ہم آہنگی کا نام ہے۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیاں دو حصوں میں بٹ جاتی ہیں، شادی کے بعد رات شوہر کے لیے ہوتی ہے تو دن سسرالیوں کے لیے۔ دونوں سے تعلقات بڑی محنت، صبر و تحمل، خوش مزاجی سے نبھانے پڑتے ہیں۔ دونوں میں سے ایک طرف بھی توجہ کم ہوئی تو شامت آجاتی ہے اس کی۔ پھر کرن یہ سب کبھی بھی نہیں کرتی کیوں کہ کمپرومائز وہاں کیا جاتا ہے جہاں دل کا معاملہ ہوتا ہے۔ من چاہے ساتھی کا معاملہ ہوتا ہے۔ محبت کی تاثیر ہی تو سمجھوتے کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ یکطرفہ چاہتیں صرف بھلانے کے لیے ہوتی ہیں اور میں بھول چکا ہوں"۔ وہ اس سے نگاہ چرا کر گویا ہوا۔ انس نے نگاہ جھکالی تھی۔ وہ جانتا تھا کرن اس سے محبت نہیں کرتی ہے۔ اب تصدیق ہوگئی تھی۔

"اوکے، ٹیک کیئر۔ میں کچھ دن انتظار کرتا ہوں، شاید وہ رابطہ کریں، ورنہ پھر مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا"۔ وہ اٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

☆......☆......☆

صبح اس کے کمرے میں برہان لغاری خود آ کر اسے ساتھ لے کر گئے تھے۔ موڈ ان کا رات سے زیادہ خراب تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔ ناشتے کی ٹیبل لوازمات سے پر تھی۔

سامنے ہی آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ پر آسمانی کلر کی ریشم کی کڑھائی والی بھاری بھر کم چادر سر اور شانوں پر اچھی طرح لپیٹے چہرے پر بڑا کروفر لیے طمطراق سے وہ عمر رسیدہ عورت بیٹھی تھی جس کے چہرے پر دوڑتی سرخی میں اس کی ماں کی تشنہ آرزوؤں و ناکام ازدواجی زندگی کا لہو شامل تھا۔ اس کی سسکتی، بلکتی محرومیوں واذیتوں سے گھائل خواہشوں، حسرتوں کا لہو بھی اس سرخی کا حصہ تھا۔

"سلام کرو، یہ دادی حضور ہیں تمہاری"۔ برہان لغاری اس کی دلی کیفیت سے بے خبر تحکمانہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"السلام علیکم"۔ اس نے بے تاثر لہجے میں سلام کیا اور باپ کی تقلید میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام۔ رات تو ہم تمہارا انتظار ہی کرتے رہ گئے کھانے پر، تم نہیں آئیں۔ ہم نے سوچا اپنی دادی سے ملنے ضرور آؤ گی مگر ایسا بھی ہوتا ہے، ہم سے دور رکھی گئی ہو، یقیناً دل بھی محبت سے ناآشنا ہوگا۔ خیر ناشتہ شروع کرو، ہمیں تم سے کوئی شکایت نہیں ہے"۔

بڑی سادگی سے وہ اپنا مدعا بیان کر کے ناشتے کی طرف راغب ہو چکی تھی۔ چار ملازمائیں ازحد چابکدستی سے ان کو ناشتہ کروانے میں مصروف ہوگئی تھیں۔ مائی سکینہ والدہ حضور کی سائیڈ پر خدمت انجام دے رہی تھی۔ بوائل انڈے، ہاف فرائی، فل فرائی،

آملیٹ، پراٹھے، فرائی قیمہ، مکھن، جیلیز، سلائسز اور بھی نا معلوم کن کن اشیاء سے میز بھری پڑی تھی۔ اس نے ہاف ایگ، ایک سلائس اور ایک کپ چائے لی تھی جب کہ وہ یہ دیکھ کر حیران تھی کہ دادی حضور وہاں موجود تمام چیزوں سے پوری طرح انصاف کر رہی ہیں۔ وہ خاصی خوش خوراک ہونے کے باوجود اسمارٹ تھیں۔ برہان لغاری بھی ماں کی طرح ہر شے سے انصاف کر رہے تھے۔

اپنا ناشتہ ختم کرنے کے باوجود اسے خاصی دیر بیٹھنا پڑا تھا۔ اس دوران اس کی نگاہ بے اختیار مائی سکینہ کی طرف اُٹھ رہی تھی جو کچھ گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔

"رات کھانے پر ہم نے تمہارے سسرالیوں کو بلوایا ہے۔ تیار ہو جانا، کپڑے اور دیگر سامان منال کی وارڈ روب سے لے لینا۔ وہ کل اپنے گھر چلی گئی ہے"۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ کرن سے تحکمانہ انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"سسرالی؟ کل شام کو میں آئی ہوں، اتنی جلد میرے سسرالی کہاں سے آ گئے؟" وہ بلا جھجک ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

انہوں نے آنکھیں اُٹھا کر پہلے بیٹے کی طرف دیکھا جو جوس پیتے پیتے کرن کو تنبیہی نظروں سے دیکھنے لگے تھے، پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"کل شام کو تم یہاں آئی ہو، دُنیا میں آئے تو تمہیں کئی برس گزر گئے۔ ہمارے حساب سے تمہاری عمر بہت ہو گئی ہے، کیونکہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہونے سے قبل ہی رشتے میں باندھ دیا جاتا ہے اور سولہواں برس لگتے ہی شادی کر دی جاتی ہے۔ یہ ہمارے خاندانی اصول ہیں"۔ ان کے انداز میں شاہانہ پن و غرور تھا۔

"آپ کے خاندان میں یہ اصول نہیں ہیں کہ رشتہ کرنے سے قبل لڑکی کی مرضی بھی معلوم کی جائے؟" وہ باپ کی گھورتی نظروں کی پروا نہ کرتے ہوئے ان سے مخاطب تھی۔

"نہیں"۔ وہ غصے سے گویا ہوئیں۔

"اس کا حکم ہمارا مذہب دیتا ہے، شریعت دیتی ہے"۔

"خاموش رہو، تمہیں شرم نہیں آ رہی ایسی نازیبا گفتگو کرتے ہوئے؟" برہان لغاری جوس کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے دھاڑے اور ساتھ ہی موجود ملازماؤں کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ چاروں برق رفتاری سے گئی تھیں۔

"میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کہی"۔ وہ رتی بھر مرعوب نہ تھی ان سے۔

"خاموش رہو، تمہارے وعظ کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔ کیا صحیح ہے، کیا غلط، یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں"۔

"میں نے منع تو نہیں کیا لیکن میں کسی کی اُترن استعمال کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ صرف اور صرف اپنی چیز بھاتی ہے مجھے"۔

"ٹھیک ہے۔ شاپنگ کر کے آ جانا، شوفر لے جائے گا"۔ برہان لغاری ماں کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں چاہتے تھے جس سے ان کی سبکی یا حکم عدولی کا پہلو نکلے، سو بہت آرام سے وہ کریڈٹ کارڈ اس کی طرف اُچھالتے ہوئے گویا ہوئے۔

''تنہا نہیں جاؤ گی، سکینہ ہو گی تمہارے ساتھ''۔ یہ والدہ حضور کا حکم تھا۔ وہ سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔ وہ دونوں ماں بیٹے دیکھتے رہ گئے تھے۔

''آہ...... ہا! نہیں ہے میرے بیٹے کے نصیب میں اولاد کا سکھ۔ منال سے کبھی نہ کبھی اچھی ہونے کی توقع تھی اور اس سے تو بالکل ہی نہیں ہے۔ ماں کی طرح ہی اکڑ و دبدبہ ہے۔ کسی کو اپنے آگے گردانتا وہ بھی نہیں جانتی تھی''۔ کرن کے جانے کے بعد دکھ بھرے لہجے میں بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

''ہم نے بھی اس کی اوقات پر ہی اسے رکھا تھا''۔ وہ رعونت سے بولے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد برہان لغاری چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔ پیچھے پیچھے سکینہ بھی چلی آئی تھی۔

''کان کھول کر سن لے، بی بی کے ساتھ بازار جانا ہے، اس کے ساتھ ساتھ رہنا ہے، اگر وہاں وہ کسی سے ملے، کسی سے فون پر بات کرے تو نظر رکھنا ہے اور آ کر مجھے ایک ایک بات بتانی ہے۔ اگر ذرا بھی چوک ہوئی تو تیری کھال میں بھس بھروا کر چوراہے پر لٹکا دوں گی''۔ ان کے لہجے میں سفاکی و درندگی تھی۔

مائی سکینہ کے ہاتھ تو پہلے ہی جڑے ہوئے تھے، جھکی گردن زور زور سے ہلا کر کہنے لگی بڑی عاجزی دکھاتے ہوئے۔

''بڑی مالکن! آپ کو کبھی شکایت ملی ہے، جو اَب ملے گی''۔

''جانتی ہوں، تب ہی تجھے ساتھ بھیج رہی ہوں''۔ ان کے انداز میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔

مائی سکینہ کی رات کی باتوں کی تصدیق ہو چکی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ کس قسم کے لوگ تھے جو اس سے خونی رشتے رکھنے کے باوجود اس سے کس جرم کا انتقام لے رہے تھے؟ خونی رشتے رکھنے کے باوجود اس کے دشمن ثابت ہو رہے تھے۔ اس کی ذات کا، زندگی کا خون کرنے کے درپے تھے۔

''اتنی آسانی سے میں ان کی خواہشوں کو پورا نہیں ہونے دوں گی، جو جہنم میری ماں کے لیے تیار کیا تھا، ویسا میرے لیے بھی تیار کیا جا رہا ہے مگر میں ان کی حیات بھی ایسی دہکتی ہوئی آگ کی طرح بنا دوں گی کہ مرنے کے بعد بھی ان کے چہروں سے سیاہی نہ اُتر پائے گی''۔ اس نے ایک اہم و حتمی فیصلہ کرتے ہوئے سوچا اور شوپنگ پر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے سکینہ! دیکھتی ہوں تم اپنے وعدوں میں، دعوؤں میں کس حد تک پوری اُترتی ہو''۔ کمرے سے نکلنے سے قبل وہ اس سے بولی۔

''یہ آپ کو آزمانے کے بعد ہی پتہ چلے گا بی بی جی''۔ وہ شوفر کے ہمراہ گاڑی میں روانہ ہو چکی تھی۔ مائی سکینہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پر تنہا بیٹھی تھی، جو فیصلہ اس نے تن تنہا کیا تھا اس فیصلے نے اس کے اندر طوفان برپا کر رکھا تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا اپنے بچاؤ کے لیے، آج ہی کرنا تھا، پھر کیا معلوم تھا؟

وقت ملے نہ ملے۔

نصیب موقع فراہم کرے، نہ کرے۔

نصیب سے شاکی وہ اوّل روز سے ہی تھی مگر اُمید کا دامن ابھی چھوٹا نہ تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی تھی۔ ڈرائیور نے دیکھا، ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔

"بی بی صاحبہ! ایکسٹرا ٹائر لگانے میں کچھ دیر لگے گی"۔ شوفر اس سے مودبانہ انداز میں گویا ہوا۔

"اچھا"۔ ڈیش بورڈ کے اوپر شاید وہ ڈرائیور کا ہی سیل فون رکھا ہوا تھا، اس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ اسے لگا نصیب کو اس پر ترس آ گیا ہے۔ اسی چیز کی تو اسے تلاش تھی۔ برہان لغاری سے اس نے کتنی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی، اب کامیابی ہاتھ آئی تو وہ اسے گنوانے کی متلاشی نہ تھی۔

"سکینہ! مجھے واش روم جانا ہے، سامنے ہوٹل میں پوچھو کر وہاں واش روم ہے"۔ وہ سامنے بنے ہوٹل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"وہاں واش روم ہو گا بی بی، پر آپ کے قابل نہیں"۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"مجھے جانا ہے تم معلوم کر کے آؤ"۔ وہ سخت لہجے میں بولی تو سکینہ گاڑی سے اُتر گئی۔ اسے اُترتے دیکھ کر اس نے سرعت سے آگے بڑھ کر موبائل اپنے قبضے میں کیا۔ سکینہ کو باہر دیکھ کر شوفر اس کی طرف آیا، تاکہ اس کے اُترنے کی وجہ معلوم کر سکے۔ سکینہ کے بتانے پر وہ تیزی سے ٹائر کے نٹ ٹائٹ کر کے اس کے ساتھ ہوٹل کی طرف بڑھ گیا تاکہ اپنی نگرانی میں واش روم صاف کروا سکے۔

دونوں اطراف کھیتوں کا سلسلہ تھا، سامنے وہ درمیانے درجے کا ہوٹل تھا جہاں ڈرائیور اور سکینہ جا رہے تھے۔ ان کے کچھ آگے بڑھتے ہی کرن نے تیزی سے نمبر پش کیے۔ تیسری بیل پر کال ریسیو ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کے موبائل پر مسلسل بیل ہو رہی تھی۔ حمزہ نے ریسیو کیا تو دوسری طرف کوئی لڑکی تھی۔

"ہیلو...... پلیز ٹائم کیا ہوا ہے؟" بہت معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔ وہ جو صمد کا فون سمجھ رہا تھا، یہ آواز سن کر ذہن اُلجھ سا گیا۔ اس نے رسٹ واچ میں دیکھ کر ٹائم بتا دیا۔

"اوہو...... کل بھی یہی ٹائم ہو رہا تھا"۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"کوئی نیا ٹائم بتائیں"۔ دوسری طرف سے شریر انداز میں اصرار ہوا۔

"ایڈیٹ! شرم نہیں آتی کسی کا ٹائم ویسٹ کرتے ہوئے"۔ اس نے جھنجلا کر آف کیا تھا، اسی دم سلام کی آواز سن کر پلٹا تھا۔ صمد اندر آ رہا تھا۔

صمد کو دیکھ کر اس کی مسرت سے وہی حالت ہوئی جو پیاس سے لب دم شخص کی بے اختیار پانی کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہ اس سے لپٹ گیا تھا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم؟ نہ کال، نہ میسج؟ میں تو پریشان ہو گیا تھا''۔ دل پر اتنے بوجھ آ گرے تھے کہ وہ اپنی جذباتیت پر قابو نہ رکھ سکا تھا اور آنسو چھلکنے لگے تھے۔ صمد حیرانگی و تاسف سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

وہ چھ فٹ سے نکلتی جسامت، سرخ و سپید رنگت، مضبوط و توانا جسم و اعصاب رکھنے والا مرد بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ صمد کا دماغ شل ہونے لگا۔ اس نے اسے ہمیشہ ہنستے مسکراتے دیکھا تھا۔ آنسوؤں سے وہ واقف ہی نہیں تھا اور اب......

''کچھ تو کہو، کیا ہوا ہے؟ کہاں تھے؟'' اسے بھی اپنی جذباتیت کا احساس ہوا تو وہ چہرہ صاف کرتا ہوا گویا ہوا۔

''میں یہیں تھا، گھر کے جھگڑوں نے مہلت نہیں دی جو رابطہ کرتا''۔ وہ تھکا تھکا سا اس کے بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

''جھگڑے کرنا اور پھر مل بیٹھنا اس گھر کی عورتوں کا وطیرۂ خاص رہا ہے۔ اس میں نئی بات کیا تھی جو تم سدھ بدھ بھول گئے''۔ حمزہ کا لہجہ بے زاری سے بھرپور تھا۔

''نئی بات کیا، نئی نئی حرکتیں ہونے لگی ہیں گھر میں۔ سکون و چین تو گویا کھو چکا ہے، دونوں چچیاں ممی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ادھر ممی ان کی شکلیں دیکھنا تو درکنار آواز تک سننے کی روادار نہیں ہیں۔ تینوں ایک دوسرے پر الزامات کی بارش کرتی رہتی ہیں۔ گھر گھر نہیں میدانِ جنگ بن گیا تھا جس کا حل پاپا نے یہ نکالا کہ تینوں بھائیوں کو علیحدہ علیحدہ رہائش رکھنی چاہیے، تاکہ آپس میں روابط کو استحکام نصیب ہو، ورنہ ٹوٹ تو گئے ہیں اگر بکھر گئے تو سمٹ نہ پائیں گے۔ دونوں چچا مان کر نہیں دے رہے تھے، بار بار پاپا کے سمجھانے یا ہر دم بڑھنے والی چخ چخ نے انہیں فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا، بس اسی بھاگ دوڑ میں، میں آ نہیں سکا۔ سیل فون میرا کھو گیا ہے، نامعلوم کہاں رکھ کر بھول گیا ہوں۔ اب نیا لوں گا''۔

''تھینکس گاڈ! ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا''۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے؟ یہ جوگ کب تک برقرار رہے گا؟'' وہ حمزہ کی طرف دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

''جوگ، یہ جوگ کیا ہوتا ہے؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''اسی رویے کا نام ہے جو تم نے اپنا رکھا ہے۔ پہلے کے لوگ عشق کی ناکامی کا درد لے کر گھر، گھر والوں سے دور، صحراؤں، ویرانوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ دنیا و دنیاداری سے ہر تعلق ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر۔ یہی حال تمہارا ہے، فرق ہے تو حالات و وقت کا''۔

''کیا فرق؟'' صمد کی بات سے لطف لیتے ہوئے استفسار کیا۔

''پہلے لوگ اتنے آرام پسند، سمجھدار نہیں تھے تمہاری طرح۔ صحراؤں کی خاک چھانتے، جنگلوں میں بھٹکنے اور ویرانوں میں بے خود ہونے کے بجائے تمہاری طرح ٹھاٹ سے جوگ بتاتے''۔ اس نے مفصل جواب دیا۔

"چائے پیو گے؟" وہ انٹرکام کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ہوں......نیکی اور پوچھ پوچھ"۔

"چائے کے ساتھ کچھ اور لو گے؟"

"جو دل چاہے منگوا لو"۔ حمزہ نے آرڈر دے دیا تھا، صمد تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو کر حمزہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"ان چند دنوں میں کتنے بدل گئے ہو تم۔ تمہاری شخصیت بری طرح کھلی جا رہی ہے تمہاری اپنی بے حسی سے، کبھی سوچا تھا تم اس طرح سب کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گے۔ چند سالہ محبت کے پیچھے برسوں کی محبتوں کو چھوڑ بیٹھو گے، یہ کیسی محبت ہے تمہاری جس نے تم کو اتنا خود غرض وغیرذمے دار بنا دیا ہے کہ تمہیں اب کسی کی پرواہی نہیں ہے۔ یہ کیسی محبت ہے جو سب سے نفرت پیدا کر گئی ہے"۔

"غلط بیانی سے کام مت لو، تم سب جانتے ہو اس کے باوجود اس طرح کہہ رہے ہو"۔ صمد کی بات پر وہ تڑپ کر بولا۔

"میں صحیح کہہ رہا ہوں، ایک کرن کی خاطر تم نے سب کو چھوڑا ہے"۔

"غلط، بالکل غلط۔ تو شاید پھپھو کی موت میرے لیے سب سے بڑا صدمہ ہے۔ ان کے ساتھ کی گئی زیادتیوں نے مجھے سب سے بدظن کیا ہے، ورنہ گھر والوں کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا میں"۔

"دروازہ ناک کیا گیا تھا، حمزہ نے کھولا تو سامنے ویٹر کے بجائے کسی دوسری ہستی کو دیکھ کر اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

☆......☆......☆

انس، حمزہ سے ملنے کے بعد مطمئن ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں جو ایک خیال تھا کہ حمزہ کرن سے محبت کرتا ہے اور اس کے حصول کا ارادہ بھی رکھتا ہو گا لیکن اس کے اندازے غلط ثابت ہوئے تھے۔ حمزہ نے بہت فراخ دلی سے ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کے حوصلے وظرف نے انس کے دل میں اس کی عزت وتوقیر دو چند کر دی تھی۔

تب سے اب تک وہ سوچوں کے گھوڑے دوڑا رہا تھا کہ کس طرح کرن تک پہنچے۔ حسب توقع برہان لغاری کی طرف سے وہ پابندیاں سامنے تھیں، جس کی توقع وہ قبل از وقت کر چکے تھے۔

"کرن میری محبت نہیں ہے، نہ ہی کسی اور لڑکی سے میں اب محبت کر سکتا ہوں۔ دل کا نگر تو فقط ایک بار ہی بستا ہے یا اُجڑتا ہے اور میرا دل اُجڑ چکا ہے پھر بھلا جلے ہوئے چراغ کب جلتے ہیں؟ مستعار لی گئی روشنی دل کی سیاہ راہوں پر کب ساتھ چھوڑ جائے، کوئی بھروسہ نہیں ہے"۔

"پھر کرن کا حصول کیا معنی رکھتا ہے؟ کیوں اسے پانے کو بے قرار ہو رہے ہو؟" سوچوں کے گرداب میں ضمیر کی صدائے احتجاج بلند ہوئی تھی۔

انسان سب سے جھوٹ بول سکتا ہے، غلط بیانی سے کام لے سکتا ہے مگر خود سے کبھی خود کو نہیں چھپا سکتا، جھوٹ نہیں بول سکتا، جتنا سچ وہ خود سے بولتا ہے اتنا کسی اور سے کبھی نہیں بول سکتا۔ کرن میری خواہش نہیں ہے، پر میری خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ ضرور بنے گی جس طرح جلتے کڑھتے، روتے بلکتے، تڑپتے سسکتے میں نے وقت گزارا ہے...... گزار رہا ہوں، اسی طرح وہ بھی لحہ لحہ وحشتوں واذیتوں میں مقید ہو کر گزارے گی۔

وہ قاتل حسن و دل رُبا ادائیں و جلوؤں کی مالکہ۔ جو کبھی رگ جاں وحاصل زیست تھی۔ محبت کا خمار اس کی مدہوش نگاہوں سے ہی چڑھا تھا۔ پہلی بار دل نے انوکھے انداز میں دھڑکنا سیکھا تھا، وہ محبت کی مسافتوں کو ابھی پوری طرح طے کر بھی نہ پایا تھا کہ معلوم ہوا وہ بستی بسنے سے قبل ہی اُجڑ گئی۔

منال نے بہت بلندی سے نیچے پھینکا تھا، وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جس کی طرف سے پہل ہوئی تھی، جس نے از خود اسے راغب کیا، جو خود ہاتھ تھام کر اس کے آگے بڑھی تھی، عین منزل کے قریب لا کر تنہا چھوڑ جائے گی، از حد معصوم و دل کش نظر آنے والی وہ کامنی سی لڑکی اتنی سفاک، بے رحم و بے احساس نکلے گی۔ ماضی کے کئی مناظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے تھے۔

پہلے آنکھیں بند کر کے وہ ان مناظر سے ایک سرخوشی، ایک تسکین حاصل کرتا تھا۔ اندر، باہر کیفیت و سرور کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ سوچتا تھا، یہ کیفیت دور نہ ہو۔ اب یہ یادیں سانپ اور بچھو کی طرح ڈسنے لگی تھیں۔ وہ فوراً آنکھیں کھول لیا کرتا، اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولی تھیں مگر یہ کیا......؟

وہ سامنے تھی۔

نہ معلوم بصارت کا دھوکہ یا دماغ کا کوئی فریب۔ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہیلو! کاش آج خدا سے کچھ اور بھی مانگ لیا ہوتا تو وہ بھی مل جاتا"۔ زرد ٹراؤزر، سرخ و زرد پرنٹڈ سلیولیس شرٹ میں گہری سرخ لپ اسٹک سے ہونٹوں کو دہکائے وہ سامنے کھڑی تھی حقیقت بن کر۔

"خدا سے مانگنے کی آرزو وہ لوگ کرتے ہیں جو خدا پر یقین کرتے ہیں، آپ جیسے لوگ تو پراپرٹی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، پھر آج یہ آرزو کیسے جاگ اُٹھی؟"

ایک نگاہ اسے دیکھ کر وہ نظریں جھکا چکا تھا۔ وہ بغیر دعوت کے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی تشنہ نظریں اس کے دیدار سے سیراب ہونے لگی تھیں۔

"اوہ، کیا آپ ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے"۔ اس نے ہاتھ سے شانوں پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے شوخی سے پوچھا۔

"میں کسی پر کفر کا دعویٰ کر کے گناہ گار نہیں ہونا چاہتا"۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"یہاں جم کب سے آ رہے ہو"۔

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا"۔

"بزنس کے علاوہ آج کل کیا مصروفیات ہیں؟" وہ جو عشق کی آگ میں جل کر راکھ ہو چکی تھی اس کی جدائی اسے مارے ڈال رہی تھی۔ گوہر مقصود سامنے دیکھ کر وہ دیوانوں کی طرح چلی آئی تھی جبکہ وہ بے گانہ بنا بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے خوشی، دُکھ، حیرت یا نفرت کسی بھی جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

سپاٹ انداز

سرد رویہ

کند چھری سے گویا ذبح کر دیتے ہیں، بڑے قاتل انداز ہوتے ہیں یہ۔

"انس آپ ناراض ہیں؟" وہ اس کی کج ادائی برداشت نہ کر پائی۔

"کیوں؟" اس کا انداز سپاٹ تھا۔

"ایسے مت بنو جیسے جانتے نہیں ہو" آنسو اس کی آنکھوں میں آ گئے۔

"اب ویسے بننے کا فائدہ بھی کیا ہے؟"

"بزنس مین ہو، نفع نقصان کی ہی بات کر سکتے ہو۔ دل کے معاملوں میں بزنس اسکیل نہیں آتا ہے"۔ وہ نزاکت سے ٹشو پیپر سے آنکھیں صاف کرتی بولی۔

"ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں رہا ہے"۔

"میں اس تعلق کو پھر جوڑنا چاہتی ہوں، جو میں نے ہی توڑا تھا"۔ وہ آہستگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

انس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، وہ بھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ گہری گہری استحقاق بھری نگاہوں سے لمحے بھر کو دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔ منال کے سرخ ہونٹوں پر جان دار مسکراہٹ اُبھری تھی۔

"میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، صرف اور صرف تمہارے ساتھ، تمہاری بن کر"۔ وہ گویا بے خودی کی لہر میں بہہ رہی تھی۔

انس اس کی بات پر شاکڈ و جامد سا بیٹھا رہ گیا تھا۔ اسی وقت اس کے پرسنل سیل کی ٹیون آن ہوئی تھی۔

......❁......

اس نے سیل اسکرین پر اجنبی نمبر دیکھ کر متعجب انداز میں کال ریسیو کی تھی۔ دوسری جانب سے جس نے اسے مخاطب کیا وہ لمحے بھر کو اسے چونکا گیا تھا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں سامنے بیٹھی منال پر اُٹھی تھیں جو بڑی وارفتگی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر اس کی دل فریب مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی جبکہ وہ اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر تن دہی سے کال پر متوجہ ہو گیا تھا۔

''کتنا ٹائم لگے گا آپ کو وہاں تک پہنچنے میں؟'' وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا دوسری جانب سے جواب سننے لگا تھا۔

''اٹس او کے۔ ایک گھنٹے بعد میں آپ کو وہیں پر ملوں گا''۔ سیل آف کر کے اس نے کوٹ کی جیب میں رکھا، اس کے نفس میں بے ربط سی ہلچل پیدا ہو گئی تھی۔ رگ و پے میں تیزی سے گردش کرتے خون میں پیدا ہونے والے تجسس و اُلجھن کے تاثرات کو چہرے سے ہویدا ہونے سے بمشکل روک سکا تھا۔

''کسی فرینڈ کی کال تھی؟'' منال نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہوں''۔ وہ بھی جواباً مسکرا کر اثبات میں سر ہلا سکا تھا کہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ کس کا فون تھا اور کیوں تھا تو یہاں وہ اس اطمینان و سکون سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ ایک ہنگامہ قبل از وقت شروع ہو جاتا۔

''کوئی ایمرجنسی کال تھی؟ خاصے ڈسٹرب سے ہو گئے ہو''۔

''ارے...... نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو خواہ مخواہ وہم ہوا ہے''۔

''مجھے وہم ہوا ہے، وہم ہو بھی نہیں سکتا، جس شخص کو ہم اپنی زیست سے بڑھ کر چاہیں، اس کے جذبات، احساسات، کیفیات بھلا ہماری آنکھوں سے، ہمارے احساسات سے کس طرح سے مخفی رہ سکتی ہیں اور تم تو میرے دل میں دھڑکن کی طرح بستے ہو اور جب دھڑکنیں بے ترتیب ہوں تو دل پُرامن کیسے رہ سکتا ہے''۔

اس کے ایک ایک لفظ میں دہکتے جذبوں کی حکایتیں پنہاں تھیں، مدت بعد اسے گوہر مقصود ہاتھ لگا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی، اس اتفاقیہ ملاقات کا کوئی لمحہ رائیگاں جائے۔ انس کی سادہ مزاجی و احتیاط پسندی سے واقف تھی۔ اسے معلوم تھا پانچ سال قبل وہ جتنا کم گو، شرمیلا، سنجیدہ طبیعت کا مالک تھا وہی خصوصیات اس میں اب بھی موجود ہیں۔

اس کے مزاج میں سر مُو فرق نہیں آیا تھا۔

وہی انداز تھا، وہی شخصیت، وہی بے نیازی و متانت وہی وقار، وہی وجاہت۔

جس پر مر مٹنے کو دل چاہتا تھا، وہ مر مٹی تھی۔

''اتنا ڈھونگی ہے مجھے سمجھنے کا؟'' وہ کچھ جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس انداز میں گویا ہوا کہ منال کی دھڑکنوں میں دل فریب اشتعال سا پیدا ہو گیا۔

انس کا بھاری لہجہ، مخمور نگاہوں کا قاتل انداز، اسے خوشی سے نہال کر گیا، وہ سوچ رہی تھی اسے منانے کے لیے، اپنی سچی محبت کا

یقین دلانے کے لیے، نہ معلوم کتنے جتن کرنے پڑیں گے، کتنی مسافت طے کرنی پڑے گی، پھر نہ معلوم منزل تک پہنچ پائے گی یا نہیں......؟ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

قسمت نے ہمیشہ کی طرح اس کے آگے سرنگوں کیا تھا۔

''یس''۔وہ ادائے دل ربائی سے اٹھلائی تھی۔

''کیا لو گی؟'' وہ گویا لاجواب ہو کر بولا۔

''اس وقت تو صرف تمہاری دید سے سیراب ہونا چاہتی ہوں''۔

''خاصی دیدہ دور ہو گئی ہو، بٹ آئم سوری، مجھے ابھی جانا ہوگا،کوئی میرے انتظار میں ہے''۔وہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر فوراً عجلت میں کھڑا ہوتا ہوا بولا۔اس کی تقلید میں منال بھی کھڑی ہو گئی تھی اور اس کے اس جملے کے ایک لفظ ''کوئی'' نے اس کے چہرے کی رنگت اُڑا دی تھی۔

''تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے جس سے تم ملنے جا رہے ہو؟''

انس نے اس کی جانب دیکھا۔اس کی کیفیت اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔وہ سنجیدگی سے بولا۔

''گرل فرینڈ نہ کبھی پہلے بنائی تھی اور نہ اب ارادہ ہے''۔

''اوہ......سوری میں بس''۔وہ خجل سی ہو گئی۔

''یہ دعویٰ ہے مجھے مجھ سے زیادہ جاننے کا؟''

''میں نے کہا نہ بابا! سوری۔ایسا ہو جاتا ہے کبھی کبھی، دراصل تم جس تیزی سے اُبھر رہے ہو، یہ انداز کسی اسپیشل پرسن کے لیے ہوتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے وہ اسپیشل پرسن میل ہوگا، فی میل نہیں''۔اس نے ہنس کر اپنی غلط فہمی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں، تم سے بچھڑ کر کس طرح لائف مفلوج ہوئی، اس کا لمحہ لمحہ میں تم سے شیئر کرنا چاہتی ہوں، مجھے احساس ہے میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی تھی، بے حد دل دکھایا تھا جس کی بڑی سزا بھگتی ہے، زندگی کا ہر پل مجھ سے میری ناسمجھی کا تاوان لے کر گزرا ہے''۔وہ اس کے سنگ چل رہی تھی پورٹیکو کی جانب، جہاں اس کی کار پارک تھی۔

''مجھ میں طاقت نہیں رہی مزید اسٹرگل کرنے کی،اب زندگی میں تمہارے ساتھ،تمہاری بانہوں میں گزارنا چاہتی ہوں،تاکہ خود کو زندہ محسوس کر سکوں''۔اس کی نم آواز مکر وفریب سے مبرا سچائی و لگن سے لبریز تھی۔

''او کے،اب مجھے اجازت دو''۔وہ اپنی کار کے قریب کھڑا ہو کر بولا۔

''میری بے قراریوں کا یہ جواب ہے؟'' وہ سخت دل برداشتہ ہو کر گویا ہوئی۔

''محبت اتنی کمزور نہیں ہوتی جس کو لفظوں کے سہاروں کی ضرورت پڑے، یہ اپنا آپ خود منواتی ہے۔لفظوں کا سہارا اس کی حرمت کو داغ دار کر دیتا ہے''۔

"ہاں......شاید میرے حواس میرا ساتھ چھوڑنے لگے ہیں، میں تم سے ملنا چاہتی ہوں"۔

"میں بھی تم سے دوبارہ ملنے کا خواہش مند ہوں"۔ وہ کوٹ کی جیب سے والٹ نکال کر اس میں سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اسے پکڑاتے ہوئے گویا ہوا۔

پھر رسمی الوداعی کلمات کے بعد انس کار لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ منال اس وقت تک اس کی کار کو دیکھتی رہی، جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ پھر اس نے مٹھی میں دبے کارڈ کو اس طرح خوشی سے چوما، گویا ہفت اقلیم کی دولت کا راز پا لیا ہو۔ خوشی سے اس کا انگ انگ کھل اُٹھا تھا۔

☆......☆......☆

السلام علیکم برخوردار! اندر آئیں یا باہر سے ہی واپس لوٹ جائیں؟" وہ جو خلاف توقع باپ کو سامنے دیکھ کر ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔ استعجاب، بے یقینی، حیرانگی ایک سرخوشی کے ہلکے سے جذبے نے اسے گنگ کر ڈالا تھا۔ عاصم صاحب کی پُرشفقت و کچھ کچھ خفگی جھلکاتی آواز نے اسے جھنجوڑا تھا۔

"پاپا!" وہ بے ساختہ ان کے سینے سے لپٹ کر آبدیدہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے بھی بڑی محبت سے اسے سینے سے لگا کر بھینچا تھا۔ آنکھوں میں ان کے بھی نمی در آئی تھی۔ جس کو ضبط کرنے کی انہوں نے سعی بھی نہ کی۔

حمزہ انہیں ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا تھا۔ صمد گو مگو کی کیفیت میں بیٹھا تھا۔

"پاپا! آپ یہاں؟" صمد سکتے کی کیفیت سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

"برخوردار! کئی دنوں سے مجھے شبہ تھا کہ آپ ایک مقررہ وقت پر گھر سے غائب رہنے لگے ہو، میں نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے تمام فرینڈز سے کال کر کے آپ کی وہاں موجودگی کا معلوم کیا وہاں سے نفی میں جواب ملتا رہا اور میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے، اپنے گمان کو یقین میں بدلنے کے لیے میں دو مرتبہ آپ کے پیچھے آیا مگر دونوں مرتبہ میں آپ کی کار کو فالو نہ کر سکا مگر آج تقدیر نے مجھے کامیاب کر ہی دیا"۔ وہ اعتماد بھرے انداز میں بات کر رہے تھے۔ ویٹر چائے اور دیگر لوازمات کی ٹرالی لے آیا تھا۔

چائے بے حد خاموشی کے دوران پی گئی تھی۔ عاصم صاحب کسی سوچ کی عمیق گہرائی میں گم تھے۔

صمد ترچھی نگاہوں سے کبھی عاصم صاحب کی جانب دیکھتا تو کبھی حمزہ کی جانب، حمزہ نظریں جھکائے چائے پی رہا تھا۔ اس کے انداز میں سپاٹ پن ظاہر تھا۔ تین نفوس کی موجودگی کے باوجود کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔

حمزہ اپنی جذباتی کیفیت کو سنبھال چکا تھا جو اچانک باپ کو دیکھ کر اس پر طاری ہوئی تھی، اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی اُبھر آئی تھی۔

"آپ کی یہ طویل خاموشی ظاہر کر رہی ہے کہ آپ کی ناراضگی میں ابھی تک سرِ مُو فرق نہیں آیا ہے"۔

"ناراضگی کیسی پاپا! ابھی تک میں خود کو سمجھ نہیں پایا ہوں، ایسا لگتا ہے میں نے جو کچھ کیا وہ فضول و بے معنی ہے۔ زندگی کا مقصد،

مستقبل کا تعین کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ کیا ہو گیا ہے اور کیا ہو گا؟"

"سب ہو گا بیٹا! اور اچھا ہو گا، بس بعض اوقات ہم جو فیصلے نہیں کر پاتے ہیں تو تقدیر ہمارے فیصلے کرتی ہے"۔ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں سمجھا رہے تھے۔

"گھر چلو بیٹا! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ اس طرح گھر چھوڑ دینا دانائی نہیں ہے۔ ہمارا آج ہمیشہ ہمارے کل پر بھاری رہتا ہے۔ وقت خود کو دہراتا ہے۔ کل میں اپنے آپ میں مگن ہو کر اپنے فرائض، اپنے حقوق کی ادائیگی و رشتے فراموش کر چکا تھا تو دیکھو آج مجھے گزرے ہوئے کل نے شرمندگی، ملال و تاسف کے سوا کچھ نہ دیا۔ اب میں سوچتا ہوں کاش! کوئی معجزہ ہو جائے اور میں اس وقت کو دوبارہ حاصل کر لوں، جب مجھ سے کوتاہیاں ہوئی تھیں لیکن اب معجزے کہاں۔ ہم نیکیوں سے، رحمتوں سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ اپنے اعمالوں کے سبب، ہر سزا سے کڑی سزا، ضمیر کی سزا ہوتی ہے، جس سے آپ کو مرتے دم تک رہائی ممکن نہیں ہوتی ہے۔ سو میں بخوشی یہ سزا پا رہا ہوں لیکن نہیں چاہتا کہ یہ سلسلہ دراز ہو، کل میں نادانی میں گھر سے اور رشتے سے غافل رہا، آج تم جذبات میں یہ غلطی کر رہے ہو۔ وقت گزر جانے پر احساس بیدار ہو گا تو اس وقت تک کافی دیر ہو چکی ہو گی۔ تو وقت گزر جانے سے بہتر ہے، اپنے کل کو ہم آج سنواریں، نہ پھیلائیں کدورتیں و نادانی کے یہ سلسلے جو اس طرح قائم ہوتے ہیں"۔ باپ کی کمزور آواز، پشیمانی و دکھ میں لرزاں ایک ایک لفظ اس کے تاریک دریچوں کو روشنی فراہم کر رہا تھا، وہ بھی توان سے چند دن دور رہ کر جان گیا تھا، اپنوں سے دور رہ کر زندگی، زندگی نہیں رہتی، سزا بن جاتی ہے، پھر مکافاتِ عمل تو ازل سے چلا آ رہا ہے"۔

"پاپا تمہارے پاس بڑی اُمید لے کر آئے ہیں، کیا انہیں مایوس لوٹاؤ گے؟" اسے سوچوں میں غلطاں دیکھ کر صمد کو کہنا پڑا۔

"پاپا نے صحیح کہا ہے، مکافاتِ عمل کا سلسلہ دراز نہیں ہونا چاہیے اور یہ بھی درست ہے کہ جذبات میں اُٹھائے گئے قدم کبھی کامیاب راستوں پر گامزن نہیں ہوتے ہیں، میں گھر چل رہا ہوں"۔

☆......☆......☆

وہ فیصلے جن کو کرنے میں بعض اوقات وقت مٹھی میں بند ریت کی طرح نکل جاتا ہے، کبھی لمحہ بھر میں بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ وقت نے اس سے کروایا تھا۔ وہ خود کو تقدیر کے سمندر کی لہروں کے سپرد کر چکی تھی کہ وہ اسے غرق کرتی ہیں یا کنارے پر چھوڑ جاتی ہیں۔

موبائل سے انس مدثر کا نمبر ڈیلیٹ کر کے اس نے واپس وہیں رکھ دیا، جہاں سے اُٹھایا تھا، چند لمحوں بعد ڈرائیور کے ہمراہ مائی سکینہ آتی ہوئی نظر آئی، پھر قریب آ کر بولی۔

"چلیں بی بی صاحبہ! میں وہاں صفائی کروا کر آ گئی ہوں"۔

"اب ضرورت نہیں ہے، واپس چلو"۔ اس کے حکمیہ انداز پر وہ خاموشی سے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا کہہ کر بیٹھ گئی۔

گاڑی سبک رفتاری سے رواں دواں تھی۔

طارق روڈ شاپنگ سینٹر کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی رُک گئی تھی۔ وہ مائی سکینہ کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گئی، بوتیک سے اس نے چند سوٹس جلدی جلدی خریدے تھے، وہیں سے ہی سینڈلز بھی مل گئی تھیں، جیولری اس نے لی نہیں تھی۔ پندرہ منٹ میں وہ اپنی شاپنگ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ دو سوٹ مائی سکینہ کو بھی دلوا چکی تھی، جس نے نہ نہ کرنے کے بعد وصول کر لیے تھے۔

"مجھے اپنی ایک دوست سے ملنے جانا ہے۔ میں ایک گھنٹے میں واپس آجاؤں گی، تب تک تم اپنے لیے کچھ خریداری کرلو، پھر سامنے والے ریسٹورینٹ میں بیٹھ جانا، میں وہیں آجاؤں گی"۔ وہ شاپنگ سینٹر کے دوسرے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے مائی سکینہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"بی بی صاحب! ڈرائیور، صاحب اور مالکن کا خاص چمچہ ہے، بہت تیز دماغ، تیز نظر ہے، کوشش کیجیے گا اسے شک نہ ہونے پائے"۔ بہت نڈر و بے خوف نظر آنے والی مائی سکینہ اس وقت کچھ ہراساں و فکرمند دکھائی دی۔

"بے فکر رہو، ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، میں جلد واپس آؤں گی، گھبرانا مت"۔ کرن اسے دلاسہ دے کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ خریداری کرنے والوں کا اچھا خاصا ہجوم وہاں بکھرا ہوا تھا۔

وہ نیچے آئی تو انس سامنے ہی نظر آ گیا۔ وہ متلاشی مگر مضطرب نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدم جھجک کر رُک گئے۔ دل میں عجیب سا تلاطم برپا ہو گیا۔ خوشگوار موسم کے باوجود لمحے بھر میں پسینے سے شرابور ہو گئی تھی۔

وہ سامنے تھا۔

جس کو کبھی اس کی پرچھائی سے بھی چڑ تھی اور آج...... وہ اس کی پرچھائی بننے جا رہی تھی، وہ اس سے زیادہ دور نہ تھا۔

پُروقار شخصیت......

خوب صورت گہری آنکھیں جن کی گہری شفاف تہہ میں سوزِ پنہاں رہتا تھا۔

دل کش نقوش......

چہرے پر بلا کی سنجیدگی نے جسے پُروقار جاذبیت بخشی تھی۔

"تھینکس گاڈ! آپ آ گئیں، ورنہ میں پریشان ہو گیا تھا"۔ انس کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ تیزی سے اس کی طرف آتا ہوا بولا۔

"مسافت کافی طویل تھی، اس لیے دیر ہو گئی"۔

"منزل پر پہنچنے کے بعد مسافتوں کی طوالت سرخوشی عطا کرتی ہے، تھکان نہیں۔ لیکن آپ مجھے خاصی پژمردہ وا بھی دکھائی دے رہی ہیں، کیا بات ہے، آپ اپنے فیصلے سے خوش نہیں ہیں؟" وہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ کار اسٹارٹ کرتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"کیا اس طرح ایسے کام ہوتے ہیں؟ کیا مجھے ایسا کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو سکتی ہے؟ جس طرح ہم یہ کر رہے ہیں؟ یہ کسی محبت یا دلی وابستگی کا جنون نہیں ہے، یہاں صرف انتقامی جذبوں کے تحت سب ہو رہا ہے"۔

"کیا انتقامی جذبوں پر زندگیاں داؤ پر لگائی جاتی ہیں"۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا آہستگی سے گویا ہوا، بلیک کلر کی بڑی چادر جس پر سرخ دھاگے سے کڑھائی کی گئی تھی وہ اس نے اس طرح اوڑھی ہوئی تھی کہ اس کے سراپے کے ساتھ وہ اس کے چہرے کو بھی آدھا چھپائے تھی۔

"ہاں کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو اندھا کر دیتے ہیں۔ ان میں ایک جذبہ انتقام بھی ہے۔ مجھے اپنے باپ سے انتقام لینا ہے اور آپ کو منال سے"۔ وہ جتنی آہستگی سے بولی تھی، ردعمل اتنا ہی باآواز ہوا تھا۔ اس کی باتیں غور سے سنتے ہوئے انس کو آخری لفظ پر حیرانگی کا اتنا زبردست شاک لگا تھا کہ وہ بمشکل کار کو درخت سے ٹکرانے سے بچا سکا تھا۔ کار فٹ پاتھ سے ٹکرا کر رُک گئی تھی۔ نتیجتاً زوردار آواز پیدا ہوئی تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑیاں ان کی خیریت پوچھ کر گزر رہی تھیں۔

"آر یو رائٹ؟" وہ خود کو سنبھالتا ہوا اس سے مخاطب ہوا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا مگر دل اس کا بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

"تھینکس گاڈ! بچت ہو گئی۔ سڑک پر اتنا ٹریفک نہ تھا"۔ وہ کار دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

کچھ دیر قبل پُراعتماد و مطمئن نظر آنے والا انس ڈسٹرب دکھائی دے رہا تھا، کرن کو اس نے عام لڑکی سمجھا تھا جو اپنے ماحول و حالات کی چکی میں پس کر بدمزاج و بددماغ تھی اس کی نگاہ میں، مگر اس نے وہ سچائی بیان کر دی تھی جس کا اعتراف وہ ڈیڈ سے بھی نہ کر سکا تھا۔

"یہ آپ نے ابھی کیا کہا کہ میں منال کا انتقام آپ سے لوں گا؟"

"میں نے جو سوچا، وہ کہہ دیا۔ آپ کے دل میں کیا ہے، اس سے میں لاعلم ہوں، لیکن حقیقت یہ بھی نہیں ہے کہ آپ نے کسی دلی جذبے کے تحت پھر سے مراسم مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا ہے"۔ کرن کی آواز دھیمی و سپاٹ سی تھی جس سے کوئی جذبہ، کوئی اُمنگ ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اس نے ایک بار بھی گردن اُٹھا کر انس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

البتہ وہ گاہے بگاہے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس پر نگاہ ڈال رہا تھا۔ چادر کی اوٹ سے کبھی ستواں ناک نظر آتی، کبھی صبیح رخسار پر لرزاں سیاہ دراز پلکوں کی جھالریں نظر آتی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے خود پر کہ ہر دفعہ آپ کے بارے میں اندازے لگانے میں ناکام ثابت ہوتا ہوں اور ہر بار آپ میری توقع سے بڑھ کر ثابت ہوتی ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہوا ہے مگر کچھ اندازے و سوچ آپ کی بھی درست نہیں ہیں"۔

"میں نے کہا نا میری محض قیاس آرائی ہے"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

پھر ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

وہ سعد کے فلیٹ پر چلے آئے تھے۔ سعد اور فاریہ نے والہانہ استقبال کیا تھا۔ پروگرام کے مطابق وہاں قاضی صاحب اور گواہان کے طور پر انس کے قریبی ورازدان دوست موجود تھے۔ بہت سادگی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔

کمرے میں مبارک سلامت کا شور گونج اُٹھا تھا۔ انس کے دوست مبارک باد دے رہے تھے۔ بغل گیر ہو رہے تھے۔

اس کی چہرے پر خلاف توقع بے حد خوشی وشادمانی تھی۔

وہ فاریہ کے ساتھ اس کے بیڈروم میں آ گئی تھی۔ اس وقت اس کے ذہن میں سناٹا تھا۔ ہر سوچ، ہر لفظ، ہر احساس گویا مفلوج ہو گئے تھے۔ ایک دل تھا، جو بھر بھر کر آ رہا تھا اور وہ بے آواز روئے جا رہی تھی۔

فاریہ جو اس کے حالات اور جذباتی کیفیت سے آگاہ تھی، خاموشی سے اُٹھ کر اس کے پاس سے چلی گئی تھی تا کہ وہ تنہائی میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے فریش ہو جائے اور ہوا بھی ایسا ہی وہ کچھ دیر بعد اندر آئی تو وہ منہ ہاتھ دھو کر بیٹھی بال بنا رہی تھی۔

اس کی آنکھیں اور ناک شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں، فاریہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"آج دونوں ملازماؤں کو میں نے چھٹی دے دی تھی، اس تقریب کی وجہ سے۔ دراصل حالات ایسے ہیں کہ یہ کام بہت رازداری سے کرنا پڑا ہے، وہاں بھی کرنی کو معلوم ہے مدثر انکل بوسٹن میں ہیں مگر دونوں نے تمہیں بہت دعاؤں سے نوازا ہے، بہت خوش ہیں دونوں اس تعلق پر"۔ فاریہ لوازمات کے لیے پلیٹ سیدھی رکھتی ہوئی بتا رہی تھی۔

"میں صرف چائے پیوں گی"۔ وہ بال بنا کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"صرف چائے سے کیا ہوگا؟"

"کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا"۔

"دل کو سمجھاؤ، اتنا بڑا اسٹینڈ لیا ہے تم نے اسے نبھانے کے لیے، بہت سارے معاملے نمٹانے کی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح نہ کھانے سے تم خود سے لڑ نہ پاؤ گی۔ زبردستی کھاؤ"۔ فاریہ کے انداز میں از حد اپنائیت وخلوص تھا۔

"پلیز! ابھی نہیں، اب مجھے واپس جانا ہے۔ ایک گھنٹہ ہونے والا ہے۔ مجھے دیر ہو گئی تو مسئلہ ہو جائے گا اور میں نہیں چاہتی قبل از وقت کچھ گڑبڑ ہو"۔

"ہاں، ہاں ان تمام نزاکتوں کا مجھے احساس ہے، یہاں سے ایک شارٹ کٹ طارق روڈ تک دس منٹ میں پہنچا دے گا، وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو جائیں پھر میں کہتی ہوں"۔ فاریہ اس کے لیے چائے لے آئی تھی۔

دو خواتین کی موجودگی کے باوجود کمرے میں خاموشی محیط تھی۔

فاریہ اس نئے بندھن کے حوالے سے اس سے کوئی لطیف سی چھیڑ چھاڑ کا سوچتی پھر پچوایشن اور کرن کی سنجیدہ و کچھ رنجیدہ سی صورت دیکھ کر ملال سا اس کے اندر اُترنے لگتا تھا۔

کیا شادی اس طرح ہوتی ہے؟

نئے بندھن اس طرح باندھے جاتے ہیں، جیسے چوری کی گئی ہو۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

کبھی کبھی لمحوں میں تقدیریں بدل جایا کرتی ہیں۔

جس طرح وہ آتے وقت کرن برہان لغاری تھی......

اور اب واپسی پر......وہ اس کے سنگ اس کی منکوحہ کی حیثیت سے بیٹھی تھی۔

منٹوں کا ردوبدل......

لمحوں کا ہیر پھیر۔

اسے کرن برہان لغاری سے کرن انس مدثر بنا گیا تھا۔

"کچھ کہیں گی نہیں......کیا محسوس ہو رہا ہے مجھ سے وابستہ ہو کر؟" کارڈرائیو کرتے ہوئے وہ کرن سے بڑے ترنگ میں گویا ہوا تھا۔

"اندیشوں اور وسوسوں کی چابک مجھ پر برسنے لگی ہے۔سوچنے سمجھنے کی حس مفلوج ہو گئی ہے۔سمجھ میں نہیں آرہا، میرا یہ انتہائی قدم مثبت ثابت ہو سکے گا یا نہیں؟ جس طرح میں نے سوچا ہے وہ ہوگا یا نہیں؟ تقدیر میرے ساتھ یاوری کرے گی یا غداری؟"

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

"یہی......اب کیا ہوگا؟" بے ساختہ وہ کہہ اٹھی تھی۔

"وہی جو منظور خدا ہوگا"۔انس مسکراتا ہوا بولا۔"اب آپ بالکل ریلیکس رہیں، جو ہونا تھا وہ ہو گیا، جو فیصلے ہم کر نہیں پاتے وہ وقت کر دیتا ہے۔وقت نے بھی ہمارا فیصلہ کر دیا ہے، میرے حوالے سے، میرے ماضی کے حوالے سے اور آنے والے مستقبل کے حوالے سے آپ جن شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں ان کی تلافی......سوری اس بارے میں ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ میں نے صدق دل سے آپ کا ہاتھ تھاما ہے"۔اس نے دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر بائیں ہاتھ سے اس کا مخروطی ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگایا تھا۔

اس کی یہ حرکت بالکل غیر متوقع تھی۔

ایک لمحہ اس کا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر مس ہوا تھا وہ سرتاپا اس احساس سے جھنجنا کر رہ گئی تھی۔

رگ وپے میں برق سی دوڑ اٹھی تھی۔

فہم وادراک کے ناآشنا محسوسات سے دوچار ہوئی تھیں۔دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل تھیں اور وہ ایسی منتشر ہوئیں کہ جن کی صدا انس کی سماعتوں میں بھی گونج اٹھی تھی۔

اس نے دھیمے سے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ٹیک اٹ ایزی، اب کوئی شرارت نہیں ہوگی"۔کرن کو سمٹتے دیکھ کر وہ بولا اور پھر راستہ بے حد خاموشی سے گزرا تھا۔

☆......☆......☆

رات کھانے پر ایسی کوئی خاص گہما گہمی دیکھنے میں نہیں آئی جو عموماً بیٹی کے سسرالیوں کی آمد پر ہوتی ہے، سب حسب معمول تھا البتہ منال چلی آئی تھی اور اس کی آمد والدہ حضور کو سخت ناگوار گزری جس کا اظہار وہ کیے بنا رہ نہ سکیں۔

”طویل عرصے بعد کل تو تم گئی تھیں، یہ آج یہاں آنے کی کیا سوجھی؟“ وہ برہمی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

”اس بات سے کیا مطلب ہے آپ کا گرینڈ مدر، میں اپنے گھر آئی ہوں، اپنے گھر آنے کے لیے بھی مجھے اب تکلف برتنا پڑے گا؟“ حسب عادت وہ بری طرح سلگ کر گویا ہوئی تھی۔

وہاں اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

”شادی کے بعد لڑکی اپنے گھر میں ہی سجتی ہے۔ یہ روز روز منہ اُٹھا کر میکے آجانے والی لڑکیاں کبھی بھی گھر نہیں بسا پاتی ہیں۔ شکر کرو سرور میاں اچھے آدمی ہیں جو تم جیسی لڑکی کو نبھا رہے ہیں اور اپنی ماں جیسی زندگی گزارنا نہیں چاہتیں تو اس کی سیوا کرو“۔

”بس بہت ہوگئی“۔ وہ کسی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔ ”میری مما کو آپ نے یہاں رہنے نہیں دیا، اب آپ سے اتنی دور ہیں وہ، اس کے باوجود آپ انہیں بھولتی نہیں ہیں۔ بہت خراب، بہت کرپٹ ہیں آپ...... لیکن جو آپ سوچ رہی ہیں کہ میں بھی اپنی مما کی طرح آپ کو یہاں حکمرانی کے لیے چھوڑ جاؤں گی تو یہ آپ کی بھول ہے، یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی، مما کی طرح معصوم و کمزور نہیں ہوں میں کہ آپ مجھے یہاں سے نکال سکیں“۔ وہ غصے سے بے قابو تھی۔

”معصوم و کمزور“۔ ازحد اہانت آمیز و تحقیر بھری مسکراہٹ والدہ حضور کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی۔

”بدکردار بدچلن تھی“۔

”گرینڈ مدر، اسٹاپ اِٹ“۔ وہ بُری طرح چیخی تھی۔

”چیخو اور چیخو، تاکہ سب ملازمین کو بھی معلوم ہوجائے کہ تمہاری ماں ایک دو ٹکے کے انجینئر کے ساتھ بھاگ گئی تھی، یہ تھی تمہاری ماں کی اوقات۔ گندگی کے کیڑوں کو صفائی کب بھاتی ہے۔ انہیں چین گندگی میں ڈبکیاں لگاتے ہوئے ہی آتا ہے“۔ ان کے لہجے میں نفرت و اہانت تھی۔

”میں آپ کی بکواس سننے نہیں آئی ہوں یہاں پر اور آپ کیا سمجھتی ہیں جو آپ کہیں گی اس پر میں یقین کرلوں گی“۔ اس کی آواز میں وہ طنطنہ و اعتماد موجود نہ تھا۔

”یقین نہ بھی آئے تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ ابھی برہان آرہا ہے اس سے معلوم کرلینا، وہ اچھی طرح سے بتائے گا کہ کس طرح اس نے تمہاری ”معصوم و کمزور“ ماں کو اپنے عاشق کے ساتھ عشق کرتے ہوئے پکڑا اور دھکے دے کر یہاں سے نکالا تھا، سب یاد ہے اسے“۔

والدہ حضور کا انداز ایسا تھا گویا کوئی دلچسپ قصہ سنا رہی ہوں۔

”جارہی ہوں میں، مگر یاد رکھیں سکون سے آپ کو میں جینے نہیں دوں گی“۔ وہ غصے سے پیر پٹختی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ والدہ

حضور کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔وہ بھی چاہتی تھی کہ کامران مرزا اور عمران مرزا کی آمد سے قبل منال یہاں سے چلی جائے، ورنہ ان کے بنے بنائے کھیل کو بگاڑ سکتی تھی کیونکہ وہ بلاسوچے سمجھے بولنے کی عادی تھی۔سو اسے بھگانے کے لیے انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر پاؤں رکھ دیا تھا اور نتیجتاً کامیابی ان کے دامن میں تھی۔

خلاف توقع کرن شاپنگ کر کے جلدی آ گئی تھی اور اس کی اتنی جلد واپسی پر انہیں بے حد حیرت ہو رہی تھی۔شاپنگ تو لڑکیوں کا کریز ہوتی ہے، کم سے کم روپوں میں بھی وہ زیادہ سے زیادہ خریداری کرنے کی سعی کرتی ہیں۔معمولی سی شاپنگ میں بھی گھنٹوں لگ جاتے ہیں، یہاں نہ وقت کا معاملہ تھا اور نہ شاپنگ پر اُٹھنے والے روپوں کی کمی کا مسئلہ تھا، اس کے باوجود کرن کا بہت جلد لوٹ آنا انہیں بے چین سا کر گیا تھا۔

ان کے ذہن میں کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اُٹھی تھی مگر اس کی پکار وہ سننے کے باوجود سمجھنے میں ناکام رہی تھیں مگر بے چینی و بے کلی انہیں مضطرب کر چکی تھی، مائی سکینہ سے وہ پوچھ چکی تھیں، وہ کئی بار بتا چکی تھی کہ کرن اس کے ساتھ تھی، نہ وہ کسی سے ملی نہ کوئی ملنے آیا۔ ڈرائیور نے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی کہ کرن جس راستے سے گئی تھی، اسی راستے سے واپس آئی ہے، وہ مکمل نگرانی کر رہا تھا۔

وہ دونوں ہی قابلِ اعتبار ملازمین تھے جو ان سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے تھے مگر پھر بھی ایک کسک سی رہ رہ کر اُٹھتی تھی۔

برہان لغاری آج جلدی ہی آ گئے تھے۔

وہ کرن کو تیار ہونے کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کرنا نہیں بھولے تھے کہ آنے والے مہمانوں کے سامنے اس کا رویہ بہترین ہونا چاہیے۔وہ کسی بھی قسم کی بدتمیزی و بداخلاقی کا نوٹس فوری لیں گے، جواباً وہ سعادت مند لڑکی کی طرح سر ہلاتی رہی تھی۔اس کی سعادت مندی و فرمانبرداری دیکھ کر برہان لغاری نے نخوت سے سوچا کہ ایک ہی تھپڑ نے اس کے تمام کس بل نکال دیئے ہیں۔

کامران مرزا وقت کے پابند تھے۔

مقررہ وقت پر وہ لغاری ہاؤس میں اپنے بیٹے عمران مرزا کے ساتھ موجود تھے۔برہان لغاری اور والدہ حضور نے ان کا استقبال پُرتپاک طریقے سے کیا تھا۔ان کی پہلی تواضع کولڈ ڈرنکس سے کی گئی تھی۔

کامران مرزا نے وہائٹ کلف دار شلوار کے ہمراہ سیاہ خوب صورت کڑھائی والی شیروانی پہن رکھی تھی۔سر پر وہائٹ ہی کلف دار کلہ نما پگڑی تھی۔ان کی شخصیت بھاری بھرکم و بارعب تھی۔انگلیوں میں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔

ان کے برابر براجمان، عمران مرزا چہرے کے نقوش و خدوخال سے باپ کی خاصی مشابہت رکھتے تھے، وہ گرے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔عمران کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔چہرے کی صاف رنگت میں عجیب سی خشونت تھی، چھوٹی چھوٹی براؤن آنکھوں میں سفاکی تھی۔مجموعی طور پر اس کی شخصیت ذرا بھی متاثر کن نہ تھی، وہ خاصے مہذب و شائستہ انداز میں گفتگو میں حصہ لے رہا تھا، ساتھ ساتھ اس کی متلاشی نگاہیں اِرد گرد کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔

"ہماری بیٹی رانی کہاں ہیں جن سے ہمارے گھر میں اُجالا ہوگا، وہ ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل کیوں ہیں"۔ کامران مرزا بیٹے کی بے چینی بھانپ کر انکساری سے گویا ہوئے تھے۔

"کھانا تیار ہے۔ ڈائننگ ٹیبل پر آپ کی کرن سے ملاقات ہو جائے گی"۔ والدہ حضور قریب کھڑی مائی سکینہ کو اشارے سے کرن کو بلا کر لانے کا کہہ کر ان سے مخاطب ہو کر اُٹھ گئی تھیں۔

ان کی تقلید میں برہان لغاری کے ساتھ ان باپ بیٹے کو بھی اُٹھنا پڑا تھا۔ ان کے سنگ وہ کھانے کے کمرے میں آ گئے تھے جہاں میز اشتہا انگیز کھانوں اور فروٹس سے سجی ہوئی تھی۔

کرن اپنے کمرے میں سو گئی تھی۔ کل رات سے آج شام تک ایک طویل سفر اس نے طے کیا تھا، فیصلے تک پہنچنے کے لیے اور اب وہ بالکل پُرسکون تھی۔ کسی سبک روی سے بہتی ندی کی طرح۔ مائی سکینہ آئی تو وہ تیار ہو چکی تھی۔

"چلیں بی بی صاحبہ! بلاوا آ گیا ہے۔" وہ اندر آ کر بولی۔

"آ گئے قصائی صاحبان؟ سنو...... تم سے پوچھ گچھ تو خوب ہوئی ہوگی؟"

"ہاں جی! مگر میں بھی بتانے والی تھوڑی تھی، ڈرائیور کو بھی بلوایا گیا۔ اس اُلّو کو کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ آرام سے بولا، سب ٹھیک رہا"۔

"پھر بھی اس سب کے باوجود تمہاری مالکن بے یقینی و تشویش میں مبتلا دکھائی دیتی ہیں"۔ کرن دوپٹہ اوڑھتے ہوئے گویا تھی۔

"یہ تو جی، بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ کمزور اور چھوٹے لوگوں کی باتوں پر بے اطمینانی و بے یقینی ظاہر کرنے کی وہ ہم جیسے لوگوں پر اعتبار نہ بھی کرنا چاہیں تو کرنا ہی پڑتا ہے، لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے"۔ فرطِ مسرت سے مائی سکینہ کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔

"اعتبار تو میں اپنی پرچھائی پر بھی کرنے کی عادی نہیں ہوں مائی سکینہ! جب مجھ جیسے لوگ تخت یا تختہ کو تقدیر مان لیتے ہیں تو پھر انہیں کسی کے اعتبار یا بے اعتباری کی فکر دامن گیر نہیں رہتی ہے"۔ اس نے مسکرا کر سوچا، پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں تمہاری بے حد ممنون ہوں"۔

البیلی خوشبو کا معطر جھونکا ڈائننگ روم میں داخل ہوا تھا۔ وہ سلام کرتی اندر داخل ہوئی تھی۔ عمران مرزا احتراماً کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں کرن کے چہرے اور سراپے کا گہرائی سے جائزہ لے رہی تھیں۔ میرون و بلو کنٹراسٹ سوٹ میں ہلکی جیولری و سادہ چہرے کے باوجود اس کے حسن میں ایک پُرکشش جاذبیت تھی۔

عمران مرزا کے چہرے پر پھیلتے پسندیدگی کے رنگ کامران مرزا کی جہاندیدہ نگاہوں سے چھپے نہ رہ سکے تھے۔ انہوں نے باآوازِ بلند اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور اُٹھ کر اس کے سر پر سے کچھ لال نوٹ وار کر قریب کھڑی ملازمہ کو تھمائے تھے۔

"ماشاء اللہ، ہمیں ایسے چراغ کی ضرورت تھی۔ اپنے اندھیرے گھر کی روشنیوں کے لیے"۔ انہوں نے سامنے بیٹھی کرن کو

دیکھتے ہوئے کہا۔ کرن سپاٹ چہرے کو جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے انداز میں محسوس کیے جانے والا بیگانہ پن تھا جو ان چاروں نے محسوس کیا۔ والدہ حضور نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا مگر وہ دانستہ نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔

"کھانا شروع کریں، کرن ڈشز سرو کریں"۔ برہان لغاری پہلے مہمانوں اور پھر کرن سے مخاطب ہوئے۔ ان کے انداز میں جو تپش وخفگی تھی، وہ کرن نے بخوبی نوٹ کی تھی اور معاملہ تو وہ بھی بگاڑنا نہیں چاہتی تھی، سو خاموشی سے کھانا سرو کرنے لگی۔ کھانے کے دوران گفتگو برائے نام ہی ہوئی تھی۔ یہ بات اس نے نوٹ کی کہ اس کے وہ نام نہاد سسرالی پوری طرح سے اس کے باپ اور دادی سے مرعوب تھے۔ حیثیت میں، خاندان میں اور عزت ووقار کسی میں بھی وہ ان کے ہم پلہ نہ تھے۔ عمران مرزا کی بھی ذرا جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ اس رشتے کے حوالے سے برملا اپنی پسندیدگی کا اظہار کرسکتا، بس چوروں کی طرح وہ اس پر نگاہیں مرکوز کرتا رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ ٹھہرے نہیں تھے۔ بڑے خوش خوش واپس ہوئے تھے۔ کرن کو بھی اس کے کمرے میں جانے کا حکم مل چکا تھا۔ وہ اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ مائی سکینہ کو حکم ملا تھا کہ وہ مٹھائی اور فروٹس کے ٹوکرے ملازموں اور غریبوں میں تقسیم کردے جو کامران مرزا خوب صورت پیکنگ کروا کر لائے تھے۔

برہان لغاری والدہ حضور کے کمرے میں آگئے تھے۔ اس وقت ان کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی وخاموشی نے انہیں متوجہ کر ڈالا تھا۔

"کیا بات ہے برہان! خوش نظر نہیں آرہے ہو"۔

"میں خوش نہیں ہوں"۔ وہ صاف گوئی سے بولے۔

"کیوں؟ کیا وجہ ہے؟"

"وجہ میں خود سمجھ نہیں پارہا ہوں"۔ وہ فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"ہمارے فیصلے سے مطمئن نہیں ہو شاید؟"

"یہ کبھی ممکن نہیں ہوسکتا، آپ کے فیصلوں پر مجھے ہمیشہ اعتماد رہا ہے۔ یہ کیفیت کبھی کبھی ہوجاتی ہے۔ آپ بے فکر رہیں"۔ وہ ماں کی دل جوئی کی خاطر جبراً مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہوں...... کچھ کیفیت ہماری بھی ایسی ہی ہے، دراصل تمہاری بیویوں کی طرح بیٹیوں کے فیصلوں نے ہمیں بے چینی میں مبتلا کیا ہے۔ یہ ان کے وجود کی نحوست ہی ہے جو ہمیں بے چین رکھتی ہے۔ آج آئی تھی منال، میں نے سمجھایا کہ کل تو تم گئی تھی پھر آج یہاں آنے کی کیا تک بنتی ہے۔ تم گھر والی ہو اب گھر سنبھال لو یوں بھاگ بھاگ کر میکے آنے والی لڑکیاں کبھی گھر نہیں بسا سکتی ہیں، مگر وہ برا مان گئی اور...... خیر چھوڑو وہ غصے میں تھی اور غصے میں معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں"۔ بے حد صفائی سے وہ خود کو بچا کر تمام الزام منال پر ڈال چکی تھیں۔ انہیں معلوم تھا منال باپ سے ضرور شکایت کرے گی۔ اس سے پہلے ہی وہ سیاست کھیل گئی تھی۔

''اس نے گستاخی کی آپ سے؟ اس کی یہ مجال؟'' وہ غصے سے بھر گئے۔

''چھوڑ دو بیٹا، بچی ہے وہ''۔ ان کا انداز ایسا تھا، گویا سخت صدمے کے باوجود وہ فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے منال کی سائیڈ لے رہی ہوں۔

شومئی قسمت اس وقت منال کی کال آ گئی۔ وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ گرینڈ مدر نے اسے گھر آنے سے منع کر دیا ہے۔

''ٹھیک کیا ہے والدہ حضور نے۔ آخر آپ کو پرابلم کیا ہے؟'' وہ برہم تو پہلے ہی تھے۔ اس وقت منال کی کال نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا، سو وہ بہت سخت لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

''مجھ کو پرابلم کیا ہے! ڈیڈی یہ آپ کس انداز میں بات کر رہے ہیں''۔ اس کے آنسوؤں میں حیرت بھی شامل ہو گئی تھی۔

''اس انداز میں جس انداز میں آپ سے کرنی چاہیے''۔

''ارے...... دکھاؤ مجھے، منال بیٹی! اس وقت تمہارا باپ بہت غصے میں ہے، بعد میں بات کرنا، میں سب سنبھال لوں گی''۔ برہان لغاری سے موبائل لے کر وہ بڑے پیار بھرے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ بظاہر بے حد لاڈ بھرے لہجے میں یہ فہمائش موجود تھی کہ وہ لیٹ ہو چکی ہے۔ وہ اپنی راہ ہمیشہ کی طرح کلیئر کر چکی تھیں۔ اس کی چلنے والی نہیں ہے۔ دوسری جانب وہ سمجھ چکی تھی، خاموشی سے اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔ برہان لغاری عقیدت مند نگاہوں سے ماں کو دیکھ رہے تھے، کتنی عظیم و صابر معاف کر دینے والی حوصلہ مند عورت تھیں۔

☆......☆......☆

میری زندگی میں بس ایک کتاب ہے ایک چراغ......

ایک خواب ہے اور تم ہو!

یہ کتاب اور خواب کی جو منزلیں ہیں میں چاہتا تھا تمہارے ساتھ بسر کروں

یہی کل اثاثہ زندگی ہے اسی کو زادِ سفر کروں

کسی اور سمت نظر کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو

میرے دل جا خوش خبر پہ بجز تمہارے کبھی کسی کا گزر نہ ہو

مگر اس طرح کہ تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو

اس احتیاط میں ساری عمر گزر گئی

وہ جو آرزو تھی جس میں کتاب و خواب کے ساتھ تم بھی شریک ہو

وہیں مر گئی

اس کشمکش نے کئی سوال اُٹھائے ہیں

وہ سوال جن کا جواب میری کتاب میں ہے نہ خیال میں

میرے دل کے جادۂ خوش خبر کے رفیق!

تم ہی بتاؤ پھر کہ یہ کاروبارِ حیات کس کے حساب میں!

میری زندگی میں بس ایک کتاب ہے ایک چراغ

ایک خواب ہے اور تم ہو......

وہ گھر آ چکا تھا۔

چند دن ہی وہ گھر سے دور رہا تھا اور شاید اپنے آپ سے بھی۔ کتنی تبدیلی آ گئی تھی گھر میں، گھر کے ماحول میں، یہ جگہ جہاں کے در و دیوار ہمہ وقت سازشوں و نفسانفسی، حسد و بے مروتی کی کثافت سے دھندآلود رہا کرتے تھے، آج ویران و خاموشی کی کہر میں ڈوبے تھے۔ اسے یہاں آ کر اپنا دم بری طرح گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''حمزہ آتے ہی کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہو بیٹا، باہر نکلو، میں نے تمہاری خالاؤں کو فون کر دیا ہے، وہ آنے والی ہوں گی۔ مجھ سے زیادہ وہ تمہاری یاد میں تڑپی ہیں، اسی لیے میں نے انہیں فون کر کے بتا دیا ہے کہ تم واپس آ گئے ہو۔'' راحیلہ بیگم اسے دیکھ کر خوشی سے سرشار تھیں۔ کئی لمحوں تک وہ اسے سینے سے لگائے رہی تھیں۔ رو رو کر اپنے طرزِ عمل کی معافی مانگی تھی۔ ان کے لہجے میں پشیمانی تھی، ندامت و پچھتاوا تھا۔

بے شک وہ ان سے ناراض و بدگمان تھا مگر ان کے جڑے ہاتھ و بہتے آنسو اس سے برداشت نہ ہو سکے۔ وہ جیسی بھی تھیں، اس کی ماں تھیں، اس کی جنت، وہ ان کے سینے سے لگ گیا تھا۔

حمزہ اور عاصم صاحب کے چہروں پر آسودگی بھری بشاشت پھیل گئی تھی۔ ان سے کچھ دیر گفتگو کر کے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ تنہائی پاتے ہی یادیں دبے پاؤں چلی آئی تھیں۔

راحیلہ بیگم کو وہ خاموشی سے دیکھے گیا تو وہ رنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

''تم نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔''

''یہ بات نہیں ہے ممی! دراصل میں ابھی کچھ دن کسی سے ملنا نہیں چاہتا ہوں۔''

''یہ اچھا نہیں کر رہے ہو اپنوں سے ملنے کے لیے بھی تمہارا دل نہیں چاہ رہا، حالانکہ وہ بے چین ہیں تمہیں دیکھنے کو ملنے کو۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے، مگر میں ابھی تنہائی چاہتا ہوں۔'' اس کا لہجہ نرم و احترام سے پُر تھا مگر ایک ہٹ دھرمی بھی تھی جو راحیلہ نے بخوبی نوٹ کی تھی اور برداشت کر گئی تھیں۔

پہلے جیسا ماحول ہوتا تو وہ اس کو خوب سناتیں اور اپنی منوا کر چھوڑتیں مگر اب حالات بدل گئے تھے، حکمرانی کرنے کے باوجود وہ اختیار کھو بیٹھی تھیں جو کچھ عرصہ قبل انہیں حاصل تھے۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں انہیں کوئی بہانہ کر کے آنے سے روک دیتی ہوں۔تم آرام کرو۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں تو وہ بوجھل دل لیے کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔سامنے وہ پورشن تھا جو کبھی کرن اور نوشابہ کے تصرف میں رہتا تھا۔جس کا آدھا حصہ اب اسٹڈی روم بن گیا تھا۔باقی خوبصورت لان کی صورت میں سرسبز ہو رہا تھا، ماضی اس کی آنکھوں میں پھر دھواں دھواں ہونے لگا۔

''میرا دل چاہتا ہے ہمارے حصے میں چھوٹا سا لان بن جائے جہاں گلاب اور موتیا کے پھولوں کی خوبصورتی ہو، رات کی رانی کی خوشبو سانسوں کو مہکائے، شام کو ہم چائے یہاں پئیں اور صبح سویرے ہری ہری گھاس پر جب میں ننگے پاؤں چلوں تو گھاس کی نمی پھولوں کی دلآویز مہک میری روح کو بھی سرشار کر دے اور میں......''

''بس......بس شیخ چلی کی بچی لگتی! خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آ، شکر کر سر چھپانے کو یہ چھت نصیب ہے، اگر یہ بھی نہ رہی تو پھر کہاں جائیں گے۔'' کپڑے رسیوں پر ڈالتی نوشابہ کرن کو ڈپٹ کو بولیں۔

''مجھے تمہاری یہ بات ہی بری لگتی ہے ذرا کوئی خواہش ظاہر کی تمہیں شیخ چلی، حاتم اور قارون کا خزانہ یاد آنے لگتا ہے۔ماموں جان کے پاس قارون جیسا خزانہ بے شک نہ ہو گا مگر وہ اس دور کے قارونوں سے پیچھے نہیں ہیں، بہت دولت رکھتے ہیں ان سے کہہ کر میرے لیے لان بنوا دو۔'' وہ کسی ترنگ میں تھی۔

''ان سے کیسے کہہ دوں بھلا ان کا یہی احسان کم ہے جو انہوں نے یہاں ٹھہرنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔'' وہ برہمی سے بولیں۔

''تو کون سا احسان کیا ہے ہم پر، سب بھائی ایسا کرتے ہیں۔''

''آخر ہے نا احسان فراموش باپ کی بیٹی، خون تو اسی کا ہو جو خود لاکھوں میں کھیلتا ہے بیوی، بچی کے لیے اس سے غریب کوئی نہیں۔''

''تمہیں آتا کیا ہے سوائے ان کی برائی کے۔'' وہ تن فن کرتی آگے بڑھی وہ جو وہیں رُک گیا تھا اس کو اچانک وہاں آتے دیکھ کر گڑبڑا گیا تھا۔

''اچھا......اب چھپ چھپ کر ہماری باتیں بھی سننے لگے ہو۔'' وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''نن......نہ......نہیں......میں......وہ......'' حسب عادت وہ اس کے کڑے تیوروں سے گھبرا گیا تھا۔

''بس، خاموش رہو میرے سامنے یہ اداکاری کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ارے حمزہ بیٹا! یہاں کیوں کھڑے ہو اندر آؤ۔اس لڑکی کی باتوں کی پرواہ مت کیا کرو، یہ تو ہواؤں سے لڑنے والی ہے۔'' اسی لمحے نوشابہ کپڑے سکھا کر پلٹیں تو اسے دیکھ کر محبت سے بولیں۔

''ہاں، ہاں ایرے غیرے کے خوب لاڈ اٹھائے جاتے ہیں۔میں ہی ایک بوجھ ہوں، بری ہوں اس گھر میں۔'' وہ بڑبڑانے لگی تھی۔

''پھوپو! مت کہا کریں اسے کچھ۔'' حمزہ کو اس کی روتی صورت کب گوارا تھی سو نوشابہ سے بولا۔

''ممی! ان چالباز لوگوں کو تم نہیں سمجھ سکتیں، ابھی ہم یہاں رہ رہے ہیں، اس لیے یہاں کچھ نہیں ہو گا، کل اگر ہم چلے گئے تو دیکھنا

کتنا شاندار پورشن بنے گا یہ ہمارا حصہ جو کھنڈر ہورہا ہے۔" جواباً نوشابہ اسے سخت سست سنانے لگی تھیں اور وہ انہیں خاموش کرنے کی سعی۔

کتنا درست کہا تھا اس وقت کرن نے جو پورشن ان کی موجودگی میں اس خوبصورت کوٹھی کا بدصورت حصہ لگا کرتا تھا وہی اب سب سے جدید خوبصورت پورشن تھا۔

پھولوں سے مہکتا، سبزے سے دمکتا، سرسبز و حسین لان نگاہوں کو خیرہ کررہا تھا۔ وہ نہیں تھی۔ اس کی خواہشوں کی تکمیل موجود تھی۔

بعض دعائیں مستجاب ہونے میں اتنی دیر لگاتی ہیں کہ مانگنے والا اس دنیا کے میلے میں کھو جاتا ہے کبھی نہ ملنے کے لیے۔

☆......☆......☆

موڈ اس کا پہلے ہی آف تھا مزید برہان لغاری کی ذہانت اور روا داری کی سیاست نے اسے سخت ڈپریسڈ کر ڈالا تھا۔

اسی لیے سرور شاہ بڑی عجلت میں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ بریف کیس رکھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئے، وہ بیڈ پر نیم دراز خاموشی سے دیکھ رہی تھی، پھر انٹرکام پر ملازمہ کو چائے لانے کا کہہ کر سیدھی اٹھ بیٹھی۔ سرور شاہ تولیے سے منہ صاف کرتے باہر آگئے تھے۔

"ہیلو ڈارلنگ! کیا بات ہے بڑی خاموش ہو۔" وہ تولیہ صوفے کی طرف اچھال کر اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولے۔

"طبیعت کچھ سست ہے آج۔"

"اوہ! یہ تو کسی گڈ نیوز کی اوپننگ لگ رہی ہے، چلو کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے وقت لے لیتے ہیں۔" انہوں نے بڑی محبت سے اس کو بازو کے حلقے میں لے کر معنی خیزی سے کہا۔

"واٹ یو مین؟ میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس کیوں جاؤں۔" وہ کسمسا کر ان کی گرفت سے نکلی تھی۔ ان کی قربت کا نشہ تو بہت عرصہ قبل اس کے ذہن نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ جبراً انہیں جھیل رہی تھی اور اب جبکہ انس سے دوبارہ تجدید تعلقات ہو چکے تھے تو وہ جبراً بھی ان کی قربت برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ جس تنفر بھرے انداز سے ان کی گرفت سے نکل کر دور ہوئی تھی، وہ سرور شاہ کی مردانہ انا کو مجروح کر گیا۔ چند ثانیے کے لیے تفکر آمیز شکنیں ان کی پیشانی پر طلوع ہوئی تھیں۔ نگاہوں میں ناگواریت تھی مگر اس پر نگاہ ڈالتے ہی وہ موم کی طرح پگھلنے لگے تھے۔

ڈارک بلو ریشمی کھلے گلے اور بغیر آستینوں کی شرٹ میں اس کے قاتل حسن کی چاندنی پوری طرح جگمگا رہی تھی۔

ان کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔

تمام غصے و ناگواریت پر یہ احساس غالب آگیا کہ وہ اس عمر میں بھی اتنی کم سن و حسین لڑکی کے شریک حیات ہیں جو ان سے عمر میں آدھی ہے، مستزاد، اس پر اپسراؤں جیسی خوب صورتی کی مالک لڑکی اور یہی ہوتا آرہا تھا وہ اس کی کج ادائی و بے رخی کا سختی سے نوٹس لینا چاہتے تو ان کا دماغ اس کے ہوشربا حسن کے شعلوں سے مفلوج ہو جاتا اور وہ بجائے اسے اس کی بدتمیزیوں و زیادتیوں کا احساس دلانے کے اس کی دل ربائی کی قصیدہ گوئی میں مصروف ہو جاتے تھے۔

"منیب نے ہاسٹل جانے سے قبل فرمائش کی تھی کہ وہ چھوٹے بے بی کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور یہ میری خواہش بھی ہے، آپ کے وجود سے زندگی پانے والا ہمارا بچہ کتنا گڈ لگ، کتنا کیوٹ ہوگا وہ بچہ جو آپ کی طرح بیوٹی فل اور میری طرح صحت مند ہوگا"۔ وہ نئے سرے سے اس کے حسن کی ضیاء پاشیوں میں گم ہو چکے تھے۔

"خوابوں سے باہر نکل آیئے، ویسے بھی جاگتے میں خواب دیکھنے والے اسٹوپڈ ہوتے ہیں"۔ وہ شانے اُچکاتی ہوئی بیڈ سے نیچے اُتر گئی تھی۔

ملازمہ چائے لے آئی تو سرور شاہ خاموش ہو گئے وہ چائے سرو کر کے گئی تو وہ پھر سے اسی لہجے میں گویا ہوئے۔

"بھئی خواب تو ہم نے دیکھ لیا ہے، دیکھتے ہیں آپ تعبیر کب دیتی ہیں"۔ وہ ہنس کر کہتے ہوئے چائے کے سِپ لینے لگے۔

"کبھی بھی نہیں، اسٹوپڈ مین! تمہارے بچے پیدا کرنے سے بہتر ہے، میں خودکشی کرلوں"۔ منال نے نخوت سے سوچا۔

"کہیں جانے کا پروگرام ہے آپ کا؟" وہ اسے بار بار رسٹ واچ دیکھتے دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

"ہاں...... آصف برادرز نے ایک پارٹی ارینج کی ہے، وہ اپنی کوئی نیو پراڈکٹ مارکیٹ میں انٹروڈیوس کرانا چاہتے ہیں، اسی سلسلے میں ارینج منٹ ہوئی ہے"۔ وہ چائے کے آخری گھونٹ بھر رہے تھے۔

"پھر تو پارٹی زبردست ہوگی۔ میں بھی چلوں گی"۔ اس کی نگاہوں میں ایک ایسی ہی پچھلے ہفتے ہونے والی پارٹی گھوم گئی جہاں اس کے حسن کو سراہنے والے پروانوں کی طرح اس کے گرد گھوم رہے تھے۔ کوئی نگاہوں سے دادِ حسن دے رہا تھا۔

حسن کی تعریف ہر عورت کی کمزوری ہے۔

پھر ایسی عورت جو ہر خاص و عام سے بھی تعریف و توصیف وصول کرنے کی متمنی رہتی ہو پھر بھلا وہ ایسی جگہوں سے دور کیوں رہنا چاہے گی جہاں بڑے بے باک و آزاد انداز میں پذیرائی ملتی ہو۔

"سوری ڈارلنگ! میں آپ کو وہاں لے کر نہیں جا سکتا ہوں"۔

"وائے؟" وہ سخت حیران ہوئی۔

"مجھے پسند نہیں ہے کوئی آپ کو بری نگاہ سے دیکھے اور وہاں ایک سے بڑھ کر ایک بدنگاہ بلکہ بدنیت ہے۔ ایسے لوگوں کو میں انسان نہیں سمجھتا جو عورت کا احترام نہیں کرنا جانتے"۔

"اتنے کامیاب بزنس مین اور بہت لارج سوسائٹی سے اٹیچ ہونے کے باوجود آپ کی سوچ خوانچہ فروشوں جیسی ہے۔ ہم جس سرکل میں موو کرتے ہیں، وہاں ایسی سوچ رکھنے والے سائیکی کہلاتے ہیں پھر کوئی دیکھتا ہے تو دیکھے، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، وہاں اور بھی بیگمات ہوتی ہیں، میں نے کسی کو بھی کنفیوز نہیں دیکھا، بلکہ ان کے ہسبینڈ از خود سب سے ملواتے ہیں۔ کسی پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے اور ایک آپ اس قدر نیرو مائنڈڈ بن رہے ہیں کہ مجھے شرمندگی ہو رہی ہے"۔

منال نے اس کا حتمی موڈ دیکھ کر بے زور دلائل دیے تھے۔

"آپ کچھ بھی کہیں مجھے، میں مائنڈ نہیں کروں گا، مگر آپ کو ایسی پارٹیوں میں نہیں لے کر جاؤں گا جہاں غیرت مجروح ہوتی ہو، میں جانتا ہوں میرے پاس دولت، عزت، شہرت ہے، لوگ مجھے جانتے ہیں، بہت پیسہ، بے حد جائیداد ہونے کے باوجود میں اندر سے وہی غیرت مند روایتی مرد ہوں، جو اپنی عزت کی طرف اُٹھنے والی میلی نگاہوں کو کاٹ پھینکنے کی جرأت رکھتا ہو، اس معاملے میں مَیں بے حد مفلس ہوں بلکہ قلاش سمجھیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور جن بیگمات اور ان کے شوہروں کی آپ مثالیں دے رہی ہیں، وہ سب بے وفائی کے مرتکب ہیں۔ کہیں بیویاں شوہروں کو بے وقوف بنا کر پرانے ریلیشنز کو ازسرِنو جوائن کرتی ہیں تو کہیں شوہر ینگ و اسمارٹ بیویوں کے سہارے بزنس میٹرز مضبوط کرتے ہیں۔ ٹینڈرز اوکے کروائے جاتے ہیں تو کہیں بینک سے لونز کلیئر کروائے جاتے ہیں۔ بزنس کی پارٹیوں میں بھی بزنس ہی ہوتا ہے۔ اسٹائلش انداز میں اور میں نہیں چاہتا ایسی کوئی بے وفائی کی ہوا بھی آپ کے قریب سے بھی گزرے"۔

☆......☆......☆

انس، کرن کو شاپنگ سینٹر چھوڑنے کے بعد واپس سعد کے ہاں آ گیا تھا۔ سعد نے فاریہ کو کافی بنانے کے لیے کہا تھا، وہ پہلے ہی کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ صفائی اس نے اور سعد نے مل کر کی تھی۔ برتن چھوڑ کر اس نے پہلے دودھ ساس پین میں ڈال کر برنر پر رکھا تھا، پھر کافی پھینٹنے لگی تھی۔

گھر میں بے معنی خاموشی چھائی ہوئی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بالکل خاموش تھے۔

"کتنی خواہش تھی تمہاری شادی کی اور اس طرح آغاز ہوا ہے جیسے کسی جرم کی ابتدا ہو رہی ہو"۔ سعد گہری سانس لے کر خاموشی کو توڑتا ہوا گویا ہوا۔

"واہ......کیا جملہ استعمال کیا ہے، میرا نکاح اور جرم کی ابتدا!" وہ ہنستا ہوا بولا تو اسے خود اپنی کھوکھلی ہنسی کا احساس ہوا۔

"ہنس مت"۔

"کیوں؟"

"اس سے تیرے اندر کا بھید صاف ظاہر ہوتا ہے"۔

"شادی کے بعد لوگ سنا ہے زن مرید بن جاتے ہیں مگر تو نجومی بن گیا ہے۔ جس طرح نجومی ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں، اسی طرح میری ہنسی سے تُو میرے دل کا حال جان رہا ہے، ان جھوٹے فریبی نجومیوں کی طرح تیرا دعویٰ بھی جھوٹا ہے"۔

"معلوم ہے مجھے تو اپنی غلطی ماننا کب ہے مگر یہ جو تو نے کیا ہے اسے ہر حال میں تجھے نبھانا ہوگا، کیونکہ یہ معاملہ کسی اور کا نہیں، میری بہن کا ہے جو مجھے تجھ سے بڑھ کر عزیز ہے"۔ سعد سنجیدہ تھا۔

"اگر ایسا کچھ کرنا ہوتا تو میں ایسا کیوں کرتا، تمہیں اس کی اتنی فکر ہے جس سے رشتہ بنائے کچھ عرصہ گزرا ہے اور مجھ پر اتنی بے

اعتمادی، جس کے ساتھ کا سفر سالوں پر محیط ہے، اتنی بے اعتباری کی وجہ آخر کیا ہے؟" انس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"وجہ یہی سالوں کی دوستی ہے"۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"اتنی پرانی دوستی مجھے انفارم کرتی ہے کہ تم صدق جذبوں سے کرن کو اپنا نہیں پائے ہو، تمہاری یادوں سے منال نکل نہ پائی ہے اور کرن کو وہ پیار وہ احساس شاید کبھی نہ دے پاؤ جو ایک بیوی کو اپنے شوہر کی جانب سے ملتا ہے اور یہ عورت کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی و ناانصافی ہے جو سب کچھ چھوڑ کر آپ کی بن جاتی ہے اور بدلے میں آپ اسے کیا دیں گے"۔

"جو اس کے نصیب میں ہوگا، اسے مل جائے گا۔ تم فکر مند مت ہو"۔

فاریہ کافی لے آئی تو وہ خاموش ہو گئے۔ وہ کافی دونوں کو دے کر واپس چلی گئی تھی۔

"گرینی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کرن نے جس انداز میں ان کی کیئرنگ کی ہے وہ اسی کیئرنگ کی عادی ہو گئی ہیں۔ ملازمائیں شمو اور چندا بہت دل و جان سے ان کی خدمت کرتی ہیں۔ خیال رکھتی ہیں مگر پھر بھی وہ کرن کو بے حد مس کرتی ہیں، پاپا بھی اسے بے حد پسند کرتے ہیں۔ ادھر تم بھی اس کے شیدائی ہو وہ لوگوں کو گرویدہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، پھر بھلا میں کتنے عرصے تک اس کی چشم کرم کی زد سے بچ سکوں گا۔ کبھی نہ کبھی میں ویسا ہی بن جاؤں گا جیسا تم یا وہ دیکھنا پسند کرے گی"۔ اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا تھا اپنے احساسات کا"۔ سعد کی سنجیدگی برقرار رہی تھی۔

"جب تم منال کو بھلا نہیں پائے تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کرن کی زندگی برباد کرنے کا، کیوں دی ہے تم نے یہ بھیک اپنے نام کی اسے"۔

"اس وقت ہم ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اور پہلے میں نے اسے پرپوز کیا، وہ نہیں مانی تھی۔ آج اس نے خود آفر کی جسے میں رد نہیں کر سکا اور کیا کرتا میں، منع کر دیتا اسے"۔

سعد کی سنجیدگی اسے تپا گئی تھی۔

"پلیز کول ڈاؤن، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو"۔

"سب سمجھتا ہوں میں، تمہیں مجھ سے زیادہ اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ میری تمہاری نظروں میں کوئی ویلیو نہیں ہے"۔ وہ پوری طرح غصے کی زد میں تھا۔

"تم اس قدر چڑ کیوں رہے ہو، میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں"۔ سعد اس بار مسکرا کر گویا ہوا۔

"سب سمجھتا ہوں میں تمہاری مکاریاں، بہن کے بھائی بنے اور دوست کی فکر ہی نہیں ہے، پہلے ہر بات تم سے شیئر کیا کرتا تھا، اب ایسا نہیں ہو پائے گا"۔

"کیوں اب ایسا کیوں نہیں ہو پائے گا؟" سعد متعجب ہوا۔

"پہلے تم دوست تھے اور اب سالے بن گئے ہو"۔ بات کے اختتام پر دونوں بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

"بڑی بن رہی ہے سالے بہنوئی میں"۔ فاریہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی اور ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بھابی! آپ بھی اس کا ساتھ دے رہی ہیں"۔ انس کافی کا مگ منہ سے لگاتے ہوئے بولا۔

"آف کورس، بیوی میری ہے، میرا ہی ساتھ دے گی"۔

"انس بھائی! اب آپ کو بے حد الرٹ رہنا ہوگا۔ نہ معلوم کس دن وہ لوگ کرن کی شادی کریں، کیونکہ وہ لوگ بہت ہوشیار ہیں، کسی طرح انہیں شک ہو گیا تو انتظار نہیں کریں گے"۔ فاریہ نے سنجیدگی سے مسئلے کی طرف متوجہ کیا تھا۔

"میں الرٹ ہوں، مجھے احساس ہے معاملے کی سنگینی کا، پھر پاپا بھی پوری طرح اپنے دوستوں کے ذریعے معاملے پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، اگر اللہ نے چاہا تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی"۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا وہ باپ ہے یا قصائی؟ اتنے عرصے بعد بیٹی سے ملنے کے باوجود بھی محبت بیدار نہ ہوئی۔ حد ہوتی ہے بے حسی کی پھر وہ دادی کیسی ہیں جن کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا نہیں ہے جان بوجھ کر اس کا برا چاہ رہی ہیں"۔

"جن کو حکمرانی کے مزے پڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے انہیں فکر ہوتی ہے تو صرف اپنی حکمرانی کی"۔

"آپ لوگ دعاؤں میں یاد رکھیے گا، در حقیقت ان دنوں دعاؤں کی اشد ضرورت ہے مجھے"۔ وہ جاتے ہوئے گویا ہوا۔

وہاں سے وہ سیدھا جم چلا آیا تھا۔ سوئمنگ کے دوران بھی اس کی نظریں متلاشی رہی تھیں کسی وجہ کی۔ سوئمنگ کے بعد ڈریس چینج کر کے وہ اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھا تو جانا پہچانا خوشبو کا جھونکا اس سے ٹکرایا۔ اس کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"گڈ ایوننگ، مجھے معلوم تھا تم یہیں ملو گے"۔ سلک گولڈن بارڈر والی سرخ ساڑی میں سرخ لپ اسٹک سے ہونٹوں کو دھکائے، گولڈ کی جیولری و بے تحاشا خوشبوؤں میں بسی، اخروٹی کلر بالوں کو پشت پر بکھرائے وہ اس کے سامنے تھی، جس کے آنے کی اُمید اسے تھی، وہ آ گئی تھی۔

"مجھے معلوم تھا آپ یہیں ملیں گے"۔ وہ گولڈن پرس ٹیبل پر رکھ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اتنا یقین تھا میرے ملنے پر"۔ وہ ایپل جوس پیتا ہوا بولا۔

"آف کورس، یقین سے بھی زیادہ یقین تھا"۔ وہ اٹھلائی تھی۔

"وہ آپ کے میاؤں صاحب کیسے ہیں؟"

"میاؤں!" وہ ہنسی۔

"گڈ جوک۔ سرور شاہ کبھی بھی میری پسند نہیں رہا۔ وہ ڈیڈی کی وجہ سے مجھے اس سے میرج کرنی پڑی تھی، ورنہ وہ کہاں میرے قابل تھا۔ ایک دم اسٹوپڈ اور گھٹیا شخص"۔ اس کے دل کی بات لبوں پر آ رہی تھی۔ انس اطمینان بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے مت کہو، مجھ سے بڑھ کر وہ تمہاری چوائس تھا"۔

"میں نے کہا نا ان دنوں ڈیڈی کو بزنس میں بہت لاس ہوا تھا، قرض داروں نے زندگی حرام کر رکھی تھی۔ بینک الگ ہر شے نیلام کرنے کی سعی میں لگے ہوئے تھے۔ ایسے میں اپنی عزت وساکھ بچانے کے لیے ڈیڈی کو میں نظر نہیں آئی اور انہوں نے اس بڈھے کھوسٹ سے میری شادی کر کے نہ صرف اپنی ساکھ وعزت بچائی بلکہ بزنس بھی بچالیا، جب تو میں بھی ڈیڈی کی باتوں میں سب کچھ بھول چکی تھی اور اس وجہ سے سرور شاہ سے شادی کر بیٹھی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہوا تم کو میں کبھی بھول نہ سکی ہوں اور نہ بھول سکتی ہوں، تم تو میرے خون میں رواں ہو، میں سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں مگر اب تم سے جدائی موت ہوگی"۔ وہ آج گھر سے تہیہ کر کے آئی تھی، ہر صورت میں انس کو منوا کر چھوڑے گی۔

"سوچ سمجھ لو، میرے پاس دولت تو بے حساب ہے مگر تم سے شادی کرنے کی وجہ سے پاپا کچھ نہ دیں گے"۔

"نہ دیں، میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ آج رات کو ہی سرور شاہ مجھ کو تمام پراپرٹی کے کاغذات دے دے گا جو وہ میرے نام کر چکا ہے۔ ہم کو ملنے سے اب کون روک سکتا ہے۔ آج ڈاکومینٹس ملیں گے، جلد ہی میں ڈائیورس لے لوں گی اس سے، پھر وہ ساری دولت ہماری ہوگی، ہم یہ ملک چھوڑ دیں گے، باہر کسی اچھے کنٹری میں رہیں گے، وہاں ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کر سکے گا"۔ وہ بیٹھی بیٹھی خوابوں کی دُنیا میں پہنچتے ہوئے یہ بھی فراموش کر گئی کہ کہاں بیٹھی ہے اردگرد سے بے خبر اس کی حسین آنکھوں میں آنے والے خوش رنگ لمحوں کی جھلملاہٹ تھی۔

"بولو نا، خاموش کیوں ہو، میرا ساتھ دو گے نا؟" دوسرا پل پر بہت بھاری گزرا، جب بھرپور تھپڑ اس کے رخسار کو دھکا گیا تھا۔

☆......☆......☆

لغاری ہاؤس میں تزئین وآرائش کا کام ازسرِنو شروع ہوا تھا۔ کرن کی شادی تین دن بعد ہو رہی تھی۔ دکھاوے کے لیے ہی سہی۔ والدہ حضور تیاریاں کروا رہی تھیں۔

زیورات کی ان کے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ انہی میں سے چند سیٹ انہوں نے کرن کے لیے منتخب کیے جو دیکھنے میں بڑی بھاری بناوٹ کے تھے مگر وزن پھولوں کی طرح رکھتے تھے۔

کپڑے انہوں نے سلوانے دیئے تھے، ٹیلر یہیں آ کر ناپ لے گیا تھا۔ کامران مرزا نے کہلوایا تھا کہ وہ کرن کو اپنے ہمراہ شاپنگ کروانا چاہتے ہیں تا کہ وہ ہر چیز اپنی پسند کی خریدے مگر ان کی اس خواہش کے جواب میں والدہ حضور نے کہلوایا تھا کہ وہ خاندانی لوگ ہیں اور ان کے خاندان میں لڑکیاں شادی سے قبل اپنے سسرالیوں کے ساتھ گھومتی پھرتی نہیں ہیں جولانا ہے ہمارے خاندانی وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے خود خرید لائیں۔ جواباً کامران مرزا بھاگتے دوڑتے معذرت کرنے آئے اور خوب ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافیاں مانگیں۔ عجیب لوگ تھے۔

کرن کو شادی تک باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ برہان لغاری کمرے میں آئے تو وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"مجھے اچانک بزنس کے سلسلے میں باہر جانا پڑ رہا ہے، اس ایمرجنسی کی وجہ سے تمہاری شادی پرسوں کے بجائے آج ہو رہی ہے"۔ وہ اپنے مخصوص سخت و بارعب انداز میں گویا ہوئے تھے۔

......❀......

اس کی سماعتوں میں دھماکے گونج اُٹھے تھے۔ دل اس بُری طرح دھڑکا کہ وہ لمحے بھر میں پسینے میں شرابور ہو گئی۔

"خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔ کامران مرزا سامان لے کر پہنچ رہے ہیں۔ میں نے شہر کی ماہر بیوٹیشن کو بلوا لیا ہے، وہ پہنچنے والی ہو گی"۔ وہ اس کو اطلاع کے ساتھ ساتھ حکم بھی دیتے جا رہے تھے۔

"بیوٹیشن"۔ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی، برہان لغاری نے تعجب خیز انداز میں اس کی جانب دیکھا مگر خاموش رہے۔

"آپ کے یہاں مردوں کا بھی میک اپ کرنے کا رواج ہے؟"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"یہ بکواس نہیں ہے۔ شادی!..... کیا رٹ لگا رکھی ہے آپ نے۔ ایک ہفتہ بھی مکمل میں آپ کے سنگ گزار نہیں پائی ہوں پھر آپ بوجھ کی طرح مجھے سر سے اُتار پھینکنے کو کیوں تیار ہیں جیسے کئی سالوں سے مجھے برداشت کرتے آ رہے ہوں۔ ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بن گئی ہوں، جیسے لوگ مردے کو دفنانے کی جلدی کرتے ہیں، اسی طرح آپ مجھے زندہ دفن کرنے کی تیاریوں میں مگن ہیں۔ آخر کیوں کر رہے ہیں آپ یہ سب؟" وہ بُر احتجاج انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہم تمہارے باپ ہیں اور ہمیں اختیار حاصل ہے اپنی ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی سے عہدہ برا ہونے کا"۔

"باپ..... باپ آپ خود کو کہلاتے ہیں کبھی اس تین حرفی جملے کے اصل مفہوم سے واقفیت ہوئی ہے آپ کو؟ اس سے قبل کبھی آپ کو یاد نہیں آیا کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی ہے جو آپ پر اتنے ہی حقوق رکھتی ہے جتنے آپ اس وقت مجھ پر جتا رہے ہیں"۔

"دیکھو لڑکی! یہ ہم جانتے ہیں کہ زبان درازی اور بدتمیزی میں تم اپنی ماں کی طرح ہو اور اس لیے......"

"میری ماں سے اب آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے، لہٰذا آپ ان کا ذکر مت کیا کریں"۔

"آل رائٹ۔ کہتی تو تم ٹھیک ہو، اس کا نام ہماری زبان پر آئے گا بھی نہیں۔ رہا سوال تمہاری اس طرح شادی کا تو جواب اس کا یہ ہے کہ اوّل تو تمہاری سنگت شروع دن سے ایسی عورت کے ساتھ رہی جو اپنے بھائیوں کے چہروں پر رسوائی کی سیاہی تھی تو تم کس طرح ہمارے لیے یا کسی بھی مرد کے لیے معتبر ہو سکتی ہو؟ دوئم تم نے اس شخص اور اس کے بیٹے کے ساتھ مراسم رکھ کر خود کو بالکل ہی ناقابلِ قبول بنا لیا ہے"۔

لفظوں کے گھاؤ چہرے کے تاثرات سب سے سخت کبیدگی اور نفرت عیاں تھی، جو اسے ان سے ہر بار پہلے سے زیادہ متنفر اور دور کر دیتی تھی اسی نفرت اور تذلیل کے احساس نے اسے انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

الزام در الزام

تحقیر و تذلیل

تنفر و تکبر

سلسلہ در سلسلہ چلتا جا رہا تھا۔

اس کی ماں نے اس ہرجائی و محبت ناشناس مرد کی خاطر اپنی زندگی کسی قیدی کی مانند گزاری تھی۔ اس نے انہیں کبھی اچھے یا گہرے رنگ کے کپڑوں میں نہ دیکھا تھا، وہ ہمیشہ ہلکے رنگوں، مٹے پرنٹ والے کپڑوں کی عادی تھیں۔ زیور کے نام پر ان کے کانوں میں بالیاں رہتی تھیں اور ناک میں لونگ جو ہمارے یہاں سہاگنوں کی نشانی کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ سادگی، صبر و قناعت ان کا زیور تھی۔ کم گوئی سنگھار و آرائش تھی۔

جس آدمی نے انہیں کبھی سمجھا نہیں مرتے دم تک وہ اسی سے وابستہ رہی تھیں۔ اس وفا اور ریاضت کا یہ انعام تھا۔

''اپنی ماں کی موت اور ان بہتان تراشیوں کا حساب تمہیں دینا ہوگا برہان لغاری صاحب''۔

اس کے اندر شرارے پھوٹنے لگے تھے۔ برہان لغاری اپنی بات کہہ کر جا چکے تھے، وہ جو غصے و جذبات کی لہر میں بہہ گئی تھی، فوراً ہی احساس کے ساحل پر اسے آنا پڑا کہ جو کچھ کرنا تھا ابھی اور اسی وقت کرنا تھا۔ وقت کی لگامیں ہاتھ سے چھوٹ گئیں تو کامیابی کا گھوڑا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہاتھوں سے نکل جانے کا اندیشہ تھا۔

مائی سکینہ جو اس کی رازدار و ہمدرد تھی اب موقع تھا اسے پوری طرح رازداری میں لینے کا اور اس نے یہی کیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ صرف ایک تھپڑ نہیں تھا، ایسے ہی جان دار اور جارحانہ تھپڑوں نے اس کی آنکھوں تلے اندھیرے کی دبیز چادر تان دی تھی۔ ساری جگہ ایک دائرے میں گول گول گھومتی نظر آ رہی تھی۔

''بے غیرت! ہرجائی! بدچلن عورت! میں تجھے آسمان میں چمکتا ستارہ سمجھا تھا اور تُو ...... آخ تھو! شدید نفرت و کراہت سے سرور شاہ نے تھوکا تھا، ان کی آواز پر منال کی بند ہوتی آنکھیں ایسے جھٹکے سے کھلیں گویا نادانستگی میں اس نے چار سو چالیس وولٹ کے تار کو چھو لیا ہو۔

''اور تُو زمین پر پڑے سنگریزے سے زیادہ معمولی و کمتر نکلی۔ تجھے میں نے دل میں بٹھایا مگر تُو قدموں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔

جس کو کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا گیا تھا۔ سرور کے سخت غصے و اشتعال کے مارے گئے تھپڑوں نے درد و اذیت سے پہلی بار روشناس کروایا تھا۔ پھر یہ احساس کہ سرور شاہ نے اسے انس مدثر کے ساتھ بیٹھے اظہار عشق کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ احساسات کی یورش یکے بعد دیگرے وارد ہو رہی تھی اور وحشتیں اس کی رگ و پے میں اُترتی جا رہی تھیں، استعجاب و اضطراب کے سمندر میں تہہ در تہہ

وہ گم ہوتی جا رہی تھی، گہرائی میں اُترتی جا رہی تھی۔

"سر......ور......آپ......غلط فہمی......کا شکار ہو رہے ہیں"۔

"سب آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود، کانوں سے سننے کے باوجود بھی میں غلط فہمی کا شکار ہوں، نا ہنجار عورت"۔

کیسی کایا پلٹی تھی یہ۔ کل تک اس کی اداؤں پر نثار ہونے والا شخص، جو اس کی بے التفاتی و بے توجہی پر بھی سو جان سے فدا ہوتا تھا۔ اس کی ایک مسکراہٹ کی خاطر لاکھوں روپے لمحوں میں نچھاور کرنے کو تیار رہتا تھا جس کی نگاہوں میں ہر لمحہ پیار و چاہت کی وارفتگی چمکتی رہتی تھی، جس نے اسے پھولوں سے زیادہ حفاظت اور کلیوں سے زیادہ نزاکت سے رکھا تھا۔ اسی نے آج لمحوں میں عرش سے فرش پر لا پٹخا تھا۔

جن آنکھوں میں ولولہ انگیز چاہت کے دیے روشن رہتے تھے ان ہی آنکھوں میں اب قہر و غضب، نفرت و حقارت کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

"مجھے اپنے بیٹے کے مستقبل کا خیال نہ ہوتا تو میں تجھے شوٹ کر دیتا، جا تجھے اپنے بیٹے کے پیار کی بھیک کے طور پر زندہ رکھا ہے۔ اب کبھی میرے سامنے آنے کی کوشش مت کرنا، گیٹ لاسٹ"۔ اس نے منال کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکے سے دور کیا تھا۔

"سرور! سرور! پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کرو سرور"۔

منال تیزی سے سرور شاہ کے پیچھے دوڑی تھی مگر وہ ہوا کی مانند چلتا کار کی سمت بڑھ گیا تھا اور وہ پکارتی رہ گئی تھی۔

یکلخت اسے انس مدثر کا خیال آیا تو اس نے بھیگی ہوئی نگاہیں چاروں سمت دوڑا دی تھیں۔ وہ کہیں نہیں تھا، نہ معلوم کس وقت وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ کیا اس کو اس طرح مجھ کو چھوڑ کر جانا چاہیے تھا۔ اس کے اندر سے صدا اُبھری۔

"ہاں۔ اچھا ہوا وہ چلا گیا، ورنہ نہ معلوم کیا ہو جاتا؟ مجھے وہ اس طرح سرور سے مار کھاتے دیکھ کر برداشت کر سکتا تھا......نہیں ہرگز نہیں۔ یہ سب کس طرح سے ہو گیا؟ سرور تو پارٹی میں گئے تھے پھر یہاں کیوں آئے؟ کیا انہیں کسی نے انفارمیشن دی مگر کس نے؟" سوالات اس کے ذہن کو جھنجوڑنے لگے اور وہ چکراتے سر کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

راحیلہ کی دونوں چھوٹی بہنیں مائرہ اور ساحرہ چند دن گزارنے ان کے پاس آئی تھیں۔ ساتھ مائرہ کی بیٹی مہوش بھی تھی۔ راحیلہ بہنوں اور بھانجی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ بڑی گرم جوشی سے ان کی آؤ بھگت کی اور ملازمہ کو رات کا کھانا تیار کرنے کا حکم دے کر ان کے ساتھ گپ شپ کرنے لاؤنج میں براجمان ہوئی تھیں۔

یلو قالین پر بلو اور پنک کنٹراسٹ میں خوب صورت کڑھائی والے فلور کشنز پر وہ تینوں بڑے آرام دہ انداز میں نیم دراز تھیں، جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر مائرہ، صوفے پر مہوش بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی۔

"شکر ہے آپا! اللہ نے یہ دن دکھائے کہ ہم اس طرح سکون سے بیٹھ کر بے فکری سے گفتگو کرنے کے لیے آزاد تو ہوئے، ورنہ اس

سے قبل وہ تمہاری دیورانیاں اور ان کی اولادیں اِدھر اُدھر چھپکلیوں کی طرح چپک کر باتیں سنتی تھیں''۔ساحرہ نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''پھر چٹر الیں لڑائی میں طعنے دیتی تھیں''۔مائرہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''بڑی شاطر، بڑی احسان فراموش نکلیں نوشابہ اور اس کی بیٹی کرن کو ہر طریقے سے زچ کرتی تھیں۔کسی موقع پر مجھ سے پیچھے نہیں تھیں مگر جب وقت پڑا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں، مارے حیرت وصدمے کے میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کروں؟''

راحیلہ کو وہ وقت بھولتا نہ تھا جب زندگی میں پہلی بار عاصم صاحب نے ان پر سب کے سامنے ہاتھ اُٹھایا تھا اور رخسانہ اور آسیہ صاف ان پر الزام لگا کر بری الذمہ ہو گئی تھیں، حالانکہ بخشا تو ان کو عابد اور عامر نے ہرگز نہیں تھا مگر راحیلہ کی بری طرح سبکی ہوئی تھی۔

شوہر کی خفگی وغصہ، بیٹے کی ناراضگی وجدائی، انہیں وقتی طور پر بے حد بدحواس کر گئی تھی، پھر آسیہ اور رخسانہ کے دھوکے وفریب نے انہیں بیمار کر ڈالا تھا مگر وہ بھی کوئی سادہ و عام عورت نہ تھیں، بدلہ لینے میں وہ ناگن کی فطرت کی حامل تھیں اور ان کو یہاں سے نکال کر وہ بدلہ لے چکی تھیں اور ان تمام عوامل کے پیچھے زوردار معر کے ہوئے تھے۔

اب عاصم صاحب ان سے سمجھوتہ کر چکے تھے گو پہلے جیسی محبت واعتماد ان کے انداز میں نہ تھا، ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ گھر میں حکمرانی کر رہی تھیں جو کمی اور کچھ احساسِ ندامت حمزہ کا گھر چھوڑ دینے کی وجہ بنا تھا، وہ بھی یکلخت پانی کے بلبلے کی مانند گم ہو چکا تھا۔وہ اپنی پرانی جون میں لوٹ آئی تھیں۔

''آپا! دیورانیاں تھیں وہ کوئی بہنیں نہیں جو بُرے وقت میں ساتھ دیتیں تمہارے تو سب کانٹے نکل گئے عیش ہو گئے رج کر''۔

''سب سے بڑا کانٹا تو وہ ماں بیٹی تھیں، اصل خطرہ مجھے انہی سے محسوس ہوتا تھا۔حمزہ نے اپنی پھپھو کے آگے کب اہمیت دی ہمیں جب بھی دیکھا اسے پھپھو کی غلامی کرتے یا کرن کے آگے پیچھے پھرتے دیکھا۔ہمارے پاس تو وہ ازراہِ مروت گھڑی دو گھڑی نکلتا تھا۔سب سے زیادہ عزیز تھیں وہ ماں بیٹی اسے، بلکہ ماں سے زیادہ بیٹی عزیز از جان تھی''۔

اپنی ماں کے منہ سے حمزہ اور کرن کے متعلق گفتگو نے صوفے پر دراز مہوش کو چوکنا کر دیا تھا، ویسے بھی وہ میگزین کے بہانے ان کے درمیان موجود تھی۔نگاہیں میگزین پر اور سماعتیں ان کی طرف تھیں۔

''تب ہی تو میں نے ذرا زور ڈالا تھا عاصم پر، جو وہ اس سے بری طرح بدظن و متنفر ہوئے کہ ان ماں بیٹی کو نکال باہر کیا۔اب اسے میری خوش قسمتی کہو یا ان کی بدنصیبی جو وہ پلٹ کر آئی نہیں۔اس عمل نے میرے تمام جھوٹ وبکواس کو سچ ثابت کر دیا، ورنہ عاصم کب میری مانتے اگر حمزہ باپ سے کہہ دیتا کہ وہ کرن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔وہ بڑی خوشی سے یہ رشتہ کرتے۔کئی بار مجھ سے کہہ چکے تھے، کرن کو حمزہ کی دُلہن بناؤں گا، وہ ہماری بہو بنے گی۔بس تب ہی سے میں نے ان کو یہاں سے نکالنے کی پلاننگ ٹائٹ کر دی تھی اور کیوں نہ کرتی، میرا دل تو شروع سے مہوش پر فدا ہے، میری بہن کی بیٹی کا حق ہے اس گھر میں راج کرنے کا''۔

انہوں نے پیار بھری نگاہیں مہوش پر ڈالتے ہوئے کہا جو شرمگیں انداز میں ان کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

"ہم بہنوں میں سب سے سمجھدار اور ذہین آپا تم ہی رہی اور خوش قسمت بھی۔ اگر وہ شاہ نہیں مرتی تو کرن کو بہو تو بنانا ہی پڑتا، پھر اس کے مرنے پر کفن دفن، سوئم، چالیسواں ہر کام پر خرچا الگ کرنا پڑتا، ہر طریقے سے بچت ہو گئی تمہاری"۔

مائرہ داد دینے والے انداز میں راحیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں یہ بات تو ہے"۔

وہ تینوں باتوں میں مگن لابی سے گزرتے حمزہ کو دیکھ نہ سکی تھیں جو ماں کی باتیں سن کر جان چکا تھا کہ جو لوگ خود کو بدلنے کی سعی نہیں کرتے، ہدایت طلب نہیں کرتے، ان کو اللہ تعالیٰ بھی نہیں بدلتا، نہ ہدایت دیتا ہے جو لوگ حسد کی زمین میں بغض کے بیج بوتے ہیں وہ پھر تا حیات دکھوں و مصیبتوں کی فصل کاٹتے ہیں۔ اس کی ماں بھی ایک ایسی ہی بے ہدایت و بداعمال عورت تھی۔ وہ بے آواز واپس پلٹ گیا تھا۔ ماں کی جانب سے معلوم ہونے والی باتوں نے اس کا دل ان کی جانب سے سخت کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھتی ہوں میں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پر تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
جس طرح خواب ہو گئے میرے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ ٹوٹ کر بکھرے کوئی
میں اس دن سے ہراساں ہوں کہ حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس اُمید پر دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں، آئے کوئی

دل میں برسرپیکار اضطراب و کشمکش کو وہ دور نہ کر پائی تھی، وہ بڑا دل نشین و حسین خواب دیکھ رہی تھی۔ سرور شاہ، جس کی بھیانک تعبیر بن کر وارد ہوا، لمحوں میں گلستان کو ریگستان میں تبدیل کر گیا تھا۔

منال نے جس دولت و جائیداد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے سے دگنی عمر والے شخص سے شادی کی تھی۔ جھوٹی محبت جتائی تھی،

قربت برداشت کی تھی، یہ سب کرنے کے بعد وہ کسی طرح بھی اس پراپرٹی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔ وہ ماں کی طرح ہی لالچی و ہرجائی فطرت کی مالک تھی۔ عورت جب نفس کو مارتی ہے، ظرف و حوصلے سے کام لیتی ہے تو پھولوں کی طرح پاکیزہ و پہاڑوں کی طرح بلند ہوتی ہے اور اگر نفس پرستی، کم ظرفی کو مقصد حیات بنالیتی ہے تو پھر کسی کے لیے قابلِ قبول معتبر نہیں رہتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے مفاد، اپنی اغراض سے دلچسپی ہوتی ہے، وہ بھی ایسی ہی تھی۔ معمولی سی بے احتیاطی سے ہاتھ آنے والی دولت گم ہونے کو تھی مگر وہ کس طرح ہاتھ آئی دولت کھودیتی، یہ ممکن نہ تھا۔

اس نے چہرے پر ندامت و معصومیت کا نقاب ڈالا، آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات لیے وہ سرور شاہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ بیڈ روم میں تھے۔ منال دبے قدموں آگے بڑھ آئی۔ وہ ایزی چیئر پر بیٹھے تھے۔ چہرے پر متاعِ حیات لٹ جانے کا سوز پھیلا ہوا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں، بال مٹھیوں میں جکڑے از حد دل گرفتہ حالت میں براجمان تھے۔ اگر منال میں وفا ہوتی، اپنے منصب کا پاس ہوتا تو وہ اپنی گمراہ کن خواہشوں و سستی آرزوؤں کو ٹھوکر مار کر اس شخص کی رفاقت کو ہی اپنے لیے سب سے بڑی دولت سمجھتی کہ سچی و انمول محبت سے بڑھ کر کوئی دولت ہو ہی نہیں سکتی، لیکن وہ دولت پرست و نفس پرست عورت تھی، اس لیے نہ اس کو اپنی حرکتوں پر پشیمانی کا احساس غالب ہوا اور نہ ہی اس کے اندر احساسات موم ہوئے، بلکہ مکڑی کی مانند مکر و فریب کے جالے تیزی سے پھیلا رہی تھی۔

"سرور! پلیز مجھے معاف کر دیں۔ مجھے نہ معلوم کیا ہو گیا تھا۔ میں آپ کے بغیر زندہ کیسے رہ سکتی ہوں"۔ وہ چیئر کی بیک پر کھڑی اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"عورت ایک بار نظروں سے گر جائے تو کبھی نہیں اُٹھ سکتی۔ بہت خلوص اور مکمل دیانت داری کے ساتھ میں نے تمہیں شریکِ حیات بنایا تھا اور شادی سے قبل اپنے متعلق سب کچھ بتا ڈالا تھا۔ تم سے قبل شگفتہ پہلی عورت، پہلی بیوی میری زندگی میں شامل ہوئی، اس کے انتقال کے بعد کئی سال تک میں شگفتہ کی محبت کے سحر سے آزاد نہ ہو سکا، پھر تمہیں دیکھا تو مجھے ادراک ہوا زندہ رہنے کے لیے، زندہ لوگوں کی رفاقت ہی سکون دیتی ہے، ہر ملاقات کے بعد مجھے تمہارا قرب، تمہاری چاہ کی آرزو بے کل کرنے لگی تو میں نے جانا شگفتہ کے سحر سے آزاد ہو کر میں تمہاری محبت میں ڈوب چکا ہوں۔ محبت تو اندھی ہوتی ہے۔ آنکھوں کے باوجود، کانوں کے باوجود معذور ہو جاتی ہے۔ تمہارے حصول کے لیے مجھے کروڑوں کا خسارہ برداشت کرنا پڑا تھا مگر پھر بھی میں خوش تھا کہ میری ہنادی گئی ہو تم میری ہو گئی ہو"۔

"میں اب بھی آپ کی ہوں۔ صرف آپ کی۔ وہ میری بھول تھی"۔ منال نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کے سینے سے لگنا چاہا تھا لیکن انہوں نے اسے اس طرح جھٹکا، گویا کسی گندگی کو جھٹک رہے ہوں۔ منال ان کے نفرت و گریز بھرے انداز سے دم بخود رہ گئی تھی۔

"میں بات کو زیادہ طویل دینا نہیں چاہتا۔ بس اب ہماری راہیں جدا جدا ہیں۔ اب کوئی عورت میری زندگی میں نہیں آئے گی۔ کسی پر اعتبار و بھروسہ نہیں کر سکوں گا۔ چلی جاؤ یہاں سے طلاق کے کاغذات تمہیں مل جائیں گے"۔ سرور شاہ نے اس کی جانب سے رُخ پھیر لیا تھا۔

"سرور...... سرور! فارگاڈ سیک اتنے اسٹون نہ بنیں۔ میری بات سنیں"۔ اس کو محسوس ہوا جیسے قدموں تلے زمین کھسکنے لگی ہو جس دولت وجائیداد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے پانچ سال اس کے سنگ گزارے تھے، یوں آناً فاناً ہاتھوں سے نکل جائے گی؟ طلاق تو وہ بھی لینا چاہتی تھی مگر اس طرح خالی ہاتھ نہیں، بلکہ سب سمیٹنے کے بعد، اب اسے لگ رہا تھا کتنی سنگین غلطی کر بیٹھی تھی، انس سے چند لمحوں کی ملاقات کتنی مہنگی پڑی تھی، اتنی پاور فل پرا پرٹی ہاتھ سے نکلنے کا ملال اس کے اندر اندھیرا بن کر اُترنے لگا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"یہ آنسو عورتوں کے پرانے ہتھیار ہیں جو مجھ جیسے بندے پر کبھی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ اپنے بچے کی خاطر میں بے غیرت بن گیا ہوں، ورنہ تم زندہ نہ ہوتیں۔ بہت بڑا فریب دیا ہے مجھے نا قابلِ فراموش دُکھ"۔ سرور شاہ دُکھ وضبط کی کٹھن گھڑیوں سے گزرتا بے حد دل گرفتہ وافسردہ تھا۔

"مجھے معاف کر دیں سرور پلیز"۔

"میں تمہیں معاف کر چکا ہوں، پلیز اب چلی جاؤ کبھی نہ آنے کے لیے"۔

"اتنے سنگ دل نہ بنیں سرور! جس نے آپ کو میرے خلاف بھڑکایا ہے، اس کا نام بتائیں میں اسے چھوڑوں گی نہیں"۔

"انس مدثر ہے نام اس کا جو بروقت تمہاری ہرجائی فطرت سے آگاہ نہ کرتا تو نہ معلوم کب تک تم مجھے اُلو بنائے رکھتی"۔ سرور شاہ اور بھی اس کی ہرجائی صفات بیان کر رہے تھے مگر وہ یہاں تھی کہاں۔ وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی۔ سماعتوں میں یہی نام گونج رہا تھا۔

"انس مدثر ہے نام اس کا"۔

"انس مدثر ہے نام اس کا"۔

"انس مدثر"۔

"انس مدثر"۔

دیواروں، دروازوں، کھڑکیوں، پردوں، فرنیچر، ہر شے سے، ہر سمت سے، ہر گوشے سے یہی نام گونجنے لگا تھا۔

مارے صدمے وحیرت کے اسے اپنی رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ سر اتنی تیزی سے چکرایا کہ ہر شے میں گردش نظر آئی۔ اس نے سہارے کے لیے سرور شاہ کا بازو تھامنا چاہا، وہ اسے تھامنے کے بجائے کمرے سے نکل گئے اور وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند زمیں بوس ہو گئی۔ پیشانی ماربل اسٹون کے میگزین ریک سے ٹکرا کر لہولہان ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی کی بساط پر جیت وشکست کے مہرے بدلتے رہتے ہیں۔ وقت یکساں کہاں رہا ہے۔ بے حساب رنگ و بے شمار روپ ہیں اس کے۔ ہر رنگ پہلے سے جدا، ہر روپ دوسرے سے مختلف ہے، موسموں کی تبدیلی، وقت کا تغیر انسانی زندگی پر لمحہ اوّل سے حاوی رہا ہے۔ بدلتے موسم اور ڈھلتا وقت ہمارے دامن میں کچھ سوغاتیں ڈال جاتا ہے۔

بہت سی خوشیاں

بہت سے دُکھ

بہت سے راحتیں

بہت سے کرب

ہر موقع، ہر قدم ودیعت ہوتے ہیں جو کبھی کامرانی ونصرت سے سرفراز کرتے ہیں تو کبھی ناکامی ونامرادی سے بدظن وبدمزہ۔ یہی زندگی کا چلن ہے گرنا، گر کر سنبھلنا، سنبھل کر اُٹھنا، اُٹھ کر چلنا اور پھر بغیر ٹھوکر کھائے مضبوط قدموں سے چلتے رہنا اور منزل پالینا۔

آج میں بہت خوش ہوں اور خوش کیوں نہ ہوں کہ چھ سال کی سخت بے چینی اور کڑی ریاضت کے بعد میرے برسوں سے دہکتے رگ وجاں کو ٹھنڈک وسکون کی دولت میسر ہوئی ہے۔ آج اس حسن کی ملکہ کو آئینے میں اس کا اصل چہرہ دکھایا ہے جو بے حد کریہہ وبدصورت ہے اسے اپنے حسن پر ناز تھا، خوب صورتی پر زعم، وہ مغرور اور مفاد پرست عورت بھول گئی تھی، مرد خوب صورت وجود کے ساتھ خوب صورت کردار کا شیدائی ہوتا ہے، خواہ وہ خود اخلاق وکردار کی تمام حدود پار کرچکا ہو مگر خود اپنے لیے وہ شبنم کی طرح پاکیزہ، پھولوں کی طرح معصوم عورت کی چاہ رکھتا ہے۔ خوب صورت عورت کا بدصورت کردار کبھی بھی قابلِ قبول نہیں ہوتا، البتہ بدصورت عورت کا خوب صورت کردار اسے معتبر وچاہنے کے قابل بنادیتا ہے۔

انس مدثر کے چہرے پر طویل عرصے بعد پُرسکون، دل آویز مسکراہٹ پھیلی تھی۔ وہ ریوالونگ چیئر پر جھولتے ہوئے منال سے تصور میں مخاطب تھا۔ وہ بے حد سیدھا سادا اپنی دُنیا میں مگن، اپنی سوچوں میں گم رہنے والا بے حد وجیہہ وہینڈسم نوجوان تھا۔ اسے اپنی وجاہت ودولت کے احساس نے بھی عشق وعاشقی یا فلرٹ جیسی لغویات سے دور رکھا تھا۔

جھیل کی مانند خاموش رواں دواں زندگی میں ہلچل واضطراب کا پہلا پتھر منال نے ہی پھینکا تھا اور پھر اس کی جانب سے متواتر پیش قدمی ہوتی رہی تھی۔ پارکوں، ریسٹورنٹ، ساحلِ سمندر، راستوں میں وہ کسی چھلاوے کی طرح نازل ہوجاتی تھی۔ اس کے حسن کی سحر طرازیاں اور معصومیت وبھولپن کی ادائیں اسے سچ مچ دیوانہ بنا گئیں۔ چند ملاقاتوں میں اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ پائے گا۔ وہ لڑکی اسے اپنی زندگی، اپنی روح، اپنی جان لگنے لگی تھی جس کا حصول اس نے اسی طرح چاہا جس طرح شریف وعزت دار گھرانے کے لوگ چاہتے ہیں۔ منال نے جب اس سے اپنے پروپوزل کی بات سنی تو خوب ہنسی۔

"اس میں اتنا ہنسنے کی بات کیا ہے؟ میں نے جوک نہیں کیا۔ ڈیڈی میرا رشتہ لے کر آئیں گے تمہارے پاپا کے پاس اور تم بجائے خوش ہونے کے پاگلوں کی طرح ہنسے جارہی ہو"۔

وہ جو اپنی بات کے جواب میں اس کا شرماتا ہچکچاتا چہرہ دیکھنے کا خواہش مند ہو کر آیا تھا، اسے بے باکی سے ہنستا دیکھ کر خاصے بگڑے موڈ سے گویا ہوا تھا۔

"تمہارے ڈیڈی کو کس اُلّو کے پٹھے نے تجویز دی پروپوزل لانے کی؟"

"شٹ یور ماؤتھ......میں نے کہا ہے"۔ وہ خفگی وخجالت سے بولا۔

"اوہ سوسوری۔ میری زبان پھسل گئی تھی مگر تم نے کیوں کہا؟"

وہ اس کا بگڑا موڈ اور بپھرے تیور دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔

"یہ کیوں سے کیا مراد ہے تمہاری؟" وہ بھنا کر بولا۔

"اوہ کم آن یار! کیوں اتنے سیریس ہو رہے ہو؟"

"تم میری بات سن کر ہنس رہی ہو۔ یہ مذاق مت کرو منال۔ میں بہت سنجیدہ ہوں"۔

منال کا روکھا ولاپرواہ انداز اس کے اندر ایک متوحش کرنے والی اضطرابی کیفیت کو اُجاگر کر رہا تھا جس کے باعث وہ بے حد تحمل و بُردبار ہونے کے باوجود جھلا رہا تھا۔ غصے ہو رہا تھا۔

"یہ مذاق نہیں تو کیا ہے جو تم شادی کی بات لے کر بیٹھ گئے ہو۔ ہماری دوستی میں شادی کہاں سے آ گئی؟ پھر میں نے کب کہا، میں تم سے شادی کر رہی ہوں؟" وہ یک دم پھٹ پڑی تھی۔

"منا......ل! یو آر جوکنگ؟" وہ شاکڈ رہ گیا۔

"نائی فٹ جوک"۔

بے حسی و بے رحمی کی سب سے اونچی مسند پر وہ اس وقت براجمان نظر آئی تھی۔ انس یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر کہیں زور کا چھناکا ہوا۔ کرچیاں روح میں پیوست ہو گئیں۔ اپنی ذات، اپنی انا، اپنا وقار، عزت نفس اور اس کو چاہنے کا مان سب ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں معلق نظر آیا تھا۔ یہ ایک لمحہ، یہ ایک ساعت صدیوں پر محیط تھی۔ اس کی دُنیا میں تباہی و بربادی پھیل گئی تھی۔

"مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس قدر نیرو مائنڈڈ ہو تو میں کبھی بھی تم سے دوستی نہ کرتی۔ تم نے ہماری دوستی کو غلط رنگ دیا ہے"۔

"نہیں وہ محض دوستی نہ تھی۔ دوستی اور چاہت دو الگ جذبوں کے نام ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں جگمگاتے محبت کے دیپ، ہونٹوں پر کھلے چاہت کے کنول اور چہرے پر بکھری قوسِ قزح کے رنگوں کی دھنک میں ہمارے پیار کی جھلملاہٹ تھی۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے تمہیں جو اس طرح کٹھور پن کا مظاہرہ کر کے میرے جذبوں کا خون کرنے پر آمادہ ہو"۔

اس نے آگے بڑھ کر اُمید بھرے لہجے میں کہا، اسے ابھی یقین نہیں آیا تھا ٹوٹے بکھرے دل کو ابھی بھی دلاسہ دینے میں مشغول تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔ اس کی محبت و بے تابیوں کا امتحان لے رہی ہے۔

"ہاؤ......سو سیڈ انس مدثر! مجھے معلوم ہوتا تم اتنے دل پھینک ہو تو کبھی بھی تم سے دوستی نہ کرتی۔ میری صرف تم سے ہی فرینڈ شپ نہیں ہے۔ بے حساب فرینڈز ہیں اب خود سوچو اگر اسی طرح سب مجھے پروپوز کرنے لگیں، میری محبت، میری چاہت کا جواز بنا کر تو سوچو

میں کس کس سے شادی کروں گی؟"

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ کر اس تمسخر بھرے انداز میں مسکرائی کہ انس کی تمام توقعات وخوش فہمیاں اسی لمحے بوسیدہ دیمک زدہ عمارت کی مانند ڈھتی چلی گئی تھیں۔

"تم نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ زمین آسمان کی طرف لوٹ جائے۔ آسمان زمین پر آ جائے، میں تب بھی یقین نہیں کروں گا کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو۔ یہ ناممکن ہے"۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا رنگ بکس دور اُچھالا تھا، پوری طاقت سے اُچھالے گئے بکس سے ہیرے جڑی طلائی انگوٹھی نکل کر دور گری تھی۔ اس کی وحشت زدہ بلند آواز سن کر اندر ہال میں ہلا گلا کرتے اس کے دوست باہر کی سمت لپکے تھے۔

"لڑکی ہونے کے باوجود تم میں ناگن سے زیادہ زہر ہے۔ تمہارے ایک ہی وار نے میری تمام خوشیوں و چاہتوں کو ڈس لیا ہے۔ کیوں آئی تھیں میرے پیچھے؟ کیوں مجھے اس راستے کا مسافر بنایا جس کی کوئی منزل نہ تھی"۔

دونوں ہاتھوں سے اپنے بال مٹھی میں جکڑے وہ چیخ رہا تھا، رو رہا تھا، وہ ہوش وخرد سے بیگانہ لمحے بھر میں ہوا تھا۔ منال اسے آپے سے باہر دیکھ کر خاموشی سے وہاں سے نکل گئی۔ جاتے سمے اس کے ہونٹوں پر دل کش وطمانیت آمیز مسکراہٹ تھی، وہ چلی گئی تھی۔ اپنے پیچھے تباہیاں و دُکھوں کی برسات چھوڑ گئی۔

پارٹی میں آئے اس کے تمام دوست اس کے گرد جمع تھے، سب کے سامنے وہ تماشہ بن گیا تھا۔ غیر متوقع چوٹ کھا کر کچھ اتنا بدحواس ہوا تھا کہ پھر ایک طویل عرصے ہوش وخرد کے حصار سے دور رہا تھا۔ وہ ہر کام بہت ایمان داری ولگن سے کرنے کا عادی تھا۔ محبت بھی اس نے پوری ایمان داری وجذبوں کی شدت سے کی تھی۔ منال سے قبل کوئی لڑکی اس کی زندگی میں نہ آئی تھی۔ وہی لڑکی تھی جس کے لیے چاہتوں کی تمام تر شدت سے در دل وا کیا تھا۔ رد کیے جانے کا غم ہر غم سے بڑھ کر بھاری اور ہر زخم سے بڑھ کر کاری ہوتا ہے، جو عزت نفس وخودداری کو چھلنی چھلنی کر دیتا ہے۔ اسے دُکھ پر دُکھ ملا تھا۔ اول عشق میں فریب۔ دوم ٹھکرایا جانا، رد کیا جانا۔

کھرے و سچے جذبوں کا اتنی بے دردی سے استحصال وہ برداشت نہ کر پایا۔ اسے نفرت ہوگئی صنفِ مخالف کے وجود سے۔ لڑکیوں کی طرف دیکھنا تو درکنار وہ ان کی پرچھائیوں سے بھی نفرت کرنے لگا اور یہ نفرت انتہا کی حدوں کو اس وقت پہنچ گئی جب معلوم ہوا کہ منال نے کس مکاری سے اس کی محبت اور چاہت کو اپنے مفاد میں بری طرح استعمال کیا۔ اس کے آفس کے لاکرز سے کئی اہم دستاویزات غائب تھیں، جو اس سے قطع تعلق کے بعد معلوم ہوا تو انس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چند ماہ میں ہی ان کا بزنس تنزلی کا شکار ہونے لگا اور لغاری انڈسٹریز کی مارکیٹ بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔

اگر مدثر صاحب کی ذہانت اور سماجی حیثیت نہ ہوتی تو وہ منہ کے بل ایسے گرتے کہ پھر کبھی کاروباری دُنیا میں ان کی جگہ نہ ہوتی، وہ بہت کٹھن وقت تھا ان کے لیے۔ ایک طرف بیٹا دین و دنیا بھلائے کمرے میں پڑا رہتا، دوسری طرف کاروباری حلقوں میں ان کی

دیوالیہ ہوتی حالت پر چہ میگوئیاں۔ ایک انتشار تھا جو سوکھے پتوں کی مانند ہر سو پھیلا نظر آنے لگا تھا، ایسے میں اگر مدثر صاحب کے کچھ دوست ساتھ نہ دیتے تو وہ کبھی اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ کروڑوں کی ماروالی محبت ازحد مہنگی تھی۔

وقت ایک عمدہ مرہم ہے۔ یہ بڑے سے بڑے گھاؤ کو بڑی ہنرمندی سے بھرتا ہے۔ چند سالوں میں وہ بھی اپنی دُنیا میں لوٹ آیا تھا مگر بہت بدلا بدلا، پہلے سے بالکل مختلف، انس کھ اور نرم خوانس ماضی کا حصہ بن چکا تھا۔ اب ایک بیزار، بدمزاج، کم گو اور بات بات پر مشتعل ہونے والا انس مدثر تھا وہ۔ سنجیدگی اور خاموشی اس کا پیراہن بن گئی تھی جس سے کبھی بھی وہ آزاد نہ ہوتا تھا۔ لب مسکراہٹ سے ناآشنائی اختیار کر بیٹھے تھے۔ گریبی اور مدثر صاحب کے سامنے اس کا رویہ کچھ بہتر ہوتا تھا، ان کا ادب، احترام و محبت پہلے سے بڑھ کر تھی۔

منال سے سعد کی شادی والے دن ملاقات ہوئی تھی۔ کئی سال بعد اسے پھر اپنے روبرو دیکھ کر اس کے اندر عجیب سا اضطراب جاگا تھا، ایک ہلچل، ایک بے چینی جو لمحے بھر میں اسے نڈھال کر گئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں جو کبھی اسے دیکھ کر خوشگواریت کے احساس سے دھڑکنے لگی تھیں، وہ یک دم ہی اشتعال پذیر ہوئیں۔ آنکھوں نے بیگانگی کے رنگ چڑھائے نفرت وحقارت خون کی طرح رگوں میں رواں ہونے لگی تھی۔ وہ شدت پسند تھا۔ محبت بھی انتہا پسندی کی حدوں کو چھورہی تھی۔ اب نفرت کی تھی تو...... نفرت کی انتہا تمام شدتوں سے سواتھی۔

اپنے لیے محبت وچاہت کی دیوانگی اس نے منال کی آنکھوں میں اسی لمحے میں جانچ لی تھی جو پھر اتفاقیہ ہونے والی ملاقاتوں میں ظاہر بھی ہوگئی تھی اور وہ سوچ چکا تھا۔ اس کا قرض واپس کرنے کو اور آج وہ سرخرو ہو گیا تھا اسے اس کے انجام تک پہنچانے میں، صرف ایک کال سرورشاہ کو کرنا پڑی تھی کہ وہ جم سے آکر اپنی چہیتی ومحبوب بیوی کی وفا کو دیکھ لے۔ وہ مسکرار ہا تھا۔ گنگنار ہا تھا۔

لوگ کہتے ہیں، عورت کا انتقام ناگن سے بڑھ کر ہوتا ہے اور مرد کا انتقام ہر انتقام سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ قدرت نے اسے موقع دیا تھا اور اس نے اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا، ابھی اس کے انتقام کی پہلی حد ختم ہوئی تھی، دوسری اور آخری حد باقی تھی جو منال کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوگی۔

''صاحب! باہر ایک عورت آئی ہے اس نے یہ خط دیا ہے''۔

شمو دروازہ ناک کرتی اندر آئی اور اسے ایک تہہ شدہ کاغذ پکڑا کر باہر نکل گئی۔ انس نے کاغذ دیکھا تو تحریر دیکھ کر چونک اُٹھا۔

☆......☆......☆

حمزہ بہت دیر سے ٹی وی لاؤنج میں تنہا بیٹھا تھا صوفے پر نیم دراز بظاہر اس کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر مرکوز تھیں لیکن دل تھا کہ عجیب کسلمندی وبوجھ کا شکار تھا، بے نام اداسی تھی جس نے اس کے سارے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ تعلیم سے تو فارغ ہو چکا تھا۔ پاپا کے اصرار پر ان کے ساتھ بزنس میں دلچسپی سرسری طور پر لینا شروع کردی تھی اور باقاعدگی سے دن کا بیشتر وقت وہاں گزارنے لگا تھا۔ صمد کی آج کل نائٹس تھیں جب سے اس کا ہاؤس جاب شروع ہوا تھا، وہ گھر میں کم کم رہ پار ہا تھا۔ آج بھی اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی، صبح سات بجے گھر آکر وہ سوچکا تھا۔ اب اس کی صبح عصر کے بعد ہی ہوتی تھی۔

"کتنی اداسی ہے"۔ وہ ٹی وی کا سوئچ آف کرتا ہوا بڑبڑایا پھر کھڑکی سے جھانک کر لان کا وہ حصہ دیکھنے لگا جو کبھی اس کے دل کا مسکن تھا۔

بہت آساں ہے کسی سے بچھڑ کے رہنا
کہنے والے یہ اکثر کہہ دیتے ہیں
ہم اپنے قدم کہاں جمائیں بنا اس کے
بچھڑ کے اس سے اداسیوں میں رہتے ہیں

"کیا ہوا ہے؟ کیوں اتنے غصے میں لال ٹماٹر ہو رہی ہو؟"۔

حمزہ اسے دلچسپ محتاط نگاہوں سے دیکھتا ہوا گویا ہوا، سفید اور فیروزی کاٹن کے سوٹ میں اس کا سرخ چہرہ اور تیکھے نقوش بے حد خوب صورت لگ رہے تھے۔

"میں غصے میں لال ٹماٹر ہوتی ہوں۔ تمہاری ماما کی طرح ہری مرچ نہیں"۔

"الٰہی خیر۔ مما سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

"کوئی بات سے کیا مراد؟ تمہاری مما نے تو ہر بات کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ کوئی بات، کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے"۔

"یار! بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے؟"

"جا کر اپنی ماں سے پوچھو کہ کیا ہوا ہے؟" وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔

"ہاہاہا......اس وقت تو قسم سے تم بالکل بیوی والے اسٹائل میں بات کر رہی ہو"۔ وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

"کیا کہا تم نے بیوی؟ اور وہ بھی تمہاری۔ منہ دھو رکھو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا"۔ کرن چیخ کر بولی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا ایسا؟ تم......تم میری بیوی بنو گی"۔

دل کی بات اس کے لبوں پر آ گئی تھی وہ جانچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خواہش بیاں کر رہا تھا کہ کرن کے غصے و منہ پھٹ انداز نے اسے کبھی یہ جرأت نہ بخشی تھی جو وہ اپنے دل کی کیفیت عیاں کرتا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کبھی نہیں"۔ وہ اٹل انداز میں گویا تھی۔

"مگر کیوں؟ یہ تو بتاؤ۔ کیا خرابی ہے مجھ میں؟"

اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی کتنا کٹھن ہوتا ہے اپنی پسندیدہ ہستی کے منہ سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار سننا۔ دل گویا نمک کی ڈلی بن گیا تھا۔

"بہت ساری خرابیاں ہیں"۔ اس کی بے نیازی عروج پر تھی۔

"پھر بھی اہم خرابی کون سی ہے؟" وہ جان پہ لب تھا۔

"تم اس گھر کے بیٹے ہو جو میرے لیے جہنم کدہ ہے۔ جس دن بھی میں اس گھر سے چلی گئی تو پھر کبھی پلٹ کر نہیں آؤں گی۔ کبھی بھی نہیں آؤں گی"۔

وہ ہوا کے مست جھونکے کی طرح گزر گئی اور اس کا دل ہمیشہ کے لیے نمک کا سمندر بن گیا۔ اس کی یادوں کی لہریں سرکشی پر اتر آئیں۔ سمندر اس کی آنکھوں سے بہنے لگتا تھا۔

دل میں تیری یاد کے نشتر اُتر گئے
کتنے ستارے آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھر گئے
آ جاؤ کہ ترسے ہے یہ نظر
دیکھا نہیں تمہیں بہت دن گزر گئے

اس طرف بڑھتے قدموں کی آہٹیں سن کر اس نے نم آنکھیں دونوں ہاتھوں سے رگڑی تھیں۔ اسی وقت راحیلہ اندر آ گئی تھیں۔

"کیا سوچتے رہتے ہو بیٹا؟ تمہیں اس طرح تنہا اور اُداس دیکھ کر میرا دل ہولتا ہے۔ ہنسا بولا کرو۔ کیوں اتنے گم صم ہو گئے ہو۔ کوئی فکر ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟ آخر ایسا کیا مسئلہ ہے، جس نے تمہیں گوشہ نشین بنا دیا ہے؟"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے ممتا بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"ایسی کوئی پریشانی مجھے نہیں ہے جو میرے لیے مسائل پیدا کرے۔ آپ مت سوچا کریں میرے متعلق، میں ٹھیک ہوں"۔ وہ نرمی سے بولا تھا۔

"لو بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ میں کیوں نہ سوچوں...... ماں ہوں"۔

"میں نے کب انکار کیا ہے"۔

"انکار صرف زبان سے نہیں ہوتا ہے اور بھی طریقے ہیں دوسرے کو اس کی اوقات بتانے کے"۔ ان کے لہجے میں شکایت در آئی تھی۔

"آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں، ورنہ میں ایسی گستاخی کا سوچ بھی نہیں سکتا ہوں جس سے آپ کی دل شکنی ہو"۔

وہ ماں کے قریب ہو کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پریشان لہجے میں بولا۔

"تم مجھ سے دور ہو گئے ہو، گھر سے دور ہو گئے ہو اور اپنی خالاؤں سے بھی دور ہو گئے ہو۔ دیکھو حمزہ! میں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنی بہنوں اور اس کے بچوں سے تمہارا روکھا اور بیگانگی بھرا انداز کبھی بھی برداشت نہ کر سکوں گی۔ میکے میں میرا ہے ہی کون، دو بہنوں اور ان کے میاں و بچوں کے علاوہ بھائی کوئی ہمارا تھا بھی نہیں جو ماں باپ کے بعد ہمیں سمجھتا"۔

کل رات تک حمزہ گھر نہیں آیا تھا، وہ بہت انتظار کر کے گئی تھیں۔ بس جب ہی سے وہ بھری بیٹھی تھیں کہ کسی طور وہ ملے اور وہ

اسے جتائیں۔ اس بات سے بے خبر تھیں وہ کہ حمزہ خالاؤں سے ملنے کے ارادے سے کمرے کی طرف بڑھا تھا اور اندر سے ان سب کی فضول گفتگو سن کر واپس پلٹ گیا تھا۔

"میں پھر یہی کہوں گا آپ غلط فہمی کا شکار ہیں، ایسی کوئی بات نہیں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تو آج مائرہ کے ہاں کھانے پر چلو۔ وہ بے حد اصرار سے بلا کر گئی تھی۔ مہوش بھی بار بار تمہارا پوچھتی رہی تھی۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہوگئی ہے اور بڑی سگھڑ اور سلیقے مند بھی۔ کل سارا دن میں نے آرام کیا بلکہ اس نے کروایا۔ بہت ترس کھا رہی تھی مجھ پر کہ میں تنہا گھر کا کام سمیٹتی ہوں، سارا کام کیا کل اس نے"۔

"کیوں کل کوئی ملازم نہیں آیا تھا، سب نے چھٹی کی تھی؟"

"ارے ملازموں کی بھی خوب کہی تم نے میاں، اگر ملازم گھر والوں کی طرح کام کریں تو بات ہی کیا ہے۔ کام کم نخرے زیادہ کرتے ہیں"۔

"میرے خیال میں ہمارے ملازم بے حد نیک اور وفادار ہیں۔ کام بھی تمام دیانت داری سے کرتے ہیں، چھٹیاں بھی نہیں کرتے ہیں، آپ کو صرف دیکھنا ہوتا ہے"۔

"ارے بابا! تم تو اپنے باپ کی طرح بحث کرنے بیٹھ گئے ہو، کل تم نے مہوش کا کام دیکھا نہیں ہے، اس لیے بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو، خیر آج رات دیکھنا، کھانا تمام وہ ہی بنائے گی"۔

وہ خوشی سے سرشار لہجے میں بول رہی تھیں۔ ان کی خوشی کی خاطر حمزہ نے جبراً ہامی بھری تھی کہ وہ کیسی بھی تھیں، بہر حال ماں تھیں۔

☆......☆......☆

رنگ و بو کا طوفان تھا جو ہر سمت پھیلا ہوا تھا۔ اعلیٰ ملبوسات و مہنگے کلونز و پرفیومز میں مہکتے لوگوں کے خوش باش چہروں پر آسودہ مسکراہٹوں کی طمانیت تھی، وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے، باوردی ویٹرز مختلف مشروبات مہمانوں کو سرو کرتے پھر رہے تھے۔

بارات آچکی تھی۔ بلو تھری پیس سوٹ میں عمران مرزا بہت خوش و مسرور نظر آرہے تھے۔ انہوں نے روایتی دلہاؤں کی طرح کوئی اہتمام نہ کیا تھا سب میں نمایاں نظر آنے کے لیے۔ ان کے گلے میں پڑا وہ سرخ گلابوں کا موٹا ہار تھا۔ کامران مرزا بھی آج بڑے نک سک سے تیار رعب و دبدبے سے آئے تھے۔

"سکینہ کہاں مرگئی ہے، نظر ہی نہیں آرہی ہے، اتنے اہم کام پڑے ہیں یہاں پر اور وہ بنا اجازت لیے غیر حاضر ہے۔ جا بلا کر لا اسے، بہت چربی چڑھ گئی ہے اس نمک حرام کو، ابھی ہاتھوں سے کھال کھینچوں گی تو پتا چلے گا اسے"۔ والدہ حضور ملازمہ سے مخاطب ہوئیں۔

"مالکن! میں ابھی وہیں سے آرہی ہوں، اس کے گھر میں تالا لگا ہوا ہے۔ پاس پڑوس سب سے معلوم کرلیا وہ نہ معلوم کب اور کہاں گئی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم، میں بھی ہر جگہ ڈھونڈ آئی ہوں"۔

"ہیں...... کیا بک رہی ہے تو وہ کہاں جا سکتی ہے؟" والدہ حضور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"وہ اکیلی ذات کہاں جا سکتی ہے۔ کوئی ہے نہیں جس کے پاس جائے وہ"۔

"مالکن! میں نے خود اس کے دروازے پر تالا لگا دیکھا ہے"۔

حاجرہ مالکن کے بگڑے تیور دیکھ کر خوف سے سفید پڑ رہی تھی۔

"والدہ حضور! نکاح کی تیاریاں ہو رہی ہیں آپ باہر تشریف لے چلیں، تمام مہمان آ چکے ہیں"۔

برہان لغاری دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر آ کر ان سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے طائرانہ نگاہ بیٹے کی جانب ڈالی۔ سفید کاٹن کے کلف شدہ سوٹ میں ان کی بارعب شخصیت نمایاں تھی۔

"قاضی کو بلوایا؟"

وہ حاجرہ کے ہاتھ سے لے کر سیاہ ویلوٹ کی سونے کی تاروں سے چند ورک کی گئی چادر اوڑھتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"جی ڈرائیور کو بھیجا ہے"۔

"ایک حیرت انگیز خبر سنی تم نے؟"

وہ حاجرہ کو جانے کا اشارہ کر کے کچھ فکرمند لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"نہیں، کیا خبر ہے؟" ماں کے انداز پر وہ بھی چوکنا ہوئے تھے۔

"مائی سکینہ غائب ہے گھر سے، بلکہ اپنے گھر سے بھی......"

"مائی سکینہ؟ کہاں گئی ہے وہ؟"

"یہ تو معلوم نہیں ہے کہاں گئی ہے"۔

"کوئی بات نہیں، وہ چلی گئی تو ہمارے پاس ملازموں کی کمی نہیں ہے"۔

"نہیں برہان! مجھے وسوسے گھیر رہے ہیں، اس کا اس طرح چھپ کر، بنا کہنے جانا اچھا شگون نہیں ہے کوئی ایسی بات ہے ضرور جس کی وجہ سے وہ گئی ہے۔ کچھ کرو، اسے ڈھونڈو ورنہ...... کچھ ہو جائے گا"۔

اندیشوں وسوسوں نے ان پر یلغار کر دی تھی اور وہ ایک چالاک فطرت عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ ایک دُنیا گزاری تھی انہوں نے وقت کی بدلتی کروٹ ان کی زیرک نگاہ سے بچ نہ پاتی تھی۔ سکینہ کی اَن تھک خدمت اور دن رات کی جی حضوری نے انہیں اس پر مکمل اعتماد و بھروسہ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر گہری نگاہ نہ رکھ سکیں اور اب انہیں لگ رہا تھا، بہت بڑا نقصان کر بیٹھی ہیں، وہ ناقابلِ تلافی نقصان۔

"والدہ حضور! کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ دفع کریں اسے کمی کمینوں کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے، دھوکے باز"۔

ان کی وحشت و تفکر سے بے خبر برہان لغاری کہہ رہے تھے، وہ لاابالی ولاپرواہ سوچ کے حامل تھے۔ ان کی سوچ میں پختگی و دانش

مندی کا فقدان ہمیشہ رہا تھا۔

"وہ کمی ذات اپنا کمینہ پن ضرور دکھائے گی۔ ہم بھول گئے تھے عمران مرزا کی وجہ سے اس کی بیٹی کنویں میں کود کر مری تھی اور وہ بدذات اس کا انتقام لینے کے لیے کچھ کر نہ بیٹھی ہو؟"

برسوں پہلے کے کچھ مناظران کی آنکھوں میں لہرانے لگے تو وہ گھبرا کر برہان لغاری سے مخاطب ہوئی تھیں، جنھوں نے ماں کو تسلی اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مائی سکینہ کو تلاش کر کے لائیں، کہیں سے بھی اور ان کو لے کر باہر مہمانوں کی طرف بڑھ گئے۔

بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے اس کے حُسن کی ضیا پاشیوں کو منور کر دیا تھا۔ آف وہائٹ اینڈ میرون کلرز کے کمبی نیشن نے تنگ پائجامہ اور قمیص کو جاذب نگاہ بنا ڈالا تھا۔ جیولری میں اس نے صرف ایک سیٹ پہنا تھا۔ بندیا، کنگن، گلوبند، جھومر، چوڑیاں، انگوٹھیاں اور نتھ اس سیٹ کی میچنگ کی تھیں۔ یہ سیٹ برہان لغاری خود لائے تھے۔ نہ معلوم کس جذبے کے تحت وہ اس نے پہنا تھا اور سوٹ بھی یہیں کا تھا۔ تمام چیزیں اس نے از خود یہیں کی استعمال کی تھیں۔

تیار کر کے بیوٹیشن نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ بے حد اصرار کیا تھا کہ وہ خود کو آئینے میں دیکھے مگر وہ راضی نہ ہوئی کہ دل کے اندر تو افراتفری پھیلی ہوئی تھی، جو وہ کر چکی تھی، جو ہونے جا رہا تھا اور جو ہونے والا تھا، وہ سب بہت سنگین و خطرناک تھا جس جگہ خوشیوں و مسرتوں کے شادیانے بج رہے تھے، وہاں اب تباہی و بربادی کی خاک بین کرنے والی تھی۔

"اوہ ویری انٹرسٹنگ۔ اس دور میں بھی آپ جیسی گرل ہے، میں نے فرسٹ ٹائم اپنی لائف میں کسی برائیڈل کو شرماتے دیکھا ہے، ورنہ ہمارے پاس لڑکیاں شادی سے قبل ہی چکر لگانا شروع کر دیتی ہیں، بیوٹی ٹریٹ منٹ کے لیے۔ ایک آپ ہیں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے شرما رہی ہیں۔ بہت لکی ہیں آپ کے شوہر"۔

بیوٹیشن اس کی حالت سے بے خبر توصیفی لہجے میں کہہ رہی تھی، کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلی گئی تھی۔

اب وہ کمرے میں تنہا رہ گئی تھی۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے کی سوچوں میں اُلجھی وہ کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔ نیچے وسیع و عریض لان میں بہاریں محو رقص تھیں۔ رنگین لباس و رنگین چہرے، نقرئی قہقہے و بھاری بے ہنگم ہنسی سب گڈمڈ تھے، یہ کام ایک دم طے پا گیا تھا مگر لوگوں کی کثیر تعداد کی موجودگی حیرت کا باعث تھی۔ برہان لغاری کا حلقۂ احباب بے حد وسیع تھا۔

سب پر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہیں لان کے وسط میں بنے اسٹیج پر رکھے صوفوں میں سے درمیانی صوفے پر براجمان عمران مرزا پر پڑی تھیں اور دوسرے ہی پل ہونٹوں پر در آنے والی معنی خیز مسکراہٹ کو وہ نہ روک سکی تھی۔ ابھی وہ مسکرائی تھی کہ دروازے کی سمت آتے قدموں کی آوازوں پر وہ کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دروازہ کھلا تھا اور اندر دو ملازمائیں داخل ہوئی تھیں پھر بھاری قدموں کی چاپ اُبھری اور برہان لغاری اندر داخل ہوئے تھے۔

"بی بی کو نیچے لے کر چلو"۔

وہ اس کی جانب سے پشت کر کے ان دونوں ملازماؤں سے مخاطب ہوئے جوان سے پہلے آئی تھیں۔ کرن منتظر تھی کہ شاید اس سے ان کے پتھر دل میں کچھ گداز پیدا ہو جائے اور وہ پدری جذبے سے مرغوب ہو کر دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ دیں مگر...... وہ چٹان تھے کسی غیر کی طرح لاتعلق وانجان۔ اسے اپنے طرزِ عمل پر فخر محسوس ہونے لگا۔ یہ کہہ کر ٹھہرے نہیں تھے، اس سے مخاطب ہوئے بنا آگے بڑھ گئے۔ ایک نگاہ اس پر ڈالنا انہوں نے گوارا نہیں کیا تھا۔

کرن ملازماؤں کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگی۔ اوپر کا پورشن عبور کرنے کے بعد وہ نیچے آئی، راہداریوں سے نکل کر باہر آئی تو برہان لغاری کھڑے تھے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے رُکنے کو کہا اور گویا ہوئے۔

"باہر لوگ مجھ سے پوچھ رہے ہیں تم میری بیٹی تھیں تو کہاں تھیں، اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں؟ تمہاری ماں کون ہے اور کہاں ہے؟ بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں میں لوگوں کے سامنے۔ میں نے کہہ دیا تم اتنے عرصے سے امریکہ میں تھیں۔ وہیں پیدا ہوئیں اور پرورش پائی۔ تمہاری ماں بھی وہیں کی رہنے والی تھیں اور وہ کینسر میں مرگئیں۔ یہی بہتر تھا سب کو بتانا۔ اگر لوگ پوچھیں تو یہی بتانا"۔

بہت تند، بہت ناگوار لہجہ تھا۔ ان کے لہجے میں ندامت و پچھتاوے کی معمولی سی رمق نہ تھی۔ یہاں سے وہ اسے ساتھ لے کر مہمانوں میں آ گئے۔ پہلے والدہ حضور کے پاس لائے تھے۔ انہوں نے سلام کے جواب کے ساتھ دعاؤں سے نوازا تھا۔ پھر وہ مہمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ مہمانوں کی نگاہوں میں کرن کے لیے ستائش تھی، اشتیاق و تجسس تھا اور قبل اس کے کہ وہ ان میں گھرتی، کچھ لوگ ذکی الدین کے ساتھ اس طرف آتے دکھائی دیے۔ ذکی الدین، برہان لغاری کا دستِ راست و قابلِ بھروسہ آدمی تھا، یہ سب کو معلوم تھا۔ اس وقت ان بارعب پرسنالٹی و دراز قد والے بندوں کے ہمراہ آتے ہوئے ذکی الدین کے چہرے پر پھیلی وحشت و بدحواسی صاف نظر آ رہی تھی جس کو دیکھ کر نہ صرف برہان لغاری ٹھٹک گئے تھے بلکہ ان کا دل بھی بُری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

"سر پلیز! آپ اِدھر چل کر میری بات سنیں"۔

ذکی الدین قریب آ کر اس انداز میں بولے کہ ان کی آواز بمشکل نکل پا رہی تھی۔

"وہاں بیٹھو۔ ہم آتے ہیں ابھی"۔

وہ کرن کو صوفے کی طرف اشارہ کر کے ذکی الدین کے ساتھ اندر چلے گئے۔

برہان لغاری کے ہٹتے ہی ملازمائیں اپنے جلو میں اسے دُلہن کے لیے بنائے گئے اسٹیج کی طرف لے آئی تھیں۔ وہ کانپتے وجود کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بہت بہادر و سرکش تھی مگر اس وقت اس پر اپنی صنف کی کمزوری غالب آ رہی تھی۔

"یہ اسپیشل فورسز کے لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

مہمانوں میں سے کسی کی تعجب خیز آواز سنائی دی تھی۔

"لغاری صاحب کی سورسز بہت پاورفل ہیں، انوائٹڈ ہوں گے"۔ دوسری آواز زنانہ تھی۔

"کچھ گڑ بڑ لگ رہی ہے۔ یہ لوگ ایکشن میں لگ رہے ہیں"۔

چند لمحوں بعد تمام مہمانوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

اندر لاؤنج میں برہان لغاری غصے کی حدوں کو چھوتے ہوئے سامنے ٹیبل پر پڑے نکاح نامے کو گھورتے ہوئے مسلسل نفی میں گردن ہلا رہے تھے۔

"میں نہیں مان سکتا۔ یہ جھوٹ ہے، فراڈ کیا جا رہا ہے میرے ساتھ۔ میری بیٹی کی شادی آج ہو رہی ہے اس نے کورٹ میرج نہیں کی۔ جھوٹ ہے، یہ سب بکواس ہے میرے خلاف میرے دشمنوں کی سازش ہے، جس کو میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا"۔

بہت ضبط کے باوجود ان کی آواز لاؤنج کی حدود سے باہر نکلنے لگی تھی۔

"پلیز ٹیک اٹ ایزی برہان! سنبھالو خود کو۔ یہ بہت حساس معاملہ ہے۔ غصے اور جذبات سے بات نہیں بنے گی"۔

ان کے دیرینہ دوست سجاد منصور جو آئی جی کے عہدے پر فائز تھے، ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"تم...... تم بھی مجھے ایزی رہنے کا کہہ رہے ہو۔ جانتے ہو اس کمینے نے کیسا گیم کھیلا ہے میرے ساتھ...... میری جس بیٹی کی بارات میرے گھر اُتر چکی ہے اس بیٹی کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اس کی بہو ہے۔ اپنی مرضی و خوشی سے وہ چند دن قبل اس کے بدمعاش بیٹے سے نکاح کر چکی ہے؟ وہ میری عزت سے کھیل رہا ہے۔ میری ساکھ مٹی میں ملا رہا ہے اور تم کہتے ہو میں آرام سے رہوں"۔

ان کا اشتعال جنون میں بدل رہا تھا۔ مدثر اورانس نے بہت بڑی ضرب لگائی تھی۔

"یہ جھوٹ ہے، فراڈ ہے، جعلسازی ہے، میں شوٹ کر دوں گا ان کو، ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

انہوں نے ٹیبل سے اُٹھا کر نکاح نامے کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے کہا۔

"میری بات سنو۔ تماشہ مت بناؤ خود کو"۔

"میں تماشہ بنانے والوں کو جب تک قبروں میں نہیں پہنچا دوں گا، تب تک سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔ اس نکاح نامے پر جو ڈیٹ درج ہے، اس ڈیٹ کو کرن میرے گھر میں موجود تھی۔ وہ کہیں نہیں گئی ہے"۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے، ہماری خوشی میں خفیہ پولیس کا کیا کام ہے؟ باہر سب طرف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ پولیس ورنجبر نے ہماری کوٹھی کو گھیرے میں لے رکھا ہے"۔

والدہ حضور اندر آتے ہوئے سخت لہجے میں گویا تھیں۔ سجاد منصور نے مختصراً تمام صورت حال انہیں بتائی تو وہ اس طرح ڈھیلے انداز میں بیٹھی رہ گئیں جیسے غبارے سے یک دم گیس نکل گئی ہو۔

"نکاح ہوا ہے اور اسی ڈیٹ کو ہوا ہے تمہاری بیٹی نے بہ رضا و رغبت یہ نکاح کیا ہے۔ یہاں آنے سے قبل میں نے مکمل و ہر سطح سے تفتیش کی ہے اور ایک پروف بھی ہے میرے پاس"۔ سجاد منصور گویا تھے۔

''کیسا پروف؟''

''تمہاری گھریلو ملازمہ مائی سکینہ نے گواہی دی ہے''۔

مائی سکینہ کا نام ان ماں، بیٹے کی سماعتوں میں کسی بم کی طرح بلاسٹ ہوا تھا۔

''نمک حرام، آستین کا سانپ۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔ دیکھو کٹ گئی ہماری ناک، مل گئی مٹی میں عزت و آن، جس شمع کو برسوں سے سنبھالا تھا، لمحے بھر میں زمین بوس ہوگئی''۔

''میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اسے''۔

سخت وحشت وجنون میں وہ ریوالور لانے کے لیے بیڈروم کی طرف بڑھے تھے، اس وقت ان کی حالت دیوانوں کی مانند تھی، بال بکھر گئے تھے، منہ سے کف جاری تھا۔

ان کا دشمن انہیں شکست فاش سے دوچار کر چکا تھا۔ وہ کس طرح یہ سب برداشت کرتے۔ اتنا حوصلہ، اتنا تحمل ان کی سرشت میں نہ تھا۔ سجاد منصور کے علاوہ اور بھی حکومتی اعلیٰ عہدوں سے تعلق رکھنے والے افسران وہاں موجود تھے، جو صورت حال کو کنٹرول میں رکھنے کی سعی میں مصروف تھے۔

دراصل مائی سکینہ کے ہاتھوں سے ملنے والے تحریری پیغام کو پڑھتے ہی انس نے مدثر صاحب سے بات کی اور ان سے مشورے کے بعد نکاح نامے کی ڈپلی کیٹ اور اور یجنل کاپیز اور موی لے کر آئی جی سجاد منصور کے پاس پہنچا تھا، جو صورت حال جان کر سخت فکر مند و حواس باختہ ہو گئے تھے۔ وہ برہان لغاری سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے تو مدثر صاحب سے بھی گہرے مراسم تھے۔ دونوں اشخاص کی کاروباری ساکھ اور معاشی وسماجی حیثیت سے بھی وہ پوری طرح واقف تھے کہ دونوں ہی اعلیٰ و بلند مقام رکھتے تھے۔ بہت پھرتی اور توجہ سے انہوں نے حالات کا جائزہ لیا تھا اور کہیں بھی کوئی سقم یا جھول محسوس نہ کیا تھا۔

انہوں نے انس کو عمارت سے دور رکھا تھا، وہ یہاں سے چند میل دور اعلیٰ افسران واسپیشل ایجنسی والوں کی تحویل میں اپنی منکوحہ کا انتظار کر رہا تھا۔ حفاظتی تدابیر کے تحت یہ حکمت عملی اپنائی گئی تھی ورنہ انس بضد تھا یہاں ساتھ آنے کے لیے۔ پھر جو کچھ ہوا ان کی توقع سے بڑھ کر سب کچھ ہوا تھا۔ بہت مشکل سے برہان لغاری کو انہوں نے قابو کیا تھا جو کسی بھی طرح کرن کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ والدہ حضور نے انہیں بے قابو دیکھا تو بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ ان کے ہاتھ رکھتے ہی گویا وہ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گئے۔

''یہ کیا ہوا والدہ حضور! ہم سے کیا خطا ہوئی جو اتنی بڑی ذلت ورسوائی ہمارا مقدر ٹھہری ہے''۔ وہ بے دم سے نیچے قالین پر بیٹھ گئے تھے۔

''خطا تو ہوئی ہے ہم سے، جو اس کم ذات کو عزت دینا چاہی تھی اور اس نے وہی کیا جو اس کی فطرت تھی۔ ناگن کی اولاد ناگن ہی ہوتی ہے جن ہاتھوں سے دودھ پیتی ہے ان کو ہی ڈستی ہیں''۔

بہت بڑی چوٹ پڑی تھی ان کے پندار نفس پر، لہجے کی ساری گھن گرج مٹ گئی تھی۔

''اجازت ہے انس مدثر کو ان کی منکوحہ سونپنے کی؟''

سجاد منصور نے آہستگی سے مدعا بیان کیا تھا۔

''نہیں، وہ زندہ اس گھر سے نہیں جا سکتی ہے، یہ ممکن نہیں ہے''۔

''جذبات کو خود پر حاوی مت کرو برہان۔ یہ کیس چیف منسٹر تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ مدثر کی ریلیشنز بہت اعلیٰ پیمانے پر ہیں، اگر تم نے کوئی جذباتی حماقت کی تو معاملہ اوپر تک پہنچ جائے گا پھر جو کچھ ہوگا وہ ہمارے اختیار سے باہر ہوگا''۔ سجاد منصور نے رسانیت سے سمجھایا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے کم از کم میں اس کو زندہ اس گھر کی دہلیز عبور نہیں کرنے دوں گا''۔ وہ ہار کر بھی شکست ماننے کو تیار نہ تھے۔

''میں مجبور ہا ہوں، اس وقت جو تم پر گزر رہی ہے''۔

''تم سمجھ ہی تو نہیں رہے، اگر میری حالت کا اندازہ تمہیں ہوتا تو تم کہتے اس ذلت کو زندہ زمین میں دفن کر دوں، جس نے ہماری برسوں کی عزت پر خاک اڑائی ہے''۔ وہ اس لمحے ان سے بھی کبیدہ نظر آئے۔

''سجاد ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا۔ یہ جوش کا نہیں، ہوش کا موقع ہے۔ ہماری بے عزتی و رسوائی اس وقت جو ہوئی سو ہوئی، لوگ کب تک یاد رکھیں گے، اگر معاملہ بگڑ کر کورٹ تک پہنچ گیا تو بہت برا ہوگا۔ عقل مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو اس گھر سے نکال باہر کرو۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ لو۔ ہمیں اس سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔ کبھی بھی کسی صورت میں نہیں''۔

ان کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

کرن کی رخصتی لیڈی پولیس کی حفاظت میں ہوئی تھی۔ کامران مرزا اور عمران مرزا سے نہ معلوم کیا کہا تھا کہ وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ کچھ مہمان موجود تھے جو اس عجیب و حیران کن صورت حال پر تبصرے کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں سرگوشیوں میں ڈھلی ہوئی تھیں۔

''میں پاپا سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں''۔

گیٹ کی سمت بڑھنے سے قبل وہ رکتے ہوئے ہمراہ چلتے سجاد منصور سے گویا ہوئی۔

''وہ آپ سے بات نہیں کریں گے''۔

''مجھے بات کرنی ہے''۔

وہ سنجیدہ اور مضبوط انداز میں گویا ہوئی۔ سجاد منصور نے کچھ فاصلے پر رخ پھیرے کھڑے برہان لغاری سے اس کی گفتگو کرانے کی خواہش بیان کی تو انہوں نے منع کر دیا اور ان کے منہ سے کرن کے لیے مغلظات کا سیلاب امڈ پڑا تھا۔ شدید غصے و بے عزتی کے احساس نے ان کے ہوش و حواس گم کر دیے تھے۔

''میں آپ سے صرف یہ کہنے آئی ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی، کوئی ظلم نہیں کیا ہے بلکہ آپ کو وہی لوٹایا جو آپ نے

مجھے دیا۔ بچپن سے میں ایسی ذلت، رسوائی و بے عزتی سہتی آرہی ہوں جس کا احساس آج آپ کو بھی ہوا ہے۔ میں جا رہی ہوں اور نہیں جانتی کہ آگے میرا کیا مستقبل ہوگا۔ آپ کے دشمن کب تک میرے ہمدرد دوست رہ سکتے ہیں مگر بے حس و سنگ دل باپ سے دشمن بہتر ہیں"۔

آنسو خود بخود ہی اس کی آنکھوں میں بھرنے لگے تھے۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ رُکی نہیں تھی، گیٹ کی سمت بڑھ گئی تھی۔

"یار کیپٹن! خاصا ٹائم گزر گیا ہے، ذرا کال تو کرو تاکہ معلوم ہو کہ ظالم سماج کی دیواریں راستے سے ہٹیں یا ابھی حائل ہیں تاکہ کچھ کارروائی کی جائے"۔

پیپسی کا ٹِن ہوا میں اُچھالتے ہوئے وہ کیپٹن ریاض سے بولا۔

"یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے۔ صبر کرو میری جان صبر۔ بہت بڑا پنگا لیا ہے تم نے۔ بچت اسی میں ہے کہ صبر کرو۔ بے قراریوں کو ہوا نہ دو کہ یہ وہ چنگاریاں ہیں جو دامن پر لگیں تو داغ چھوڑ جائیں گی"۔

"داغ تو ہم نے لگا دیا ہے ایسا بدنما و بھدا کہ دُنیا کا مہنگے سے مہنگا واشنگ پاؤڈر بھی وہ داغ مٹا نہ پائے گا"۔ طویل عرصے بعد وہ اپنی پرانی ترنگ میں آیا تھا۔

فتح کی خوشی

جیت کا نشہ

اسے شوخ بنا رہا تھا۔ کھلکھلانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"شرم کرو کچھ۔ کیسے بھی ہیں اب وہ تمہارے فادر اِن لاء ہیں۔ داغ لگانے کے بجائے تمہیں ان کے پاؤں دھو دھو کر پینے چاہئیں"۔

کیپٹن ریاض سے حال ہی میں اس کی دوستی ہوئی تھی اور وہ اس کی مکمل ہسٹری سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نیک نیتی سے مشورہ دے رہا تھا۔

"یہ کام تم کر سکتے ہو میں نہیں۔ بائی دا وے تم نے کتنی مرتبہ اپنے سسر کے پاؤں دھو دھو کر پیے ہیں؟"

"میں اس سعادت سے محروم رہا یار۔ میری شادی سے قبل ہی وہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے"۔ ریاض ہنس کر بولا۔

"اوہو! حسرت ان غنچوں پر ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"۔ انس نے کہا اور دونوں ہنس پڑے تھے۔

"اور تم خود اپنے لیے حسرت کا سامان پیدا کر رہے ہو۔ کھلے ہوئے غنچوں کو مرجھانے کا۔ دراصل انسان کی فطرت رہی ہے کہ جو شے اسے حاصل ہوتی ہے اس کی وہ قدر نہیں کرتا اور جس سے وہ محروم ہو چکا ہوتا ہے اس کی چاہ میں زندگی کو روگ بنا لیتا ہے"۔

کیپٹن ریاض کہہ رہا تھا اور وہ ذہنی طور پر یہاں سے غائب تھا۔ اس کے تصور کی اسکرین پر برہان لغاری کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اکڑی ہوئی گردن اور رعونت بھرے لہجے والے برہان لغاری کی ممکنہ حالت کا سوچ کر وہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شاطر دماغ و عیار سوچوں

والے شخص نے اس کے ہاتھوں ایسی زک اُٹھائی تھی کہ اسے یقین تھا کہ آخری دم تک وہ اپنی شکست و ریخت پر نادم رہے گا۔

''کیا خیالوں میں بھی بھابی کے پاس پہنچ گئے ہو؟ حد ہے یار ایسی بے تابی و بے قراری بھی کیا''۔

ریاض اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتا ہوا بولا۔

''تم کیا سمجھو گے میرا حال''۔ وہ مسکرا کر زومعنی لہجے میں گویا ہوا۔

''سب سمجھتا ہوں اور بخوبی سمجھتا ہوں۔ چلو خوش ہو جاؤ انتظار کی گھڑیاں بیتنے والی ہیں۔ آپ کی بیگم کی رخصتی ہو گئی ہے۔ وہ پہنچنے والی ہیں''۔

ریاض نے وہاں سے موصول ہونے والی تازہ انفارمیشن پہنچائی تو جیت کی خوشی سے وہ جھوم اُٹھا تھا۔

برہان لغاری کو آج اس نے وہ سبق دیا تھا جو وہ تا حیات نہیں بھول سکتا تھا۔ بہت بڑے کاروباری نقصانات وہ انھیں پہنچا تا رہا تھا اور اس نے ایک ہی جھٹکے سے تمام حساب کلیئر کر دیئے تھے۔ وہ کہانی جس کا آغاز محبت کی شبنم و چاہتوں کے مہکتے پھولوں سے ہوا تھا۔ اسے انجام نفرت کے کانٹوں اور انتقام کے تہس نہس کر دینے والے شعلوں نے دیا تھا۔

محبت والفت، انا و انتقام کی جنگ بن گئی تھی۔

ان کے اردگرد کھڑے چوکنا نوجوان الرٹ ہو گئے تھے۔ خود کیپٹن ریاض بھی سنجیدہ ہو چکا تھا، کچھ دیر بعد کئی گاڑیاں یکے بعد دیگرے وہاں آ کر رکی تھیں۔ سب سے آگے پرائیویٹ کار سے آئی جی سجاد منصور نکلے تھے جنہیں دیکھ کر اسپیشل سروسز کے نوجوانوں نے سلیوٹ کیا تھا۔ کیپٹن ریاض بھی مئودب کھڑا تھا۔

''تھینکس سر! اس وکٹری میں بہت مورل سپورٹ رہی ہے آپ کی''۔ انس ان سے ہاتھ ملاتا ہوا سنجیدگی سے کہہ اُٹھا۔

''میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے نہ برہان کی کوئی ہیلپ کی ہے۔ میں نے اپنی ڈیوٹی ادا کی ہے لیکن یہ جو کچھ بھی ہوا ہے، بہت خطرناک ہے۔ اس کی تباہی بہت دور تک پھیل سکتی ہے۔ یہ اچھا نہیں ہوا ہے۔ یہ سب کرنے سے قبل تم میرے پاس آ جاتے تو میں سب سنبھال لیتا''۔ اسی لمحے ایک کار تیزی سے ان کے قریب آ کر رکی تھی۔ اگر بر وقت وہ انس کو دوسری طرف نہ کر دیتے تو وہ پوری طرح اس کی زد میں تھا۔

......❀......

سناٹے میں یک دم بریک لگانے کی تیز آوازیں دور دور تک گونجی تھیں۔ فورسز نے برق رفتاری سے پوزیشنیں سنبھالی تھیں۔ کیپٹن ریاض، انس کے سامنے ایستادہ ہو گیا تھا۔ کرن بھی گھبرا کر کار سے نکلی تھی اور اسی لمحے اُس طوفانی رفتار سے آنے والی کار کا دروازہ کھول کر منال باہر نکلی تھی۔ وہ جتنی تیزی سے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی، کرن پر پہلی نگاہ اُس کی پڑی تھی۔ بنی، سنوری عروسی لباس میں کرن کو دیکھ کر وہ ساکت و جامد رہ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں استعجاب در استعجاب اُتر آیا، جبکہ اس کو دیکھ کر کرن کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی و گھبراہٹ اعتدال پر آ گئی تھی۔

منال کی استعجابیہ نگاہوں میں خون خواری اُتر آئی۔ اُسے دیر نہ لگی سب سمجھنے میں۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ یہاں سے گزرتے ہوئے انس کو دیکھ کر رُک گئی تھی۔ صورت حال کا ادراک اُسے متوحش کر گیا تھا۔ شعلوں میں وہ پہلے ہی گھری ہوئی تھی۔ ''میں تجھے ماردوں گی، میں تجھے ماردوں گی''۔ وہ آگے بڑھی مگر سجاد منصور کی مداخلت کے باعث اُس تک نہ پہنچ سکی۔ وہ خوب چیخ رہی تھی، گالیاں بک رہی تھی۔ انس آگے بڑھا اور کرن کے گرد بازو ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

''انکل! مجھے چھوڑ دیں، میں ماردوں گی اس کو، اس نے مجھے برباد کر دیا، تباہ کر دیا''۔ پریشان زلفیں، پیشانی پر بندھی پٹی، بلکے لباس میں خون کے جابجا دھبے، زرد چہرہ وآنکھوں میں نقاہت وحشت محورقص تھی۔ اُس کی حالت ابتر اور ذہنی توازن درست نظر نہیں آرہا تھا۔ سجاد منصور اُس کو سمجھانے کی سعی کر رہے تھے اور وہ اُن کی باتوں پر توجہ دیئے بغیر چیخ رہی تھی۔

''میں کیوں تمہیں برباد کروں گا؟ تم سے میری کیا دشمنی ہے؟ نہ معلوم تم کس غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو''۔ انس ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے آگے بڑھا تھا۔ اُس نے خاموش کھڑی کرن کا ہاتھ بڑے استحقاق بھرے انداز میں پکڑا اور شعلہ بنی منال سے مخاطب ہوا۔

سجاد منصور کی گرفت سے نکلنے کی سعی میں وہ خون خوار انداز میں کچھ مزید نازیبا الفاظ سے نوازنا چاہتی تھی کہ ایک دم اس کی برداشت جواب دے گئی اور وہ سخت لہجے میں بولا۔

''بکواس بند کرواپنی، کس حق کی بنا پر تم اتنی اکڑ رہی ہو؟''

''محبت کی ہے تم نے مجھ سے اور شادی کا وعدہ''۔

''جھوٹ بالکل بکواس، ایک شادی شدہ عورت سے محبت اور شادی کا وعدہ!...... یہ سب باتیں میرے نہیں تمہارے کریکٹرلیس ہونے کا ثبوت ہیں کہ تم کتنی باکردار عورت اور وفادار بیوی ہو جو ایک غیر مرد کی ہمدردی کو محبت سمجھ کر نہ صرف خوش فہمی میں مبتلا ہو بلکہ اپنے بسے بسائے گھر کو ہی توڑ ڈالنے کے سپنے دیکھنے شروع کر دیئے''۔

''یہ سب کرنے کے لیے تم نے مجھے اُکسایا، میرے قدم بہکے تو راستہ دکھانے والے تم بنے، اگر میں نے اپنے گھر کو توڑا تو ترغیب دینے والے تم تھے، میری میرڈ لائف میں آگ تم نے لگائی، مجھے حد سے گزر جانے پر تم نے مجبور کیا اور پھر بے حد چالاکی و مکاری سے میرے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے والے بھی تم ہو، میں تمہیں معاف نہیں کروں گی، جو کھیل تم نے میرے ساتھ کھیلا ہے اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا''۔ اُس کی آواز میں پنہاں وحشتیں ماحول میں گونج اُٹھی تھیں۔ اُس کی سرخ وحشت بھری نگاہیں کرن کے وجود پر مرکوز تھیں جو سانس لیتے مجسمے کی مانند نظر آرہی تھی۔ گم صم، خاموش، بے حس وحرکت۔

''پرواہ نہیں، میری زندگی کے تمام رنگ تم نے اپنی کج روی سے بے رنگ کر دیئے تھے، آج مجھے زندگی، زندگی محسوس ہو رہی ہے اب میں مکمل ہوا ہوں، مجھے مکمل رہنا ہے اپنی مرضی، اپنی خواہش سے، جیون سنوارنا ہے۔ شاہراہ حیات پر اپنی من پسند شریک حیات کا ہاتھ تھام کر زندگی گزارنا ہے۔ مجھے ایک وفادار و وفا پرست بیوی کی ضرورت تھی، تا کہ میرے بے چین وٹھکرائے ہوئے دل کو دشت دشت، صحرا

صحرا، بگر بگر بھٹکنا نہ پڑے۔ ایک بے وفا عورت کا زخم، ایک وفا پرست وایثار پرست عورت ہی بھر سکتی ہے۔ میرا گھر آباد ہو گیا ہے اور دل بھی۔ کرن ایک ایسی ماں کی بیٹی ہے جنہوں نے تمام عمر حیا و وفا کی پاسداری میں گزاری اور جس وقت اُن پر الزام لگایا گیا بے وفائی کا، بے حیائی کا، اُسے لمحے انہوں نے زندگی کو ٹھوکر ماری اور موت کی آغوش میں چلی گئیں۔

ایک عورت کی وفا

ایک عورت کی حیا

ایک عورت کی توقیر

اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ ساری عمر کا تقدس و پاک بازی انہوں نے لمحوں میں ثابت کر دی اور ہمیشہ کے لیے سُرخرو ہو گئیں۔ ایسی عظیم ماں کی بیٹی سے وفا کی اُمید کی جا سکتی ہے تم سے نہیں۔ تم دولت پرست اور نفس پرست ہو تم سراپا ہوس وطمع ہو، تمہیں چراغِ خانہ بننا منظور نہیں، کیونکہ تم تو شمعِ محفل ہو، اپنے حُسن کے شعلوں سے بیک وقت کئی پروانوں کو جل کر مرتے ہوئے دیکھ کر راحت محسوس ہوتی ہے۔ تم بس اپنے حُسن کے قصیدے پڑھنے والوں کی گرویدہ رہیں، تم شروع سے مکار اور خود غرض تھیں۔ جال ڈال کر شکار پھنسانا پھر شکار کی تڑپ کا مزہ لوٹ کر اُسے گھائل کر کے چھوڑ دینا تمہارا پرانا مشغلہ ہے''۔ انس مدثر کے لہجے میں کچھ ایسی تڑپ وجاذبیت تھی کہ سب دم بخود سن رہے تھے۔ اُس کی بھاری آواز خاموشی کی چادر کو چیرتی ہوئی ہر سمت پھیل چکی تھی۔

''تمہیں اپنی مدح سرائی پسند ہے، اپنی تعریف سے تم کبھی بور نہیں ہوتی ہو، کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟ آسمان سے اُتری کوئی حور؟ اجنبی دیسوں کی اپسرا؟ بہت اہم ہستی ہو تم؟ آج پہلی اور آخری بار یہ سمجھ لو، عورت اپنے کردار اور اخلاق سے بنتی ہے اور تم میں یہ خوبیاں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، تم سے ہر وہ رشتہ استوار کیا جا سکتا ہے جس کی حدیں اخلاقیات کے دائروں سے باہر کی سمت بہہ نکلیں''۔

''شٹ اپ۔ شٹ اپ یو!'' مارے غصے وجنون کے اُس کی آنکھیں اُبلی پڑی تھیں۔ شدت سے چیخنے سے آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ چہرہ سُرخ انگار بن گیا، باچھوں سے کف بہہ نکلا تھا۔ وہ ہذیانی انداز میں اب سجاد منصور کو ہی نوچ کھسوٹ رہی تھی جو اُسے آگے بڑھنے سے روک رہے تھے، اس وقت وہ بالکل قابو سے باہر تھی اور مکمل طور پر حواس سے بیگانہ۔ پے در پے صدمات نے اُس کے حواس مختل کر دیئے تھے۔

''کم آن یار! سنبھالو خود کو، بھابی کو لے کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ کب وہ بگ ڈیول آ جائے اور معاملہ ہاتھوں سے نکل جائے، بھروسہ نہیں ہے، تم جتنی جلد ہو سکے یہاں سے بلکہ اس شہر سے اس ملک سے نکل جاؤ، چند سالوں میں معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو لوٹ آنا''۔ کیپٹن ریاض اُس کے نزدیک آ کر سنجیدہ و فکرمند لہجے میں گویا ہوا۔

''یہ دوستی ہے تمہاری، مجھے بزدلی کا سبق پڑھا رہے ہو''۔ انس اُس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ کرن کو وہ کار میں بٹھا چکا تھا۔

''تم مجھے عزیز ہو خود سے بڑھ کر اور نہیں چاہتا کہ تمہیں معمولی سی بھی خراش آئے، دراصل حالات کا تقاضہ یہی ہے۔ ناگ

خطرناک ہوتا ہے اور اگر زخمی ہو جائے تو اپنا بدلہ ہر ممکن طریقے سے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ تم نے برہان لغاری کو سرِ عام گھائل کیا ہے۔ اُس کی عزت، اُس کی شان وشوکت، نام و خاندانی شجرے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ وہ ہزاروں ناگوں سے بھی زیادہ خطرناک بن چکا ہے۔ وطن چھوڑ دینا، بزدلی نہیں، دانش مندی ہے۔ دیکھو زخم ابھی تازہ تازہ ہیں تو درد و تکلیف بھی حد سے سوا ہو گی، جیسے جیسے زخم بھرتے جائیں گے، درد و تڑپ میں کمی آتی جائے گی اور رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے، زخم بھر جائیں گے، درد رفع ہو جائے گا، بس صرف باقی بچیں گے تو نشان اور نشان صرف یاد دلاتے ہیں، درد نہیں دیتے، پھر بھولی بسری یادوں سے کون قیامت برپا کرتا ہے"۔ کیپٹن ریاض نے اُسے تمام اونچ نیچ سے آگاہ کر دیا تھا۔

"تمہاری محبت کا بے حد شکریہ مگر یاد رکھنا ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور۔ خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا، او کے اجازت دو، سجاد انکل کا بھی میری جانب سے شکریہ ادا کر دینا"۔

کیپٹن ریاض سے ہاتھ ملاتے ہوئے اُس نے سرسری نگاہوں سے اُس طرف دیکھا تھا جہاں سجاد منصور وائل کاروں کی مدد سے منال کو کار میں بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے، وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اُن پر حملے کر رہی تھی۔ اُس کی گھٹی گھٹی آوازیں، نوچنے، کاٹنے کا انداز چہرے سے برستی وحشت ثابت کر رہی تھی، وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ اُس نے فوراً آنکھوں پر ڈارک گلاسز لگا لیے تھے اور کار کی طرف بڑھ گیا جہاں کرن فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس نے گردن خاصی جھکا رکھی تھی۔ منال کی طرف اُس سے دیکھا نہ جا سکا تھا۔

اس نے بنا کچھ کہے کار اسٹارٹ کر دی تھی اور اُن کے پیچھے دوسری گاڑیاں بھی پروٹیکشن کے خیال سے روانہ ہوئی تھیں جنہوں نے اس طرح گاڑیاں رکھی تھیں کہ آگے پیچھے وہ گاڑیاں تھیں اور درمیان میں اُن کی کار یہ سب احتیاطی تدابیر کے تحت کیا گیا تھا۔

اُن کو منزلِ مقصود پر پہنچا کر گاڑیاں واپس چلی گئی تھیں۔

"کرن! ہمیں یہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد نکلنا ہو گا، جو کچھ ہوا اور جو اب ہو سکتا ہے اس حقیقت کا ادراک آپ کو مجھ سے زیادہ ہو گا، آپ سمجھ رہی ہیں نا جو میں کہنا چاہ رہا ہوں؟" کار ایک شان دار، بلند و بالا عمارت کے بیسمنٹ میں کھڑی تھی۔ اُس ونڈ اسکرین پر نگاہ جمائے نرم لہجے میں اُس سے مخاطب تھا۔

ایک گھنٹے قبل منال سے بات کرتے وقت جو درشتگی، تلخی و بربریت اُس کے چہرے اور لہجے میں تھی وہ مفقود ہو چکی تھی۔ اُس کا چہرہ اب سپاٹ تھا، ہر قسم کے جذبات سے عاری و بے نیاز۔ گلاسز اُتار کر وہ رکھ چکا تھا۔ اس وقت اُس کے چہرے پر سب میں نمایاں اُس کی آنکھیں تھیں۔ سرخ سرخ انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی مضطرب آنکھیں، جن میں شاید جھوٹی و فریبی محبت کا خون سرخی بن چکا تھا۔ جواباً کرن کی گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز نے اُسے چونکا ڈالا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہیں؟" وہ اُس کی طرف دیکھتا ہوا پریشانی سے گویا ہوا مگر کرن نے کوئی جواب نہ دیا، وہ اسی طرح چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے بے آواز روتی رہی تھی۔

"پلیز...... پلیز روئیں نہیں"۔ اس کی سمجھ نہیں آیا کس طرح اُسے تسلی دی، خاموش کروائے جو اس پر گزر رہی تھی اس کا مکمل تو نہیں مگر کچھ احساس اسے بھی تھا۔ لڑکی کا اس طرح سب کو چھوڑ آنا وہ بھی اُس وقت جب بارات گھر میں موجود ہو کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بے شک وہ محرومیوں و نارسائیوں میں پل کر جوان ہوئی تھی باپ کے ظالمانہ، تحقیرانہ سلوک نے اسے منتقم مزاج و سر پھری بنا ڈالا تھا، لیکن پُر خلوص محبت، بے لوث چاہت اور خیال کرنے و اپنا سمجھنے کا احساس اُسے ملتا تو وہ جوان جذبوں کو ترسی ہوئی تھی، اُس کی حیات کو جب یہ جاوداں کرنے والے جذبے ملتے تو وہ سب فراموش ہو جاتا، خواہ پیاس صدیوں کی ہو چند بوند امرت کے اس کو سیراب کرنے کو کافی ہوتے ہیں۔ پیار کی ایک نظر نفرت کے بارود کو فنا کر ڈالتی ہے۔ محبت چٹانوں سے مضبوط، زمین سے وسیع تر ہے مگر باپ کے ہاں اس کی تشنگی حد سے سوا ہو گئی تھی۔ محبت شفقت کے خاکستر گلستان میں نفرت، حقارت و سفاکی کے کانٹوں سے اُسے لہولہان ہونا پڑا۔ قدم قدم ذلت و تذلیل کے طوق اس کے گلے میں ڈالے گئے تھے۔ اُس کی ماں کے اور اُس کے کردار میں نشتر زنی کی گئی تھی اور آخر میں اُس کی باپ کی عمر کے آدمی کے پلے اُسے اس لیے باندھا جا رہا تھا تا کہ کل کو وہ جائیداد میں سے اپنا حق نہ مانگ بیٹھے۔ عمران مرزا جو ازحد عیاش طبع و بدفطرت شخص تھا۔ جس کی کئی بیویاں اُس کی اذیت پسندی کا شکار ہو کر مر چکی تھیں۔ شراب و شباب کی محفلوں کا وہ شیدائی تھا، نہ معلوم کتنی لڑکیوں، عورتوں کی زندگیاں وہ تباہ کر چکا تھا۔ برہان لغاری اُس کی پوری ہسٹری سے واقف تھے۔ اس کے باوجود وہ کرن کے ساتھ اس کی شادی پر تیار تھے۔ ان حالات نے اُس کے اندر ایسا غم و غصہ بھرا کہ وہ انہیں سزا دینے کے لیے اس ناپسندیدہ و انتہائی اقدام کو انجام دینے سے نہ ہچکچائی تھی۔ اب غصہ ٹھنڈا ہوا۔

عقل ٹھکانے پر آئی، شعور نے جاگ کر انگڑائی لی تو اُسے محسوس ہوا جو کچھ وہ کر آئی ہے، وہ مناسب تھا یا نہیں؟

"ٹیک اِٹ ایزی، جو ہونا تھا وہ ہو چکا شاید...... یہ اسی طرح ہونا تھا، پچھتاوے ملال، دُکھ و رنج، مسرتیں و راحتیں یہ موسموں کی طرح بدلتی رہتی ہیں۔ آپ پہلے مرحلے میں ہی ہمت ہار چکی ہیں تو آگے کے کٹھن مراحل کس طرح عبور کریں گی؟" اُس نے دائیں ہاتھ سے اُس کا جھکا ہوا چہرہ اوپر کیا اور اُس کے اندر بجلیاں سی کوند گئیں۔

یہ وہی چہرہ تھا

وہی خد و خال

وہی قاتل نقوش و جاذبیت کا سحر انگیز انداز

وہ منال سے ملتی تھی، مگر اتنی زیادہ مماثلت نظر نہ آتی تھی مگر اس وقت اُس کا ہر نقوش مکمل طور پر منال کا عکس چرائے ہوئے تھا۔ اُس نے جب بھی اُسے دیکھا، سادہ لباس و میک اپ اور جیولری کے بغیر اب تو وہ بناؤ سنگھار کے ہتھیاروں سے عروسی سج دھج سے حشر برپا کرتی لہولہو منال لگ رہی تھی۔

اُس نے ایک نگاہ ڈالی تھی

پھر جھکا نہیں سکا تھا۔

کرن نے اُس کی نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کیں تو رونا بھول کر گھبرانے لگی، اس کی جھکی ہوئی نگاہیں مزید جھک گئی تھیں۔

"مجھے تمہارا ساتھ چاہیے، جیون کے اندھیرے تمہاری وفا کی روشنی سے منور ہوں گے تو میں ادھورا بندہ مکمل ہو کر منزل پا سکوں گا"۔ وہ اُسے شرماتے دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا اور اُس کا مخروطی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دھیرے سے دباتے ہوئے بولا۔

☆......☆......☆

حمزہ راحیلہ بیگم کے ساتھ مائرہ آنٹی کے ہاں آ گیا تھا جہاں اُن کا استقبال پُر تپاک طریقے سے کیا گیا۔ حمزہ انہیں سلام کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ راحیلہ اور مائرہ درمیانی صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"عاصم اور صمد نہیں آئے؟" وہ پرپل ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے بولیں۔

"صمد تو آج کل اسپتال کا ہی بن کر رہ گیا ہے۔ ڈے نائٹ ڈیوٹی لگ رہی ہے اُس کی راتوں کو تو سمجھو وہ گھر میں ہوتا ہی نہیں، دن ہوتا ہے تو وہ بھی نہ ہونے کے برابر، نماز کے اوقات میں جاگتا ہے، کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں ہوتا۔ بس سونا، سونا اور اپنے وقت پر تیار ہو کر چلا جاتا ہے۔ میں اُس کی صورت ڈھنگ سے دیکھنے کو ترس گئی اور عاصم کے موڈ کو تو تم جانتی ہو اگر ایک بار کسی کام کو ناں کر دیں تو پھر ہاں نہیں کرتے۔ بعد میں آنے کا کہہ رہے تھے"۔

"چھوڑیں باجی! کوئی بات نہیں اُن کا اپنا گھر ہے جب چاہے آئیں، گھر کے دروازے اُن کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ حمزہ نے اپنی خالہ کے لیے ٹائم نکالا، یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے"۔ وہ حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

حمزہ کی طبیعت مکدر ہو کر رہ گئی، وہ اس محبت اور خصوصی عنایات کے پس منظر سے واقف نہ ہوتا تو محبت و اپنائیت کے ان مظاہروں کو خوش نصیبی سمجھتا مگر اُن کی محبتوں میں پنہاں غرض، اپنائیت میں پوشیدہ مفاد نے اُسے بیزار کر ڈالا تھا جس کو چھپائے وہ خاموشی سے اُن کی گفتگو سن رہا تھا، بغیر کسی اچھے جذبے کے۔

"سچ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے اور مجھ سے زیادہ مہوش خوش ہے۔ رات سے ہی کھانے کا مینیو ترتیب دے چکی تھی۔ آج سارا دن ہو گیا اُسے کچن میں کام کرتے ہوئے، کہہ رہی تھی تمام ڈشز اپنے ہاتھ سے بناؤں گی"۔ وہ بیٹی کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

"ماشاء اللہ، ماشاء اللہ مائرہ! مہوش تمہاری اکلوتی بیٹی ہے مگر سعادت مندی و سگھڑاپے میں اس کو ہزاروں لڑکیوں پر سبقت حاصل ہے بھلا آج کل کی لڑکیوں کو کہاں چولہے ہانڈی سے رغبت ہے"۔

"اکلوتی بیٹی کی تربیت بہت سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے اور میں نے مہوش کی تربیت میں کوئی کمی، کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے"۔ نہ معلوم کب تک مہوش نامہ نشر ہوتا کہ ملازمہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو سب سے پہلے حمزہ کھڑا ہوا تھا۔

کھانے کی میز بہت خوب صورتی سے آراستہ کی گئی تھی۔ تازہ پھولوں کی دل کش سجاوٹ نے آنکھوں پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ کھانا پُر تکلف و مزے دار تھا۔

"جگ جگ جیو، بہت عرصے بعد اتنا مزے دار کھانا کھایا ہے، تمہارے ہاتھوں میں اپنی ماں سے زیادہ ذائقہ ہے۔ دلوں پر راج کرو گی"۔ راحیلہ نے مہوش کی پیشانی چومتے ہوئے بیگ سے پیک شدہ گفٹ نکالا اور اُسکی جانب نثار ہونے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"یہ تمہارا گفٹ ہے"۔

"تھینکس خالہ جانی! آپ اتنی تعریفیں کر رہی ہیں مگر حمزہ نے کوئی ایک لفظ تعریف کا نہیں کہا ہے"۔ وہ گفٹ پکڑتے ہوئے دور کھڑے حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے شکایتی انداز میں بولی۔

"ایپل پائی اور فروٹ کسٹرڈ بہت ٹیسٹی تھے"۔ اُسے اخلاقاً بولنا پڑا۔ اُس کے سپاٹ انداز پر مہوش بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ تعریف تو ایسے کر رہے ہیں جیسے کوئی گن پوائنٹ پر آپ کو مجبور کر رہا ہو"۔ وہ سمجھ دار تھی، اُس کا انداز بھانپ گئی تھی۔

"ارے...... ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ جھینپ گیا۔

"مہوش! حمزہ کو اپنا کمپیوٹر دکھاؤ، بچہ تنہا بور ہو رہا ہے"۔ وہ حقیقتاً اُن کی سنگت میں سخت بوریت محسوس کر رہا تھا، سو مہوش کے کہنے پر اُٹھ کر اُس کے ساتھ اوپر چلا آیا تھا۔

"مہوش! میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ ٹیرس پر رکھی کرسیوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کرتا ہوا استفسار کرنے لگا۔

"کیوں نہیں، آپ کو اجازت کی ضرورت کیوں پیش آئی حمزہ! کیا آپ ہمیں اپنا نہیں سمجھتے ہیں؟" اپنے روم کی جانب بڑھتی ہوئی مہوش رُک کر حیرانگی سے گویا ہوئی۔

"بات بیگانگی واپنائیت کی نہیں ہے اخلاق کی ہے"۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"اوکے، کیا آپ میرے روم میں نہیں چلیں گے...... آئی مین کمپیوٹر دیکھنے۔ مما نے کہا ہے"۔ حمزہ کی ازحد سنجیدگی نے اُس جیسی بولڈ کونفیڈنٹ لڑکی کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"نہیں۔ مجھے یہاں اچھا محسوس ہو رہا ہے"۔

"اوکے، ایز یو وش، میں ابھی کولڈ کافی لے کر آتی ہوں"۔ وہ کچھ جھنجلائی ہوئی سی نیچے چلی آئی اور دبے قدموں سے مما کے بیڈ روم میں گھس کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی کہ کہاں کوئی کمی رہ گئی جو حمزہ کو اُس کی طرف ایک نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہ ہوا۔

ریڈ ٹراؤزر پر اسکائی بلو اور ریڈ ستاروں، موتیوں کا دیدہ زیب کام تھا جس کے گہرے کٹس سے اس کی سفید گداز پنڈلیاں کسی حد تک نظر آرہی تھیں۔ شارٹ شرٹ ریڈ اور اسکائی بلیو کلر میں تھی، اُس پر بھی ویسے ہی کڑھائی بہار دکھا رہی تھی جس کی آستینوں کے کٹس بھی پورے بازو عریاں کر رہے تھے۔ کانوں میں ٹاپس جھلملا رہے تھے۔ گلے میں تصویر نما چوڑا سا نیکلس اس کی گردن کی خوب صورتی بڑھا رہا تھا۔ گولڈن کرلی بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے کا میک اپ بھی جوں کا توں تھا، کوئی کمی اُسے نظر نہ آئی تھی۔

پھر بھی وہ ایک نظر کی مستحق نہ ٹھہری تھی۔ اس کی امیدوں پر اوس گرنے لگی۔ حمزہ جیسے وجیہہ اور شاندار شخص کے لیے اُس نے

بڑے دل فریب سہانے خواب دیکھ ڈالے تھے جن سے دست برداری کسی طرح بھی منظور نہ تھی۔ اُمید کی بجھتی شمعوں کو اُس نے از سرِ نو آگ دکھائی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی لپ اسٹک سے ہونٹوں کو مزید گہرا کر کے وہ باہر نکل گئی تھی۔ مہوش کے جاتے ہی حمزہ نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

موسم بدل رہا تھا، سردی کی آمد آمد تھی، گرمی رخصت ہو رہی تھی، دن میں سورج تپش پھیلاتا تو رات میں ہوائیں ٹھنڈک بچھانے لگتی تھیں۔ اس وقت بھی ہوا میں ہلکی خنکی تھی جو جسم کو عجیب سی طمانیت بخش رہی تھی۔ ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ رکھے گملوں میں رات کی رانی کے پھول بے شمار کھلے ہوئے مسحور کن خوشبو پھیلا رہے تھے۔ آسمان صاف تھا۔ اُس کے وسط میں پورا چاند جگمگا رہا تھا۔ اُس کے اِرد گرد بھی تاروں کی بساط میں ستارے چمک رہے تھے۔

بڑا خاموش سماں تھا۔

آدھی رات، پورا چاند، رات کی رانی اور مہکی مہکی فضائیں اُس کے اندر سناٹے گونجنے لگے تھے۔ دل و دماغ پر چھایا وہ عکس چاندنی کے غبار میں ڈھلنے لگا تھا۔

"مجھے معاف کر دو، معاف کرو مجھے، کیوں چلی آتی ہو تم میری بے بسی کا تماشہ دیکھنے؟ میری تڑپ، میری بے قراری سب میرے لیے ہیں، میرا روگ ہے، المیہ ہے میری زندگی کا، جو صرف میری میراث ہے، میری پراپرٹی ہے، جب میری زندگی سے نکل گئی ہو تو میری روح سے بھی نکل جاؤ، میرے دل سے بھی نکل جاؤ، میرے خوابوں سے، میرے خیالوں سے، میری سوچوں سے، میرے تصور سے، میری دھڑکنوں سے، میری نگاہوں سے نکل جاؤ...... نکل جاؤ، مجھے جینے دو، مجھے مرنے دو۔

کتنی ظالم ہو تم!

کتنی سفاک ہو تم!

نہ جینے دیتی ہو نہ مرنے

نہ اپناتی ہو، نہ ٹھکراتی ہو، نہ آتی ہو، نہ یادوں سے جاتی ہو، کیا کروں میں؟ کہاں جاؤں میں؟ تم نے مجھے کسی قابل نہیں چھوڑا"۔

چاند کی گولائی میں کرن کی صورت پوری طرح اُتر آئی اور اُس کی روح میں گھائل تار بُری طرح سے جھنجلا اُٹھے اور چیخ اُٹھا۔

"حمزہ! حمزہ! کیا ہوا؟" مہوش اُسے بڑبڑاتے دیکھ کر تیزی سے اوپر آ کر مخاطب ہوئی۔

مہوش کی آواز اُسے حواسوں میں لے آئی تو اُس نے چونک کر دیکھا چاند صاف تھا، گویا اُس میں کوئی عکس نمایاں نہ ہوا تھا۔ یہ سب تو اس کا تصور تھا جو کبھی چاند میں، پودوں میں، پھولوں میں، برتنوں میں تو کبھی پانی پیتے ہوئے گلاس میں مجسم ہو جایا کرتا تھا۔

پھر سب کچھ فراموش ہو جاتا، پس پردہ چلا جاتا بالکل اسی طرح۔

"اوہ...... سو...... سوری، شاید میں سو گیا تھا۔ مجھے عادت ہے نیند میں باتیں کرنے کی"۔ وہ کھڑا ہوتا ہوا خجالت آمیز لہجے میں بولا۔

"یہ نیند میں باتیں کرنے والی عادت تو بڑی انٹرسٹنگ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی کوئی پرائیویسی نہیں رہتی جو کچھ وہ دن بھر کرتے ہیں، وہی رات بھر نیند میں دہراتے ہیں۔ رئیلی آپ کی وائف کے تو مزے ہوں گے۔ اس سے چھپا کر آپ کوئی افیئر چلائیں گے بھی تو وہ سب جان لے گی"۔ مہوش ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں تم سے عمر میں کافی بڑا ہوں، پلیز مجھے نام سے نہیں پکارا کرو۔ میرے نام کے ساتھ بھائی لگایا کرو۔ حمزہ بھائی، چھوٹی بہنیں، بڑے بھائیوں کو نام سے پکارتی اچھی نہیں لگتی ہیں"۔ اُس کی چھیڑ چھاڑ کو نظرانداز کر کے وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"حمزہ...... بھائی!" وہ پھر زور سے ہنسی تھی۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں ہے ہمارے بڑے ہمارے لیے کیا پلان کیے بیٹھے ہیں۔ وہ کیا خواہش کا ارادے رکھتے ہیں؟؟"

"ضروری نہیں بڑوں کے ارادوں کی زنجیریں ہم باندھنے پر مجبور ہوں، کچھ فیصلے سب کے ارادوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں"۔ اُس کے لہجے میں از خود ہی ترشی و ناگواریت در آئی تھی۔

"میں نہیں سمجھی؟" وہ ہکا بکا رہ گئی اس کی صاف گوئی پر۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے"۔ وہ اُسے حیران و پریشان چھوڑ کر نیچے آ گیا اور پھر راحیلہ کو لے کر گھر روانہ ہو گیا تھا۔

اُس کے اندر عجیب سی کھلبلی مچ گئی تھی اور احساسات اَن دیکھی آنچ جھلسانے لگے تھے، کچھ ہونے کا احساس اُجاگر ہوا تھا مگر ادراک کے دروازے مقفل تھے، آگہی شعور تک پہنچ نہ پا رہی تھی، بس بے چینی تھی، بے کلی تھی جو اُسے متوحش کیے ہوئے تھی۔

جب تجھے دیکھنا چاہوں
تجھے جب سوچنا چاہوں
شام کے گلابی آنچل میں
رنگوں کو تسخیر کروں
لمبے پلکوں سے زنجیر کروں
تصور میں تیری تصویر کروں
کچھ لمحے تیری یادوں
تیری باتوں کی خوشبو سے
خود کو مہکتا
اور پھر!
آگ میں سلگتا محسوس کروں۔

☆......☆......☆

انس کی باتوں نے اُسے خاصا حوصلہ بخشا تھا، ڈھارس بندھائی تھی، وہ اُس کے ساتھ اُس اپارٹمنٹ میں چلی آئی جو اسی عمارت میں سیکنڈ فلور پر تھا، انس اس کی توقع سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔

ڈریسنگ روم میں اُس کے سائز کے کئی سوٹ ہینگ تھے، شوز ریک میں سینڈلز موجود تھیں، اس نے جلدی جلدی زیورات سے خود کو آزاد کیا، ڈریس چینج کیا، سینڈل کے بدلے ایک آرام دہ چپل کا انتخاب کیا، پھر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی، خوب رگڑ رگڑ کر منہ ہاتھ دھوئے اور بالوں میں برش کر کے باہر آ گئی، سامنے انس بیٹھا تھا۔ سینٹر ٹیبل پر کافی اور دیگر لوازمات سجائے اُس کے بڑھتے قدم رُک گئے، فطری حیا تھی جو آڑے آ ئی تھی۔

"آؤ نہ وہاں کیوں رُک گئیں، دراصل آج سارے دن سے میں نے بھی کچھ نہیں کھایا اور یقیناً آپ نے بھی کھانے کو اس وقت طبیعت چاہ نہیں رہی ہے، اس لیے میں نے چیز سینڈوچ بنا لیے ہیں، چکن پیٹس بھی ہیں اور پائن ایپل کیک بھی۔ کم فاسٹ، کافی ٹھنڈی ہو جائے گی"۔ اُس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی بچے کو بہلا کر کھانے پر راضی کر رہا ہو، وہ جھجکتی ہوئی آ کر صوفے پر بیٹھ گئی، اس نے بے حد اصرار سے ہر چیز کھلائی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد اُن کا سفر دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔ اس بار اُس نے کار دوسری لی تھی۔ اپارٹمنٹ میں بھی زیادہ دیر نہ لگائی تھی۔ وہ تمام احتیاطی تدابیر کے تحت کام کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا، برہان لغاری کے رابطے کم وسیع نہیں ہیں۔ اثر و رسوخ، دولت کے لالچ یا دھونس و دھمکی سے وہ ان تک رسائی ضرور حاصل کرے گا۔ بڑوں کے ذہن کھوجنے کی نادانی وہ ہرگز نہیں کرے گا، اس کام کے لیے وہ ان اہل کاروں کو استعمال کرے گا جن سے کسی نہ کسی طرح اسے معلومات فراہم ہو جائیں گی اور پھر وہ عذاب بن کر ٹوٹ پڑے گا جس میں سب سے زیادہ خطرہ کرن کی جان کو تھا اور وہ کسی طرح بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کرن کو معمولی سی بھی زک پہنچے۔

"ہماری زندگی کی شروعات بھی کس انداز میں ہوئی ہیں، شاید ہی کسی کی شادی اس طرح ہوئی ہو گی کہ پہلے ہی مرحلے پر سفر در سفر پیش آ رہے ہیں"۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اُس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ اُن کی گاڑی تیزی سے رات کی سیاہی میں گم تھی۔

"مجھے یقین ہے ہمارا سفر درست راستے پر گامزن ہوا ہے۔ منزل بھی ہمیں جلد ہی مل جائے گی۔ میں جانتا ہوں آپ کے دل میں میرے لیے خاصی بدگمانی و بے اعتمادی ہو گی اور میرے خیال میں اگر آپ یہ سوچتی ہیں تو غلط بھی نہیں ہے۔ میری کتاب حیات کے ورق آپ کی نگاہوں سے اوجھل رہے نہ پوشیدہ۔ روزِ روشن کی طرح سب کچھ آپ پر منکشف ہے اور کون لڑکی ہو گی جو اپنے شریکِ سفر کے متعلق ایسا کچھ برداشت کرے جو کسی لڑکی کے ساتھ وابستہ ہو"۔ وہ بہت فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اُس سے گفتگو بھی کرتا جا رہا تھا، نہ معلوم خود کو بہلا رہا تھا یا اُس کو تسلی دینے کی کوشش۔

"آپ کیوں شرمندہ ہو رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں صدق دل سے کہتی ہوں، مجھے آپ کے ماضی سے کوئی سروکار

نہیں ہے۔ نہ آج اور نہ آئندہ۔ آپ مجھ سے اپنے ماضی کے بارے میں کوئی لفظ نہیں کہیں گے۔ مجھے فخر ہے آپ پر اور اپنی قسمت پر کہ مہربان ہوئی تو میرا آنچل کم پڑنے لگا ہے"۔ انس کو بے حد شرمسار و رنجیدہ دیکھ کر اُسے شرو حیا کے گھونٹ کو سرکا کر کہنا ہی پڑا تھا۔

"میں آپ کے متعلق سب جانتی ہوں، آپ کے روز و شب میرے علم میں تھے۔ آپ کی مصروفیت، مزاج، کردار سب سے میں واقف تھی مگر میری کتاب ماضی کے کسی ورق سے آپ کو آگاہی نہ تھی، نہ آپ نے کبھی جاننے کی جستجو کی اور مجھ پر اور میری ماں پر یقین کر بیٹھے۔ عورت کے لیے اس سے بڑا اعزاز کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ اُسے پاک بازی و وفاداری کی سند دے کر معتبر کیا جائے، آپ نے میری ماں کے کردار و وفا کی تعریف کر کے میرے دل سے وہ تمام وسوسے و اندیشے زائل کر دیئے ہیں جو کل تک میرے اندر موجود تھے۔ عورت کی اصل میراث عزت پانا ہے جو مجھے دے کر آپ نے سرخرو کر دیا ہے۔ میری آپ سے یہی التجا ہے کہ کبھی بھی اس اعزاز میں کمی نہ کیجئے گا"۔ اُس کی آواز میں آنسو غالب آ گئے۔

"آپ کی عزت میں کرتا ہوں اور آخری سانس تک کرتا رہوں گا"۔ وہ مسکرا کر پُرعزم لہجے میں بولا۔

"گرینی کیسی ہیں؟ بہت مس کیا ہے میں نے انہیں"۔

"بے حد کمزور ہو گئی ہیں آپ کے جانے کے بعد تو بالکل ہی خاموش رہنے لگی ہیں۔ غصہ چڑچڑا پن سب بھول گئی ہیں"۔

"میں اُن کی خدمت کرنا چاہتی ہوں، بالکل مما کی طرح انسیت ہو گئی ہے مجھے ان سے"۔ ماں کا نام اُس کے لبوں سے نکلا اور پھر ضبط کے بندھن کمزور پڑنے لگے۔ ماں! کائنات کا حسین ترین تحفہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ماں نور ہے، روشنی ہے، سکون ہے، قرار ہے، اُس کی مسکراہٹ میں اللہ کا نور دکھائی دیتا ہے۔ اُس کی دعاؤں میں جنت کے چمنستانوں کی خوشبو مہکتی ہے وہ ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ پھر بھی سب کچھ ہوتا ہے، دنیا بھی رہتی ہے اس کی روانی میں کمی نہیں آتی، اس کے میلے جھمیلے ایسے ہی خود فریبی میں مبتلا رکھتے ہیں، فرق صرف اُن کو پڑتا ہے جن کی دُنیا و چاہتوں کے چمن بہاروں سے یکدم خزاؤں میں بدل جاتے ہیں پھر کبھی نہ بدلنے کے لیے۔ ماں کی جدائی دل میں پھانس کی طرح چبھ جاتی ہے، جس کی کسک ہمہ وقت یاد کی صورت بے قرار و مضمحل رکھتی ہے۔ کار میں ایک دم خاموشی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں غرق تھے۔

کرن ماضی کے جھولے میں گول گول چکر لگا رہی تھی تو وہ سوچ رہا تھا گرینی کو کس طرح اس ملک سے باہر جانے پر راضی کرے، اسی ہفتے ان کو نیویارک روانہ ہونا تھا۔

مدثر صاحب کا اصرار تھا کہ اُسے کچھ عرصے ملک سے باہر گزارنا ہے، کچھ بزنس کے معاملات بھی ایسے تھے اور کچھ ٹینس حالات کے باعث بھی انہیں یہی طریقہ کار سود مند محسوس ہوا تھا۔ سال کے بارہ مہینوں میں سے دس مہینے ملک سے باہر گزارنے کے عادی انس کو یہ فیصلہ قطعی بور نہ لگا تھا۔ اُس نے بے حد خاموشی سے نیویارک جانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

اُس کے تمام کاغذات ریڈی رہتے تھے۔ کرن اور مائی سکینہ کے کاغذات نئے سرے سے بننے تھے۔ اُن کی بھی تمام کارروائی

مکمل ہو چکی تھی۔ محض ویزا چند دنوں میں ملنے والا تھا۔ گرینی کسی صورت راضی نہ ہو کر دے رہی تھی۔ انہیں اپنے وطن کی مٹی سے بے حد پیار تھا، وہ اسے چھوڑ کر جانے کا تصور ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کے بار بار اصرار پر چڑ کر بولیں۔

"تمہیں کیا معلوم یہ ملک، یہ زمین، یہ مٹی کس طرح خاص ہوئی ہے، تم ناشکرے و ناقدرے لوگ کہاں قدر کرو گے اس ملک کی، تم نے کھو کر نہیں پایا ہے اسے، تمہیں سب بنا بنایا مل گیا تو تم کو احساس کیسے ہوگا کہ یہ ملک کس طرح کن قربانیوں کے بعد حاصل ہوا، اس کی حقیقت ہمارے دلوں سے پوچھو، کس طرح آگ و خون کا دریا عبور کر کے ہم اس پاک سرزمین کو چھو سکے تھے اور آج تم کہتے ہو میں اس زمین کو چھوڑ کر غیروں کے آسرے پر چلوں جو مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں، حسد کرتے ہیں، رات و دن جن کا کام صرف مسلمانوں کے گرد سازشوں، نفرتوں کا دائرہ سخت سے سخت کرنے کا ہے، نہ بابا نہ، مجھے اپنی مٹی سے جدائی برداشت نہیں، زندگی کی ڈور ویسے بھی کمزور سے کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ کب ٹوٹ جائے، کوئی بھروسہ نہیں، اپنے وطن میں مروں گی، کاندھا دینے والے اپنے لوگ تو ہوں گے"۔ گرینی کی اپنی محبت تھی، اپنی منطق تھی جس سے دور ہونے کو وہ ذرہ بھر تیار نہ تھیں جیسے، جیسے اُن کی صحت گر رہی تھی وہ یا تو خاموش رہتیں یا ماضی کو دہراتے ہوئے اُن لوگوں کو یاد کرنے لگتیں جو بٹوارے میں شہید ہوئے تھے، اُن کے خاندان کے کافی لوگوں نے جانیں قربان کی تھیں۔

"مائی سکینہ کہاں ہے؟ اُس کو تو میں بھول ہی گئی تھی"۔ اُس کے ذہن میں مائی سکینہ کا خیال آیا تو وہ چونک کر بولی۔

"ابھی ہم وہاں ہی جا رہے ہیں"۔

"کتنی دیر کا سفر ہے؟"

"تھک گئی ہیں؟"

"نہیں"۔ اُس کے انکار میں تھکن نمایاں تھی جو انس کے احساسات سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔

"سفر طویل ہے آپ سو جائیں، تین سے چار گھنٹے لگ سکتے ہیں"۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں"۔ وہ مروتاً بولی، انس مسکرا کر رہ گیا، لیکن وہ زیادہ دیر خود پر قابو نہ پا سکی تھی اور سو گئی تھی، جسمانی تھکن سے بڑھ کر ذہنی تھکن انسان پر حاوی ہو تو وہ نڈھال و نیم مردہ کر دیتی ہے۔ وہ مسلسل ذہنی خلفشار میں مبتلا رہی تھی۔

☆......☆......☆

لغاری ہاؤس میں صبح کا سورج عام صبحوں کی طرح طلوع ہوا تھا۔ ملازمائیں مستعدی سے ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھیں مگر عام دنوں کے مقابلے میں آج ان کے چہروں کی تر و تازگی غائب تھی اور خوف کی زردی اُن کے چہروں پر چھلکنے لگی تھی، تفکر کے قفل ان کے منہ پر لگ گئے تھے۔ کل رات جو کچھ ہوا تھا، اُس کے حتمی اثرات اُن کے مالکوں پر جو بڑے سو بڑے مالکوں سے زیادہ پریشان کن صورت حال ان کے لیے تھی، وہ سوچ کر دہشت زدہ تھے کہ اب اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ کیونکہ یہ بات تو سب پر ہی عیاں ہو چکی تھی کہ ان کے ساتھ تعاون کرنے والی مائی سکینہ تھی۔ مائی سکینہ......اس حویلی کی سب سے پرانی اور سب سے قابلِ اعتبار ملازمہ جس پر اس گھر کے

تمام حکمران آنکھیں بند کر کے یقین کرتے تھے۔ مائی سکینہ کی نمک حرامی و بدلحاظی نے یہاں کے مالکوں پر جو ستم کیا سو کیا مگر ساتھ میں یہاں کے ملازموں کو بھی وہ زندہ در گور کر گئی تھی۔ عزت و نرمی کے لائق پہلے ہی وہ سمجھے نہیں جاتے تھے، اب تو وہ قدموں کی خاک سے بدتر تھے۔

برہان لغاری کل رات سے ایک لمحے کے لیے بھی سکون سے نہ رہ سکے تھے۔ پہلی بار وہ شکست سے دوچار ہوئے تھے اور اس طرح کہ سنبھل نہیں پا رہے تھے۔ صدمات بھی تو پے در پے تھے۔ ایک بیٹی نے اپنی پسند سے گھر بسا لیا تھا تو دوسری نے بے وقوفی سے سب کچھ گنوا دیا تھا اور اب ہوش و خرد سے بیگانہ ہاسپٹل میں پڑی تھی۔ ان صدموں و تحقیر و بے عزتی سے آشنا کرنے والا صرف ایک شخص تھا۔

انس مدثر۔

جس کی رگوں میں خون کے بجائے زہر دوڑتا تھا، جس نے اُن کی عزت اور وقار کی دھجیاں سرِ عام بکھیر دی تھیں، وہ جو اکڑ کر سر اُٹھا کر چلا کرتے تھے، آنکھیں اُٹھانے کے قابل انہیں نہیں چھوڑا تھا۔

''برہان!'' والدہ حضور کی آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر کرسی سے اُٹھے تھے۔

''آپ...... آپ نے کیوں زحمت کی والدہ حضور؟'' وہ آگے بڑھے تھے اور بے حد ادب و احترام سے اُن کا ہاتھ تھام کر بیڈ پر بیٹھایا تھا۔

''روز تم ہمارے کمرے میں آتے ہو، آج ہم آگئے، یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیوں رنج کرتے ہو، جو ہوا سو ہوا، ہمیں پرواہ نہیں ہے۔ بدذات ماں کی بدذات بیٹی نے اپنی اوقات دکھا دی ناں آخر...... سانپ کو کتنا بھی دودھ پلاؤ، وہ ایک نہ ایک دن موقع دیکھ کر ڈس لیتا ہے۔ اُس فطرت میں ڈسنا ہے اور وہ ڈس گئی۔ لے گئی انتقام''۔

''وہ کہیں نہیں جا سکتے دونوں، ایک دفعہ فریب دیا جاتا ہے بار بار نہیں۔ میں نے اُسے بے ضرر و بے وقوف سمجھا تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر ایسی پلاننگ کر رہی ہے''۔ اُن کے لہجے میں آگ ہی آگ تھی۔

''گھر کو آگ، گھر کے چراغ سے ہی لگی ہے۔ وہ نمک حرام، وفا فروش مائی سکینہ، اُس کا ساتھ نہ دیتی تو وہ تو کیا اس کی روح بھی یہاں سے باہر نہ جا سکتی تھی، پھر سب سے زیادہ لاپرواہی اُس ڈرائیور نے کی جو انہیں چھوڑ کر باہر بیٹھ گیا، بیڑی کے سوٹے لگانے اور وہ نکاح کر آئی، شاپنگ کے بہانے ہمارے منہ پر سیاہی ملنے کے لیے''۔ آج والدہ حضور بھی تمام متانت و بردباری، تحمل و موقع پرستی بھول کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔ برہان لغاری ہمنوا تھے۔

''میرے خاص آدمی شہر کے ہر گلی، چوراہے پر پھیل گئے ہیں، ایئرپورٹ اور تمام بس اسٹاپس پر بھی نگرانی ہو رہی ہے، وہ کہیں نہیں جائیں گے، چھپنے کے لیے چوہے کا بل بھی نہ مل سکے گا۔ کہاں جائیں گے؟ کب تک چھپیں گے؟ کب تک بھاگیں گے؟ موت سے بھی کوئی چھپ سکا ہے؟''۔ برہان لغاری سراپا قہر و غضب بھرے ہوئے تھے۔

''ڈرائیور کے تو ہاتھ پاؤں تڑوا کر پھینکوا چکا ہوں، بھیک مانگنے کے قابل بھی نہیں رہا وہ، اُس کی لاپرواہی و غفلت کے باعث ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں''۔

"سکینہ کی اپنے ہاتھوں سے چمڑی اُتاروں گی اور ایسا عبرت ناک انجام کروں گی کہ کسی ملازم کی آئندہ ایسی نمک حرامی کرنے کی جرأت نہ ہوگی"۔ سفاک پن میں وہ بیٹے سے بھی بہت آگے تھیں۔

دروازہ ناک ہوا تھا۔

اجازت ملنے پر برہان لغاری کا دستِ راست ذکی الدین احمد آئے تھے۔ سلام کرنے کے بعد ہاتھ میں پکڑے پیکٹ سے سامان نکال کر سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے مودبانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"سر! یہ لباس اور زیورات اپارٹمنٹ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اُن کا نام و نشان نہیں ہے، کار بھی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہے لیکن...... سر! وہ کتنی بھی چالاکی دکھائیں، بچ نہیں سکتے"۔ برہان لغاری نے چپ چاپ رپورٹ سنی تھی۔ اُن کی نگاہیں کرن کے عروسی سوٹ و زیورات پر مرکوز تھیں۔

کچھ دیر اُسے گھورنے کے بعد وہ آگے بڑھے اور شدید اشتعال میں وہ سب اُٹھا کر نیچے کارپٹ پر پھینکا تھا اور دونوں پاؤں سے وہ سب بُری طرح روندنے لگے۔

گویا وہ کپڑے نہ ہوں، کرن ہو۔

والدہ حضور کے اشارے پر ذکی الدین کمرے سے چلے گئے تھے۔ اُن کے جانے کے بعد وہ جنون کی کیفیت میں مبتلا برہان لغاری سے مخاطب ہوئیں۔

"قابو کرو اپنے جذبات، سنبھالو خود کو، ٹکے ٹکے کے نوکروں کے سامنے ایسا کرنے سے ہماری عزت میں فرق آتا ہے، کمزوری عیاں ہوتی ہے جس سے یہ کم ذات موقع پر فائدہ اُٹھاتے ہیں"۔ اُن کی آواز میں تحکم و سرزنش تھی، وہ عمر رسیدہ تھیں مگر نہ اُن کے اعصاب کمزور ہوئے تھے، نہ حوصلے کمزور پڑے تھے۔ وقتی طور پر بے شک پہلی شکست نے اُن کے حواسوں کو منتشر کر دیا تھا مگر اب ملازم کے سامنے برہان لغاری کی جذباتیت نے اُن کی انا و ظاہر پرستی کی آن بان کو جھنجوڑ ڈالا۔

"والدہ حضور! میرے دل کی کیفیت سے آپ ناواقف ہیں میرے......"

"کون ایسی بدبخت ماں ہوگی جو اولاد کے دُکھ سے اس کی دلی کیفیت سے باخبر نہ ہوگی، یا پھر تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم تم سے الگ ہیں؟ تمہارے دُکھ سے ناواقف ہیں؟ جو کچھ ہوا اس سے ہمیں صدمہ و دکھ نہیں ملا ہے؟" وہ اُن کی بات قطع کر کے غصے سے بولیں۔

"نہیں...... نہیں والدہ حضور! میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا"۔ ماں کے غضیلے تیوروں نے انہیں گڑبڑا کر رکھ دیا۔

"بہرحال جو ہوا سو ہوا، ہمیں اپنے گھر میں اُس کا سوگ نہیں چاہیے، کسی بھی طرح سے اُن تینوں کو ہمارے سامنے حاضر کرو، یہ جو تم لوگوں کو موٹی موٹی رقمیں کھلاتے ہو، وہ حرام کا مال نہیں ہوتا ہے، جس کو کھا کر وہ ڈکار بھی نہ لیں، کہو اُن سے ہمارے مجرم پکڑ کر دیں، اب بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھیں گے۔ اُن کی ناک کے نیچے سب ہو گیا، وہ تماشا دیکھتے رہے اور وہ سجاد منصور پورے شہر کا باپ بنا بیٹھا ہے،

بڑی تم سے دوستی کا دم بھرتا ہے، بہت محبت جتاتا ہے، کیا کیا اُس نے؟...... اگر وہ چاہتا تو وہ اُن کو گولی مار کر کہیں دفن کر سکتا تھا، اپنے مطلب کے لیے بھی تو وہ بے گناہوں کو مار کر انکاؤنٹر کا نام لگا دیتے ہیں"۔

"یہ بات نہیں ہے کچھ قانونی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں پھر آپ کو معلوم ہے وہ کوئی معمولی حیثیت کا حامل یا چور ڈاکو نہیں ہے"۔

"ارے بس بس رہنے دو، جب ان لوگوں کو اپنا کام کرنا ہوتا ہے تو بڑے بڑے لوگوں کو نہیں چھوڑتے ہیں"۔ والدہ حضور کسی طرح اُن جواز و دلائل سے اتفاق کرنے والی نہ تھیں۔

"آپ بے فکر رہیں، ہمارے دشمن ہم سے بچ کر نہیں جا سکتے، ہم اپنا بدلہ اپنے ہاتھوں سے لیں گے"۔ برہان لغاری کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"کامران مرزا کو بھی کتنی بے عزتی سہنی پڑی ہے۔ اس کے باوجود وہ خاموشی سے بیٹے اور مہمانوں کو لے کر لوٹ گیا، اگر اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنی آسانی و خاموشی سے نہیں جاتا"۔

"خود سے کم حیثیت و کم مرتبہ لوگوں سے تعلق استوار کرنے سے یہی تو فائدہ ہوتا ہے، ورنہ ہوتے کوئی ذی حیثیت و ہم پلہ لوگ تو یہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، سخت دشمنی ہو جاتی"۔

اُسی وقت ملازمہ نے ناشتہ لگنے کی اطلاع دی تو انہوں نے برہان لغاری کو بھی ساتھ چلنے کو کہا جس پر انہوں نے معذرت کر لی تھی۔

"رزق سے انتقام کیوں لے رہے ہو، بُرا طریقہ ہے یہ"۔ والدہ حضور تنبیہی لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"میری بھوک و پیاس مر چکی ہے"۔

"مرنا تو ہمارے دشمنوں کو ہوگا اور انہیں مارنے کے لیے بے حد طاقت و قوت کی ضرورت ہے جو خالی پیٹ حاصل نہیں ہوتی ہے، ایسے تم ایک چوہا مارنے کی طاقت بھی نہیں رکھو گے، اُن شیطانوں کو مارنے کے لیے بہت طاقت کی ضرورت ہے، بے حد قوت کی"۔ ان کے پاس اب مزید انکار کی گنجائش نہ تھی۔

بھوک پیاس، نیند و آرام جیسے احساسات اُن کے ذہن کے گوشوں سے دور ہو چکے تھے، اُن پر صرف انتقام کا جنون طاری تھا، ماں کی دل جوئی کے لیے وہ اُن کے ساتھ چل پڑے تھے۔

ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے وہ باہر نکل آئے تھے۔ سامنے سے ہی ذکی الدین تقریباً بھاگنے کے انداز میں دوڑے چلے آ رہے تھے، اُن کے چہرے پر مسرت آمیز تاثرات تھے۔

"وہاٹ از دا نیوز؟" اُن کے قریب آنے پر وہ گویا ہوئے۔

"گڈ نیوز سر!" وہ اطمینان سے گویا ہوئے۔

☆......☆......☆

حمزہ نے مڑ کر دیکھا، صمد اندر آ رہا تھا۔

کئی دنوں کے بعد آج وہ فریش دکھائی دیا تھا، ورنہ پچھلے کچھ ہفتوں سے وہ گھر سے ہاسپٹل، ہاسپٹل سے گھر کے چکروں میں سدھ بدھ کھو بیٹھا تھا، وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب بیٹھا تو حمزہ بھی متوجہ ہو گیا۔

"کیسی گزر رہی ہے؟" صمد شوخ ہوا تھا۔

"جس طرح گزرنی چاہیے"۔

"اس طرح نہیں"۔

"اس طرح یا اُس طرح زندگی کا کام گزرنا ہے، گزر جائے گی"۔ کرن کے تصورات کے حصار سے وہ کبھی نکل نہیں پایا تھا۔ کیسا عشق تھا جو آگ بن گیا تھا، کبھی نہ بجھنے والی سرد آگ جو اُسے اندر ہی اندر جلا رہی تھی، تڑپا رہی تھی جس کو جتنا بھی بجھانے کی سعی کرتا وہ اتنی ہی بھڑکتی جا رہی تھی، پھیلتی جا رہی تھی، جلاتی جا رہی تھی۔

"وقت گزر جانے کا نام ہے، کرن کی کوئی خبر ملی؟"

"نہیں۔ کس سے ملتی وہ ساری کشتیاں جلا کر گئی تھی، تخت یا تختہ حاصل کرنے والے ایسے ہی جنونی کام کرتے ہیں"۔

"اُس کے مزاج میں سدا سے ایسے ہی فیصلے کرنے کا جنون رہا ہے"۔

"جنون بھی تو کمپلیکس کی ایک برانچ ہے جن کو حق بھیک کی صورت میں ملتا ہے یا ملتا ہی نہیں، اُن لوگوں ہی سائیکی پیدا ہوتی ہے"۔

"فی الحال تو تم مجھے سائیکی کیس محسوس ہو رہے ہو، کتنی مرتبہ کہا ہے میرے بھائی! گاڑی ہمیشہ توازن سے چلتی ہے، یکطرفہ محبت کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتی ہے، بلکہ سچے عاشقوں کے بارے میں تو سنا ہے نا، کیا ہوا ہے اُن کا انجام، اُن کی محبتیں دوطرفہ و ولولہ انگیز تھیں، بڑی شدت و بڑی قوت والی تھیں مگر انجام کیا ان کا؟ لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، سسی پنوں، سوہنی مہینوال اور بھی نہ معلوم کتنے عشاق ہیں کہ جن کی محبت کی صداقت کی گواہی جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں نے بھی دی پھر کیوں نہ مل پائے وہ لوگ۔ کیوں ملن نصیب نہ ہوا انہیں، کیا اُن کی محبت جھوٹی تھی؟ کیا اُن کے جذبے کھوکھلے تھے؟ کیا اُن کی تڑپ بے اثر و معنی تھی جو کوئی کسی کا نہ ہو سکا؟"

دن بدن اُس کی گرتی صحت زندگی سے بے رغبتی اور لاپرواہی سب کے لیے تشویش ناک تھی وہ اور عاصم صاحب اُس کی طرف سے بے حد فکر مند تھے۔ پریشان تو راحیلہ خاتون بھی تھیں مگر انہوں نے اس پریشانی کا حل اپنی سوچ و خواہش کے مطابق نکالا۔

اُن کے خیال میں اس عمر کی ایسی کیفیات کا تدارک شادی کی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اُس پر گھر و گھر والی کی ذمہ داری، پیار و رفاقت کا احساس لاگو ہو گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اسی لیے پوری طرح سے وہ اپنی بھانجی مہوش کو بہو بنانے کی تیاریاں شروع کر چکی تھیں، جس میں مائرہ کے علاوہ سحرش کی بھی خواہش شامل تھی۔

"میرے بھائی! نہ اُن کی محبت جھوٹی تھی، نہ جذبے کھوکھلے، یہ سب نصیب کا چکر ہوتا ہے جس کا ساتھ جس کے مقدر میں ہوتا

ہے، وہی ملتا ہے کرن تمہارا نصیب نہ تھی، تم اُس کے مقدر نہ بن سکتے تھے کہ کاتب تقدیر کا قلم کچھ اور ہی تحریر کر چکا تھا۔ سب بھول جاؤ اور نئی زندگی کا آغاز کرو، بہت بڑی دُنیا ہے اور بے شمار لڑکیاں ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور تمہارے بخت کا حصہ ہوگی اور پھر تم جیسے بندے کو جو بے حد لائق فائق ہے، اس طرح سرینڈر نہیں کرنا چاہیے"۔

"کہاں رہا لائق، کبھی یہ زندگی کیسی قاتل ہو جاتی ہے...... سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر وار پر وار کرتی ہے اور نیم جان کر دیتی ہے"۔ اس دفعہ وہ بولا تو شدت جذبات سے اُس کی آواز کانپ رہی تھی، آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ٹوٹے بکھرے لہجے کی کپکپاہٹ نے صمد کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اُس نے بغور حمزہ کی طرف دیکھا۔

اُس کے اندرز ورداز چھپا کا ہوا حمزہ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ ان چند ہفتوں میں وہ ہاؤس جاب کے سلسلے میں گھر سے تقریباً غافل ہی رہا تھا۔ آتے جاتے ہیلو ہائے تک ملاقات رہی تھی، اب حمزہ کی پژمردہ مضمحل صورت و بے جان انداز بتا رہا تھا کچھ ہوا ہے۔

کوئی نا قابلِ برداشت حقیقت

کوئی حقیقی رنگوں سے بنی کہانی

کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہوا تھا

"حمزہ! کیا ہوا ہے؟" وہ اُس کے قریب بیٹھ گیا بالکل نزدیک۔

"جو ہونا تھا"۔ وہ نگاہیں چرا کر بولا۔

"پلیز پہیلیاں نہ بناؤ، جو ہوا ہے وہ بتاؤ"۔

"کچھ سچائیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو زبان سے بتانے کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی ہے، سمجھ سکتے ہو تو میری حالت دیکھ کر سمجھ جاؤ، تقدیر کی ستم ظریفیوں و قسمت کی تنگ دستیوں کی زد میں میری ذات مقید ہو کر رہ گئی ہے جو خواب میں نے دیکھے تھے اُن کی تعبیر کسی اور کے حصے میں آئی، کیوں ہوتا ہے جب تعبیر ہماری نہیں تو ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟ ایسے راستے کیوں بنائے گئے ہیں جن پر چل کر ہمیں صرف بھٹکنا ہوتا ہے منزل تو کسی اور کے لیے بنائی جاتی ہے ہم جیسے کے نصیب میں صرف سوز و کرب ہوتا ہے، ہجر و فراق ہوتا ہے، محرومیاں نارسائیاں ہوتی ہیں جو دل و روح کو فگار کر ڈالتی ہیں"۔

چٹانوں جیسا مضبوط نظر آنے والا وہ شخص بچوں کی طرح رو پڑا۔ صمد نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

اُس کی جذباتی کیفیت و دلی حالت کا اُسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اُس پر کیا بیت رہی ہو گی، کچھ دن پہلے ہی تو اُس نے بتایا تھا انس سے ملاقات کے بارے میں اور کرن سے اس کی شادی کرنے کی خواہش کے بارے میں سب بتایا تھا تب ہی وہ بے حد ٹینس رہا تھا، اب اس کی ابتر حالت بتا رہی تھی، وہ محبت میں مکمل طور پر شکست کھا چکا تھا، ابھی تک وہ کسی معجزے کے انتظار میں خوش گمان تھا، اپنے جذبوں کی شدتوں کے یقین میں گم تھا لیکن شاید اب سب چراغ بجھ چکے تھے، آرزوئیں خاک نشین ہو چکی تھیں۔

"کرن نے انس سے شادی کرلی؟" صمد نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں"۔ حمزہ کی آواز کراہ نما تھی۔

☆......☆......☆

صبح کاذب کا سرمئی اُجالا دھیرے دھیرے کائنات پر دراز ہورہا تھا۔ موسم سرد تھا، ہوا میں خنکی رچی ہوئی تھی۔

سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، دور مشرقی اُفق پر ہلکی سرخی پھیل رہی تھی خاموش ماحول میں پرندوں کی چہچہاٹیں سکون آمیز تھیں۔

وہ نہ معلوم کب تک سوتی رہی تھی، بند آنکھوں کو کھولنا ہی چاہا تو محسوس ہوا بہت قریب کوئی اس کے چہرے پر جھکا ہوا ہے، اُس کی گرم سانسوں کی مہک سے اُسے اپنا چہرہ تپتا محسوس ہوا، اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ انس کو قدرے خود پر جھکا دیکھ کر وہ بوکھلا کر سیدھی ہو بیٹھی تھی اور سرعت سے شانوں سے ڈھلکا ہوا دوپٹہ درست کیا، وہ اُسے بیدار کر کے اپنی سیٹ پر سیدھا بیٹھا گیا۔

"گھبرایئے نہیں، نہ میری نیت بُری ہے نہ ارادہ خراب، کئی دفعہ آپ کو پکارا آپ نے جواب نہ دیا تو مجبوراً مجھے آپ کی سانسوں کی آمدورفت کا جائزہ لینا پڑا"۔ انس کے لبوں پر شوخ مسکراہٹ تھی جواباً کرن نے کچھ نہیں کہا، صرف سمٹ کر رہ گئی۔

کار تیزی سے مضافات کی جانب دوڑ رہی تھی۔

کچے پکے راستے تھے، ایک طرف سبز کھیتوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، درمیان میں سڑک تھی اور سڑک کے دوسری طرف میدانی علاقہ تھا جہاں دور تک ویرانی پھیلی ہوئی تھی، البتہ اُس کے سرے پر کچے مکانات و جھونپڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ سرمئی صبح کا اُجالا سنہری روشنی میں بدلتا جارہا تھا۔ نیم اندھیرے کو روشنی نگلنے لگی تھی۔ مشرقی اُفق سے سورج کی روپہلی روشنی شعاعوں کی صورت میں نمودار ہونے لگی تھی۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی جارہی تھی، منظر بدل رہے تھے، راستہ طے ہورہا تھا، سورج مشرق کے گھونگھٹ سے باہر نکل آیا تھا۔

"بھوک لگ رہی ہوگی؟" لمحہ بھر کو نگاہیں اُس پر ڈال کر پوچھا گیا۔

"نہیں"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"اونہوں، غلط بیانی نہیں چلے گی"۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں"۔

"کیوں؟" انس کے لہجے میں سنجیدگی در آئی تھی۔

"میں......کبھی نہیں"۔ وہ اُلجھ کر بولی۔

"یہی پوچھ رہا ہوں، بھوک کیوں نہیں لگ رہی ہے۔ تمام اہم ضرورتوں میں سب سے بڑی ضرورت شکم سیری ہے۔ کیا کچھ نہیں ہوتا اس بھوک و پیٹ کے چکر میں، لوگ ناجائز کام کرتے ہیں، حرام کو حرام نہیں سمجھتے، چوری، ڈاکے، قتل اور بھی نہ معلوم کیا کیا کر گزرتے

ہیں، اسی بھوک کے چکر میں اور کہہ رہی ہیں بھوک نہیں"۔ انس نے اسے اس طرح سمجھایا جیسے کسی کوڑھ مغز شاگرد کو لائق فائق اُستاد سمجھاتے ہوں، کرن بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی اُس کے انداز پر۔

"آپ میری بات کو سمجھے نہیں ہیں، دراصل مجھے صبح بیدار ہوتے ہی ناشتے کی عادت نہیں ہے۔ بہت دیر سے ناشتہ کرنے کی عادی ہوں"۔

"اوہ...... آپ کی صبح بھی ہوگئی اور میں ابھی تک رات میں ہی سفر کر رہا ہوں"۔ وہ دھیرے سے ہنستا ہوا گویا ہوا۔

وہ جواباً خاموش رہی تھی نہ معلوم کیا وجہ تھی جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اُس کے اندر عجیب اضطراب و وحشت متحرک ہونے لگی تھی اسے لگ رہا تھا۔

انس کو اپنے انتقام میں شامل کر کے اُس نے اچھا نہیں کیا۔ اپنی جنگ تنہا ہی لڑنی چاہیے تھی، برہان لغاری کی وحشت و بربریت کا تنہا ہی شکار ہوتی، مر جاتی تو کون بیٹھا تھا رونے والا، یاد کرنے والا، لیکن انس کے پیچھے تو ایک خاندان ہے۔ بے حد پیار کرنے والی دادی، جان سے بڑھ کر چاہنے والے باپ اور بے حد دوست و اقارب...... اللہ نہ کرے انہیں کچھ ہو گیا تو کئی جانوں پر بن جائے گی۔

"میں نے آپ کے کزن حمزہ کو انفارم کر دیا تھا کہ ہم نے شادی کر لی ہے"۔ انس کو یک دم ہی یاد آیا تو وہ گویا ہوا۔

حمزہ! بہت عرصے بعد کسی اپنے کا نام سنا تھا، اُس کے اندر دور تک اس نام کی بازگشت گونجتی چلی گئی۔

پڑھا کو، سنجیدگی و خلوص کا پیکر اس کے قدم قدم پر کام آنے والا، اُس کی خاطر سب سے لڑ مرنے والا حمزہ، نفرتوں و عداوتوں کی ایسی کہر چھائی تھی کہ جس میں پیار و محبت، مروت و ایثار کے سانچے میں ڈھلے حمزہ کا وجود ہی گم ہو گیا تھا۔

"بہت خوش تھا وہ، بے حد گڈ وشز دی ہیں۔ ہم ملیں گے ضرور اُس سے، بہت نائس اینڈ لونگ پرسن ہے وہ"۔ انس کہہ رہا تھا۔

"ہاں...... میں نے بہت زیادتیاں کی ہیں اُس کے ساتھ، حالانکہ وہ ان پتھر دل لوگوں سے بالکل الگ ہے، بالکل منفرد"۔ اب وقت اُلٹی چال چل رہا ہے، کل قربتیں محبتوں کو جلا بخشتی تھیں، پیار کے بندھنوں کو اٹوٹ کرتی تھیں، آج فاصلے قربتوں کو جلا بخشتے ہیں، جدائیاں پیار کی فصلوں کی آبیاری کرتی ہیں جو ہم سے قریب ہوتے ہیں، وہ اُس وقت تک قابلِ توجہ، قابلِ محبت نہیں ہوتے جب تک دور نہ چلے جائیں۔ یہ وقت کا چلن ہے اُسے بھی آج حمزہ کی محبت کا احساس ہوا تھا۔

"کرن!" انس کی گھمبیر آواز میں مکمل سنجیدگی در آئی تھی۔

"جی"۔ وہ اُس کے مزاج کے موسموں سے قطعی ناآشنا تھی مگر اس لمحے جس انداز میں اُسے پکارا تھا وہ اُس کا دل دھڑکا گیا تھا۔

"آپ اس رشتے سے خوش ہیں؟ آئی مین سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔ آپ سب جانتی ہیں میرے متعلق، منال کے متعلق اور کل رات جو کچھ ہوا، سب سے آپ باخبر ہیں۔ کیا میں آپ سے بھرپور رفاقت کی توقع رکھ سکتا ہوں؟ یہ جاننے کے باوجود کہ اُس کا ہسبنڈ پہلے ایک لڑکی سے محبت کی پینگیں بڑھا تا رہا ہے، وہ بیوی اُس شخص کو وہ عزت، وہ محبت و احترام دے گی جو اُس کا حق ہے؟" گاڑی روک کر

اُس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جذباتی لہجے میں گویا ہوا۔

کرن نے اُس کی جانب دیکھا، اس کے چہرے پر اُمید وبیم کے جگنو جل بجھ رہے تھے۔ ہاتھوں کی حرارت میں وفا کا لمس تھا۔ اُس کی نم جھلملاتی سرمئی سطح پر صرف عکس تھا، اس کا اپنا عکس صاف وشفاف عکس کو دل کے فریم میں آویزاں زندہ تصویر، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ یکلخت اُس کی نظر باہر کی سمت اُٹھی تھی اور خوف ودہشت سے اس کی چیخ نکل گئی۔

......❁......

کرن کی چیخ نے انس کو بوکھلا ڈالا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں باہر کی سمت دیکھا اور شکنوں کا جال اس کی کشادہ پیشانی پر پھیلتا چلا گیا تھا۔

"ڈونٹ وری۔ یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں"۔ ان سے کچھ فاصلے پر ایک جیپ ان کی سمت بھاگی چلی آرہی تھی، جیپ میں سوار لوگوں کے پاس اسلحہ دور سے ہی نمایاں ہو رہا تھا۔

انس ایک نظر پیچھے دیکھ کر کرن سے مخاطب ہوا جو خوف وفکر سے کانپ اُٹھی تھی اور تیزی سے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔ کار اسٹارٹ ہوتے ہی پیچھے سے گولی چلائی گئی تھی، پیچھے کی باڈی پر گولی لگی تھی، اس کے بعد بھرپور فائرنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔

کرن کے منہ سے بے ساختہ چیخیں نکلنے لگی تھی، انس فل اسپیڈ میں کار بھگا رہا تھا۔ پیچھے آنے والی جیپ سے برابر گولیاں برسائی جا رہی تھیں، جو فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث پوری طرح سے آگے تو نہ آرہی تھیں مگر کار کی بیک باڈی ان سے پوری طرح متاثر ہو رہی تھی۔

وہ ماحول جو ابھی سکون وآسودگی کی ٹھنڈی فضا میں خاموش تھا فائرنگ کی بھیانک آوازوں سے گونج اُٹھا تھا۔

"ڈرومت، کچھ نہیں ہوگا"۔ کرن کو از حد خوف زدہ دیکھ کر انس تسلی آمیز لہجے میں گویا ہوا، اس کا لہجہ بے خوف و بے فکر تھا۔

"میں اپنے لیے فکر مند نہیں ہوں، نہ ہی میں موت سے ڈرتی ہوں، مجھے ڈر ہے آپ کے لیے، مجھے فکر ہے صرف آپ کی، رب ذوالجلال آپ کی حفاظت کرے، آپ کو کچھ نہ ہو"۔ پاکیزہ جذبوں سے گندھا لہجہ، شفاف آنسوؤں سے دھلا چہرہ انس مدثر کے اندر نئے احساس جگا گیا۔ سچی رفاقت کا خالص صداقت کا۔

اسے فخر محسوس ہوا، اطمینانِ قلب میسر آیا کہ بے شک یہ بندھن غیر جذباتی وجلد بازی میں باندھا گیا مگر کسی نیکی یا دعا کے عوض وہ ایک ایسے رفیقِ سفر کو اپنا بیٹھا تھا کہ جو اس کی حقیقی خوشیوں کی ضامن تھی۔ کیسی عجیب بات تھی۔

باپ ایک تھا!

خون ایک تھا!

مگر تاثیر دونوں کی ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ وجدا تھی۔

ایک کی فطرت ہرجائی، خود غرضی ومطلب پرستی سے لبریز تھی، دوسری ایثار ووفا، مروت ومحبت کے خمیر سے بنی تھی۔ کیسے دو رنگ

ہیں ایک خون کے......یا شاید یہ دو ماؤں کی تربیت کی شکل، دو مختلف کوکھ کا اثر ہے۔

بہر حال جو کچھ بھی تھا وہ مطمئن تھا کہ اس نے درست راہ منتخب کی۔ جیپ سے فائرنگ برابر ہو رہی تھی۔

انس نے جان بوجھ کر کار کو کچے راستے پر دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ سامنے سے بھینسوں کا غول آ رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح ان بھینسوں کے درمیان سے کار نکال لے اور یہی ہوا۔ بہت تیزی سے بھینسوں کی طرف کار لے آیا اور ان کے درمیان سے کار نکالنے لگا تھا۔

پیچھے آنے والی جیپ سے فائرنگ بند ہو گئی، کیونکہ گولیاں لازماً بھینسوں کو لگتیں جس سے نیا ہنگامہ کھڑا ہونے کا خطرہ تھا۔ انس پھرتی سے کار نکال کر آگے بڑھ گیا۔ جیپ بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

"تھینکس گاڈ!" دوسرے راستے پر جاتے ہوئے کرن نے پھولی سانسوں سے کہا۔ انس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ در آئی تھی۔

"ابھی بھی ہم خطرے کی رینج سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ وہ لوگ کبھی بھی اس طرف آ سکتے ہیں"۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

"اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟"

"آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟"

"کیوں ڈروں؟ یہ بتائیں گی آپ؟"

"وہ اتنے سارے لوگ ہیں اور وہ بھی تمام اسلحہ سے لیس۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہم کس طرح لڑیں گے ان سے، ہمارے پاس ہے کیا؟"

"محبت"۔ اس کے لہجے میں خوشبو بکھیرتی شوخی در آئی۔

"پلیز، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے"۔ وہ جھنجلائی۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔

"یہ محبت کا وقت بھی نہیں ہے"۔ جھنجلاہٹ و گھبراہٹ میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا پھر انس کے بلند قہقہے نے اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ حیا سے وہ سرخ ہو گئی تھی۔

"محبت، غصہ، جھگڑا سب کا ٹائم ٹیبل بنانا پڑے گا۔ چلو اچھا ہے بنا لیتے ہیں۔ ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک دن غصے کا، ایک دن جھگڑے کا اور باقی پانچ دن محبت کے ہوں گے......اوکے......رائٹ"۔ وہ جھک کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا......میرا یہ مطلب تو نہیں تھا"۔ وہ ٹپٹا گئی۔

"میرا بھی ارادہ دو دن غصے و جھگڑے میں گزارنے کا نہیں ہے، پورا ہفتہ پیار و محبت میں گزارنے کا ہے، انڈر اسٹینڈ"۔

☆......☆......☆

اس طرح کا جیون میں حادثہ نہیں ملتا
تم تلک پہنچنے کا واسطہ نہیں ملتا
آرزو تو ملتی ہے جستجو نہیں ملتی
منزلیں تو ملتی ہیں راستہ نہیں ملتا
روح کی زمینوں پر اک عجب عالم ہے
درد اور تمنا میں فاصلہ نہیں ملتا
سوگوار لوگوں کی، بے قرار لوگوں کی
زندگی میں کوئی بھی ضابطہ نہیں ملتا
اس طرح بھی ہو جاتا ہے خراب موسم میں
دور کے مسافر سے رابطہ نہیں ملتا

''بیٹے بڑے ہو جائیں تو ماں کے دل کا سکون اور باپ کا سہارا بنتے ہیں پھر سب ماؤں کی طرح میرے دل میں بھی ارمان ہے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کا، بہو لانے کا، بیٹی اللہ نے کوئی دی نہیں جو دل کا قرار بنتی، اب تو یہی آرزو ہے کہ بہو کے روپ میں ہی بیٹی کے ارمان پورے کروں اور سچی بات یہ ہے کہ مجھ سے اب گھرداری نہیں ہوتی ہے۔ مدت ہوگئی اس بوجھ کو کاندھوں پر اُٹھائے، اب برداشت نہیں ہوتا ہے، سب سنبھالنا''۔ ناشتے کی میز پر وہ چاروں موجود تھے۔ راحیلہ بیگم نے عاصم صاحب کا خوشگوار موڈ دیکھ کر اپنے دل کی بات کہہ دی تھی جو کئی بار پہلے بھی وہ دبے دبے انداز میں کہہ چکی تھیں۔

''ارے بھئی! نوکروں کی تعداد اس گھر میں اہلِ خانہ سے زیادہ ہے۔ ایک گلاس پانی کے لیے بھی ملازموں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں، یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں کسی نادیدہ بوجھ کی شکایت کر کے''۔

''آپ کو کب میری پرواہ رہی ہے جواب ہوگی''۔ وہ روٹھے انداز میں گویا ہوئیں تو عاصم صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''کام وام کا کیا ہے وہ تو سب ہی کر لیتے ہیں، اصل محنت تو ذمے داری نبھانا ہے، احسن و عمدہ طریقے سے یہ وہ کام ہے جو لاکھوں ملازمین بھی نہیں کر سکتے ہیں''۔ وہ اپنی بات پر اٹل تھیں۔

''چلیں آپ کی خوشی کے لیے مان ہی لیتے ہیں مگر آپ کی وہ دونوں خواہشیں بہو کے روپ میں بیٹی پالینے اور گھر کی ذمے داریاں نبھانے کی آرزوئیں محض آرزوئیں ہی رہیں گی''۔

''کیوں؟'' وہ حیرانگی سے استفسار کر بیٹھی تھیں۔

''بیگم! وہ وقت ہوا ہوئے جب لوگ وضعداری و قرابت داری کے لحاظ و مروت میں اپنی بیٹیوں کو تلقین کیا کرتے تھے، وقت

رخصتی کہ بیٹی جس گھر میں تمہاری ڈولی جا رہی ہے وہاں سے جنازے کی صورت میں باہر نکلنا اور لڑکیاں یہی کرتی تھیں۔ساس،سسر کی خدمت وادب والدین سے بڑھ کر کرتی تھیں۔سسرال کے تمام لوگوں کو میکے سے بڑھ کر عزیز رکھتی تھیں۔اس دور میں جوائنٹ فیملی سسٹم ہوتے تھے،کئی کئی خاندان مشترکہ طور پر ساتھ رہتے تھے،کبھی کوئی نفرت وعداوت نہ پائی جاتی تھی کسی میں،بڑے چھوٹوں سے محبت واخلاق سے پیش آتے تھے تو چھوٹے بھی بڑوں کی عزت وتوقیر میں کوئی کمی نہ کرتے تھے''۔

چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے عاصم صاحب اس زمانے میں گم ہو گئے تھے جو ان کے بچپن کا دور تھا جہاں سچی و خالص محبتوں اور یگانگت کی بہاریں ہر سُو پھیلی رہتی تھیں۔

راحیلہ موضوع کا رُخ بدلتے دیکھ کر سٹپٹانے لگی تھیں۔انہوں نے اپنی خواہش کے اظہار کے لیے وہ موضوع چھیڑا تھا مگر جواب انہیں پچھتانے پر مجبور کر چکا تھا۔انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ عاصم صاحب ان کی پچھلی کوتاہیاں اور زیادتیاں دہرانے لگیں گے،جن کا اختتام بہن کی موت اور بھانجی کی جانب سے ملی بدگمانی ونفرت پر ہوگا۔

''بلاشبہ اس وقت کی عورتوں میں سمجھ بوجھ،ذہانت وفراست اور سب سے اہم مذہبی ہم آہنگی ورواداری کی کثرت حد سے سوا تھی۔آج کی عورت کی طرح اتنی تعلیم یافتہ وآزاد نہ تھیں......مگر بغیر ڈگری وسند کے وہ آج کی عورت سے زیادہ باشعور،باتمیز،رشتوں کے تقدس کو منظم کرتیں،اخلاقی قدروں کو پائیداری اور مروت ورواداری کو فروغ دینے میں اس دور کی عورت کا اہم رول تھا۔وہ عورت جو خواہ بیٹی،ماں،بہن،بیوی یا کسی بھی رشتے سے وابستہ تھی اور ہر رشتے میں اس نے بہت ساری خوب صورتیاں،مسرتیں ومروتیں،امن ومحبت کو فروغ دیا تھا''۔عاصم صاحب حسب توقع شروع ہو چکے تھے اور راحیلہ خاموش بیٹھی ہونٹ دانتوں سے کاٹ رہی تھیں۔

''شاید اسی وجہ سے خاندان وبرادری وجود میں آئی ہوگی اور شاید اسی وجہ سے پہلے آپس میں اتنی محبتیں واپنائیتیں تھیں۔لوگوں میں تیرا میرا نہ تھا،اسی لیے اتنی پریشانیاں،آفتیں وبیماریاں بھی نہ تھیں جو اس دور میں آئے دن وارد ہوتی ہیں''۔حمزہ نے بھی خاموشی توڑی تھی۔

''یقیناً مائی سن!ایسا ہی تھا بالکل ایسا تھا،جس گھر کی عورتیں اچھی ہوتی ہیں،سمجھو وہ گھر دُنیا میں ہی جنت ہوتا ہے''۔

''پپا!آپ کا مطلب ہے اس دور کی تعلیم یافتہ عورت گزشتہ دور کی جاہل عورت کے مقابل میں جاہلیت کا شکار ہے؟''صمد نے کہا۔

''میری مراد سب عورتوں سے نہیں ہے،بلکہ ان عورتوں کے متعلق کہہ رہا ہوں جن پر علم کی روشنی سرمو اثر انداز نہیں ہوتی ہے،جن کے عمل سے،اخلاق سے،گفتگو کردار سے ظاہر ہوتا ہے،اندر باہر اندھیرا ہی اندھیرا ہے،نہ دُنیا نبھانے کا چلن ظاہر ہوتا ہے اور نہ دین نکھارنے وآخرت سنوارنے کا،ان کی زبان سے،مزاج سے،انداز سے اندھیرا جھلکتا ہے،جہالت کا اندھیرا۔پھر ایسی بڑی بڑی ڈگریوں کا کیا فائدہ جو آپ کو اخلاق،مروت ورواداری کا درس نہ سکھا سکیں۔علم،شعور دیتا ہے،آگہی بخشتا ہے،دین ودنیا کو بہت اچھی طرح سمجھنے و عمل کرنے کی فہم وفراست عطا کرتا ہے،جو علم حاصل کر کے بھی ان خصوصیات سے بے بہرہ ہیں،وہ جہالت سے بھی کئی قدم آگے ہیں،پھر ہم اس دور کی عورتوں کو جاہل نہیں کہیں گے،بلکہ ناخواندہ کہیں گے کہ علم کے ساگر سے بہرہ مند نہ ہونے کے باوجود وہ اسلامی قدروں کو مستحکم و جاویداں رکھے ہوئے تھیں''۔

عاصم صاحب نے کپ ساسر پر رکھتے ہوئے کہا۔ جہالت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی نگاہیں بار بار راحیلہ کی جانب اُٹھتی رہی تھیں اور وہی نہیں حمزہ اور صمد بھی بخوبی نوٹ کر رہے تھے، وہ کس کو سنا رہے ہیں۔

"خیر...... اب پرانی عورتیں سب کی سب ہی کوئی دودھ کی دھلی اور نیک بیبیاں نہ تھیں، ان کی چلتر بازیوں اور چالاکیوں کی ہزاروں داستانیں میں بھی سنا سکتی ہوں آپ کو"۔ بالآخر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ چپ کر گویا ہوئی تھیں۔

"یہ اپنی اپنی نیچر ہوتی ہے، ہم اچھائی کے حامل ہیں، محبت و بھائی چارے کا پرچار کرنے والے ہیں، اسی لیے بہترین لوگوں کو یاد رکھتے اور ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہونے کی سعی کرتے ہیں اور آپ سے بھی یہی استدعا ہے، براہ کرم اچھے و نیک لوگوں کے متعلق جانیں اور ان سا بننے کی کوشش کریں، اگر آپ نے اپنے اندر علم کی معمولی سی رمق بھی اُبھرنے دی ہوتی تو وہ کچھ نہ ہوتا جو مجھے آخری سانس تک بے چین و پشیمان رکھے گا"۔ اپنی بات ختم کر کے وہ اُٹھ گئے تھے۔ ان کی تقلید بیٹوں نے بھی کی تھی۔

☆......☆......☆

برہان لغاری کی اسپورٹڈ کار متوازن رفتار سے ائیرپورٹ کے خوب صورت و شفاف راستوں پر دوڑ رہی تھی، ان کے چہرے پر سنجیدگی پوری طرح حاوی تھی، وہائٹ کلف شدہ شلوار قمیص میں ان کی قد آور شخصیت کے علاوہ چہرے پر چھائی سرخی ان کی وجاہت کو اُجاگر کر رہی تھی۔ آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے ان کے اندر کے خلفشار و ہیجان کے علاوہ بے خوشی کا راز بھی فاش کر رہے تھے۔ ان کے برابر میں بیٹھی ہوئی فائقہ جو کچھ دیر قبل امریکہ سے آئی تھیں، اچٹتی نگاہوں سے ان کا جائزہ لے رہی تھیں جو اپنی سوچوں میں ان سے لاتعلق تھے۔

"مجھے منال سے یہ اُمید نہ تھی، نہ معلوم کیا ہو گیا تھا اسے جو وہ ایسی اسٹوپڈ حرکت کر بیٹھی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے سرپرائز دوں گی مگر یہاں آ کر آپ سے معلوم ہوا کہ وہ کیا حرکت کر بیٹھی ہے"۔

فائقہ بہت عرصہ قبل اپنے دوسرے ہسبینڈ صمدانی سے ڈائیورس لے چکی تھیں۔ صمدانی سے شادی کرنے کی وجہ دولت و شہرت ہرگز نہ تھی کہ وہ خود ان کی فرم کا منیجر تھا، جواہر و جائیداد، دولت و حیثیت وہ سب میں پیچھے تھا۔ فائقہ جیسی طرح دار عورت کا دل اس پر آنا وجہ تھی اس کی بے حد پُرکشش و وجیہہ پرسنالٹی دنیاوی جائیداد و دولت سے وہ جتنا غربت کا شکار تھا، مردانہ وجاہت و خوب صورتی کی دولت سے اتنا ہی مالا مال تھا۔ ان کی حسن پرست طبیعت برہان لغاری سے بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ فطرتاً وہ ہرجائی فطرت رکھتی تھیں، وہ حُسن کی شمع تھیں۔

اپنے گرد ہمہ وقت پروانوں کا ہجوم دیکھنے کی عادی تھیں۔ صمدانی جو پہلے ہی غربت و مفلسی کی زندگی کو چھوڑ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی جستجو میں مگن تھا، فائقہ کی جانب سے ملنے والی حوصلہ افزائی اور آفر کو فوراً ہی قبول کر بیٹھا تھا۔

وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔

راتوں رات امیر بن جانے کی خواہش اسے بے کل رکھتی تھی۔ اس کے نصیب جاگ گئے، سونے کی چڑیا از خود اس کی گرفت میں آ گئی تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی اس نے ان کے حُسن کی قصیدہ گوئی کچھ اس طرح کی کہ فائقہ کو لگا، اس کے حسن کا قدردان تو صرف وہی ہے

اور پھر بہت جلد وہ منال کو بھی نظر انداز کر کے صمدانی کے ساتھ ملک چھوڑ گئی تھی۔ دولت اس کے پاس پہلے ہی بہت تھی، پھر جاتے وقت وہ برہان لغاری کی تمام نقد رقم اور دوسری قیمتی اشیاء سمیٹ کر لے گئی تھی۔ ان دنوں منال مری کونونٹ میں زیر تعلیم تھی۔

صمدانی کے ساتھ دو سال کی رفاقت رہی تھی، بہت جلد وہ ایک دوسرے سے اکتا گئے تھے۔ صمدانی کی وجاہت وہاں کی عورتوں میں بھی خوب رنگ جما رہی تھی۔ گوری میموں کی بدولت وہ شہزادوں کی طرح زندگی گزارنے لگا تھا۔ فائقہ کے سہارے کی اسے اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔

صمدانی کے بعد فائقہ کی زندگی میں کئی مرد آئے مگر اس نے پھر شادی کسی سے نہ کی تھی۔ تعلقات سب سے رکھے تھے۔

پھول، جوانی، بہار، بہت کم عرصے کر آتے ہیں۔ تتلیوں کی طرح یادوں کے رنگ چھوڑ کر اڑ جانے والی فائقہ کی بہاریں بھی خزاں بردہوئیں تو انہیں محسوس ہوا کہ انہوں نے کیا کھویا، کیا پایا ہے۔ کچھ سوچ کر انہوں نے منال سے بھی رابطہ منقطع نہ کیا تھا۔ اول تو انہیں برہان لغاری کے متعلق تمام تر معلومات ملتی رہتی تھیں، پھر وہ اس حقیقت سے واقف بھی تھیں کہ جلد یا بدیر انہیں واپس یہیں آنا ہے۔

آج وہ آ گئیں اور پہلا رابطہ انہوں نے برہان لغاری سے ہی کیا تھا کہ وہ آ کر اسے پک کریں۔ وہ اچانک آ کر منال کو سرپرائز کرنا چاہتی ہیں۔ برہان لغاری نہ معلوم کس جذبے کے تحت انہیں ریسیو کرنے چلے آئے تھے اور مختصراً تمام صورت حال سے انہیں آگاہ کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

"سیکنڈ فلور پر آپ کے لیے روم ریزرو ہے، آپ جا کر آرام کریں"۔ فائیو اسٹار ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں کار روک کر وہ گویا ہوئے۔

"میں ہوٹل میں رہوں گی؟"

"جی"۔ وہ ناراضگی سے گویا ہوئے تھے۔

"لیکن میں ہوٹل میں رہنا نہیں چاہتی ہوں"۔

"پھر جہاں آپ کا دل چاہے رہیں مگر میرا ٹائم ویسٹ مت کریں"۔

"میں......میں منال سے ملنا چاہتی ہوں، اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ اس کے سوا ہے کون میرا"۔ وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

منال کی ذہنی حالت بے حد ابنارمل ہے، وہ نیند آور میڈیسن کے زیر اثر سو رہی ہے۔ اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہے"۔

"کیا میں اپنی بے بی سے نہیں ملوں گی؟ اس کی خاطر تو آئی ہوں"۔

"پلیز......بات سمجھو، کل میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا، وہ تمہیں ہاسپٹل ڈراپ کر دے گا۔ منال کل تک خاصی امپروو ہو جائے گی۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے......"

"برہان! مجھے معلوم ہے آپ کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں ہے مگر......کیا گھر میں بھی جگہ نہیں ہے؟ کوئی رشتہ نہ سہی مگر کیا یہ تعلق کافی نہیں ہے کہ میں منال کی ماں ہوں، یہ سب اسی کا ہے، تمام پراپرٹی اسی کی ہے تو میرا حق اس گھر کے ایک کمرے پر بھی نہیں ہے؟" وہ دانستہ کہہ رہی تھیں۔

"میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں اور مزید کسی بحث کو افورڈ نہیں کر سکتا۔ پراپرٹی میری ہے جب تک میں ہوں، اس کے متعلق کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، گھر کے دروازے بھی ان کے لیے وا ہوتے ہیں جن کے لیے دل کے دروازے کھلے ہوں، پھر جن دروازوں کو تم خود ہی بند کر گئی تھیں، انہیں میں نہیں کھول سکتا ہوں"۔ وہ دوٹوک کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ فائقہ ششدر کھڑی رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے...... بندہ خود اپنی ہی کھوج میں...... اتنی دور نکل جاتا ہے...... جہاں سے اس کا واپس آنا...... ناممکن ہی ہوتا ہے۔

وہ سارا دن سفر میں گزر اتھا، کبھی کسی ہوٹل سے چائے بسکٹ وغیرہ لے کر کھائے تھے، یہ اندرونِ سندھ کا علاقہ تھا، جہاں زیادہ تر کھیتی باڑی ہو رہی تھی یا جنگلات کے چھوٹے بڑے حصے پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ دور جا کر سامنے لال اینٹوں سے بنے مکانات نظر آنے لگے تھے۔ انس پہلے نظر آنے والے مکان کے آگے بنے احاطے میں کار لے آیا تھا۔

احاطے کے اطراف میں سوکھی گھاس کے اتنے بڑے بڑے گٹھر اس ترتیب سے رکھے گئے تھے کہ با آسانی انہوں نے دیواروں کی صورت اختیار کر لی تھی، وہاں کھڑی کار باہر سے دیکھی نہ جا سکتی تھی، یہ دیکھ کر کرن مطمئن ہوئی۔ انس کار سے نکلا تو وہ بھی اس کے اشارے پر نکل آئی تھی۔ احاطے کے وسط میں چند کمروں پر مشتمل وہ گھر تھا جس کا سبز کلر کا لکڑی کا دروازہ بند تھا۔ انس نے آگے بڑھ کر دروازے پر تین بار دستک دی اور اسی وقت دروازہ اس طرح کھلا گویا دستکوں کا منتظر ہو۔

"سلام صاحب! سلام بی بی صاحبہ! اندر سے خوشی سے مسکراتی مائی سکینہ برآمد ہوئی تھی۔ مائی سکینہ کو دیکھ کر کرن کو بھی خوشی ہوئی تھی۔ بڑی محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی خیریت دریافت کرتی اندر کمرے میں چلی آئی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، صاحب نے میرا بہت خیال رکھا ہے، بڑی عزت دی ہے۔ آپ کو صاحب کے ساتھ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے"۔

"یہ سب تمہاری بدولت ہوا ہے مائی، ورنہ نہ معلوم کیا ہوتا؟" وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے آہستگی سے گویا ہوئی۔

"خالہ سکینہ! کچھ پیٹ پوجا کا بھی بندوبست ہے یا نہیں؟ کل سے ہم بھوکے ہیں"۔ انس دوسرے پلنگ پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولا تو سکینہ فوراً ہی کھانا لانے چلی گئی تھی۔

"ہم یہاں محفوظ ہیں؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے، وہ لوگ یہاں نہ پہنچ جائیں"۔ تنہائی پاتے ہی کرن نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"موت سے ڈر لگتا ہے؟" وہ مسکرایا۔

"آپ کو نہیں لگتا؟"

"تم ساتھ ہو جب اپنے

دنیا کو دکھا دیں گے......

ہم موت کو جینے کے

انداز سکھا دیں گے"

وہ شوخی سے گنگنایا تھا۔

"میں منہ ہاتھ دھو کر آتی ہوں"۔ اس کے شوخ انداز نے اسے بوکھلا ڈالا تھا، وہ بہانے سے باہر نکل آئی تھی۔

سکینہ نے کھانا بہت مزے دار بنایا تھا، پھر بھوک بھی شدید تھی۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا گیا تھا۔ وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو سکینہ کافی لے آئی تھی اور کھانے کے برتن وہ دسترخوان سمیت کر لے گئی تھی۔ باہر سے ہینڈ پمپ چلانے کی آواز آ رہی تھی، برتن دھونے کے لیے سکینہ بالٹی پانی سے بھر رہی تھی۔ وہ دونوں پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے سوچوں میں گم تھے۔ اس خاموشی کو کرن نے توڑا تھا۔

"یہ کس کا گھر ہے، صرف مائی سکینہ کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آ رہا ہے"۔

"سکینہ خالہ کی کسی عزیزہ کا ہے، ان کے کہنے پر ہی میں انہیں یہاں لایا تھا۔ وہ خود کو یہاں پر محفوظ سمجھتی ہیں اور میرا بھی خیال ہے، یہ محفوظ ترین جگہ ہے"۔

انس اُٹھ کر واک کرنے چلا گیا۔ وہ سکینہ کے پاس چلی آئی جو برتن دھونے کے بعد کچن صاف کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائی تھی۔

"بی بی صاحبہ! آپ اندر چلیں باہر بہت سردی ہے"۔

"مجھے اچھا لگ رہا ہے، یہ ٹھنڈا ٹھنڈا ماحول بہت سکون ہے یہاں"۔

"میں کرسی لا دیتی ہوں"۔ وہ جھاڑو چھوڑ کر گویا ہوئی تھی۔

"نہیں...... نہیں کھانا کھایا ہے میں کچھ دیر ٹہلوں گی تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتی ہوں۔ کچھ باتیں بھی کرتے جائیں گے"۔ اس نے سکینہ کو منع کر دیا اور خود آگے کی طرف بڑھ گئی تا کہ وہ بے تکلفی سے اپنا کام کر سکے اور ہوا بھی یہی اُس کے آگے بڑھتے ہی وہ تیزی سے کام کرنے لگی۔ صحن خاصا وسیع تھا۔

سرخ اینٹوں سے دیواریں تعمیر تھیں اور سرخ ہی اینٹوں سے فرش ترتیب دیا گیا تھا۔ صحن کے کونے میں ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا جس کے چاروں طرف چھوٹی اینٹوں سے اتنا احاطہ بنایا گیا تھا کہ برتن اور کپڑے وہاں بیٹھ کر با آسانی دھوئے جا سکیں۔ دائیں طرف لوہے کے اسٹینڈ پر تین مٹکے رکھے ہوئے تھے، جن کے اوپر ہاتھ سے بنائے گئے موتیا کے پھولوں کے ہار ڈالے گئے تھے۔ موتیا کے پھولوں سے پھوٹتی دل آویز مہک جسم و جاں کو معطر و سرشار کر رہی تھی۔ وہ ٹہلنے لگی تھی، ہوا میں خاصی خنکی تھی مگر اسے یہ سرد فضا و خاموشی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ

سوچنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن سوچوں پر بھی بھلا کوئی پابندی لگا سکا ہے۔

یہ سانسوں کی طرح ہمارے اندر موجود رہتی ہیں ہر دم، ہر پل اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں، ہم چاہنے کے باوجود ان سے فرار حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ سوچیں وہ آسیب ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔

''جو کچھ ہوا نہ معلوم اچھا تھا یا بُرا؟ نہ معلوم مجھے اس طرح کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟ یا شاید وہ سب اسی طرح ہونا تھا؟ کیا دُنیا میں کہیں ایسا بھی ہوا ہوگا جو میں نے کیا ہے۔ ایک بیٹی نے، لیکن ایسا بھی نہیں ہوا ہوگا جو ایک شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا، ایک باپ نے بیٹی کے ساتھ کیا، ہماری کرنی کا پھل ہمیں مل کر رہتا ہے۔ گلاب بوئیں گے، گلاب پائیں گے، خار بوئیں گے خار کاٹیں گے، یہ صدیوں سے ہوتا رہا ہے، ہر عمل کا ردِعمل......''

اس نے گہری سانس لی، آزردگی اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

''میں سوچ رہی تھی برہان لغاری سے انتقام لے کر میرے اندر کی وحشت اور اداسیوں کو قرار مل جائے گا۔ اس شخص کو زک پہنچا کر میں بھرپور انداز میں جی اُٹھوں گی، مگر اب بھی وہی انجانا بوجھل پن میری رگ و پے میں سرائیت ہے۔ ممّا انتقامی جذبے کے خلاف تھیں۔ معافی و درگزر ان کا شعار رہا تھا۔ وہ ہر ایک کو معاف کرتی آئی تھیں، کبھی کسی سے کوئی شکایت شکوہ نہ کیا تھا۔ میں نے ہمیشہ ان کے چہرے پر ایک ملکوتی سکون دیکھا تھا۔

کبھی بھی میری طرح وہ مضطرب و بے چین نہ رہی تھیں، شاید اس لیے کہ صبر و شکر ان کا مزاج، عفو و درگزر ان کا ہتھیار بن چکا تھا اور میں جو سدا کی ناشکری، بے صبری، منتقم مزاج ہوں، بہت کم ظرف و کم حوصلہ ہوں (جو میرے خون کی عطا ہے) مجھے ان ہی صفات نے ہمیشہ بے سکون و بے قرار رکھا ہے، کہنے کو کتنے مختصر و بے ضرر سے لفظ ہیں یہ......

بے سکون، بے قرار، بے چین،

مگر جن کا ان سے واسطہ پڑتا ہے وہی جانتا ہے کہ کیا گزرتی ہے جب لفظ مجسم کیفیات بن کر انسان کو گرفت میں لیتے ہیں''۔

''اوں...... ہوں، کیا سوچا جا رہا ہے؟'' انس جو اندر داخل ہوا تو سامنے اسے سوچوں میں گم پا کر وہیں کھڑا ہو گیا تھا، وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ اس کی آمد کو محسوس نہ کر سکی تھی۔ بالآخر چند منٹ کے بعد اسے ہی کرن کو مخاطب کرنا پڑا تھا۔

''وہ...... کچھ نہیں! بس ایسے ہی میں نے سوچا گاؤں کی تازہ آب و ہوا سے لطف اندوز ہوں''۔ اس کے اچانک پکارنے پر وہ ششدر رہ گئی تھی۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ ڈسٹرب ہیں''۔

''ڈسٹرب...... نہیں تو''۔

''مجھ سے چھپائیں گی؟'' وہ سینے پر بازو لپیٹے اس کے مقابل آ گیا تھا اس کی گہری سرمئی آنکھیں اسے کھوج رہی تھیں۔ کرن کو

اس کے دیکھنے کے انداز سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس نے جھجکتے ہوئے رُخ موڑ لیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"اوں ہوں، جو سچ بولتے ہیں وہ چہرے نہیں چھپاتے، روبرو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں"۔

اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رُخ اپنی جانب کرتے ہوئے وہ بولا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی۔ قدموں کی آہٹ پر انس پیچھے ہٹ گیا۔

"میں نے بستر لگا دیا ہے کوئی کام ہو تو مجھے آواز دے دیجئے گا۔ میں سامنے والے کمرے میں ہوں"۔ سکینہ وہاں آ کر بولی۔

"تم یہاں کس کے ساتھ رہ رہی تھیں؟ وہ کہاں ہے؟" سکینہ کی آمد اسے اس وقت بہت اچھی لگی تھی۔ انس کی قربت نے اسے پزل کر ڈالا تھا۔

"یہ میری اُستانی کا گھر ہے، وہ ساتھ کے گاؤں گئی ہیں۔ کل تک واپس آئیں گی۔ مالکوں سے بچنے کے لیے مجھے یہی جگہ اچھی محسوس ہوئی"۔

"مائی سکینہ! تمہیں اپنے مالکوں کو اس طرح چھوڑ کر آنے کے بعد کوئی پچھتاوا تو نہیں ہوتا ہے؟" کرن اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"پچھتاوا ہوتا ہے، مالکوں کو چھوڑ کر آنے کا نہیں بلکہ ان ملازماؤں اور ملازمین کو چھوڑ کر آنے کا جو میرے بعد بالکل بے قیمت ہو گئے ہوں گے۔ مالکوں کے لیے ہم غریبوں کی عزت، عزت نہیں ہوتی، جان، جان نہیں ہوتی، ہم ان کے لیے کٹھ پتلیاں ہیں جن کی ڈور وہ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"میں نمک حرام نہیں ہوں، احسان فراموش بھی نہیں ہوں۔ میرا خاندان برسوں سے مالکوں کے باپ دادا کے زمانے سے خدمت کرتا آ رہا ہے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا جو مجھے کرنا پڑا"۔

وہ باقاعدہ رو پڑی تھی۔

"افسوس مت کرو سکینہ! اچھے کام خوشی بخشتے ہیں، پچھتاوا نہیں، ہمارے اندر بھی ایک جج براجمان ہے جو نہ بک سکتا ہے اور نہ جھک سکتا ہے۔ اس کے فیصلے ہر غرض و لالچ سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ سچ و کھرے فیصلے کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، وہ ضمیر ہے جو آپ کے ہر عمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔ اچھے اور برے کا فیصلہ بھی بروقت صادر کرتا ہے"۔

کرن نے اسے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"میں پچھتا نہیں رہی بی بی صاحب، مجھے فکر وہاں کام کرنے والوں کی ہے۔ میرے کیے کی سزا انہیں ملے گی"۔ وہ سر پر اوڑھی چادر سے چہرہ صاف کرتے ہوئے آزردگی سے گویا تھی۔

"سردی بڑھ رہی ہے"۔ انس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا تو مائی سکینہ اپنے کمرے کی طرف شب بخیر کہتی ہوئی بڑھ گئی۔ انس

کے پیچھے وہ بھی اس کمرے میں آ گئی تھی جہاں سکینہ پلنگوں پر بستر بچھا گئی تھی۔ شاید وہ روئی کے گدے تھے جن پر گلابی چادریں بچھی تھیں۔ ان پر میرون اور زرد کلر کے ریشمی دھاگوں سے دیدہ زیب کڑھائی کی گئی تھی۔ غلافوں پر بھی ایسی کڑھائی تھی۔ پلنگ کی پائنتی پر موٹا سا پھول دار لحاف رکھا ہوا تھا۔ دوسرے پلنگ پر بھی ایسا ہی لحاف و تکیہ موجود تھا۔

"ارے..... اندر آؤ، وہاں کیوں رُک گئیں؟" انس جو بے فکری سے پلنگ پر دراز ہو چکا تھا، خالی پلنگ دیکھ کر پیچھے مڑ کر کرن سے مخاطب ہوا جو تذبذب کے عالم میں کھڑی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"میں...... یہاں...... مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی"۔

چند قدم آگے بڑھ کر وہ رُک گئی تھی۔

"یہاں نیند کیوں نہیں آئے گی؟" وہ بیٹھتے ہوئے استعجابیہ انداز میں گویا ہوا پھر اس کے جھکے چہرے، سرخ عارضوں پر لرزاں سیاہ پلکوں کا اس کے اندر احساس جاگا، اس کا گریز، اس کی جھجک، اس کی حیا کئی ادراک بیدار کر گئی تھی۔

"میں مائی سکینہ کے کمرے میں سو جاتی ہوں"۔ اس پر جو نئے احساسات وارد ہوئے، ان کی یورش سے وہ گھبرا گئی تھی۔

"وہاں کیوں؟ اس کے شرمائے، بوکھلائے، گھبرائے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے معصوم انداز میں کہہ رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ نئے رشتے کے احساس نے اس کے اندر ایک نشاط آمیز گدگدی سی پیدا کر دی تھی۔ مستزاد اس پر کرن کے سمٹے سمٹائے روپ نے اسے شوخی عطا کی تھی۔

"یہاں کیوں نہیں؟" وہ دوبارہ گویا ہوا۔ اسی انداز میں۔

کرن اس کی نگاہوں کے بدلتے رنگ، گھمبیر لہجے کی شوخی سے وہیں کھڑی رہ گئی، نہ آگے بڑھ سکی، نہ پیچھے ہٹ سکی۔ دل تھا کہ دھڑکتا ہی چلا گیا تھا۔

سانسیں ریشمی دھاگوں کی طرح اُلجھنے لگی تھیں۔

رگ و پے میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑنے لگی تھی، وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہ دے پا رہی تھی۔

عجیب حالت تھی!

عجیب بے بسی!

"میں اس قدر نا قابلِ اعتبار ہوں کہ میرے مقابلے میں ملازمہ کو ترجیح دی جائے۔ مجھ سے کیا خوف ہے آپ کو؟" سوال در سوال کا سلسلہ جاری تھا اور اس کی جانب سے جواب ندارد۔ وہ کھڑی رہی تھی، ساکت و صامت کسی مجسمے کی مانند۔

انس اُٹھ کر آہستگی سے اس کی جانب بڑھا اور اس کے نزدیک آ کر رُک گیا۔ کمرے میں دھیمی روشنی تھی جس میں اس کا سی گرین سوٹ میں ملبوس وجود از حد پُرکشش و بھرپور لگ رہا تھا۔ اس پر سے نگاہ ہٹانا مشکل لگ رہا تھا۔ بڑے حوصلے سے وہ اس مشکل سے نکلا تھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے حد بے ضرر سا بندہ ہوں، آپ کی خودداری، انا و عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ

کر عزیز ہے۔ بے شک آپ کوئی غیر واجنبی نہیں ہیں، میری شریک حیات ہیں، رب العزت کو گواہ بنا کر آپ کو اپنایا ہے، مجھ سے آپ کبھی قریب نہیں پائیں گی، کوئی شکایت نہ ہوگی، لیکن آپ کو کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا کہ جب تک دل بھی رفاقت کا طالب نہ بن جائے، جذبوں میں بے کھوٹ شدتیں در آئیں اور صرف آنکھوں میں ہی نہیں، دل و دماغ پر بھی آپ کا عکس، آپ کی حکمرانی ہو، بالکل سچائی و دیانت داری سے ہم نئی زندگی کی ابتدا کریں گے، مجھے یقین ہے ایسا وقت آنے میں بہت تھوڑا عرصہ لگے گا، بہت تھوڑا وقت"۔

اس کا لہجہ شفیق واندازدوستانہ تھا۔

کرن کی جان میں جان آئی۔ وہ گہری گہری سانس لیتی ہوئی، اپنے بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کی پریشانی دور ہوگئی تھی۔ انس نے اسٹینڈ پر رکھے کولر سے گلاس بھر کر پانی پیا اور بستر پر دراز ہوگیا۔

"کیا بات ہے کوئی پرابلم؟" اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔

"مجھے حالات نے خوف زدہ کر رکھا ہے، آگے نہ معلوم کیا ہوگا؟"

اب دوسری پریشانیاں عود کر آئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا، جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں، دو دن بعد۔ تب تک خود کو سنبھالو، خیال رکھو اپنا، اوکے گڈ نائٹ"۔ دھیمے لہجے میں سمجھا کر وہ کروٹ بدل کر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

کرن کو بھی نیند تو شدید آرہی تھی، اس کے کروٹ بدلتے ہی وہ بے آواز انداز میں لیٹی اور لحاف اپنے اوپر اچھی طرح ڈال کر مطمئن ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

تیرے غم کا ہے وہ ساتھی......

میرے بخت کا ستارہ......

تیری آرزو نے لوٹا......

تیری جستجو نے مارا......

میں بساطِ زندگی پہ......

غمِ آرزو کی بازی......

کبھی ان کی شہ پہ جیتا......

کبھی دل کی شہ پہ ہارا......!

منال ہوش کی دُنیا میں قدم رکھ چکی تھی۔ پچھلے دو دن وہ بالکل ہوش و حواس سے بیگانہ رہی تھی۔ حواس باختگی میں وہ انس مدثر کو

مغلظات بکتی چیختی چلاتی رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے اسے ذہنی سکون کی ادویات و انجکشنز دے کر سلائے رکھا تھا۔

وہ ذہنی طور پر خاصی ریلیکس ہو گئی تھی۔ دو دن قبل جو اس کی کنڈیشن تھی اس کے برعکس وہ بالکل خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ بے حس و حرکت سیدھی لیٹی وہ چھت کو گھور رہی تھی۔ چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔ آنکھوں میں ویرانی۔ گویا زندگی کے دیئے بجھے ہوں، خواہشوں کے کنول عارضوں پر مرجھا گئے۔ وہ جو بے حد خوش لباس و طرح دار تھی، نخوت سے جس کی پیشانی شکن آلود رہتی تھی، مگر لباس پر کبھی شکن نہ در آئی تھی۔ آج پیشانی شکن سے پاک، ندامت عرق سے تر تھی، لباس پُرشکن تھا، وہ ہاری ہوئی بازی کی تصویر تھی، سانس لیتی، رنج و ملال میں ڈوبی ایک شکستہ لڑکی۔

فائقہ نے اسے دیکھا اور ان کی ممتا تڑپ کر رہ گئی۔

''منال ...... میری جان! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' انہوں نے بڑی شدت سے اسے سینے سے لگایا اور پیشانی چوم کر گویا ہوئیں۔

''مما! حالت بنائی نہیں جاتی، حالت بنا دی جاتی ہے جو میری اس حالت کا ذمے دار ہے، آپ اس سے معلوم کر سکتی ہیں؟ اس نے کیوں میرے ساتھ ایسا کیا؟ کیوں مجھے دھوکہ دیا؟'' اس کی آواز میں دکھ کے سائے گراؤنڈ پڑے تھے۔ لہجے کا وہ طنطنہ، مزاج کا وہ جلال مفقود تھا۔ بہت بڑی شکست کھائی تھی اس نے اپنے جذبوں سے، اپنی محبت سے، ان دکھوں کا کوئی مداوا ممکن نہ تھا۔

''مجھے تباہ کر دیا اس نے، برباد کر دیا، میں کیا کروں؟'' وہ بے آواز رونے لگی۔

''دفع کرو اسے، وہ اس قابل تھا ہی نہیں کہ ہم اس سے کوئی بھی واسطہ رکھتے۔ بہت عرصہ قبل تم اسے اس کی اوقات بتا چکی تھیں، پھر نہ معلوم کیا ہوا ہے تمہیں؟ جو تم اس سے اٹیچڈ ہوئیں''۔ فائقہ ٹشو پیپر سے اس کی آنکھیں صاف کرتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''اوقات تو اس نے مجھے بتا دی ہے کہ لحہ بھی نہ لگا اور میں بلندی سے پستی میں گر گئی ہوں''۔

''بار بار نام مت لو اس کا''۔ وہ جھنجلا گئی تھیں۔

''سوری مما!''

''میں اتنی دور سے آئی ہوں، میری کوئی پرواہ نہیں ہے تمہیں۔ تم اس کی خاطر میری بھی پرواہ نہیں کر رہی ہو۔ میں جو اتنی دور سے تمہاری خاطر تمہارے پاس آئی ہوں''۔

''کاش! آپ یہاں سے جاتیں نہیں اور اگر جانا اتنا ہی ضروری تھا تو اس طرح نہیں جاتیں۔ جس کا الزام آج تک مجھے گالیوں، طعنوں کی صورت میں سننا پڑتا ہے۔ گرینڈ مدر مجھے ہمیشہ سے آپ کے حوالے سے ٹیز کرتی آئی ہیں، مگر اس نے بھی مجھے آپ کے حوالے سے ٹیز کیا، اس کی آنکھوں کی نفرت، اس کے لہجے کی نفرت، مجھے مارنے کے لیے بہت کافی تھی کہ اس نے مجھے مرنے بھی نہ دیا''۔

اس کی نگاہوں میں اس وقت کی ویڈیو چل رہی تھی۔ جب وہ اتفاقاً اس اور کرن سے ملی تھی۔ ایک ایک لمحہ، ایک ایک لفظ اس کے اندر عضو بن کر جم گیا تھا۔

"اس نے میرے سامنے ان محبت لٹاتی نگاہوں سے کرن کی جانب دیکھا جس طرح کبھی وہ میرے جانب دیکھتا تھا اور بڑی محبت سے اس نے کرن کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے تھاما تھا اور...... اور یہی لمحہ میری، میرے جسم سے نکلتی روح کو واپس کھینچ لایا تھا۔ میں شاکڈ رہ گئی، وہ نہ معلوم کیا ہو گیا، جو نہ ہونا چاہیے تھا۔ بے تکلفی و دوستی کے باوجود اس نے کبھی مجھے انگلی سے بھی چھوا نہ تھا، میرے نہ چاہنے کے باوجود بے حد فاصلہ رکھا تھا"۔

کہتے کہتے اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"وہ کرن سے شادی کر چکا ہے اور دونوں فرار ہیں"۔

"یہ آفر تو پہلے اس نے مجھے کی تھی، وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اب...... کرن مائی اسٹیپ سسٹر، جو کل تک نہ جانے کہاں تھی اور نہ معلوم کیا کریکٹر ہے اس کا، وہ اس پر مرتا ہے۔ وہ کہتا ہے وہ ایک پاک باز، شریف و باوفا عورت کی بیٹی ہے۔ ایسی عورت کی بیٹی سے شادی کر کے وہ خوش ہے"۔

"منال! مائی چائلڈ کول ڈاؤن، سب بھول جاؤ، جو ہوا وہ سب فراموش کرنے کے لیے ہے"۔ فائقہ نے اسے پھر سینے سے لگا لیا۔ اپنے بارے میں ملنے والے ریمارکس نے انہیں ہلکی سی شرمندگی میں مبتلا کیا تھا کہ ان کی حرکات منال کے لیے کوفت بنی تھیں۔

"میں نہیں بھول سکتی، اس نے میرے سامنے اسے چھوا، خود سے قریب کیا، اوہ مائی گاڈ! میں کیسے بھول پاؤں گی یہ سب؟" اس نے دیوانگی میں اپنے بال نوچنے شروع کر دیئے تھے۔

"اسٹاپ اِٹ، اسٹاپ اِٹ منال! ہوش میں آؤ، کیا پاگل پن ہے یہ، اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تا کہ تم خود کو نقصان پہنچاؤ، کرن سے شادی کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم سوچ سوچ کر ہی خود کو اذیت دیتی رہو، تکلیف میں مبتلا رہو"۔

بڑی دقتوں سے وہ منال کو ریلیکس کر سکی تھیں۔

"مما! میں اس کے قریب کسی کو نہیں دیکھ سکتی، کسی کو بھی"۔

"وہ پھر رو پڑی تھی، عجیب حالت تھی اس کی کہ کسی پل چین نہ تھا۔

"تم بھی تو کسی کے قریب رہی ہو، سرور شاہ کے سنگ تم نے بھی تو وقت گزارا ہے، میرڈ لائف تم گزار چکی ہو"۔

"وجود سرور شاہ کا ضرور رہا مما! مگر چہرہ انس کا ہی میری نگاہوں میں رہتا تھا۔ فرق چہرے سے پڑتا ہے، جسم سے نہیں"۔

ڈاکٹر اور نرس کے کمرے میں آنے کے باعث وہ خاموش ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

راحیلہ بیگم ہزار ہا کوشش کے باوجود اپنی خواہش منوانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں۔ عاصم صاحب کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھے۔ حمزہ موجود ہوتے ہوئے غیر موجودگی کا احساس دلائے رکھتا تھا۔ اس کی حالت سے وہ بخوبی واقف تھیں کہ شادی سے بے زاری و لاتعلقی کا

سبب کیا ہے۔ کرن میں اس کی دلچسپی ووارفتگی وہ بہت عرصے پہلے محسوس کر چکی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ ان ماں بیٹی کو یہاں سے نکالنے کے درپے رہتی تھیں، بہت مہارت وچالاکی سے انہوں نے بساط بچھائی تھی اور جیت گئی تھیں۔

وہ ماں بیٹی ہمیشہ کے لیے یہاں سے جا چکی تھیں مگر کچھ جیت ایسی بھی ہوتی ہے جس کو جیت کر بھی شکست و نا آسودگی کا احساس رہتا ہے، وہ بھی اسی کیفیت کا شکار تھیں۔ تند اور اس کی بیٹی کو دور کرنے کے چکر میں وہ بیٹے کو بھی خود سے دور کر چکی تھیں، کھو چکی تھیں۔

وہ ان کے قریب بیٹھتا، گفتگو کرتا، خیال رکھتا، مگر محسوس ہوتا وہ اس کی دلی وابستگی اور اس کی محبت کو کھو بیٹھی ہیں جو پہلے تھی۔ اب محسوس ہوتا وہ فرض نبھا رہا ہے، اس کی محبت و خیال مصنوعی پھولوں کی طرح جذبوں کی مہک سے خالی ہوتے تھے۔

بہت سوچ وبچار کے بعد انہوں نے یہ حل نکالا کہ اس کی شادی مہوش سے کروادی جائے تو وہ کرن کو بھول جائے گا اور کرن کی یاد اس کے دل سے نکلے گی تو از خود ان کی طرف لوٹ آئے گا۔ وہ جتنی جلدی یہ سب چاہ رہی تھیں اتنی یہاں خاموشی تھی۔ صمد ہاسپٹل سے آیا تو وہ اس کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔

"تم ہی سمجھاؤ حمزہ کو، کیوں زندگی خراب کر رہا ہے، کب کرے گا شادی، یہی عمر ہوتی ہے شادی کی، میں اب تھک گئی ہوں۔ مزید طاقت نہیں ہے مجھ میں گھرداری کی، گھر میں بہو آئے، میرا بوجھ کم ہوگا، مجھے آرام ملے گا"۔

"مما! پپا نے آپ کو سمجھایا تھا، اس دور کی بہو بیٹی ثابت نہیں ہوتی ہے۔ پہلے لڑکیوں کو نصیحت کی جاتی تھی جس گھر کی دہلیز ڈولی میں پار کی ہے وہاں سے جنازے کی صورت میں باہر نکلنا اور اس دور میں تو بہوئیں سسرال والوں کے جنازے نکال دیتی ہیں"۔ صمد ہنس کر گویا ہوا۔

"اولاد کے منہ میں بھی باپ کی ہی زبان بول رہی ہے۔ ہونہہ، میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے بیٹوں کی نظر میں، نہ شوہر کی نظر میں"۔

اس بار وہ سچ مچ دل گرفتگی کا شکار ہو گئیں۔

"مما! مما ٹینشن کیوں لیتی ہیں آپ"۔ وہ ماں کے قریب بیٹھ کر محبت سے گویا ہوا۔

"ذہنی پریشانی میں تم لوگ خود مبتلا کرتے ہو، تم لوگوں کو میری پرواہ نہیں ہے۔ میں کیا کہتی ہوں، کیا چاہتی ہوں، کیا سوچتی ہوں، تم لوگ جان بوجھ کر مجھے اور میری خواہشوں کو نظر انداز کرتے ہو، جیسے میں کچھ سمجھتی نہیں ہوں"۔

"مجھے معلوم ہے آپ مہوش اور حمزہ کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں"۔

"ہاں تو کیا غلط چاہتی ہوں؟ کیا برائی ہے مہوش میں؟" وہ غصے سے ہاتھ لہرا کر گویا ہوئیں۔

"وہ خوب صورت نہیں ہے؟ خاندانی نہیں ہے؟ کوئی عیب ہے؟"

"مما! میرے خیال میں آپ جانتی ہیں حمزہ کیا چاہتا تھا"۔ صمد نے ماں کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں...... ہاں میں جانتی ہوں مگر اب کیا فائدہ کرن یہاں سے جا چکی ہے، تو شاید بھی اس دنیا میں نہیں، پھر کیوں وہ دیوانہ بن رہا ہے، خود کو روگ لگا رہا ہے"۔ ان کا لہجہ ملامت سے عاری تھا۔

"آپ پہلے سے سب جانتی ہیں مما، پھر کیوں آپ نے وہ سب کیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کے اور حمزہ کے درمیان دیوار بن گیا ہے، بلاشبہ وہ آپ کی بے حد عزت کرتا ہے، احترام کرتا ہے مگر آپ کے اور اس کے درمیان وہ جھجک و تکلف کا خلا پیدا ہو گیا ہے جو مجھے ڈر ہے آگے جا کر اندھی کھائی میں تبدیل نہ ہو جائے"۔ بہت سنجیدگی سے وہ اپنی فیلنگز بیان کر رہا تھا۔

"اس سے بھی بڑھ کر مجنوں دیکھے ہیں میں نے، یہ سب بے زاری و بے نیازی شادی سے پہلے ہوتی ہے، بعد میں سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ مجھے ڈرانے کے بجائے حمزہ کو راضی کرنے کی کوشش کرو، مہوش سے شادی کرنے کے لیے، ایک بار مہوش دلہن بن کر اس گھر میں آ جائے، سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ راحیلہ اسے رسانیت سے سمجھانے لگی تھیں۔

"ارے بھائی! تم مما کی بات کیوں نہیں مان لیتے، وہ زیادہ ڈسٹربنس کا شکار رہنے لگی ہیں۔ تمہاری لاپرواہی و بے نیازی سے۔ صدر راحیلہ بیگم کے پاس سے اُٹھ کر باہر نکلا تو حمزہ اسے کسی کام سے باہر جاتا ہوا مل گیا تو وہ اس کے ساتھ آ گیا تھا۔

"مما کا کام ہی پر اہلمز کری ایٹ کرنا ہے"۔ وہ کار گیٹ سے نکالتا ہوا سنجیدگی سے بولا تھا۔

"پلیز، اپنے خول سے باہر نکل آؤ۔ مما پہلے سے بہت چینج ہو گئی ہیں، پرانی کوئی بات ان میں نہیں ہے"۔

"وہ میری ماں ہیں میرے لیے ازحد قابلِ احترام و معتبر ہستی ہیں۔ میں ان کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا ہوں مگر جس طرح کا پی ہیویئر ان کا پھپھو اور کرن کے ساتھ رہا پھر جس طرح انہیں اس گھر سے نکالا، وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس قدر گھٹیا اور ذلیل الزام کرن پر لگایا کہ میں کبھی نہیں بھول سکوں گا اس ہتک کو، جو اس نے محسوس کی، صابرو بے قصور پھپھو کے چہرے پر پڑنے والے تھپڑ کا نشان تاحیات میری روح پر ثبت رہے گا۔ اس درد کو میں کبھی نہ بھول پاؤں گا جو ان کا آخری دیدار نہ ہونے پر میرے دل میں موجود رہے گا۔ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟ کبھی نہیں، کبھی بھی نہیں"۔ اس کا لہجہ دھواں دھواں سا تھا۔

"بہت ایموشنل ہو رہے ہو یار! میرا خیال ہے تم مہوش سے شادی کر لو، زندگی میں نیا چینج آئے گا تو اچھا ہو گا"۔

"مہوش سے شادی...... اٹس امپاسبل، مما کو بہت پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا میں کرن میں انٹرسٹڈ ہوں، بس وہیں سے مما نے میری ماں نہیں پھپھو کی نند بن کر سوچنا شروع کیا اور ان کی راہوں میں کانٹے پھیلانے تب ہی شروع کر دیے، اگر وہ میری ماں بن کر سوچتیں تو کرن انہیں اچھی لگتی، جیسے مہوش لگتی ہے مگر انہوں نے کچھ سوچا تو یہی کہ کسی نہ کسی طرح ان دونوں کو کسی ایسے الزام کے تحت یہاں سے نکالا جائے کہ پھر کبھی ان کی واپسی ممکن ہی نہ ہو اور......" اس نے طویل سانس لی۔ "ایسا ہی ہوا انہوں نے مما کی پلاننگ فیل نہ ہونے دی اور اب مما چاہتی ہیں میں ان کے خوابوں کو تعبیر دوں، اپنی حسرتوں کی قبر پر ان کی خواہشوں کی سیج سجاؤں، تو یہ ممکن نہیں ہے، مہوش کی خاطر کرن دربدر ہوئی تھی، کرن نہیں تو مہوش بھی نہیں"۔

"تم خود کو......" اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ مضبوط ہو گئے تھے۔

"یہ کیسی احمقانہ سزا ہے"۔

"کوئی اور بات کرو، آج دل بہت اُداس ہے"۔

"تم پر تو اداسیوں کا موسم چھا گیا ہے۔ میری حالت پر رحم کھاؤ۔ میں نے ابھی ڈھنگ سے بہاریں بھی انجوائے نہیں کی ہیں۔ مجھے اپنی اُداسیوں سے بچاؤ جو تم نے خود پر طاری کی ہیں"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

☆......☆......☆

صبح وہ ناشتہ کر کے روانہ ہو گئے تھے۔

دو دن بعد انہیں امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔

سکینہ کو وہ سمجھا کر آئے تھے کہ اسے کس وقت ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔ احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ اسے ساتھ نہ لے جا رہے تھے۔ اسے ان کے جانے کے ایک ہفتے بعد وہاں پہنچنا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" لہلہاتے کھیتوں کے درمیان پتلی سڑک پر کار ڈرائیو کرتے انس نے کرن سے پوچھا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"کچھ بھی نہیں"۔ اس کے لہجے میں تھکان در آئی تھی۔

"میرے ساتھ امریکہ جانے پر خوش تو ہیں؟ کبھی پلاننگ کی تھی اپنے ملک سے باہر جانے کی؟"

"آپ کے ساتھ جا رہی ہوں، میرے لیے یہی اطمینان کافی ہے۔ اچھے اور برے کی فیلنگز میں ابھی نہیں کر پا رہی ہوں"۔

"آئی لو، آئی لو"۔ انس کا انداز اس کے ساتھ بے حد دوستانہ ہوتا تھا، کچھ کچھ بے تکلفی کے ہمراہ۔

"لیکن مجھے کبھی بھی ایسے لوگ پسند نہیں رہے جو اپنے وطن پر دوسرے غیر وطن کو ترجیح دیتے ہیں۔ وطن کی محبت میں ہم سب کچھ برداشت کرتے ہیں"۔ اس کے انداز پر انس مسکرا کر بولا۔

"میں ایسا ہرگز نہیں کرتا، زیادہ تر میں ملک سے باہر رہتا ہوں، مگر ہر جگہ اپنے وطن کی یاد آتی ہے، نہ مجھے کبھی یہاں کے موسم سے الرجی ہوئی نہ ماحول سے گھٹن، صرف یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنی مٹی اپنی ہوتی ہے۔ اپنی مٹی کی خوشبو آپ کو کہیں نہیں ملے گی"۔

"آپ کی تربیت میں زیادہ حصہ گرینی کا رہا ہے اور گرینی کتنی وطن پرست ہیں، میں بخوبی جانتی ہوں"۔

"میرے متعلق کتنا جانتی ہیں؟" اس نے کرن کی جانب دیکھتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

"بالکل بھی نہیں"۔ کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئی تھی۔

"اچھا...... پھر کب سے جاننا شروع کریں گی؟"

اس کا گھبرایا، شرمایا انداز اسے از حد شوخی کرنے پر مجبور کرتا تھا، اس بار بھی اس کا چہرہ سرخ ہوتے دیکھ کر وہ کوشش کے باوجود اس پر سے نگاہیں ہٹا نہ پا رہا تھا۔

"مجھے میری بات کا جواب نہیں ملا ہے"۔ اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"یہ کوئی سوال نہیں ہے"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"سوال نہیں ہے تو درخواست سمجھ لیجئے، التجا، فریاد جو دل چاہے سمجھ جائیے"۔ اس کے سرخی مائل ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"گرینی ہمارے ساتھ ہوں گی نا؟" کرن اسے پٹڑی سے اُترتے دیکھ کر موضوع بدلتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہوں، سعد نے بڑی محنت سے راضی کیا ہے انہیں ساتھ چلنے پر، ورنہ وہ کسی طور مان کر نہ دے رہی تھیں۔ ہم وہیں چل رہے ہیں"۔ وہ بھی سنجیدگی اختیار کر گیا تھا۔ باقی راستہ ہلکی پھلکی گفتگو میں گزرا تھا۔ حسب توقع سعد اور فاریہ نے بڑی گرم جوشی اور والہانہ پن سے ان کا استقبال کیا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اسے گرینی سے مل کر ہوئی تھی۔ ان کے انداز میں محبت وخلوص کی چاشنی موجود تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے کرن کو سینے سے لگا کر پیشانی چوم کر دعاؤں سے نوازا تھا۔

"گرینی! آپ نے فوراً ہی پارٹی بدل لی، ما بدولت کی اب کوئی عزت نہیں رہی ہے، جو آپ نے میرے بجائے ان کو سینے سے لگایا ہے"۔

کرن کے بعد گرینی اس سے ملیں تو وہ شکوہ کر بیٹھا تھا۔

"اب میری بہو کے بعد تمہارا نمبر آئے گا۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کروں، کم ہے کہ اس نے مجھے یہ دن دیکھنے تو نصیب کیے، ورنہ مجھے لگتا تھا کہ میں یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی مر جاؤں گی"۔ وہ خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے گویا ہوئیں، ان کے چہرے پر سکون وقرار در آیا تھا۔

"سنبھالیں بہو کو میں تو چلا"۔ وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" گرینی سے قبل سعد کہہ اُٹھا۔

"سائیٹ میں کچھ بزنس کے کام سے جا رہا ہوں"۔

"اس طرح تمہارا جانا ٹھیک نہیں ہے، کام اتنا ضروری ہے تو مجھے بتاؤ میں کرتا ہوں مگر تمہیں جانے نہیں دوں گا"۔

"تمہارا کیا مقصد ہے میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤں یہاں پر؟" وہ بُری طرح سے چڑ گیا تھا۔

"ارے کوئی سمجھائے تو سمجھ جانا چاہیے۔ ایک تو تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہے وہ، اوپر سے تم اسی کو آنکھیں دکھا رہے ہو، بھلائی تو وقت ہی نہیں رہا ہے"۔ گرینی نے پوری طرح اس کی خبر لے ڈالی تھی۔

"سوری گرینی! میرا مطلب ہے میری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

"کیوں سارے دشمنوں کو تم نے مکھی بنا کر دیواروں سے چپکا دیا ہے یا تمہیں سلیمانی ٹوپی مل گئی ہے جس کو پہن کر تم کسی کو نظر نہیں آؤ گے؟"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لیجئے"۔

"سیدھی طرح بتاتا ہے یا ماروں دوچھانپڑ؟"

"گرینی! میری نئی نویلی دلہن کے آگے تو میری عزت خراب نہ کریں، تھوڑا تو بھرم قائم رہنے دیں"۔ وہ ایسی مسکین صورت بنا کر بولا کہ وہ سب بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

"تیری بیوی کیا تیرے بچوں کے سامنے بھی تیرا یہی رویہ رہا تو جوتے لگاؤں گی"۔ گرینی کرن کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں، جس نے چہرہ جھکا لیا تھا، اسی دم فاریہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ سب ڈائننگ روم کی جانب بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

ایک محبت میں نے کی ہے

روشن آنکھیں اُجلے آنسو

تیرے پیار کو دان کیے ہیں

چاہت کے احساس تمہارے نام کیے ہیں

نیندیں دی ہیں

خواب بُنے ہیں

رسوائی کو نام کیا ہے

اپنی ذات پہ داغ لیے ہیں

سچے جذبوں والی محبت

تیری ذات پہ صدقے کی ہے

رات رات بھر جاگ کر کتنی

نم آنکھوں سے دعائیں کی ہیں

ایک محبت میں نے کی ہے......!

ایک محبت تم نے کی ہے......!

ایسی ٹھوس اور ایسی بے حس

جس پر دل کا ہر ہر آنسو

پانی کی طرح بہہ جائے

میرے اندر شعلے جلیں

اور اس کی انا پر آنچ نہ آئے

بنجر جذبے، پتھر آنکھیں

یہ جذبوں کی دولت دی ہے

ایک محبت تم نے کی ہے......!

انس......!

انس......!

انس......!

دیواروں پر فرنیچر پر لائٹ پنک کارپٹ پر ہر جگہ سیاہ و نیلی لکھائی سے انس نام جگمگا رہا تھا۔

فائقہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو حیرت و تاسف سے چکرا گئیں۔ منال ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئی تو برہان لغاری منال کو گھر لے آئے تھے۔ فائقہ جو پہلے ہی ہوٹل میں رہائش رکھنا نہیں چاہ رہی تھیں، منال کے ہمراہ خود بھی چلی آئی تھیں۔ اس بار برہان لغاری انہیں منع نہ کر سکے تھے، البتہ والدہ حضور کو اس کی آمد بے حد ناگوار گزری تھی، ان کے ہی حکم پر فائقہ کو گیسٹ روم میں ٹھہرایا گیا تھا۔

منال کو اسی کا کمرہ دیا گیا تھا۔

رات میں وہ کھانا کھا کر سوئیں تو دن چڑھے تک سوتی رہی تھیں۔ اب سے کچھ دیر قبل ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ بیدار ہوئی تھیں۔ ہاتھ لینے کے بعد تیار ہو کر وہ منال کے پاس آئی تھیں کہ معلوم کر سکیں کہ اس کی طبیعت کیسی ہے، اس نے ناشتہ کیا یا نہیں۔ یہاں آ کر تو ان کے ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

انس کا نام رنگ برنگی سیاہیوں میں در و دیوار، فرنیچر پر نمایاں تھا، قالین پر جا بجا مارکرز اور پوائنٹرز بکھرے ہوئے تھے۔ بکھرے بال و شکن آلود لباس میں ملبوس منال ٹیبل کی شفاف سطح پر تیزی سے نام لکھنے میں مصروف تھی۔

اُلجھے بال......!

بے ترتیب حلیہ

وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

''منال! یہ کیا کر رہی ہو؟ یہ کیا ہے؟'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے رنجیدگی سے استفسار کرنے لگیں، مگر منال نے کوئی توجہ نہ دی۔

''منال!......مائی بے بی! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' انہوں نے اس کا جھکا ہوا سر دائیں ہاتھ سے اوپر کرتے ہوئے کہا۔

''مما! اچھا لگ رہا ہے نا؟'' وہ ناموں پر نگاہ دوڑاتی ہوئی خوشی سے سرشار لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''کیا ہے یہ؟''

"میرا دل"۔

"پلیز سنبھالو خود کو، یہ بے وقوفی ہے، احمقانہ پن ہے"۔

"یہ میرا دل ہے، میری زندگی ہے، آپ سمجھ نہیں رہی ہیں مما"۔

"میں کہتی ہوں، ہوش میں رہو، برہان کس قدر فرسٹریٹ ہو رہے ہیں اس شخص کی وجہ سے اور آپ! اسی وقت نکلو اس کمرے سے برہان آ گئے تو مسئلہ ہو جائے گا۔ کسی ملازم سے کہہ کر خاموشی سے کمرہ صاف کروا دوں گی"۔ انہوں نے زبردستی اسے کھڑا کیا تھا۔

"نہیں"۔ وہ ان سے ہاتھ چھڑا کر دور ہوئی، خفگی بھرے انداز میں۔

"میں کبھی بھی اس کمرے سے نہیں نکلوں گی"۔

"وہاٹ؟ کیا کہہ رہی ہو"۔ فائقہ کو اس کی دماغی حالت پر کچھ شبہ ہونے لگا تھا۔

"میں اس کمرے سے کبھی بھی نہیں نکلوں گی تاکہ آپ کمرہ واش نہ کروا سکیں"۔ وہ اس وقت فہم و شعور کی حد سے نکلی ہوئی تھی۔

"ایسا کیا ہے اس مرد میں، جس کی خاطر تم نے یہ حالت بنالی ہے"۔ ان کے لہجے میں غصہ و تفکر جھلکنے لگا تھا۔

"وہ بہت سویٹ ہے، بہت کیئرنگ، بہت لونگ"۔

"شٹ اپ، شیم ان یو منال! اس نے تمہیں ان حالوں تک پہنچایا، تمہارے فادر کی انسلٹ کی، پورا سوشل سرکل ڈاؤن کر دیا، اس کے باوجود تم اس کے گیت گا رہی ہو"۔ وہ غصے میں بولتی چلی گئیں۔

"پپا نے اس کا بھی بھی ایسا ہی حال کروایا تھا۔ اس کے آفس کے لاکرز سے میں نے ہی امپورٹنٹ ڈاکومینٹس چوری کر کے دیئے تھے۔ آج پپا جو ہائی اسٹینڈرڈ کے بزنس کنگ بنے بیٹھے ہیں، ہائی سوسائٹی میں موو کرتے ہیں، سب میری وجہ سے اور انس کی وجہ سے ہے، نہ وہ مجھ پر اتنا اعتبار کرتا، نہ مجھے موقع فراہم ہوتا، نہ یہ سب حاصل ہوتا جس کو حاصل کر کے وہ اکڑ رہے ہیں"۔ اس کا انداز کھرا تھا۔

"بکواس مت کرو، تمہارا باپ، خاندانی رئیس ہے"۔

"جس طرح خاندانی رئیس اپنی عیاشیوں و بدکاریوں میں دولت لٹا دیتے ہیں، پپا بھی لٹا چکے تھے، مزید دولت کے حصول کے لیے ہی انہوں نے انس کو مہرا بنایا تھا میرے لیے"۔ اس کی اونچی آواز اندر داخل ہوتے ہوئے برہان لغاری کے کانوں میں پہنچ رہی تھی، وہ وہیں رُک کر ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ شدید ترین توہین و اشتعال سے ان کی حالت بُری تھی۔

"میں تو کبھی تھی تم پاگل ہوگئی ہو مگر نہیں، تم خود تو ٹھیک ہو مگر ہمیں پاگل کر دو گی"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی پلٹی تھیں اور پردے کے قریب کھڑے برہان لغاری کو دیکھ کر کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

------❀------

سرخ چہرہ، لہو رنگ آنکھیں اور آنکھوں سے نکلتیں قہر وغضب کی بجلیاں فائقہ کچھ نہ بول سکیں، منال نے انہیں دیکھا، بہت لاپروا انداز میں۔

"یہ پاگل پن کی انتہا ہے اسٹوپڈ، جس خبیث کی میں شکل دیکھنے کا روادار نہیں ہوں، اس کا نام تم میرے گھر میں لکھ رہی ہو"۔ ان کے لہجے سے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔

"وہ میرا ہے، میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی ہوں"۔

"بکواس بند کرو ایڈیٹ"۔

"یہ بکواس نہیں میرے دل کی صدا ہے، انس میرا ہے، صرف میرا......"

منال حواسوں سے بیگانہ بے ربط ہوتی چلی گئی اور برہان لغاری کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ انہوں نے سخت جنونی کیفیت میں منال کے رخساروں پر یکے بعد دیگرے کئی تھپڑ لگائے تھے۔

"خدا کے لیے برہان! بس کریں"۔ فائقہ نے ان کے ہاتھ پکڑے ہوئے بھرائے لہجے میں کہا۔

"تم، درمیان میں مت آؤ، یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے"۔ وہ ان سے ہاتھ چھڑا کر چنگھاڑے، جبکہ منال چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ریلیکس پلیز ریلیکس، منال ابھی ایب نارمل ہے، اسے نارمل ہونے کے لیے کچھ وقت چاہیے، ایب نارمل کنڈیشن میں یہ کچھ بھی کر سکتی ہے"۔ فائقہ کے لہجے میں کچھ ایسی نرمی و گداز پن تھا کہ برہان لغاری کو اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ میں کچھ ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

"میں بھی بے حد اپ سیٹ ہوں، بہت پریشرائزڈ، یہ ذلیل مجھے شکست پہ شکست دیتا جا رہا ہے، میری ہر بازی مات ہو رہی ہے، میں چاہنے کے باوجود اس کا کچھ نہیں کر پا رہا ہوں"۔ وہ کنپٹیاں سہلاتے پریشانی سے کہہ رہے تھے۔

"آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، آپ تنہا نہیں ہیں، میں ہوں آپ کے ساتھ، ہمارے درمیان میرڈ ریلیشن شپ نہ سہی مگر فرینڈ شپ تو ہو سکتی ہے"۔ انہیں نرم دیکھ کر وہ دل کی خواہش لبوں پر لے آئی تھیں۔

"ایک کلوز فرینڈ کی طرح آپ اپنے تمام دکھ، سارے پرابلمز مجھ سے شیئر کریں اور خود ریلیکس ہو جائیں، میں آپ کے تمام دکھ پلکوں سے چن لوں گی"۔ وہ برہان لغاری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوئی تھیں۔

منال اندر کمرے میں رو رہی تھی، وہ انہیں باہر لاؤنج میں لے آئی تھیں۔

"تھینکس"۔ وہ ممنون نگاہوں سے فائقہ کی جانب دیکھتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو گئے تھے۔

فائقہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر ان کے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں چلانی شروع کر دی تھیں۔ برہان نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ چند لمحوں بعد ان کو سکون و راحت کا احساس ہونے لگا، گویا فائقہ کی انگلیوں میں ایسا جادو تھا جو ان کے اندر طمانیت بھر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''حمزہ! آپ یہاں ہیں۔ میں نے ہر جگہ دیکھ لیا آپ کو اور آپ یہاں چھپے بیٹھے ہیں''۔ مہوش اس سے آ کر مخاطب ہوئی جو اپنی سوچوں میں گم لائبریری روم میں بیٹھا تھا۔

حمزہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی، کسی جذبے، کسی احساس سے عاری نگاہ۔

''میں تم سے کیوں چھپوں گا؟ میں نے کیا چوری کی ہے؟'' وہ دھیمے سے مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

''آپ کو نہیں معلوم؟'' وہ کہنیوں کے بل ٹیبل پر بیٹھی اور جھک کر اس کے چہرے کی طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جذباتی لہجے میں بولی۔

''میری نیند، میرا چین اور...... میرا دل چوری کیا ہے آپ نے اور......''

''اسٹاپ اٹ......'' حمزہ ہاتھ سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک دم ہی اس کی کیفیت بدل گئی تھی۔ لمحے بھر قبل نرم خو شفیق نظر آنے والا حمزہ یکلخت ہی تند خو مشتعل دکھائی دینے لگا تھا، وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہے؟'' پہلی بار اسے غصے میں دیکھا تو وہ کانپ اُٹھی۔

''میں نے تمہیں پہلے بھی تنبیہہ کی تھی اور اب آخری بار کر رہا ہوں کہ مجھ سے کبھی بھی ایسی خواہشات کی اُمید مت رکھنا جو گلاب نہیں انگارے بن جائیں۔ ایسی آگ بن جائیں جو نہ صرف جسم وجاں، بلکہ روح کو بھی خاکستر کر دے''۔ حمزہ کا لہجہ بے حد تند اور کڑوا تھا۔

''اس آگ میں پہلے ہی جل رہی ہوں، آپ کی بے رُخی و بے نیازی کی آگ سے بڑھ کر بھی کوئی تپش ہوگی بھلا''۔ اپنی چاہت کی ایسی ذلت پر مہوش دھیرے دھیرے سسک اُٹھی تھی۔

''تم سے کس نے کہا، اس شعلوں بھری راہ پر چلو، جس کی کوئی منزل نہیں''۔

''میرے دل نے''۔ وہ آہستگی سے سسکی۔

''بیوقوفی، پاگل پن، جو دل کے کہنے پر چلتا ہے، وہ ہوش وخرد سے عاری ہوتا ہے مہوش! ابھی بھی دیر نہیں ہوئی تم چند قدم اس راہ پر چلی ہو جو تمہارے لیے نہیں ہے، بہتر ہے واپس پلٹ جاؤ، اسی میں عافیت ونجات ہے۔ اس راہ پر جو چلا ہے وہ چلتا ہی رہا ہے پھر بھی منزل نہیں ملی''۔

مہوش کے آنسو اور چہرے پر چھائی بدحواسی اس کا دل موم کر گئی تھی، وہ اسے سمجھاتے ہوئے نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''میں مجبور ہوں، بے بس ہوں، اس معاملے میں جتنا پیچھے ہٹنا چاہتی ہوں، اتنا ہی خود کو بے بس ولاچار پاتی ہوں۔ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی، کچھ نہیں چاہتی سوائے اس کے...... کہ آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیں، اپنا نام دے دیں، میں کچھ نہیں مانگوں گی، میرے لیے صرف یہی حقیقت کافی ہوگی کہ آپ میرے ہیں''۔ پیار کی آنچ سے سلگتا ہوا اس کا لہجہ اڑتی رنگت و بکھرتے حواس پتہ دے رہے تھے کہ وہ عشق کی وادی کی باسی بن چکی ہے۔

''مہوش! تم اچھی لڑکی ہو، تمہیں پانے والا اپنے نصیب پر رشک کرے گا، دُنیا بھر کی راحتیں و مسرتیں تمہیں نصیب ہوں گے، مجھے بھول جاؤ، میں وہ چراغ ہوں جو نہ اپنی راہ روشن کر سکتا ہے، نہ کسی اور کو روشنی دے سکتا ہے، مجھے بھول جاؤ''۔ وہ کہہ کر رُکا نہیں، سیدھا چلا گیا۔

راحیلہ بیگم جو کھڑکی سے سب دیکھ و سن رہی تھیں، حمزہ کے بے لچک انداز و مہوش کی بے قراریوں کو دیکھ کر مضطرب ہو گئی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا، خواہ کچھ بھی ہو وہ اب حمزہ کی شادی کروا کر ہی دم لیں گی، حمزہ نے بہت من مانی کر لی۔

☆......☆......☆

ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعیں ہر سُو سونا بکھیر رہی تھیں۔ ماحول پر سکوت طاری تھا، ہوا کی سرسراہٹوں میں برف کی سی نمی تھی۔ والدہ حضور کے کمرے میں ہیٹر آن تھا۔

برہان لغاری اس کے رُو برو بیٹھے تھے، درمیانی میز پر کانچ کی نفیس پیالیوں سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ والدہ حضور کی خواہش پر ملازمہ گرین ٹی کچھ لمحے قبل سرو کر کے گئی تھی۔

ویلوٹ کے گہرے کلر کے سوٹ میں سیاہ گرم چادر اوڑھے وہ خاصی خفا خفا بیٹھی تھیں، سرخ و سفید رنگت پر غصے کی سرخی نمایاں تھی۔

''والدہ حضور! پلیز غصہ مت کریں، بی پی پہلے ہی ہائی لیول پر ہے آپ کا مزید ٹینشن خطرناک ہوگی''۔ برہان لغاری نے اپنی بات پھر دہرائی تھی، وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ان کا موڈ بہتر کرنے کی سعی میں لگے تھے مگر وہ ہنوز غصے میں تھیں۔

''ہونہہ، بڑی بڑی باتیں کرتے تھے، ان بدبختوں کو زندہ درگور کرنے کی، پھانسی پر چڑھانے کی اور کیا کیا؟ صبر کر کے بیٹھ گئے ہو، اتنی جلد بھول گئے، اپنی ذلت، اپنی شکست، کس طرح ہماری رسوائی ہوئی، جگ ہنسائی ہوئی، جن لوگوں کو کل تک ہماری طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ تھی، وہ آج ہم پر اُنگلیاں اُٹھاتے ہیں، ہنستے ہیں، مضحکہ اُڑاتے ہیں''۔ وہ اس وقت سخت غصے و جلال میں تھیں۔

''والدہ حضور! آپ کا غصہ، آپ کی ناراضگی بجا ہے جو جذبات آپ کے ہیں وہی میرے بھی ہیں جو آپ محسوس کر رہی ہیں وہ سب مجھے بھی فیل ہو رہا ہے''۔ برہان لغاری بے حد تحمل و اپنائیت سے ان سے مخاطب تھے، والدہ حضور ان کی بات قطع کر کے گویا ہوئیں۔

''پھر کیا وجہ ہے جو اتنے دن گزرنے کے باوجود ہم اپنے مجرموں کو اپنے سامنے نہیں دیکھ رہے ہیں، ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا''۔

''پہلے ہمارے دشمن اتنے طاقتور و اثر و رسوخ والے نہیں تھے۔ والدہ حضور، اب بات برابری کی ہے، بلکہ اس وقت وہ باپ اور بیٹا ہم سے بہت اسٹرونگ، پوزیشن میں ہیں، میں سرینڈر کر چکا ہوں''۔ برہان لغاری کا دھیما لہجہ شکست خوردگی و مایوسی سے پُر تھا۔

''کیا کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو اس طرح معاف کر دیں؟ ہمارے ہاں ایسا کبھی ہوا ہے جو اَب ہوگا، سرِ عام بھری محفل میں ہماری عزت سے کھیلا گیا اور تم کہہ رہے ہو کہ بنا لڑے تم نے شکست قبول کر لی''۔ وہ جاہ و جلال سے کانپ اُٹھی تھیں۔ کمرے کے درو دیوار ان کی آواز سے گونج رہے تھے۔

''والدہ حضور! جن وقتوں کا آپ حوالہ دے رہی ہیں، وہ گزر چکے ہیں۔ ہر دور کے تقاضے الگ ہوتے ہیں۔ اہمیت جدا ہوتی ہے۔ گزرتا وقت اپنے ساتھ اپنے سنگ وہ تمام چیزیں بھی لے جاتا ہے جو اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ ماضی کی باتیں، ماضی ہی بن

جاتی ہیں۔ ہم اب جس دور میں جی رہے ہیں وہ اس گزرے دور سے بہت مختلف اور بہت مشکل ہے، یہاں ہر کام محض "دولت" سے نہیں ہوتا ہے۔ دولت کے علاوہ اور بھی دوسرے بے حد طاقتور عوامل ہیں جن پر چڑھ کراوپر پہنچا جاتا ہے، نہ میں بزدل ہوا ہوں اور نہ کم حوصلہ، اگر مجھے اپنی کمزور ہوتی بزنس پاور کا ادراک نہ ہوتا تو میں کبھی بھی حوصلہ ہار کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ یہ سب سمجھوتہ و مصلحت پسندی ہے"۔ والدہ حضور کی سمجھ میں یہ گفتگو آ گئی، وہ کچھ ٹھنڈی ہو کر بیٹھی تھیں مگر تیور ہنوز بگڑے تھے۔

"یہ سب تمہاری اولاد کا کیا دھرا ہے۔ ایک نکاح کر کے بھاگ گئی، دوسری طلاق لے کر آ گئی اور یہی کیا کم تھا کہ وہ بے شرم عورت جو اس گھر سے ملازم کے ساتھ بھاگی تھی وہ اب اپنی گندی صورت لے کر کس منہ سے آئی ہے یہاں؟ کیا تعلق ہے اس کا اس گھر سے؟ تم سے تعلق توڑ کر گئی تھی پھر کیوں آئی ہے یہاں؟"

"والدہ حضور! مجھ سے تعلق ٹوٹا ہے منال سے تو نہیں، منال بیٹی ہے اس کی، اس کی محبت میں وہ یہاں آئی ہے"۔

"اچھا...... بیٹی ہے اس کی! اس کی محبت میں آئی ہے؟" ان کے لہجے میں سخت استہزا و طنز در آیا۔

"جی"۔ برہان لغاری بوکھلا سے گئے تھے۔

"اس وقت اسے بیٹی کا خیال نہیں آیا جب بیٹی کو اس کی ضرورت تھی۔ اس وقت یہ محبت نہ جاگی جب چند سال کی بیٹی کو چھوڑ کر بھاگی تھی"۔

"ان تکلیف دہ باتوں کو ہم بھول جائیں تو بہتر نہ ہوگا"۔

"یہ باتیں نہیں وہ ذلت و رسوائی کے داغ ہیں جو جسم سے روح میں سرایت کر جاتے ہیں اور ان کو دھونے کے لیے کوئی صابن، کوئی پاؤڈر نہیں بنا"۔

"مدثر نے حکومت سے مدد مانگی ہے اپنے بیٹے اور بہو کی زندگیوں کے لیے اور اس کی درخواست فوراً منظور کی گئی ہے۔ مجھے صبح صمدانی نے کال پر بتایا ہے، میں نے اپنے آدمی واپس بلوا لیے ہیں کہ ہم کتنے بھی باحیثیت ہوں، اقتدارِ اعلیٰ سے نہیں ٹکرا سکتے ہیں۔ یہ وجہ ہے میرے پیچھے ہٹنے کی"۔ وہ موضوع بدلتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ہاں...... پھر تو ٹھیک ہے لیکن...... کب تک یہ سلسلہ چلے گا"۔

"معلوم نہیں۔ میں بری طرح ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں والدہ حضور! ایسا لگتا ہے اب زندگی مجھے گزارے گی"۔ وہ بے حد پژمردہ مضمحل تھے۔

"ہمت نہیں ہارو، آج نہیں تو کل ہمارے ہاتھ آئیں گے وہ"۔ والدہ حضور نڈر و حوصلہ مند بیٹے کی اُتری صورت دیکھ کر دہل سی گئی تھیں۔

"شاید...... اُمید پر دُنیا قائم ہے"۔

"یہ گرین ٹی ٹھنڈی ہو گئی ٹھہرو، میں دوسری منگواتی ہوں"۔ وہ ملازمہ کو آواز دینے لگیں، ملازمہ پہلی آواز پر ہی اندر داخل ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اسے اُمید نہیں تھی کہ حالات اتنی تیزی سے موافق ہو جائیں گے۔ مدثر صاحب ملک سے باہر تھے مگر انہوں نے اس دوری کو محسوس ہونے نہیں دیا، ان کا رابطہ مسلسل اعلیٰ حکام سے رہا تھا اور بالآخر وہ ان کے لیے سیکورٹی حاصل کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ فون پر انس اور کرن کو انہوں نے گڈ وشز دی تھیں اور ساتھ میں یہ نوید بھی کہ ان کے نیویارک آنے پر ان کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی کا انتظام وہ کر چکے ہیں۔

فاریہ اور سعد بھی ان کی روانگی تک ان کے ساتھ رہنے آئے تھے۔ فاریہ ماں بننے والی تھی، ولادت قریب تھی، اس لیے گرینی بزرگ کی حیثیت سے ساتھ تھیں اور بے حد خیال رکھ رہی تھیں فاریہ کا۔

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ کمرے میں آئی تو گرینی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر خاصی دیر تک تنقیدی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھیں۔ کمرے میں انس موجود تھا۔

وہ گرینی کی نگاہوں سے بے خبر اپنے موبائل میں نمبرز انٹر کرنے میں مگن تھا، کرن ان کی نگاہوں کی زبان تو نہ سمجھ پا رہی تھی مگر اسے اپنے اندر بے چینی و گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ وہ بلاوجہ کارنر پر رکھے ڈیکوریشن پیسز سر نو ترتیب دینے لگی تھی مگر گرینی کی نگاہوں کی تپش اسے کنفیوز کرنے لگی تھی۔

"بہو! ادھر آؤ"۔ ان کی بارعب آواز میں نہ معلوم کیا تھا کہ وہ تو فوراً ہی ان کی جانب بڑھی تھی، موبائل میں مصروف انس نے بھی چونک کر پہلے کرن پھر گرینی کی طرف دیکھا تھا۔

"جی"۔ کرن کے خشک ہونٹوں سے بمشکل نکلا تھا۔

"یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ نہ زیور، نہ کپڑے ہیں ڈھنگ کے اور یہ ہاتھ......" انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے جو بالکل سادہ تھے۔

"کیوں خالی ہیں؟" ان کا انداز فرض شناس افسر کی طرح تفتیشی تھا۔ کرن کو وہ وہی گرینی لگی جو ملازمت کے شروع دنوں میں لگا کرتی تھیں۔ سخت مزاج، بارعب و خصہ ور۔

وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی، جبکہ انس موبائل جیب میں رکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کے انداز میں کافی دلچسپی تھی۔

"چوڑیاں سہاگ کی علامت ہوتی ہیں اور تم سہاگن ہوتے ہوئے بھی کنواریوں کی طرح حلیہ بنائے گھوم رہی ہو، کتنی بُری بات ہے"۔ اس کے ہوائیاں اُڑتے چہرے پر ان کو ترس آ گیا اور وہ نرم انداز میں گویا ہوئیں، ان کا انداز نرم دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی اور چہرے پر دھیمی مسکراہٹ اُبھری۔ اس مسکراہٹ میں کچھ ایسی بے چارگی و بھولپن تھا کہ انس ہنس پڑا تھا۔

"شرم کرو کچھ، نئی نویلی دلہن کس حلیے میں گھوم رہی ہے، تمہیں نظر نہیں آ رہا؟ اتنی دولت و روپیہ کس کام کا؟" وہ اب انس کو گھور رہی تھیں جو توپوں کا رُخ اپنی جانب دیکھ کر ہنسنا بھول گیا تھا۔

"میں نے کب منع کیا گرینی! یہ جب کہیں میں شاپنگ کرانے کو تیار ہوں"۔

"یہ کیوں کہہ؟ تم کو خود خیال رکھنا چاہیے"۔

"او کے، او کے، آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا"۔ وہ کہتا ہوا سرعت سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

"آپ کو تو معلوم ہے جو کچھ بھی ہوا کس طرح اور کیسے ہوا ہے۔ اس انداز میں مربوط ہونے والے تعلق جگہ بنانے میں وقت لیتے ہیں، میں ابھی یہ سب قبول نہیں کر پائی ہوں تو ان کو نہ معلوم کتنا وقت لگے"۔ گرینی کی ڈھارس بندھوانے اور ہمت دینے پر کرن نے کہا۔

"ہمارے ساتھ جو ہوتا ہے، وہ رب کی مرضی و حکم سے ہوتا ہے۔ انسان اس بے جان کٹھ پتلی کی طرح ہے جس کی ڈور اس کے مالک کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ڈور ہلاتا ہے اور ہم حرکت کرتے ہیں۔ ہمارا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، مرنا، جینا، سب اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اس کے محتاج ہیں، وہ ہم پر قادر ہے جو وہ چاہتا ہے ہوتا وہی ہے اور اس نے تمہارا اور انس کا سنجوگ اسی طرح تحریر کیا تو وہ ایسا ہی ہوا، کیوں فضول سوچ کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ رہا سوال انس کا، شاید تم سوچ رہی ہو کہ اس نے تمہیں دل سے قبول نہیں کیا، محض ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے تمہیں اپنایا ہے تو بیٹا، یہ خیال دل سے نکال دو، کبھی بھول کر بھی ایسا مت سوچنا، کیونکہ میں جانتی ہوں، اس کے مزاج کو، اس کی طبیعت کو، اس کے دل کو"۔ کرن ان کے قریب سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

"اس کا ماضی تم سے پوشیدہ نہیں ہے، اب جو کچھ ہوا اس سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو، بے شک محبت وہ طاقت ہے جو پتھروں میں بھی پھول کھلا دیتی ہے۔ سبزہ اُگاتی ہے، بنجر زمین کو سیراب کر دیتی ہے، مگر جب محبت نفرت میں بدل جائے تو آگ وتباہی بن جاتی ہے، بربادی بن جاتی ہے، تم تو خود ایک گواہ ہو، انس نے جو کچھ کیا وہ نفرت کا ہی انتقام ہے اور مرد کی محبت سے زیادہ شدید جذبہ نفرت ہے"۔ وہ بے حد سانیت سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"انس میرا بچہ، بہت دُکھی، بہت تنہا ہے، اسے بہت سارا پیار دینا، دیکھنا وہ جتنا باہر سے خود سر، سنجیدہ ولاپرواہ دکھائی دیتا ہے، اندر سے وہ بالکل اُلٹ ہے، بہت چاہے گا تمہیں، بے حد پیار دے گا، بس کبھی تم اسے تنہا نہیں کرنا، تنہائی کا احساس نہ دینا"۔ اسی دم فاریہ کمرے میں داخل ہوئی تھی، ساتھ ملازمہ تھی جس نے کئی شینل کے جیولری بکس پکڑے ہوئے تھے۔ فاریہ نے ایک جیولری بکس ملازمہ سے لے کر گرینی کی طرف بڑھا دیا تھا۔ باقی ملازمہ اس کے اشارے پر دوسرے کمرے کی طرف لے گئی تھی۔ لائٹ پنک ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں فاریہ کے چہرے پر ممتا کا نور پھیلا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ کنگن ہیں میری طرف سے تمہاری رُونمائی کا تحفہ"۔ جگمگ کرتے طلائی کنگن اور چوڑیاں انہوں نے اس کی سُونی کلائیوں میں ڈالیں تو وہ جھکا سر نہ اُٹھا سکی تھی۔ ایک کے بعد ایک چوڑی و کنگن سے اس کی گوری کلائیاں دمک اُٹھی تھیں۔ گرینی نے اس کی پیشانی چوم کر دعائیں دی تھیں۔

☆......☆......☆

مہوش نے حمزہ کے انکار کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا اور بیمار پڑ گئی تھی۔ صمد کی بروقت ٹریٹمنٹ سے اس کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تھی مگر اس کی متاثر ہوتی صحت کی وجہ سے راحیلہ بہت فکر مند تھیں۔ سحرش اپنے ہسبینڈ کے ساتھ پنجاب عزیزوں کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مہوش کو خود روک لیا تھا کہ وہ گھر میں رہے گی تو کسی نہ کسی طرح حمزہ کو اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی، اس طرح ان دونوں بہنوں کا خواب بھی حقیقت بن جائے گا اور وہ حمزہ کے ذہن سے کرن کی محبت کو نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گی مگر......

ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ حمزہ کا رویہ اور کل کی جانے والی گفتگو سے وہ سمجھ گئی تھیں جو وہ چاہ رہی ہیں وہ بہت مشکل ہے۔ رات بھر وہ سوچتی رہی تھیں۔ اب ایسا کیا کیا جائے جس کے باعث مہوش حمزہ کی بیوی بن کر اس گھر میں آ جائے۔ بے حد سوچ بچار کے بعد بھی وہ کوئی حل تلاش نہ کر پائی تھیں اور نتیجتاً ان کا موڈ بری طرح آف تھا۔ وہ مہوش کے لیے سوپ بنا کر لائیں تو دیکھا وہ خاموشی سے رو رہی تھی۔

''مہوش بیٹا! کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا سحرش دیکھے گی تمہیں تو مجھ سے بدگمان ہو گی کہ میں نے تمہارا دھیان نہیں رکھا''۔ وہ سوپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''آپ پریشان مت ہوں آنٹی، میں ٹھیک ہوں''۔ وہ تیزی سے اپنے آنسو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

''کیسے پریشان نہ ہوں، ابھی تم میری ذمے داری ہو''۔ انہوں نے اسے لپٹاتے ہوئے کہا تو ان کے سینے سے لگ کر وہ پھر رو پڑی تھی۔

''میں جانتی ہوں تمہارا درد، کل تمہاری اور حمزہ کی سب باتیں سن چکی ہوں، جو تمہاری خواہش ہے وہ میری بھی آرزو ہے، میں نے بہت عرصہ قبل سے تمہیں حمزہ کی دلہن کے روپ میں دیکھنا شروع کر دیا تھا مگر اس کو وہ ناگن ایسا ڈس کر گئی ہے کہ وہ اس کے زہر سے چھٹکارا نہیں پا رہا ہے۔ کرن کی خاطر وہ ہر خوشی، ہر سکھ تیاگ بیٹھا ہے''۔

''وہ ایسا کیوں ہے پتھر دل، بے حس و بے نیاز، جو اسے چھوڑ کر چلی گئی اس کی یاد میں گم رہتا ہے جو اسے چاہتی ہے جو اس کی بننا چاہتی ہے، اس کی اسے پروا بھی نہیں ہے''۔ وہ ان سے علیحدہ ہوتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

''کیا کروں میں خود اتنی پریشان ہو گئی ہوں''۔

''میں اس سے پھر بات کروں گی، شاید مان جائے''۔ اک آس پھر جاگی۔

''تمہارے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہے، کیوں خود کو اتنا کمزور ثابت کر رہی ہو، بے شک حمزہ میرا بیٹا ہے مگر میں یہ نہیں چاہوں گی کہ تم محبت کی بھیک مانگو اس سے، محبت اعزاز کی طرح حاصل کی جاتی ہے، بھیک کی طرح ہرگز نہیں بیٹا''۔ مہوش کی دیوانگی انہیں حمزہ سے بدظن کر رہی تھی۔

''جہاں محبت ہوتی ہے وہاں وضع داری و عزت نفس کا پندار نہیں ہوتا۔ وہ مجھے ٹھکرائے ایک بار نہیں بار بار، مگر اپنا لے''۔ اس کی حالت دیکھ کر راحیلہ بیگم تڑپ اٹھی تھیں اور سیدھی حمزہ کے کمرے میں آئی تھیں۔

"تم کب تک مجھ سے انتقام لیتے رہو گے، اس وقت کا جواب ہمارے درمیان نہیں رہا ہے"۔ وہ آتے ہی بلاتمہید بولی تھیں۔

"کیا کہہ رہی ہیں ممی آپ؟" اس کا انداز حیران کن تھا۔

"وہی جو سمجھ رہے ہو، ایک کرن نہیں ملی، اس کا بدلہ تم سب سے لے رہے ہو، خصوصاً مجھ سے اور مہوش سے، وہ تمہاری محبت میں کتنا تڑپ رہی ہے، تمہیں احساس تک نہیں ہے"۔

"آپ کو مہوش کی تڑپ نظر آ گئی، کبھی میرا خیال نہیں آیا؟"

"میں جانتی تھی کرن میری بہو بنی تو میں بیٹے سے ہاتھ دھولوں گی اور دیکھو کتنا صحیح فیصلہ تھا میرا، وہ تمہاری زندگی میں نہیں آئی، جب تم میری پروا نہیں کرتے اگر وہ سچ مچ تمہاری بیوی بن جاتی تو تم چٹیا پکڑ کر مجھے گھر سے باہر نکال دیتے"۔ وہ غصے میں چیخ رہی تھیں۔

"بدگمانی کی بھی انتہا ہوتی ہے ممی! آپ کو میں ایسا بے حمیت لگتا ہوں اور نہ کرن ایسی تھی"۔

"ہاں...... ہاں میں جانتی ہوں، وہ کیسی تھی، میرا منہ نہ کھلواؤ تو بہتر ہے"۔

"او کے، اب کیا چاہتی ہیں آپ؟" وہ طویل سانس لے کر بولا۔

"تمہیں مہوش سے شادی کرنی ہوگی"۔

"امپاسبل، مہوش کو میں پسند نہیں کرتا"۔ وہ صاف گوئی سے بولا۔

"تمہیں مہوش سے شادی کرنی ہوگی۔ یہ میرا حکم ہے"۔

"آل رائٹ، میں شادی کروں گا، مگر پھر کبھی زندگی بھر آپ لوگ مجھے دیکھ نہ پائیں گے، کرلیں آپ اپنی مرضی، پھر میری مرضی ہوگی، مہوش کو صرف میرا نام ملے گا، میرا سایہ بھی نہ پا سکے گی وہ، میرے دل کی دُنیا آپ نے از خود اُجاڑی ہے اور جو بستیاں اُجڑ جاتی ہیں وہ بسا نہیں کرتی ہیں پھر"۔ سالوں کا غبار جو دل میں حشر برپا کیے رکھتا تھا، آج راحیلہ کی ہٹ دھرمی کے باعث بہہ نکلا تھا۔ وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

راحیلہ گم صم کھڑی رہ گئی تھیں۔

حمزہ نے لہجہ پست اور آواز نرم رکھی تھی مگر پھر بھی انہیں لگا، سرِ عام وہ بے عزت ہو گئی ہوں، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی وہ یہ سمجھتی تھیں کہ حمزہ ان کی چال نہیں سمجھ سکا ہے، اب معلوم ہوا تھا وہ ان کی ذہنیت سے پوری طرح واقف تھا۔

"دیکھا آپ نے؟ کیا انعام مل رہا ہے آپ کی بہن اور بھانجی کو رکھنے کا، میری اولاد مجھے قصوروار ٹھہرا رہی ہے، وہ لڑکی اس گھر میں نہیں آئی جب ایسی فضا ہے اگر آ جاتی تو کیا ہوتا؟" وہ عاصم صاحب کو دیکھ کر روتے ہوئے بولیں جو ان کی آواز سن کر آ گئے تھے۔

"کرن اس گھر میں آ جاتی تو گھر، گھر بن جاتا، تم نے ماں کا نہیں ڈائن کا حق ادا کیا ہے۔ بیٹے کے معاملے میں مائیں بیٹوں کے دل آباد کرتی ہیں، تم اس کا دل ہی کھا گئیں، اب بھی سکون نہیں ہے، بیٹے کو تو باغی کر دیا اور کیا چاہتی ہو"۔ عاصم صاحب نے کھری کھری سنائی تھیں۔ اندر مہوش، باہر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''منال! مائی بے بی! ڈیڈی آئیں تو ان سے بہت اچھی طرح بات کرنی ہے، بالکل ریلیکس ہو کر، تاکہ وہ اچھا فیل کریں''۔

''مجھے بات نہیں کرنی ان سے''۔ وہ ماں کا ہاتھ جھٹک کر دور ہوئی۔

''کیوں؟'' وہ حیرانگی سے گویا ہوئیں۔

''انہوں نے مجھے مارا، بُرا بھلا کہا، مجھے بات نہیں کرنی ان سے''۔

''غلطی آپ کی تھی تب ہی''۔

''آپ ڈیڈی کی اتنی سائیڈ کیوں لے رہی ہیں؟'' وہ تیوری چڑھا کر فائقہ سے مخاطب ہوئی تو چند لمحوں کے لیے وہ گڑبڑا گئیں۔

''آپ ان سے ڈائیورس لے چکی ہیں، کوئی ریلیشن شپ نہیں ہے آپ کا ان کے ساتھ، پھر آپ کیوں ایکسائیٹڈ ہو رہی ہیں''۔

''آئی نو، میرا ڈائیورس ہو چکا ہے اور برہان کے ساتھ میرا کوئی ریلیشن نہیں ہے مگر تمہارا تو ہے نا، تمہارے فادر ہیں، تمہاری کیئر کرتے ہیں، لو کرتے ہیں تم سے، تو یہی ریلیشن کافی نہیں ہے''۔ بہت سوچنے کے بعد ان سے یہی جواب بن پڑا تھا۔

''سوری مما! یہ پاکستان ہے یہاں وہ سب نہیں جو کینیڈا کا کلچر ہے یہاں آپ کو......''

''شٹ اپ، شٹ یور ماؤتھ، تم حد سے بڑھ رہی ہو''۔ انہیں شدید غصہ آ گیا۔ وہ غرائی تھیں۔

''تم مجھے کونس کرو گی، یہ پاکستان ہے یا کینیڈا، یہاں کے کلچرز کی تم انفارمیشن دو گی؟''

''آف کورس مما!'' وہ شانے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔

''شٹ اپ، رکھو اپنی انفارمیشنز اپنے پاس''۔

''آپ اتنی ڈس ہارٹ کیوں فیل کر رہی ہیں، میں نے کامن بات کی ہے''۔ منال نے بالوں میں تیز تیز برش چلاتے ہوئے کہا۔

''تم ابھی ٹھیک نہیں ہو، تمہارا رویہ نامناسب ہے، تمہیں الیکٹرک شاکز کی ضرورت ہے، تاکہ تمہارا مائینڈ اوپن ہو اور تمہیں بات کرنے کا سینس آئے''۔

''آپ کے انداز سے لگ رہا ہے الیکٹرک شاکز کی مجھے نہیں، آپ کو ضرورت ہے''۔ وہ منہ ٹیڑھا کر کے بولی۔

''منال...... منال! کیا ہو گیا ہے تمہیں، یہ کس انداز میں اپنی ماں سے بات کر رہی ہو؟ میں اس لیے آئی ہوں کیا؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر روہانسے لہجے میں کہا۔

''میں تو ویسے ہی ہوں، مجھے آپ بدلی بدلی لگ رہی ہیں''۔ وہ فائقہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''کیسی بدلی بدلی لگ رہی ہوں میری جان''۔ چند لمحے قبل انگارے برساتے لہجے میں یکلخت شہد گھل گیا تھا۔

''بہت بدلی ہوئی، آپ کو میری فکر نہیں ہے، آپ میرے لیے نہیں سوچتی ہیں، آپ کو میری پرواہ نہیں ہے، یہ تمام فیلنگز آپ ڈیڈی کے لیے رکھتی ہیں، مجھے لگتا ہے آپ یہاں آئی بھی ڈیڈی کی خاطر ہی ہیں''۔ وہ کہتی چلی گئی۔

''اوہ...... پور گرل! ابھی کچھ دیر پہلے کہہ رہی تھیں میرا برہان سے کوئی ریلیشن نہیں ہے۔ اب کہہ رہی ہو، میں اس کی خاطر آئی ہوں''۔ وہ اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر مسکرا کر بولیں۔

''تم ریسٹ کرو مینٹلی ڈسٹربنس کا شکار ہو گئی ہو''۔

''آپ کا مقصد ہے میں پاگل ہو گئی ہوں؟'' وہ غصے سے بولی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا ڈیئر''۔

''سب جانتی ہوں میں، عقل مجھے اب آ رہی ہے''۔

''عقل آ رہی ہے تو اسے یوز کرنا بھی سیکھو، بلاوجہ کیوں فضول اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہو''۔

''مجھے انس سے ملنا ہے، میں اس سے ملنا چاہتی ہوں''۔ یک دم ہی اسے کوئی خیال آیا تو وہ چونک کر بولیں۔

''کیوں ملنا ہے، تمہارا کوئی تعلق ہے اس سے''۔ وہ سرد لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ڈیڈی سے کیوں ملتی ہیں، ان سے کوئی تعلق ہے آپ کا؟'' منال نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اسے تمہاری ضرورت نہیں ہے، وہ تم سے نہیں ملنا چاہتا''۔ اس کی خودسری وضد دیکھ کر وہ بلامروت بولیں۔

''نہیں جھوٹ ہے''۔

''وہ تمہاری اسٹیپ سسٹر کرن سے شادی کر چکا ہے''۔

''نہیں...... نہیں...... نہیں، وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا تھا میں اس کی دلہن بنوں گی''۔ رفتہ رفتہ اس پر وہی سائیکی کیفیت طاری ہونے لگی تھی، انس کے نام پر وہ گھائل پرندے کی طرح تڑپنے لگتی تھی۔ فائقہ نے بہلا پھسلا کر اسے میڈیسن کھلائی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس پر کمبل ڈال کر وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی تھیں۔ کھڑکی کے شیشے سے خوب صورت لان کا نظارہ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ باہر دیکھ رہی تھیں اور ذہن آئندہ کے لائحہ عمل کے تانے بانے بننے میں سرگرداں تھا۔

☆......☆......☆

انس بیڈ پر لیٹا میگزین پڑھنے میں محو تھا کہ اس کی سماعت میں کچھ نامانوس آوازیں گونجی تھیں۔

ایک بار، دو بار، تین بار۔

وقفے وقفے سے وہ دھیمی چھن چھن کی آواز خاصی دل کشش تھی۔ نہ معلوم کیا کشش تھی اس آواز میں، کیا بھید کہ از خود ہی اس کی سماعت اس آواز پر لگ گئی تھی جو ہوا کے دوش پر لہرا رہی تھی۔ کبھی چھن چھن قریب آ جاتی تو کبھی دور چلی جاتی تھی۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میگزین سائیڈ پر رکھا اور سلیپر پہنے بنا کھڑکی کے پردے سے آہستگی سے باہر دیکھا اور مبہوت رہ گیا۔

میرون جھلملاتی ساڑی، میرون جیولری، پشت پر پھیلا براؤن بالوں کا آبشار، میک اپ سے دمکتا حسین چہرہ، جہاں گھبراہٹ

پریشانی کی کیفیت نے حُسن کو انوکھی جلا بخشی تھی۔

اس کا حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ پریشانی سے ٹہل رہی تھی۔ اِدھر آتی، اُدھر جاتی، اضطراب سے اُنگلیاں مروڑتی اور اس حرکت سے خاموش ماحول میں چھن چھن کی مدھر آواز گونج رہی تھی، جو اس کے ہاتھوں میں موجود چوڑیوں و کنگنوں کی تھی۔ اس کے اندر جذبات کی طغیانی تلاطم برپا کرنے لگی۔

وہ کرن تھی۔

وہی کرن جس کی زندگی اس نے ایک عرصہ مشکل بنا ڈالی تھی۔ اس کی تذلیل و تضحیک میں وہ حد سے بڑھ جایا کرتا تھا مگر اب وقت کروٹ بدل چکا تھا، اس کی بیگانی و بے نیازی محبت میں بدل چکی تھی۔ وہ آہستگی سے پردہ ہٹا کر دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔

کرن اچانک اسے سامنے دیکھ کر گھبرا کر رُک گئی۔ وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

کرن کے چہرے پر گھبراہٹ، اضطراب و حیا کے دل کش رنگ تھے۔ انس کی آنکھوں میں وارفتگی، پسندیدگی و مسرتوں کی چمک تھی، وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے پُرشوق انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

ایک ایسی طمانیت بھری مسکراہٹ!

جو دل کے چمن کی آرزوؤں کے تمام گلاب کھل جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ کئی خاموش لمحے اسی طرح گزر گئے۔

"ویری نائس، بہت کیوٹ لگ رہی ہو"۔ وہ اس کے بالکل قریب آکر بوجھل لہجے میں گویا ہوا۔

"وہ...... وہ گریٹی اور قاریہ بھابی نے...... زبردستی ہی"۔ اس کی پُرحدت نگاہوں کی تپش سے اس کے عارضوں پر سرخی پھیل گئی تھی۔ ان ساعتوں میں اسے انس سے اتنی حیا آئی کہ وہ پھر بول نہ سکی اور رُخ موڑ کر اس کی جانب سے کھڑی ہوگئی۔

"تھینکس گاڈ! آپ کو نہ سہی، انہیں تو مجھ پر ترس آیا"۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھامتے ہوئے سرگوشی کی اور کمرے میں لے آیا تھا۔

"کل ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے، یہ ہمارا ہنی مون پیریڈ ہوگا۔ میں چاہتا ہوں، اپنی نئی زندگی کی ابتدا یہیں سے ہو، اپنے ملک سے، اپنے گھر سے"۔ وہ کرن کا ہاتھ تھامے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"ہماری نئی زندگی کی شروعات میں کوئی جھوٹ، کوئی مبالغہ آرائی کی رمق نہیں ہوگی، اپنے ماضی کا چیپٹر میں ہمیشہ کے لیے کلوز کر رہا ہوں، جو بھی ہوا وہ یاد رکھنے کے قابل نہیں ہے، فراموش کرنے کے لیے ہے اور میں فراموش کر چکا ہوں۔ زندگی کی آخری سانس تک میری تمام محبتوں کی حق دار صرف تمہاری ذات رہے گی، میری وفائیں فقط تمہارے لیے ہیں"۔ اس نے کرن کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے صداقت بھرے لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

سردی میں شدید اضافہ ہو گیا تھا۔

آسمان پر سیاہ بادلوں کی فوج تیار تھی، کسی بھی وقت برسنے کو، خنکی بڑھ گئی تھی، سرد ہوائیں پھولوں کی خوشبو لیے ہر سُو گھوم رہی تھیں۔فائقہ گرم شال اوڑھتی باہر نکل آئی تھیں اور باہر نکلنے سے قبل وہ منال کو نیند آور دوا دینا نہ بھولی تھیں۔

وہ آ کر باہر برآمدے کی چھت کے آگے بنے شیڈ کے نیچے رکھی چیئرز میں سے ایک پر بیٹھ گئی تھیں۔ماحول میں رچی بسی اداس خاموشی، انہیں بڑی کیف آور لگی جوان کے برسوں کے خوابیدہ جذبوں کو بیدار کر رہی تھی۔ہوا کا تیز جھونکا آیا اور دیواروں دستونوں سے لپٹی بیلوں سے گرے سرخ، جامنی، نیلے، پیلے پھولوں کو لان کی سبز گھاس پر دور دور تک بکھیر گیا تھا۔ان کے اندر بھی ماضی کی ایسی ہی ہوائیں جھوم کر یادوں کے پھولوں کو بکھیرنے لگی تھیں۔

ماضی کی کتاب جب کھل جائے تو یادوں کے اوراق ازخود بکھرنے لگتے ہیں جنہیں سمیٹتے سمیٹتے آپ خود بکھرنے لگتے ہیں، کھو جاتے ہیں۔انہوں نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی بیک سے سر ٹکا لیا تھا۔وہ بیتے دنوں کی گرفت میں پوری طرح جکڑی ہوئی تھیں۔

ان کی برہان لغاری سے لَو میرج تھی۔یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران وہ ایک دوسرے کے پیار میں اس طرح جکڑے کہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی شادی کے بندھن میں بندھ گئے تھے۔شادی کے ابتدائی ایام بہت خوب صورت و یادگار گزرے تھے پھر رفتہ رفتہ برہان بزنس اور دوسری ایکٹویٹیز میں مصروف ہوئے اور انہیں گھر میں موجود ساس سے واسطہ پڑا تو معلوم ہوا پھول کے سنگ کانٹا بھی ہے جو بہت مختلف اور خطرناک ہے۔برہان اور ان کے والد فیضان لغاری نے انہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کبھی کہ وہ ان کے ہم پلہ نہیں ہیں۔وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں مگر خود کو اس طرح مین ٹین کیا تھا کہ ان کی اصلیت معلوم نہ ہو سکی، برہان کو بھی جب معلوم ہوئی تب وہ بہت دور اس کی چاہت میں جا چکے تھے۔پھر محبت کا جادو جب سر چڑھ کر بولتا ہے تو کہاں حسب نسب، امیری غریبی کی تفریق رہتی ہے، وہ اسے اپنا کر بھول گئے مگر ان کی ماں اس فرق کو جو ان کی نگاہوں میں عیب تھا، کبھی نہ بھولی تھیں۔

شادی کے چھ ماہ بعد ہی ان میں آپس میں ٹھن گئی تھی، وجہ وہی تھی ساس بہو کی ازلی جنگ، ساس کا خیال تھا بہو اس سے ان کے بیٹے کو چھین رہی ہے، بہو کی سوچ تھی اس کے خاوند پر صرف اس کا حق ہے۔دونوں کے درمیان رسہ کشی جاری تھی، برہان کی بھنورا صفت فطرت آفس میں نئی اپائنٹ ہوئی، کمپیوٹر آپریٹر کی رنگین اداؤں پر ریجھ گئی تھی۔وہ ڈبل گیم کھیلنے لگے، گھر میں جانثار پروانے کی مانند بیوی کے اردگرد منڈلاتے رہتے، آفس میں ان کی دُنیا اس آپریٹر تک محدود ہوتی تھی۔

مرد کے بدلتے تیور عورت کی نگاہوں سے زیادہ عرصہ اوجھل نہیں رہتے، فائقہ کی نگاہوں میں بھی سب آ گیا تھا۔شروع میں ان میں بہت چپقلش رہی تھی۔برہان نے کچھ عرصہ خود پر جبراً پابندیاں لگائی تھیں مگر کب تک وہ صرف ایک کے رہتے پھر اس دوران والدہ حضور نے بھی ان کے کان بھرنے شروع کر دیئے تھے۔وہ پہلے ہی خود پر لگائی گئی پابندی سے بیزار ہو گئے تھے، مزید موقع ماں کی باتوں نے فراہم کیا اور وہ فائقہ سے دور ہوتے گئے تھے۔

فائقہ جو دولت مند بننے کے خواب آنکھوں میں سجا کر وہاں آئی تھیں، بہت جلد تعبیر ملنے پر وہ سب سے لاپروا ہو کر برہان کے نقش قدم پر چلنے لگی تھیں۔ برہان کے افیئر زکی انہیں کوئی ٹینشن اب نہ ہوتی تھی کہ وہ برہان سے بھی زیادہ کامیاب طریقے سے اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ وقت گزارتی تھیں اور برہان کو کبھی شک نہ ہوتا تھا، اسی طرح وقت گزرتا رہا، ساس سے تعلقات خراب سے خراب تر ہوتے گئے، وہ ایک بچی کی ماں بن چکی تھیں مگر نہ ان کی ڈگر بدلی تھی نہ برہان راہ راست پر آئے تھے۔ اسی دوران وہ سب کچھ ہو گیا جس کی انہیں کبھی اُمید نہ تھی، وہ اس آفس ورکر کی وجاہت و انداز پر اس طرح مرمٹی تھیں کہ پھر انہیں نہ اپنی عزت کا خیال رہا، نہ برہان کی، وہ منال کا خیال بھی نہ کر سکی تھیں کہ اس پر ان کی اس حرکت کا کیا اثر ہوگا، وہ اس کی محبت کے ایسے جنون میں مبتلا ہوئی تھیں۔

محبت اور اس کا جنون!

پانی کے اس بلبلے کی طرح ہے جو جتنی شدت سے اُبل کر اوپر آتا ہے اور نیچے غائب ہونے میں اسے لمحہ بھی نہیں لگتا اور سب ختم ہو جاتا ہے۔

جو رشتے ناجائز وجذبوں کی زمین پر تعمیر کیے جاتے ہیں، وہ کبھی بھی پائیدار و پختہ ثابت نہیں ہوتے ہیں، ہوس کی آگ بجھتے ہی سب راکھ ہو جاتے ہیں اور اس راکھ کی سیاہی وبدصورتی آپ کے دامن پر، آپ کے آنچل پر، آپ کے کردار پر ہمیشہ کے لیے چپاں ہو جاتی ہے جو آپ سے وابستہ لوگوں کے لیے بھی انگشت نمائی ورسوائی ثابت ہوتی ہے۔

معاً انہیں احساس ہوا ان کے پیچھے کوئی آکر کھڑا ہوا ہے۔ انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا، برہان لغاری کھڑے تھے۔

"آر یو رائٹ؟" وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر استفسار کرنے لگے۔

"یس...... آئم فائن"۔ اپنے شانے پر ہاتھ رکھے ان کے ہاتھ نے ان کے اندر ایک مانوس سا کھویا کھویا احساس جگایا، انہوں نے برہان لغاری کی طرف دیکھا جن کی سرخ ڈوروں والی بے خواب آنکھوں میں بھی کچھ ایسا ہی احساس کروٹیں لے رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے تھے۔ شاید گزرے دنوں کی اچھی یادیں انہیں اپنے سحر میں جکڑنے لگی تھیں۔

"کیوں چلی گئی تھیں مجھے چھوڑ کر؟ کیا میں اتنا بُرا تھا؟" وہ دوسری چیئر پر ان کے رُوبرو بیٹھتے ہوئے آزردہ انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"وہ راستہ مجھے آپ نے ہی دکھایا تھا"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"ہمارے معاشرے میں مردوں کے لیے یہ سب قابلِ معافی ہوتا ہے پھر وہ ہسبنڈ جو وائف کو فل کمفرٹ ایبل لائف دے رہا ہو، ہر قسم کی آزادی وخود مختاری فراہم کر رہا ہو، اگر وہ کچھ افیئر ز میں انوالو ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے"۔

"یہی سوچ غلط ہے برہان! مردوں کی، وہ سوچتے ہیں ہم نے خوب صورت گھر دیا ہے، ہر طرح کا آرام دیا ہے، آزادی دی ہے عورت کو اور محبت بھی، مگر اصل بات یہ ہے روپیہ، دولت، آزادی، عیش وآرام اور خوب صورت گھر عورت کی خواہشوں میں شامل ضرور ہیں لیکن سب سے پہلی اور آخری خواہش ہر عورت کی یہی ہوتی ہے کہ جو اس کا خاوند ہے جس کی خاطر وہ اپنے تمام سگے رشتوں کو چھوڑ کر آئی

ہے، وہ صرف اور صرف اس کا ہو، یہ خواہش یہ آرزو ہر عورت کی ہے، خواہ وہ گاؤں کی ہو یا شہر کی، ویسٹ کی ہو یا ایسٹ کی، ہر طبقے کی عورت ایسی ہی خواہش مند ہوتی ہے۔ بنگلے، کاریں، دولت وعیش و آرام یہ سب اس وقت خاک بن جاتا ہے، جب بیوی کو معلوم ہو اس کا خاوند فلاں عورت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ وہ لمحہ انکشاف ایک آگ ہوتا ہے، ایسی آگ جو پل بھر میں ہر شے کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے، تباہ کر دیتی ہے، آپ اس درد کو، اس اذیت کو نہیں سمجھ سکتے، جو مرد کی بے وفائی و ہرجائی پن سے عورت کو ملتی ہے۔" فائقہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

"مرد جتنی توقع عورت سے رکھتا ہے کہ وہ اس کی وفاداری، پاک بازی پر ذرا میل نہ آنے دے تو مرد کو بھی اتنا ہی پاک باز، باوفا با کردار ہونا چاہیے، ورنہ کچھ عورتیں میری طرح خود کو تباہ کر لیتی ہیں اور جو سخت مزاج نہیں ہوتی ہیں وہ اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ مرتے دم تک ان کے اندر شادابی و طمانیت نہیں اُبھرتی، آرام دہ زندگی وہی ہوتی ہے جس میں بیوی کو یہ فخر و یقین ہوتا ہے کہ اس کا خاوند صرف اس کا ہے، عورت روٹی بانٹ کر کھا سکتی ہے، مگر مرد کا بٹوارا ہرگز برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ جو مرد یہ سوچتے ہیں کہ عورت کو پرتعیش زندگی دے کر وہ ہر ناجائز و گمراہ کن حرکات کے مرتکب ہونے کے حق دار ہیں تو وہ جان لیں، انھوں نے اپنے آشیانے بکھیرنے کا انتظام کر لیا ہے، عدم یقین کا ایک جھونکا ان کے آشیانے کا تنکا تنکا بکھیر دے گا، شک کی ایک چنگاری سب کچھ راکھ بنا ڈالے گی، اسی طرح جس طرح ساحل پر بنے ریت کے گھروندوں کو صرف ایک لہر مٹا ڈالتی ہے۔" ملازمہ کافی لے آئی تھی اور انہیں سرو کر کے چلی گئی تھی۔

"بلیک کافی ...... آپ کو یاد ہے ابھی تک کہ مجھے بلیک کافی پسند ہے وہ بھی ایسے سرد موسم میں۔" وہ خوشگوار حیرت سے بولیں۔

"میں بھولا ہی کیا ہوں" وہ مگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے گویا ہوئے۔ ان کے درمیان خاموشی در آئی تھی، سرد موسم میں رات کی رانی کی بھیگی بھیگی مہک احساسات کو فرحت آمیز احساس بخش رہی تھی۔

ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ دیر قبل دیکھنے والے اب نگاہیں چرا رہے تھے، قدرے توقف کے بعد فائقہ نے کہا۔

"منال بہت اَپ سیٹ ہو گئی ہے مجھے ڈر ہے کہ......"

"میرے سامنے نام مت لو اس کا"۔ وہ فائقہ کی بات قطع کر کے غصے سے بولے، ان کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی تھی۔

"پلیز کول ڈاؤن، اگر ہم بھی ایسا ہی بی ہیو یئر کریں گے تو کون کیئر کرے گا اس کی، وہ از حد ڈسٹرب ہے"۔

"زیادہ پریشان کرتی ہے تو مینٹل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر دو، ایسی کریزی لڑکیوں کا یہی اینڈ ہے"۔

"برہان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ شی از ریئلی یور ڈاٹر"۔

"ڈاٹر! گو ٹو ہیل، اس سے بہتر تھا میں بے اولاد رہتا"۔

"پلیز، آپ کمپرومائز کریں، اس کی حالت بگڑتی جا رہی ہے، میں نے ہاسپٹل میں ڈاکٹر سے بات کی ہے، وہ کہہ رہے ہیں ہمیں جلد از جلد منال کی شادی کر دینی چاہیے، اس کی لائف چینج ہو گی تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے بھی یہ آئیڈیا پسند آئی ہے"۔

"شادی...... ابھی کیسے کر سکتے ہیں، اس کی طلاق کو عرصہ کتنا ہوا ہے"۔

"ابھی نہیں، اس کا پیریڈ کمپلیٹ ہونے میں تین چار ماہ کا عرصہ لگے گا، تب تک ہم کسی ایسے لڑکے کو دیکھ لیں گے جو منال کو ایسے چاہے جس طرح ہم چاہیں"۔ انجی نرم دیکھ کر وہ کہہ رہی تھیں۔

"جو چاہو کرو، مگر مجھ سے اُمید مت رکھنا، کسی بھی قسم کی سپورٹ کی، علاوہ اخراجات کے، میں تمہارے کسی بھی کام میں شریک نہ ہوں گا۔ میرا ذکر بھی نہیں آنا چاہیے"۔ وہ یکلخت بھڑک گئے تھے۔

"آل رائیٹ۔ آپ ڈپریسڈ مت ہوں، مجھے آپ کی پرمیشن درکار تھی، سب کام میں کرلوں گی"۔ برہان لغاری کو دیکھ کر وہ بھی اُٹھ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

حمزہ رات گئے تک گھر لوٹا تھا۔ ممی سے نہ چاہنے کے باوجود آج وہ سب کہنا پڑا تھا جو وہ کہنا نہیں چاہتا تھا، مگر ان کا کرن کو الزام دینا، برا کہنا اسے قطعی نہیں بھایا تھا۔ کرن سے محبت اور نہ پانے کا دُکھ اسے گھائل کر چکا تھا، وہ زخم اسے لولو ٹیسیں دیتے رہتے تھے، پھر ایسے میں اس کے متعلق کوئی ایسی گفتگو کر جائے تو ان زخموں سے لہو رسنے لگتا تھا۔ بے کلی و اذیت دو چند ہو جاتی تھی، وہ کسی گھائل پرندے کی طرح تڑپنے لگتا تھا۔ کئی گھنٹے سڑکوں پر رش ڈرائیونگ کرنے کے بعد وہ گھر لوٹ آیا تھا، رات گہری ہو چکی تھی۔

چوکی دار نے گیٹ کھولا، وہ کار پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر کے آگے بڑھ گیا۔ اندر صرف لابی کی لائٹ آن تھی اور سب جگہ اندھیرا تھا۔ گھر والے سو چکے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں اندر قدم رکھتے ہی وہ حیران رہ گیا تھا۔ کمرے میں لیمپ روشن تھا اور عاصم صاحب اس کے بیڈ پر کمبل اوڑھے تکیوں کے سہارے نیم دراز کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

"پاپا! آپ! خیریت تو ہے نا؟" استعجاب و پریشانی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔

"باپ بیٹے کے روم میں آئے تو کوئی پریشانی والی بات ہوتی ہے؟" وہ کتاب ٹیبل پر رکھ کر چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"کوئی خاص بات تو ضرور ہوتی ہے"۔ وہ جوتے اُتارتا ہوا بولا۔

"تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کتنی اجنبی، کتنی نامانوس لگ رہی ہے تم نے مسکرانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟"

"میرا اختیار ہو تو جینا ہی چھوڑ دوں"۔ اس نے تلخی سے سوچا۔

"مجھے بہت پہلے بتا دیتے کرن کے متعلق تو وہ سب نہ ہوتا جو ہوا ہے۔ کرن کو تمہاری دُلہن بنانے کی تمنا تو میری بھی تھی"۔ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ملال و تاسف ان کے انداز سے عیاں تھا۔

"وہ میرے نصیب میں نہیں تھی"۔ نہ معلوم وہ خود کو بہلا رہا تھا یا ان کو، عاصم صاحب اس کے چہرے کی جانب دیکھتے رہ گئے۔

"یہ نصیب و تقدیر کی باتیں بعد کی ہوتی ہیں"۔

"پاپا! اب یہ گفتگو لاحاصل و بے معنی ہے، اگر ہم اس ٹاپک پر بات کریں جس پر بات کرنے کے لیے آپ یہاں موجود ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا"۔

عاصم صاحب نے شفقت بھرے انداز میں بیٹے کی جانب دیکھا جس کا پھول کی طرح شاداب نظر آنے والا چہرہ کملا کر رہ گیا تھا۔خوب صورت براؤن آنکھوں کی شفاف سطح میں اداسی وہجر، دُکھ کے رنگ ثبت تھے۔وہ دل مسوس کر رہ گئے، بیٹے کی اس حالت کے مجرم وہ خود کو گردانے لگے تھے۔

''اتنی سردی ہو رہی ہے، بارش برسنے کو تیار ہے اور تم صرف سوٹ میں ملبوس ہو، سویٹر، جیکٹ کچھ بھی نہیں ہے تمہارے پاس، اتنی لاپروائی ٹھیک نہیں بیٹا، اب کسی مزید دُکھ جھیلنے کی قوت نہیں ہے، مت لو ہماری ہمت کا امتحان، ہم پہلے ہی شکست خوردہ ہیں''۔

''پلیز پاپا! اس نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''آئم سوری، میرا ارادہ آپ کی دل شکنی کا نہ تھا، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہ ہوں، چلیں بتائیں وہ جو آپ کہنے آئے تھے''۔عاصم صاحب کی آنکھوں میں آنسو چمکتے دیکھ کر بوکھلا اُٹھا تھا۔ان کا دل بہلانے کی خاطر اس نے اپنے مزاج میں شگفتگی پیدا کی اور ایزی ہو کر بیٹھ گیا۔

''میں چاہتا ہوں، بزنس میں میری ہیلپ کرو، اب مجھ سے تنہا یہ بوجھ نہیں اُٹھایا جائے گا''۔وہ نڈھال انداز میں کہہ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے پاپا! آپ ٹینشن نہ لیں، میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں''۔اس نے سعادت مندی سے کہا۔

''ایک التجا اور ہے اگر تم مانو تو''۔

''آپ حکم دیں پاپا''۔باپ کے انداز پر وہ تڑپ اُٹھا تھا۔

''شادی کرلو''۔عاصم صاحب اس کی جانب دیکھتے ہوئے اُمید آمیز لہجے میں بولے۔حمزہ کے چہرے پر تاریکی سی چھا کر معدوم ہوئی تھی۔

''یہ میری خواہش ہے، شدید تر آرزو بھی۔وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ہر گزرتا لمحہ زندگی کی نقدی گراتا جا رہا ہے، پھر حیات تو ہواؤں کے دوش پر رکھے اس چراغ کی مانند ہے، نہ معلوم کب اور کس لمحے ہوا کا کوئی زور آور جھونکا چراغ حیات کو گل کر دے، پھر انسان صرف یاد بن جاتا ہے، خواب بن جاتا ہے''۔

''پلیز، آپ ایسی باتیں نہ کریں، ابھی آپ کو جینا ہے لمبی عمر''۔

''زندگی کی طرح موت بھی حقیقت ہے بیٹا۔پیدا ہوئے ہیں تو مریں گے بھی، آئے ہیں تو جانا بھی پڑے گا۔رب ذوالجلال سے یہی دعائیں ہیں مرنے سے قبل قبر کی آخرت کی تیاری کروا دے اور یہاں جو فرائض و ذمے داریاں ہیں ان سے عہدہ برآ کروا دے تو......''

''آپ جو کہیں گے، میں کروں گا......مگر پلیز ایسی باتیں نہ کریں، جو مجھے بے سکون کر ڈالیں''۔

☆......☆......☆

آج ان کی روانگی تھی۔

کرن کی آنکھیں بار بار چھلک جاتی تھی، فاریہ آتے جاتے اس کو چھیڑ رہی تھی۔ بھیگی آنکھوں سے وہ جھینپ کر مسکرانے لگتی تھی۔ دھوپ وچھاؤں کا مزاج ہورہا تھا اس پر، گرینی جو گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں، اس کے بار بار چھلک جانے والے آنسوان سے مخفی نہ رہ سکے تھے۔ ان کے دل میں عجیب سی بے چینی پیدا ہوگئی۔ انہوں نے اسے اپنے قریب بٹھا کر پوچھا۔

''انس نے کچھ کہا ہے؟ کیا تم خوش نہیں ہو؟'' ان کی جہاندیدہ نگاہیں عینک کے پیچھے سے اسے کھوج رہی تھیں، کھنگال رہی تھیں، دل ان کا وسوسوں واندیشوں کا شکار تھا، مبادا انس نے ابھی تک منال کی محبت کو دل سے نہ بھلایا ہو، کرن کو وہ جگہ نہ دی ہو، جو اس کے دل میں منال کے لیے تھی اور بھی ایسے بے مقصد خیال انہیں متوحش کر رہے تھے۔

حالانکہ صبح انس کو خوش ومطمئن دیکھ کر وہ پُرسکون ہوگئی تھیں، اب بھی سیٹنگ روم سے اس کے دوستوں کے ساتھ گونجتے قہقہوں سے وہ اس کی آسودگی وخوش ہونے کا اندازہ لگا رہی تھیں اور شکر ادا کر رہی تھیں کہ اسے نئی زندگی کی خوشیاں راس تو آگئیں مگر کرن کے آنسو انہیں فکرمند کر گئے تھے۔ اس لیے وہ تنہائی میں بٹھا کر اس سے دریافت کررہی تھیں۔

''نہیں......انہوں نے کچھ نہیں کہا'' ان کے استفسار پر گھبرا کر بولی۔

''سچ کہہ رہی ہو؟'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''جی......بالکل سچ''۔

''شکر ہے رب کا، ورنہ تمہارے آنسو دیکھ کر میں ڈر گئی تھی''۔ انہوں نے اس کے انداز سے سچائی پالی تھی، ان کے چہرے پر اطمینان کا رنگ پھیل گیا۔

''بہو! جن کو اپنے بڑوں کا سایہ ملا ہوتا ہے وہاں لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں کہ بڑوں کی دعاؤں کا حصار انہیں ہر بُری بلا و نا گہانی آفتوں سے بچاتا ہے۔ اب میں ہی تمہاری بڑی ہوں اور میری دعائیں ہمیشہ اپنے بچوں کے گرد ہوں گی، میری تمنا پوری ہوگئی۔ انس کے لیے میں جیسی بیوی چاہتی تھی، اللہ نے ایسی ہی عطا کی ہے، تمہاری خوبیوں کی تمہاری قابلیت کی، میں خود معترف ہوں، اس گھر کو کھوئی ہوئی روشنی ملی ہے''۔ گرینی کی اپنائیت واعتماد اس تشنگی کو سیراب کرنے لگا جو آج ماں کی یاد کی صورت میں بار بار آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

''میں چاہتی ہوں میرے گھر کی اس روشنی میں اضافہ ہوتا رہے، میرے گھر کا ہر ذرہ آفتاب بن جائے۔ میری نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا، خاوند کی محبت بڑی انمول ہوتی ہے جو عورت اس کی قدر کرتی ہے وہی پھلتی پھولتی ہے، میں چاہتی ہوں تمہیں کوئی دُکھ نہ ملے، تم خوش رہو، عورت کی خوشی سے ہی تو گھر جنت بنتا ہے، اس کے لیے تمہیں انس کی ہاں میں ہاں ملانا ہوگی، اس کی ماننا ہوگی، میں جانتی ہوں انس عام بچوں سے مختلف مزاج کا ہے وہ بچپن سے آج تک کبھی اعتدال کی راہ پر نہیں چلا ہے، اس کے ہر انداز میں شدت پسندی کا رجحان ہوتا ہے۔ منال سے محبت کی تو اپنی ذات فراموش کر بیٹھا تھا اور جب نفرت کی تو تم نے دیکھا کتنی شدت، کتنی جارحیت تھی کیونکہ نفرت ومحبت

ایک سکے کے دو پہلو ہیں، دو رُخ ہیں، میں چاہتی ہوں تم پر صرف اور صرف اس سکے کا ایک رُخ استعمال ہو محبت اور صرف محبت کا''۔

''بہت شکریہ گرینی، آپ نے جو مجھے بھرپور اپنائیت و انسیت دی ہے اس احساس نے مجھے از حد تقویت و طمانیت دی ہے۔ آپ نے جو مجھے سمجھایا، میری زندگی ان ہی سنہری باتوں پر عمل پیرا ہو کر گزرے گی۔ یہاں سے جا کر مجھے بڑی شدت سے انتظار رہے گا، آپ کی آمد کا، جلد آیئے گا''۔ وہ عقیدت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''انشاء اللہ، ساتھ خیریت کے اللہ فاریہ کو خوشی دیکھنا نصیب کرے''۔

گرینی کے پاس سے وہ فاریہ کے پاس آ گئی جو اپنی نگرانی میں کچن میں ملازماؤں سے کام کروا رہی تھی۔ ان کی رات کی فلائٹ تھی، گرینی نے انس کے دوستوں اور کچھ خاص جاننے والوں کو ڈنر پر بلوایا تھا، کھانا باہر سے منگوایا تھا اب بھی ملنے جلنے والوں کی آمد کے باعث کچن میں کچھ نہ کچھ بن رہا تھا جس کی نگرانی فاریہ نے سنبھالی تھی، تا کہ مہمانوں کی تواضع بہترین طریقے سے ہو سکے۔

''ارے...... ارے دُلہن صاحبہ! آپ کہاں خراماں خراماں کچن میں چلی آ رہی ہیں۔ آپ کا یہاں داخلہ ممنوع ہے''۔ فاریہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن کے گیٹ سے ہی باہر لے آئی تھی۔

''کیوں بھابی!'' وہ حیرانگی سے گویا تھی۔

''ابھی آپ نئی نئی دُلہن ہیں اس لیے''۔ وہ شوخی سے بولی تو وہ جھینپ گئی۔

''آپ آرام کریں میں دیکھ لوں گی''۔

''اب تو آرام ہی کرنا ہے، آؤ کچھ دیر بیٹھو پھر تیار ہونا ہے''۔

''میرے تو خیال میں یہ لباس برا تو نہیں''۔ وہ گرے کلر کے فینسی سوٹ پر نگاہ ڈال کر دریافت کرنے لگی جو آج زیب تن کیا تھا۔

''ہاں، برا تو نہیں ہے مگر ڈنر پارٹی کے حوالے سے مناسب نہیں ہے''۔

''کیا کافی تعداد میں مہمانوں کو انوائیٹ کیا گیا ہے؟''۔

''ہاں، دراصل یہ ڈنر پارٹی ایک دعوت ولیمہ ہے جو گرینی کی خواہش پر ارینج کی گئی ہے۔ لسٹ میں کم سے کم کے باوجود خاصے نام ہیں''۔

ایک گھنٹے تک وہ بیٹھی باتیں کرتی رہیں پھر فاریہ کے کہنے پر وہ اپنے روم میں چلی آئی تھی، تا کہ کچھ دیر آرام کر سکے۔

اسے لیٹے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ انس چلا آیا تھا، وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ریلیکس یار! آرام کرو ابھی پارٹی نمٹانی ہے پھر ایک طویل سفر درپیش ہے''۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

بلو جینز، ریڈ شرٹ میں اس کے چہرے پر سرشاری تھی، سرمستی تھی، کسی بھی انداز سے، کسی فعل سے محسوس نہ ہو رہا تھا کہ وہ محبت کی بازی ہارا ہوا ہے، اس کی محبت وہ نہیں کوئی اور تھی۔ جس کو کھو کر وہ خود کو بھی کھو بیٹھا تھا اپنے یقین و اعتماد کو بھی حواسوں میں لوٹا تو سود سمیت منال کو سب کچھ واپس کر دیا تھا، اس کی محبت جنونی تھی تو نفرت کی کوئی حد نہیں تھی، ان کی چاہت کی ندی جس طرح چڑھی تھی، اسی طرح اُتری تھی۔

"ایسے چوری سے کیوں دیکھ رہی ہو، آپ کا اپنا ہوں، بلا جھجک دیکھئے، بائی دا وے لگ کیسا رہا ہوں؟ ہوں بتاؤ نہ؟" وہ عین اس کے سامنے بیٹھ کر شوخی سے کہہ رہا تھا، اس کی نگاہیں وارفتگی شوق سے اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ لبوں سے پھوٹتی دل آویز مہک سانسوں کی گرمی انگارے بن کر اس کی نس نس میں اُتر گئی تھی، چہرے پر تمام جسم کا خون سمٹ آیا تھا۔

"ہوں، بتاؤ ناں کیسا لگ رہا ہوں؟ یہ فاؤل ہے کل تمام رات میں نے آپ کی مدح سرائی میں گزاری اور ہم اتنے گئے گزرے ہیں کہ ایک لفظ تعریف کے بھی لائق نہیں ہیں"۔ وہ مصنوعی ناراضگی سے گویا ہوا، انداز میں شرارت پنہاں تھی۔ کرن اس کی شرارت نہ سمجھ سکی تھی اور بے حد پریشان ہو گئی تھی۔ چند گھنٹے قبل ہی تو گرینی نے نصیحت کی تھی کہ انس کی چاہت ہمیشہ پانے کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملانی ہوگی، وہ جو کہے اس سے انکار نہ ہوگا، اسے نہیں معلوم تھا یہ اقرار و اصرار کے مراحل اتنی جلد شروع ہو جائیں گے اور اس کی پہلی فرمائش بھی اتنی بے باک ہوگی۔

کرن نے آہستگی سے اس کی طرف دیکھا، وہ جو ابھی جذبوں کے دینار لٹا رہا تھا، پل بھر میں اس سے اجنبی بنا رُخ پھیرے بیٹھا تھا۔

"محبت اور نفرت ایک سکے کے دو پہلو ہیں، دو رُخ ہیں میں چاہتی ہوں تم پر صرف اور صرف اس سکے کا ایک رُخ استعمال ہو محبت اور صرف محبت کا"۔ گرینی کی نصیحتیں اس کی سماعت میں گونجنے لگی تھیں۔

"وہ اعتدال سے ناواقف شدت پسند ہے، اس کی محبت بھی شدید تر ہوتی ہے تو نفرت شدید ترین"۔ وہ ناراض بیٹھا تھا وہ کس طرح اسے منائے؟ کیونکر اس کی خفگی دور کرے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ رونے لگی۔

"ارے......رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا؟" وہ جو اسے ستانے کے لیے رُخ موڑے بیٹھا تھا۔ یک دم اس کی رونے کی آواز سن کر بوکھلا کر پلٹا۔

"آئم سوری......سوری مجھے نہیں آتی" وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے رندھی آواز میں بولی۔

"کیا نہیں آتی؟"

"تعریف کرنا......بلکہ مردوں کی تعریف کرنا"۔ جواباً انس بے اختیار ہنس پڑا تھا اور جھک کر اس کا چہرہ دائیں ہاتھ سے اوپر کر کے گویا ہوا۔

"میری تعریف اس سے بڑھ کر کیا ہوگی جانِ من! کہ سب دیکھ کر بھی تم نے مجھے قبول کیا، میرا ساتھ گوارا کیا، تمہاری محبت کا، تمہاری عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے، میں مذاق کر رہا تھا"۔

وہ اس کے چہرے پر بکھرے آنسو صاف کرتا کہہ رہا تھا۔ کرن کے اندر ایک نشاط انگیز کیفیت سرائیت کرتی گئی۔

☆......☆......☆

صمد نے کمرے میں قدم رکھے اور ٹھٹک کر رُک گیا۔

بے ترتیب بال!

زرد رنگت!

بکھرا حلیہ.....!

وہ حمزہ تھا جو بے تحاشہ رو رہا ہے، قریب ہی اس کا موبائل پڑا تھا۔

''حمزہ! حمزہ کیا ہوا، ایسے کیوں رو رہے ہو؟'' وہ جست میں اس کے قریب پہنچا اور جھنجھوڑ کر بولا۔

''بے نام مسافتوں کا سفر رائیگاں جاتا ہے، سو میرا سفر بھی رائیگاں ہو گیا''۔

وہ بھیگے لہجے میں بولا آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

''کس کی کال آئی تھی جس نے تمہاری یہ حالت بنا دی ہے''۔

''کسی کی نہیں''۔ وہ موبائل کوٹ کی جیب میں ڈال کر گویا ہوا۔ صمد کے خیال سے وہ اپنی کنڈیشن پر قابو پا چکا تھا، ورنہ دل تو یہی کہہ رہا تھا کہ فوری بند ہو جائے۔

''اب مجھ سے بھی پردہ ہو گا؟'' وہ خفا ہوا۔

''پردہ داری کیسی جو بات تھی میں نے بتا دی''۔

''پھر یہ کس کی یاد میں رو رہے تھے؟'' وہ سمجھ گیا تھا، کال کس کی ہو گی۔

''بس ایسے ہی باہر بادل برسے تو میرا دل بھی برسنے لگا''۔

''تمہارا دل بادلوں کا ساتھ دے رہا ہے یا یا دل تم پر رو رہا ہے؟''

''پلیز لیو می الون''۔ صمد کے سوالوں نے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

''تنہا ہو تو گئے ہو اور کتنا تنہا رہنا چاہو گے، آخر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ تم نے ہم سب کو بھی ذہنی پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تم خوش رہو گے تو ہم بھی خوش رہیں گے''۔ صمد خاصے غصے سے گویا ہوا تھا۔

''میں نے کسی کو نہیں کہا کہ پریشان ہوں''۔

''اپنوں سے کہا نہیں جاتا، وہ آپ کے احساسات کے ساتھ از خود وابستہ ہوتے ہیں۔ ہمارے ہر موڈ کی انہیں خبر ہوتی ہے''۔

''او کے، میں سمجھتا ہوں، تم جاؤ تمہیں ممی بلا رہی تھیں''۔ اس نے بہانے سے صمد کو وہاں سے ٹالا اور خود بھاگ کر کار نکالنے چلا گیا۔ موسم سخت سردی کی لپیٹ میں تھا۔ بارش برس کر کچھ گھنٹے قبل رُک گئی تھی جس کے باعث سردی میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا تھا۔ ہر سو جل تھل کا سماں تھا، ہواؤں میں برفیلی ٹھنڈک تھی مگر اسے اس وقت سردی گرمی کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ اندر کی آگ

کے سامنے باہر کی برف پگھل رہی تھی، وہ دیوانوں کی طرح کار چلاتا ہوا جارہا تھا۔ ائیرپورٹ کے راستے اور سبزہ بارش میں دھل کر نکھر گئے تھے، وہ تیزی سے کار چلاتا ائیرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں کار کھڑی کر کے باہر نکلا تو اسی وقت جہاز اُڑا تھا۔

''کرن! تم مجھ سے آخری ملاقات بھی نہ کر کے گئیں۔ میں تو فوراً ہی چلا آیا ہوں، پھر بھی تم نہ رُک سکیں، مجھ سے محبت نہ کی تھی مگر ترس ہی کھالیتیں''۔ حمزہ وہیں جنگلا پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

رسمِ اُلفت یہ اجازت نہیں دیتی ہے ورنہ
ہم بھی تم کو ایسا بھولیں کہ سدا یاد کرو

......❀......

''حمزہ......!'' اُسے لگا کوئی دور سے اسے پکار رہا ہو۔ اس نے توجہ نہ دی، اسے دیکھنے کی تمنا لیے وہ دن گزار رہا تھا، اب جب وہ جا رہی تھی یہ شہر، یہ ملک اور اُسے چھوڑ کر تو دید کی پیاسی نگاہوں کو سیرابی کی چاہ تھی، وہ پکڑ لینا چاہتا تھا ان لمحوں کو، جکڑ لینا چاہتا تھا ان ساعتوں کو، جن میں اُس کا مطلوب سامنے ہوتا اور وہ اسے تکتا رہتا، تکتا رہتا مگر۔ وصال کی بہار یک لخت ہی ہجر کی خزاں میں بدل گئی تھی۔ کتنا تیز دوڑا تھا وہ......

لیکن وقت کی دوڑ سے کوئی جیت سکا ہے؟

''حمزہ! حمزہ!'' پھر اس کی سماعتوں میں وہی آوازیں گونجی تھیں۔

''مت پکارو مجھے، مت فریب دو، مت مجھے بھٹکاؤ کہ اب مجھے بھٹکنا ہی ہے، بھاگتے لمحوں کو نہ پکڑ سکا مگر ماضی تو میری دسترس میں ہے''۔ اس لمحے اس کی پشت پر ہلکی سی دھپ لگی تھی۔

ایک مانوس خوشبو رگ و پے میں دوڑ کر حواسوں کو معطر کر گئی تھی۔ ساتھ ہی نامانوس جھنکار تھی۔ عجیب سریلی چوڑیوں کی جھنکار......

''حمزہ!'' یک لخت ہی برق سی لہرائی تھی، وہ ششدر رہ گیا۔ نہ معلوم خوشی کا احساس تھا یا حیرت، وہ اس حقیقت کا ادراک جو وہ دل وحشی کے جنوں میں بھول بیٹھا تھا۔

پھولی سانسوں اور منتشر حواسوں سمیت وہ اس کے عین سامنے تھی۔ پرپل کلر کی ساڑھی جس کے بارڈر گولڈن تھے۔ گولڈن ہی چنڈی ورک تھا۔ ساتھ اس نے میچنگ کی گرم شال اوڑھ رکھی تھی۔ قیمتی جیولری اور خوب صورت میک اَپ نے اس کی شخصیت بدل کر رکھ دی تھی۔ سادگی میں نظر آنے والا اس کا حُسن بدلی میں چھپے چاند کی مانند تھا۔ اب بج سنور کر وہ چودھویں کا چاند نظر آرہی تھی۔ ناک میں دمکتی ڈائمنڈ لونگ، ہاتھوں میں چمکتی طلائی چوڑیاں، خوشی سے دمکتا چہرہ، پُر اعتماد و طمانیت اور آسودگی جھلکاتا شاداب، یہ خواب تھا یا حقیقت۔

وہ پلکیں بنا جھپکائے اسے دیکھتا رہا۔

''حمزہ! تم ابھی تک کھامڑ کے کھامڑ ہی ہو، میں پکار رہی ہوں تمہیں اور تم کو ہوش ہی نہیں ہے، ابھی بھی خیالوں کی دُنیا کے باسی ہو''۔ وہ خواب نہیں حقیقت تھی، کرن اس کے سامنے تھی، قریب تھی۔ بنی سنوری، نئے روپ، نئے ڈھنگ سے اس کی دید کی پیاسی نظریں

بنا سیراب ہوئے جھکتی چلی گئی تھیں۔ دل ایک نئے درد سے آشنا ہوا تھا۔

اس کا یہ روپ، اس کی سج دھج

اس کے لیے نہ تھی، وہ کسی اور کی امانت بن چکی تھی اور اس کے لیے شجرِ ممنوعہ جس حقیقت کو بھول کر یہاں دیوانوں کی طرح پہنچا تھا، دل کی جو کیفیت کی تھی، جذبوں کا جو رنگ تھا ان سب پر برف گرنے لگی تھی۔

''کرن! یہ تم ہو''۔ وہ ہونٹوں پر زبردستی مسکان بکھیرتے ہوئے گویا ہوا۔

''ہاں......دیکھو کیسی لگ رہی ہوں؟'' مسرت اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

''بہت اچھی۔ بہت پیاری''۔ خشک لبوں سے بمشکل لفظ نکلے۔

''تم، اسی طرح مجھے دیکھنا چاہتے تھے نا؟''

''ساتھ تمہیں اپنا کر بھی دیکھنا چاہتا تھا''۔ اندر کوئی کراہا تھا۔

''سچ بتاؤ نا......کیسی لگ رہی ہوں؟''

''بہت پرائی، بہت اجنبی، کسی کھوئی ہوئی قیمتی چیز کی مانند، جس کے متعلق یقین ہو جائے وہ اب کبھی نہیں ملے گی''۔ وہ سوچ کی عمیق گہرائی میں گم تھا۔

''ارے۔ کیا ہوا حمزہ! تم میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو، کیا ابھی تک ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ اسے خاموش اور گم صم کھڑا دیکھ کر پریشانی سے گویا ہوئی۔

''نہیں...... میں تم سے کیوں خفا ہوں گا، دراصل میں سمجھا شاید لیٹ ہو گیا ہوں۔ تم جا چکی ہو، اب تمہیں سامنے دیکھا تو دنگ رہ گیا''۔ اس دوران انس بھی آ گیا تھا۔ دونوں بغل گیر ہوئے، اس کے انداز میں گرم جوشی تھی۔

''فلائیٹ لیٹ ہو گئی ہے اور شاید اسی لیے دیر ہوئی ہے کہ ہم مل سکیں، ورنہ بے حد افسوس ہوتا ہمیں نہ ملنے کا''۔

''میں رات سے تمہارے موبائل پر ٹرائی کر رہی ہوں، ہر بار تمہارا سیل آف ملا ہے، میں تو آس ہی چھوڑ بیٹھی تھی تم سے ملاقات کی، یہ بائی چانس کال مل گئی تھی''۔

''میں اکثر بھول جاتا ہوں سیل آف کر کے''۔

''تم بالکل نہیں بدلے، اسی طرح بھولنے کی بیماری میں ابھی تک مبتلا ہو۔ اسی طرح سوچوں کے جنگل میں سرگرداں رہتے ہو تم، بالکل نہیں بدلے بالکل نہیں''۔ وہ ہنسی تھی، ایسی ہنسی جو طمانیت کے آسمان میں مسرتوں کی کہکشاں جگمگا دیتی ہے، اس کا چہرہ بھی کہکشاں تھا۔

''انس! آپ کو معلوم ہے میں نے حمزہ سے بہت لڑائی کی ہے بلکہ......لڑائیاں، مما ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتی تھیں اور مجھے غصہ آتا تھا کہ وہ میری مما ہونے کے باوجود اس کی حمایت کیوں لیتی ہیں۔ یہ تب بھی اسی طرح خاموشی سے مسکراتا رہتا تھا یا پھر مجھے سمجھانے بیٹھ

جاتا تھا''۔ کرن انس کا بازو تھامے منتی ہوئی بتا رہی تھی اور بھی نہ معلوم کیا کچھ کہہ رہی تھی، مگر وہ کہاں سن رہا تھا۔ اس کی نگاہیں انس کا بازو بے حد اپنائیت ومحبت سے پکڑے کرن کے ہاتھ پر تھیں، اس کی آنکھوں میں دھند اترنے لگی۔ ہر شے اس نمی میں گم ہوتی جا رہی تھی۔

دل دُکھتا ہے تو بھر آتی تھیں آنکھیں

کچھ روز ہوئے ہم آنسوؤں سے اُلجھے ہوئے ہیں

کیا کریں، کس سے شکایت اور کیسے شکوے

اِک میرے سوا سب لوگ یہاں سلجھے ہوئے ہیں

اُس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اسی دم اناؤنسمنٹ ہوئی تھی۔ انس نے اس سے مصافحہ کیا تھا۔ کرن اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''میں نے تمہیں بے حد تنگ کیا ہے، بہت ستایا ہے، مجھے معاف کر دینا''۔ اس لمحے وہ جذباتی ہو گئی، اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ رہا۔

''اسٹوپڈ! ایسا کچھ نہیں کیا تم نے، جس کی معافی مانگ رہی ہو''۔

''تم مما کی طرح اعلیٰ ظرف ومفاہمت پسند ہو، اس لیے سب کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو، ہر زیادتی بھلانے کی صلاحیت رکھتے ہو حمزہ! اپنے قریب رہیں تو ان کی اچھائیاں، نیکیاں اور بھی بے حد عمدہ صفات ہم سے اوجھل رہتی ہیں، جب ہم دور ہوں تو معلوم ہوتا ہے، کوئی ہمارے لیے کیا تھا اور ہم اس کے کتنے عادی ہیں''۔

وہ کہہ رہی تھی۔

آنسو بہہ رہے تھے۔ انس خاموش کھڑا تھا، حمزہ رو رہا تھا۔

''تم سے دور ہوا تو محسوس ہوا تم مجھے از حد عزیز ہو۔ ایک بھائی کی طرح، اچھے دوست کی طرح۔ بہت اعلیٰ بہت نفیس انسان ہو حمزہ تم، بہت یاد آؤ گے مجھے''۔ وہ بڑھ کر اس کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

حمزہ تہہ در تہہ برف میں دفن ہونے لگا۔

رگوں میں دوڑتا خون

سینے میں دھڑکتا دل

آنکھوں میں مچلتے آنسو

برف بن رہے تھے۔

اناؤنسمنٹ بار بار ہو رہی تھی، وہ بے حس وحرکت کھڑا رہ گیا تھا۔ کرن خود ہی الگ ہوئی تھی۔ آگے لاؤنج میں گرینی، فاریہ اور سعد موجود تھے۔

"مجھے تمہاری دعائیں چاہئیں حمزہ! ایک دوست کی دعا، ایک اپنی مما کے لاڈلے کی دُعا، اپنے پیارے ایسے بھائی کی دعا جس نے مجھے بھائیوں سے بڑھ کر چاہا"۔

حمزہ کے پاؤں کے نیچے نہ زمین رہی تھی، نہ سر پر آسمان، نہ اردگرد بے تحاشہ لوگوں کا ہجوم۔ وہ ہواؤں میں معلق تھا۔

کرن کے بار بار پکارنے پر اس نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جو محبت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بڑی پاکیزہ۔ بڑی عقیدت بھری مسکراہٹ تھی کرن کی۔ وہ خود سے نگاہیں چرانے لگا۔ اسے اپنی سوچ پر اپنی چاہ پر، اپنی آرزو پر شرم آنے لگی۔

"میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں کرن! جہاں رہو خوش رہو"۔ حمزہ نے کانپتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھا، پھر جیکٹ کی جیب سے ایک شنیل کا جیولری بکس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے یہ گفٹ ہے، اسے سنبھال کر رکھنا۔ اپنے خاندان کی سات نسلوں سے ہر آنے والی بڑی بہو کو یہ لاکٹ گفٹ ہوتا رہا ہے مگر...... اب میں نے اس کی تاریخ بدل دی ہے بیٹی کو دے کر"۔ جدائی سدا بوجھل رہی ہے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ دونوں چلے گئے تھے۔

کتاب زیست کا اہم ترین باب بند ہو گیا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں، سنسناتے دماغ و منتشر ہوتے حواسوں کے ہمراہ وہاں سے نکلا تھا۔

☆......☆......☆

والدہ حضور کی زیرک نگاہوں سے برہان لغاری اور فائقہ کی دن بدن بڑھتی بے تکلفی مخفی نہ رہ سکی تھی۔ چند دن تو وہ انتظار کرتی رہیں، حالات معمول پر آنے کے لیے جوان کی توقع کے برعکس بتدریج بگڑ رہے تھے۔

پہلا دھچکا ان کے لیے برہان لغاری کی بے نیازی یا مصروفیت تھی جس میں کھو کر وہ ان کی ذات کو بھی فراموش کر چکے تھے اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا جو وہ ان سے لاپرواہ ہوئے تھے۔

والدہ حضور کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھی، جس انقلاب کو برپا ہونے سے برسوں قبل وہ روک چکی تھیں۔ اسی کی آہٹیں انہیں پھر سنائی دے رہی تھیں، لمحہ بہ لمحہ اپنے اقتدار کی مسند کی طرف بڑھتی ہوئیں۔

"والدہ حضور! آپ نے یاد کیا ہے؟" برہان لغاری اندر آ کر ان سے مخاطب ہوئے جو تفکرات کے بحر میں غوطہ زن تھیں۔ اُن کی آواز سن کر انہوں نے اپنے سفید پلکوں والی جہاندیدہ نگاہیں ان کے چہرے پر ڈالیں۔

بڑی گہری نگاہیں تھیں، کھوجنے والی، تجسس والی۔

برہان لغاری چند ثانیے ماں کی نگاہوں سے پریشان ہوئے مگر جلد ہی سنبھل گئے اور اُن کے اشارہ کرنے پر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آج کل اتنے مصروف رہنے لگے ہو کہ ماں کی یاد نہیں آتی، ہم نے سوچا ہم ہی یاد کریں، بلکہ یاد دلائیں کہ برہان لغاری کی

ماں زندہ ہے ابھی"۔ اُن کا ٹھنڈا لہجہ عجیب سی آنچ دے رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے والدہ حضور؟ بس آج کل کچھ مصروفیات بڑھ گئی ہیں"۔ انہوں نے لہجے میں بشاشت بھری۔

"اچھا....." وہ سخت طنزیہ انداز میں گویا ہوئیں۔ "اب ہم سے بھی بڑھ کر مصروفیات ہوں گی؟"

"ایسا ہرگز نہیں ہے"۔ وہ بُری طرح گھبرا کر گویا ہوئے۔

"ایسا ہی ہے تمہاری نظروں میں ہماری عزت نہیں رہی"۔ وہ پُرطیش انداز میں گویا ہوئیں، برہان اُٹھ کر اُن کے قریب آگئے۔

"ہم ایسی گستاخی نہیں کر سکتے والدہ حضور! لیکن ہمارے کسی رویئے سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں، دراصل آپ تو جانتی ہیں، میں کن پریشانیوں ومصائب کا شکار ہوں، اس وجہ سے کسی کوتاہی کا شکار ہو گیا ہوں تو معافی کا خواستگار ہوں والدہ حضور"۔

"ہمیں لفظوں سے مت بہلاؤ برہان! آج کل تمہاری کیا مصروفیات ہیں، یہ ہم بخوبی جانتے ہیں"۔ وہ ان کی جانب دیکھتی ہوئیں جتانے والے انداز میں بولیں۔ برہان نے گڑبڑا کر نگاہیں جھکالی تھیں۔

"جو نگاہیں چراتے ہیں، وہ کچھ ایسا غلط کر رہے ہوتے ہیں کہ اُن کو خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے مگر پھر بھی درست سمت پر نہیں چلتے ہیں۔ تم آگ سے کھیل رہے ہو برہان..... اس کھیل کا انجام تباہی ہے"۔

"میں..... سمجھا نہیں ہوں جو آپ کہہ رہی ہیں......"

"سمجھے نہیں یا سمجھنا نہیں چاہتے؟" ان کا انداز بہت تیکھا تھا۔

برہان لغاری اُن کے آگے صرف سر جھکا کر بیٹھنے کے اور کچھ نہ کر سکے کہ وہ ان کی ذومعنی گفتگو کو بخوبی سمجھ رہے تھے مگر اس امر سے خود کو باز رکھے یا والدہ حضور کے سامنے اعتراف یا انکار کی جسارت خود میں نہ پا رہے تھے۔

"گھر کو لٹیروں سے بچانا چاہتے ہو تو چور دروازے مت کھولو، ایک بار آزمائے ہوئے کو بار بار کیا آزمانا، جن کی سرشت میں وفا نہیں ہوتی وہ دغا کرتے ہیں صرف دغا"۔ ان کا لہجہ ہنوز بے لچک تھا۔

"فائقہ پہلے سے بالکل بدل گئی ہے والدہ حضور۔ حالات نے اسے توڑ پھوڑ کر نئی عورت بنا دیا ہے، پہلے جیسی کوئی بات نہیں ہے اس میں"۔

والدہ حضور کی طرح بات کو ہیر پھیر کرنے کی وہ صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ سیدھے طریقے سے وہ فائقہ کا نام لے بیٹھے جس کو سن کر والدہ حضور کے عضلات کھنچ گئے تھے اور آنکھوں میں برہمی نظر آنے لگی تھی۔

"یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے تمہاری وہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی ہے"۔

"اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آپ کا دل اُس کی طرف سے صاف نہ ہو سکا۔ اُسے معاف کر دیں والدہ حضور وہ......"

"خاموش!" وہ غصے سے بولتی ہوئی کھڑی ہو گئی تھیں۔ "اس بدکار عورت کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے"۔

"وہ منال کی ماں ہے"۔ اُن کی آواز کمزور تھی۔

"مگر تمہاری بیوی نہیں ہے، یہ کان کھول کر سن لو اور منال اب بن سکتی ہے ہم جس کو تھوک دیتے ہیں اس کو چاٹتے نہیں ہیں"۔

"میں منال کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں، بہت دباؤ ہے مجھ پر۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کس طرح وہ لڑکی نارمل ہوگی۔ کل رات بھی اس نے کلائی کی رگ چھری سے کاٹ لی تھی۔ اگر بروقت فائقہ اسے اسپتال نہ لے جاتی تو اسے جانی نقصان پہنچ سکتا تھا"۔

"ہونہہ جیسی ماں ویسی بیٹی"۔ اُن کے لہجہ میں شدید نفرت تھی۔

☆......☆......☆

مدثر صاحب نے جس والہانہ گرم جوشی ومحبت سے ان کا استقبال کیا تھا، وہ پیار و محبت اُسے سرشار کرگئی۔ اس حوالے سے ملی عزت معتبر بناگئی۔ وہ جو سدا سے نصیب ومقدر کی بے نیازی سے شکوہ کناں رہی تھیں، ان دنوں خود کو سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھ رہی تھی۔

مدثر صاحب نے شان دار ولیمے کی پارٹی ارینج کی تھی جس میں نیویارک کے اعلیٰ طبقوں سے تعلق رکھنے والے معززین نے شرکت کی تھی۔ خواتین نے مشرقی انداز میں بنی دُلہن کی بے حد تعریف کی تھی۔

انس خود بھی تھری پیس سوٹ میں بے حد خوب صورت لگ رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں بھی بے ساختہ دُلہن بنی کرن کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ مدثر صاحب بڑے فخر سے کرن کو سب سے ملوا رہے تھے۔ وطن سے دور اس دیس میں بھی ان کا حلقۂ دوستی بے حد وسیع تھا۔

ولیمے کے بعد کئی دنوں تک اُن کی دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔

"کرن! مبارک ہو"۔ انس خوشی سے چہکتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"کس بات کی؟" وہ جو بال باندھ رہی تھی، بال چھوڑ کر بولی۔

"سعد جڑواں بچوں کا باپ بن گیا ہے"۔

"تھینکس گاڈ! فاریہ بھابی کیسی ہیں، اُن کی بہت فکر تھی مجھے"۔

"وہ ٹھیک ہیں، چائلڈز بھی ٹھیک ہیں اور تم کال کر کے معلوم کر لینا"۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے بال بگاڑے۔

"گرینی ہمارے پاس آجائیں گی اب؟" اس کی قربت میں نروس ہونے لگی۔

"ہاں...... آتو جائیں گی، مگر ان کی ایک شرط ہے"۔ وہ اُس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکراہٹ لبوں میں دبا کر گویا ہوا۔

"شرط! کیسی شرط؟"

"تم بھی فاریہ بھابی جیسا سرپرائز دینے کا وعدہ کرو تو......"

وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکتا شرارت سے گویا ہوا تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی اور فوراً رُخ موڑ لیا تھا۔

"اونہوں، چیٹنگ نہیں چلے گی، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دینا ہوگا"۔ انس نے شانوں سے تھام کر اسے اپنی طرف کیا۔

"میں ابھی آتی ہوں کچن میں سے"۔ وہ جز بز ہوئی۔

"یہ فرار ہے میرے سوال کا جواب نہیں ہے"۔

"پلیز مجھے جانے دیں، سالن جل جائے گا"۔ وہ منت بھرے انداز میں بولی تو انس نے یہ کہتے ہوئے اسے چھوڑا۔

"جاؤ، کیا یاد کرو گی، کس سخی سے بندھن بندھا ہے"۔

انس آفس چلا گیا تھا۔

مدثر صاحب بزنس ٹور پر کل آسٹریلیا روانہ ہوئے تھے، کرن گھر میں تنہا تھا۔ یہاں پاکستان کی طرح ملازموں کی کثرت نہ تھی۔ جز وقتی طور پر دو نیگرو ملازمائیں تھیں، جو ڈسٹنگ اور واشنگ کر کے چلی جایا کرتی تھیں۔ کچن کا کام انس اور مدثر صاحب کے کاموں کی ذمہ داری اس نے خود اپنے ذمہ لی تھی جو بہت معمولی تھی۔ اس پر بھی مدثر صاحب راضی نہ تھے۔ اُن کا کہنا تھا، اُن کی بہو حکمرانی کے لیے ہے، وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگائے، وہ اُس کے آرام کے لیے بے شمار ملازم افورڈ کر سکتے ہیں، پھر کئی کوششوں کے بعد وہ انہیں راضی کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ملازماؤں کے جانے کے بعد اُس نے تمام گیٹ لاکڈ کیے تھے اور آ کر اپنے بیڈ روم میں آرام سے بیٹھ کر کراچی کال ملانے والی تھی کہ موبائل پر کال آ گئی تھی۔ وہ چونک اُٹھی تھی، اسکرین پر نمبر زاجنبی تھے۔

"ہیلو!" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"السلام علیکم، کرن! میں صمد بول رہا ہوں"۔

"صمد...... اوہ کتنے عرصے بعد تمہاری آواز سن رہی ہوں، رئیلی کتنا اچھا فیل ہو رہا ہے۔ ہاؤ امیزنگ سرپرائز"۔ صمد کی آواز سن کر اُسے حقیقتاً بے حد مسرت ہوئی تھی۔ صمد کو بھی اچھا لگ رہا تھا۔ اُس نے کرن کو شادی کی مبارک باد دی، اسی سلسلے میں خاصی گفتگو ہوئی ان کی۔

"صمد! حمزہ کیسا ہے؟ اُسے کیا ہو گیا ہے، وہ ایئرپورٹ آیا تھا مجھے سی آف کرنے، وہاں میں نے نئے حمزہ کو دیکھا، بہت ٹوٹا، بکھرا، اُلجھا اُلجھا، اپنے آپ سے بے خبر، وہ پہلے جیسا نہیں تھا۔ اب ایسا لگتا ہے کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے، اُس کے ساتھ تم بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"سچ سنو گی؟" لمحے بھر کو صمد کی آواز کانپی تھی۔

"آف کورس"۔

"اس کی ٹریجڈی تم ہو کرن"۔ وہ دھیمے سے بولا۔

"کیا مطلب؟" اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔

"نہ معلوم کب تم اس کے قریب اس قدر آئیں کہ دل پر حکمرانی کرنے لگیں"۔

"شٹ اَپ صمد! تمہیں معلوم ہے کیا کہہ رہے ہو!" ایک پل میں پورا کمرہ گردش کرنے لگا۔

"مجھے بے حد افسوس سے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے، اگر حالات نارمل ہوتے تو میں کبھی بھی یہ راز تم پر ظاہر نہ کرتا کہ ظاہر کرنے کا کوئی

فائدہ ہی نہ تھا، مگر مجبوری یہ آ گئی ہے، ممی بی پی شوٹ کر جانے کے باعث اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ حمزہ اپنی ضد نہیں چھوڑ رہا ہے''۔

''کیسی ضد؟''

''وہ پاکستان سے باہر جا رہا ہے ہمیشہ کے لیے، کہاں جا رہا ہے، یہ مجھے بھی نہیں بتا رہا، اسی وجہ سے ممی ہاسپٹلائز ہیں مگر وہ گویا پتھر کا بن گیا ہے۔ اُس پر ممی کی کنڈیشن، گھر کی ٹینشن، کسی کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے''۔ صمد کے لہجے سے از حد پریشانی و تفکر چھلک رہا تھا اور اسے اس انکشاف نے بے جان سا کر ڈالا تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر اُن بیتے ہوئے تمام مناظر کی فلم چل رہی تھی۔ صمد نہ معلوم کیا کیا کہہ رہا تھا۔ اس کی سماعتوں میں ہواؤں کی سرسراہٹیں تھیں۔ آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں تھا۔

''کرن...... کرن! آر یو رائٹ؟'' اُس کی مسلسل خاموشی نے صمد کو فکرمند کر ڈالا تھا، وہ گھبرا کر بولا۔

''ہاں۔ میں ٹھیک ہوں''۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی لرزتی ہوئی آواز پر قابو نہ پا سکی تھی۔

''میں نے بہت سوچا کہ کس طرح اُسے روکا جا سکے، بالآخر میرے ذہن میں تمہارا ہی نام آیا اور میں نے کال کی، پلیز کرن اگر کوئی اُسے اس فیصلے سے روک سکتا ہے تو وہ تم ہو، وہ اپنی زندگی تباہ کر لے گا، نہ کبھی گھر بسائے گا، نہ گھر آئے گا اور اُس کے جانے کے بعد گھر کہاں رہے گا، زندہ مُردوں کا قبرستان بن جائے گا''۔ شدت جذبات سے وہ رو پڑا تھا۔

''رو مت صمد! مجھے اس درد کا احساس ہے جس سے تم گزر رہے ہو۔ اپنوں سے بچھڑنے کی اذیت تازیست محسوس ہوتی ہے، تم فکر مت کرو، میں سمجھاؤں گی حمزہ کو، وہ میری بات مان جائے گا، میں نے اسے ہمیشہ سے اچھا دوست، اچھا بھائی مانا ہے، نہ معلوم کس طرح اور کیوں وہ ان رشتوں کو بھول کر فضولیات سوچنے لگا اور اس حد تک چلا گیا''۔

''تھینکس اے لوٹ کرن! مجھے یقین تھا تم ہی یہ پرابلم سولو کر سکتی ہو، لیکن تم سے میری ایک ریکویسٹ ہے حمزہ کو میری ان باتوں کے متعلق علم نہ ہو، ورنہ وہ......''

''میں سمجھتی ہوں، تمہاری کال کا بھی ذکر نہیں کروں گی مگر تم بھی ایک بات یاد رکھنا، آج کے بعد ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ نئے رشتوں کی استقامت کے لیے یہ قربانی ضروری ہے''۔

''میں سمجھتا ہوں کرن! آہ...... پلیز مما اور آنٹیز کو معاف کر دینا، تم پر الزام لگا کر وہ شرمندگی میں گرفتار ہیں''۔

''بھول جاؤ گزری باتوں کو، میں نے سب کو معاف کیا''۔ اس نے سیل آف کر کے بیڈ پر پھینک دیا تھا۔ اُس کے اندر آہوں کا طوفان شدت پکڑ رہا تھا۔ دل کی دنیا پر سوگ کی پُر ہول خاموشیاں چھانے لگی تھیں۔ ابھی چند لمحوں قبل موت ہو گئی تھی۔

موت!

اُس کی پاکیزہ محبت کی۔

روشن اعتماد کی۔

بے مثال دوستی کی۔

حمزہ جس کی دوستی پر اُسے فخر تھا، وہ بدل گیا تھا اور ہمیشہ کے لیے کھو گیا تھا۔ وہ رو رہی تھی ماں کے بعد دوسرا بڑا صدمہ حمزہ کی دوستی کی موت کا تھا۔ آنسو بھلا تھمنے والے کہاں تھے۔

☆......☆......☆

"اُٹھ گئیں جانو! طبیعت کیسی ہے؟" فائقہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا۔

"میں سوئی کب تھی؟" اس کی آواز گہری اداسی میں ڈوبی تھی۔

"سوئی! تم چہرے پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئی تھی، میں سمجھی سو گئی ہو"۔

"میں کہاں سوتی ہوں، سو بھی کیسے سکتی ہوں، میری نیندیں وہ چرا کر لے گیا ہے، میرا سکون، میرا چین میرا سب کچھ"۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ فائقہ نے دکھی انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گویا ہوئیں۔

"اس منحوس شخص کو بھول کیوں نہیں جاتی ہو، وہ کرن کے ساتھ عیش کر رہا ہے اور تم اُس کی یاد میں خود کو بھلائے بیٹھی ہو، اگر کل میں وقت پر کمرے میں نہ پہنچ جاتی تو"۔

"موت اتنی آسانی سے نہیں آتی"۔

"چپ، کتنی بُری باتیں کرنے لگی ہو، کچھ احساس ہے"۔

"آپ بھی تو اتنی بُری باتیں کر رہی ہیں، خود آپ کو احساس ہے؟"

"میں نے کیا بُری بات کی ہے سویٹ ہارٹ!" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے سامنے میرے محبوب کے متعلق بتا رہی ہیں کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ عیش کر رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر بُری بات اور کیا ہوگی۔

"خیالوں کی دُنیا سے نکل آؤ بیٹا، خیال اور یادیں صرف دُکھ دیتی ہیں۔ وہ یاد رکھنے کے قابل نہیں ہے، اُسے بھول جاؤ"۔

"بھولنا ہی نہیں آتا مجھے، کیا آپ ڈیڈی کو بھول گئیں؟" اُس نے فائقہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ...... یہ بھی کوئی سوال ہے؟" وہ بُری طرح خجل ہوئیں۔

"بتائیں آپ بھولی ہیں ڈیڈی کو؟" وہ ماں کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ میرے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے واپس آئی ہیں"۔

"منال! میری محبت پر شک کر رہی ہو"۔ اُن کا لہجہ پست تھا۔

"نہیں مما! حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ خیر جو ہوا سو ہوا، مرد کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتے، نقصان ہمیشہ عورت کے نصیب میں آیا ہے، آپ کے جانے کے بعد بھی ڈیڈی کی زندگی میں عورتوں کی کمی نہ تھی۔ اب آپ کو پا کر شاید وہ سب کو بھول جائیں۔ مردوں کی

فطرت ایسی ہوتی ہے۔ایک کو پا کر دوسری کو فراموش کر دیتے ہیں"۔

"جو تم نے کہا وہ صحیح ہے پھر تم انس کو کیوں نہیں بھولتیں۔وہ بھی تو مرد ہے اور مردوں والی ہی فطرت رکھتا ہے۔وہ تمہیں بھول گیا تم اُسے بھول جاؤ اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچو"۔فائقہ آہستگی سے اعتراف کرتے ہوئے اُسے سمجھانے لگیں۔

"وہ مرد ہے عام مردوں سے بالکل مختلف،ایک ایسا مرد جو وجود کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔اُس نے شادی کرن سے کی مگر دل میں اُس کے میں ہی آباد ہوں،اُس کے ساتھ کرن نہیں منال ہوتی ہے،میرا چہرہ ہوتا ہے"۔اُس کے انداز میں اعتماد و یقین کی مضبوطی تھی۔

"تھینکس گاڈ! تم نے اس حقیقت کو تو قبول کیا"۔انہوں نے مسرت سے اُس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دی ہے"۔

"اب کریں گے بات،آپ واپس اپنی دُنیا میں پلٹ آؤ،سب ٹھیک ہو جائے گا،میں اور برہان آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں"۔

"آپ کا مجھے معلوم ہے مگر ڈیڈی کا یقین نہیں کہ انہیں اب میری خوشی سے بھی خوشی مل سکتی ہے،وہ کتنے خود پسند ہیں،مجھے معلوم ہے۔

"چھوڑو ان باتوں کو اب ریسٹ کرو،ڈاکٹر کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے"۔وہ اُس کے سر کے نیچے تکیہ درست کرتے ہوئے بولیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"آپ کے برابر والے روم میں ایک پیشنٹ سے فرینڈ شپ ہو گئی ہے،اچھا ٹائم پاس ہوتا ہے وہاں،بڑے مزے کی باتیں کرتی ہے وہ"۔

"ممی! آپ کب سے فرینڈ شپ کرنے لگی ہیں"۔اُس کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

"کبھی ایسا ٹائم بھی آ جاتا ہے"۔

"ایسا کیا ہے اُن لیڈی میں؟"

"اس میں تو کچھ نہیں ہے،شکل سے ہی چار سو بیس عورت لگتی ہے۔ہاں اُس کا ایک بیٹا ہے۔بے حد سمارٹ اینڈ ڈیشنگ پرسنالٹی ہے اُس کی۔میں چاہ رہی ہوں کسی طرح وہ لڑکا میرے قابو میں آ جائے تو مسئلہ حل ہو جائے"۔

"اُس لڑکے سے کیا کام ہے؟"

"آپ کا اور اس کا کپل،بہت زبردست ہوگا"۔

"ممی! آپ کو معلوم ہے،آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ خفگی سے بولی۔

"ہاں اچھی طرح معلوم ہے اور تم بھی سن لو برہان کسی طور پر آپ کو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں ہیں اور اُن سے زیادہ وہ خرانٹ بڑھیا نہیں چاہ رہی،ویسے بھی اُس لڑکے کو دیکھو گی تو انس کو بھول جاؤ گی۔انس سے وجیہہ اور ہینڈسم ہے وہ"۔منال خاموش رہی تھی۔

"اُس کی ماں کو شیشے میں اُتار رہی ہوں،ماں قابو میں آ گئی تو سمجھو بیٹا تو از خود ہی مٹھی میں آ جائے گا"۔

وہ خوب صورت پھولوں کا بوکے اور فروٹ کی ٹوکری اُٹھا کر روم سے نکل گئی تھیں۔ منال کے چہرے پر مجروح سی مسکراہٹ اُبھر کر معدوم ہوئی تھی۔

''کیا کوئی اس ستم گر، جاذبِ نظر اور مغرور شخص کی طرح ہینڈسم، اسمارٹ، کیئرنگ، لونگ، چارمنگ ہو سکتا ہے؟'' آنکھیں بند کر کے وہ پھر سوچوں و تصورات کے حسین و پُر فریب جنگل میں کھو گئی تھی۔

☆......☆......☆

بے حد کہرآلود شام تھی۔

تاحدِ نگاہ سرمئی دھند کی دبیز چادر پھیلی نظر آ رہی تھی۔ حمزہ ہاتھ میں پکڑے کافی کے مگ پر نگاہیں جمائے بیٹھا مگ کی اوپری سطح سے نکلتے دھویں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں دھویں پر مرکوز تھیں اور ذہن میں کرن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ کچھ لمحے قبل ہی تو فون کیا تھا اُس نے اور کیسی خواہش کی تھی جس نے اس پر ایک دباؤ، ایک بوجھ لاد دیا تھا۔

کیسی آرزو تھی انہونی!

کیسی تمنا تھی جان ہوا!

وہ شادی کر کے اپنی دُنیا بسا لے اور ماں باپ کی خدمت کر کے آخرت سنوارے، یہی اس کی خواہش تھی یہی تمنا اور التجا بھی۔

وہ رو رہی تھی۔

بے تحاشہ، بے ربط۔

اُس کا ہر آنسو اُسے اپنے دل پر گرتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اقرار نہ کر سکا تو انکار بھی نہ کر سکا اور وہ ہمیشہ کی طرح اپنی ہی منوا گئی، اپنی قسم دے کر۔ اُس کی قسم جو جان سے بڑھ کر عزیز ہے جس کی خاطر وہ سولی پر لٹک سکتا ہے، سانس لینا چھوڑ سکتا ہے، یہ جہاں چھوڑ سکتا ہے مگر...... قسم نہیں توڑ سکتا۔

''میرے بھائی یہ کافی کا مگ ہے، کوئی جادوئی چراغ نہیں جس کو تم اتنے غور سے دیکھ رہے ہو، گویا اس میں سے ابھی کوئی جن برآمد ہوگا اور ہاتھ باندھ کر کہے گا، کیا حکم ہے میرے آقا''۔ صمد اندر آ کر اُس سے مخاطب ہوا جس کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ اُبھری۔

''ویسے آپس کی بات ہے، اگر قسمت سے کوئی جن مل جائے تو کیا خواہش بتاؤ گے؟'' وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''خواہش...... اب کیا خواہش ہے کچھ نہیں''۔

''کچھ تو یار! وہ کیا شعر ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

بہت نکلے میرے ارماں مگر پھر بھی کم نکلے

"نہیں...... نہ مجھے کوئی جن چاہیے نہ کوئی خواہش"۔ وہ کافی کا مگ ہونٹوں سے لگا کر سپاٹ انداز میں گویا ہوا تھا۔ اُس کے انداز پر صمد اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو اس طرح سے؟"

"تم کب اپنے جوگ کو ٹھوکر مارو گے، ایک تمہاری وجہ سے سب کس قدر ڈسٹرب ہیں، تمہیں احساس ہی نہیں پاپا افسردہ رہنے لگے ہیں۔ ممی ہاسپٹلائز ہیں۔ چچاؤں کی فیملیز کس ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ تمہیں کسی سے کوئی غرض، کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک ناکام محبت کا انتقام تم کس کس سے لو گے؟ ہر جنون کی، ہر نفرت کی کوئی حد ہوتی ہے، تم نے سب کو چھوڑ دیا ہے، حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی دشمنی کر لی، کیا محبت اتنی خود غرض و بے حس بنا دیتی ہے؟"

"کبھی نہ کبھی تمہیں بھی کسی سے محبت ہو گی پھر تمہیں خود ہی ان سوالوں کا جواب مل جائے گا، رہا سوال پاپا کی افسردگی کا تو ضمیر کی سزا ہر سزا سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ وہ اپنے کل پر پشیمان ہیں، ممی ہاسپٹل میری وجہ سے نہیں اپنی لاڈلی چہیتی بہنوں کی مفاد پرستی، بے حسی کے باعث گئی ہیں۔ صدمہ بہنوں کی وجہ سے انہیں پہنچا جن بہنوں کی خاطر وہ سسرال والوں کو دشمن سمجھتی رہیں، وہ آج اُن کی دشمن ہیں۔ محض اس لیے کہ ان کی بیٹی ممی کی بہو نہ بن سکی، یہ ہے سگے رشتوں کی حقیقت اور چچاؤں کی فیملیز اپنا کیا بھگت رہی ہیں۔ اُن کے لڑکے بُری صحبتوں میں پڑ گئے، بیٹیوں نے کورٹ میرج کر لیں یا اپنی من مانی کرتے ہیں، اُن کی عزت نہیں کرتے۔ اُنہیں نہیں سمجھتے تو یہ سب ان کے اپنے اعمال ہیں جو سیاہی بن کر ان کی عزتوں پر چھا گئے ہیں اور میں ماسوائے افسوس کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں، تم ہر بار مجھے کیوں ٹیز کرتے ہو گویا جو کچھ ہو رہا ہے اُس کا ذمہ دار میں ہوں"۔ وہ خاصی خفگی سے گویا ہوا تھا۔

"تم میں اب سچ سننے کا حوصلہ بھی نہیں رہا ہے، ذرا بات تمہارے موڈ کے خلاف ہوئی اور تم نے اسی طرح بدمزاجی اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ دکھانا شروع کیا"۔ جواباً صمد بھی اسی انداز میں بولا تھا۔

"صمد! مت ڈسٹرب کرو، میں پہلے ہی اَپ سیٹ ہوں"۔ وہ پیشانی ہاتھ سے رگڑتے ہوئے پریشان لہجے میں بولا۔

"کیا ہوا؟" صمد کے لہجے میں یک دم ہمدردی و پیار در آیا۔

"کرن کی کال آئی تھی کچھ دیر قبل"۔

"اچھا خیریت سے تو ہے وہ؟" صمد دانستہ نگاہیں چرا کر گویا ہوا۔

"ہاں"۔ حمزہ نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"اُس کو معلوم ہے میں اُس کی کوئی خواہش رد نہیں کر سکتا، اگر کرنا چاہوں تو تب بھی نہیں، اُس کا انداز سدا سے ایسا ہی ہوتا ہے کہ میں "نہ" کر ہی نہیں سکتا۔ کاش وہ ایسی فرمائشیں کرنے کے بجائے میری جان مانگ لیتی اور میں خوشی خوشی اپنی زندگی اُس پر نچھاور کر دیتا، پھر خواہش کی بھی تو ایسی جس کی اب میری زندگی میں ضرورت نہیں ہے"۔

"کیا کہا کرن نے؟" "کون سی خواہش پوری کروانا چاہتی ہے؟"

"وہ چاہتی ہے میں شادی کرلوں"۔ حمزہ نے تیزی سے پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

"جب تمہیں نہیں کرنی تو چھوڑ دو، کیوں ٹینس ہو رہے ہو"۔

"اُس نے مجھے اپنی قسم دی ہے"۔

"تو پھر......کیا ارادہ ہے؟" صمد کے دل میں اُس کی اضطرابی کیفیت درد بن کر اُترنے لگی۔ اس دور میں تو محبت اپنی سچائی، اپنی خوب صورتی کھو چکی ہے، محض ٹائم پاسنگ ہابی بن چکی ہے۔ اُس کے بھائی نے کیسی سچی وکھری صدیوں پرانی محبت کی ہے جس کا حاصل درد و جدائی ہے صرف۔

"سمجھ میں نہیں آرہا میں کیا کروں۔ میں یہاں سے جا رہا تھا ہمیشہ کے لیے کہ اب یہاں رہوں یا کہیں اور سب جگہ میرے لیے اجنبی ویران ہے۔ یہاں رہتا تو ممی مجھے ہر وقت شادی کرنے پر راضی کرتی رہتیں اور جو کام میں کرنا نہیں چاہتا، اُس کے لیے کیسے راضی ہو جاتا۔ شادی ایک مقدس رشتہ ہے جو وفا اور خوشیوں سے قبول کیا جاتا ہے کوئی لوہے کی زنجیر نہیں جو جبراً گلے میں ڈال کر بے بسی کے کھونٹے سے باندھ دو"۔

"پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟" صمد اُسے شدید ذہنی کشمکش سے نکالنا چاہتا تھا۔

"فیصلہ ہو گیا مجھے وہی کرنا ہے جو وہ کہے گی، میں اُس کی مرضی کے خلاف نہیں سوچ سکتا ہوں، کسی اَن دیکھی ڈور سے بندھا ہوں اُس ڈور کی گانٹھ اتنی مضبوط ہے کہ کھولنا بھی چاہوں تو نہیں کھول سکتا، کاٹنا چاہوں بھی تو نہیں کاٹ سکتا"۔ آنسو بے آواز اُس کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔

☆......☆......☆

فائقہ برہان لغاری کی دوست و گھر پر حکمرانی کے ارادے سے آئی تھی۔ اُن کی یہ خواہش تب سے تھی جب وہ اس گھر میں دُلہن بن کر آئی تھیں مگر تیز و طرار سیاسی ذہن رکھنے والی ساس کے سامنے اُن کی دال نہ گل سکی تھی۔ شوہر کے دل پر حکمرانی کرنے کے باوجود وہ اُن کے محل نما گھر پر حکمرانی نہ کر سکی تھیں اور پھر اپنی نازیبا حرکتوں کے باعث اس گھر سے بالکل نکل جانے پر مجبور ہو گئی تھیں، تب وہ محدود ذہن و کمزور سوچ رکھنے والی عورت تھیں اور اب گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر، طرح طرح کے لوگوں سے مل کر بہت کچھ سیکھ چکی تھیں، چالاکی و مکاری، فہم و فراست میں وہ والدہ حضور سے چار قدم آگے تھیں۔ وہ فول پروف پلاننگ لے کر پاکستان آئی تھیں، پہلا مرحلہ اُن کا برہان لغاری تک رسائی تھی جو تقدیر سے انہیں پہلے مرحلے میں ہی مل گئی اور انہوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بنا اپنا کام کیا اور وہ جو ان کی آواز تک سننے کے روادار نہ تھے، اُن کی قربت میں ایسے موم بن گئے کہ جن کو اپنی مرضی سے وہ شیپ دے سکتی تھیں اور انہوں نے دے دیا تھا۔

دوسرا مرحلہ والدہ حضور کی نگرانی اور اُن کے اور برہان کے درمیان ہونے والی گفتگو جاننا تھا، ایسے کاموں کے لیے ملازموں سے

بڑھ کر جاسوس کون ہو سکتا ہے۔ لالچ سے یا دھمکی سے ملازم ایسے کام کر دیتے ہیں اور انہیں بھی بیری نام کی ملازمہ مل گئی جو ہر بات انہیں بتا دیا کرتی تھی۔ کل ہونے والی گفتگو بھی انہیں معلوم ہو چکی تھی جسے سن کر وہ زخمی ناگن کی کیفیت کا شکار تھیں دو دن سے از خود برہان لغاری سے نہ ملی تھیں اور نہ ہی کوئی کال اٹینڈ کی تھی۔

ان دو دنوں میں برہان لغاری نے سینکڑوں بار کالز کی تھیں۔ کئی بار کارلے کر آئے۔ اُن سے ملنے مگر وہ سامنے نہ آئیں، وہ اُن کی بے قراریوں کو بڑھا رہی تھیں، اُن کی برداشت کو کمزور کر رہی تھیں تا کہ جلد سے جلد اپنا مقصد حاصل کریں۔ بڑھاپے کا عشق جوانی کے عشق سے زیادہ باؤلا کر دینے والا ہوتا ہے۔ تیسرے دن صبح سویرے وہ ان کے سامنے تھے، دگرگوں حالات میں۔

"کیا غلطی ہوئی ہے مجھ سے؟ کیوں اتنا تڑپا رہی ہو؟"

"میرے اور آپ کے راستے الگ ہیں برہان! ہمارا ساتھ چلنا فضول ہے"۔ وہ ایک ادا سے بھرپور انگڑائی لیتی ہوئی بولیں۔

"میں منال کو لے کر واپس جا رہی ہوں"۔

"وہاٹ! کیوں...... کیوں جا رہی ہو؟" وہ قریب آکر استفسار کرنے لگے۔

"مجھے جانا ہی ہوگا، بھلا کس کے لیے رکوں گی یہاں؟ کون ہے میرا یہاں؟" انہوں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ...... یہ کیا بات ہوئی؟ میں ہوں یہاں، میرے لیے رُکو"۔

"کس رشتے سے؟ کس حیثیت سے؟" وہ اُن کی طرف دیکھ کر بولیں اور برہان کچھ کہہ نہ سکے۔ کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔

"خاموش کیوں ہیں...... جواب دیں، اپنی ماں کی باتوں میں آکر آپ پہلے ہی مجھ سے تعلق توڑ چکے ہیں پھر کس تعلق سے روک رہے ہیں"۔

"ٹوٹا ہوا تعلق جڑ بھی سکتا ہے"۔ ان کا لہجہ جذباتی تھا۔

"پھر توڑنے کے لیے؟" فائقہ طنزیہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

"ایسے مت کہو فائقہ! اب یہ تعلق مر کر ہی ٹوٹے گا"۔

"اس عمر میں...... یہ سب سوٹ کرے گا؟" وہ پینترے بدل رہی تھیں۔

"محبت سدا جوان رہتی ہے اس کی عمر کبھی نہیں ڈھلتی"۔

"نہیں برہان! میں تم پر کنفیڈنس نہیں کرتی، مائینڈ اِٹ۔ کل بھی تم ایک ایسے بچے کی مانند تھے جو ماں کی انگلی پکڑ کر چلنے کا عادی ہو، ماں کی آنکھوں سے دیکھنے کا، ماں کے کانوں سے سننے کا اور ماں کے ہی ذہن سے فیصلے کرنے کا عادی ہو، تم میں اتنے سال گزارنے کے باوجود چینج نہیں آیا"۔

"والدہ حضور میری جنت ہیں، اُن کی حکم عدولی میں نہیں کر سکتا مگر......"

"ٹھیک ہے پھر کیوں روک رہے ہو؟" اُن کا موڈ بُری طرح بگڑا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا"۔

"میں بھی تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی برہان! لیکن نہیں چاہتی کہ پہلے کی طرح ہم مل کر بچھڑ جائیں اور ہماری محبت......"

"اب ایسا نہیں ہوگا ڈارلنگ! آئی پرامس یُو"۔ وہ اُن کی بے باک قربت میں مہکنے لگے تھے۔ فائقہ کو اُس کی تشنگی کا احساس ہوا تھا اور وہ ابھی ان کی تشنگی حد سے بڑھانا چاہتی تھیں تاکہ وہ اس لمحہ پر پہنچ جائیں جو وہ اپنا مضبوط ترین مقصد حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہیں۔ وہ حاصل ہو جائے اور وہ اصل حکمران بن جائیں جو اُن کا بڑا خواب تھا۔

"پلیز برہان! وہ اُن کی گرفت سے چکنی مچھلی کی طرح نکلی تھیں۔

"دور کیوں جا رہی ہو، فاصلے اجنبیت کا پتہ دیتے ہیں"۔ وہ تڑپ کر بولے۔

"ہاں...... ابھی ہم اجنبی ہیں"۔ وہ ایک ادا سے مسکرائیں۔

"یہ کیا مذاق ہے"۔ وہ سخت بیزار ہوئے۔

"سمندر سامنے ہو تو تشنگی مزید بڑھ جاتی ہے۔ میری تشنہ آرزوؤں کو کچھ تو قرار دو"۔ ان کے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"اوہ گاڈ! تم شاعری کرنے لگے"۔

"ہوں...... عشق اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اچھا عاشق اچھا شاعر ہوتا ہے اور ناکام عاشق بہترین شاعر"۔

"او کے...... میں جا رہی ہوں۔ مجھے تیار ہو کر اسپتال جانا ہے، منال ویٹ کر رہی ہوگی"۔ وہ ایک دم عجلت میں آگے بڑھی تھی اور برہان لغاری کے رومانٹک موڈ پر یکلخت تلخی در آئی تھی۔

"آپ کتنے کٹھور ہیں، منا اُسے ملنے آئے نہ سیل پر طبیعت پوچھی۔ وہ بہت مس کرتی ہے آپ کو"۔ پیار و محبت کی فضا میں احتیاط در آئی تھی۔

"مجھے پروا نہیں"۔

"پلیز...... ایسے نہ کہیں وہ ان میچور ہے"۔

"میچورٹی اُس میں کب آئے گی؟ تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے میرا"۔

"آ جائے گی، آپ ڈپریسڈ نہ ہوں"۔ وہ رُک گئی تھیں۔

"منال کو آپ ابھی تک معاف نہ کر سکے ہیں مگر اُن کو بھول گئے جو اصل فساد کی جڑ ہیں۔ وہ آپ کو برباد کر کے عیش کر رہے ہیں اور آپ"۔

"کس نے کہا، میں بھول گیا ہوں ان کو اور اپنی بربادی کو یا ان کو معاف کر چکا ہوں"۔ ان کے انداز میں سخت برہمی در آئی تھی۔

"پھر اتنے ہفتے گزر جانے کے باوجود آپ کی خاموشی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"یہ وہ خاموشی نہیں ہے ڈیئر جو سب کچھ فراموش کر کے چھاتی ہے بلکہ یہ وہ خاموشی ہے جو ہر بڑے طوفان کے آنے سے پہلے چھاتی ہے"۔اُن کے چہرے پر سرد مسکراہٹ در آئی، پُراسراریت تھی۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں، انہیں معاف نہ کیا جائے"۔

☆......☆......☆

اُس نے کھڑکی سے باہر جھانکا، تاحدِ نگاہ برف ہی برف پھیلی ہوئی تھی۔ خاصے فاصلوں پر بنے کاٹیج برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ درخت جن کی عریاں شاخیں چھتری نما گولائی میں پھیلی ہوئی تھیں جو موسم بہار میں پھولوں، پتوں، پھلوں سے لدے جھکے کھڑے ہوتے ہوں گے۔ اس وقت اُن عریاں درختوں پر برف گری ہوئی تھی اور محسوس ہو رہا تھا۔ ہزاروں ٹیوب لائٹس اُن پر روشن ہیں۔ رات سے برف وقفے وقفے سے گر رہی تھی۔

روم میں ہیٹر آن تھا، مگر اُسے لگ رہا تھا، باہر گرتی برف کی ٹھنڈک اُس کے اندر اُتر رہی ہے۔ اس کے اندر سرد برفیلا پھیلتا جا رہا ہو، وہ کھڑکی کے شیشے سے چہرہ ٹکائے خالی نگاہوں سے باہر برف کو دیکھ رہی تھی۔ جب سے صمد کا فون آیا تھا۔

اُس کے اندر نامعلوم اُداسی پھیل گئی تھی جو اُسے بے کل کیے ہوئے تھی۔ انس بیڈ پر بے خبر سو رہا تھا۔ نیند اُس کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔ چین گم ہو گیا تھا۔ لامحدود سوچوں کا ایک جہاں اُس میں آباد ہو چکا تھا۔

حمزہ کا اور اس کا ساتھ بہت گہرا تھا۔ بچپن سے جوانی تک وہ اُس کے ہم قدم رہی تھی، فارغ وقت وہ تمام اُن کے ساتھ گزرتا تھا جس میں زیادہ تر وہ لڑتی جھگڑتی رہتی اور وہ اس کی ہر کڑوی بات پر مسکراتا رہتا۔ مما کو سمجھاتا رہتا۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود اُس کے انداز میں کوئی ایسی بات سامنے نہ آئی تھی جس سے محسوس کیا جاتا کہ وہ اس حد تک جا چکا ہے۔

"اُس وقت تم سنجیدگی سے اپنے دل کا راز مجھ پر عیاں کر دیتے تو میں بہت آسانی سے تمہیں سمجھا سکتی تھی کہ جو خواب تم دیکھ رہے ہو، اُس کی تعبیر تمہیں کبھی نہیں مل سکتی۔ یہ ناممکن کبھی ممکن نہیں بن سکتا تھا۔ ممانی جان کا رویہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ و نفرت سے لبریز تھا۔ اُن کی شہ پر ہی دونوں ممانیوں اور اُن کے بچوں نے بھی ہم ماں، بیٹی سے نفرت کرنا سیکھی تھی۔ ہمارے حصے میں جتنی بھی نفرتیں، حقارتیں و تذلیل آئی وہ سب بڑی ممانی کے طفیل آئیں، انہوں نے کبھی مجھے انسان ہی نہ سمجھا تو اتنا قریبی و نازک رشتہ کس طرح قائم کرتیں اور سچ تو یہ ہے"۔

اُس نے گہری سانس لی۔

"میں ایسا ہونے نہیں دیتی حمزہ! میں نے تمہیں ایک دوست اور کزن کی حیثیت سے سمجھا ہے، میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں، نہ ہوتا شاید اس لیے کہ میرے نصیب میں انس کی محبت تھی، انس کی چاہت تھی، میں انس کے ساتھ خوش ہوں۔ اس کا اور میرا تعلق ڈرامائی انداز سے جڑا۔ ہمارا رشتہ پہلے ایک کمپرومائز تھا۔ اپنے ٹارگٹ کو اچیو کرنے کے لیے ہمارا دشمن ایک تھا، بُرہان لغاری...... جو باپ تو

بن گیا مگر اپنے اندر باپ جیسی شفقت و محبت نہ پیدا کر سکا، مگر ہمیں ملانے کا سہرا انس کے سر پر ہے۔ مجھے نصیب سے بہت شکوہ رہا تھا لیکن نصیب نے میرا بندھن انس سے جوڑ کر میرے تمام شکوے و محرومیوں کا ازالہ کر ڈالا ہے۔

دُنیا کی تمام آسائشات میرے قدموں میں ڈھیر ہیں۔ تمام خوشیاں میرے آنچل میں بندھی ہیں۔ میں آج خود کو دُنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی سمجھتی ہوں۔ مجھے وہ سب ملا جس کا ارمان لے کر لوگ دُنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن کچھ دن قبل صمد کی کال نے جس راز کا انکشاف کیا، اس نے مجھے مضطرب کر ڈالا ہے۔ میرا دل روتا ہے، حمزہ کی حالت پر۔ میں دُکھی ہوں اس احساس سے بھی کہ حمزہ جیسے مخلص و ہمدرد شخص کو ہم نے ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے۔ اب میں کبھی اس سے مل نہیں پاؤں گی۔ کبھی نگاہ نہ ملا پاؤں گی، میرے دل میں آباد ایک دوست، ایک خیر خواہ کا تصور مٹ چکا ہے اور اس نئے تصور کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، پھر بھی میں نے حمزہ کو اپنی قسم دے کر کہا کہ وہ شادی کرے اور ماں باپ کی خدمت کرے۔ اس طرح وہ اُن کے درمیان رہ سکتا ہے۔ مجھے صمد کے وعدے کا بھی پاس رکھنا ہے اور حمزہ کی محبت کا بھی، جس کو اس نے چھپایا۔ مجھ سے اور میں اپنے اور اس رشتے کے تقدس کی خاطر اس کو پوشیدہ ہی رکھوں گی بلکہ اب اس سے رابطہ ہی نہیں رکھنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حمزہ جلد شادی کر کے وہیں رہے گا، آخر میں نے بہت بڑی قسم دی ہے کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میری مری ہوئی صورت دیکھے گا''۔

''کیا سوچا جا رہا ہے اتنی گہرائی سے؟'' وہ سوچوں میں اتنی گم تھی کہ انس کے بیدار ہونے کو نوٹ ہی نہ کر سکی۔

''آپ کب جاگے، میں محسوس ہی نہ کر سکی''۔ وہ مسکراتی ہوئی بیڈ کے قریب پڑی چیئر پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کیا بات ہے کرن! میں محسوس کر رہا ہوں پچھلے کچھ دنوں سے اَپ سیٹ ہو۔ کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے شیئر کریں، میں چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان صرف میاں بیوی کا ہی نہیں، دوستی کا بھی رشتہ ہو کہ ہم ایک دوسرے سے اپنی پرابلمز شیئرز کر سکیں۔ بلا کسی جھجک و خوف کے''۔ وہ بیڈ پر کروٹ سے لیٹا، اُس سے مخاطب تھا۔ کرن خود کسی مضبوط و پائیدار سہارے کی تلاش میں تھی۔ فوراً ہی انس کو وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''تھینکس کرن! تم نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے معتبر کر دیا ہے۔ آج فخر ہے مجھے اپنے انتخاب، اپنی چوائس پر، ایک بات بتاؤں تمہیں؟'' انس کا انداز اصرار لیے ہوئے تھے۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

''جی''۔

''مجھے یہ سب پہلے سے معلوم ہے''۔ وہ پُرسکون انداز میں بولا۔

''آپ......آپ کو کس طرح معلوم ہوا''۔

''تمہاری مما کی ڈیتھ کی خبر جب حمزہ کو ہوئی تو وہ سخت جذباتی ہو گیا تھا۔ اس وقت غصے میں وہ سب اس کے منہ سے نکل گیا جو دل میں تھا، لیکن اس وقت تم بھی دکھ و صدمے کی اس کڑی آزمائش سے گزر رہی تھیں کہ حمزہ کی طرح تم بھی اُن باتوں کو سوچنے سمجھنے سے

قاصر رہی تھیں۔ دونوں ہی سوچنے و سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم تھے۔ میں اوپر ٹیرس پر کھڑا سب سن رہا تھا''۔

''آپ نے پھر بھی مجھ سے شادی کی''۔ وہ کسی خیال سے سہم کر بول اُٹھی۔

''کیونکہ میں جانتا تھا حمزہ کا جذبہ ہے، اُس کی محبت یکطرفہ ہے اور یکطرفہ محبت پائیدار نہیں ہوتی، تم اُس سے شادی نہیں کرتیں، اُس گھر میں بہو بن کر نہیں جاتیں جس گھر کے دروازے تم پر بند ہو چکے تھے''۔ انس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ کرن بے اختیار رونے لگی تھی۔

''ارے یہ آنسو کیوں؟ کیا ہوا؟'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ بہت فراخ دل ہیں، بہت اچھے، اگر آپ کی جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو طعنے مار مار کر زندگی جہنم بنا ڈالتا۔ ہمارے معاشرے میں یہی ہوتا ہے، قصوروار لڑکی ہو یا نہیں ہو، ذلت و خواری اُسی کے حصے میں آتی ہے''۔

''میں ایسے مردوں کو مرد نہیں سمجھتا جو عورتوں کی خطا معاف نہیں کرتے۔ خواہ وہ کتنی غلاظت میں گر جائیں پھر تم تو بالکل بے قصور و بے خطا ہو بلکہ بہت اعلیٰ ظرف و درگزر کی صفات رکھنے والی، جو مجھ جیسے شخص کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی ہو جس کا ماضی گرد آلود ہے''۔ انس کے لہجے میں اس کے لیے حقیقی ستائش تھی۔

''پلیز، مجھے شرمندہ مت کریں''۔ وہ کھل اُٹھی تھی۔

☆......☆......☆

فائقہ بیگم کی سحر انگیز شخصیت، دل آویز اداؤں کی بجلیاں اور پُرفریب چالیں رنگ لے آئی تھیں۔ ایک ہفتے کے دورانیے میں ہی برہان لغاری حوصلہ ہار بیٹھے تھے اور اُن کی ڈیمانڈ پوری کر کے اُن سے کورٹ میرج کر چکے تھے۔

فائقہ کو دوبارہ پا کر وہ بے حد مسرور تھے۔

ابھی انہوں نے اپنی شادی کو پوشیدہ رکھا تھا۔ دو دن انہوں نے اپنے پرائیویٹ جٹ میں اُن کے سنگ گزارے تھے، پھر دونوں ہی اجنبیوں کی طرح الگ ہو گئے تھے۔ فائقہ اسپتال چلی آئی تھیں۔

''بہت کیوٹ لگ رہی ہیں مما! مبارک ہو''۔ سیاہ و گلابی ہینڈ ورک کی ساڑھی میں میچنگ جیولری و لائٹ میک اَپ میں وہ حسین لگ رہی تھیں۔

''تھینکس مائی ڈیئر!'' انہوں نے اس کا رخسار چومتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی خوش ہیں آپ کو پا کر؟'' منال دلچسپی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آف کورس ڈارلنگ''۔ وہ مسرت سے کھلکھلائی تھیں۔

''کیا گفٹ کیا ڈیڈی نے؟''

''ہوں......سب بتا دوں؟''

"تمہیں صرف گفٹ دکھا دیں"۔

"ڈائمنڈ کا جیولری سیٹ ہے، میں احتیاطاً لاکر میں رکھ آئی ہوں، گھر چلو گی تو دکھاؤں گی"۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"گرینڈ مدر کا کیا حال ہوگا جب انہیں یہ خوش خبری ملے گی؟"

"بُرا حال ہوگا بلکہ بڑھیا کے بُرے دن شروع ہونے والے ہیں۔ ایک ایک بات کا حساب نہ لیا تو فائقہ نام نہیں میرا، بہت حکمرانی کر لی بڑھیا نے۔ اب ہمارا دور آیا ہے"۔ فائقہ غرور سے گردن اکڑا کر بول رہی تھیں۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں ممی! مجھے بھی بہت تنگ کیا ہے اس اولڈ وومن نے، آپ کے حوالے سے ایسے ایسے طعنے دیتی تھیں، میرا وہاں رہنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ڈیڈی بھی اُن کا ساتھ دیتے تھے"۔

"فکر مت کرو، سارا حساب لیا جائے گا"۔ وہ اکڑ کر بولیں۔

"یہاں سے ڈسچارج کب ہوں گی۔ میرا دل گھبرا گیا ہے یہاں سے"۔ منال ہاتھ میں بندھی ڈریسنگ دیکھتے ہوئے بولی۔

"پہلے طبیعت تو ٹھیک ہونے دو، پھر یہاں کیا پریشانی ہے تمہیں، بالکل گھر جیسی آسانیاں میسر ہیں، یہ ہسپتال ہوتے ہوئے بھی انوارمنٹ اسپتال کی طرح نہیں ہے، پھر فزیشن بہت کوالیفائیڈ ہیں۔ ایک ماہ میں ہی بیسٹ ٹریٹمنٹ کی ہے آپ کی فزیکلی اور مینٹلی بھی۔ میں بہت پُر امید ہوں"۔

"میں جلد یہاں سے جانا چاہتی ہوں"۔

"اوکے میں ڈاکٹر سے پرمیشن لوں گی۔ ابھی ڈاکٹر کے آنے میں ٹائم ہے۔ میں اتنے میں آپ کی ممکنہ ساس سے گپ شپ کر کے آتی ہوں"۔

"مما! آپ اس قدر پُر اُمید کیوں ہیں؟" اس دفعہ وہ غصے کی بجائے ہنس کر دریافت کر رہی تھی اور یہ ثبوت تھا اس بات کا کہ وہ تیزی سے اس ڈپریشن سے نکل رہی ہے جس میں مینٹلی طور پر ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

"اُن کی بیماری دراصل یہی ہے کہ اُن کا بیٹا شادی کے لیے راضی نہیں ہو رہا اور وہ چاہتی ہیں جلد از جلد اُن کے گھر میں بہو آ جائے۔ میں نے تمہاری اتنی تعریفیں اُن سے کی ہیں، وہ بنا دیکھے ہی آپ پر فریفتہ ہو گئی ہیں۔ بہت چاہتی ہیں تم سے ملنا۔ بہت آرزو ہے آپ کو دیکھنے کی"۔ وہ ہنسی تھی۔

"میں آپ کی ذہنی حالت سے مطمئن نہیں تھی۔ اس لیے کئی بہانے بنا کر ٹالتی رہی ہوں، مگر آج آپ کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی ہوں۔ بہت جلدی ملواؤں گی بیگم عاصم سے"۔ وہ فروٹ کی ٹوکری اور تازہ پھولوں کا بکس اُٹھا کر روم سے نکل گئیں۔ منال اُن کی کوششوں پر مسکرا اُٹھی تھی۔

☆......☆......☆

سعد، فاریہ، اُس کے جڑواں بچے، مائی سکینہ، گرینی اور مدثر صاحب ایئرپورٹ جانے کے لیے تیار تھے۔ مدثر صاحب دو دن قبل انہیں لینے کے لیے نیویارک سے آئے تھے۔ گرینی کی وہی ضد تھی وہ کسی طرح اپنا وطن چھوڑ کر جانے کو تیار نہ تھیں۔ اُن کا کہنا تھا میں ان شہیدوں کی روحوں کو کیا جواب دوں گی جو اس وطن کی خاطر شہید ہوئے، اس مٹی کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جاؤں گی۔

سعد اور فاریہ انہیں راضی کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ سو انہیں آنا پڑا آنا تو انس چاہتا تھا مگر احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مدثر صاحب خود آئے تھے اور وہاں سے انس اور کرن یہاں سے ان سب نے مل کر اُن پر دباؤ ڈالا تو وہ بے دلی سے راضی ہوئی تھیں۔

فلائیٹ میں ابھی کئی گھنٹے تھے۔ فاریہ اور سعد کسی عزیز سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ مائی سکینہ سعد کے بچوں کو دوسرے کمرے میں سلا رہی تھی۔ مدثر صاحب گرینی کے پاس بیٹھے کرن کی باتیں کر رہے تھے۔

''امی جان! کرن نے ان چند ہفتوں میں ہی اتنی خدمت کی ہے، اتنا پیار دیا ہے، بیٹی کی چاہ پوری ہو گئی ہے، بہت خیال رکھتی ہے''۔

''بہت نیک اور فرمانبردار بچی ہے، مجھے اُس سے یہی اُمید تھی۔ انس کا بتاؤ وہ کیسا ہے، کرن کے ساتھ اس کا رویہ ٹھیک تو ہے؟''

''یہ آپ نے اس سے نہیں معلوم کیا؟'' وہ مسکرائے۔

''کیا تھا معلوم، بلکہ دونوں سے کیا تھا، لہجوں سے دونوں ہی خوش نظر رہے تھے، مگر پھر بھی کبھی کبھی مجھے انس کی طرف سے فکر ہوتی ہے کہ نہ معلوم وہ کب بدل جائے؟ کب وہ کرن سے اُکتا جائے''۔

''ارے نہیں امی جان! آپ فکر مت کیا کریں، انس منال کو بھول چکا ہے۔ کرن جیسی باوفا، سمجھ دار، سگھڑ اور حسین بیوی پا کر وہ اسے کیوں یاد رکھے گا اور ایک بات قدرت کی یہ بھی ہے کہ کرن بیٹی منال سے اس قدر مشابہہ ہے کہ شاید ہی بھولے بھٹکے اسے منال کا خیال بھی آتا تو اب نہ آئے گا''۔ اُن کے انداز میں طمانیت تھی بے حد۔

''ہاں یہ تو ہے عجیب بات ہے۔ باپ ایک ہے مگر دو ماؤں سے جنم لینے والی دونوں لڑکیاں چہرے، قد کاٹھ ایک جیسے رکھتی ہیں''۔

''ماؤں کی تربیت اُن کے مزاج اور کردار میں آ گئی ہے۔ ایک ہیرا تو ایک پتھر''۔

''شکر ہے اللہ، ہمارے نصیب میں ہیرا آ گیا ہے''۔

''ہاں۔ اس کے لیے جتنا شکر کیا جائے کم ہے''۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے ایئرپورٹ جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ سعد اور فاریہ آ چکے تھے۔ وہ سب گاڑی میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

گرینی پہلی بار اپنی مٹی سے جدا ہو رہی تھیں۔ اُن پر رقت طاری تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ سب بھی اداس و افسردہ ہو گئے تھے۔ مائی سکینہ بھی چپکے چپکے اپنے آنسو چادر کے پلو سے پونچھ رہی تھی۔ اس کی حالت بھی گرینی جیسی تھی۔ جتنا ضبط کر رہی تھی، آنسو اتنے ہی بے قابو ہو رہے تھے۔

رات خاصی سرد تھی۔

ہلکی ہلکی کُہر نے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک خاصا کم تھا، البتہ ہیوی لوڈ ٹرک اور ٹرالرز بہت تھے۔ سعد کے دونوں بچے سو رہے تھے۔ ایک فاریہ کی گود میں اور دوسرا مائی سکینہ کی گود میں تھا۔ سب خاموش تھے۔ عجیب پُر ہول خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فاریہ کو عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔ اُس نے متوحش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ گاڑی پل سے گزر رہی تھی۔ ٹریفک زیادہ نہ تھی۔ فرنٹ سیٹ پر سعد بیٹھا تھا۔ ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ پچھلی سیٹوں میں وہ اور مائی سکینہ بیٹھی تھیں اور سامنے کی سیٹ پر مدثر صاحب اور گریبی، وہ ماں بیٹے غنودگی کا شکار ہو گئے تھے۔ اُس نے برابر میں بیٹھی مائی سکینہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بھی کچھ بے چینی و اضطراب کی کیفیت ہویدا تھی اور پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھتے پیچھے آنے والے مال بردار ٹرک نے ایک دم ہی اسپیڈ پکڑی تھی اور پوری رفتار سے گاڑی سے ٹکرا گیا تھا۔

فضا میں یکلخت ہونے والے دھماکے کی زوردار آواز میں انسانی چیخیں دب کر رہ گئی تھیں۔

ٹکراتنی شدید تھی کہ گاڑی بے قابو ہو کر جنگلے سے ٹکرائی اور ٹوٹی ریلنگ سمیت نیچے گرتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

"مسز برہان! آپ کیا روز روز کچھ نہ کچھ اُٹھائے چلی آتی ہیں۔ آپ کی آمد ہی میرے لیے ہر تحفے سے بڑھ کر ہے"۔ راحیلہ بیگم نے فائقہ کو دیکھ کر کہا، جو پھول اور ڈرائی فروٹس کے پیکٹس لے کر آئی تھیں۔

"کیوں شرمندہ کر رہی ہیں مسز عاصم، یہ کوئی گفٹس نہیں ہیں۔ میری محبت ہے جو میں منال کے لیے لاتی ہوں، وہ آپ کے لیے بھی لاتی ہوں، منال کی طرح عزیز ہو گئی ہیں آپ مجھے"۔ محبت بھرے لہجے میں کہتی ہوئی وہ چیئر پر بیٹھ گئیں۔

"آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے مسز لغاری، سوچتی ہوں ڈسچارج ہو کر گھر جاؤں گی تو کس قدر یاد آئیں گی آپ! یہاں آپ کی محبت کی وجہ سے وقت بہت اچھا گزرتا ہے، ورنہ میں اتنے دن کہاں رہ سکتی تھی"۔

"آج میری بیٹی کی چھٹی ہو جائے گی"۔

"اچھا...... تو پھر میں بھی یہاں نہیں رہوں گی، بھلا آپ کے بغیر یہاں دل کہاں لگے گا، میں آج ہی ڈسچارج ہوں گی"۔

"ڈاکٹرز کیسے چھٹی دیں گے آپ کو، ابھی آپ زیرِ علاج ہیں"۔ وہ حیران تھیں۔

"نہیں مل جائے گی چھٹی، میرا دوسرا چھوٹا بیٹا ڈاکٹر ہے۔ اُس کی وجہ سے مل جائے گی اور طبیعت تو میری ٹھیک ہے۔ میں از خود گھر والوں کو پریشان کرنے کے لیے یہاں رہ رہی تھی"۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"میں کچھ نہیں آپ کی بات، میں نے آپ کے دونوں بیٹوں اور ہسبنڈ کو دیکھا ہے۔ مجھے تو وہ تینوں ہی بہت سلجھے ہوئے مخلص لگے، بلکہ آپ کا بیٹا حمزہ تو بے حد پسند آیا مجھے سنجیدہ، کم گو، پُر وقار اور اسمارٹ"۔

"حمزہ کی وجہ سے ہی میں یہاں ہوں"۔

"کیا مطلب؟" فائقہ بیگم نے اپنی گھبراہٹ وتجسس کو بمشکل کنٹرول کر کے پوچھا۔

راحیلہ بھی سنبھل گئیں۔ حقیقت بتاتے بتاتے مبالغہ آرائی کی راہ اپنائی۔

"وہ شادی کے لیے راضی نہیں ہوتا اور میں چاہتی ہوں گھر میں جلد از جلد بہو آ جائے، تاکہ میرے سُونے گھر میں رونق ہو مگر وہ اتنا کہنے کے باوجود نہیں مانا تو میں نے سوچا کوئی ڈرامہ کرنا چاہیے۔ ایسا جس سے گھر کی ذمہ داریاں ان پر آئیں تو انہیں میری بات ماننے ہی بنے گی۔ ابھی اس ڈرامے کی پہلی قسط ہے۔ حمزہ کے اقرار تک یہ ڈرامہ جاری رہے گا اور اصل بات تو ہے مجھے اداکاری جھوٹی نہیں کرنی پڑتی۔ دو دن بھی دوا ٹائم پر نہ لوں تو میری طبیعت خود بخود ہی بگڑ جاتی ہے"۔ راحیلہ اپنی پلاننگ پر خوش تھیں اور فائقہ یہ سوچ کر ہول رہی تھی، وہ ہینڈسم لڑکا جس کو وہ منال کے لیے پسند کر چکی ہیں، اگر کسی اور لڑکی میں انٹریسٹڈ ہوا تو اُن کی ساری محنت ضائع ہو جائے گی اور پھر مشکل ہی سے کوئی ایسا پرسنالٹی والا لڑکا ملے گا۔

"حمزہ کیا کسی لڑکی میں انٹریسٹڈ ہے؟" انہوں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ارے نہیں نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ میرا حمزہ بے حد شرمیلا ہے۔ آج کل کے نوجوانوں سے بالکل مختلف۔ وہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا، پسند کیا خاک کرے گا"۔ انہوں نے بلاوجہ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ گڈ! آپ کا بیٹا بھی میری بیٹی کی طرح نیچر رکھتا ہے"۔

"آپ نے ابھی تک اپنی بیٹی سے نہیں ملوایا"۔

"وہ ڈریس چینج کر رہی ہے، ٹھہریں میں ابھی لے کر آتی ہوں"۔ وہ کہہ کر منال کے پاس آ گئیں جو کپڑے بدلنے کے بعد بالوں میں برش کر رہی تھی۔

"خوب صورت لگ رہی ہو"۔ میرون سوٹ میں بڑا سا رادوپٹہ اوڑھے منال کو دیکھ کر وہ بولیں اور اُس کے رخسار چوم لیے۔

"ممی! دوپٹہ بہت بڑا ہے مجھ سے کنٹرول نہیں ہوتا"۔

"تھوڑی دیر کی بات ہے پھر پھینک دینا، مسز عاصم کو امپریس کرنا ہے"۔

"نہ معلوم کیا بات ہے مما! مجھے اس جوک میں انٹریسٹ ہونے لگا ہے، ورنہ آپ جانتی ہیں مجھے ایسے گیٹ اَپ انس کو رِجھانے کے لیے کرنے پڑتے تھے"۔ بال شانوں پر چھوڑ کر وہ اُداسی سے بولی۔

"پلیز...... اُس کا نام مت لو"۔ وہ اُسے دیکھتے ہوئے پریشانی سے بولیں۔

"اُس کا نام میرے دل پر لکھا ہے، کیسے نہ لوں"۔

"منال! منال!" وہ اُسے دیکھتے ہوئے صرف نام کی تکرار کیے جا رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں۔ منال انس کو بھول چکی ہے۔ ٹھیک ہو چکی ہے۔ اس طرح اُس کا نام لینا اور جملے کہنا انہیں متوحش کر چکا تھا۔

"نو پرابلم مما! میں نارمل ہوں، پاگل نہیں ہوں، جو سب آپ کر رہی ہیں۔ اب میں اگر آپ کا ساتھ دے رہی ہوں تو صرف دل بہلانے کے لیے"۔

"او مائی چائلڈ! میں تو ڈر ہی گئی تھی"۔ وہ سکون کا سانس لیتی ہوئی اُس کا ہاتھ پکڑ کر راحیلہ کے کمرے میں لے آئیں۔

منال نے انہیں سلام کیا تو وہ جواب دیے بغیر اُسے دیکھے گئی تھی۔

وہی آواز

وہی چہرہ

وہی انداز

وہ چکرا کر رہ گئیں، معمولی سے فرق کے ساتھ کرن سامنے کھڑی تھی۔

"ہیلو مسز عاصم! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" فائقہ آگے بڑھیں۔

"ہاں...... ہاں ہاں ٹھیک ہوں، آؤ آؤ بیٹی! بہت ارمان تھا مجھے آپ سے ملنے کا"۔ راحیلہ نے بڑی محبت سے اُس کی پیشانی چومی تھی۔

"او گاڈ! میں تو ڈر ہی گئی تھی آپ کو شاکڈ دیکھ کر"۔

"میں معذرت چاہتی ہوں، دراصل میری دوست کی بیٹی ہو بہو منال کی ہم شکل تھی۔ اس کی ڈیتھ ہو چکی ہے، اس لیے میں چونکی تھی۔ گھر والے دیکھیں گے تو وہ بھی حیران ہوں گے"۔ اُن کی نگاہیں منال کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور اُنہیں اپنی آنکھوں پر دھوکے کا گمان ہو رہا تھا۔

"او ویری سیڈ، اب اجازت دیجیے ہم جائیں گے"۔

"اتنی جلدی، کچھ دیر بیٹھیں، کچھ باتیں وغیرہ ہوں"۔

"آپ تو جانتی ہیں منال کے ڈیڈی بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہتے ہیں۔ ہم دونوں ماں بیٹی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، بہت احتیاط سے رہنا پڑتا ہے۔ ہم دونوں کو مرد گھر میں ہو تو بے فکری رہتی ہے، ورنہ بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا پڑتا ہے"۔

"یہ سب عزت دار لوگوں کی احتیاط پسندی و عقل مندی ہوتی ہے، ورنہ آج کل کون اتنی گہرائی سے سوچتا ہے، آپ کے شوہر باہر ہیں تو پھر آپ دونوں کو ساتھ کیوں نہیں رکھتے، ایسے کب تک رہیں گی آپ؟"

"اتنی دولت و آسائشات نے ہماری وضع داری اور آن کو نہیں بدلا، لوگ ہمیں قدامت پسند کہتے ہیں مگر ہمارے ہاں ابھی ہر دولت سے بڑھ کر عزت کو عزیز رکھا جاتا ہے۔ ویسٹرن کنٹریز کا ماحول تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ جب تک منال جوان نہ ہوئی تھیں تو ہم دونوں بر ہان کے ساتھ ہوتے تھے"۔ فائقہ زبردست ایکٹنگ کر رہی تھی۔ ایک شریف وڈیری بھی عورت ہونے کی۔

"برہان کا کہنا بھی ہے منال کی شادی جب تک کسی اچھے لوگوں میں نہیں ہو جاتی۔ مجھے یہاں رہنا ہوگا۔ منال کی شادی کے بعد ہم ملک سے باہر رہیں گے"۔

"سچ کہا بہن! اچھے اور شریف خاندانی لوگوں کو دولت بگاڑ نہیں سکتی۔ یہ تو دولتیوں کی اوقات ہوتی ہے۔ دولت پاتے ہی مادر پدر آزاد ہو جاتے ہیں، پھر کہاں کی شرافت اور کہاں کی وضع داری"۔ ان جانے میں وہ فائقہ کی دکھتی رگ چھیڑ گئیں۔ منال نے مسکراتی نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھا جو گڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"میں بہت جلدی آؤں گی، آپ کے گھر"۔ وہ گرم جوشی سے منال کو لپٹاتے ہوئے معنی خیز انداز میں گویا ہوئیں۔

"میری آنکھیں آج سے ہی آپ کی آمد کی منتظر رہیں گی"۔ فائقہ اُن سے گلے ملتے ہوئے بولیں اور بڑی جدوجہد کے بعد آنسو بھی آنکھوں سے چھلکا دیے۔ راحیلہ نے سچ مچ روتے ہوئے انہیں رخصت کیا۔

"کیا ونڈرفل ایکٹنگ کی ہے تم نے"۔ سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے منال کھلکھلا کر ہنستی ہوئی بولی۔ اُسی لمحے حمزہ برابر والی سیڑھیوں سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ اُس کی نگاہ بے ارادہ اُٹھی تھی اور وہ بنا پلکیں جھپکائے اُسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ خیال تھا یا حقیقت؟

نگاہوں کا دھوکہ تھا یا تصور کا فریب؟

وہ کرن تھی؟

لیکن نہیں اس کے ہنستے چہرے پر رخساروں میں پڑنے والے ڈمپلز کرن کے نہیں تھے، مگر اس ایک فرق سے کیا ہوتا ہے، وہ ہوبہو وہی تھی۔

"ہائے بے چاری ماؤں کو بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے"۔ وہ ہنستے ہوئے بولیں۔ حمزہ کی نگاہوں سے بے خبر وہ آرام آرام سے ایک ایک سیڑھی اُتر رہی تھیں۔

"ریمائنڈ یو مما! میرے ہاتھ "پیلے" ہونے کے بعد "کالے" بھی ہو چکے ہیں"۔

"جسٹ شٹ اَپ، یاد رکھو تم اب ایک بیچلر گرل ہو بیچلر"۔ انہوں نے اسے ڈپٹتے ہوئے سمجھایا، اسی لمحے انہیں گراؤنڈ فلور پر دیکھ کر حمزہ آنکھوں پر ڈارک گلاسز لگا کر ان کے قریب چلا آیا۔

"ایکسکیوزمی"۔ اُس کی آواز پر وہ دونوں ٹھٹک کر رُکی تھیں۔

......❁......

"ارے حمزہ بیٹا!" فائقہ اُسے اچانک سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

"یہ میری بیٹی ہے منال اور منال! یہ حمزہ ہیں آپ کی راحیلہ آنٹی کے بیٹے"۔ انہوں نے جھٹ پٹ تعارف کروایا۔

"ہیلو"۔ حمزہ کی مضطرب نگاہیں ڈارک گلاسز کے پیچھے سے اس کے چہرے کو کھوج رہی تھیں جہاں اطمینان واعتماد کا جہاد آباد تھا۔

"نائس ٹو میٹ یو حمزہ!" منال نے اس کی طرف دیکھا، بلو جینز پر پنک شرٹ پر سیاہ لیدر کی جیکٹ میں اس کی پرسنالٹی نمایاں تھی۔

"آپ کی مما کو ایڈریس دیا ہے، اُن کو لے کر ہمارے ہاں ضرور آیئے گا"۔

"اوکے میں کوشش کروں گا"۔ اُس کی نگاہیں پلٹ آئی تھیں۔

"کوشش نہیں وعدہ کریں"۔ وہ پُر اصرار لہجے میں بولیں۔

"اوکے چلیں پھر وعدہ"۔ وہ وعدہ لے کر خوشی خوشی وہاں سے چلی تھیں۔ حمزہ کے پیچھے آتا صمد بھی اسپتال کی کینٹین کے قریب رُک گیا۔ اس نے بھی حیرانگی سے منال کو دیکھا اور نگاہوں سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہا تھا، پھر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا راحیلہ کے پاس آیا جہاں حمزہ بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔

"حیرت ناک! میں تو بہت حیرت زدہ ہوگیا یار!" وہ کہتا ہوا حمزہ کے برابر میں بیٹھا تھا۔

"کیا دیکھ لیا ایسا بیٹا؟" راحیلہ بیگم کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ دراصل وہ اوپر سے حمزہ اور صمد کے تاثرات دیکھ چکی تھیں۔

"ممی! کرن کے فیس والی لڑکی فائقہ آنٹی کے ساتھ جا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے کرن ہی ہو، ایسا موویز میں دیکھتے رہتے ہیں مگر اصل زندگی میں پہلی بار دیکھ کر مجھے بے حد حیرانگی ہو رہی ہے"۔

"فلموں اور ڈراموں میں کہانیاں حقیقی زندگیوں سے ہی لی جاتی ہیں تم نے جس کو دیکھا وہ منال تھی، فائقہ کی بیٹی"۔ راحیلہ ترچھی نگاہوں سے حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

حمزہ کے چہرے پر تذبذب کے گہرے سائے تھے۔

"ممی! کہیں ایسا تو نہیں کرن کے فادر نے دو شادیاں کر رکھی ہوں اور یہ اُن کی ہی بیٹی ہو"۔ صمد کی بات پر حمزہ نے بھی اُن کی طرف دیکھا۔

"ارے نہیں، نہیں، ایسی بات نہیں ہے، پہلے مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں اُن کا پورا بیک گراؤنڈ معلوم کر لیا ہے۔ فائقہ کی فیملی بہت اچھی ہے۔ بے حد عزت دار و شریف لوگ ہیں۔ مختصر فیملی ہے برہان صاحب تو اکثر ہی ملک سے باہر رہتے ہیں"۔

"برہان؟" حمزہ نے زیرِ لب دہرایا پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ممی! آپ غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں۔ کرن کے فادر کا نام برہان لغاری ہے اور یقیناً ان کا ان سے ہی تعلق ہے''۔ برہان کا نام آتے ہی حمزہ کے چہرے پر تختی چھانے لگی۔

''نہیں۔ یہ محض اتفاق ہے، میں نے اچھی طرح معلوم کیا ہے''۔

''اتنا اتفاق کیسے ہو سکتا ہے ممی''۔ صمد نے کہا۔

''کیسے نہیں ہو سکتا، ایک نام کے کئی لوگ ہوتے ہیں''۔

''لیکن مختلف لڑکیوں کے ایک سے چہرے اور فادر ایک نہیں ہوتے، یہاں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے''۔ حمزہ مطمئن نہ تھا۔

''اگر ایسی بات ہے تو اُن سے مل کر دیکھ لیں گے، ایک بار اور، ورنہ ایسی کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ایک نام کے کئی مرد و خواتین ہوتی ہیں اور ایسے ہی چہرے ایک دوسرے سے اتنے ملتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور اُن میں سے اکثر لوگ ایک دوسرے سے لاتعلق ہوتے ہیں''۔ راحیلہ بیگم پوری تفصیل سے اسے سمجھانے کی سعی کر رہی تھیں۔

''حمزہ ممی کی بات درست ہے اکثر مجھے بھی ایسے پیشنٹ ٹکرائے ہیں''۔

''مگر ممی! آپ کیوں اتنی سائیڈ لے رہی ہیں اُن کی؟'' حمزہ کے بعد وہ راحیلہ بیگم سے شوخی سے مخاطب ہوا۔

''اس لیے کہ میں نے سوچ لیا ہے منال کو اپنی بہو بنانے کا''۔ وہ حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''ممی! یہ کس طرح ممکن ہے''۔ وہ اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھا۔

''سب ممکن ہے بیٹا، اگر تم مان جاؤ تو''۔ وہ اس کے قریب آ کر روہانسے لہجے میں بولیں۔

''آج میں اعتراف کرتی ہوں، میری خود غرضی اور زیادتی کی وجہ سے تم دل کی خوشیوں سے محروم ہو گئے۔ سچ کہتے ہیں تمہارے پاپا میں ماں ہوتے ہوئے بھی ماں کا حق ادا نہ کر سکی۔ نہ معلوم کس طرح میری ممتا پر خود غرضی و مفاد پرستی نے قبضہ جمائے رکھا تھا''۔

''ممی! روئیں نہیں شاید قسمت کو ایسا ہی منظور تھا''۔

''میرے دل میں بے قراری ہے، مہوش کی خاطر میں نے ایسا کیا، اب میں خود فریبی سے نکل آئی ہوں۔ اپنے اور پرائے کے فرق کو پہچان چکی ہوں۔ فائقہ بہت اچھی عورت ہے۔ ملن سار اور بے غرض محبت کرنے والی ایسی مخلص ماں کی بیٹی بھی ایسی ہی ہوگی، پھر......اُس کی صورت میں ہمیں کرن مل جائے گی''۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

نرس کے آنے کے باعث اُن کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔

☆......☆......☆

کرن اور انس دُکھ سے نڈھال تھے۔

حادثے کی خبر سنتے ہی انس وہاں سے پہلی فلائٹ سے پاکستان آ گیا تھا۔ حادثے میں مدثر صاحب، گرینی، مائی سکینہ اور سعد

کے جڑواں بچوں کے علاوہ ڈرائیور بھی ہلاک ہو چکا تھا۔ سعد اور فاریہ شدید زخمی تھے۔

سعد نے پھر بھی ہمت و حوصلہ سے کام لے کر خود پر قابو رکھا تھا۔ اس کے سر اور جسم پر گہرے زخم تھے۔ فاریہ کے زخم بھی بہت گہرے تھے مگر بچوں کی جدائی کے غم سے بڑھ کر اسے کسی زخم سے تکلیف محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اسے زیادہ تر نیند آور دواؤں کے ذریعے سلائے رکھا جاتا تھا۔ جاگتے ہی وہ اپنے بچوں اور اُن لوگوں کو یاد کر کے رونے لگتی تھی۔

انس نے بڑے ضبط اور حوصلے سے اپنے پیاروں کو سپردخاک کیا تھا اور پھر کئی گھنٹے وہ بند کمرے میں بچوں کی طرح روتا رہا۔

کل تک جن کی آمد کے انتظار میں وہ اور کرن ڈھیروں پروگرام بنائے بیٹھے تھے۔ معلوم نہ تھا وہ انتظار...... انتظار ہی بن جائے گا ہمیشہ کے لیے۔ اُسے لگ رہا تھا وہ دُنیا میں بالکل ہی تنہا رہ گیا ہے مدثر صاحب نے اسے کئی رشتوں کا پیار دیا تھا۔ باپ! بھائی! دوست!۔ سایہ دار درخت کی مانند ہر دم اسے گردشِ وقت کی سردی و گرمی سے بچاتے تھے۔ ہر مشکل میں اُس کے لیے ڈھال بن جایا کرتے تھے۔ ہمیشہ اس کی مانتے آئے تھے کبھی بھی اپنی مرضی نہ کی تھی۔

گرینی سے اس کی تمام محبتوں کے رشتے استوار تھے۔ دھوپ چھاؤں جیسا مزاج رکھنے والی گرینی اسے ماں کی طرح ہی عزیز تھی۔ اپنے وطن کو عزیز رکھنے والی گرینی! اپنے دیس کی مٹی سے محبت رکھنے والے گرینی کو اس مٹی نے بھی خود سے جدا کرنا نہ چاہا اور ہمیشہ کے لیے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

اس المناک حادثے کو گزرے ایک ہفتے سے زائد عرصہ بیت چکا تھا، کرن کی کئی کالز وہاں سے آچکی تھیں۔

انس کے دُکھ میں وہ برابر شریک رہی تھی۔

کرن کو انس دانستہ نہ لایا تھا، اسے ڈر تھا کہ برہان انصاری اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس کی طرف سے اسے یہاں خدشہ رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بیٹھا یہی سوچ رہا تھا جب سعد آیا۔

"کمرے میں بند ہو کر مت بیٹھا کرو یار! مجھے فکر ہوتی ہے"۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ انس نے اس کی جانب دیکھا۔ زرد چہرے پر زخموں کے نشان تھے جن میں سے کچھ ابھی مندمل نہ ہوئے تھے۔ سیاہ آنکھیں جو مسکراتی تھیں۔ سب کچھ کھو دینے کے احساس سے ویران پڑی تھیں۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟" اس کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ اُبھری۔

"تم اپنے ان پھولوں سے بھی محروم ہو گئے جن کی خوشبو سے تمہاری آغوش ابھی معطر بھی نہ ہوئی تھی"۔

"آہ!" سعد کی آنکھوں میں نمی اُمڈنے لگی پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ "جو رب کی مرضی، ہم اُس کی رضا میں راضی ہونے والے بندے ہیں۔ تم بھی اپنی حیات کے اُن روشن میناروں سے محروم ہو گئے ہو جن کی روشنی زندگی میں ہر اندھیرے کو دور کیے ہوئے تھی۔ اُن کی جدائی نے مجھے بھی تنہا کر دیا ہے"۔

''تم تنہا نہیں یار! میں ہوں تمہارے ساتھ، کرن ہے ہم سب ایک ہیں ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے، ایک رہیں گے، ساتھ رہیں گے، اب تمہیں میرا بازو بننا ہوگا، میرا سہارا بننا ہوگا، اتنا پھیلا ہوا بزنس میں اکیلا نہیں سنبھال سکتا''۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے سسک رہے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دلاسہ دیا۔ ہمت بندھائی۔

''سعد! مجھے ایک خیال بار بار تنگ کر رہا ہے''۔

''کیا خیال؟''

''یہ واقعہ برہان لغاری کی انتقامی کارروائی تو نہیں ہے جس کو حادثے کی شکل دی جا رہی ہے''۔ وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

''مجھے بھی یہی خیال آیا تھا مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس ایکسیڈنٹ کی انویسٹی گیشن کرنے والے انسپکٹر سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے، اس کا کہنا ہے اس ٹرک کا ڈرائیور نشے میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اُس کی غفلت اور لاپرواہی کے باعث حادثہ ہوا ہے۔ ٹرک کا ڈرائیور جیل میں ہے''۔ سعد نے تفصیل بتائی۔

''اچھا...... نہ معلوم کیوں میرا دل کچھ اور کہتا ہے''۔

''میں تمہاری حالت سمجھ رہا ہوں، تم پر جو گزر رہی ہے''۔

''ہم اسی ہفتے واپس چلیں گے، میرا دل نہیں لگتا یہاں پر، عجیب گھٹن، وحشت ہے، یہاں پر طبیعت مکدر ہو کر رہ گئی ہے''۔

☆......☆......☆

''ڈارلنگ! اس طرح کب تک ہم چھپ چھپ کر وقت گزارتے رہیں گے، کئی ماہ ہو گئے ہمیں اس طرح ملتے ہوئے''۔ فائقہ ڈرائر سے بال ڈرائی کرتے ہوئے خفگی سے بولیں۔

''مجھے کوئی پرابلم محسوس نہیں ہوتی ہے بلکہ وقت آرام دہ لگتا ہے۔ شہر کے ہنگاموں سے دور پُرفضا رومانٹک ماحول پھر سے بیس سال پیچھے لے جاتا ہے، جب عمر کی بہار شباب پر تھی''۔ فائقہ کے ساتھ گزرے وقت کا خمار ابھی تک اس کی آنکھوں میں چھایا تھا۔

''میں اب ایسا نہیں چاہتی ہوں''۔ ان کا موڈ سنجیدہ تھا۔

''اوہ کم آن یار! کس بحث میں اُلجھ رہی ہو اور مجھے بھی اُلجھانے لگی ہو۔ میں یہاں ریلیکس ہونے آتا ہوں، ہر ٹینشن، ڈپریشن بھلا کر کچھ وقت سکون سے گزارنے آتا ہوں۔ یہاں بھی وہی سرکل رہا تو خاک ہوگی انجوائے منٹ''۔ وہ نائٹ گاؤن کے اسٹریپس باندھتے اُٹھ کھڑے ہوئے مگر فائقہ کے موڈ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ اس آف موڈ کے ساتھ پرپل اور اورنج کمبی نیشن کی ساڑھی کی فالز درست کرنے میں مگن رہی تھی۔

برہان نے اُن کی خاموشی کو نوٹ کیا، پھر کچھ کہے بنا اٹیچڈ باتھ کی طرف بڑھ گئے۔ اُن کی تیاری تک دونوں کے درمیان خاموشی محیط رہی تھی۔ فائقہ نے سادہ جوڑا بنایا۔ جیولری پہنی اور میک اَپ کر کے پرفیوم اسپرے کیا اور پرس سنبھال کر بیٹھ گئیں۔

"اتنی ناراضگی کی کیا بات ہے جانم! ہم ایک ہو گئے، یہ سب سے اچھی بات نہیں ہے"۔ پہل انہیں ہی کرنی پڑی، وہ اُن کے قریب بیٹھ کر خوشگوار موڈ میں گویا ہوئے تھے۔

"آپ کو لگتا ہوگا میں آپ کی بیوی ہوں مگر مجھے نہیں لگتا"۔

"آپ کو کیا لگتا ہے شاید محبوبہ؟" وہ ہنس کر بولے۔

"کال گرل"۔ وہ نہایت کڑوے لہجے میں کہہ بیٹھیں۔

"وہاٹ؟ دماغ درست ہے"۔

"پھر میرے ساتھ یہاں وقت گزارنے کا کیا مطلب؟ بیوی کے ساتھ اس طرح وقت گزارا جاتا ہے؟ یہ ٹائم پاسنگ ایک کال گرل کے ساتھ تو سوٹ کرتی ہے برہان لغاری صاحب! مگر ایک بیوی کے ساتھ نہیں"۔

"اوہ ہو کیپ کوائٹ۔ میں یہاں پھولوں بھری باتیں کرنے آتا ہوں، تمہاری اور اپنی باتیں، ایسی باتیں جن میں ڈوب کر ہم محبت کی گہرائیوں میں تیرتے ہیں۔ دُنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو کر اور تم نے ایسی باتیں کر کے تمام انجوائے منٹ بھلا ڈالی ہے"۔

"آپ کب تک ہر مسئلے سے آنکھیں چراتے رہیں گے۔ اس طرح مسائل حل نہیں ہوتے۔ یہ ہمارے حل کرنے سے ہی ختم ہوں گے"۔ وہ کچھ نرمی سے گویا ہوئیں۔

"اوکے بتاؤ کیا چاہتی ہو، میں کب پیچھے ہٹا ہوں"۔

"میں نے منال کی منگنی کر دی ہے"۔

"یہ تم مجھے بتا چکی ہو، کتنی بار بتاؤ گی"۔ وہ بے زاری سے بولے۔

"منگنی تو اُن لوگوں نے بے حد سادگی سے کی ہے۔ لڑکے کی ماں منال کو ائیر رنگ پہنا گئی تھیں، پچاس ہزار ہاتھ میں پکڑائے تھے، پھل، فروٹ بھی بہت لائے تھے"۔

"اُن باتوں سے میرا کوئی لینا دینا نہیں ہے"۔ اُن کے انداز میں سرد مہری در آئی تھی۔

"آپ باپ ہیں اُس کے، اتنی لاتعلقی اچھی نہیں ہوتی ہے۔ میں تنہا اس کے فیوچر کی خاطر اتنی کوشش کر رہی ہوں اور آپ کو کوئی فکر نہیں ہے"۔ وہ جل کر بولیں مگر برہان خاموش ہی رہے تھے۔

"کتنے جھوٹ بولنے پڑ رہے ہیں اُن لوگوں سے"۔

"دفع کرو اُن لوگوں کو......"

"لوگ اچھے ہیں اور لڑکا تو بے حد قابل اور خوب صورت ہے، پہلے تو منال مان ہی نہیں رہی تھی۔ حمزہ کو دیکھا تو راضی ہوئی ہے مگر نہ معلوم کیوں حمزہ مجھے کچھ مطمئن نظر نہیں آتا۔ اُس نے مجھ سے آپ کی تصویریں دیکھنے کو مانگیں وہ تو میں نے انہیں گلشن والے بنگلے کا

ایڈریس دیا تھا، تا کہ آپ کی والدہ حضور کوئی کام نہ دکھا پائیں۔ میری یہ سمجھداری کافی کام آئی، وہاں ملازم بھی تمام تنے ہیں اور البم میں ہم دونوں کی ہنی مون کی تصاویر تھیں۔ وہ دیکھ کر حمزہ مطمئن ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا وہ ایسا بی ہیو کیوں کر رہا تھا ویسے تو سب نارمل ہے، کوئی پرابلم نہیں ہے۔ اس کے فادر بھی خوش ہیں"۔

"ہوگا اس کا کوئی مسئلہ، آپ پریشان نہ ہوں"۔

"وہ لوگ شادی بہت جلد کرنا چاہ رہے ہیں"۔

"پھر؟" وہ اس گفتگو سے مسلسل بے زار ہو رہے تھے۔

"میں چاہتی ہوں آپ اپنے ہاتھوں سے......"

"ہرگز نہیں، میں نے پہلے بھی کہا تھا تم سے اور اب بھی کہہ رہا ہوں، مجھ سے ایسی اُمید مت رکھنا"۔ وہ روکھے انداز میں بولے۔

"ایسا بھی کہیں ہوتا ہے برہان، باپ کے ہوتے ہوئے بیٹی بنا باپ کی دُعاؤں کے رخصت ہو"۔

"ایسا نہیں ہوتا تو اب ہوگا جوان لڑکیوں نے کیا، ایسا بھی کہیں ہوتا ہے؟ بتاؤ مجھے، ہر بات کا الزام تم مجھے دیتی ہو۔ ان دونوں نے مجھے لوگوں کے سامنے جانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آج میں لوگوں سے بھاگتا ہوں، چھپتا ہوں، ہر ایک کی آنکھوں میں مجھے ایک ہنسی و تمسخر محسوس ہوتا ہے"۔ وہ پُرطیش انداز میں بول رہے تھے، فائقہ جو کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھیں، خاموشی سے اُٹھ کر ناشتے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں جہاں کک لوازمات سجا رہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ سب کتنی جلدی ہو گیا جو کبھی لگتا تھا کہ صدیاں گزر جائیں مگر ایسا نہیں ہوا گویا کسی طلسماتی عمل کے ذریعے وہ اس کٹھن منزل کی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا تھا، پھر سیڑھی چڑھنا کون سا مشکل ہوتا ہے۔ فقط قدم آگے بڑھانے کی ہمت ہونی چاہیے۔ فقط پہلی سیڑھی پر قدم پڑنے چاہئیں۔ باقی سیڑھیاں آپ کے قدموں کو از خود کھینچتی اوپر جائیں گی۔ ماضی بہت دور رہ گیا تھا۔ اتنا کہ پیچھے گردن گھما کر دیکھتا تو ماضی کے صحرا میں یادوں کے بگولے ذہن کی اسکرین پر دُکھ و حسرت کی ریت بکھیر دیا کرتے تھے۔ وقت بہت تیزی سے گزرا تھا۔ عمر کئی سیڑھیاں پھلانگ کر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ آج وہ خاصی مدت بعد خود کو آئینے میں دیکھ رہا تھا تو استعجاب و حیرانگی سے شیشے کے پار کھڑے اُس شخص کو دیکھا جس کی آنکھیں کبھی بے حد روشن و خوب صورت ہوا کرتی تھیں۔ آج اُن کی آنکھوں پر دبیز شیشوں والی عینک تھی۔ کلین شیو چہرے پر داڑھی تھی جس کے بالوں سے ہلکی ہلکی سفیدی جھلکتی تھی۔

اُس کے وجود پر، اُن کی آنکھوں پر، اُس چہرے پر اُداسی تھی، معتبر کر دینے والی خاموش اداسی۔

یہ شخص کون ہے؟

جوانی کو الوداع کہہ کر

بڑھاپے کی حدود میں داخل ہوتا ہوا کسی خوب صورت مگر شکستہ عمارت کا روپ لیے ہوئے جو کسی پل زمین بوس ہونے کو تیار ہو۔

کون ہے یہ شخص!

کچھ جانا پہچانا اَن جانا سا......

کون ہے یہ؟

''حمزہ......حمزہ!'' منال پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''حمزہ......تو میں حمزہ ہوں، گزرے وقت کی گم نام ساعتوں میں اپنی شناخت، اپنا نام بھی بھول بیٹھا ہوں''۔ اس نے بار بار پکارنے پر مڑ کر دیکھا، شوخ رنگوں کی ساڑھی، تیز میک اَپ اور ڈائمنڈ جیولری میں اس کا حُسن ڈائمنڈ کی طرح ہی لشکارے مار رہا تھا۔ وقت گم گشتہ نے اس پر کوئی خاص اثر نہ چھوڑا تھا۔ علاوہ ازیں جسم کچھ فربہی کی جانب مائل تھا اور یہ معمولی سا موٹاپا بھی اس کے حُسن کی رعنائی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اُس کی بولڈنیس بڑھا رہا تھا۔

''ہونہہ، شادی کو دس سال گزر گئے ہیں مگر آپ کی یہ خیالوں میں گم رہنے کی عادت بجائے ختم ہونے کے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ مجھے کنفیوز کر کے رکھ دیا ہے آپ کی اس عادت نے''۔ وہ پرمنگ ہوئے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے حمزہ سے تیکھے لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔

''کیا کام ہے؟'' اُس کا ہر لہجہ ہر جذبات واحساس سے مبرا سپاٹ تھا۔

''کونین میرے ساتھ جا رہا ہے، پرنس اپنے کمرے میں ہے، اس کا جانے کا موڈ نہیں ہے۔ عجیب سر پھرا بدتمیز بچہ ہے، میرے ساتھ کسی گیدرنگ میں جانا پسند نہیں ہے اسے، وہ مجھے لائیک ہی نہیں کرتا''۔

''بچوں کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے''۔

''یہ کام آپ کرتے ہیں بہت ہے۔ مجھ سے ایسی اُمید رکھنا ہی فضول ہے، کونین بھی بچہ ہے اس کا ہی بھائی ہے مگر اس نے کبھی ایسی چیپ حرکتیں نہیں کیں۔

''کونین، پرنس سے تین سال بڑا ہے۔ کچھ عرصے بعد کو آپریٹ کرنے لگے گا''۔

''تمیں سال بعد بھی نہیں کرے گا۔ وہ آپ کی کاپی ہے، اوکے میں جا رہی ہوں۔ واپسی میں دیر ہوگی''۔ وہ کھٹ کھٹ سینڈل بجاتی وہاں سے چلی گئی۔ حمزہ نے گہری سانس لے کر صوفے کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں بعد انہیں ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو سامنے صوفے پر اسے بیٹھے دیکھ کر اس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ اُبھر آئی۔ انہوں نے دونوں بازو وا کر دیئے۔ وہ جو خاموش بیٹھا تھا باپ کی سمت دیکھ رہا تھا۔ تیزی سے اُٹھ کر ان کے بازوؤں میں سما گیا اور پیار سے باپ کا رخسار چوما تھا۔

''چپ چاپ آ کر کیوں بیٹھ گئے تھے''۔ حمزہ نے متاعِ حیات کی طرح اسے سمیٹا ہوا تھا۔ اُس کی اداس آنکھوں میں سرخوشی تھی اس تاثم۔

''بابا! میں نے ڈسٹرب کر دیا آپ کو؟ میں آپ کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے خاموش بیٹھ گیا تھا''۔ اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

''بابا پرنس کے آنے سے خوش ہوتے ہیں، ڈسٹرب تھوڑی''۔

''بابا! آپ مجھے پرنس نہ کہا کریں''۔ اُس کے انداز میں خفگی در آئی۔

''کیوں؟ میرا بیٹا تو ہے ہی پرنس''۔

''مجھے یہ نام پسند نہیں بابا! یہ مما کا دیا ہوا نام ہے، آپ مجھے میرے نام سے پکارا کریں، مائی سویٹ نیم ذوالنون''۔ وہ جوش سے بولا۔

''او کے ذوالنون بیٹا! مگر مما کا دیا نام بھی اچھا ہے اور مما بھی اچھی ہیں''۔ موقع پا کر انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مما اچھی نہیں ہیں بابا''۔ وہ منہ پھلا کر گویا ہوا۔

''بُری بات، اچھے بچے مما کو ایسے نہیں بولتے''۔

''مما ایسی تو نہیں ہوتی ہیں جیسی مما ہیں؟''

''اچھا...... پھر مما کیسی ہوتی ہیں؟''

''گرینڈ مما جیسی، بابا ہم گرینڈ مما کے پاس کب چلیں گے؟''

''چلیں گے''۔ اس نے بہلایا۔

''ابھی چلیں گے بابا، مجھے حمزہ، خضریٰ اور معیز سے ملنا ہے۔ صنوبر آنٹی بہت اچھی کوکنگ کرتی ہیں، گرینڈ مما سے اسٹوری بھی ملتی ہے''۔ حمزہ نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

ذوالنون جس کو منال پیار سے پرنس کہتی تھی اور وہ اسی نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اُس میں خصوصیات بھی ایسی تھیں، خوب صورت، ذہین وفطین، کم گو اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والا خاصی حد تک خودسر و مغرور۔

ماں کی سوشل ایکٹیویٹیز و ماڈرن ازم سے اسے سخت ترین چڑ تھی۔

باپ کی پُر وقار، سنجیدہ و سراپا اخلاق و مروت شخصیت کا وہ دیوانہ تھا۔

وہ عام بچوں سے مختلف اور بالکل جداگانہ مزاج کا حامل بچہ تھا جس کی صرف اپنے باپ، دادی اور چچا کی فیملی سے دوستی تھی۔

☆......☆......☆

پورے کمرے میں کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔

کرن دوپٹہ سنبھالے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

''حورین! کم آن مائی بے بی! کم آن سویٹ ڈول!'' کرن نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما جو کھانا کھانے کے بجائے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔

"اسپگیٹی بنائی ہے، چکن اسٹیک ہے، میری بیٹی کو پسند ہے"۔

"ناں...... نہیں کھانی"۔ وہ اس سے خود کو چھڑاتے ہوئے غصے سے چیخی۔

"کیوں نہیں کھانی، میں نے آپ کے لیے بنائی ہے"۔

"پاپا کے ہاتھ سے کھانی ہے"۔ وہ منہ بسور کر بولی۔

"میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گی اپنی بیٹی کو"۔ کرن نے چمکارا۔

"نہیں پاپا کے ہاتھ سے کھاؤں گی"۔ وہ ضد سے مچلنے لگی۔

"ابھی ایک تھپڑ لگاؤں گی، ساری ضد بھاگ جائے گی، پاپا کی بچی"۔

"ہاں بھئی ہے تو یہ پاپا کی بچی، آپ کیوں جیلس ہوتی ہیں"۔ اسی دم باتھ روم سے انس نکل آیا اور روتی ہوئی حورین کو گود میں اُٹھا کر پیار کرتے ہوئے کرن سے بولا۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے، آپ بہت بگاڑ رہے ہیں اس کو"۔

"اکلوتی بیٹی ہے ہماری، سارے ارمان اس سے ہی نکلیں گے"۔ وہ اسے گود میں لے کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ انس کی گود میں آ کر وہ بالکل چپ ہو گئی اور باپ کے گلے میں بازو ڈال کر بیٹھ گئی۔

"کھانے پینے کی یہ بالکل پروا نہیں کرتی ہے کب سے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہوں مگر یہ نہیں مانتی"۔ کرن کے لہجے میں غصہ و جھنجلاہٹ تھی۔

"بیڈ گرل نہیں ہے میری بچی۔ لے کر آؤ کھانا ابھی کھاتی ہے"۔

"پاپا! مجھے بھوک نہیں"۔ وہ گود سے اُتر کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ناشتے میں بھی اس نے صرف بوائلڈ ایگ لیا تھا اور کچھ نہیں"۔

"اوکے اوکے، اب ہم شرط لگاتے ہیں جو پہلے اپنا کھانا ختم کرے گا اسے بہت ساری آئس کریم اور چاکلیٹس ملیں گے"۔ انس اُٹھتے ہوئے بولا۔

"ایک ٹیڈی بیئر بھی پاپا؟" حسب توقع وہ خوش ہو کر چہکی

"ہرگز نہیں، پہلے ہی آپ کے ٹوائز سے کمرہ بھرا ہوا ہے"۔

"یار! تم ہمارے درمیان میں مت بولا کرو"۔

"آپ جلدی سے ریڈی ہوں، میں ہریرہ اور اریج سے شرط جیت کر آتی ہوں"۔ باپ کی آفر پر وہ خوشی خوشی روم سے نکل گئی تھی۔

"یہ بات بات پر آپ کی اس طرح حورین کو شرط کی عادت ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بات بات پر شرط لگاتی ہے اور جیتنے کے لیے

ہر مشکل سے مشکل کام کر سکتی ہے"۔ حورین کے جانے کے بعد وہ فکر مند لہجے میں انس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"بلاوجہ ڈرنے اور فکر مند ہونے کی عادت تمہاری ابھی تک نہیں گئی جاناں!" انس نے اس کی کمر کے گرد بازو ڈال کر قریب کرتے ہوئے کہا۔

"حورین لڑکی ہے، لڑکیوں کی تربیت اتنی آزادی سے نہیں کی جاتی ہے۔ سعد بھائی کی ایرج بھی اسی کی ہم عمر ہے مگر اتنی نازک و فرمانبردار ہے کہ میرا دل چاہتا ہے حورین بھی ایسی ہوتی، معصوم، شرمیلی، ڈرپوک سی اگر کبھی ہوا بھی زور سے چل جائے تو ایرج فاریہ بھابھی سے چپکی رہتی ہے"۔

"واہ سبحان اللہ! کیا خیالات ہیں آپ کے"۔ انس بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔

"ہنسنے کی بات نہیں ہے حورین کو آپ نے بے حد بگاڑا ہوا ہے، لڑکیوں کی کیئرنگ بچپن سے اچھی کرنی چاہیے"۔ وہ سنجیدہ تھی۔

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر سیریس مت ہوا کرو یار! میری زندگی میں تم لوگوں کے علاوہ ہے کون۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تو ہماری اندھیری زندگی کے چراغ ہیں، تم میری زندگی ہو تو حورین وہ چڑیا ہے جس میں میری جان ہے۔ اس کی یہ معمولی سی، بے ضرری خواہشیں مجھے بے انتہا مسرتیں دیتی ہیں۔ تم! مجھے برا بھلا کہہ ڈالا کرو مگر حورین کو ایک لفظ نہ کہا کرو۔ وہ میری بیٹی ہے انس مدثر کی بیٹی، میں اسے بہت بہادر، بہت مضبوط بنانا چاہتا ہوں، لڑکیوں کی طرح کمزور، بزدل اور ڈرپوک نہیں"۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں"۔ انس کی آنکھوں میں گزرے دنوں کی پرچھائیاں لرزتی دیکھ کر کرن نے ہنس کر کہا اور اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

چھوٹے سے گھٹن زدہ کمرے میں زرد بلب کی روشنی میں ہر شے بیمار سی لگ رہی تھی۔ در و دیوار پر جیسے حسرت و یاس کی سسکیاں اُبھر رہی تھیں۔ اُس کوٹھری نما کمرے کے کارنر پر ایک جھلنگا سے پلنگ پر وہ بیمار و لاغر جھریوں زدہ چہروں والی وہ معذور و بے بس عورت پڑی اپنی ون بدن بینائی کھوتی آنکھوں میں درد و کرب کے آنسو لیے بار بار بند دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ لب پیاس سے خشک ہو گئے تھے۔ زبان اکڑ سی گئی تھی۔

بھوک کی شدت سے معدہ اندر کی سمت دھنستا چلا جا رہا تھا۔ اُن کی نگاہوں میں اپنا دورِ اقتدار جب دکھلاتا رہتا تھا، وہ دور جس میں شہنشاہ تھیں۔ سنگ دل، جابر و ظالم فطرت رکھنے والی پتھر دل عورت، ایک ایسی عورت جو صرف اور صرف اپنی چاہ میں مبتلا تھی، خودسری کے گھوڑے پر سوار کئی بے گناہ، بے خطا، مجبور و مظلوم لوگوں کو بے دردی سے روندتی رہی تھیں، ظلم ڈھاتے، من مانی کرتے وہ یہ بھول گئی تھیں کہ ہر رات کا سویرا ہوتا ہے۔ ظلم بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔ انہوں نے بہت ہوشیاری سے اس ٹرک ڈرائیور کو لاکھوں روپیہ دے کر خریدا تھا۔ مائی سکینہ اور انس کے باپ اور دادی کو ہلاک کروانے کی سازش کی تھی جو کامیاب ہوئی تھی۔ یہ بات برہان الغاری کو بھی بعد میں معلوم ہوئی تھی۔

وہ دشمن کو کسی طور معاف کرنے کی عادی نہ تھیں اور آج فالج کے شدید اٹیک کی وجہ سے معذور ہو کر بستر نشین تھیں بلکہ مٹی کا ڈھیر تھیں۔
وہ اپنے پتھر جیسے جسم کے ساتھ صرف زبان کو حرکت دے سکتی تھیں۔ ہمہ وقت مہنگے ملبوسات اور بہترین عطریات استعمال کرنے والی والدہ حضور گندگی و بدبو کے حصار میں پڑی رہتی تھیں۔ ملازمہ دن میں صرف ایک بار اُن کو غلاظت سے پاک کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ چیختی چلاتی رہتی تھیں مگر کوئی نہیں سنتا تھا اُن کی فریاد۔ فائقہ نے ان کا کمرہ رہائشی کمروں سے الگ کر رکھا تھا تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے دور رہیں۔
بے حد رعب و دبدبہ، جلال و طمطراق رکھنے والی والدہ حضور کو اب معلوم ہو رہا تھا کہ بے بسی و مجبوری کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنے سے چھوٹے کو انسان نہیں سمجھا تھا۔ اُن کے ظلم و جبر کی عمر طویل تھی مگر ظالم کی عمر کتنی ہی طویل ہو، ایک نہ ایک دن اسے مٹنا ہوتا ہے اور جب وہ مٹتا ہے تو نشانِ عبرت ثبت کر جاتا ہے۔
قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔
وقت ایک مقررہ حد تک انسان کو ڈھیل دیتا ہے۔
اُس کی پکڑ بڑی عجیب، بڑی دردناک ہوتی ہے۔
پھر بھی لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وقت ہمارے پاس ہوتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں تادم آخر ہماری گرفت اس پر یونہی رہے گی۔
فائقہ پورے ہتھیاروں سے لیس ہو کر برہان لغاری کی زندگی میں از سر نو داخل ہوئی تھیں۔ یہ تہیہ کر کے کہ کسی طور پر کسی محاذ پر پسپائی اختیار نہیں کرنی ہے، ہر مقام پر، ہر محاذ پر فتح یاب ہونا ہے اور وہ کامیاب تھیں۔
برہان لغاری کو پوری طرح اپنی مٹھی میں بند کر کے وہ اُن کے سامنے آئی تھیں۔ انہیں دوبارہ اپنے گھر میں بحیثیت بہو دیکھ کر پہلا ذہنی جھٹکا لگا، پھر یکے دیگرے لگنے والے جھٹکوں نے انہیں بے دم کر ڈالا تھا۔
برہان لغاری جیسا فرمانبردار بیٹا بدل جائے گا، انہیں یقین نہ تھا۔ بیٹا چھینا، پھر ہر اختیار اُن کی مٹھی سے ریت کی مانند پھسلتا چلا گیا تھا۔ فائقہ نے ان کی سیاست سے ہی انہیں شکست دی تھی اور ان کا ساتھ دیا منال نے جو کسی دور میں اُن کے زیرِ عتاب رہی تھی۔
مکافاتِ عمل شروع ہو چکا تھا۔ فائقہ گھر پر، دولت پر حکمرانی کرنے لگی تھیں۔ پرانے ملازموں کی طرح تمام سامان و رسم و رواج کو بھی وہاں سے نکال پھینکا گیا تھا۔ اب وہاں ہر شے امپورٹڈ تھی۔ ملازمین نئے اور ان کے حکم کے تابع تھے۔ آئے دن مکسڈ گیدرنگز اور کاک ٹیل پارٹیز کا رواج تھا۔ فائقہ ساڑھی کا پلو جھلاتی مسکراتی اندر داخل ہوئی تھیں مگر کمرے میں بسی بساندے نے انہیں ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"ہیلو والدہ حضور! کیسی ہیں آپ؟" ان کی آنکھوں میں تمسخر تھا اور لہجے میں طنز۔
"پانی پلا دے، کھانا کھاؤں گی" وہ اس کی طرف دیکھ کر گھگھیائی تھیں۔
"اوہ۔ آپ نے پانی نہیں پیا، کھانا نہیں کھایا؟"

"یہ نہیں دیتی مجھے، ترساتی ہے، بھوکا رکھتی ہے مجھے"۔ وہ ملازمہ کی جانب اشارہ کر کے گویا ہوئیں جو فائقہ کے پیچھے چلی آئی تھی۔

"کیوں مہرو! ایسا کیوں کرتی ہو"۔ اُن کے انداز میں طنز تھا۔

"بیگم صاحبہ! ٹائم سے دیتی ہوں، ورنہ بار بار بستر خراب کرتی ہیں"۔

"خود سارا دن کھاتی ہے مجھے ایک دفعہ دیتی ہے مردار! ملی ہوئی ہے تو بھی اس سے! اس ڈائن سے جس نے آتے ہی میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا، میرا برہان مجھ سے چھین لیا"۔ آخر میں وہ اسی طرح چیخنے چلانے لگی تھیں۔

"پورے جسم کی طاقت بڑھیا کی زبان میں آگئی ہے"۔

"تجھے میری بددعا لگے گی تو نے میرا بیٹا چھینا ہے"۔ وہ زور زور سے رونے لگیں۔

"چپ کر بڑھیا! کبھی تو نے چھینا تھا، جب میں تو نہیں روئی تھی"۔

"ایک بار برہان کو میرے پاس لے آ، میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں، آخری بار دیکھنا چاہتی ہوں"۔ انہوں نے التجا کی۔

"فرصت نہیں ہے ان کے پاس"۔ بدبو اور گھٹن کے باعث وہ مزید وہاں ٹھہر نہ سکی تھی اور باہر نکل آئی تھی

پیچھے سے ان کی آواز التجاؤں میں ڈھل کر باہر آ رہی تھی۔ وہ رو رہی تھیں، وہ گڑگڑا رہی تھیں، فریاد کر رہی تھیں، روٹی و پانی کے لیے، برہان کے لیے، اس قید سے رہائی کے لیے جہاں سے انہوں نے تازہ ہوا، کھلا آسمان نہ دیکھا تھا مگر وہ ہر دفعہ کی طرح مسکراتی ہوئی نکل گئیں۔

والدہ حضور کی سسکیاں درو دیوار سے لپٹ کر رونے لگیں۔

یہ انجام تھا اس خود پرست و جابر عورت کا، جو کل تمام رشتوں وناتوں کو اپنی غرض ومفاد کے لیے استعمال کرتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم کہاں جا رہے ہو" صمد اس کے کمرے میں آ کر پریشانی سے گویا ہوا تھا۔ ایک عرصے بعد پھر اس نے حمزہ کے چہرے پر پرانی وحشت و بے کلی کو رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اب......اب بھی پوچھ رہے ہو؟ میں کہاں جا رہا ہوں اور کیوں؟" حمزہ نے سخت کبیدہ و برہم نگاہیں اس کی جانب ڈالتے ہوئے کہا۔

"اتنا بڑا فراڈ ہوا میرے ساتھ، ناقابلِ فراموش دھوکہ...... میری ہستی، میرا وقار اور میری عزت سب راکھ ہو گئی۔ لمحوں کے اندر وہ ایک شخص جس کی پرچھائی سے بھی مجھے سخت ترین نفرت ہے وہ...... وہ منال کا باپ ہے۔ پھپھو کی حسرتوں و دکھوں کا ذمہ دار، کرن کی خوشیوں کا قاتل میں کس طرح......" لفظ اس کے لبوں میں پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"پلیز سنبھالو خود کو، اس طرح ڈپریسڈ ہونا تمہارے بہتر نہیں ہے"۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو، مجھے اپنی کوتاہیوں پر دل کھول کر رونے دو، شاید پشیمانی کے آنسو میرے قلب کو سکون بخشیں، ورنہ جو آگ جاگی پھیلی ہے، جس طرح آگ بھڑک رہی ہے وہ سب کچھ خاکستر کر دے گی"۔

''دھوکہ تو دیا گیا ہے اس انداز سے کہ اعتماد و اعتبار کسی آئینے کی مانند کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا ہے، کس قدر عزت دار و قابلِ اعتماد سمجھا تھا مسز فائقہ برہان کو، کتنی اپنائیت و معصومیت تھی۔ اُن کے انداز میں از حد خاکساری، وضع داری نے ہمارے دلوں کو تسخیر کر ڈالا تھا۔ آنکھوں کے آگے پردے ڈال دیئے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں گویا مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں''۔

صمد نے ہر ممکن طریقے سے اس کی دل جوئی کرنے کی کوشش کی تھی مگر حمزہ تو پتھر جیسے احساسات رکھنے والا بن چکا تھا۔

''ممی نے ہمیشہ جلد بازی و اپنی عقل کے مطابق فیصلے کیے اور ان فیصلوں نے ہمیشہ مثبت کے بجائے منفی پہلو ظاہر کیے ہیں اور منال بھابی سے تمہاری شادی کا فیصلہ بھی انہوں نے جس عجلت میں کیا اس کا انجام سامنے ہے۔ وہ اپنے کیے پر نادم تو تھیں مگر اب پچھتاوؤں و ندامتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ ان کی آنکھیں خشک نہیں رہتیں بہت اثر لیا ہے انہوں نے اس انکشاف کا''۔

''مجھے ممی سے کوئی گلہ نہیں ہے، پہلے جو کچھ کیا وہ کیا مگر ان کی نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ انہوں نے یہ سوچ کر جلدی کی تھی کہ کرن نہیں ملی تو منال کو رب نے میرے لیے بھیج دیا ہے، اپنی زیادتیوں کی تلافی انہیں اسی صورت میں نظر آئی تھی پھر برادر!'' اس نے گہری دُکھ بھری سانس لے کر توقف کے بعد کہا۔

''جب میں بھی کچھ وقتی بہلاوؤں میں آ گیا تھا یا کرن کی قسم نے مجھے بھی اتنا جلد باز و بے قرار کر دیا تھا کہ میں نے سرسری سی چھان پھٹک کی تھی اور مطمئن ہو گیا کہ وہ حقیقتاً کسی اور دوسرے شخص کی بیٹی ہے اور اس کی ماں نے تصویریں بھی ان کی اس دور کی دکھائی تھیں، جب اُن کی شخصیت بالکل مختلف و بے ضرر سی تھی''۔

''تقدیر سے نہ کوئی جیت سکا ہے نہ جیت سکے گا، جو کچھ بھی ہوا جس طرح بھی ہوا اس کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر برداشت کر لو بچوں کی خاطر، اگر تم نے کوئی انتہائی قدم اُٹھایا تو بچوں کا فیوچر برائٹ نہ رہے گا''۔

''میں بچوں کی خاطر ہی منال کو ڈائیورس نہیں دے رہا مگر اس کے ساتھ بھی نہیں رہوں گا''۔ حمزہ کے انداز میں حد درجہ کراہت تھی۔

''کیا مقصد ہوا اس بات کا؟''

''میں جا رہا ہوں، کہاں، یہ نہیں معلوم، بچے اور منال یہیں رہیں گے یا وہ اپنی ماں کے پاس رہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا''۔

''حمزہ! اتنے سیل فش مت بنو۔ کسی اور کا نہیں تو ذوالنون کا سوچو، وہ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زندگی ہے تمہاری، روح ہے، پھر تم کس طرح اُس کے بغیر رہ سکتے ہو بلکہ کونین کے بغیر کیا رہ پاؤ گے؟ گو کہ جانتا ہوں کونین بے فکری، لاابالی، کھلنڈری طبیعت کا مالک ہے، اس لیے تم اس کی طرف سے بے فکر بھی رہتے ہو مگر ذوالنون کا کیا ہوگا؟ وہ بھابی سے ذرا بھی اٹیچڈ نہیں ہے، تمہارے بغیر وہ نہیں رہ پائے گا''۔ صمد نے اس کی کمزوری یاد دلانے کی سعی کی مگر اس وقت وہ محبت و مروت سے عاری ایک پتھر شخص تھا جس پر کوئی جذبہ، کوئی محبت، کوئی کمزوری غالب نہ آ سکتی تھی۔ صمد دل گرفتہ اُٹھ کر چلا گیا تھا۔

"بابا! بابا! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" حمزہ نے مڑ کر دیکھا، وہ نہ معلوم کب سے اٹیچڈ باتھ کے پردے کے پیچھے کھڑا تمام گفتگو سن رہا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور سرمئی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

یہ آنکھیں!

یہ چہرہ!

اُن کے اندر برچھیاں سی چلنے لگیں اور رگیں چٹخنے لگیں۔

"مما! انس کی کاپی دیکھی آپ نے؟" اندر داخل ہوتا ہوا ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کونین کی دفعہ میں اُس کے خیال سے باہر تھی۔ حمزہ کی پرسنالٹی نے بے خود کر ڈالا تھا، مگر حمزہ جیسا غیر رومانٹک، سرد جذبات رکھنے والا مرد زیادہ عرصے مجھے اپنی ذات کا اسیر نہ کر سکتا تھا۔ شاید وہ مجھے شدتوں سے اپنی ذات کے حصار میں رکھتا تو میں پھر سے انس کی محبت میں گرفت نہ آتی۔ پرنس کی پیدائش سے قبل فرسٹ منتھ سے ہی مجھ پر، پھر اس بے درد بے قدر کی یادیں حاوی ہونے لگیں۔ میرے دن و رات اس کے تصور سے آباد تھے اور دیکھئے کتنا زبردست عکس آیا ہے پرنس کے فیس پر۔ انس جیسے ہی اس کے نقوش ہیں۔ رنگت ہے اور آنکھیں تو سیم انس جیسی ہیں۔ سرمئی، روشن اور جھیل کی طرح گہری و خوب صورت" اُس نے مسرت سے کھلکھلاتے ہوئے اس کی آنکھیں چومی تھیں اور پرنس منہ بنا کر دور ہٹ گیا تھا۔

"اوہ! الک مما! انس کی طرح ہی پراؤڈ و بد دماغ بھی ہے"۔ وہ ہنسی۔

"کچھ عقل بھی استعمال کر لیا کرو۔ ایک دفعہ تو اس نا ہنجار کے پیچھے گھر پھونک بیٹھی ہو، اب پھر یہی ارادہ لگ رہا ہے تمہارا، ان باتوں کو خوابوں میں بھی یاد نہیں کرتے، اگر حمزہ کو معلوم ہو گیا تو....."

"کچھ نہیں ہوگا، اُس شخص میں ایسی کوالٹیز نہیں ہیں جو وہ کوئی ایساری ایکٹ کر سکے۔ وہ خاموش دُنیا کا باسی ہے"۔

منال کے قہقہے ان کے اندر ابھی تک گونج رہے تھے۔ اپنی حمیت، اپنی عزت، اعتماد و یقین کو پارہ پارہ کرتے قہقہے۔ اس کی آنکھوں میں لہو اُترنے لگا۔ آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کی دھڑکن کی مانند بیٹا کہیں گم ہو گیا۔ اب ان کے سامنے ان کی شریکِ حیات کی محبتوں وجنون خیزیوں کا جیتا جاگتا ثبوت کھڑا تھا۔

سرمئی آنکھیں

وجیہہ چہرہ

اُن کے ذہن کی اسکرین پر پلک جھپکنے بھر سے ایک تصویر جم کر رہ گئی تھی۔ مدثر انس، انس مدثر کی تصویر، کتنی شباہت، کتنی مماثلت تھی ان چہروں میں۔ گویا تمام نقوش چرا کر آویزاں کر دیئے گئے ہوں۔

بیٹا وہ اُن کا تھا اور شبیہہ کسی اور کی، خیالات کی مصوری کا نادر نمونہ، ایک عورت کی پراگندہ، ذہنی وہرجائی پن کی مثال۔

"با...... با! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" جو نظریں اس کے لیے محبت و شفقت کی چاشنی سے لبریز رہتی تھیں۔ ان میں وہ کئی دنوں سے عجیب تپش و بیگانگی دیکھ رہا تھا اور سمجھ نہیں پا رہا تھا انہیں کیا ہو گیا ہے اور اس لمحے بھی انہیں خاموش و گھورتے پا کر وہ ڈرتے ڈرتے بولا تھا۔

"کچھ نہیں۔ آپ چھپ چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟" حمزہ کا انداز سرد تھا۔

"نو بابا!" حمزہ کو غصے میں دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف پھیل گیا تھا۔

"پھر وہاں کیا کر رہے تھے؟" حمزہ اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔

"میں وہاں اپنی بال دیکھنے گیا تھا۔ آپ اور انکل مما کی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے سامنے آنا اچھا نہیں لگا"۔ کمسن ذہن سے بڑی گہری و بامعنی بات نکلی تھی۔ حمزہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پہلی ذہانت و لیاقت عمر سے بڑی سوچ کی وسعت اسے اپنے ہم عمر بچوں میں ممتاز کرتی تھی۔

شعور سے قبل ہی آگہی کے دراس پر وا ہو چکے تھے۔

"بابا! مما ایک اچھی عورت نہیں"۔ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

"مما گندی ہیں، جھوٹ بولتی ہیں، نانو بھی گندی ہیں اور گرینڈ پا بھی۔ ہم اُن سے نہیں بات کریں گے۔ وہ سب گندے ہیں"۔ وہ حمزہ کے سینے پر سر رکھ کر آہستہ آہستہ نفرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

حمزہ نے دایاں بازو آگے بڑھا کر اسے سینے سے بھینچ لیا تھا۔ گرم گرم آنسو خاموشی سے اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

کتنی اذیت ناک ہے اپنوں کی جدائی، جیتے جی اپنوں کو چھوڑ دینا۔ زندہ در گور ہو جانے کے برابر ہے۔ اسے یہ بوجھ اُٹھانا ہی تھا، زندہ در گور ہونا ہی تھا۔ دوسروں کے لیے وہ جیتا رہا تھا مگر اب وہ اپنے لیے جینا چاہتا تھا۔ اس سود و زیاں کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔

زندگی اُس پر ضرب لگاتی چلی آئی تھی اور ان ضربوں نے گویا اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُن جانے میں وہ اس عورت کو شریکِ سفر بنا بیٹھا تھا جو اُن کی کرن کی دشمن تھی۔ انس سے دل کا تعلق اس کا ابھی برقرار تھا۔ شوہر کے ہوتے ہوئے بھی وہ غیر مرد کی محبت میں گرفتار تھی۔ ایک راز سے پردہ اُٹھنا تھا کہ پھر ہر راز سے پردے ہٹتے چلے گئے۔ سب کچھ عیاں ہوتا چلا گیا مگر اس طرف بلا کی بے غیرتی و بے حسی تھی۔

ہر راز عیاں ہونے پر، ہر بات کھلنے پر بھی نہ اُن کی پیشانی عرق آلود ہوئی، نہ نگاہیں، پشیمانی و جھجک سے جھکیں وہ اسی طرح مطمئن و مسرور رہیں۔ البتہ کرن کے متعلق جان کر منال نے الزامات و طعنوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ اپنی کسی بات پر وہ شرمندہ نہ تھی، مگر حمزہ کو مسلسل تیز کر رہی تھی وہ، کرن کے حوالے سے۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا، وہ آتے ہی حمزہ سے اُلجھنے لگی تھی۔ اس کے چیخنے چلانے پر حمزہ سوئے ہوئے ذوالنون کی طرف اشارہ کر کے بولا کہ وہ خاموش رہے۔

"میں کیوں خاموش رہوں، مجھے برباد کر کے رکھ دیا، آپ کی اس چھیتی نے۔ مجھے آپ نے چاہا کب؟ کب محبت کی؟" وہ چیخی۔

"بات کو مت بڑھاؤ، میں کہہ رہا ہوں"۔ حمزہ سرد لہجے میں گویا ہوا۔

"بات بڑھ چکی ہے وہ لڑکی نہیں ناگن ہے، جس نے بار بار میری خوشیوں کو ڈسا ہے، میرے سکون کو زہر کر ڈالا ہے"۔ وہ اس سے زیادہ چیخ رہی تھی۔

"بکواس مت کرو، خبردار جو تمہاری زبان پر کرن کا نام بھی آیا تو......"

"اوہو......اس کو کہتے ہیں محبت اور اس کا جوش، مجھے ہرجائی پن و بے وفائی کے طعنے دیتے ہو اور خود اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ بیوی کے پہلو میں کھڑے ہو کر غیر عورت کی طرف داری کر رہے ہو"۔ منال کا لہجہ سخت طنزیہ و چڑانے والا تھا۔

"شٹ اَپ، بدزبان عورت، زبان بند کروا پنی ورنہ......" شدید طیش میں اُس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

"ورنہ کیا کرلیں گے آپ؟ دوسرے کو آئینہ دکھانا کتنا آسان ہے۔ خود بھی دیکھیں اور اُس اذیت کو محسوس کریں جو مجھے ہو رہی ہے"۔

وہ نڈر ماں کی نڈر بیٹی تھی، جھکنا اور اپنی غلطی تسلیم کرنا جانتی نہ تھی۔ اسی چیخ و پکار میں بیڈ پر سوئے ذوالنون کی آنکھ کھل چکی تھی۔ وہ اسی طرح لیٹا مندی مندی آنکھوں سے سب دیکھ رہا تھا۔

ماں کی شعلے برساتی نگاہیں و چیختا چلاتا لہجہ جو اسے کبھی پسند نہ رہا تھا۔ باپ کا متانت و سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے باوقار انداز جو اسے پسند تھا مگر اس وقت وہ باپ کے چہرے پر نظر آتے غیظ و غضب کے نئے رنگ دیکھ کر سہا جا رہا تھا۔ اس کا ننھا سا دل خوف کے مارے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"تم......تم! کیا اذیت محسوس کرو گی؟ جو دوسروں کو تکلیف میں رکھنا جانتے ہوں، وہ خود درد محسوس نہیں کرتے۔ مجھے آئینہ کیا دکھاؤ گی، میرا ضمیر، میرا کردار کسی غلاظت، کسی فریب کی رسوائی سے بدنما نہیں ہے، اگر تم مجھے سرور شاہ کے بارے میں خود ہی بتا دیتیں تو میں اتنا گلٹی فیل نہیں کرتا جتنا تمہاری اور پھر خود سرور شاہ کی زبانی سن کر مجھے اذیت ہوئی ہے۔ مرد کتنا ہی بُرا، کتنا ہی پتھر ہو لیکن عورت کا خلوص، ایثار و محبت اسے موم بنا دیتی ہے، مگر تم نے کبھی ان جذبوں تک رسائی نہیں پائی۔ آشنائی نہیں پیدا کی تو مجھ سے کس بات کا شکوہ؟"

"اوکے"۔ وہ اُس کے قریب آ کر ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر اس کی آنکھوں میں طنز سے دیکھتے ہوئے پھنکاری۔ "آپ نے کبھی مجھے بتایا کہ آپ کرن کو پسند کرتے ہیں؟ اس کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں؟ اس کے عاشقوں میں سے ایک آپ بھی ہیں؟"

"منال!......اپنی زبان کو لگام دو"۔ وہ غصے سے چیخا۔

"کیوں تمام لگامیں صرف عورت کے لیے ہوتی ہیں؟ مرد جہاں چاہے منہ مارتا پھرے، اس کے لیے کوئی پابندی، کوئی زنجیر نہیں ہوتی ہے۔ مرد ہزار گناہ کر کے بھی نیک و پارسا کہلاتا ہے، عورت ایک خطا کر کے بھی سزاوار ہو، میں نہیں مانتی ان باتوں کو، آپ کل بھی کرن کی محبت میں بندھے تھے اور آج بھی ہیں اور شاید مرتے دم تک رہیں گے"۔

حمزہ کی خاموشی کرن سے ہمیشہ رہنے والی محبت کا اقرار جو منال کو بُری طرح بھڑا گیا تھا۔ وہ مشتعل ہو کر بولی۔

"پھر تم میرے ساتھ کہاں ہو، میرے کہاں ہو، مجھ سے شادی کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ بدنصیبی سے میرا اور اس کا فیس ملتا ہے اور

یہی چہرہ بھی آپ کو میرے قریب لایا اور پھر آپ کی خواہشیں پوری ہوتی چلی گئیں۔ مرد اور اس کی خواہشیں......" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"محبت اور طلب، خلوتوں میں چہرہ میرا نہیں کرن کا رہا پھر......خواہ جسم کوئی بھی ہو تصور جاناں تو میرے چہرے میں بھی کرن کا چہرہ ہی دکھاتا رہا اور محبت کا حاصل بھی"۔ وہ زہریلے انداز میں کہہ رہی تھی۔ حمزہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر پے در پے تھپڑوں سے اُس کا چہرہ سرخ کر ڈالا۔

اُس کی آنکھوں میں بھی خون کی سرخی لہرانے لگی تھی۔

اُن کی نگاہوں سے ذوالنون کی موجودگی گویا فراموش ہو چکی تھی۔ ذوالنون جس کی حساسیت وادراک حد سے سوا تھی۔ ماں کی زبان درازی کے نا آشنا گوشے اور باپ کے اس قہر و غضب میں بھرے خون خوار روپ نے اسے اتنا ہراساں وخوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ ڈر کر چیخ بھی نہ سکا تھا اور تیزی سے اپنا منہ رضائی میں چھپا لیا تھا۔

اُس کا معصوم و ناپختہ ذہن جو پہلے ہی ماں اور باپ کے درمیان بے گانگی کے احساس کا شکار تھا۔ اس وقت ان کے درمیان ہونے والی دوبدو جنگ نے اسے نئے و بھیانک جذبے سے آشنا کروایا تھا۔

نفرت شدید تر نفرت کا جذبہ!

عورت سے جنونی نفرت کا جذبہ!

سامنے چہرے پر ہاتھ رکھے روتی چیختی، چلاتی نازیبا زبان بولتی عورت اُسے ماں نہیں کوئی اور عورت لگی جو کسی اپنی جیسی دوسری عورت کے خلاف بڑے بڑے لفظ بول رہی تھی۔

اُن کرب ناک لمحوں میں وہ دس سال کی عمر میں شعور کی کئی منزلیں اذیت ناک انداز میں پھلانگتا چلا گیا تھا۔

بے حد گنجلک و مشکل ترین گرہ پڑی تھی اس کے ذہن میں اور آگے کا سفر از حد کٹھن و دشوار ہو گیا تھا۔ وہ اُس کی ابتر ہوتی ذہنی حالت سے بے خبر ایک دوسرے پر الزامات لگانے میں مصروف تھے، پھر اس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک اور کربناک منظر دیکھا تھا۔ منال روتی چیختی سوٹ کیس میں اپنے کپڑے وغیرہ بھر کر چلی گئی اور اُس کے بعد اس نے حمزہ کو دیکھا جو پہلے سے تیار شدہ سوٹ کیس اُٹھا کر آگے بڑھا تھا اور اُس پر نظر ڈال کر چند ثانیے کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔ اُس نے بھی باپ کو جاتے دیکھ کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"ذوالنون! میری جان"۔ سوٹ کیس رکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا تھا اور اسے بازوؤں میں بھر کر پوری شدت سے رو پڑا تھا۔

"بابا! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" کونین جو دوسرے کمرے میں ماں باپ کی لڑائی کی آوازیں سن کر گھبرا رہا تھا، ماں کو جاتے دیکھ کر یہاں آیا تھا اور یہاں باپ کو بھی تیار دیکھ کر پریشانی سے بولا۔

حمزہ نے اُس کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ بھی خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھوں ابھی آنسو چمک رہے تھے، چہرے پر نشان تھے، آنسوؤں کے۔

"میں جارہا ہوں، مجھے جانا ہوگا"۔ دوسرے ہاتھ سے کونین کو لپٹاتے ہوئے وہ بھرائے لہجے میں بولا۔

"ہمیں آپ کی ضرورت ہے بابا، آپ مت جائیں"۔

"میں نہیں رُک سکتا، اگر رُک گیا تو مرجاؤں گا، میری شریانیں پھٹ جائیں گی، میں یہاں نہیں رہ سکتا، مجھے روکنا مت"۔ اُس کے آنسواُن کے سر کے بالوں میں جذب ہورہے تھے۔

"میں مما کو لے آؤں گا، آپ مت جائیں"۔ کونین نے تسلی دینی چاہی۔

"مائی فٹ، مجھے نفرت ہے اس عورت سے جو رشتوں کے تقدس کا قتل کرتی ہے، اگر وہ میرے سامنے آئی تو میں خود کو شوٹ کرلوں گا"۔

اُن دونوں کو علیحدہ کرتا ہوا وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا انداز اتنا سرد و روکھا ہوگیا کہ پھر کونین کی جرأت نہ ہوسکی اسے روکنے کی اور ذوالنون تو کچھ بولا ہی نہ تھا۔ اس کا ذہن شاک کے زیر اثر تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ دیکھتا رہا تھا، جانے سے قبل حمزہ نے ان سے معافی مانگی، ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا کہا اور بھی نہ معلوم کیا کچھ وہ کہتا رہا تھا اور آخری لمحے وہ نگاہیں چرا کر ان کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ جاتے لمحے انہوں نے اس کی پیشانی پر وہ بوسہ بھی نہ دیا تھا جو کہیں جانے سے قبل دینے کے عادی تھے۔ کونین روتا ہوا اُن کے پیچھے گیا تھا مگر وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرسکا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھیں خشک، مگر دل کی دُنیا میں زبردست تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ ماں سے ہمیشہ اسے تشنگی کا احساس ملا تھا۔ باپ سے ملنے والی تمام محبت واُلفت، اعتماد و اعتبار کے بھرم بھی ٹوٹتے چلے گئے۔ بہرحال ان ٹوٹتے احساسات کی گرد پھیل رہی تھی۔

"پرنس...... پرنس! بابا ہمیں چھوڑ گئے پرنس!" کونین واپس آکر اس سے لپٹ کر رو پڑا، وہ پھر بھی ایسے ہی بیٹھا رہا۔

"پرنس! بابا نہ معلوم کہاں گئے ہیں؟ مما بھی چلی گئی ہیں...... تم بولتے کیوں نہیں...... تمہیں کیا ہوا؟" کونین نے گھبرا کر اسے جھنجوڑا تو وہ بے ہوش ہوکر اس کی گود میں گر گیا۔ کونین کی چیخوں نے ملازمین کو کمرے میں اکٹھا کردیا تھا۔

☆......☆......☆

آسمان پر ہلکی ہلکی دھند تیزی سے بڑھ رہی تھی اور خوشگوار موسم میں سردی کا احساس پھیلنے لگا تھا۔ سبزے میں بے شمار پھولوں پر بیٹھی منڈلاتی تتلیوں کے پیچھے بھاگتی سرخ فراک میں گولڈن بالوں کی دو پونیوں میں وہ خود بھی ایک خوب صورت و دل کش تتلی لگ رہی تھی۔ بٹر فلائی نیٹ پکڑے وہ کئی گھنٹوں سے تتلیوں کے ساتھ کھیل میں مصروف تھی۔ کبھی انہیں پکڑ لیتی اور کبھی چھوڑ دیتی، فلاور باسکٹ میں ڈھیروں رنگ برنگے پھول رکھے تھے۔ وہ اپنے اس مشغلے سے بہت خوش تھی۔ اس کے ساتھ آئے ہریرہ اور اریج کافی ٹائم گزر جانے کی وجہ سے گھر جانا چاہ رہے تھے مگر وہ تیار نہ تھی۔

"حورین! آنی اور ممی گھر آگئی ہوں گی، وہ ہمیں گھر میں نہ پاکر پریشان ہوں گی، پلیز چلو ناں"۔ اریج نے کہا۔

"وہ دونوں گروسری کرنے گئی ہیں جلدی نہیں آئیں گی"۔

"وہ آ گئی ہوں گی، ہمیں چلنا چاہیے"۔ ہریرہ ماحول میں چھانے والے سرمئی غبار دیکھ کر بولا۔

"میں نے کہا نا نہیں آئی ہوں گی"۔ نیٹ نیچے کر کے وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے چیلنج والے انداز میں بولی۔

"آ گئی ہوں گی"۔ ہریرہ کا انداز بھی چیلنج والا تھا۔

"ہو جائے شرط؟" حورین ہاتھ پھیلا کر بولی۔

"ڈن۔ ہار گئی تو یہ تمام چاکلیٹیں اور ویفرز میرے ہوں گے؟"

"یس، اگر جیت گئی تمہیں مرغا بن کر اذان دینی ہوگی، بالکل مرغے کی طرح؟" حسب عادت اس نے کہا جو ہریرہ نے مان لیا اور وہ تینوں گھر کی طرف لوٹنے تھے۔

گھر سے کچھ دوران دونوں نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ پہل ہریرہ نے کی تھی، وہ پہلے پہنچ کر تسلی کرنا چاہتا تھا کہ اگر ممی اور آنٹی آئی نہ ہوں تو وہ شرط ہارنے کی صورت میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی تدبیر کر سکے۔ حورین جو اس کی چالاکی سمجھ گئی تھی، اس نے بھی دوڑنا شروع کر دیا، ان دونوں سے پیچھے آتی ہوئی ایرج انہیں آوازیں دیتی آ رہی تھی، مگر وہ دونوں نمبرون شریر و ہنگامہ پسند طبیعت کے مالک تھے۔ کہاں سننے والے تھے۔ اسی بھاگ دوڑ میں حورین کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن دونوں کی چیخیں بھی نکل گئی تھیں۔ حورین ڈھلوان سطح سے پھسلتی ہوئی نیچے گرتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی پھولوں کی باسکٹ سے پھول، ٹافیاں، چپس اور ویفرز کے پیکٹ بھی اِدھر اُدھر لڑھکتے غائب ہو گئے تھے۔

وہ زمین پر آتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ سبز گھاس پر اس کے سر سے نکلا سرخ خون پھیلنے لگا تھا۔ ایرج اسے بے ہوش اور خون دیکھ کر رونے لگی تھی، جبکہ ہریرہ بدحواس سا گھر پر گیا تھا۔ گھر پر ان چاروں میں سے کوئی بھی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ ملازم اور ملازمہ کو لے کر آیا۔ ان کی مدد سے وہ حورین کو ہسپتال لے کر جا رہے تھے، جب وہ واپس لوٹے تھے اور اسی ٹائم اسے ہسپتال لے کر روانہ ہوئے تھے۔

"تھینکس گاڈ! کوئی فریکچر نہیں ہوا ہے، ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا"۔ انس دواؤں کے زیر اثر سوتی ہوئی حورین کا رخسار چوم کر پُرتشکر انداز میں بولا۔ اس کے سر میں زخم آیا تھا اور چند معمولی سی چوٹیں تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک گھنٹے کی ٹریٹمنٹ کے بعد چھٹی دے دی تھی۔ ایرج کی زبانی وہ تمام صورت حال سے باخبر ہو چکے تھے۔ سعد اور فاریہ نے اسے ڈانٹا تھا اور سعد نے سزا کے طور پر اسے مرغا بنایا تھا، کرن کے کہنے پر اس کی سزا معاف ہوئی تھی۔

"نہیں ہوا تو کل ہوگا، یہ لڑکی اس طرح حرکتیں کرتی رہے گی تو کب تک نقصان سے بچ سکتی ہے"۔ کرن متفکر انداز میں بولی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو یار! حورین بچی ہے ابھی"۔ انس کو بُرا محسوس ہوا۔

"آج بچی ہے کل بڑی ہوگی، پھر لڑکیوں کو بڑے ہوتے وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ بچپن کی پختہ عادتیں عمر کے ساتھ مزید پختہ ہو جاتی ہیں اور حورین کی یہ شرط لگانے کی عادت مجھے نہ معلوم کیوں خوف زدہ کر دیتی ہے۔ مجھے ڈر رہتا ہے اس کی اس عادت سے"۔

"بلاوجہ کے خدشے پالنا کوئی تم سے سیکھے"۔ انس نے ہنس کر کہا۔

"یہ خدشے نہیں ہیں الہام ہے، کوئی خفیہ سرگوشی ہے جو اکثر میرے اندر گونجا کرتی ہے یا میری چھٹی حس جو عموماً شارپ ہو جاتی ہے"۔ کھوئی کھوئی پریشان سی کرن کو انس نے بغور دیکھا، پچھلے کچھ دنوں سے وہ مضطرب و بے کل رہنے لگی تھی۔ اس کی زندہ دلی، پُر سکون مسکراہٹ گویا کھو چکی تھی۔ اس کی کیفیت خود اسے بھی بے چین کیے ہوئی تھی۔ گزرتے وقت نے اسے کرن کے بہت قریب کر دیا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ اب اس کے چہرے پر رنج و فکر کی معمولی سی لکیر دیکھ کر پریشان و بے چین ہو جاتا تھا۔ گویا زندگی و مسرت کا ہر احساس اس سے مربوط تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں جب سے حورین اسکول کے سوئمنگ پروگرام سے گولڈ میڈل جیت کر لائی ہے، تب سے تم پریشان و فکر مند ہو، ایسی کیا بات ہے"۔

"انس! یہاں کا آزادانہ ماحول، یہاں کی عریاں تہذیب مجھے خوف زدہ کر رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی ہماری حورین یا ایرج و ہریرہ پر یہاں کی تہذیب و آزادی کا معمولی سا بھی سایہ پڑے، اس سے قبل ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے۔ ابھی وقت ہمارے ہاتھوں سے نکلا نہیں ہے"۔

"ٹیک اٹ ایزی کرن! کیا فضول سوچتی رہتی ہو، ہمیں اپنے بچوں پر اپنے خون پر اعتماد ہونا چاہیے"۔

"انس بھائی! کرن بھابی درست کہہ رہی ہیں۔ یہ معاشرہ اور یہاں کی بے راہ روی مجھے بھی پریشان کیے ہوئے ہیں پھر بات خون و خاندان پر اعتماد کی نہیں ہوتی ہے۔ بات یہیں آتی ہے آگ میں رہ کر آپ خود کو کس حد تک بچا پائیں گے؟" قاریہ بھی کرن کی ہم خیال تھی۔

"کرن بھابی اور انس کا معاملہ تو تم جانتی ہو قاریہ! پھر کس طرح یہ واپس جا سکتے ہیں، یہ بھی تو سوچو"۔ سعد نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"سعد بھائی! وہ دور گزر گیا۔ بہت خوف زدہ ہوئے، بہت ڈرے مگر اب نہیں ڈرنا ان کے خوف سے۔ ہم یہاں اپنے بچوں کی تربیت خراب نہیں کر سکتے، ہمیں پاکستان واپس جانا ہے بس"۔ کرن قطعیت بھرے انداز میں بولی۔

"او کے، او کے اتنی جلدی ڈپریشن میں آپ خواتین مبتلا نہ ہوا کریں، ہمیں پاکستان جانا ہے لیکن بچوں کی ابتدائی تعلیم مکمل ہونے کے بعد سب چلیں گے"۔ انس اور سعد نے پُر یقین لہجے میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

ہال روم میں وہ سب جمع تھے۔

صمد، صمد کی بیوی صنوبر، راحیلہ بیگم، ذوالنون، کونین اور صمد کا بیٹا ہنزہ، بیٹی خضریٰ اور دوسرا بیٹا خضر۔ اتنے نفوس ہونے کے باوجود وہاں خاموشی اپنے پورے وجود سمیت حائل تھی۔ البتہ راحیلہ بیگم کی گھٹی گھٹی سسکیاں ماحول کے سکوت میں ارتعاش سا پیدا کر دیتی تھیں۔ صمد ابھی ابھی کہیں سے آ کر بیٹھا تھا۔ تمام نگاہیں اس کے چہرے پر جمی بے تابی سے اٹھی تھیں۔ اسی طرح جھک بھی گئی تھیں۔ ناکامی و نامرادی صمد کے چہرے پر عیاں تھی۔ راحیلہ بیگم کی سسکیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔

"مت روئیں مما! کب تک ہم سے اپنے بچوں سے دور رہے گا، وہ آج نہیں تو کل لوٹ آئے گا۔ ہماری خاطر، اپنے گھر، اپنے بچوں کی خاطر"۔ ماں کو تسلی دے کر اس نے ذوالنون اور کونین کو دونوں بازوؤں میں لے کر خود سے لپٹا لیا تھا۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"نہ پتہ، نہ ٹھکانہ، اس کی منزل کا نہیں پتہ ایسا کہاں چلا گیا میرا بچہ۔ مجھے خبر بھی تو ہو کہ کہاں گیا ہے"۔ راحیلہ کو کسی دم قرار نہ تھا۔

"وہ پاکستان سے باہر گیا ہے۔ میں نے ٹریول ایجنسی سے معلومات لی ہیں، آپ روئیں نہیں۔ صرف دعا کریں، وہ لوٹ آئے گا بہت جلد، صنوبر بچوں کو تیار کرو، ہم کھانا باہر کھائیں گے"۔ وہاں موجود ڈپریشن کو دور کرنے کے لیے اس نے پروگرام بنایا تھا مگر کوئی بچہ باہر جانے پر راضی نہ تھا۔ صنوبر نے انہیں گھر پر ہی کھانا کھلا کر دوسری ضروریات سے فارغ کروانے کے بعد کمروں میں سونے کے لیے بھیج دیا تھا اور خود دوسرے کاموں میں لگ گئی تھیں، جبکہ صمد اور راحیلہ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"بھابی نے آنے سے انکار کر دیا مگر فائقہ آنٹی کہہ رہی تھی، کچھ دن بعد بھابی کا غصہ اُتر جائے گا تو وہ خود چھوڑ جائیں گی یہاں"۔

"وہ عورت نہ اچھی بہو ثابت ہو سکی، نہ اچھی بیوی اور نہ اچھی ماں"۔

"کونین نے ان باتوں کا اتنا اثر نہیں لیا ہے جس قدر ذوالنون دل و دماغ پر اثر لے بیٹھا ہے۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے نہیں گرا ہے اور زبان کو جیسے تالا لگ گیا ہے۔ کچھ بولتا بھی نہیں ہے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں اگر اس کی یہی کنڈیشن رہی تو کسی سائیکالوجی پرابلم کے سرکل میں پریشرائز ہو سکتا ہے۔ یہ بہت بڑا پرابلم ہے مما، اسے کسی طرح دل کا غبار نکالنا چاہیے، اسی طرح وہ ریلیکس ہو سکتا ہے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، کچھ بھی"۔ انس بُری طرح پریشان تھا۔

"اللہ نہ کرے جو میرے بچے کو کچھ ہو۔ اس کی جان تو باپ میں اٹکی رہتی تھی، اس کی تو یہ حالت ہونی ہی تھی"۔ راحیلہ بیگم زور و شور سے رونے لگیں۔

ایک ہفتہ مزید گزر گیا، نہ حمزہ نے کوئی رابطہ کیا، نہ منال لوٹی اور نہ ہی ذوالنون کی خاموشی و بے حسی میں کمی آئی۔ کونین اس کا بے حد خیال رکھنے لگا تھا۔ گھر کے سب لوگ اسے وی آئی پی ویلیو دے رہے تھے، مگر اس میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ یہ وہی گھر تھا جہاں آ کر وہ بے حد خوش و خرم رہا کرتا تھا۔ دادی سے کہانیاں سنتا، چچی سے کھانوں کی فرمائشیں کرتا، چچا کے ساتھ آئس کریم کھانے جاتا اور بچوں سے گہری دوستی رکھتا تھا اور اب...... اسے کچھ نہیں پسند آ رہا تھا۔

ہنزہ اور خضریٰ کی جانب کبھی نگاہ اُٹھا کر دیکھ لیا کرتا مگر خضریٰ جس سے اس کی فرینڈ شپ تھی، نگاہ اُٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ تھا اور چھ ماہ کی عریبہ تو اس کی گود و محبتوں سے محروم ہو گئی تھی۔

اس وقت بھی وہ سوچوں میں گم بیٹھا تھا، جب اچانک ہی کونین نے چھ ماہ کی عریبہ کو اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"پرنس! یہ تمہیں دیکھ کر مسکرا رہی ہے، تم سنبھالو اس کو"۔ وہ بڑی زور سے چونکا تھا اور اس کا یہ چونکنا اندر داخل ہوتے صمد کی

نگاہوں میں تجسس جاگا گیا، وہ وہیں کھڑے ہو کر بغور اس کے بتدریج سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا، جس کی لحہ بہ لحہ کیفیت بدل رہی تھی۔

"یہ...... یہ اس کو تم نے کیوں مجھے دیا ہے؟" شدید غصے وجنون سے اس کی آواز کانپ رہی تھی، اعصاب تن گئے تھے۔

"اتنا غصہ کیوں ہو رہے ہو۔ یہ عریبہ ہے تمہیں اچھی لگتی ہے ناں"۔

"نہیں لگتی مجھے اچھی"۔ وہ چیخا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" کونین اُس کی حالت پر پریشان ہوا۔

"یہ لڑکی ہے اور مجھے لڑکیوں سے نفرت ہے، آئی ہیٹ گرل"۔ اس نے شدید اشتعال سے کہتے ہوئے عریبہ کو گود سے نیچے اُچھال دیا تھا اور اس طرح گرنے سے بچی پوری طرح گلا پھاڑ کر رو دی تھی۔ کونین نے پھرتی سے بچی کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیا تھا مگر وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو، بالکل پاگل"۔ کونین غصے سے بولا۔

"ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں، آئندہ اسے میرے پاس لائے تو اس کو جان سے مار دوں گا"۔

......❀......

بے حد خونخوار و سخت لہجہ تھا اس کا، پھر وہ وہاں رُکا نہیں تھا۔ دھپ دھپ قدم اُٹھاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔

"کونین بیٹا! عریبہ کو اپنی آنٹی کو دے آئیں"۔ صمد صوفے پر بیٹھتا ہوا اس سے مخاطب ہوا تھا۔ کونین نے حکم کی تعمیل کی اور پھر فوراً واپس صمد کے پاس آ گیا جو کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا۔

"انکل! آپ نے دیکھا پرنس نے عریبہ کو گود سے پھینک دیا، پھر اس کا لہجہ و انداز، چہرے کے تاثرات کتنے خطرناک تھے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے وہ کبھی ایسا کچھ کر نہ دے۔ اُس کی آنکھوں میں نفرت تھی، بہت شدید نفرت"۔ ذوالنون کی انتہا کو پہنچی جنونی حالت نے سے ڈرا دیا تا۔

"پریشان نہ ہو! ایسا نہیں ہوگا۔ میں اسی کوشش میں تھا کہ وہ اپنی خاموشی و بے حسی سے نکل کر کسی جذبے کا اظہار کرے، خواہ غم و غصہ، ہنسنا و رونا، مارنا پیٹنا یا کسی بھی طرح کا کوئی جذبہ، جو اس کے اندر بھری بند کیفیت کو ظاہر کرے جس سے اس کا دل و دماغ فریش ہو اور وہ منفی شخصیت جو اس کے اندر اُبھر رہی تھی، ظاہر ہو۔ شکر اللہ کا کہ وہ خطرہ ٹلا ہے اب اسی کا جو مزاج ہو وہ ہمارے سامنے ہوگا، پوشیدہ نہیں"۔ اُن کے پریشان لہجے میں کچھ اطمینان اُبھرا تھا۔ کونین اس نفسیاتی نقطے کو سمجھ نہ پایا تھا۔

☆......☆......☆

وقت کا طائر بہت تیزی سے پرواز بھرتا چلا گیا تھا۔ سال پر سال گزرتے رہے اور ان گزرتے سالوں میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ کل کے معصوم بچے آج کے بھرپور جوان تھے۔ حمزہ ہنوز لاپتہ تھے، البتہ کسی نہ کسی جاننے والے کے ذریعے ان کی موجودگی کا سراغ

ملتا رہتا، کبھی وہ اسپین میں، کبھی ٹورنٹو تو کبھی ناروے میں نظر آتے۔ اب نہ معلوم یہ اتفاق تھا یا ان کی احتیاط کہ کسی کو قریب آنے کا موقع نہیں دیا۔ صرف جھلک دکھا کر غائب ہو جاتے تھے۔ گھر والے یہ سن کر ہی خوش ہو جاتے تھے کہ وہ زندہ سلامت ہیں اور کبھی نہ کبھی تو دشتِ سیاحی سے اُکتا کر گھر کی راہ لیں گے۔

کونین ایم بی اے کر کے بزنس سنبھال چکا تھا، جس میں نانا کا بھرپور تعاون اسے حاصل تھا، کیونکہ ددھیال میں زیادہ قریبی رشتہ اور تعلقات صمد کی فیملی سے رہے تھے، جہاں صمد کے دونوں بیٹے اور ایک بیٹی میڈیکل لائن سے باپ کی طرح وابستہ تھے۔ ان کا بزنس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ حمزہ اپنے باپ کا بزنس سنبھال رہا تھا جو پہلے منال نے سنبھالا ہوا تھا اور باپ کی مرضی پر ان کے ساتھ شراکت داری کر چکی تھی۔ سسرال سے تعلق انہوں نے پہلے بھی نہ رکھا تھا، پھر حمزہ کے جانے کے بعد تو وہ تقریباً بالکل لاتعلق ہو گئی تھیں۔ نت نئی دلچسپیوں نے انہیں بچوں سے بھی دور کر دیا تھا۔ بزنس پارٹیز، شاپنگ، گیدرنگز وغیرہ میں وہ اپنی ماں فائقہ بیگم سے بھی آگے بڑھ گئی تھیں۔ فائقہ بیگم کے بیٹے نہیں تھے۔ نواسوں کے روپ میں بیٹے پا کر وہ بے حد مسرور رہتی تھیں اور اسی طرح برہان لغاری بھی نواسوں کو بیٹوں کی جگہ دے چکے تھے۔ والدہ حضور کو اس دُنیا سے گئے برسوں گزر گئے تھے۔ بڑے کروفر جاہ و جلال سے زندگی گزارنے والی والدہ حضور کا آخری وقت بڑی کسمپرسی کرب و تکلیف میں گزرا تھا۔ منال اور فائقہ نے اس سے تمام بدلے چکائے تھے۔ ہر بدلہ سود سمیت وصول کیا جا چکا تھا۔

انسان بھی کتنا نادان ہے۔ دکھوں کے بیج بوتا ہے۔ کرب کی فصل کاٹتا ہے۔ ایک عورت دوسری عورت پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے ہوئے اپنے کل کو کیوں فراموش کر دیتی ہے؟ مکافاتِ عمل کو کیوں بھول جاتی ہے؟ عورت پر عورت کا ظلم صدیوں سے ہوتا آ رہا ہے، رشتے بدل جاتے ہیں، صنف نہیں بدلتی، ذہنیت و فطرت نہیں بدلتی، نہ معلوم کب یہ معجزہ ہوگا؟ کہ عورت اپنے مقام، اپنے فرض کو شناخت کر کے دُنیا میں ہونے والے آدھے غموں کا تو خاتمہ کر دے گی۔

حمزہ کے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک منال بھی برہان ہاؤس میں روٹھی بیٹھی رہی تھی۔ فائقہ بیگم نے تھوڑا وقت گزرنے کے بعد سمجھایا کہ وہ ایسی بے وقوفی نہ کرے۔ حمزہ چلا گیا مگر اس کی دولت، بزنس سب موجود ہے اور بچے بھی، عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ غصہ تھوک کر بزنس و جائیداد اور بچوں کو یہاں لے آئے اور منال کو ماں کے آئیڈیاز ہمیشہ سے پسند رہے تھے۔ وہ فوراً حساب کتاب بے باق کر آئی تھیں، حالانکہ اس سے قبل ان کو مناتے کئی بار راحیلہ بیگم اور صمد اور اس کی بیوی نے بہت کوشش کی کہ وہ دونوں بچوں کو ان کے پاس چھوڑ جائیں مگر فائقہ نہیں مانیں کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اگر بچے یہاں رہے تو کہیں چچا اور دادی کے فیور میں نہ آ جائیں اور سب کچھ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس خوف سے وہ بچوں کو وہاں چھوڑنے پر راضی نہ ہوئیں اور ساتھ لے آئیں اور پھر ان کی پوری کوشش یہی رہتی کہ بچے ان سے مل نہ پائیں یا اگر ملیں بھی تو بہت کم وقت کے لیے۔ اس دوران بھی گورنس ان کے درمیان موجود رہتی، تاکہ وہ کچھ سکھا، بھڑکا نہ سکیں۔

کونین عام فہم تھا، وہ ہر رنگ میں رنگنے اور ہر ماحول میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ باپ کی بے حسی و ماں کی بے نیازی وہ بھی بُری طرح محسوس کرتا تھا مگر اس نے ان احساسات کو خود پر حاوی نہ ہونے دیا تھا، ذوالنون کی طرح۔

ذوالنون جو شروع سے ہی ایک مشکل و نہ سمجھ آنے والا بچہ تھا، باپ کی موجودگی میں ہی وہ بے حد حساس و کم گو اور سنجیدہ تھا، پھر باپ کی غیر موجودگی و حالات نے اسے بالکل مختلف روپ دیا تھا۔ حمزہ کی دوری نے اسے سب سے دور کر دیا تھا، حتیٰ کہ چچا، چچی، دادی اور کزنز جن پر وہ جان دیتا تھا، وقت نے ایسی کڑی آزمائش میں اسے مبتلا کیا کہ وہ سب سے متنفر، بدظن و دور ہوتا گیا۔ بے اعتمادی، بے اعتباری نے اسے کسی پر اعتماد کرنا نہیں سکھایا تھا۔ وہ گویا ہر رشتے، ہر تعلق، ہر بندھن سے بے گانہ، لاپرواہ و بے نیاز ہو گیا تھا۔ بڑھتی عمر اسے سنجیدگی و خاموشی کے بحرِ بے کراں میں ڈبوتی چلی گئی۔ وہ اردگرد سے بے نیاز اپنی دُنیا، اپنی پڑھائی میں گم ہوتا چلا گیا۔ اپنے مزاج و عادات کے برعکس وہ ہمیشہ سے پڑھائی میں نمایاں ترین پوزیشنز لیتا آیا تھا۔ برہان لغاری نے بہت چاہا کہ وہ باہر جا کر کسی اعلیٰ تعلیمی ادارے سے منسلک ہو جائے مگر اس نے اپنے ملک پر کسی بھی دوسرے ملک کو ترجیح نہ دی تھی۔

”کونین! پرنس کہاں ہے؟“ منال اندر آ کر اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”وہ حیدر کے ساتھ گیا ہے کچھ دیر قبل۔ آپ کو کوئی کام تھا؟“ وہ کف لنکس بند کرتا ہوا ان سے مخاطب ہوا۔

”یہ لڑکا کبھی سمجھ میں نہیں آئے گا، بچپن سے آج تک مجھے تیز کیا ہے اس نے“۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔

”کیا ہوا مما! آپ کیوں اتنی ٹینس ہیں۔ کیا کیا ہے پرنس نے؟“ انہیں پریشان دیکھ کر وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے متفکر انداز میں بولا۔

”پرنس...... نارمل بی ہیورنہیں ہے اس کا، ٹوٹلی ایب نارمل ہے وہ۔ سرفراز خان کی بیٹی نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے۔ اتفاقاً پرنس سے ملاقات ہوگئی اس کی اور اس نے ہیلو ہائے کی تو جواباً پرنس نے اسے نہ معلوم کیا کیا جھاڑ پلائی۔ انسلٹ کردی اس کی دوستوں کے سامنے۔ انوشہ نے گھر جا کر بیگم نوشین سے شکایت کی، رو رو کر بُرا حال کر لیا اس بچی نے، بیگم نوشین نے مجھے کال کی اور مشورہ دیا کہ مجھے پرنس کا میڈیکل چیک اَپ کروانا چاہیے“۔

ماں کی گفتگو پر کونین کے چہرے پر چھائے تفکر کے اثرات زائل ہو گئے تھے۔ اب وہ ہونٹ بھینچے اپنی بے ساختہ اُبھر آنے والی مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

”ان کی باتوں نے مجھے اس قدر شرمندہ کر دیا کہ میں نے فوری معذرت کی اور کوئی لفظ نہ کہہ پائی اور پہلی بار ایسا نہیں ہوا ہے، نہ معلوم کتنی مرتبہ وہ ایسی چیپ حرکتیں کر چکا ہے۔ مونا، حرا، فضہ، فریحہ اور بھی بے تحاشہ لڑکیوں کی وہ اسی طرح ”عزت افزائی“ کر چکا ہے اور میں معذرتیں کر کے تھک چکی ہوں، آخر کوئی حد ہوتی ہے، کوئی وجہ ہو، بلاوجہ وہ ”گرلز الرجی“ کا شکار ہو گیا ہے اور مجھے سمجھ نہیں آتا وہ اتنا روکھا اور غیر مہذب ہونے کے باوجود لڑکیوں کے لیے اتنا پُرکشش کیوں ہے؟ لڑکیوں کی جانب نگاہ اُٹھانا بھی توہین سمجھتا ہے۔ اس پر وہ دل و جان سے فدا ہیں“۔ منال کے لہجے میں اب غصے کے ساتھ تعجب و تجسس موجود تھا۔

”مما! پرنس کی پرسنالٹی پرنس جیسی ہے۔ وجیہہ، اسمارٹ، ڈیشنگ اور اس کا دماغ آسمان پر پہنچانے میں ان ہی لڑکیوں کا ہاتھ

ہے، یہ آپ بھی جانتی ہیں، وہ لڑکیوں سے کم عمری سے دور بھاگتا ہے، پسند نہیں کرتا مگر اس نے ایسا رویہ کبھی نہیں اپنایا تھا۔ ابھی یا بڑی بھی کوئی گفتگو نہ کی تھی، اب اگر اس کی زبان شرارے اُڑاتی ہے تو وہ سب لڑکیوں کے عمل کا ہی ردِعمل ہوا ہے۔ وہ بے قصور ہے اور آپ یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہیں کہ شاید اسے کوئی میڈیکلی، فزیکلی پرابلم ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ سوفی صد فٹ ہے''۔ کونین ہنس کر بولا۔

''اور رہا یہ سوال کہ لڑکیاں اس کے پیچھے کیوں بھاگتی ہیں تو بہت سادہ سی بات ہے۔ آسانی سے مل جانے والی چیز کی کوئی قدر نہیں کرتا، قابلِ دید وہی چیز ہوتی ہے جو بہت مشکل سے بڑی محنت کے بعد حاصل ہو، شاید وہ اسی لیے گرلز کے لیے پُرکشش و قابلِ حصول ہے''۔

''یہ سب آپ کے بابا کی وجہ سے ہے، پرنس نارمل نہیں ہے، وہ شروع سے حمزہ سے اٹیچڈ تھا ان کے جانے سے پھر کوئی رابطہ نہ رکھے جانے کی وجہ سے اس کے اندر یہ ایب نارملٹی ڈویلپ ہوئی ہے جو ہم میں رہتے ہوئے بھی وہ ہم میں موجود نہیں ہوتا اور میرے ساتھ اس کا رویہ روکھا ہوتا ہے، جیسے سب کی ذمہ دار میں تنہا ہوں''۔ بہت مرتبہ کی کہی ہوئی بات وہ پھر دہرا رہی تھیں اور کونین کو معلوم تھا، اگر اس نے فوراً ہی ٹاپک نہ بدلا تو گفتگو طویل ہو جائے گی۔

''آج آپ کی کوئی پارٹی نہیں ہے؟'' وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

''پارٹی ہے مگر میں نے جانا کینسل کر دیا ہے''۔ وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ گرے پینٹ، وائٹ شرٹ پر گرے اینڈ بلیک ٹائی میں ٹائی پن لگاتا وہ تیار ہوا، بہت ہینڈسم لگ رہا تھا اس کا سراپا، اس کا فیس حمزہ سے بے حد میچ کرتا تھا۔

''کیوں کینسل کر دی ہے، آپ گھر میں کیا کریں گی، نانو بھی پارٹی میں گئی ہیں''۔ ماں کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ ہوشیار ہوا تھا۔

''گھر میں تو میں نہیں رہوں گی، مسز سرفراز کے ہاں جا رہی ہوں، کچھ گفٹس لے کر، تاکہ اس نالائق کی بدسلوکی کی تلافی کر سکوں۔ سرفراز صاحب کو تو تم جانتے ہی ہو، چیف جسٹس ہیں اگر ان سے طریقے سے معذرت نہ کی گئی تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا اور میں نہیں چاہتی دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر کیا جائے''۔

''مما! اس دریا میں نامعلوم کتنے مگر مچھ ہیں، آپ کب تک اپنا پیسہ ایسے تحفوں میں برباد کرتی رہیں گی۔ بہتر یہی ہوگا کہ ایسے مگرمچھ اپنی مچھلیوں کو سمجھائیں کہ دوسرے کے تالاب گندے کرنے کی سعی نہ کریں''۔ بڑے لوگوں کی خوشامدوں سے اسے چڑ تھی۔

''سب کچھ اس طرح نہیں ہوتا کونین! جس طرح ہم چاہتے ہیں۔ بے خوف و خطر اور اطمینان سے جینے کے لیے ہمیں ایسے لوگوں سے روابط مستحکم رکھنے پڑتے ہیں۔ پھر یہ یہاں کا اصول ہے۔ کچھ لینے کے لیے، کچھ دینا بھی پڑتا ہے، اگر میں یہ حکمت عملی نہ اپناتی تو پرنس نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا تھا، خیر بہت باتیں ہو گئیں۔ یہ بتاؤ کہاں جا رہے ہو؟''۔

''چاچو کی طرف جا رہا ہوں''۔ وہ کچھ گڑبڑا کر بولا۔

''کیوں؟'' ان کے تیور بگڑے۔

''وہ......دادو بھی......کافی دنوں سے یاد کر رہی ہیں''۔

"کیا چکر ہے؟ آپ کو دادو بہت یاد کرنے لگی ہیں؟ بہت جانے لگے ہو اس طرف......آپ کو اچھی طرح معلوم ہے مجھے آپ لوگوں کا وہاں جانا، ان سے ملنا پسند نہیں ہے، ٹھیک لوگ نہیں ہیں وہ"۔

"بہت کم جاتا ہوں وہاں، دادو کے بار بار یاد کرنے پر"۔

"اصل فساد کی جڑ ہی بڑھیا ہے۔ پہلے حمزہ کو بھڑکا کر ہم سے دور کیا، پھر پرنس کو باغی کیا اور اب آپ کے پیچھے لگی ہیں"۔

کونین نے ہونٹ بھینچ لیے، بہت ہائی سوسائٹی موو کرنے والی اپنی ایجوکیٹڈ ماں کا یہ جاہل عورتوں والا انداز اسے کبھی نہیں بھاتا تھا۔

☆......☆......☆

اسلام آباد آئے اسے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔

ایک مدت بعد اپنے ملک کی سرزمین پر دوبارہ بسنے کی خوشی نے اسے ہی نہیں، حورین کو بھی بے حد متاثر کیا تھا۔ قاریہ اور اس کے بچے بھی بہت خوش تھے، البتہ انس اور سعد کی کیفیت عام سی تھی۔ وہ کئی بار یہاں آ چکا تھا بلکہ قاریہ بھی میکے میں ہونے والی تقریبات اٹینڈ کرنے وقتے وقتے سے آتی رہی تھیں۔ کرن یہاں سے جانے کے بعد ایک دفعہ بھی نہ آ سکی تھی۔ دل میں وہی پرانا خوف جو کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا، جو وہ کبھی بھولتی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ برہان لغاری، منال اور والدہ حضور نے اسے ابھی تک معاف نہ کیا ہوگا اور نہ وہ معاف کر سکتے تھے۔ بدلہ لینا اور کبھی نہ معاف کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ ان کا ورثہ تھا، ان کی پگڑی میں لگا وہ طرہ تھا جو نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا، پھر اس نے تو انہیں ایسی شکستِ فاش دی تھی جو ناقابلِ فراموش و ناقابلِ معافی تھی، یہی وجہ تھی جو اس نے کراچی کے بجائے اسلام آباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس کی وجہ سے سعد اور قاریہ بھی کراچی نہ گئے تھے، اتنا عرصہ ساتھ رہنے سے ان میں محبت کے تعلق اٹوٹ ہو چکے تھے۔ اتنے مضبوط کہ ان کے کہنے کے باوجود وہ لوگ کراچی نہیں گئے تھے۔ ان کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ قاریہ کا میکہ کراچی میں مقیم تھا۔ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ دو شادی شدہ بھائی اور ایک بیوہ بہن وہاں رہائش پذیر تھیں۔ اپنی فیملیز کے ہمراہ شروع سے ان کے تعلقات کی ڈور اتنی مضبوط تھی کہ ان سچے و کھرے و بے لوث جذبوں کو قاریہ کے میکے میں بھی مکمل پذیرائی ملی تھی۔ قاریہ کے والدین اور بہن بھائیوں نے بھی کرن، انس اور حورین کو سگوں کی طرح ہی چاہا تھا۔ کرن و قاریہ، حورین، ہریرہ اور اریج میں کوئی تفریق نہ تھی۔

پیار و محبت ان سب کے لیے یکساں تھی۔ قاریہ کی بھابیوں کو تو معلوم ہی نہ تھا کہ کرن ان کی سگی نند نہیں ہے، وہ اسے سگی نند سمجھتی آئی تھیں۔

اپنے دیس میں آ کر ماضی پھر سے اس کے لیے تازہ ہو گیا تھا، جس میں سرِ فہرست ماں کی یاد تھی جو کبھی دل سے جدا نہ ہوئی تھی مگر یہاں آ کر لگتا تھا، اس کی سانسوں میں ان کی کھوئی ہوئی مہک دوبارہ آ بسی ہے، پھر ایک احساس تھا، ایک خیال اس شخص کے متعلق جس کو اس نے دوست سمجھا تھا، بھائی سمجھا تھا اور وہ ان رشتوں کو پھلانگ کر دل کا تعلق قائم کر بیٹھا تھا اور بہت دور تک جا پہنچا تھا، جہاں سے واپسی اتنی سہل نہ تھی مگر پھر بھی اس نے اسے واپس لانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس کی شادی کی صورت میں......صمد نے اطلاع دی تھی، حمزہ کی شادی کی۔ ان دنوں وہ اور انس، گرینی اور مدثر صاحب کی جدائی کے غم میں اس قدر نڈھال و بکھرے ہوئے تھے کہ نہ اچھی طرح اس خبر کو سن

سکے اور نہ ہی حمزہ کو مبارک باد دے سکے۔ دوبارہ زندگی کے بکھیڑوں کی جانب لوٹتے وقت لگا تھا اور اسی دوران وہ حمزہ اور صمد سے ہر رابطہ بھول چکی تھی، پہلے غیر دانستہ، پھر دانستہ اور اب اس کے دل میں موہوم سی خواہش جاگ رہی تھی کہ جانے حمزہ اپنی ازدواجی زندگی میں خوش ہے؟ اس کی بیوی کیسی ہے؟ اور بچے، پھر نہ جانے کیا بات تھی حمزہ کے متعلق وہ جتنا سوچتی اتنی ہی اس کے اندر وحشت و عجیب سی سراسیمگی پھیل جاتی تھی جو اسے مضطرب کر ڈالتی، پھر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتی کہ حمزہ یقیناً خوش ہوگا، اچھی زندگی گزار رہا ہوگا، مرد کی محبت کب پائیدار ہتی ہے، وہ جتنی شدت سے آگے بڑھتا ہے، اس سے دگنی شدت سے پیچھے ہٹتا ہے، شاید اب اپنے بیوی بچوں میں مگن ہو کر اپنی سابقہ جذباتیت پر جھینپتا ہوگا، اپنا مذاق اُڑاتا ہوگا۔

وہ دعا کرتی تھی، جہاں رہے خوش رہے۔ اس سے ملنے کی اُمنگ کو دبانا ہی سودمند تھا کہ اس ایک باب کے کھلنے سے ہر ورق سامنے آتا، جن باتوں کو بچوں سے چھپا کر رکھا تھا کہیں وہ از خود ہی سامنے آجائیں یہ انہیں کسی قیمت پر گوارا نہ تھا، پچھلے کئی ہفتوں سے حورین کی ضد نے اس کی نیندیں اُڑا دی تھیں، سکون درہم برہم کر ڈالا تھا۔ وہ بی اے آنرز کے لیے کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے پر بضد تھی۔ اس نے دوسرے تمام شہروں کی اعلیٰ یونیورسٹیوں کے پروپوزلز آگے رکھے تھے، مگر وہ بضد تھی کراچی میں ہی ایڈمیشن لینے کو۔ اس نے حسب عادت اسے خوب باتیں سنائیں، ڈانٹا جواباً وہ بھوک ہڑتال کر کے کمرے میں بند ہوگئی اور اپنی ضد پوری کروا کر ہی باہر آئی تھی۔

انس نے کبھی اس کی بات نہیں ٹالی تھی، ہر ضد پوری کی تھی، اس بار بھی اس کی وجہ سے حورین اپنی منوانے میں کامیاب ہوگئی تھی اور پہلی بار کرن انس سے ناراض ہوئی تھی۔

''بہت خاموش ہو، کیا بات ہے؟ کیا پرابلم ہے؟'' اسے سنجیدہ و گم صم دیکھ کر انس مخاطب ہوئے تھے۔

''کوئی پرابلم نہیں ہے۔ کیا پرابلم ہو سکتی ہے مجھے بھلا؟ سب کام، ہر خواہش میری ہی پوری ہوتی ہے، بھلا میں کیوں پریشان ہوں گی''۔ انس کے بے فکرے انداز میں وہ بُری طرح تپ کر بولی تھیں۔

''اوہ! ارے بھئی! آج ہماری بیگم بہت بدلی بدلی، بلکہ روٹھی روٹھی دکھائی دے رہی ہیں، خیر تو ہے کیا ناراضگی ہوگئی ہے؟'' انس کرن کی طرف متوجہ ہو کر تعجب سے گویا ہوا۔

''پلیز انس! ہر بات کو اتنا ایزی لینے کی عادت ترک کرنی ہوگی آپ کو۔ میری مرضی کے خلاف آپ نے حورین کو کراچی ایڈمیشن لینے کی پرمیشن دی ہے، سب جانتے ہیں بلکہ نقصان اُٹھانے کے باوجود آپ نے اسے منع نہیں کیا، ہمیشہ سے آپ اس کی ہر بات مانتے، ہر ضد پوری کرتے آئے ہیں اگر یہ ایک ضد نہ مانتے تو قیامت تو نہ آجاتی، کتنی دفعہ کہا آپ سے، وہ لڑکی ہے اور ایسی ہٹ دھرمیاں و ضدیں اس کے فیوچر کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں، مگر آپ سمجھنا ہی نہیں چاہتے یہ سب''۔

''میں ان میں سے نہیں ہوں ڈارلنگ! جو کل کی فکر میں اپنا آج بھی برباد کر دیتے ہیں، آج کو آج ہی انجوائے کرو، کل کی کل دیکھی جائے گی، ایسی معمولی معمولی باتوں کی ٹینشن مت لیا کرو''۔ انس نے اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے بشاش لہجے میں کہا۔ کرن غصے

سے دور جا بیٹھی تھی۔

"یہ معمولی باتیں نہیں ہیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ کراچی گئی تو کہیں ......"

"کچھ نہیں ہوگا"۔

"کیسے نہیں، آپ نہیں جانتے ان لوگوں کو، بہت ذرائع ہیں ان کے، حورین کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں رہ پاؤں گی"۔ اس کا ضبط جواب دے گیا، وہ بُری طرح رو پڑی تھی۔

"یہی فکر، یہی سوچ مجھے ہر لمحہ بے کل رکھے ہوئے ہے"۔

"یہ کیا بچوں کی طرح اندیشے پال رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہوگا، بلاوجہ وسوسوں کا شکار مت ہو، زخم صرف تب تک تکلیف دیتا ہے جب تک تازہ ہو، اس کے بھرتے ہی اس کی تکلیف، اس سے وابستہ درد کے رشتے بھی بھول جاتے ہیں، ہم بیس سال بعد واپس آئے ہیں، وہ بھی اسی شہر میں اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، پھر کراچی کوئی تنگ گلی یا کسی چھوٹے محلے کا نام نہیں ہے، جہاں جاتے ہی وہ ٹکرا جائیں گے، وہ روشنیوں، رنگوں کا شہر ہے جہاں لاکھوں لوگوں کا اژدھام ہے، بھاگتی دوڑتی زندگی میں کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ پرانی باتوں کو کھوجتا پھرے۔ میں کتنی بار کراچی آتا جاتا رہا ہوں، پارٹیز، فنکشنز اٹینڈ کرتا رہا ہوں اور کسی سے بھی سامنا نہیں ہوا، بالفرض حوران سے ٹکرائی بھی تو وہ اسے کیسے شناخت کر سکتے ہیں؟" انس نے اسے تسلی دینے کی سعی کی مگر وہ ماں تھی ایک ماں کا دل کس قدر کمزور ہوتا ہے، یہ صرف وہ ہی جان سکتا ہے جو ان باتوں کا احساس رکھتا ہو۔ انس کی اتنی تسلی و دلاسوں کے باوجود وہ اپنے دل کو سمجھا نہ پا رہی تھی۔

"میں سمجھتی ہوں، سب جانتی ہوں مگر آپ حورین کو منع کر دیں"۔ وہ انس کے ہاتھ پکڑ کر جذباتی لہجے میں بولی۔

"اوکے، تو حقیقت سنو، تمہاری اس کیفیت اور ڈر کو جانتے ہوئے میں نے حور کو سمجھایا تھا اور وہ مان بھی گئی تھی، کسی اور یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے مگر وہ بے حد ڈسٹرب ہونے کے ساتھ ہی متجسس بھی ہو گئی تھی کہ اسے منع کرنے، روکنے کی وجہ کیا ہے آخر؟ تمہاری کیفیت اور میری مخالفت نے اسے اس حقیقت کے قریب پہنچا دیا تھا جو ہم اس سے چھپاتے آئے ہیں اور پوشیدہ ہی رکھنا چاہتے ہیں"۔

"اوہ...... ہو! مجھے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اتنی شدید ترین مخالفت کی وجہ اسے کیا بتائیں گے؟" کرن رونا بھول کر نئی اُلجھن کا شکار ہوئیں۔

"یہ انسانی فطرت ہے، اسے جس عمل سے روکا جائے، وہ از خود اس کی طرف ایسے کھنچا جاتا ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کھینچ کرتا ہے، حور بھی بضد تھی کہ اسے سچ سچ بتایا جائے، اسے کراچی سے روکنے کے پیچھے ایسا کیا راز ہے، میں نے بہت ٹالا، بہت سمجھایا مگر وہ پریشان تھی، جاننے کے لیے اصل معاملہ اور اس وجہ سے میں نے اسے اجازت دی کہ اس کے ذہن میں کوئی تحریک پیدا نہ ہو۔ یہ وجہ تھی اسے پرمیشن دینے کی جس پر آپ اتنی ناراض ہو رہی ہیں اور اتنے قیمتی آنسو بھی بہا ڈالے ہیں جو مجھے گوارا نہیں ہے"۔ اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو کرن نے گہری سانس لی۔

''میرے اندر کے خوف نے مجھ سے میرے حواس و بجھ چھین لی ہے، یہ تو بہت سیدھی بات ہے جس کا خیال مجھے کبھی نہیں آیا، اب کیا ہوگا؟''

''انشاءاللہ سب بہتر ہوگا، دل پر قابو پاؤ اور اسے خوشی سے اجازت دو''۔

''ہاں۔اب تو یہ کرنا ہی ہوگا''۔وہ بیٹھتے ہوئے آزردگی سے بولیں۔

''ڈونٹ وری ڈیئر! وہاں فاریہ بھابی کی فیملی جو ہے انہوں نے کب ہمیں غیر سمجھا ہے، سعد کی شادی سے آج تک وہ ہمیں سگوں سے زیادہ سمجھتے ہیں پھر حورین کی ان کے بچوں سے فرینڈ شپ ہے، کئی بار وہ لوگ نیویارک میں مل چکے ہیں۔امی جان اور صادقہ آپی کی عادت تم جانتی ہو، وہ ہم سے بڑھ کر خیال رکھیں گی اور اریج اور ہریرہ بھی ہیں''۔وہ ہر ممکن طریقے سے اسے سمجھا رہے تھے۔اس نے سر ہلا کر ہاں کہہ دی تھی مگر حورین کی روانگی تک وہ اسے سمجھاتی رہی تھیں۔

''مما! چلیں بہتر ہو جائے اگر کراچی......''

''شٹ اَپ حور! کبھی سیریس بھی ہو جایا کرو، میری فیلنگز سمجھنے کی کوشش کرو جان! میں آپ کو کس طرح خود سے جدا کر رہی ہوں، یہ میرا دل جانتا ہے اور آپ کو میری پروا نہیں ہے''۔کرن جو آج کل بات بات پر جذباتی ہو رہی تھی، بے اختیار رو پڑی تھیں۔

''او مما! میں مذاق کر رہی تھی، اگر آپ روئیں گی تو میں نہیں جاتی''۔حورین نے ماں سے لپٹ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں۔میں تمہارے کیریئر میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتی''۔

''پھر آپ کے یہ آنسو میرا راستہ روکتے ہیں، مجھے بے چین کرتے ہیں۔میری اور پپا کی کمزوری ہیں آپ کے آنسو''۔وہ رومال سے کرن کا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

''اپنا خیال رکھنا، کسی سے بھی فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اجنبی لوگوں سے ملو تو میرا یا اپنے پپا کا نام بتانے سے گریز ہی کرنا''۔

''ایسا کیوں ہے مما! یہ تنبیہ آپ مجھے بار بار کر چکی ہیں، کوئی تو سبب ہوگا''۔بار باران احتیاطی تدابیر نے اسے اُلجھا دیا تھا۔

''ہاں ہے''۔کرن نے اس کے ڈارک براؤن سلکی بال سہلاتے ہوئے کہا۔''وہاں انس کے کچھ کاروباری دشمن ہیں، ان کی وجہ سے ہے سب''۔

''مجھے یقین نہیں، پپا کے تو دشمن ہو ہی نہیں سکتے، میرے پپا اس دنیا کے سب باپوں سے بہتر باپ ہیں، وہ کسی کے دشمن نہیں ہو سکتے''۔اس نے قطعیت سے وہ سب ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''وہ خود کسی کے دشمن نہیں ہیں، ان کے دشمن ہیں''۔کرن نے آہستگی سے کہا۔

''او کے مما! میں خیال رکھوں گی''۔کرن کی مضطرب بھیگی بھیگی آنکھوں میں اسے کسی اَن جانے درد کی ایک دل دوز کیفیت نظر آئی تھی۔کل یہاں سے انہیں روانہ ہو جانا تھا، پہلی فلائٹ سے کراچی کے لیے۔وہ دیکھ رہی تھی، بات بے بات کرن کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

ماں کی کیفیت دیکھ کر اس کا دل بھی بہت اداس و پژمردہ ہو گیا تھا۔ سب سے چھپ کر کئی بار وہ رو چکی تھی، اب بھی دل مچلا کہ وہ خاموشی سے اُٹھ کر لان کے پچھلے حصے میں آ گئی جہاں گھنے درختوں کے نیم اندھیروں میں اسے کوئی آنسو بہاتے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ اپنے آنسو کسی سے شیئر کرنے کے موڈ میں نہ تھی، سو سورج مکھی کے رنگ برنگے پودوں کے پاس بیٹھ کر رونے میں اسے کوئی جھجک، کوئی فکر لاحق نہ ہوئی تھی۔

"روئے روئے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں
یہ کس کی شامت کے آثار نظر آتے ہیں"

نہ معلوم کس طرح ہریرہ اسے ڈھونڈتا وہاں جا نکلا اور اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر تعجب خیز انداز میں گنگنایا تھا۔

"ایک تم! ہر جگہ میرے پیچھے آدم بو، آدم بو پکارتے پہنچ جاتے ہو"۔

"اچھا آدم بو! تم نے مجھے جن بنا دیا اگر پیچھے لگ گیا تو کیسے پیچھا چھڑا پاؤ گی، یہ معلوم ہے؟" وہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھ کر بولا۔

"پیچھے پڑ کر تو دیکھو میں بتاؤں گی"۔ دو بدو جواب آیا۔

"ارے بندہ تو بچپن سے عاشق ہے آپ پر، اس سے بڑھ کر اور کیا پیچھے پڑنا ہو گا"۔ وہ حورین کی طرف دیکھ کر ہنس کر بولا۔

"ہونہہ، تم اسی خواہش پر مر جانا"۔ وہ بے نیازی سے بولی۔

"بہت پہلے مر گئے ہیں تم پر، اب بار بار کیا مریں گے"۔

"اچھا اچھا بکواس مت کرو، ہمیشہ بے وقوف رہو گے"۔ حورین کھڑی ہو کر بڑبڑائی، ساتھ وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

"حورین! تم سچ مچ روئی ہو؟" اس بار سنجیدگی سے وہ اس کی آنکھوں اور چہرے کو غور سے دیکھتا ہوا استفسار کرنے لگا۔

"ہاں"۔ اس کی آواز ایک بار باوجود ضبط کے بھرا گئی۔

"کیوں؟" وہ ازحد حیران تھا۔

"کیوں کیا؟ کیا میں رو نہیں سکتی؟" وہ جھلا گئی۔

"نہیں"۔

"کیوں نہیں؟"

"پتھر بھی کبھی روتے ہیں"۔ یکلخت وہ قہقہہ لگا کر بولتا ہوا سرپٹ بھاگا تھا اور غصے سے چلاتی حورین اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

☆......☆......☆

راحیلہ بیگم سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں، جب اچانک ہی بے حد مانوس سی خوشبو کے ساتھ مخصوص آہٹیں بھی سماعت میں گونجی تھیں۔

"السلام علیکم دادو"۔ ہر جذبے و اُمنگ سے یکسر بے نیاز بھاری سپاٹ لہجہ وجیہہ چہرے پر چھائی سنجیدگی کی دبیز تہہ، وہ سامنے تھا جس کو دیکھ کر مرجھا نہیں حقیقتاً ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک اُتر جاتی تھی، دل میں سکون و طمانیت پھیل جاتی تھی، وہ خوشی سے مسکراتی آگے بڑھی تھیں۔

"وعلیکم السلام جگ جگ جیو"۔ اس کی پیشانی چوم کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ سرشاری سے بھرپور تھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اتنے دن لگا دیے یہاں آنے میں۔ معلوم بھی ہے دادو تمہاری صورت دیکھ کر جیتی ہے پھر بھی اتنے دن لگاتے ہو آنے میں ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی اس قدر دوری ہے"۔ وہ رونے لگی تھیں۔

"سوری دادو! آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی"۔ ذوالنون آہستگی سے بولا تو وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

"ماں کیسی ہے تیری اور نانا تو، نانا ٹھیک ہیں؟"

"فرسٹ کلاس ہیں سب، مزے میں ہیں"۔

"کونین ایک ہفتہ قبل آیا تھا، شکایت کر رہا تھا تمہاری"۔

"میری شکایت"۔ سیاہ گھنی مونچھوں تلے گلابی لبوں پر لمحے بھر کو مسکراہٹ اُبھر کر معدوم ہوئی تھی پھر ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مجھ سے تو نہیں کی"۔

"ہاں، تم سے کیوں کرتا، میں جو بیٹھی ہوں یہاں"۔

"اللہ آپ کا سایہ ہم پر تاحیات رکھے"۔ وہ دھیمے سے گویا ہوا۔

"کیوں تنگ کرتے ہو ماں کو، وہ پہلے ہی دکھی ہے، سہاگن ہوتے ہوئے بھی بیواؤں کی طرح رہ رہی ہے۔ حمزہ نے کم دکھ دیے ہیں جو تم بھی اسی کو پریشان کرنے لگے"۔ راحیلہ بیگم کے لہجے میں بہو کی محبت تھی۔

"یہ صرف آپ کی سوچ ہے دادو، ورنہ میں نے مام کو کبھی بابا کو مس کرتے نہیں دیکھا، ان کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ لائف کو اسی طرح انجوائے کرتی ہیں جس طرح ان کے سرکل میں تمام میرڈ، اَن میرڈ لیڈیز کرتی ہیں"۔ یک دم اس کے لہجے میں بیزاری اکتاہٹ در آئی تھی۔

"تُو کیا جانے پگلے! عورت اپنے دکھ سات پردوں میں چھپا کر رکھتی ہے، اس کے ہنستے مسکراتے چہرے کے پیچھے روتا، سسکتا دل کسی کو نظر نہیں آتا"۔

"آپ نہ معلوم کتنی صدیوں پرانی عورت کا ذکر کر رہی ہیں۔ اس دور کی عورت ایسی خوب صورت وشفاف صفات سے آشنا نہیں ہے۔ یہ درد دینا جانتی ہے، درد سہنا نہیں"۔ اس کے لہجے میں نفرت و ناپسندیدگی اتنی شدید تھی کہ راحیلہ سب بھول بھال کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"ارے...... پرنس بھائی!" اندر داخل ہونے والا معیز اسے بیٹھے دیکھ کر خوشی سے چہکتا ہوا اندر آیا اور اس سے لپٹ گیا۔

"اونٹ کی طرح قد بڑھ گیا ہے مگر تمیز نہ آئی، یہ کیا اٹھائی گیروں والا طریقہ ہے، نہ سلام نہ دعا، آکر آسیب کی طرح چمٹ گیا"۔ وہ معیز کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

"سلام تو میں نے کیا تھا دادو"۔ وہ سنبھل کر بیٹھا۔

"کب کیا تھا؟"

"ابھی تو کیا..... مگر دل میں"۔ اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"ایسے سلام کا کیا فائدہ جو خود سنو، خود جواب دو"۔

"او کے، آئندہ زور سے سلام کروں گا"۔ وہ خجل سا ہوا۔

"تم آرام سے بیٹھو، میں تمہارے لیے انڈوں کا حلوا بناتی ہوں"۔ وہ اُٹھتے ہوئے اس سے گویا ہوئی تھیں۔

"آپ ریسٹ کریں دادو، میں آنٹی سے ملتا ہوا آیا ہوں، وہ تیار کر رہی ہیں"۔

"ارے رہنے دو یار! تمہارے وسیلے سے ہم کو بھی مل جائے گا دادو کے ہاتھوں کا بنا ہوا انڈوں کا حلوہ، ورنہ..... آہ! ہمارے نصیب میں تو ڈنڈے ہی ہوتے ہیں بجائے حلوے کے"۔ معیز نے سرد آہ بھری، ساتھ ان سے ایک تھپڑ بھی وصول کیا۔

"ایک نمبر کے شریر ہو، حرکتیں دیکھا کرو اپنی"۔ وہ کہتی ہوئی چلی گئیں۔

"ہماری حرکتیں ایک عالم دیکھتا ہے، ہمیں فرصت کہاں ہے"۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"فنٹاسٹک! اور آپ سناؤ، آج کل یونیورسٹی میں ایڈمیشن چل رہے ہیں، نیو کمرز کی دھڑا دھڑ انٹریز ہو رہی ہوگی؟"۔

"ہاں، ظاہر بات ہے، نئے اسٹوڈنٹس تو آئیں گے"۔

"حمزہ کس وقت آ رہا ہے اسپتال سے اور خضر بھی نہیں آیا ابھی تک"۔

"لیجیے نام لیتے ہی حاضر ہو گئے دونوں"۔ پورچ میں کارز رکنے کی آواز آئی تھی۔ آواز سن کر معیز ہنستے ہوئے بولا۔

"بائی داوے جو نام لیتے ہی نازل ہوتے ہیں، انہیں کیا کہتے ہیں؟" وہ ذوالنون کے ساتھ چلتے ہوئے شرارت سے پوچھنے لگا۔

"آج کل معیز کہتے ہیں"۔ اس کے سنجیدہ جواب پر معیز کا چھت پھاڑ قہقہہ تھا۔

☆......☆......☆

وہائٹ ہاؤس میں شام پوری رونقوں و رنگینیوں سمیت اُتری تھی۔ وہ دن میں کراچی پہنچے تھے، سب سے ملنے اور خاطر و تواضع کے بعد بی بی جان جن کی حکمرانی بلا شرکت غیرے سب پر چلتی تھی، انہوں نے دوپہر کو زبردستی اُن سب کو آرام کرنے کمروں میں بھیج دیا تھا۔ سعد اور فاریہ جو انہیں چھوڑنے آئے تھے، ان کے علاوہ ان تینوں نے دوپہر سو کر ہی گزاری تھی۔ شام میں فریش ہو کر وہ اپنے کمروں سے نکلے تو بی بی جان کے حکم پر لان کی سبز تراشیدہ گھاس پر سرخ قالینوں پر دستر خوانوں پر چائے اور دیگر لوازمات کا بھرپور اہتمام کیا گیا تھا۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا۔ ہنسی، مذاق اور اپنائیت و یگانگت کی چاشنی نے لطف دوبالا کر دیا تھا۔

"ارے...... یہ کیا بھئی! تم نے اتنی جلدی کیوں ہاتھ کھینچ لیا؟"

بی بی جان جو سب کا دھیان رکھ رہی تھیں، حورین کو دیکھ کر بولیں۔

"بی بی جان! میں نے بہت سارا کھایا ہے"۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"دو چمچ چنے کی چاٹ اور دو پھلکی دہی بڑوں سے تمہارا پیٹ بھر گیا؟ لڑکی! یہاں یہ سب نہیں چلے گا۔ یہ ڈائٹنگ، وائٹنگ میں لڑکیوں کو کرنے نہیں دیتی، یہی تو عمر ہے کھانے پینے کی"۔ وہ اس کی پلیٹ میں چکن رول، ویجی ٹیبل اینڈ ایگ سینڈوچ رکھتے ہوئے بولیں۔ حورین جو اسپائسی اور آئلی غذا کی عادی نہ تھی، پھر بی بی جان کی بے انتہا محبت و اپنائیت سے متاثر تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس طرح ان کا دل بھی رکھے اور اس فوڈ سے بھی بچ جائے۔

"کھاؤ بچے! ابھی کھانے کے دن ہیں۔ ویسے بھی مجھے سوکھی سڑی سی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ موئے اس فیشن کو آگ لگے جس نے بچے اور بچیوں کو ٹی بی کے مریضوں کی طرح سوکھا کر دیا ہے"۔ وہ اس کی فل سائز ڈش میں سموسوں اور ڈونٹس کا اضافہ کر کے بڑے پیار سے سرزنش کرتے ہوئے بولیں اور پلیٹ پکڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"گھبرائے گھبرائے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں"۔ اس کے قریب بیٹھا ہریرہ مسکراتے لہجے میں اس کی جانب معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہریرہ پلیز ہیلپ می!" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہوں...... ایک شرط پر"۔ وہ اس کے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"ڈیل، مرو کہیں ڈوب کر"۔

"تمہاری آنکھوں سے گہرے بھی کوئی ساگر ہو سکتے ہیں، ڈوبنے کے لیے"۔

"سرِ محفل کانا پھوسی نہیں چلے گی"۔ رؤف نے احتجاج کیا۔

"یہ چیٹنگ ہے"۔ سفیان نے احساس دلایا۔

ان سب کے لہجے سرگوشیوں سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ وجہ بی بی جان کا فوجی ڈسپلن تھا جس کی پاسداری ہر چھوٹے بڑے پر لازم تھی۔

"یہاں آئے ابھی چوبیس گھنٹے نہیں ہوئے اور "ظالم سماج" کی دیواریں راستے میں حائل بھی ہونے لگیں، اسی لیے منع کر رہا تھا یہاں آنے کو"۔ ہریرہ کے انداز میں ان سب کی دبی دبی ہنسی نے بی بی جان کو ان کی طرف متوجہ کیا جن کو متوجہ ہوتے دیکھ کر وہ سب جلدی جلدی اپنی پلیٹوں پر جھک گئے۔ حورین نے بھی گڑبڑا کر سموسہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔

☆......☆......☆

فائقہ اور منال ابھی پارٹی سے آ کر بیٹھی تھیں، حسبِ معمول منال کے حُسن کو سراہا گیا تھا۔ دو جوان بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود اس کی رعنائی و دل کشی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ وہ ایسے ستائشی و توصیفی جملے سننے اور نگاہوں کی داد لینے کی عادی ہو چکی تھی مگر آج وہ کچھ مضطرب و افسردہ سی لگ رہی تھی۔ فائقہ، بیٹی کی خاموشی و اضطراب پر نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ پارٹی میں وہ اس کی بے چینی نوٹ کرتی رہی تھیں، گھر آ کر وہ پوری طرح اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

جس بے دلی سے منال نے پرس پھینکا، سینڈل سے پاؤں آزاد کیے اور بے جان انداز میں صوفے پر گرنے کے انداز میں نیم دراز ہوئی تھی۔ وہ فائقہ کو چونکانے، بلکہ پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔

"آر یو رائٹ؟" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگی تھیں۔

"یس۔ فہمیدہ سے کہہ کر کافی بنوائیں، سر میں درد ہو رہا ہے"۔ وہ روبی کے چمکتے ہوئے ایئر رنگز اُتارتے ہوئے بولیں۔

"زیادہ درد ہو رہا ہے تو ڈاکٹر کو فون کر دیتی ہوں"۔

"نو۔ نو مما! معمولی سا درد ہے، کافی سے ٹھیک ہو جائے گا، اگر نہ بھی ہوا تو پین کلرز ہیں میرے پاس وہ لے لوں گی"۔ وہ اب نیکلس اُتار رہی تھی، پھر اس کے بعد ڈائمنڈز کی انگوٹھیوں کا نمبر آیا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام زیورات اس کے جسم سے اُتر کر قریب رکھی ٹیبل کے شیشے کی سطح پر جمع ہو گئے تھے۔ آخر میں ریسٹ واچ اور بریسلٹ رکھ کر وہ صوفے پر دراز ہو گئی تھی۔

فہمیدہ کافی لے آئی اور مگ انہیں دیے تھے۔

"فہمیدہ! یہ جیولری، پرس اور سینڈل لے جا کر منال کے بیڈ روم میں رکھ آؤ"۔ وہ مگ لیتے ہوئے بولیں۔

"اچھا بیگم صاحبہ!" فہمیدہ نے بڑی احتیاط سے سب سامان اُٹھایا اور وہاں سے چلی گئی۔ اس کی واپسی تک ان کے درمیان خاموشی رہی تھی۔ وہ صوفے کے پاس منال کے سلیپر رکھنے لگی تو وہ گویا ہوئیں۔

"کونین اور پرنس نے ڈنر کیا تھا؟"

"کونین صاحب کسی دوست کے ہاں گئے تھے اور پرنس صاحب نے منع کر دیا تھا، انہوں نے کھانا نہیں کھایا"۔

"کھانا نہیں کھایا، کیوں؟" وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"معلوم نہیں جی، میں کھانے کا کہنے گئی تو پوچھنے لگے ٹیبل پر کون کون ہے۔ میں نے کہا آپ کے سوا کوئی نہیں، دونوں بیگم صاحبہ پارٹی میں گئی ہیں اور کونین صاحب کسی دوست کے ہاں ڈنر کریں گے تو کہنے لگے، مجھے بھوک نہیں ہے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا"۔ فہمیدہ نے پوری بات بتا دی اور ان کے اشارے پر باہر چلی گئی۔

"سنا مما! یہ لڑکا اس طرح ٹیز کرتا ہے مجھے"۔

"ٹیز نہیں کرتا، بس نیچر ہے اس کی، بلاوجہ ٹینس مت ہوا کرو"۔ وہ کافی پیتے ہوئے لاپروائی سے گویا تھیں۔

"آپ نہیں سمجھ رہی ہیں مما، میں جانتی ہوں اسے، قد میں اپنے باپ اور بھائی سے بھی اونچا ہو گیا ہے، مگر انداز ابھی بچگانا ہی ہے، اس عمر میں نوجوان ایسی کسی بات کی پروا نہیں کرتے لیکن اس کے اندر کا ضدی و خود سر بچہ ابھی بھی اس طرح توجہ مانگتا ہے"۔ منال کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"وہ بچپن سے ہی بہت مختلف مزاج رکھتا ہے، آج کی کی جنریشن کی طرح کوئی فضول یا بی نہیں ہے اس کی، بہت عقل مند، سادہ اور خود اعتماد ہے۔ میری فرینڈز بہت تعریف کرتی ہیں اس کی"۔

"وہ خود اعتماد نہیں، اُلجھن کا شکار ہے۔ شدید بد اعتمادی ہے اُسے، حمزہ چلے گئے اور اس کا ذمے دار وہ مجھے سمجھتا ہے بلکہ ہر عورت، ہر لڑکی اس کے لیے قابلِ نفرت ہے"۔

"کیوں لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنا ذہنی سکون تباہ کرتی ہو، لوگ بکواس بھی تو کرتے ہیں"۔ وہ خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر بولیں۔

"سچ ہے جو لوگ بتاتے ہیں پھر کیا ہم گھر میں اور گھر میں ہونے والی پارٹیز میں، اس کا سلوک نہیں دیکھتے۔ اوّل تو کسی سے ملنے کو راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو بھی جائے تو نگاہ اُٹھا کر دیکھنا تو درکنار سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا، پھر جو شخص ماں سے ڈھنگ سے بات نہ کرتا ہو وہ کسی سے کیا اچھا سلوک کرے گا"۔ منال نے چند گھونٹ کافی لے کر مگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"قد بے شک اس کا بڑھ گیا ہے۔ عمر بچپن کی حدود سے نکل آئی ہے، مگر وہ بچپن کے اس لمحے کی قید سے ابھی تک خود کو آزاد نہیں کر پایا، جب اس کا باپ ایک عورت کی چاہ اور دوسری عورت کی مخالفت میں سب رشتے فراموش کر کے گھر سے چلا گیا تھا۔ باپ کا وہ روپ باپ کی وہ نفرت اور خود کو چھوڑ کر جانے والے ان اذیت ناک لمحوں کی قید میں وہ آج تک ہے اور نہ معلوم کب تک رہے گا۔ ایسے میں اسے بھرپور پیار و توجہ کی ضرورت ہے"۔

"جو میں نہیں دے سکتی، کسی مڈل کلاس عورت کی طرح۔ میری اور ذمے داریاں ہیں، مصروفیات ہیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا یہ سب؟" وہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ساتھ فائقہ بھی اُٹھ گئیں۔

"او کے، یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، جس کی ٹینشن لی جائے، ریسٹ کرو، میں دیکھتی ہوں پرنس کو"۔ وہ اس کو تسلی دیتے ہوئے پرنس کے پورشن کی طرف آ گئیں، مگر وہاں کی تمام لائٹس آف دیکھ کر وہ چند لمحے کھڑی سوچتی رہیں کہ آگے بڑھیں نہ بڑھیں، کیونکہ لائٹس آف ہونے کا مطلب تھا، وہ اب کسی قیمت پر اپنے روم کا دروازہ نہیں کھولے گا، خواہ کچھ بھی ہو جائے، وہ خاموشی سے پلٹ آئیں۔

☆......☆......☆

"یہ تھوبڑا کیوں سوجا ہوا ہے تمہارا؟ مسکراہٹ کہیں گروی رکھ دی ہے؟" حورین نے بریرہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حقیقت نہ پوچھ میرے فسانے کی
تیرے جاتے ہی بدل گئی نظر زمانے کی

لوگ پوچھتے ہیں میں خوش کیوں نہیں

کیوں کہوں میری عادت تھی تیرے سنگ مُسکرانے کی"۔ وہ ایک ادا سے بولا

"بکواس کرتے کرتے مرجانا، مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے کا"۔

"دوقدم ساتھ تو چلو میرے ساتھ اس راہ پر

عمر بھر کا نہ بنالیا تو کہنا

محبت تو سبھی کرتے ہیں اس دُنیا میں

ہر حال میں نہ اپنا لیا تو کہنا

"واہ...... واہ بھئی! کیا زبردست مشاعرہ ہے مکرر ارشاد"۔ شریروں کا پورا ٹولہ انٹری دیتا ہوا شور کر رہا تھا۔

"دہرانے کے جذبے نہیں ہوتے یہ بچو!" بردباری سے فرمایا گیا۔

"دہرا نہیں کرسکتے دادا جان، تو دہرا دیجئے"۔ واصف کے احترام وسعادت مندی پر لڑکیاں ہنسنے لگیں اور لڑکے مُسکرا دیے تھے۔

"ابے یہ دادا کس کو کہا؟" ہریرہ تڑپ اُٹھا۔

"تمہیں!"

"مجھے۔ تو تم کون ہو؟"

"ہم بھی فیوچر کے دادا، نانا وغیرہ وغیرہ ہیں"۔ واصف نے چالاکی سے بات سنبھالی۔

"وصی! تُو بہت غلط آدمی ہے، تیری نالج ہمیشہ کمزور رہی ہے"۔ سفیان نے اسے دھپ مارتے ہوئے کہا۔

"آدمی؟ یہ آدمی کس کو کہا تو نے؟" واصف زور سے چیخا۔

"تجھے بھائی!"

"میں...... میں تجھے آدمی نظر آرہا ہوں؟"

"یار! یہ گدھا ہے تُو نے اسے آدمی بنا دیا"۔ ہریرہ نے کہا۔

"میرے بھائی! آہستہ بول"۔ رؤف نے سرگوشی کی۔

"کیوں؟" ہریرہ نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"گدھا بُرا مان جائے گا"۔ رؤف کی وضاحت نے واصف کے پتنگے لگا دیے، وہ اس کے پیچھے مُکا تان کر بھاگا، جبکہ باقیوں کے قہقہے وہاں گونج رہے تھے۔ ہریرہ نے اُٹھ کر واصف کو پکڑ کر بٹھایا تھا۔

"وصی کا مطلب تھا کہ وہ ابھی لڑکا ہے، آدمی تو پاپا بننے کے بعد کہلاتے ہیں"۔ ہریرہ نے واصف کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"ویسے تو ابھی بھی "پاپا" لگتا ہے"۔ سفیان نے ہنستے ہوئے اس کی اسمارٹ نس پر چوٹ کی اور محفل پھر ایک بار زعفران زار بن گئی۔

"تم سے تو پھر بھی بہتر ہوں، پچھلے ہفتے تیار ہو کر یہ ڈیٹ پر جا رہا تھا۔ تھری پیس سوٹ زیب تن کر کے جاتے جاتے بی بی جان سے تعریف سننے کا موڈ ہوا اور پہنچ گیا ان کے پاس"۔ واصف سفیان کی طرف دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا جس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔

"اتفاقاً اس دن بی بی جان کا روزہ تھا۔ وہ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی عادی ہیں اور جس دن ان کا روزہ ہو، اس دن سب لوگ از خود احتیاط کرتے ہیں، ان سے گفتگو کرنے میں اور ہم تو دور ہی رہتے ہیں کیونکہ روزے میں بی بی جان کا مزاج "سوا نیزے" پر ہوتا ہے، اگر کسی کو بلاوجہ شامت بلوانی ہو تو ان سے مخاطب ہونا کافی ہوتا ہے"۔

حورین دلچسپی سے دیکھ اور سن رہی تھی۔ لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی جاری تھی۔ سفیان کے چہرے پر کھسیاہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔

"یہ صاحب پہنچ گئے ان کے پاس اور کہنے لگے بی بی جان! کیسا لگ رہا ہوں اس سوٹ میں، سات ہزار کا آج ہی لایا ہوں۔ بی بی جان نے ہاتھ میں پکڑی تسبیح ایک طرف رکھی اور عینک درست کر کے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا اور بولیں، ناہنجار نگوڑے سات ہزار کو آگ لگا کر آ گیا، یہ کوئی سوٹ ہے پہلے خود کو تو دیکھ، اپنی صحت دیکھی ہے، ایسا لگ رہا ہے جیسے ہینگر پر کپڑے ٹانک دیئے ہوں، یہ ٹانگیں اور ہاتھ دیکھ، گویا بلیاں فٹ ہوں اور یہ منہ...... منہ دیکھو جیسے سوکھا چھوارا ہو"۔

"واصف بی بی جان کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ سب ہنس رہے تھے۔ اسی دم یلا کی نگاہ کھڑکی پر پڑی تھی جہاں سے بی بی جان کو جھانکتے دیکھ کر اس کی قلقل کرتی ہنسی اس کے گلے میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ اسے خاموش دیکھ کر موحل اور سنبل کی نگاہوں نے بھی بی بی جان کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اٹھ کر جانا ہی چاہتی تھیں کہ بی بی جان جلدی سے دروازے کی سمت بڑھیں اور دوسرے لمحے وہ کمرے کے اندر تھیں۔ غیر متوقع طور پر انہیں سامنے دیکھ کر لڑکوں کو گویا سانپ سونگھ گیا اور لڑکیاں ماسوائے حورین اور اریج کے کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ سب ہی بوکھلائے، گھبرائے ہوئے تھے۔ کچھ ساعت قبل قہقہوں سے گونجنے والا لاؤنج گمبھیر خاموشی کی لپیٹ میں تھا۔

"بی بی جان! آئیں یہاں بیٹھیں"۔ حورین اٹھ کر ان سے مخاطب ہوئیں، جو دبیز عینک کے پیچھے سے سب کو باری باری گھور رہی تھیں۔

"سدا خوش رہو بیٹی! میں یہاں یہ دیکھنے آئی ہوں، میرے بھائیوں کے یہ ناہنجار سپوت و سپوتیاں کس پر اتنا کھلکھلا رہے ہیں۔ ذرا میں بھی سنوں، کون ان کے مذاق کی زد پر ہے؟" وہ ان کو گھورتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ان سب نے ہی سکون کی سانس لی کہ وہ کچھ دیر قبل کہی گئی بات نہ سن پائی تھیں ورنہ......

"ہم اور کسی کا مذاق اڑائیں استغفراللہ، استغفراللہ۔ یہ کس طرح ممکن ہے بی بی جان! کیا آپ کو اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں"۔ واصف نے کانوں کو ہاتھوں لگاتے ہوئے بھولپن سے کہا۔

"اپنی تربیت پر تو بھروسہ ہے مگر تمہاری نیت پر نہیں۔ سب جانتی ہوں، جتنا تم زمین کے اوپر ہو اس سے دگنا زمین کے نیچے ہو۔

تمہاری شرارتوں سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا"۔ انہوں نے واصف کے دھپ لگائی۔ "لڑکیو! اچھے میاں کے ہاں دعوت ہے، چل رہی ہو؟"

"بی بی جان! آپ بھول رہی ہیں، آج حورین نے ڈنر میں انوائیٹ کیا ہے ہمیں"۔ موّل نے تیزی سے یاددہانی کرائی۔

"ہاں...... ہاں یاد آیا، مجھے بھی کہا تھی بچی نے"۔

"بی بی جان! آپ چلتیں ہمارے ساتھ تو بہت مزہ آتا"۔ حورین نے کہا۔

"ضرور چلتی بیٹی! اگر اچھے میاں کے ہاں جانا اہم نہ ہوتا۔ عام تقریبات میں میں بالکل نہیں جاتی مگر جہاں کچھ تحفے تحائف دینا ہوتا ہے وہاں جانا پڑتا ہے، ورنہ لوگ سوچتے ہیں دینے سے جان چھڑانے کے لیے شرکت نہیں کی"۔ حورین سے میٹھے لہجے میں بات کر کے لڑکیوں سے مخاطب ہوئیں۔

"ہر وقت ہاہا، ہی ہی میں وقت ضائع کرتی رہا کرو۔ کوئی ڈھنگ کا کام کرنے کا تو کبھی سوچنا ہی نہیں"۔

"میں کپڑے پریس کرنے جا رہی تھی"۔ ہیلا نے قدم آگے بڑھایا۔

"سب نماز پڑھنے کے بعد جانا اور جلدی لوٹنا، پر یہ مت سوچنا کہ گھر سے نکل گئے تو اب کوئی پوچھنے والا نہیں ہے"۔ ان کا انداز حکمیہ تھا۔

☆......☆......☆

"کیا کھاؤ گے؟" ہنزہ نے مینیو دیکھتے ہوئے ذوالنون سے پوچھا۔

"جو مرضی چاہو، منگوالو"۔ وہ چیئر پر ڈھیلے انداز میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"پھر بھی اپنی اپنی چوائس ہوتی ہے کوئی فیورٹ ڈش بتا دو"۔

"کوئی ڈش میری فیورٹ نہیں ہے"۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے، تم سی فوڈ بہت شوق سے کھایا کرتے تھے"۔ ہنزہ مینیو کارڈ ویٹر کو پکڑاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہاں، وہ پاسٹ تھا، اب پریزنٹ میں نہیں"۔ اس کے انداز میں وہی برفیلی سنجیدگی وسپاٹ قطعیت تھی جو کسی کو بھی ایک حد سے تجاوز کرنے نہیں دیتی تھی۔ ہنزہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہا۔

"کبھی اپنے اس آہنی خول سے باہر بھی آجایا کرو یار، یہی ہنسنے اور مسکرانے کے دن ہیں، پھر نہ معلوم زندگی موقع دے نہ دے"۔

"یہ خول میری ذات کا حصہ بن گیا ہے۔ اس سے باہر نکلنا بھی چاہوں تو نہیں نکل پاؤں گا"۔ اس کی خوب صورت و بھاری آوز میں عجیب جاذبیت تھی۔

"تم نکلنا نہیں چاہتے میری جان!" جواب میں وہ خاموش رہا تھا۔ ویٹر ٹرالی لے آیا تھا اور بے حد آہستگی سے چیزیں اور کراکری ٹیبل پر سیٹ کر رہا تھا۔ ذوالنون نے وقت گزاری کے لیے اِدھر اُدھر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ دھیمی لائٹس، اے سی کولنگ میں دل فریب

خوشبوؤں سے ماحول مہک رہا تھا۔ لائٹ میوزک کے ہمراہ کانٹوں، چمچوں کی کھنکناہٹیں، انوکھا تاثر پیش کر رہی تھیں، تمام ٹیبلز ریزورڈ تھیں۔ لوگ کھانے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے، مگر کسی کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔ ماحول کا سکون وسکوت اسی طرح قائم تھا۔ ویٹرز بھی وہاں اس طرح آ جا رہے تھے، گویا زمین پر نہیں، پانی پر چل رہے ہوں۔ ان کے دبے دبے قدموں کی چاپ ریڈ کارپٹ ہضم کر رہا تھا۔

ویٹر کھانا سرو کر کے چلا گیا تھا۔

انہوں نے کھانا شروع کیا ہی تھا، جب ان سے کچھ فاصلے پر ٹیبل پر بیٹھے ایک نوجوان کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی۔

"ان حسینوں سے رسم وفا اور دل لگانا

سراسر بھول ہے

جس دن یہ اقرار کرے محبت کا

سمجھ لینا اپریل فول ہے" بڑے دل جلے انداز میں کہا گیا تھا۔ جواب میں ایک نسوانی قہقہہ اُبھرا تھا۔ ساتھ دھیمی آواز میں دوسرے قہقہے بھی۔

چکن فرائیڈ رائس سے چکن پیس فورک میں پھنسائے منہ کی طرف جاتا ذوالنون کا ہاتھ رُک گیا تھا۔ اس کی نگاہ بے ساختہ سامنے اُٹھ گئی تھی۔ سرخ وسیاہ امتزاج کے اسٹائلش سوٹ میں اس کی گلابی مائل سفید رنگت، شرارت سے چمکتی براؤن آنکھیں ان پر سایہ فگن دراز پلکوں کا چلمن، ستواں ناک، لپ اسٹک سے رنگے سرخ یاقوتی لبوں پر سحر انگیز مسکراہٹ اور گالوں میں پڑنے والے گہرے گہرے ڈمپل، وہ اَب بھی ہنس رہی تھی۔

کوئی احساس

کوئی جذبہ

دل کی بنجر زمین میں سر نہ اُٹھا سکا تھا، مگر ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ صنفِ مخالف کی جانب اُٹھنے والی اس کی نگاہ فوراً نہ پلٹ سکی تھی۔

"اہم ہوں ہوں، لڑکی خوب صورت ہے نام؟" سامنے کھانا کھاتا ہوا حمزہ اس کی جانب دیکھتا شوخ ومعنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔

"وہاٹ! نان سینس، یہ لڑکیاں ہوتی ہی بے وقوف ہیں اور یہ گرل تو بالکل ہی غیر مہذب ہے"۔ وہ بولا تو دُنیا بھر کی بے زاری و بے گانگی اس کے لہجے میں در آئی تھی۔ کھانے کے دوران پھر ان کی گفتگو دوسرے موضوع پر چلتی رہی تھی اور برابر کی ٹیبل سے دھیمے دھیمے قہقہوں وچٹکلوں کی آوازیں آتی رہی تھیں، پھر وہ متوجہ نہ ہو سکا تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ باہر نکل رہے تھے۔ حمزہ کے چند جاننے والے مل گئے۔ مجبوراً اسے انہیں کمپنی دینے کے لیے اندر دوبارہ جانا پڑا تھا۔ وہ معذرت کر کے باہر لان میں نکل آیا تھا جہاں آرائشی پودوں کے ساتھ پھولوں کی سیٹنگ بڑی دل کش تھی۔

یہاں لائٹنگ کا انتظام بہت نامناسب تھا۔ مرکری کے اکلوتے بلب نے سحر خیز روشنی پھیلا رکھی تھی، وہ وہاں نصب بنچ پر بیٹھ گیا اور آسمان کو دیکھنے لگا۔

آسمان پر چاند اپنی پوری آب و تاب سے لشکارے مار رہا تھا۔ شاید ماہ کا وسط چل رہا تھا جو چاند کی جولانیاں عروج پر تھیں۔ گزرے وقت کے کئی مناظر اس کے ذہن کی اسکرین پر متحرک تھے جن میں وہ اپنے بابا کی اُنگلی پکڑے آگے آگے رواں دواں تھا۔

چاند اور چاندنی رات!

ستاروں بھرا آسمان

گنگناتیں، پھولوں کے بوجھ سے جھکی شاخیں، معطر فضا، یہ سب بابا کو پسند تھا اور اسے بھی، ایسی ہی ایک رات تھی جب اس نے بابا کو چاند کو تکتے پایا تھا اور ان کے سینے پر سر رکھ کر دریافت کیا تھا۔

''بابا! آپ کو مون اچھا لگتا ہے؟''

''ہوں!...... ہاں۔ اچھا لگتا ہے مجھے چاند اور چاند رات''۔

''مجھ سے بھی اچھا؟'' وہ چاند کو گھورتے ہوئے جیلسی لہجے میں بولا۔

''آپ جیلس ہو رہے ہو مون بیٹے؟'' حمزہ نے بیٹے کے انداز کو محسوس کر کے مسکرا کر پوچھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ ہنس پڑا۔

''مون سے بھی کوئی جیلس ہوتا ہے مون سب کا ہے''۔

''میں تو صرف آپ کا ہوں''۔ وہ ایک بار پھر ان سے لپٹا تھا۔

''ہوں، اس میں کوئی شک نہیں ہے''۔ حمزہ نے اس کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔

''پھر مون کو آپ اس طرح مت دیکھا کریں، جس طرح مجھے دیکھتے ہیں''۔

''مون کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں ہمیشہ اپنے اس دوست کا چہرہ نظر آتا ہے جو دور ہو کر بھی ہمارے دل سے قریب ہوتا ہے، ہماری لگاہوں سے دور نہیں ہوتا''۔ باپ کی کھوئی کھوئی بھیگی سی آواز آج بھی اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی اور اس کے اندر جل تھل ہونے لگی۔

''بابا! مون اور مون نائٹ آج بھی آپ کی پسند ہے؟ کیا آپ آج بھی اس میں اپنے فرینڈز کے چہرے دیکھتے ہیں؟ کیا مون میں آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے؟ اس نے بنچ سے سر لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ وحشتیں، حسرتیں اس کے اردگرد رقصاں ہونے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''مزہ آ گیا! آج تم نے حاتم طائی کی روح کو بھی حیران کر ڈالا ہے، اتنی بھاری سخاوت دکھا کر''۔ سفیان ایپل پائی کی ڈش اپنی جانب کھسکاتا توصیفی انداز میں گویا ہوا۔

"دعا دو بیٹا! مجھ کو، نہ میں اس سے شرط جیتتا، نہ یہ مزے اُڑاتے"۔ ہریرہ نے گرین سلاد بریانی پر ڈالتے ہوئے اترا کر کہا۔

حورین اور مومل ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر پُر اسرار انداز میں ہنس پڑی تھیں۔

"ارے لڑکیو! اب تو اپنی ہنسی پر قابو کرو، سب مُڑ مُڑ کر دیکھ رہے ہیں"۔ واصف نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اوکے، تم لوگ کھاؤ، ہم اتنے میں باہر کی سیر کرتے ہیں"۔ حورین اور مومل اُٹھتے ہوئے بولیں۔ اریج، پیلہ اور زہرا آئس کریم کھا رہی تھیں۔

"تم کہاں جا رہی ہو، ابھی ہم بہت کچھ کھائیں گے"۔ ہریرہ نے چھیڑا۔

"ہاں ہاں کھاؤ، تمہارا مال ہے"۔ وہ مُسکرائی۔

"کیا..... کیا مطلب؟" ہریرہ نے بوکھلا کر پلیٹ نیچے رکھی۔

"کوئی مطلب نہیں ہے وصی کو میں نے والٹ دے دیا ہے بل پے کر دے گا"۔

"بٹ میری ہارٹ بیٹ ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ مجھے..... مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے..... جیسے دال میں کچھ کالا ہے"۔ وہ کھانا بھول کر حورین کی جانب دیکھ رہا تھا جو ایک انداز سے مُسکرا رہی تھی۔

"یار! کیوں ایسی بات کرتا ہے، جلدی جلدی کھا"۔ سفیان نے ٹوکا وہ مومل کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔ ریسٹورنٹ کا وسیع کوریڈور عبور کرتے ہوئے وہ خوب ہنس رہی تھی۔ آنے والے وقت کا سوچ کر جب ہریرہ کو معلوم ہونا تھا کہ جس فراخ دلی، دریا دلی و سخاوت کے پچھلے تمام ریکارڈ توڑے گئے ہیں، ان سب کے اخراجات کا منبع ہریرہ کی جیب تھی، جس سے بہت صفائی سے رقم اُڑائی گئی تھی اور اس میں یہ دونوں ہی شریک تھیں۔

"مجھے لگ رہا ہے، ہریرہ کو شک ہو گیا ہے"۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے مومل نے کہا۔

"مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔ بہت لومڑ ہے وہ"۔ حورین کے انداز میں لاپرواہی تھی۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے وہ چونک کر رُکی تھی۔

"مومل! ہم رونگ سائیڈ آ گئے ہیں جہاں سے آئے تھے، وہاں لاؤنج اور کوریڈور کے بعد پارکنگ شیڈ تھا مگر یہاں لان ہے"۔

وہ آخری اسٹیپ پر رُک گئی تھی جبکہ مومل نے گھاس پر قدم رکھ دیئے تھے۔

"یہ اسی ریسٹورنٹ کا بیک سائیڈ ہے، ہم جب بھی آتے ہیں یہاں واک ضرور کرتے ہیں۔ کم آن، تھوڑی دیر واک کر کے چلتے ہیں"۔ وہ ٹہلتی ہوئی اس طرف آ گئیں جہاں ذوالنون یادوں کے سفر میں محو تھا۔

"ششش..... وہاں کوئی ہے"۔ مومل نے رُک کر سرگوشی کی۔

"کہاں؟" اس نے پوچھا اور پھر مومل کے اشارے پر دیکھا۔ وہ کارنر کی بنچ پر ایزی انداز میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

بلو جینز لائٹ بلو اینڈ وائٹ ٹی شرٹ میں اس کی شخصیت نمایاں تھی۔ چاند کی روشنی کا بھرپور عکس اس کے چہرے پر تھا۔ جس سے

اس کی سرخ وسپید رنگت وچہرے کے خوب صورت نقوش از حد ماورائی روپ لیے ہوئے تھے۔ سیاہ گھنی مونچھوں نے اس کی وجاہت کو وقار بخشا تھا۔

''کتنا ہینڈسم ہے، کتنا ڈیشنگ، کم از کم میں نے آج سے قبل کسی شخص کو اتنا خوب صورت نہیں دیکھا اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ اس نے میک اپ بھی نہیں کر رکھا جس طرح فلمی ہیروز کرتے ہیں''۔ مومل نے سرگوشی کی۔

''اچھا...... پھر اسے ہائی جیک کر لیتے ہیں''۔ حورین کا لہجہ بلند تھا۔

''ارے اب ایسی بھی بات نہیں، میں ایسے ہی کہہ رہی تھی''۔ مومل ہنسی تھی۔ ان کی آوازوں سے وہ خیالوں سے لوٹ آیا تھا مگر انداز نہ بدلا۔

''ارے مجھے کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے، ہماری ہاتوں کے باوجود اس شخص نے آنکھیں نہیں کھولی ہیں''۔ مومل نے اسے غور سے دیکھا۔

''دیکھو، کہیں مر مرا تو نہیں گیا، بیٹھے بیٹھے''۔ وہ دونوں چند قدم آگے بڑھی تھیں اور اس کی چلتی سانسوں کی آمد و رفت انہیں دور سے نظر آ گئی تھی۔

''تھینک گاڈ! زندہ ہے مگر یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا ہے''۔

''تم کیوں فکر کر رہی ہے۔ دفع کرو، آنکھیں بند کرے یا کھولے ہمیں کیا۔ چلو یہاں سے خواہ مخواہ ہمدردیاں ضائع کر رہی ہو ایک اجنبی کے لیے''۔

''حورین! اتنی سیلفش مت بنو، اجنبی ہے تو کیا ہوا۔ انسان بھی تو ہے اور یقیناً اسے کوئی نہ کوئی ایسا شاک لگا ہے جس سے اس بے چارے کی یہ حالت ہو گئی ہے جو ہنگاموں کو چھوڑ کر یہ یہاں خاموشی میں بیٹھا ہے۔ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر''۔ اس کا موم جیسا دل پگھلنے لگا۔

''اگر بی جان کو معلوم ہو گیا کہ تم اس گوشۂ تنہائی میں ایک اجنبی شخص کے سامنے کھڑے ہو کر ہمدردیاں بانٹ رہی ہو تو جان سکتی ہو کیا حال ہو گا؟'' حورین کو مومل کی ہمدردانہ طبیعت سے اس وقت اختلاف تھا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہ رہی تھی۔

اِدھر ذوالنون کو اپنی طبیعت پر جبر کرنا بہت بھاری لگ رہا تھا۔ دو لڑکیاں فاصلے پر کھڑیں اس کی ذات کو ڈسکس کر رہی تھیں، جو اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نے سیدھا بیٹھتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

ایک اچٹتی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' حورین اس سے مخاطب ہوئی مگر وہ کوئی جواب دیے بغیر تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا تھا۔

''ایکسکیوزمی...... ایکسکیوزمی مسٹر! میری بات تو سنیں''۔ حورین اس کے پیچھے تقریباً بھاگی تھی۔

''شٹ اَپ، مجھے تم جیسی لڑکی کی بات سننے کا شوق نہیں ہے''۔ انداز تھا کہ تلوار، لہجے میں گویا ہزاروں اژدھوں کا زہر۔ مومل ساکت رہ گئی۔ حورین غم و غصے سے دنگ رہ گئی۔

''مجھ جیسی لڑکی! واٹ یو مین؟'' اس نے مقابل کی جانب دیکھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا جس کی آنکھوں میں سرخ آندھی بپھری ہوئی تھی۔ وجیہہ چہرے کے عضلات کھنچے ہوئے تھے۔

''حورین! چھوڑو ناں کیوں بات بڑھا رہی ہو''۔ شدید غصے کے اثر میں حورین کو احساس نہیں تھا مگر موئل اس شخص کے بگڑے تیوروں سے بُری طرح خائف ہو چکی تھی۔ وہ اسے پکڑتے ہوئے بولی جو اس کی راہ میں حائل تھی۔

''نہیں پہلے انہیں بتانا ہوگا، مجھ جیسی لڑکی کا مطلب''۔ وہ شدید غصے سے بولی۔

اُس شخص کو جارحانہ انداز میں اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر موئل بدحواس تھی۔

......❀......

وہ کوئی جواب دیے بغیر ہوا کے سرکش جھونکے کی مانند گزر گیا تھا۔

''او گاڈ! انسان تھا یا کوئی آتش فشاں! تھینکس گاڈ! چلا گیا''۔ اس کے جانے کے بعد موئل کی رُکی ہوئی سانس بحال ہوئی تو تشکرانہ لہجے میں بولی۔

''آتش فشاں کیوں...... وہ تو بہت ہینڈسم تھا۔ بہت ڈیشنگ، اس جیسا وجیہہ مرد تم نے کبھی دیکھا نہ تھا''۔

''دیکھ لی اس کی خوب صورتی کی اصلیت، کتنی بدتمیزی سے پیش آیا تھا وہ''۔ حورین کا موڈ بُری طرح آف تھا۔ موئل مارے خفت کے خاموش کھڑی تھی۔

''کچھ لوگوں کی بیوٹی ان کے منہ بند ہونے تک قائم رہتی ہے، منہ کھلتے ہی سب سچائی نظر آ جاتی ہے، پھر وہ شخص کچھ زیادہ ہی بدتمیز و بددماغ تھا''۔

''اب چھوڑو یار! مجھے نہیں معلوم تھا تم بھی بھول جاؤ اور یہ سوچو، ہریرہ سے اپنی چوری کب تک چھپ سکتی ہے، جب اسے معلوم ہوگا تو......؟'' اسے فکر لاحق ہوئی۔

''اس کو ہینڈل کرنا میں جانتی ہوں، تم فکر مت کرو، چلو چلتے ہیں ان لوگوں نے کھانا کھا لیا ہوگا''۔

''کھانا کھا لیا ہوگا اور ''بل'' بھی پے کر دیا ہوگا''۔ موئل کے شوخی سے کہنے پر وہ ہنستی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھیں۔

☆......☆......☆

''ہیلو پارٹنر! کیا سوچ رہے ہو، بہت بزی رہنے لگے ہو، کیا ایکٹیویٹیز چل رہی ہیں جن میں بزی ہو کے بھائی سے ملنے کی فرصت نہیں ہے''۔ وہ ٹیرس میں کھڑا ماحول میں اُترتی رات کی خاموشی میں گم تھا۔ جب پیچھے سے آ کر کونین نے اس کے شانے پر بازو رکھتے ہوئے کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''ایسی اسپیشل ایکٹیویٹی کوئی نہیں ہے''۔ کونین سے اس کا انداز دوستانہ و مہذب تھا۔

"کلاسز تو ابھی آف ہوں گی؟"

"جی...... نیکسٹ ویک سے کلاسز لگنے لگیں گی"۔

وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"نانو شکار پر جا رہے ہیں، کہہ رہے تھے تم بھی ہمارے ساتھ چلو"۔

"میں نہیں جاؤں گا"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"کیوں؟ شکار پر بہت انجوائے منٹ ملتی ہے"۔

"مجھے معصوم وخوب صورت پرندوں کو مارنے میں کوئی انجوائے منٹ نظر نہیں آتی۔ پرندے فضاؤں میں پرواز کرتے ہی حسین لگتے ہیں"۔

"ہوں...... بات تو اچھی ہے تمہاری مگر اپنی اپنی ہابیز ہیں"۔

"دادو کے پاس گئے تھے، بہت یاد کر رہی تھیں آپ کو"۔

"ہاں...... یار! سوچ تو روز رہا ہوں لیکن...... وہ......"

"ممی کے خوف سے نہیں جا رہے ہیں"۔ وہ اسے جز بز دیکھ کر بولا۔

"ہوں...... نہ معلوم ممی کو کیا وہم واندیشے ستائے رکھتے ہیں۔ وہ ہمارا وہاں جانا بالکل پسند نہیں کرتیں۔ خاص طور پر صدا انکل کی لڑکیاں انہیں پسند نہیں ہیں"۔

"ممی......" ممی" کی طرح ہی بے حس و بے درد ہیں"۔

"اونہوں۔ وہ ہماری ممی ہیں"۔ کونین کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"میں نے کب انکار کیا ہے"۔

"تم مما سے ہمیشہ سے دور رہے ہو، ایک گھر، ایک چھت کے نیچے رہ کر بھی"۔

"ایک گھر میں، ایک چھت کے نیچے رہنا دلوں کو نہیں جوڑتا...... اگر ایسا ہوتا تو ہمارے معاشرے میں پیار واعتماد کی مثالی محبت موجود ہوتی۔ ہم سگے رشتوں میں بندھ کر وہ اپنائیت ومحبت نہیں پاتے جو ہمارا حق ہے"۔

"ممی سے خفا کیوں رہتے ہو، جبکہ وہ تمہاری فکر میں کیا کچھ نہیں کرتیں، کم از کم میں نے کسی ماں کو اتنا پریشان وفکر مند نہیں دیکھا"۔

"آپ نے ابھی ماں اور ماں کی ممتا دیکھی کہاں ہے"۔ اس نے سوچا۔

"مما کو مت اپ سیٹ کیا کرو۔ بابا کے جانے کے بعد وہ کتنی تنہا اور دکھی ہو گئی ہیں۔ اب ہم ان کی کیئر نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟ پاپا ایک غیر عورت کی خاطر ہمیں، مما کو، سب کو چھوڑ کر چلے گئے"۔ کونین افسردگی سے بولا تو ذوالنون کے چہرے پر نفرت وغصے کی سرخی پھیل گئی۔

"میں اس عورت سے دُنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں۔ کبھی غلطی سے بھی وہ مجھے نظر آ گئی تو شوٹ کر دوں گا"۔ اس کی نگاہوں میں نفرت جنون بن کر چمک رہی تھی۔ چہرے پر سختی تھی۔

"تم نے دیکھا ہوا ہے اس عورت کو......؟"

"بھائی! میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں"۔

"جس عورت کا تم نام بھی نہیں جانتے، اسے شناخت کس طرح کرو گے؟ ہمارے گھر میں، دادو کے ہاں ان کا ذکر بھی ممنوع ہے"۔

"برائی کتنی ہی پاور فل ہو مگر ایک دن طشت از بام ہو جاتی ہے اور مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے"۔ وہ مضطرب و بے کل تھا۔

"تمہیں کسی ایسی منفی سوچ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب تمہیں کامرانیوں کی سب سے معتبر جگہ پر دیکھنا چاہتے ہیں"۔

☆......☆......☆

"حور! حورین!" مومل گھبرائی اسے پکارتی ہوئی آئی۔

"ارے کیا ہوا؟ یہ تمہارے چہرے پر سب بج کر بارہ منٹ کیوں ہو رہے ہیں؟" وہ جوازی چیئر پر بیٹھی بل چاتی میگزین پڑھ رہی تھی، مومل کے فق چہرے کو دیکھتی ہوئی میگزین بند کر کے بولی۔

"تمہارے چہرے پر بجنے کے لیے کچھ بچا نہیں ہے، تمہیں ابھی معلوم ہو گا۔ سیریس ہو جاؤ خطرہ ہم تک پہنچنے والا ہے۔ ہریرہ اپنا والٹ لیے سب سے پوچھ رہے ہیں کسی نے ان کے دس ہزار روپے دیکھے ہیں"۔

"اچھا......کہاں ہے وہ؟" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"لاؤنج میں تھے، میں چپکے سے یہاں پر آ گئی"۔

"تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟ کچھ نہیں ہو گا"۔

"تم ابھی بی بی جان کی طبیعت سے واقف نہیں، اگر انہیں معلوم ہو گیا تو وہ سب کے سامنے بے عزتی کر دیں گی اور سزا علیحدہ ملے گی"۔

"کوئی فکر نہیں، اب میری حفاظت میں ہو تو خود کو بالکل بے فکر رکھو، دیکھنا میں سب کچھ کس طرح سنبھال لوں گی، ایسے مسائل سولو کرتے ہوئے اس دور تک پہنچے ہیں"۔ حورین کے فریش چہرے پر اعتماد کرن بن کر چمک رہا تھا، اس کی براؤن آنکھوں میں شرارت تھی، وہ اس کا ہاتھ تھام کر لاؤنج میں آ گئی، جہاں وہ سب جمع تھے۔ وصی کسی فرض شناس ایمان دار پولیس افیسر کی طرح تفتیش کر رہا تھا، ہریرہ کسی لٹے ہوئے تاجر کی طرح پریشان کھڑا تھا۔

"ہیلو فرینڈز! کیا ہو رہا ہے؟" اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"غضب ہو گیا، ہریرہ کی جیب پر دن دیہاڑے ڈاکہ پڑ گیا"۔

''آنکھوں آنکھوں میں یہ سب ہو گیا اور معلوم بھی نہیں ہوا''۔

''ڈاکہ دل پر پڑے یا جیب پر، لٹنے کے بعد ہی خبر ہوتی ہے کہ آنکھوں آنکھوں میں یہ کیا ہو گیا''۔ سعود کے کہنے پر قہقہہ پڑا تھا۔

''شٹ اَپ، یہاں میرا دل رو رہا ہے اور تم لوگوں کو ہنسی آ رہی ہے''۔ ہریرہ چیخ کر بولا۔

''اوہ سوری برادر، یہ بتاؤ تمہارے نوٹ کیسے تھے؟''

''نوٹ کیسے تھے سے مطلب......نوٹ نوٹ کی طرح ہی تھے، کاغذ کے اور کیسے نوٹ ہوں گے؟''

''اچھا اچھا میں سمجھا آپ نے کوئی اسپیشل نوٹ بنوائے ہیں''۔

''پلیز! معاملہ سنگین ہے، اس لیے سنجیدگی اختیار کی جائے''۔

''مجھے معاملہ سنگین نظر آ رہا ہے، ہریرہ کی شکل دیکھ کر''۔ سعود نے کہا اور دبے دبے قہقہے پھر اُبھرے۔ ہریرہ کے گھورنے پر وہ ایک دم چپ ہو گئے۔

''سومل! تم بتاؤ تم نے ہریرہ کے دس ہزار روپے تو کہیں نہیں دیکھے؟'' سومل جو پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی گھبرا کر بولی۔

''ناں......نہیں، میں نے اور حور نے ہریرہ کی جیب سے دس ہزار روپے نہیں نکالے......بل......بلکہ دیکھے ہی نہیں''۔ بوکھلاہٹ میں وہ سچائی اُگل چکی تھی۔ سب کی متجسس نظریں حورین کی طرف تھیں۔

''اس کو کہتے ہیں بے وقوف کی دوستی سے عقل مند دشمن کی دشمنی بہتر ہے''۔ واصف عرف وصی نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''آہ! اس کا مطلب ہے وہ دس ہزار روپے تم نے اُڑائے میری جیب سے؟'' ہریرہ زخمی ناگ کی طرح پھنکارتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔

''مار ڈالوں گا تمہیں۔ جب ہی میری چھٹی حس کل بار بار شارپ ہو رہی تھی کہ کچھ گڑبڑ ہے مگر میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کہاں ہیں میرے روپے، شرافت سے بتاؤ؟''

''وہ حورین کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا، جبکہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی جانب کھسک رہی تھی۔

''ختم ہو گئے''۔

''وہاٹ......کیسے اور کہاں؟'' وہ پوری شدت سے چیخا۔

''کل......پارٹی انہی روپوں کی تھی''۔

''اب تم میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتیں''۔ وہ اس کی طرف بڑھا تھا اور حورین تیزی سے باہر بھاگ لی تھی، ہریرہ اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ ابھی وہ کوریڈور سے نکلے ہی تھے کہ بی بی جان کمرے سے نکل آئی تھیں، وہ دونوں وہیں رُک گئے۔ بی بی جان نے باری باری دونوں کو گھورا۔

''یہ کس خوشی میں کدکڑے لگائے جا رہے ہیں؟''

''بی بی جان! یہ ہریرہ......''

''سوری بی بی جان! میں ایسے ہی......''

بی بی جان کی خشمگیں نگاہیں ہریرہ کو بدحواس کر گئی تھیں اور اسے معلوم تھا کہ اگر انہیں اصل بات معلوم ہو گئی تو اُلٹا اسے ہی ڈانٹ پڑے گی کہ مرد ہو کے لڑکی کے آسرے پر کھانے جاتے ہو۔

''میں ایسے ہی...... یہ کیا ہوتا ہے؟...... ہیں؟ غضب خدا کا پورا گھر ہلا کر رکھ دیا''۔ وہ ناک پر پھسلتی عینک کے پیچھے سے گھور کر بولیں۔

''بی بی جان! غلطی میری تھی''۔ ہریرہ کے منت بھرے اشارے پر حورین سنجیدگی سے بولی تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

''تم تو بہت لائق بچی ہو، اس گھر کی لڑکیوں سے زیادہ سمجھ دار اور قابل، یقیناً غلطی اس نالائق کی ہی ہو گی۔ چلو جاؤ آئندہ کوئی ایسی نالائقی دیکھی تو بہت بُری طرح پیش آؤں گی''۔

وہ حورین کے بعد اس سے بولیں تو ہریرہ اسے مُکا دکھاتا چلا گیا۔

''یونیورسٹی کب سے جاؤ گی؟'' وہ اسے ساتھ لیے آگے بڑھ گئی تھیں۔

''کل سے جوائن کریں گے''۔

''ٹھیک ہے آج سے دس بجے سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے جائیں گے، صبح آٹھ بجے مجھے سب ناشتے کی ٹیبل پر ملنے چاہئیں، نو بجے سب کو روانہ ہو جانا ہے، سن لو سب جو چوہوں کی طرح کونوں کھدروں میں چھپے ہماری باتیں سن رہے ہو، خوب عیش کر لیے بہت ہو ہو...... ہاہا...... ہی ہی...... ہو گئی، اب سنجیدگی اختیار کرو''۔

تو جوان پارٹی جو اِدھر اُدھر چھپ کر ان کی باتیں سن رہی تھی، بی بی جان کی جہاندیدگی پر کھسیا کر رہ گئی۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو میرے ساتھ بازار چل سکتی ہو''۔

''تھینکس بی بی جان! مما نے پہلے ہی سال بھر کا کوٹہ بھر دیا ہے''۔

☆......☆......☆

وسیع و عریض لان کے وسط میں کرسیوں پر برہان لغاری، فائقہ اور منال بیٹھے گفتگو میں مگن تھے، درمیان میں رکھی سینٹر ٹیبل چائے اور دیگر لوازمات سے بھری تھی۔ ان کے ہاتھوں میں چائے کے مگ تھے۔

''پپا! آپ نے پالیٹکس جوائن کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی، ہمارے پاس اتنا کچھ ہے کہ آنے والی نسلیں بیٹھ کر کھا سکتی ہیں پھر خواہ مخواہ دردِ سر کیوں مول لے رہے ہیں؟'' منال ان سے مخاطب تھی۔

''آپ کے پپا کو ہر ایج میں نئے نئے شوق چڑھتے ہیں۔ اب یہ نیا شوق دیکھیں کیا رنگ دکھاتا ہے''۔ فائقہ خوش دلی سے بولیں۔

''اگر لائف سے تھرل، ایکسائٹمنٹ نکال دی جائیں تو زندگی بور ہو جاتی ہے، جوش و ولولہ انگیزی انسان کو جوان و شاداں رکھتی

ہے، ہر دریا میں ناؤ چلائی ہے، سیاست کے دریا کی بھی سیر کر کے دیکھتے ہیں"۔

"بہت سوچ سمجھ کر اس جانب بڑھیے گا، اس دریا میں ہمیشہ ہی طغیانی رہتی ہے۔ کہیں کنارے پر ہی کشتی سمیت ڈوب جائیں"۔ فائقہ نے ہنستے ہوئے مشورہ دیا۔

"دریا نیا ہے تو کیا ہوا، ہم تو پرانے تیراک ہیں، کچھ محنت کے بعد منزل تک پہنچ ہی جائیں گے"۔

"پرنس آج کل بہت بزی ہے۔ ملاقات ہی نہیں ہو رہی ہے کئی دنوں سے"۔

"صبح جلد بیدار ہوں تو مل پائیں گی ان سے یا رات ڈنر پر ان دونوں ٹائم ہی آپ دونوں غیر حاضر ہوتی ہیں"۔

"پرنس ایک ایب نارمل بچہ ہے پاپا، وہ جان کر ہم سے دور بھاگتا ہے۔ وہ ہمارے درمیان رہنا ہی نہیں چاہتا ہے"۔

"آپ کو تو اس سے ہر وقت شکایت رہتی ہے کبھی یہ جاننے کی بھی کوشش کی کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ کیوں ایسا رویہ ہے اس کا؟"

"مجھے معلوم ہے جو وہ چاہتا ہے...... مگر میں ایسی ماں نہیں بن سکتی جو اس کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرے، وہ جائے تو دروازے پر اسے خدا حافظ کہے، وہ آئے تو اپنے ہاتھوں سے کھانے بنا کے ٹیبل سجا کر اسے دروازے پر خوش آمدید کہے، پھر اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالے، اسے ایسی ہی گھریلو ماں پسند ہے"۔

"ماں کسی بھی طبقے کی ہو، ماں ہوتی ہے لیکن اچھی ماں وہی ہوتی ہے جو آئیڈیل ہو، جو بچوں کے لیے فخر کا باعث ہو، شرمندگی کا نہیں"۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے پاپا، اس کی فرسٹریشن، اس کی سائیکالوجی پرابلم، یہ سب اسے باپ سے ورثے میں ملا ہے"۔

☆......☆......☆

وہ صبح بڑی خوش گوار و خوب صورت تھی۔

گھر کے مرد نماز فجر کے بعد جوگنگ اور نوجوان پارٹی ورزش میں مشغول تھی۔ خواتین نماز و تلاوت قرآن پاک سے فراغت کے بعد کچن کا رُخ کر چکی تھیں۔ یلا جو سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی، ساتھ ہی اس کے فضیلہ پڑھتی تھی، وہ دونوں کالج کے لیے تیار ہونے میں مصروف تھیں، سوئل، زویا اور حورین یونیورسٹی جانے کے لیے لباس منتخب کرنے میں مصروف تھیں جو کل سے اب تک منتخب نہ ہو رہے تھے، کیونکہ یونیورسٹی میں آج ان کا پہلا دن تھا، وہ چاہتی تھیں اس طرح تیار ہوں جس میں ان کی شخصیت پُر وقار محسوس ہو۔

"جلد کپڑے پسند کرو، ٹائم گزرے جا رہا ہے، یونیورسٹی یہاں سے بہت دور ہے اور اگر بی جان نے آ کر یہاں کپڑوں کے یہ ڈھیر دیکھ لیے تو سوچ لینا...... صبح ہی صبح خالی پیٹ اتنا کچھ سننے کو ملے گا کہ معدہ برداشت نہیں کر پائے گا"۔ زویا ادھر اُدھر بکھرے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تو اپنے کپڑے ایک ہفتہ قبل ہی منتخب کر چکی ہوں اور اب کپڑے تبدیل کرنے جا رہی ہوں۔ تم دونوں کو ہی نہ معلوم کیا کریز ہے"۔ حورین بالوں میں برش کرتی لاپرواہی سے گویا ہوئی۔

"ڈیئر! تم بوسیدہ ڈریس بھی زیب تن کرلو تو سب میں منفرد نظر آؤ گی۔ اوپر والے نے بڑی سخاوت سے تمہیں حُسن عطا کیا ہے، مسئلہ تو ہم عام صورت لوگوں کا ہے، خود کو نمایاں کرنے کے لیے اتنی کڑی تگ ودو کرنی پڑتی ہے"۔ موحل نے کپڑوں کے ہینگرز وارڈ روب میں ہینگ کرتے ہوئے کہا تو زویا نے تائید میں گردن ہلائی تھی۔

"میری مما کہتی ہیں، ہم اپنی خوب صورتی سے نہیں اخلاق و کردار سے سراہے جاتے ہیں، اگر ہمارا اخلاق اچھا نہیں ہے، کردار شفاف نہیں ہے تو سب فضول و بے معنی ہے"۔ وہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ یونیورسٹی جارہے ہو یا کسی فیشن شو میں؟" راہ داری سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ کھلے دروازے سے اندر پڑی تو وہ کپڑوں، جیولری، جوتوں اور دوسرے سامان پر نگاہ ڈال کر حیرانگی سے کہنے لگا۔

"یونیورسٹی کیا ایسے ہی سر جھاڑ منہ پھاڑ چلتے جاتے ہیں بھئی، مانا کہ وہ ایک تعلیمی درس گاہ ہے مگر وہاں لوگ بھی تو ہوں گے جن کے آگے اپنی پوزیشن مضبوط رکھنی ہے"۔ زویا ایک سوٹ اُٹھاتے ہوئے بولی۔

"وہ کہتے ہیں نا، فرسٹ امپریشن از دا لاسٹ امپریشن"۔ حُسن کی دلدادہ موحل نے بھی شانے اُچکاتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

"اوہ...... مجھے تو ابھی پتا چلا، امپریشن اور پوزیشن کا"۔

"پلیز وصی! جاؤ ابھی دیر ہورہی ہے، بی بی جان کی آواز آنے والی ہے"۔ دونوں نے اسے باہر نکال کر دروازہ بند کرلیا تھا۔

ہریرہ اور سفیان انہیں یونیورسٹی چھوڑنے آئے تھے۔ اس سے قبل بھی سفیان انہیں کئی بار یونیورسٹی لاچکا تھا اور ان کی فیکلٹی کے علاوہ بینک، کامن روم، کیفے ٹیریا، سیمینار ہال، کینٹین کے علاوہ فٹ بال اسٹیڈیم، کرکٹ اسٹیڈیم، ہاکی گراؤنڈ تک ازبر کروادیے تھے۔

"اوکے گرلز! خیال رکھنا پہلا دن ہے، ریگنگ ہوسکتی ہے"۔ ہریرہ نے انہیں ہوشیار کیا جو کار سے اُتر چکی تھیں۔

"ڈونٹ کیئر یار! میں اسی لیے پہلے انہیں یہاں کے چپے چپے سے روشناس کرواچکا ہوں۔ اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی"۔ سفیان نے تسلی آمیز لہجے میں کہا اور خدا حافظ کہہ کر دونوں چلے گئے۔

وہ بہار کے مست جھونکوں کی طرح خراماں خراماں آگے بڑھی تھیں۔ جارجٹ کی نیلی قمیص پر سرخ ریشم اور ستاروں کی دیدہ زیب ہلکی سی کڑھائی تھی، شلوار سادہ تھی، دوپٹے کے کناروں پر بھی ایسی ہی کڑھائی تھی۔ دوپٹہ اس نے سینے پر پھیلایا ہوا تھا۔ بالوں کی چوٹی کمر پر لہرارہی تھی، بائیں بازو پر بیگ لٹکائے، دائیں ہاتھ سے سینے پر لگی کتابیں وفائلز پکڑے اس کے چہرے پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔ چہرہ اتنی بڑی، اتنی دل آویز آرزو پوری ہونے کی خوشی میں مزید دل کش لگ رہا تھا۔ وہ ہر شے کو بڑی محبت واشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو جھلملانے لگے تھے۔

آج بڑا سہانا دن تھا۔

خوابوں کی تعبیر پانے کا۔

خوابوں کے بر آنے کا۔

یہ زمین، یہ شہر، یہ فضا اسے پکارتی تھی، بلاتی تھی، عجیب بات تھی اس شہر میں، وہ پہلی دفعہ آئی تھی مگر اسے کوئی اجنبیت و ناآشنائی محسوس نہ ہوئی تھی بلکہ یہاں آ کر اس کے اندر ایک گہرا سکون و طمانیت اور آسودگی چھاتی چلی گئی تھی۔

"معلوم نہیں مما مجھے یہاں آنے سے کیوں روک رہی تھیں؟ یہ شہر، یہ جگہ، بہت پُرسکون ہے، یہاں آ کر میرے اندر غیر محسوس تبدیلی آئی ہے۔ بہت نئی، بہت اجنبی سی، ایسا لگتا ہے یہاں آنے سے قبل میں ادھوری تھی، یہاں آ کر مکمل ہوئی ہوں"۔ وہ بڑبڑائی تو وہ دونوں متوجہ ہوئیں۔

"خیریت تو ہے ناں...... یہ کیا خود سے باتیں کرنا شروع کر دیں؟"

"میں سوچ رہی تھی، اتنا خوب صورت شہر ہے، اتنے اچھے لوگ ہیں پھر مما میرے یہاں ایڈمیشن لینے کے خلاف کیوں تھیں؟"

"ہو سکتا ہے وہ تمہیں خود سے دور کرنا نہیں چاہتی ہوں اور اس بہانے سے روک رہی ہوں"۔ موحل نے چلتے ہوئے قیاس آرائی کی۔

"نہیں، ایسی بات ہے کہ یہاں ہمارے شہر میں انس انکل کے کچھ دشمن ہیں، اس خوف سے وہ پریشان تھیں اور نہیں چاہتی تھی کہ تمہارا ایڈمیشن یہاں ہو، اس لیے پلیز انکل آنٹی کے نام بتانے سے گریز کرنا"۔ زویا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس پر یقین نہیں۔ میرے پاپا بہت نرم دل اور اچھے ہیں۔ کوئی ان کا دشمن کیوں ہوگا؟" اس موضوع پر وہ پھر اُلجھ گئی تھی۔

"ڈیئر! ہمیشہ اچھے لوگوں کے تو دشمن ہوتے ہیں۔ بُرے لوگ اچھے لوگوں کی اچھائی برداشت نہیں کر پاتے اور دشمن بن جاتے ہیں"۔ وہ باتیں کرتی ہوئیں اپنے ڈپارٹمنٹ میں پہنچ گئی تھیں۔

کلاس میں اسٹوڈنٹس سے تعارف کے مراحل پروفیسر جعفری کے توسط سے ہوئے۔ پھر سارا دن اسی طرح اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے گزرا تھا۔

"ہیلو! کیا آپ ہم سے دوستی کریں گی؟" وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھیں، جب دو تین لڑکیاں ان کے پاس آ کر کھڑی ہوئیں، ان کے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"کیوں نہیں، زندگی دوستی کے لیے ہی ہوتی ہے"۔ حورین نے مسکرا کر کہا اور ان لوگوں نے مصافحہ کیا اور بیٹھ گئیں۔

"ہم آپ کی کلاس فیلوز ہیں۔ آج لیٹ ہو گئے تھے، اس لیے ہمارا تعارف نہ ہو سکا تھا۔ میں ثناء ہوں، میں ردا ہوں، بہاول پور سے آئی ہوں، اس کی فرسٹ کزن ہوں"۔

"میں ثمرین خان اور یہیں کراچی کی پیداوار ہوں"۔ تینوں لڑکیاں خوش شکل و خوش مزاج تھیں۔ سموسے کھانے اور چائے پینے کے دوران میں گہری دوستی ہو گئی تھی۔ وہ وہاں سے آ کر گھاس پر بیٹھ گئی تھیں۔

نئی کلاسز کا آغاز تھا۔

خوب گہما گہمی ہر سُو پھیلی ہوئی نظر آرہی تھی۔ نئے آنے والے اسٹوڈنٹس بہت گھبرائے ہوئے، بوکھلائے ہوئے ہونق چہروں کے ساتھ الگ ہی نظر آرہے تھے، جن میں اکثر کسی نہ کسی کی شرارت کا شکار ہو رہے تھے اور فضا مردانہ وزنانہ قہقہوں سے گونج اُٹھتی تھی۔

"حورین! وہی لڑکا...... جو اس دن ریسٹورنٹ میں ملا تھا"۔

مومل نے کچھ فاصلے سے گزرتے ذوالنون کی طرف اشارہ کیا جو دوستوں کے ہمراہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھے بنا اس کے چہرے پر ویسی ہی بارعب سنجیدگی تھی جو اس کی شخصیت کو پُر وقار بناتی تھی۔

"ہوں تو ہونے دو، ہمیں کیا؟" حورین نے اچٹتی سی نگاہیں اس کی طرف دیکھ کر شانے اُچکاتے ہوئے منہ بنا کر کہا، اس کے ہنستے مسکراتے چہرے پر سرد مہری در آئی، جو سب نے ہی محسوس کی تھی۔

"اچھا...... یہ وہی بد مزاج واکڑو لڑکا ہے"۔ زویا گردن گھما کر دور جاتے ذوالنون کو دیکھتے ہوئے گویا تھی۔

"ویسے تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ شخصیت بہت زبردست ہے اس کی، پھر وہی بات صادق آتی ہے خدا حُسن دیتا ہے تو نزاکت آہی جاتی ہے اور یہاں حُسن کا تعلق زنانہ نہیں مردانہ ہے تو نزاکت کی جگہ بدمزاجی و غرور نے لے لی ہے"۔ زویا اس جانب گردن موڑے برابر ریمارکس پاس کر رہی تھی۔

"گردن ٹوٹ کر گر جائے گی، اگر اسی طرح دیکھتی رہی تو...... باز آجاؤ ایسا کوئی وہ یوسف ثانی نہیں ہے، عام سا انسان ہے"۔

حورین غصے سے بولی۔ وہ اس شخص کے ہاتھوں ہوئی اپنی ہتک و توہین کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اسے اس کے لفظ اور نفرت وحقارت میں ڈوبا لہجہ بھی یاد آگیا تھا۔

"تم لوگ پرنس کو جانتے ہو؟" ثمرین پُر اشتیاق انداز میں گویا ہوئی۔

"نہیں بھئی! ہم کیوں جاننے لگے اس کڑوے کریلے کو"۔ حورین نے اس طرح منہ بنا کر کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

مومل نے ریسٹورنٹ کے پارک والا قصہ بھی سنا ڈالا تھا۔

"وہ ایسا ہی ہے، کسی لڑکی کو خاطر میں نہیں لاتا مگر ہماری جو صنف ہے وہ اس کے ہر ایسے انداز، بات کو اعزاز سمجھ کر قبول کرتی ہے، بہت کریزی ہیں اس کے لیے، اب تم لوگ دیکھنا یہاں کے تماشے"۔

☆......☆......☆

صبح ہی صبح بادل خوب ٹوٹ کے برسے تھے۔

دھلا دھلایا سبزہ مزید نکھر گیا تھا۔ کرن نے سلیپر سے پاؤں آزاد کیے اور بھیگی بھیگی گھاس پر ننگے پاؤں ٹہلتے ہوئے ان کے اندر کچھ سکون و ٹھنڈک کا احساس پھیلنے لگا تھا۔ بھڑکتی ہوئی سوچیں، سلگتے ہوئے خیالات جو حورین کے جانے کے بعد سے اس کے اندر مکین ہوگئے تھے، کچھ دیر کے لیے ان میں پھواری پڑنے لگی تھی۔

تینوں بچوں نے کال کی تھی۔ بہت خوش تھے۔

ہریرہ نے انجینئرنگ کالج میں ایڈمیشن لیا تھا، اریج نے میڈیکل میں اور حورین نے یونیورسٹی جوائن کی تھی جو اس کی خواہش تھی۔
بہت دیر تک ان کے درمیان باتیں ہوتی رہی تھیں۔ حورین کی آواز انہیں سہارا دیتی ہے، تشفی دیتی ہے، بیٹی کی آواز زندہ رہنے کا احساس دلاتی تھی، ورنہ زندگی میں رکھا ہی کیا تھا، ماسوائے ان...... خوف، اندیشوں، وسوسوں کے جو کسی سانپ کی مانند ہر وقت ڈستے رہتے تھے۔
اس کی بھرپور محبت بھری رفاقت بھی ان کے اندر کا وہم دور نہ کر سکی تھی۔ ان کا وجدان کہتا تھا حورین کا اس شہر میں جانا ٹھیک نہیں ہے، کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا...... اور ایسی ہی سوچیں انہیں مسلسل پریشان اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض بنا چکی تھیں۔ دن میں کئی بار وہ حورین کو فون کرتیں، اس کی پوری روٹین معلوم کرتی کہ وہ کہاں گئی اور کس سے ملی، ثمرین، ثناء اور رداء سے دوستی کا سن کر یہی نصیحت کی کہ اپنے متعلق کم سے کم بات کرے اور اس سے زیادہ دوست نہ بنائے۔

''مجھے معلوم تھا آپ یہیں ہوں گی اس لیے چائے یہیں لے آئی''۔ قاریہ چائے کا مگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔
دونوں وہاں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

''تھینکس بھابی! شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی چائے کی''۔

''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے کرن! ہم جن سے محبت کرتے ہیں ان کی پسند ناپسند، خواہشات و ضروریات کا ہمیں از خود ہی ادراک ہو جاتا ہے''۔ قاریہ کے خلوص سے ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''سمجھ میں نہیں آتا، خود کو بدنصیب سمجھوں یا خوش نصیب؟'' انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے نم لہجے میں کہا۔

''مجھے غیروں نے اپنا بنایا اور اپنوں نے دھتکارا''۔

''میں ناراض ہو سکتی ہوں''۔ قاریہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''ارے کیوں؟ کیا ہوا؟'' کرن نے مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اتنے سال سے ساتھ رہنے اور محبت کے باوجود ہم غیر ہیں ابھی بھی؟''

''اوہ سوری!'' کرن نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے محبت بھرے انداز میں کہا۔

''میرا یہ مقصد ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ آپ لوگوں نے تو محبتوں اور بے لوث تعلقات کو زندہ رکھا ہوا ہے، ورنہ یہ قدریں تو ہم اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہیں۔ مجھے تو آپ لوگوں سے ہی محبتیں ملی ہیں۔ آپ میرے لیے اپنوں سے بڑھ کر گئے ہیں لیکن بات تو وہی آئے گی کہ ناخن خواہ آپ کتنا کاٹ دیں مگر گوشت سے جدا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میری جڑیں تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جو غیروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا، ننھیال، ددھیال، ماں کا گھر، باپ کا گھر، کہیں بھی میرے لیے پناہ نہ تھی، رشتوں کا یہ تقاضا تو نہیں ہوتا ناں......''

''جو یادیں تکلیف دیں، انہیں بھول جانا اچھا ہے۔ بھول جاؤ سب کچھ''۔

"کاش! بھولنا اتنا آسان ہوتا تو میں کب کی بھول چکی ہوتی"۔ ماضی کی خاک ان کی آنکھیں جھلسانے لگی تھی۔

"پلیز کرن! سنبھالو خود کو، تمہاری دن بہ دن گرتی صحت نے انس بھائی کو بھی اَپ سیٹ کر رکھا ہے۔ حورین کی جدائی اور تمہاری طبیعت، حورین میں تو ان کی جان ہے، بڑے حوصلے اور ضبط سے وہ اس کی کمی کو برداشت کر رہے ہیں۔ ادھر تمہاری طبیعت انہیں اَپ سیٹ کیے ہوئے ہے"۔

"اوکے میں سنبھال لوں گی خود کو"۔

☆......☆......☆

حمزہ کی تصویر ہاتھ میں تھی۔ اس کا ذہن سوچوں کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا اور ماضی کے مرغزاروں میں کھو گیا تھا۔ جب اچانک ہی حیدر کی کال نے اسے چونکا دیا تھا۔

"یس"۔ اس نے اسکرین پر نام دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار! کہاں ہو تم؟"

"گھر پر ہوں، خیریت؟" حیدر کے لہجے میں کچھ تھا، وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"خیریت نہیں ہے یار بس تم آ جاؤ"۔ حیدر نے اسے ہسپتال کا ایڈریس بتاتے ہوئے تاکید کی۔ موبائل آف کرتے ہوئے اس کے چہرے پر تفکر تھا۔ اس نے سائیڈ پر رکھے والٹ، گلاسز اور کی چین اُٹھائی اور موبائل شرٹ کی جیب میں رکھا ہی تھا، جب دروازہ ناک کرتی منال اندر آئی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے آتے ہی سوال کیا۔

"حیدر کی طرف"۔

"حیدر سے روز ہی ملتے ہو، آج میرے ساتھ چلو مسز حمید کے ہاں پارٹی میں"۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے حکمیہ انداز میں بولیں۔

"مما! آپ جانتی ہیں مجھے ان پارٹیز، گیدرنگز سے کس قدر الرجی ہے، پھر بھی آپ مجھے اصرار کرتی ہیں۔ سوری میں نہیں جا سکوں گا آپ کے ساتھ"۔ وہ نرم مگر حتمی انداز میں بولا۔

"کیوں آخر...... آپ کو ہر اچھے کام سے کیوں الرجی ہے؟ میری تمام فرینڈز کے بچے بہت شوق سے ایسی پارٹیز انجوائے کرتے ہیں پھر آپ کیوں بھاگتے ہیں ایسی گیدرنگز سے؟ یہی تو انجوائے منٹ کے دن ہیں"۔ انہوں نے آتے ہی حسبِ عادت گفتگو شروع کر دی تھی جو اسے ہمیشہ سے ناگوار گزرتی تھی اور اس لمحے جب وہ حیدر کی کال پر فکر مند، جانے کو تیار تھا، ان کی گفتگو اصرار اور خواہش اسے اس وقت بہت بھاری لگ رہی تھی۔

"میں بہت بُرا بیٹا ہوں آپ کا، کبھی آپ کی توقعات پر پورا نہیں اُتر سکوں گا۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں پلیز......"

"اسی طرح جس طرح تمہارا باپ چھوڑ گیا تھا"۔ وہ تپ کر بولیں۔

"مما! پلیز...... بابا کو درمیان میں مت لائیں"۔ اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ پڑا تو وہ کراہ اُٹھا۔

"کیوں بہت تکلیف ہوتی ہے اس شخص کے خلاف سن کر...... جو چھوڑ کر بزدلوں کی طرح بھاگ گیا، جس نے نہ بچوں کا سوچا نہ بیوی کا۔ اس کی اتنی فکر ہے اور میری بالکل نہیں...... آخر ہو نا اسی باپ کی اولاد جو اس کی چاہ کرتے ہیں جو بدلے میں نفرت و بے وفائی سے نوازتے ہیں"۔ وہ سوکھی لکڑی کی طرح دھڑ دھڑ سلگتی چلی گئی تھیں اور ذوالنون کی رگ رگ میں خون شرارے بن کر دوڑنے لگا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر آگ کی مانند ہی سرخی چھا گئی تھی۔ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا وہ اس وقت۔

"جس طرح تمہارا باپ چھوڑ کر چلا گیا، تم بھی چلے جاؤ، مجھے ضرورت نہیں ہے کسی کی...... میں تمہارا لوں گی"۔ وہ ہسٹریکل انداز میں چیخنے لگی تھیں، آواز سن کر فائقہ اندر آ گئی تھیں۔

"کیا ہوا منال! کیوں چیخ رہی ہو؟" وہ دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ذوالنون ہونٹ بھینچے کھڑا تھا۔

"مما! آپ ریلیکس ہو جائیں، ایسا کچھ نہیں ہے جو آپ سمجھتی ہیں"۔ منال کے آنسو اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے۔

"ہٹو دور...... ہاتھ مت لگاؤ مجھے، میں کوئی نہیں ہوں آپ کی"۔ وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ جھٹک کر باہر چلی گئیں۔

"پریشان نہ ہو میرے بچے! وہ کچھ دیر بعد اپنا غصہ بھول جائے گی، آپ کہیں جا رہے ہو؟" منال کے رویے کو نظر انداز کر کے فائقہ محبت بھرے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

"جی نانو"۔ وہ بُری طرح ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

"او کے آپ جاؤ، میں منال کو سمجھا دوں گی"۔ فائقہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی گویا ہوئیں تو وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ بہت تیز ڈرائیونگ کرتا ہسپتال پہنچا تھا جہاں پورا گروپ حاضر تھا۔

"السلام علیکم"۔ وہ دوستوں کو سلام کرتا ہوا سید حا بیڈ کی طرف آیا تھا جہاں مامون (جس کو سب شرارت سے ماموں پکارتے تھے) پٹیوں میں جکڑا نیند کے انجکشن کے زیر اثر سو رہا تھا۔ بائیں ہاتھ میں ڈرپ لگی اسٹینڈ سے لٹک رہی تھی، اس کے ماتھے پر اور دونوں ہاتھوں پر ڈریسنگ تھی۔

"کیا ہوا...... کیسے ہوا یہ سب؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا، ان سب کے چہرے سنجیدہ تھے۔

"ایکسیڈنٹ...... روڈ پر گاڑی سلپ ہو گئی تھی"۔ مدثر بولا۔

"بائیک سلپ ہونے پر اتنے گہرے زخم نہیں آتے"۔ ذوالنون جانچتی نگاہوں سے بے سدھ پڑے مامون کو دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں یار! ماموں کے ساتھ کوئی اور چکر چلا ہے"۔

"شٹ اَپ! ایسے موقع پر تو سنجیدہ ہو جایا کرو"۔ ذوالنون عزل کو غصے سے جھڑک کر بولا تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

''کیا چکر ہو سکتا ہے؟'' حیدر نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''ہوش میں آ کر بتائے گا، کیوں کہ یہ اکیلا تھا''۔

''اسے ہوش نہیں آیا ہے؟'' وہ بے حد پریشانی سے بولا۔

''آیا تھا، تکلیف سے بے چین ہو رہا تھا، اس لیے ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن لگایا ہے تب یہ سکون سے سویا ہے''۔

''اوہ''۔ اس نے گہری سانس لے کر کرسی کی بیک سے سر ٹکا دیا۔

''تم لوگ جاؤ اب، رات کو میں یہاں رہوں گا، کل ڈسچارج ہو جائے گا''۔ حیدر جواد، مدثر اور حزل کی طرف دیکھتا ہوا بولا، وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ مامون کی ڈرپ ختم ہوگئی تو نرس بدل کر چلی گئی تھی۔

''تمہارا کیا خیال ہے، یہ کس طرح اتنا زخمی ہوا ہے؟'' تنہائی میسر آتے ہی ذوالنون سنجیدگی سے حیدر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میں کچھ اندازہ نہیں کر پا رہا ہوں۔ شاید کوئی حادثہ ہی ہو یا پھر راکی گروپ کی کارروائی''۔ حیدر کا انداز متذبذب تھا۔

''یہ ان کی ہی حرکت ہے، مجھے یقین ہے، انہوں نے ہی ٹارچر کیا ہے اسے''۔ اس کے انداز میں تندی تھی۔

''اس بار ان کو معاف کرنے والا نہیں ہوں''۔ ذوالنون کے انداز میں بادلوں جیسی گرج تھی، حیدر نے تائید میں گردن ہلائی تھی۔

''تم کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو، کوئی مسئلہ ہے؟'' حیدر اس کی جانب بغور دیکھتا ہوا استفسار کرنے لگا۔

''نہیں، کچھ نہیں''۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''مجھ سے چھپا رہے ہو، جو تمہاری رگ رگ سے واقف ہے''۔ حیدر سے دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ واحد دوست تھا جو اس کے تمام دکھوں سے، تمام غموں سے مکمل آگاہی رکھتا تھا اور دل و جان سے اس کو چاہتا تھا، خود سے بڑھ کر اس کی پروا کرتا تھا۔

''آنٹی سے کوئی بات ہوگی۔ یقیناً وہ پرنس صاحب کو کسی پارٹی میں لے جانے کے لیے بضد ہوں گی اور ہمارے پرنس کے تو کسی سے مزاج ہی نہیں ملتے، جانے سے منع کر دیا ہوگا''۔ حیدر مسکرا کر بولا۔

''مما جانتی ہیں، مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں پھر بھی......''

''پھر بھی کیا یار! زندگی بار بار نہیں ملتی، بندے کو اس ایک بار میں ہی اسے ہر موڑ، ہر خوشی، ہر دُکھ شیئر کرنے پڑتے ہیں اور یہ دُنیا کا عجیب دستور ہے جو جس سے بھاگتا ہے وہی اس کے آگے آتا ہے جیسے تم پارٹیز سے بھاگتے ہو، ہنگاموں سے دور رہتے ہو، لڑکیوں سے چڑتے ہو''۔ آخری لفظوں پر وہ شوخی سے ہنس پڑا تھا۔

''اسٹاپ اِٹ، ورنہ تمہارے منہ پر یہ ٹیپ لگا دوں گا''۔

''میرے منہ کو تو بخشو، اپنے دل پر ٹیپ لگا رکھی ہے تم نے، یہی کافی ہے''۔

مامون کو ہوش آ گیا تھا، اس نے یہی بتایا تھا کہ بائیک سلپ ہوئی تھی۔

''حیدر! تم ایپل فریش جوس لے آؤ''۔ حیدر چلا گیا تو وہ کرسی اس کے بیڈ کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔

''ایسے......ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''تمہارے چہرے سے وہ سچ کھوجنا چاہتا ہوں جو تم چھپا رہے ہو''۔ اس کے گھمبیر لہجے میں یقین و اعتماد کی صداقت تھی۔

''میں نے کہا ناں بائیک سلپ......''

''شٹ اَپ، تم نے مجھے اتنا ہی احمق سمجھا ہوا ہے، تم جھوٹ کہو گے اور میں مان جاؤں گا...... کیوں چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' اس کی سرمئی آنکھوں سے خفگی و برہمی سرخی بن کر چھانے لگی۔ مامون مزید چھپا نہ سکا، بول اُٹھا۔

''میں لائبریری میں بیٹھا تھا، وہاں پڑھتے پڑھتے ٹائم گزرنے کا احساس نہیں ہوا، تم سمجھے میں چلا گیا ہوں، باہر تم میں سے کوئی بھی نہ تھا، میں پارکنگ سے گاڑی نکال رہا تھا جب میں نے راکی اور اس کے ساتھیوں کو کچھ لڑکیوں کو تنگ کرتے دیکھا......''

''اور ہیرو بن کر انٹری ماری ہو گی تم نے''۔ اس کا موڈ بگڑ گیا۔

''پھر ان بدمعاشوں کو من مانیاں کرنے دیتا؟ تم اچھی طرح جانتے ہو وہ کس کریکٹر کے لوگ ہیں اور کس حد تک جا سکتے ہیں''۔

''وہ لڑکیاں بھی برائٹ کریکٹر کی تو نہ ہوں گی جو ان کو موقع ملا''۔

''سمجھا کرو یار! وہ نیو کمرز تھیں''۔

''اوکے، اوکے بس اب خاموش ہو جاؤ، ریسٹ کرو، خواہ مخواہ اتنے زخمی ہوئے، خون ضائع کیا''۔ اس نے ڈانٹتے ہوئے اسے چپ کیا۔

''یہ کہاں کی شرافت ہے یار! تم ہمدردی کرنے کے بجائے ڈانٹ رہے ہو''۔ مامون نے کمزور لہجے میں احتجاج کیا۔

''ایسی احمقانہ حرکت پر تمہیں کاندھے پر چڑھا کر گھوموں؟''

''تمہیں صرف محبت کی نگاہ سے دیکھو''۔ اس کے انداز پر ذوالنون اسے گھور کر رہ گیا، جواباً اس نے سکنے کی اداکاری کرتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

☆......☆......☆

وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے، معاً بی جان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ان سب کو بریک لگ گیا تھا۔

''اے ہائے...... بڑا غضب ہوا''۔ وہ بیٹھتے ہوئے افسردگی سے گویا ہوئیں۔ وہ متجسس انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا اچھے میاں نے چوتھی شادی کرلی؟'' رؤف کو کھد بد ہوئی۔

''شاید اللہ میاں کو پیارے ہو گئے؟'' سعود نے قیاس کیا۔

''ان کے ایک درجن بچوں اور دو عدد بیویوں کی کفالت کون کرے گا؟''

"خاموش کم بختو، جب بھی بولنا بے تکا ہی بولنا۔ اس گھر کی لڑکیاں تو لڑکیاں، موئے لڑکوں کی بھی گز گز بھر کی زبانیں ہیں، عقل تو بالکل ہی کوری ہے، سوچیں گے، نہ سمجھنے کی زحمت کریں گے۔ قینچی کی طرح کتر کتر زبانیں چلاتے ہیں بس"۔ وہ عینک کے پیچھے سے سب کو گھورتے ہوئے ڈانٹ رہی تھیں، معاً حمیرا آنٹی آکر پوچھنے لگیں۔

"بی بی جان! رات کے لیے کیا پکاؤں؟"

"میرا کلیجہ پکا لو"۔ وہ بھنا کر بولیں۔

"وہ تو پہلے ہی جلا ہوا ہے"۔ وصی کی بے ساختہ زبان کھجلائی۔

"ٹھہر ابھی تجھے بتاتی ہوں گھنے"۔ وہ چپل پر ادھر اُدھر نگاہ دوڑاتی ہوئی بولیں۔ چپل وصی پہلے ہی صوفے کے نیچے ٹانگ سے دھکیل چکا تھا۔

"ان کا مغز نکال کر پکا لو، ویسے ہی پڑے پڑے سڑ جائیں گے"۔ چپل کی تلاش میں ناکامی پر وہ اسے دھمو کا جڑتے ہوئے بولیں۔

"اللہ خیر کرے، آج بہت آدم خوری کی باتیں کر رہی ہیں، کن لوگوں سے مل کر آرہی ہیں بی بی جان آپ؟" بریرہ حیرانگی سے گویا ہوا۔

"مت پوچھ کن سے مل کر آرہی ہوں"۔ ٹھنڈی سانس بھر کر توقف کے بعد گویا ہوئیں۔ حمیرا آنٹی بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ حمیرا، امیرا اس گھر کی بہوئیں تھیں۔ بی بی جان کی چھوٹی بھابیاں، دونوں سگی بہنیں تھیں۔ اچھی تربیت تھی یا بی بی جان کا بھرپور اختیار، ان میں وہ روایتی چپقلش پیدا نہ کر سکا تھا جو اکثر اس جیٹھانی و دیورانی کے رشتوں میں موجود ہوتی ہے۔ دونوں نے بہت تدبر و اخلاق سے اپنی ذمے داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ بی بی جان کی ہر بات مانتی تھیں۔ بڑا احترام کرتی تھیں۔

ابھی بھی ان کی جھڑک سن کر مسکرا کر ان کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

"اچھے میاں اور پیارے میاں میں زبردست معرکے کے بعد گھر کا بٹوارہ ہو گیا"۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا، ان کے ابا، اماں کہاں ہیں؟" حمیرا دُکھ سے بولیں۔

"زمین، جائیداد، گھر و سامان کے ساتھ ساتھ اماں ابا کا بھی بٹوارہ ہوا ہے۔ ابا میاں اچھے میاں کے ساتھ رہیں گے اور اماں بی پیارے میاں کے ساتھ، کتنے دُکھ و تکلیف کا مقام ہے۔ یہ ماں باپ بارہ تیرہ بچوں کو سنبھالتے ہیں، پرورش کرتے ہیں، دل و جان سے پیار کرتے ہیں، رکھتے ہیں اور یہ بچے ماں باپ کو نہیں سنبھال سکتے۔ زندگی میں ہی جدا کر دیتے ہیں۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے ہم مسلمانوں کو۔ ہم نے اپنی دینی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، نہ ہمیں حقوق العباد یاد ہیں نہ حقوق اللہ۔ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ ہمارے اخلاق، ہمارے کردار، ہمارے کسی بھی انداز سے وہ اخلاق و رواداری ظاہر نہیں ہوتی جو غیر مسلموں کو بھی کشاں کشاں کھینچ کر دین اسلام کی طرف لے آتی تھی"۔ ان کے لہجے میں سچ تھا اس ماحول کا، اس بے لگام تہذیب کا جو اس دور میں پروان چڑھ رہی تھی۔

"بے راہ روی، نفسا نفسی، بداخلاقی و بدکرداری ہولناک تباہی کی طرح ہمارے لوگوں میں رچ بس رہی ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھنا چھوڑ کر اپنا لیا جاتا ہے تو پھر تباہیاں و بربادیاں مقدر بنتی ہیں"۔

"اوپر والا سب کو اپنی امان میں رکھے۔(آمین) آپ ان کو یہاں لے آئیں۔ ہمارے گھر میں کوئی بزرگ نہیں ہیں۔ ان کے آنے سے ہمارے گھر میں بھی رونق ہو جائے گی۔ بزرگ تو گھر کی شان و رحمت ہوتے ہیں"۔

حمیرا کے لہجے میں ان ماں باپ کے لیے دُکھ تھا جو آج اپنی اولاد پر بوجھ بن گئے تھے۔ سب افسردہ ہو گئے تھے۔

"میں نے بہت ضد کی ساتھ لانے کے لیے مگر وہ کچھ اس طرح بکھرے ہیں کہ سنبھل نہیں پا رہے ہیں"۔

"جس گھر میں غلط قسم کی بہوئیں آ جاتی ہیں، وہاں پھر ایسا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ ایسے عاقبت نااندیش لوگ دُنیا و آخرت دونوں تباہ کر دیتے ہیں"۔

"اولاد، اولاد، کیا کچھ جتن نہیں کرتا انسان اولاد کے لیے اور پھر صلہ ملتا ہے نیک اولاد بڑھاپے کی لاٹھی ہوتی ہے، اگر اس میں دیمک لگ جائے تو سب فضول و بکواس ہے، ایسی اولاد سے بے اولاد ہونا اچھا ہے"۔

بی بی جان از حد دل برداشتہ تھیں۔

☆......☆......☆

کونین نے صمد چاچو کے گھر میں پھیلے سنّاٹے و خاموشی سے اندازہ لگایا کہ گھر میں صرف دادو ہوں گی یا کوئی ایک ان کے پاس رُکا ہوا ہوگا اور وہ ذات یقیناً خنتریٰ کی ہی ہوگی۔

تیکھے نقوش و ستھری رنگت والی خنتریٰ شیریں گفتار و ہر ایک سے اپنائیت و احترام سے بات کرنا، جس کی صفت تھی۔ سنجیدہ کومل احساسات والی۔

"السلام علیکم!" ملازمہ نے اسے دیکھ کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! سب لوگ کہاں ہیں؟"

"سب گھر والے شادی میں گئے ہوئے ہیں"۔

"گھر میں کوئی نہیں ہے؟" وہ چونک کر بولا۔

"دادی ہیں اور خنتریٰ بی بی ہیں"۔

"تھینکس گاڈ!" وہ مسرور سا اندر بڑھا۔ دادو کے کمرے میں گیا تو وہ سو رہی تھیں۔ وہ واپس پلٹا تو خنتریٰ اِدھر آ رہی تھی۔ ملازمہ نے اسے بتا دیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ وہ جواب دیتا ہوا اس کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نہیں گئیں شادی میں؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"نہیں، موڈ نہیں تھا، پھر دادو کو تنہا نہیں چھوڑتے"۔ وہ بھی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔ پنک اور لائٹ بلو پرنٹڈ سوٹ میں وہ فریش لگ رہی تھی۔

"دادو اس ٹائم کیوں سو رہی ہیں، طبیعت ٹھیک ہے؟"

"طبیعت بہتر ہے، ساری ساری رات عبادت کرتی ہیں، پھر دن میں بھی وہ آرام نہیں کرتیں، کبھی کبھی اس طرح سو جاتی ہیں"۔

"ہاؤس جاب مکمل ہونے والا ہے تمہارا، اس کے بعد کیا ارادے ہیں؟"

پپا کا ہسپتال جوائن کروں یا اسپشلائزیشن کے لیے فارن کنٹری چلی جاؤں، ابھی ڈسائیڈ نہیں ہے، کیونکہ فیصلہ دادو کو کرنا ہوتا ہے، اس لیے کچھ بھی سوچنا قبل از وقت ہوگا۔ ملازمہ بنانا شیک لے آئی تھی۔ ایک ایک گلاس ان کی طرف بڑھا کر وہ چلی گئی تھی۔

"اگر دادو نے تمہاری شادی کرنے کا فیصلہ سنا دیا تو......" وہ معنی خیز انداز میں اس کی جانب دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"پھر چپ چاپ شادی رچالوں گی"۔ اس کے صبیح چہرے پر پھیلی قوسِ قزح اسے نہایت دل کش لگی۔

"آپ کھانا کھا کر جائیے گا، میں صابرہ کو پھلکے بنانے کا کہتی ہوں"۔

"بھاگو نہیں، میری بات کا جواب دو پہلے"۔ اسے فرار ہوتے دیکھ کر وہ چہکا۔

"اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے"۔ اس کی تمام بولڈنیس ہوا ہو گئی تھی۔

"ہر بات کا جواب ہوتا ہے، میری بات کا جواب بھی ہے۔ بتاؤ دادو کی پسند کے لڑکے سے شادی کر لو گی تم؟"

"ہاں......" وہ سر جھکا کر بولی۔

"کیوں...... تمہارا کوئی آئیڈیل نہیں ہے؟" وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا اور دل میں خواہش مچل رہی تھی، شاید وہ ایسی کوئی بات کہہ دے، جس سے دل کی ڈولتی کشتی کو سہارا مل جائے۔

"میں آئیڈیلزم پر یقین نہیں رکھتی، ہمیں ملتا وہی ہے جو ہمارے مقدر بنا دیا جاتا ہے، پھر ہم کیوں اپنی آنکھوں کو ان سپنوں کا عادی بنائیں جن کو تعبیر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے"۔ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ لمحے بھر کو نین کی نگاہوں میں اندھیرا سا چھایا تھا لیکن جلد ہی اس نے بے قرار دل کو اس خیال سے بہلایا کہ وہ ابھی اس کے جذبوں سے ناآشنا ہے۔ اس لیے عام بات کہہ رہی ہے۔ یہ بات اس کے لیے نہیں ہے مگر وہ اس امر سے ناواقف تھا کہ صنفِ نازک کی نگاہیں بے حد زیرک اور احساسات بے حد شارپ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جانب اٹھنے والی نگاہوں کے مفہوم سے فوراً ہی مقابل کے جذبات واحساسات بھانپ جاتی ہیں۔

وہ بھی اس کی بدلتی نگاہوں کے رنگ پہچان گئی تھی، گو کہ نین کے انداز میں کوئی عامیانہ پن نہیں آیا تھا۔ وہ اسے پہلے کی طرح مخاطب کرتا تھا۔ بات چیت، گفتگو، عزت واحترام ویسا تھا مگر ان سب میں اب ایک رنگ، خوشبو شامل ہو گئی تھی۔ وہ خوشبو تھی چاہت کی۔ وہ مہک اس تک پہنچ چکی تھی اور قبل اس کے کہ وہ ہر سو پھیلنے لگے۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے اس تک وہ بات پہنچا دی تھی۔

"شاید دادو جاگ گئی ہیں، میں ان کے پاس جا رہا ہوں، اس ٹاپک پر ہم پھر بات کریں گے، کیونکہ مجھے لگ رہا ہے، تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو"۔

وہ کہتا ہوا اُٹھ گیا اور خضریٰ اس کی پشت گھور کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

آنکھوں کو کھول کر استعمال کرنے کی عادت ڈالو، دن گزر چکا، رات ہونے والی ہے"۔ حورین نے قریب کھڑے ہریرہ سے کہا۔

"یہ عادت تمہاری خراب ہے۔ بات سمجھتی نہیں ہو اور شروع ہو جاتی ہو"۔

"بات بھی تو وہ کیا کرو جو سمجھ میں آئے"۔

"اب تم میں سمجھ کی کمی ہے تو پھر میرا کیا قصور؟" وہ شوخ ہوا۔

"ہریرہ پلیز! میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں"۔

"پھر کس کا موڈ ہے"۔ اس نے جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر چونک کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ارے..... تم تو کافی سنجیدہ، رنجیدہ وغیرہ وغیرہ لگ رہی ہو، کیا ہوا رونی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟"

"ممی بہت یاد آ رہی ہیں"۔

"اتنا عرصہ تو نہیں ہوا، ہمیں یہاں آئے ہوئے"۔

"یاد ٹائم سے جڑی تھوڑی ہوتی ہے"۔ وہ بہت اُداس تھی۔ انس بزنس کے سلسلے میں ناروے روانہ ہوئے تھے اور کل اس سے ملتے ہوئے گئے تھے۔ کل کے علاوہ بھی وہ اس سے ملنے آتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی سیل فون کے ذریعے وہ ان سے رابطے میں رہتی تھی۔ انس سے اس کی بے تکلفی و محبت حد سے سوا تھی۔ ان کے درمیان باپ بیٹی والا محبت و احترام کا رشتہ بھی تھا تو دوستی بھی تھی۔ باپ کی طرح وہ ماں سے اتنی قریب نہ ہو سکی تھی۔ کرن نے انس کے بے حد لاڈ پیار کے مقابل اپنے مزاج میں کچھ سختی و تکلف رکھا تھا، تا کہ وہ ماں اور باپ کو ہم مزاج سمجھ کر ان حدود و قیود سے باہر نہ نکلے جو ایک لڑکی ہونے کے ناتے اس کے لیے ضروری تھیں۔

ان کی اسی حکمت عملی کے باعث وہ نارمل تھی، ورنہ جن بچوں کو اتنی مورل سپورٹ، آرام وہ زندگی کے ساتھ ساتھ بے حد پیار و محبت بھی مل جائے تو وہ اخلاقی اعتبار سے تباہ ہو جاتے ہیں۔

"ٹھیک بات کہی ہے تم نے۔ لو کندھا حاضر ہے"۔ وہ قریب ہو کر بایاں شانہ اس کی طرف کرتا ہوا بولا۔

"ہٹو۔ کیا کر رہے ہو؟" حورین نے گھور کر کہا۔

"کندھا حاضر ہے..... یار! جب کوئی روتا ہے تو کندھے کی تلاش ہوتی ہے، اس لیے آفر کر رہا ہوں۔ میرے شانے پر سر رکھ کر روؤ، تا کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے"۔ اس نے معصومیت سے وضاحت کی۔

"تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہو گئی کہ میں تمہارے اس بدبودار کاندھے پر سر رکھ کر روؤں گی؟" وہ اُداسی بھول کر بھڑک اُٹھی۔

"میں نے تو یہی دیکھا ہے"۔ وہ مسکراہٹ ضبط کرتا گویا ہوا۔

"کیا دیکھا؟" وہ کمرے میں ہاتھ رکھ کر غرائی۔

"محبوبہ اپنے محبوب کے کاندھے پر ہی سر رکھ کر روتی ہے"۔

"اپنی بکواس بند کرو، ورنہ......"

"ورنہ......؟" اس نے دور ہٹتے ہوئے کہا۔

"تمہیں جان سے مار دوں گی"۔

"بس کیا یہیں تک تھا ہمارا ساتھ

انتظار ہی کرتے رہے ہم تمہارا

کب ہو گی اس کم بخت دل میں روشنی

اور کب ہو گا پیار کا اظہار تمہارا؟"

"سدھر جاؤ ورنہ اسی حسرت میں مر جاؤ گے تم"۔

"پتہ گر سکتا ہے درخت نہیں

سورج ڈوب سکتا ہے آسمان نہیں

دھری سوکھ سکتی ہے پر دریا نہیں

دنیا سدھر سکتی ہے مگر ہریرہ نہیں"۔

سعود نے وہاں آتے ہی ہانک لگائی تھی۔

"کبھی بھی سکون سے رہنے مت دینا، مجال ہے کبھی پرائیویسی نصیب ہو جائے اس گھر میں آ کر"۔ ہریرہ نے دہائی دی۔

"یار! بھائی سے بھائی کا کیا راز"۔

"بھائی! ابھی ڈسٹرب مت کر، تو جا ابھی"۔

"کیوں جاؤں؟"

"میں جا رہی ہوں، تم دونوں یہیں بیٹھ جاؤ"۔ حورین ان کی بک بک سے تنگ آ کر قدم آگے بڑھانے لگی تو سعود نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں کہا۔

"پلیز ناراض ہو کر مت جاؤ، میں بھی ہریرہ کی طرح تمہارا بھائی ہوں"۔ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا سیدھا اندر بھاگا تھا اور اس کے پیچھے ہریرہ مکا تان کر، حورین مسکراتی ہوئی نیچے آ گئی جہاں اریج، زویا، موحل بیٹھیں فیشن میگزینز دیکھ رہی تھیں۔

"سعود اور ہریرہ کیوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگے ہیں؟" اریج کشن اس کی جانب بڑھاتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"دونوں میں بحث ہو رہی ہے"۔

"کس بات پر؟"

''سعود کہتا ہے، یہ میری بہن ہے اور ہر یہ کہتا ہے میری''۔ وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔ ساتھ اس نے بھی دیا۔

''ارے۔ یہ گھر کو سر پر کس نے اُٹھا رکھا ہے؟'' کمرے سے بی بی جان کی رعب دار آواز اُبھری۔

''اوگاڈ! یہ بی بی جان بھی کیسی باتیں کرتی ہیں''۔ حورین کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

''بی بی جان کے جملوں میں ایسے ہی ناممکنات شامل ہوتے ہیں''۔

اپنی بات کا جواب نہ پا کر بی بی جان کمرے سے نکل آئی تھیں۔ انہوں نے جلدی سے میگزینز کشن کے نیچے دبائے تھے۔

''جواب نہیں دیا میری بات کا؟'' وہ غصے سے گویا ہوئیں۔

''بی بی جان......!وہ......'' سعود کا سوٹ گر گیا تھا۔

''سعود کا سوٹ گرنے سے ایسی آواز؟''

''وہ سوٹ میں خود بھی تھا''۔ مومل کے جواب ایسے ہی ہوتے تھے۔ان تینوں کے چہرے سینے پر جا لگے تھے،ہنسی روکنا محال ہو رہا تھا۔

''ڈوب مرو کہیں، اتنی بڑی ہو گئی ہو، بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ کل کو سسرال جاؤ گی تو ہماری تربیت پر اُنگلیاں اُٹھوانا۔ لوگ کیا بولیں گے''۔

''گھر والوں نے ڈھنگ سے جھوٹ بولنا بھی نہیں سکھایا''۔ زویا کی سرگوشی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ان کی دبی ہنسی عجیب آوازوں سے ہونٹوں سے برآمد ہوئی تھی۔ انہوں نے منہ پر دوپٹے رکھ لیے۔

''ارے کیا ہو گا تم لڑکیوں کا۔ ذرا موقع ملا نہیں اور شروع ہو گئیں دانت نکالنے کو اور کوئی کام ہے بھلا اس ہنسی ٹھٹھول کے علاوہ؟'' ایک لمبا لیکچر ان کو سننے کو ملا تھا۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم نانو......!'' برہان لغاری نے خوب صورت وگھمبیر آواز پر سر اُٹھا کر دیکھا۔ ان کے چہرے پر تناؤ کی جگہ مُسکراہٹ نے لے لی۔ وہ اُٹھے اور بڑے پُرجوش انداز میں آنے والے ذوالنون کو گلے لگا کر سلام کا جواب دیا۔

''مائی شیر جوان......! کہاں ہوتے ہو آج کل، آنکھیں ترس جاتی ہیں''۔ وہ محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا تھے۔

سیاہ لیدر کی سینڈل وہائٹ کاٹن کے شلوار سوٹ میں اس کی سرخ وسپید رنگت اور دراز قامت نمایاں تھی۔

''جس طرح مُلا کی دوڑ مسجد تک ہوتی ہے، اس طرح ان صاحب کی دوڑ یونیورسٹی یا پھر دوستوں تک ہے''۔ وہاں پہلے سے موجود کومین نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، وہ برہان کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔

''دوست......یا گرل فرینڈز؟'' برہان لغاری ہنس کر گویا ہوئے۔

''یہ تو آپ کو خود بتائے گا''۔ وہ اس سے نگاہیں چرا کر شرارت سے بولا۔

"کیوں پرنس! ایسی بات ہے تو شرماؤ مت"۔ پھر سرگوشی کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"تمہاری عمر میں ہماری دوستی لڑکوں سے کم لڑکیوں سے زیادہ تھی......اور سچ بات ہے جو مزہ گرل فرینڈ شپ......"

"اونانو......! یہ کس قسم کی بات شروع ہو گئی ہے"۔ وہ جھنجلایا تھا۔

"میری جان......! اس عمر میں اسی قسم کی گفتگو اچھی لگتی ہے"۔ وہ ترنگ میں تھے، ویسے بھی وہ اپنی مصروف زندگی میں اردگرد سے خاصے بے خبر رہتے تھے۔ منال کی شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے اور ایک عرصے تک بے خبر رہے تھے، پھر رفتہ رفتہ منال سے ان کی ناراضگی دور ہونے لگی تھی۔ اس وقت تک حمزہ جا چکا تھا۔ ایک مدت بعد انہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ بیٹی اور داماد میں کون اَن بن ہوئی ہے مگر منال کا پُرسکون چہرہ و بے فکر انداز وطرزِ زندگی انہیں مطمئن کر گئے، نہ انہوں نے جاننے کی سعی کی، نہ انہوں نے بتانے کی، مصروف زندگی نے انہیں فرصت بھی نہ دی تھی جو وہ بچوں کی طرف متوجہ ہوتے، آتے جاتے انہیں پیار کرنا، مہنگے مہنگے گفٹس دینا، یہ ذمے داری تھی ان کی۔ کونین اپنی بے تکلف عادت کے باعث سب میں گھلنے ملنے کا عادی تھا۔ وہ اکثر ان کے ساتھ تفریحی پروگرامز میں ساتھ ہوتا تھا۔ اس طرح وہ اس سے بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ ذوالنون نے شروع سے اپنے گرد ایک تکلف واجنبیت کی دیوار قائم رکھی تھی جو آج تک قائم تھی اور وہ نہ چاہنے کے باوجود اس کے مزاج کے مطابق ملتے تھے، تبھی آج وہ بات کو اپنے انداز سے سمجھے تھے۔

"نانو......! وہ عمر اس کی نہ معلوم آئے گی بھی یا نہیں؟"

"اس بات کا کیا مطلب ہوا؟" وہ ازحد حیران ہوئے۔

"نانو جان......! پرنس کو گرلز پسند نہیں ہیں"۔

"ارے! یہ کیا بات ہوئی......؟" اب وہ بغور قریب بیٹھے ذوالنون کو ایسی جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، گویا وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"آئی ڈونٹ بلیو۔ یہ آج بڑی آمیزنگ بات سنی ہے میں نے"۔

"نانو......! اب بھی آپ کے افیئرز ہیں؟" کونین کو اس کی حالت دیکھ کر بڑا لطف آ رہا تھا۔ سرخ چہرہ، ناگواری کی بے انتہا شکنیں لے کر وہ بڑے ضبط سے بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ ٹاپ سیکرٹ ہے"۔ وہ ہنس کر بولے۔

"نانو......! میں جا رہا ہوں"۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی تو آئے ہو"۔

"مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے"۔

"او کے، ذرا جلدی جلدی چہرہ دکھا دیا کرو"۔ وہ کونین کی مسکراتی نگاہوں کو اگنور کرتا کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

وہ یونیورسٹی گئیں تو خبر ان کی منتظر تھی۔

ثناء اور ردا کی گاڑی نہیں آئی تھی۔ وہ انتظار میں کھڑی تھیں۔ جب ہی راکی گروپ کے کچھ لڑکوں نے آ کر ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ جب چھیڑ چھاڑ حد سے بڑھنے لگی تو اندر سے آنے والے ایک لڑکے نے ان لڑکوں کو منع کیا، اسی وقت ان کی گاڑی آ گئی، وہ فوراً وہاں سے چلی گئی تھیں۔ گزرتے میں انہوں نے اس کو ان بدتمیز لڑکوں سے گتھم گتھا ہوتے دیکھا تھا۔

''تم بزدل لڑکیو......! اس طرح کیوں بھاگیں۔ شور کر کے دوسرے اسٹوڈنٹس کو بھی بلا سکتی تھیں اور یہ راکی گروپ کیا بلا ہے؟'' زویا نے کہا۔

''پوری جامعہ خالی ہو گئی تھی۔ کچھ اسٹوڈنٹس تھے مگر کسی میں جرأت نہ تھی''۔

''راکی گروپ میں کون لوگ ہیں؟'' حورین نے پوچھا۔

''سارے بدمعاش لڑکے ہیں، جو نہ پڑھتے ہیں، نہ پڑھنے دیتے ہیں جن کا مشن یہی ہے قلم کی بجائے اسلحہ ہاتھ میں آئے۔ تعلیم کی جگہ فساد و بدامنی ہر جگہ پھیلے، جو اکثر اوقات مظاہرے کرتے رہتے ہیں''۔

''ایسے لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں، ان کے لیے نو انٹری کا بورڈ ہونا چاہیے''۔

''یہ ایسے ویسے لوگ نہیں ہوتے۔ ان کے پاس یہاں کے بڑے لوگوں سے زیادہ اثر و رسوخ و تعلقات ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں سے ان کو ہر قسم کی سپورٹ ملتی ہے''۔ ثناء طنزاً ہنس کر بولی۔

''وہ چیپٹر فرسٹ ٹائم میں کلوزڈ ہوا ہے۔ پالیٹکس اور ایجوکیشن!''

''چلو چھوڑو یار! ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے؟ جس نے ہماری مدد کی''۔

''اور نہ معلوم راکی غنڈوں سے بچانے کیلئے کسی نے اس کی مدد کی یا نہیں''۔ موئل کے انداز پر وہ ہنس پڑی تھیں۔

''شرم کرو، جس نے ہیلپ کی، اس کی ہی ہنسی اُڑا رہی ہو۔ وہ ہے کون؟''

''مامون نام ہے اس کا، پرنس کی گیدرنگ کا ہے''۔ پورے ڈپارٹمنٹ میں دیکھنے کے باوجود بھی وہ کہیں نہیں ملا، وہ آگے بڑھی تو کینٹین کے آگے بنے گارڈن میں ذوالنون کو تنہا بیٹھے پایا۔ وہ فائل کھولے کچھ نوٹ کر رہا تھا۔

''ان سے معلوم کر لو کہ مامون صاحب کہاں ہیں؟'' زویا نے سرگوشی کی۔

''ہش......وہ جواب دینا تو درکنار، نگاہ اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا''۔ ثمرین نے آہستگی سے کہا۔

''اب کوئی مرد ایسا نیک پارسا بھی نہ ہوگا کہ کوئی لڑکی بات کرے اور موصوف جواب نہ دیں''۔ زویا نے منہ بنا کر کہا۔

''وہ ایسا ہی ہے، کسی کو خاطر میں نہیں لاتا''۔ ثمرین کچھ زیادہ ہی اس سے متاثر نظر آ رہی تھی۔ حورین پُرجوش انداز میں بولی۔

''شرط لگاتی ہو، وہ نگاہ اُٹھا کر دیکھے گا؟''

''امپاسبل......ایسی شرط کیوں لگا رہی ہو جو ہار جاؤ گی''۔

"میں ہارنا نہیں جانتی"۔

"یہ کیا فضول بحث میں پڑ گئی ہو، چھوڑو ناں چلو یہاں سے"۔

"نہیں، اب شرط لگا کر اور جیت کر ہی جاؤں گی"۔

"اوکے، ہم بھی دیکھتے ہیں اس اعتماد کو"۔ وہ متفق ہو گئی تھیں۔

"ہو گئی شرط؟" حورین نے ثمرین سے کہا۔

"ہاں ہو گئی...... مگر یہ بتاؤ ہارنے کے بعد کیا کرو گی؟"

"جو تم چاہو"۔

"پیزا ہٹ لے کر چلو گی"۔

"وائے ناٹ......" وہ پلاننگ کے تحت آگے بڑھی تھیں۔ حورین اور زویا پتھر کی بینچ پر بیٹھ گئیں تو ثمرین اور ثناء ذوالنون کی جانب بڑھی تھیں۔

ردا اور موبل دور رہی، چیکو کے درخت کے نیچے رُک گئی تھیں۔

"ایکسکیوز می"۔ ثناء نے اپنی کانپتی آواز پر بمشکل قابو پا کر سر جھکائے نوٹ بک پر تیزی سے لکھتے ہوئے ذوالنون کو مخاطب کیا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسی طرح بے نیازی کا مظاہرہ کرتا لکھتا رہا۔ ثمرین نے فاتحانہ انداز میں کچھ فاصلے پر بیٹھی حورین کی طرف دیکھا تھا جس کے چہرے پر ویسا ہی اطمینان طاری تھا۔ اس نے ثناء کو اشارہ کیا کہ وہ دوبارہ کہے۔

"ایکسکیوز می۔ آپ کو معلوم ہے ماموں کہاں ہیں؟" اعتماد کو بمشکل سنبھال کر ثناء دوبارہ مخاطب ہوئی تھی۔

"آئی ڈونٹ نو"۔ سخت کھردرا لہجہ بے اعتنائی سے بھرپور مقابل کو توہین و تذلیل کا شدت سے احساس دلاتا لہجہ اس کا انداز وہی تھا۔ ثمرین و ثناء آگاہ تھیں اس انجام سے مگر پھر بھی ان کے چہروں پر پھیلتی خجالت صاف محسوس ہو رہی تھی، وہ وہاں سے آگے چلی گئی تھیں۔

"کچھ لوگ خود کو پاپولر کرنے کے لیے بہت پرانے طریقے آزماتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے سب ان کو دیکھیں، چاہیں، ہر زبان پر ان کی گفتگو ہو، ہر آنکھ میں ان کا عکس ہو اور خوش قسمتی سے ایسا ہو جائے تو وہ خود کو کوئی بے حد اہم پرسنالٹی سمجھتے ہیں"۔ حورین نے کچھ تیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ آواز صاف ذوالنون کی سمت جا رہی تھی۔ حورین دیکھ رہی تھی، اس کے قلم کی روانی میں سستی آنے لگی تھی۔

"ایسے لوگ "اہم" نہیں "احمق" ہوتے ہیں جو انسان ہو کر بھی انسانی ایتھکس سے نابلد ہوتے ہیں"۔ ذوالنون نے ایک جھٹکے سے نوٹ بک بند کر کے قلم پاکٹ میں لگایا اور کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا جو بظاہر انجان بنی زویا سے باتیں کر رہی تھی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، اس کی نگاہوں سے شعلوں کی لپک آ رہی ہے، اس کے ارادے درست نہیں لگ رہے ہیں"۔

زویا کی آواز میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

......❁......

حورین کی بے فکری اور زویا کا خوف حد سے سوا تھا۔ چند سیکنڈ وہ حورین کی جانب خون خوار نگاہوں سے دیکھتا رہا، اس پر اس وقت سب کی نگاہیں تھیں، درخت کی اوٹ میں کھڑی سونل اور روا آگے پلر کے پیچھے روپوش ثنا اور ثمرین اور اس طرف کی تمام کارروائی دیکھ کر آتے ہوئے اس کے دوستوں کی مکمل توجہ اس طرف ہی تھی۔

باقی دوسرے طلباء اپنی باتوں میں مگن ان سے بے خبر تھے۔

"سر فرحان محمود کی کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے"۔ زویا نے یک دم ہی راہِ فرار سوچی اور حورین کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔ وہ بھی مزے سے مسکراتی ہوئی چل رہی تھی، اس کے چہرے پر جیت کی خوشی تھی۔ ایک بے حس و بے مروت شخص کو آئینہ دکھانے کی خوشی تھی۔ اس وقت وہ تیزی سے کلاس روم کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔ ثمرین کے علاوہ انہوں نے حیران آمیز مبارک باد دی تھی، شرط جیتنے کی۔

ثمرین کچھ شاکڈ سی تھی۔ اسے قطعی اُمید نہیں تھی کہ وہ شرط ہار جائے گی۔ لڑکی کی پرچھائی سے دور بھاگنے والا، نام سے گریزاں کبھی نگاہ نہ اُٹھا کر دیکھنے والا ذوالنون عرف پرنس، حورین کی طرف نگاہ اُٹھائے گا، نہ صرف نگاہ اُٹھائے گا بلکہ...... کئی سیکنڈ تک دیکھے گا۔ خواہ ان نگاہوں میں درندگی...... خشونت...... نفرت و جلال کے رنگ پنہاں تھے۔

کسی اور لڑکی کی طرف وہ اس "جاں ہوا" سے دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا یا شاید آج سے قبل کسی لڑکی نے اتنی جرأت و بہادری کا مظاہرہ بھی نہ کیا تھا۔ وہ تو اس کی ایک چشمِ آتش سے پگھل جاتی تھیں، ثمرین خود کو بہلاتی تسلیاں دیتی، ان کے ساتھ چل رہی تھی۔

"کیا ہوا یار......؟ اس لڑکی کی طرف تم بڑے خطرناک انداز میں دیکھ رہے تھے، کوئی بات ہوئی ہے؟" مامون نے استفسار کیا۔

"کون لڑکی؟ میں نہیں جانتا"۔ حسبِ عادت وہ اپنی وحشت پر قابو پا چکا تھا، چہرے کی رنگت اور آنکھوں کی سرخی بھی قدرے معمول پر آ چکی تھی۔

"وہ بہت کیوٹ لڑکی ہے، وہاں بینچ پر بیٹھی یقیناً تمہیں ہی کچھ کہہ رہی تھی، میں نے سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے خود دیکھا ہے"۔ حیدر بولا۔

"اس مخلوق کا کام ہی بک بک کرتے رہنا ہے، جس کو سننے کی میری عادت نہیں ہے اور رہا سوال خوب صورتی کا، تو تمہیں گدھیاں بھی بڑی خوب صورت لگا کرتی ہیں"۔ وہ ان کے قابو میں آنے والا کہاں تھا۔

"تم جھٹلانے کی کوشش مت کرو"۔ ذوالنون جواب دیئے بنا آگے بڑھنے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے، تم جواب دیئے بنا آگے جا رہے ہو"۔

"اُلٹے سوالوں کے جواب نہیں ہوتے ہیں"۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔ اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر حیدر نے دوستوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس موضوع کو بند کر دیں، ورنہ نتیجے میں اس کا موڈ آف ہوگا۔

☆......☆......☆

تیری مسکان میری کمزوری ہے

کہنا پڑا، میری مجبوری ہے

تم کیا سمجھتے ہماری مجبوری کو

کیا خاموشی کو زباں دینا ضروری ہے

وہ تینوں بیٹھی شام کو زیب تن کیے جانے والے کپڑوں کو منتخب کر رہی تھیں، جب اندر آتے ہریرہ نے مسکراتی ہوئی حورین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہ معلوم کتنے ناکام شاعر مرے ہوں گے جن کا بدل تم نازل ہوئے ہو''۔ حورین اسے گھورتے ہوئے بڑبڑائی، سول اور زویا مسکرانے لگی تھیں۔

''میں شاعر تو نہیں

مگر اے حسیں جب سے دیکھا میں نے تجھ کو

مجھ کو شاعری آ گئی

میں عاشق تو نہیں

مگر اے حسیں جب سے دیکھا میں نے تجھ کو

مجھ کو عاشقی آ گئی......''

''فار گاڈ سیک، سدھر جاؤ ورنہ اتنے جوتے لگاؤں گی کہ ساری عاشقی نکل جائے گی''۔ حورین نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔ راہ داری سے گزرتی ہوئی بی بی جان ٹھٹک کر رک گئیں۔

لہک لہک کر وہ گا رہا تھا، توجہ پوری طرح سے غصے سے سرخ حورین پر تھی جو اس کے اس انداز سے شروع سے ہی بے حد چڑتی تھی۔ اب بھی وہ اسے غصے سے گھور رہی تھی، اسی اثنا میں دبے قدموں بی بی جان اندر داخل ہوئی تھیں۔

''اس عمر میں تو ایسا ہوتا ہے، نیند جاتی ہے، چین کھوتا ہے''۔ تینوں لڑکیاں انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھیں، اسی دم ہریرہ کو بھی کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا مگر اس کے ہوشیار ہونے تک بی بی جان اس کے سر پر پہنچ چکی تھیں۔

''خوب...... بہت خوب، کیا ہو رہا ہے یہ؟'' اس کی پشت پر ایک دھموکا جڑ کر وہ طنزاً گویا ہوئیں۔

''وہ...... وہ بی بی جان، ان کو نعتیں سنا رہا تھا''۔ وہ کمر سہلاتا ہوا ہڑبڑا کر گویا ہوا۔

''نعتیں سنا رہے تھے......؟ اچھا ذرا میں بھی سنوں''۔

''وضو کر کے آتا ہوں ابھی''۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"دیکھو لڑکے! میں جانتی ہوں تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو، سمجھتے ہو مجھ میں عقل نہیں ہے، یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے"۔

"بالکل نہیں بی بی جان، میں بھلا اتنا بدتمیز و غیر مہذب ہو سکتا ہوں، آپ کا احترام و عزت ہم سب ہی دل و جان سے کرتے ہیں"۔

"مجھے لفظوں کے ہیر پھیر میں اُلجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سنا ہے میں نے، جو تم ابھی فضول گوئی کر رہے تھے۔ ارے اللہ کی مار ہو ایسے نوجوانوں پر جو دل فقیر کے کشکول کی مانند لیے پھرتے ہیں۔ اس دور میں مردانگی کا فقدان ہے"۔ بی بی جان حسب عادت شروع ہو چکی تھی، ہریرہ سراسیمگی کا شکار سمجھ نہیں پا رہا تھا، کس طرح گلو خلاصی کروائے۔ وہ تینوں ہنسی ضبط کیے سیدھی سادی بچیوں کی طرح گردن جھکائے کھڑی تھیں۔

"قاریہ نے تمہیں بالکل کھلا چھوڑا، یہ دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ بچہ کن میراثیوں میں بیٹھنے لگا ہے۔ غضب خدا کا بھنوں کو عشقیہ گانے سنا رہا ہے۔ توبہ...... توبہ کیا وقت آ گیا ہے، آنکھوں کا پانی مر گیا"

"بی بی جان! اچھے میاں کا فون ہے"۔ واصف نے اطلاع دی۔

"اچھے میاں کا فون؟ لو یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی؟ اچھے میاں کب سے اتنے اچھے ہو گئے کہ فون کریں"۔ حیرانگی در حیرانگی ان کے لہجے میں عیاں تھی۔

"بی بی جان! اچھے میاں فون نہیں کر سکتے؟" حورین نے پوچھا۔

"بڑا ہی کنجوس مکھی چوس ہے وہ منحوس۔ فون نہیں کرتا، کبھی کوئی کام بھی ہو تو بس کال دیتا ہے، نہ معلوم اتنی دولت کہاں لے کر جائے گا، قبر میں بھرے گا کیا اپنی؟" وہ اچھے میاں کی شان میں قصدہ گوئی کرتی باہر نکل گئیں۔

"تھینکس یار! تم نے بچا لیا ورنہ...... آج بُرے پھنسے تھے"۔ ہریرہ واصف کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تشکرانہ انداز میں بولا۔

☆......☆......☆

منال نے تیسرے پیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، معاً نفقہ بیگم نے ان کا ہاتھ ٹیبل تک جانے سے قبل ہی اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے سرزنش کی۔

"بی ہیو یور سیلف۔ سنبھالو خود کو، پہلے ہی آؤٹ ہو رہی ہو"۔

"پلیز مما! مجھے دیں"۔ وہ بہکے بہکے خمار آلود لہجے میں گویا تھیں۔

"شٹ اَپ، حالت دیکھو اپنی، بچے گھر کسی بھی ٹائم آ سکتے ہیں، کیا جواب دو گی ان کو؟ کونین تو شاید بہل بھی جائے مگر پرنس...... اگر اسے معلوم ہو گیا، تم ڈرنک کرتی ہو تو بہت بُرا ہو گا"۔ وہ منال کو زبردستی بیڈ پر لٹاتیں پریشان کن لہجے میں گویا ہوئیں۔

"ہونہہ پرنس...... پرنس...... پرنس، مجھے پروا نہیں ہے اس کی۔ میں اس کے باپ کی پروا نہیں کرتی تو وہ خود کو کیا سمجھتا ہے"۔ نشہ اس کے حواسوں پر اپنی گرفت حاوی کرتا جا رہا تھا، وہ بے ربط ہو رہی تھی۔

"آواز بند کرو اپنی...... شاید وہ گھر میں موجود ہے"۔

"میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے مما، جس کو میں دل و جان سے بڑھ کر چاہتی ہوں، وہی مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ مجھے حقیر و ناقابلِ اعتنا سمجھتا ہے۔ میں نے انس سے محبت کی، اس نے مجھے ذلیل کیا، رسوائی و تحقیر سے میرا کردار و شخصیت کرچی کرچی کر دیا۔ میں نے برداشت کیا۔ حمزہ سے محبت کرنا چاہی، وہ مجھے کبھی نہ ختم ہونے والا احساسِ کمتری و ذلت کی اذیت میں مبتلا کر کے چلا گیا، میں نے پھر بھی صبر کیا۔ اب...... اب میرا...... بیٹا...... میرا خون، جو مجھے خود سے بھی بڑھ کر عزیز ہے، وہ میری پرواہ نہیں کرتا، حمزہ کی جدائی کا مجھے ذمے دار سمجھتا ہے۔ یہ دُکھ، یہ دُکھ مجھے اندر ہی اندر مار رہا ہے۔ میں مر رہی ہوں دھیرے دھیرے"۔ ان کی آواز مدہم ہوتے ہوتے بند ہو گئی۔ نشے کی زیادتی سے لمحوں میں مدہوش ہو گئی تھیں۔ فائقہ بیگم جو سرہانے بیٹھیں منال کا سر سہلا رہی تھیں، انہوں نے رضائی منال کو اوڑھائی تھی۔ اے سی کی کولنگ بڑھا کر انہوں نے ڈرنک اور لوازمات اُٹھا کر وارڈ روب کے خفیہ حصے میں ایڈجسٹ کیے تھے، لاک کر کے چابی بھی مخصوص خفیہ ٹھکانے پر رکھی تھی۔ ایئر فریشنر کا اسپرے کر کے وہ روم کا دروازے بند کرتیں سیڑھیاں اُتر رہی تھیں۔

"اوہ ویری امیزنگ ایونٹ! نانو آپ اس ٹائم گھر پر؟" رسٹ واچ باندھتا ذوالنون حیرانگی سے گویا ہوا۔

"آج کل آپ کے نانو کے ساتھ پارٹیز میں جانا پڑ رہا ہے، اس لیے ٹائمنگ تبدیل کرنی پڑی ہے"۔ وہ اس کے قریب آ کر اپنائیت سے بولیں۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟" لائٹ بلو جینز اور وائٹ شرٹ میں اس کی شان دار شخصیت وجیہہ لگ رہی تھی۔

"یس۔ آپ کو کوئی کام ہے؟"

"نہیں آپ جا سکتے ہو......" وہ مسکرائیں۔

"مما بھی گھر پر ہی ہیں؟" ایک دم اسے کوئی خیال آیا۔

"ہاں...... وہ اپنے روم میں ہیں"۔

"میں مل لوں ان سے......" اس نے آگے قدم بڑھائے اور فائقہ کو یک دم ہی اختلاج قلب نے آن گھیرا، وہ سرعت سے اس کے آگے آ گئیں۔

"آپ کی...... مما...... باتھ روم میں ہیں، وہ باتھ لینے میں کتنا ٹائم لیتی ہیں، یہ آپ جانتے ہیں ناں"۔ اس کی سوالیہ نگاہوں سے نظریں چُرا کر وہ بولیں۔ ذوالنون کے چہرے سے لمحے بھر کو تذبذب ظاہر ہوا تھا۔

"اوکے، مما کو کہہ دیجیے گا، میں چلتا ہوں"۔ وہ چلا گیا، فائقہ بیگم کے چہرے کی اُڑی رنگت بحال ہونے لگی تھی۔

منال کی لاپرواہی سے انہیں یہی خدشات لاحق ہونے لگے تھے۔

وہ حیدر کے ساتھ پیزا ہٹ آیا تھا۔ حیدر کاؤنٹر کی طرف گیا ہوا تھا۔ اس نے کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس لڑکی نے آج صبح یونیورسٹی میں جو حرکت کی تھی، وہ اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ اتنی بولڈ، اتنی کونفیڈنٹ لڑکی آج سے قبل اس سے نہ ٹکرائی

تھی۔اس کی جرأت اسے ازحد مشتعل کر چکی تھی۔وہ تب سے ذہنی خلفشار و انتشار کا شکار تھا، بھلا کسی لڑکی کو کیا حق پہنچتا ہے، اس کی عادت و مزاج پر تنقید کرنے کا؟ وہ جیسا ہے جو بھی ہے اپنے لیے ہیں، کسی کو کیا ضرورت پڑی اس پر بحث کرنے کی۔

"مادام! آپ شرط ہاری ہیں، اس لیے پینلٹی ہے یہ آپ کی، جو آپ پیپی موڈ ہمارے ساتھ شیئر کریں"۔ پیچھے سے کسی لڑکی کی مسکراتی ہوئی آواز آئی تھی۔

"ہم سے کوئی جیت سکا ہے جو یہ صاحبہ جیتیں، کہا بھی تھا شرط مت لگاؤ مگر...... نہیں ان کو یقین تھا ان کا وہ پوزڈ ہیرو ضرور ان کو جتوائے گا"۔اس کے اندر ایک عجیب سا احساس بجلی کی طرح دوڑا تھا۔یہ دوسری چہکتی و پُراعتماد آواز وہی تھی جس نے اسے صبح سے مضطرب کر رکھا تھا۔اس آواز کو وہ لاکھوں میں شناخت کر سکتا تھا۔شاید بات بھی اس کے بارے میں ہو رہی تھی۔بے ساختہ ہی اس کی سماعتیں اس جانب مبذول ہو چکی تھیں پھر "پوزڈ ہیرو" کے لقب پر اس کی پیشانی پر شکن ہو چکی تھی۔

"میں ابھی تک شاکڈ ہوں کہ کس طرح ذوالنون نے تمہاری طرف دیکھ لیا۔وہ بیچارہ تو کیا نفرت سے کسی کو دیکھنے کا روادار نہیں ہے"۔

"تم لوگ نہیں جانتی ایسے لوگوں کی سائیکالوجی کو، ایسے لوگ جن کو ذرا بھی معلوم ہو جائے کہ ہمیں لوگ پسند کرتے ہیں، ہماری کچھ ویلیو ہے تو بھی یہ اس طرح کے ہتھکنڈے آزماتے ہیں، فیمس ہونے کے لیے، اپنی ویلیوز کو زیادہ پالشڈ کرنے کے لیے اور جہاں معاملہ لڑکیوں کا آجائے تو پھر اسی طرح بے نیازی و لاپروائی کا مظاہرہ کیے جاتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کا کریز بنا جائے، لڑکیوں کو دیوانہ بنایا جائے"۔لفظ تھے یا انگارے، اس کے اندر گویا آگ بھڑکنے لگی، وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"پلیز! اب ایسے بھی مت کہو، وہ بہت برائیٹ کریکٹر اور شریف النفس ہیں، وہ پوز نہیں کرتے، ریئلی وہ لڑکیوں سے دور رہتے ہیں"۔

"ایک دن میں نے تم لوگوں کو ان صاحب کی اصلیت نہ دکھا دی تو کہنا، ایسے ہیرو موقع ملتے ہی زیرو بن جاتے ہیں"۔ایک پُراعتماد کھنک دار مضحکہ اُڑاتی آواز اُبھری اور اسے لگا، اگر وہ یہاں سے فوراً نہ اُٹھا تو ضرور کچھ غلط کر بیٹھے گا۔

"پہلے دن موصوف کی آنکھیں اُٹھوائی ہیں آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا......" وہ کسی آتش فشاں کی مانند پھٹ پڑتا، اگر فوراً ہی وہاں سے اُٹھ کر باہر نہ نکل جاتا۔پیچھے کھڑے حیدر نے تمام گفتگو سن لی تھی۔وہ خاموشی سے ہاتھ میں پکڑا سامان ٹیبل پر رکھتے ہوئے اچٹتی نگاہوں سے برابر کی ٹیبل کے گرد بیٹھی لڑکیوں کو دیکھنے لگا اور ان کو وہ شناخت کر چکا تھا۔یہ وہی لڑکیاں تھیں جن کو وہ صبح کینٹین کے پاس دیکھ چکا تھا۔گہری سانس لیتے ہوئے اس نے بھاپ اُڑاتے پیزا کو دیکھا، ساتھ سیلڈ کا باؤل تھا اور کولڈ ڈرنک، جس کے لیے وہ لایا تھا، وہ جا چکا تھا اور وہ جانتا تھا، اب کل سے قبل وہ ذوالنون سے نہیں مل سکے گا۔غصے میں وہ اپنا روم بند کر کے بیٹھ جاتا ہے، کسی کی ہمت نہیں ہوتی پھر اسے اس کی مرضی کے خلاف باہر لانے کی۔

یہاں کی صورت حال سے بے خبر وہ سب پیزا کھانے کے دوران گپ شپ میں مصروف تھیں۔وہ بھی بنا کھائے، وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

صمد صاحب، صنوبر بیگم، حمزہ، معیز، خنتریٰ عریبہ اور کونین ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ عریبہ کونین کی فرمائش پر کولڈ کافی بنا کر لے آئی تھی، سب کو سرو کرنے کے بعد وہیں ٹک گئی تھی۔

''بھابی صاحبہ! آج کل بہت زیادہ بزی ہیں، کئی بار ٹرائی کر رہا ہوں مگر ہر بار سیل فون بزی مل رہا ہے یا بند ہوتا ہے''۔ صمد نے کونین سے دریافت کیا۔

''آج کل نانو کے ساتھ پارٹیز وغیرہ میں مصروف ہیں، دراصل نانا جان اس بار الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں، اس گہما گہمی میں مصروفیات بڑھ گئی ہیں''۔

''آپ کے نانا کو کس بوگس کھیل میں انٹرسٹ ہے، شاید دُنیا کی بدترین سیاست ہمارے ہاں ہوتی ہے جہاں نہایت بے حسی، بے ضمیری و بے حمیتی کے کھلے مظاہرے آپ کو نظر آئیں گے''۔ معیز سنجیدگی سے بولا۔

''اپنی اپنی نیچر ہوتی ہے بیٹا۔ اینی ویز مجھے بھابی صاحبہ سے ملنا ہے، بلکہ ممی بھی کب سے ملنا چاہ رہی ہیں ان سے۔ ان سے ٹائم لے کر انفارم کرنا، تاکہ حمزہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کرسکیں۔ حمزہ کے سسرال والے بار بار کال کر رہے ہیں، ہم اس لیے جواب نہیں دے پا رہے ہیں کہ بھابی سے مشورہ نہیں ہوا ہے''۔ صمد صاحب اُٹھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

''جی بہتر انکل! میں کل جواب دیتا ہوں''۔ کونین نے مؤدب لہجے میں کہا۔ وہ باہر نکلے تو صنوبر بھی ان کے پیچھے چلی گئی تھیں۔

''ہماری ہونے والی بھابی گھر والوں پر بوجھ ہیں جو بار بار فون کروا رہے ہیں''۔ بڑوں کے جاتے ہی معیز کی زبان کھجلائی تھی۔ وہ حمزہ کی جانب دیکھ کر بولا۔

''لڑکیاں بوجھ ہی ہوتی ہیں۔ شادی سے پہلے ماں باپ پر اور شادی کے بعد شوہر کی جیب پر، بھائی ہوشیار ہو جائیں''۔ خنتریٰ نے سمجھایا۔

''میری بیوی ابھی آئی بھی نہیں اور تم لوگوں نے کان بھرنے شروع کر دیئے''۔

''میرے خدا! بھائی یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' عریبہ شدید حیران تھی۔

''بھابی گھر پر آئی بھی نہیں اور آپ بدل گئے''۔ خنتریٰ پریشان تھی۔

''میں نے کامن بات کی ہے۔ تم لوگ اتنے کنفیوز کیوں ہو گئے''۔ حمزہ ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ چھپا کر پوچھنے لگا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے، میں حمزہ کے ساتھ ہوں''۔ کونین نے حمزہ کی حمایت میں کہا۔

''ارے......آپ نے فوراً پارٹی بدل لی؟'' خنتریٰ نے شانے اُچکا کر کہا۔

''سسٹر! ابھی آپ نے سنا نہیں کونین بھائی کے نانا جان سیاست دان بن گئے ہیں۔ سیاست اب ان کی فیملی ممبر ہے۔ ڈیلی آپ کو اسی طرح موصوف پارٹنر بدلتے نظر آئیں گے''۔ خنتر کے کہنے پر ان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ در آئی تھی جب کہ کونین جھینپ کر رہ گیا تھا۔

"بال کی کھال نکالنا کوئی تم سے سیکھے۔ خضریٰ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بے فکر رہیں میں ان میں سے نہیں ہوں جو پارٹی بدلتے ہیں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوا تھا گو کہ اس کے لفظوں کی ادائیگی بہت عام فہم تھی مگر خضریٰ اس کی آنکھوں سے لو دیتی نئی جون سے بے خبر نہ رہ سکی تھی جو کچھ عرصے سے وہ اپنے اس خوش مزاج و خوش گفتار تایازاد کی بدلتی نگاہوں میں دیکھ رہی تھی اور خوف زدہ تھی۔

جانتی تھی کہ......

محبتوں کا موسم

چاہتوں کی رات

اُلفتوں کی برکھا

کب اس خاندان کو راس آئی ہے؟ محبتوں نے ہمیشہ جدائی کے زہر پیئے ہیں۔ چاہتوں کو ہمیشہ تاراج کیا جاتا رہا ہے۔ اُلفتوں کو ہمیشہ دربدری مقدر ہوئی ہے۔ محبت اس خاندان کے لیے ہمہ وقت رسنے والا ناسور بن کر رہ گئی ہے۔

"میں مذاق کر رہا تھا سویٹ سسٹر! تم سچ سمجھ گئیں"۔ اس کی گہری خاموشی کو حمزہ نے صدمہ سمجھا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگاتا ہوا پیار سے گویا ہوا، نہ جانے کس احساس کے تحت وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

☆......☆......☆

بی بی جان کاپی پین ہاتھ میں لیے حساب کتاب کرنے میں مصروف تھیں۔ عمیرا، حمیرا کچن میں رات کے ڈنر کے لیے مصروف تھیں۔ لڑکیاں سب وہیں تھیں۔ کوئی نوٹس بنانے میں مصروف تھی تو کوئی ٹیسٹ کی تیاری میں مگن۔ بی بی جان بار بار ناک پر پھسلنے والی عینک کو درست کرتیں۔ لڑکیوں کی طرف کن اکھیوں سے دیکھتی جارہی تھیں۔ لڑکیاں اپنا ہوم ورک ان کے سامنے کرتی تھیں۔ لڑکوں کو بھی گاہے بگاہے ان کے سامنے حاضری دینی پڑتی تھی، وہ از حد محتاط طبیعت کی مالک تھیں۔

بی بی جان اولاد کے لیے اس محاورے کی قائل تھیں کہ کھلاؤ سونے کا نوالہ، دیکھو شیر کی نگاہ سے، سوان کی نگاہیں ہی نہیں، وہ خود بھی ہمہ وقت ان کے درمیان موجود رہتی تھیں اور ان کی کڑی حکمتِ عملی کے باعث ہی گھر میں موجود نوجوان نسل میں وہ بے باکی و فضولیات سرایت نہ کرسکی تھیں جو اس عمر میں عموماً نوجوان لڑکے لڑکیوں میں گھر کر جاتی ہیں۔

"حمیرا! ذرا یہاں تو آؤ"۔ وہ کتاب بند کر کے قدرے اونچی آواز میں بولیں۔

"جی بی بی جان!" حمیرا ان کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اگلے ماہ جمشید صاحب اپنی بیٹی ثمرہ کی شادی کر رہے ہیں، سوچ رہی ہوں وہاں کیا دینا چاہیے؟ اللہ بخشے مرحوم ابا جان کے بڑے اچھے تعلقات تھے اس فیملی کے ساتھ ان کے والدین کو فوت ہوئے عرصہ بیت گیا مگر آج تک اسی محبت و خلوص سے ملتے ہیں"۔

"جو آپ مناسب سمجھیں بی بی جان"۔ حمیرا سادگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"لو...... یہ کیا بات ہوئی؟ میرا دماغ زیادہ فالتو ہے جو میں ہی سوچوں"۔ ان کی طبیعت کچھ کبھار کے گدھے جیسی خصلت کی تھی جو

نہ معلوم کب سیدھے چلتے چلتے اینٹھ کر کھڑا ہو جائے۔ وہ ایک دم ہی نروٹھے پن سے گویا ہوئی تھیں اور ان کے بدلتے تیور دیکھ کر حمیرا بوکھلا سی گئی تھیں۔ لڑکیوں نے ترچھی نگاہوں سے دیکھا تھا اور ایک دم در آنے والی مسکراہٹ چھپانے کے لیے مزید جھک گئیں۔

"میرا...... یہ مطلب نہیں تھا بی بی جان! آپ بُرا مان گئیں"۔ حمیرا نے ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنائیت سے کہا تو وہ غصہ بھول کر مسکرا دیں۔

"میں بُرا کیوں مانوں گی۔ یہ تمہارے اور میرا کے بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ اب میری اُنگلی پکڑ کر چلنا چھوڑ دو۔ ماشاءاللہ جوان بچے بچیوں کی مائیں ہو، ان کے رشتوں ناتوں کا بھی سوچنا ہے، پھر جب نئی رشتے داریاں بنتی ہیں تو لینے دینے کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کب تک مجھ پر چھوڑ کر بیٹھو گی۔ تمہیں ایسے معاملوں سے نپٹنا آنا چاہیے یہ مقصد ہے میرا"۔

"بی بی جان! اللہ آپ کو سلامت رکھے یہ کام بھی اور وہ کام بھی سب آپ کو ہی کرنے ہیں۔ انشاء اللہ آپ ہی کریں گی"۔ حمیرا مطمئن تھیں۔

"یہ بھی خوب کہا تم نے مگر میری چندا اتنی لمبی زندگی کی چاہت کس کو ہے، بس میں تو یہ چاہتی ہوں اگلے جہاں کی تیاری پوری ہو اور بلاوا آ جائے"۔ ان کے لہجے میں حسرت سی در آئی تھی۔

"ایسے مت کہیں اللہ آپ کو لمبی عمر دے"۔ حمیرا تڑپ کر بولیں۔

"کس کا بلاوا آ گیا اور کہاں سے؟" سعود کہتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"خاموش رہو، بلا سوچے سمجھے بولنا شروع کر دیتے ہو"۔ حمیرا نے ڈانٹا۔

"سعود! ہاسپٹل سے کچھ لوگ آئے تھے، تمہارا پوچھ رہے تھے"۔ پیچھے اس کے ہریرہ اور وصی داخل ہوئے تھے۔

"ہاسپٹل سے...... کون لوگ تھے خیریت ہے نا؟" ہریرہ نے پوچھا۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے"۔ وہ بی بی جان کی موجودگی سے ناواقف تھے۔

"کیوں...... ؟ کیا ہوا؟" اس کے ساتھ سب چونک گئے۔

"ان میں سے ایک ڈاکٹر تھا، کہہ رہا تھا اس نے تمہارے موزے مریض کو بے ہوش کرنے کے لیے سونگھائے تھے مگر...... وہ مر گیا"۔ سعود ان کی بکواس پر فقط گھور کر رہ گیا جب کہ وہ اس کی مسکی صورت دیکھ کر بے اختیار قہقہے لگانے لگے تھے۔

"مت ہنسا کرو اتنا دل مردہ ہو جاتا ہے حد ہوتی ہے کسی بات کی"۔ بی بی جان کی کراری آواز پر انہوں نے چونک کر دیکھا تو قہقہے ان کے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ ان کی طرف دیکھ کر سعود چڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے تھے، کون سا مریض سعود کے موزے سونگھ کر مر گیا...... ؟ ہیں...... جاؤ اپنا بنیان جا کر سونگھاؤ، شاید سانسیں بحال ہو جائیں"۔

☆......☆......☆

پیریڈ آف ہونے کے بعد وہ ڈپارٹمنٹ کے سامنے بنے لان میں بیٹھ گئی تھیں۔ ثمرین، ثناء، ردا، زوبا، موٖل اور حورین بہت کم عرصے میں دوستی و بے تکلفی کی ڈور میں بندھ چکی تھیں۔ اس وقت بھی ردا اور زوبا کینٹین سے کولڈ ڈرنکس اور سموسے لے آئی تھیں۔ کھانے پینے کے دوران ان کی گفتگو پڑھائی سے ہٹ کر پھر اس شرط کی جانب گھوم چکی تھی جو ثمرین نے بڑے مان و یقین سے لگائی تھی اور بڑی بے یقینی و دکھ کے ساتھ ہاری تھی، تب سے وہ حورین سے کچھ کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔ یہ بات حساس سی حورین نے محسوس کی تھی۔ اس وقت وہ بول اٹھی تھی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ ثمرین نے مسکرا کر کمزور لہجے میں کہا۔

''کسی غیر شخص کے لیے ہمارے درمیان تکلف کی دیوار آجائے، یہ ناپسندیدہ بات ہے پلیز...... خود کو ایزی فیل کرو''۔

''مجھے یہ فیل ہوتا ہے ایسا میری وجہ سے ہوا اور...... معلوم ہے...... اس دن جو ہم ہیز اہٹ میں ذوالنون کا مذاق اُڑا رہے تھے، وہ سب سن رہا تھا''۔

''کیا......؟ تم نے دیکھا تھا؟'' حورین کے علاوہ وہ تینوں حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔ ان کے چہروں پر یک دم ہی پشیمانی پھیلنے لگی تھی۔

''اس نے ہماری گفتگو سنی تھی اور اس وقت اس کا چہرہ غصے سے دہک رہا تھا اور شاید غصے کی زیادتی کے باعث وہ بغیر کھائے جا چکا تھا، ساتھ حیدر تھا وہ بھی اس کے پیچھے چلا گیا تھا''۔ ثمرین کے انکشاف نے ان کو حیران پریشان کر ڈالا تھا، البتہ حورین پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

''یہ بات تمہیں کل ہی بتانی چاہیے تھی نا''۔ ردا نے کہا۔

''کیوں کیا کرتیں تم؟ حورین نے چھیڑا۔

''یہ بہت برا ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا''۔

''ہاں یار! ریئلی بہت غلط ہوا ہے، بات ہمارے درمیان رہتی تو ٹھیک تھی''۔

''ٹینشن نہ لو، جو ہوا اچھا ہوا، جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے''۔

''حورین! اس قدر سخت پتھر مت بنو۔ مذاق اس وقت تک رہتا ہے جب تک کسی کی دل شکنی نہ ہو، ورنہ یہ گناہ بن جاتا ہے۔ ہمیں فوراً اس بندے سے معذرت کرنی چاہیے''۔ موٖل کی تجویز پر وہ متفق ہوگئی تھیں۔

''اس کڑوے کریلے سے ایکسکیوز کرتی ہے میری جوتی، پھر میں نے کوئی مذاق نہیں کیا تھا۔ اسے اس کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا''۔

''تمہاری سوچ مثبت نہیں ہے حور''۔ ثنا نے آہستگی سے کہا۔

''تم لوگوں کی یہ بلاوجہ کی ہمدردی میری سمجھ سے باہر ہے جو ہوا، ہو چکا ہے۔ جس طرح پنجرے سے اُڑنے والے پرندے واپس نہیں آتے اسی طرح جو ہو چکا ہوتا ہے، نہ پلٹ سکتا، نہ درست ہو سکتا ہے''۔

''انسانوں اور پرندوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہم میں اپنی غلطی کو سدھارنے کی صلاحیت قدرت نے رکھی ہے''۔ ثمرین نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا...... تو جاؤ اور جا کر سدھارو اپنی غلطی کو، ایک بددماغ اور بدمزاج شخص کو مزید غرور اور احساسِ تفاخر میں مبتلا کرو کہ وہ جو کرتا ہے، بالکل درست کرتا ہے۔ صنفِ نازک سے اس کا تضحیک بھرا ذلت آمیز رویہ بالکل جائز ہے۔ یہ قوم اسی قابل ہے ہونہہ"۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی بوتل جھٹکے سے بیچ رکھی تھی، اپنی فائلز اور پرس اٹھا کر وہاں سے چلی گئی تھی، وہ چاروں اسے منانے کے لیے پیچھے گئی تھیں۔

اوپر ٹیرس پر کھڑے ذوالنون کی سرخ انگارہ نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ اوپر اتفاقاً ہی کھڑا تھا مگر اپنا نام سن کر اس نے نیچے دیکھا تھا، پھر اس کے چہرے کی سرخی اور پیشانی پر شکنوں کا جال بنتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

راحیلہ بیگم اور صمد صاحب دو گھنٹے سے بیٹھے برہان ہاؤس میں منال کا انتظار کر رہے تھے، مزید ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود کوئی وہاں نہیں آیا تھا۔ برہان ہاؤس جو خاطر تواضع و مہمان نوازی میں مشہور تھا، جہاں آنے والا سائل بھی خالی ہاتھ و خالی پیٹ نہیں جاتا تھا، وہاں آنے والے ان دونوں نفوس کو سادہ پانی پلانے تک کی ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی، سیٹنگ روم تک رہنمائی کے بعد کسی ملازم نے اندر جھانکا تک نہ تھا۔

بہت صبر و تحمل سے وہ وہاں بیٹھا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے منال کے مزاج کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایسے ٹائم آنے کا فیصلہ کیا تھا، جب کو نین اور پرنس دونوں گھر میں نہ ہوں، کیونکہ انہیں معلوم تھا منال اپنے طرزِ عمل و بدمزاجی کے مظاہرے سے گریز نہیں کرے گی اور وہ دونوں بچے دادی اور چچا کی بے عزتی برداشت نہ کر سکیں گے، پھر منال اور فائقہ بیگم کو یہ الزام لگانے میں دیر نہ لگتی کہ وہ از خود بچوں کو باغی کرنے کے لیے آئے تھے۔ ایسے الزامات کا سلسلہ بچوں کے بچپن سے ہی جاری تھا جن میں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شدت آتی جا رہی تھی۔ تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ ایسے وقت میں آئے تھے مگر تیزی سے گزرتے وقت نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔

انتظار کی اذیت سے خوب دو چار کر کے وہ اندر آئی تھیں، بغیر آستینوں کی چھوٹی ٹائٹ پنک شرٹ اور لوز ٹراؤزر میں ملبوس تیکھے مزاج کے ساتھ۔ صمد سلام کرتا ہوا کھڑا ہوا تھا، انہوں نے نہ سلام کا جواب دیا، نہ ان کو بیٹھنے کا کہا۔ بے چارے شرمندہ سے خود ہی بیٹھ گئے۔

"حمزہ کی شادی کی ڈیٹ فکسڈ کرنی ہے اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا تھا"۔ صمد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جو کرنا ہے کر لیں، مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں"۔ درمیان میں ٹیبل تھا، دوسری طرف سنگل صوفے پر پاؤں پر پاؤں رکھے منال روکھے انداز میں گویا ہوئیں۔ ان کے ہر انداز سے نفرت و بے زاری عیاں تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو منال تم ہمارے گھر کی بہو ہو۔ بڑی بہو اسی رشتے سے تمہارا حق ہے ہر کام میں مشورے و شرکت کا"۔ راحیلہ بیگم نے پہل کی۔

"بہو......؟ مطلب بھی جانتی ہیں کہ بہو کس کو کہتے ہیں؟" وہ ان کی بات کاٹ کر طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"ہاں اچھی طرح...... بیٹے کی بیوی کو بہو کہتے ہیں"۔

"کہاں ہے بیٹا؟ پہلے بیٹے کو تو تلاش کر لیں۔ پہلے اس بزدل شخص کو تو لے کر آئیں جو ذمے داریوں سے بچنے کے لیے بھاگ گیا جس کو نہ بیوی کی ضرورت تھی نہ بچوں کی۔ عیاش ژو، آوارہ آدمی"۔

"اپنی زبان کو قابو میں رکھو بہو"۔ راحیلہ بیگم سے برداشت نہ ہوا۔

"نہیں رہے گی میری زبان قابو میں۔ مجھ سے شوہر اور بچوں سے باپ جدا ہوا ہے"۔

"یہ مت بھولو کہ ماں سے بیٹا اور بھائی سے بھائی بھی جدا ہوا ہے۔ میں حمزہ کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی"۔ ان کا دھیمہ لہجہ بارعب تھا۔

"سننا پڑے گا آپ کو، جو شخص اپنے نفس کی خوشی کی خاطر پیچھے ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں مبتلا کر کے چلا گیا تو جس نے نہ بیوی کی پروا کی، نہ بچوں کی، میں ایسے شخص کی کبھی عزت نہیں کر سکتی"۔ وہ نہایت بدتمیزی سے راحیلہ بیگم سے مخاطب تھیں۔

"پلیز بھابی! کول ڈاؤن، ہم یہاں پرانے قصے دہرانے نہیں آئے ہیں۔ آپ خواہ ہمیں اپنا نہ سمجھیں مگر ہم آپ کی اور بچوں کی صورت میں حمزہ بھائی کو دیکھتے ہیں، اسی لیے ہم آئے ہیں کہ آپ سے مشورہ کر کے ہنزہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کریں، آپ بتائیں کہ آپ کے پاس فارغ دن کب ہیں؟" صمد نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں کے لیے نہ آج ہے اور نہ کبھی ہوگا وقت"۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی آپ......؟" صمد نے نرمی سے کہا۔

"صاف کہہ رہی ہوں، مجھے تم لوگوں سے ملنا گوارہ نہیں ہے اور نہ ہی کونین اور پرنس کا"۔ انہوں نے کھڑے ہو کر حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

"تیری اسی بدمزاجی، غرور اور گھمنڈ نے تجھے ہر خوشی سے محروم کر دیا ہے اور میرے بیٹے کو مجھ سے دور......ابھی وقت ہے منال اللہ سے رو رو کر اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لے۔ سب درست ہو جائے گا ورنہ پچھتاوؤں کی آگ قبر تک پیچھا نہیں چھوڑے گی"۔ راحیلہ بیگم جو بہت صبر سے اس کی گستاخیاں جھیل رہی تھیں، بالآخر غصے سے بولتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اوہو......تو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔ ماضی کی ڈکٹیٹر کرپٹ عورت، آج چار سجدے کر کے دوسروں کو اللہ کا خوف دلا رہی ہے۔ پہلے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھو پھر دوسروں کو نصیحت کرنا"۔

"یہاں جو کرتا ہے، وہی بھر کر جاتا ہے۔ دُنیا کو دُنیا میں ہی بھگت کر جانا پڑتا ہے۔ میں اپنا کیا بھگت رہی ہوں"۔

"اور مرنے کے بعد بھی بھگتو گی"۔ وہ بدتمیزی کے عروج پر تھی۔

"بھابی! پلیز مما بزرگ ہیں آپ کی"۔ صمد بھینچے بھینچے لہجے میں بولا۔

"نکل جاؤ تم لوگ یہاں سے، آئندہ یہاں قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں ملنا نہیں چاہتی تم لوگوں سے، پھر کیوں آجاتے

ہو"۔ غصے و تنفر سے اس کی بُری حالت تھی۔ مروت ولحاظ ان کی فطرت میں شامل نہ تھا پھر یہ وہ لوگ تھے جو اس کی ناپسندیدگی کی فہرست میں سب سے پہلے نمبر پر آتے تھے، سو وہ کسی رواداری وانکساری کی قائل نہ تھیں۔ اس کے شدید طرزِ عمل نے صمد کو شرمسار کر کے رکھ دیا تھا۔ مستزاد ماں کی بے عزتی وشدید ترین توہین آمیز رویئے نے انہیں منال سے متنفر کر کے رکھ دیا تھا، اگر ماں کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ ایک لمحہ یہاں رُکنا گوارہ نہ کرتا۔ اس کی بہ نسبت راحیلہ بیگم کے چہرے پر ٹھہراؤ وسکون کی کیفیت موجزن تھی، گویا ان پر اس تضحیک آمیز سلوک کا کوئی اثر نہیں ہوا ہو۔ ان کا یہی اطمینان منال کو بے سکون کر رہا تھا۔

"جو ہمارا فرض تھا، وہ ہم نے ادا کر دیا، آگے تمہاری مرضی ہے تم آتی ہو یا نہیں۔ ہمارے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے رہیں گے اور رہا سوال بچوں کا تو تم ان کو نہیں پابند کر سکتی۔ وہ باشعور و ہوش مند ہیں، کھرا کھوٹا پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ویسے بھی ناخنوں سے گوشت جدا نہیں کیا جا سکتا، یہ قدرت کا اصول ہے"۔

"ہونہہ..... مائی فٹ"۔ وہ ان کی جانب سے پیٹھ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ راحیلہ بیگم اور صمد صاحب خاموشی سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ کار میں بیٹھنے ہی لگے تھے، جب گرے کار اندر آئی تھی جس میں بیٹھے کونین کو دیکھ کر ان دونوں کے ہی چہروں پر تفکرات اُبھر آئے تھے۔ کونین بھی انہیں دیکھ چکا تھا۔ حیرت انگیز مسرت واشتیاق اس کے وجیہہ چہرے پر اُبھرے تھے۔ وہ ڈرائیور کے اُترنے سے قبل ہی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل کر تیز تیز قدموں سے ان کی جانب بڑھا تھا۔ کار کی آواز سن کر منال باہر نکل آئی تھی۔ باہر کا منظر اس کے خون کی گردش تیز کرنے کے لیے کافی تھے۔

راحیلہ بیگم نے کونین کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیشانی چومی تھی۔ صمد نے بھی بڑی گرم جوشی سے اسے سینے سے لگایا تھا۔ اس وقت جو والہانہ انداز ومحبت کونین کے چہرے سے عیاں تھا، وہ منال جیسی حاسد اور کم ظرف عورت کو طیش دلانے اور اس شک کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی تھا جس میں بنا دیکھے وہ خبطی کی طرف سے مبتلا ہو چکی تھی۔ اس کی نس نس میں آگ بھڑکنے لگی تھی۔

"دادو! انکل! پلیز کچھ دیر مزید بیٹھ جائیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ نہ معلوم کتنے عرصے بعد آپ لوگ یہاں آئے ہیں، پرنس بھی آنے والا ہوگا"۔ کونین بالکل بچوں کی مانند اصرار کر رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔

"آئیں گے بیٹا! ابھی تو اجازت دیں آپ کی آنٹی ویٹ کر رہی ہیں"۔

"ہاں بیٹا! عصر کی نماز بھی پڑھنی ہے، صمد کو ہاسپٹل بھی جانا ہے"۔

"مما! آپ نے دادو اور انکل کی خاطر تواضع اچھی طرح کی ہے نا"۔ کونین ماں سے گویا ہوا جو قریب آ کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم فکر مت کرو میرے بچے، تمہارے مما نے اتنی شان دار خاطر تواضع کی ہے کہ شاید ہی کسی کی اس گھر میں کی جاتی ہو، کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے"۔ راحیلہ بیگم کا لہجہ ٹھنڈا طنز لیے ہوئے تھا جس سے کونین کچھ نہ پایا مگر منال کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔

"یہ اس گھر کی روایت ہے جس حیثیت کا مہمان ہوتا ہے، اسی حیثیت کو مدِ نظر رکھ کر مہمان نوازی کی جاتی ہے"۔ منال بھی راحیلہ بیگم کے انداز میں بولیں۔

"اوکے بیٹا! اجازت دیں۔ اوکے بھابی صاحبہ اللہ حافظ"۔ منال نے بھی بیٹے کے خیال سے مسکرا کر کار گیٹ سے باہر جانے تک ہاتھ ہلایا تھا۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں، آپ بھی فریش ہو جائیں پھر باتیں ہوں گی"۔

ان کی زیرک نگاہوں سے بیٹے کی بے چینی و بے قراری مخفی نہ رہ سکی تھی جو وہ اسے فوراً موقع دیتی کہ ان کی ملاقات کا ایک ایک لفظ جاننے کا خواہش مند ہوگا۔ اس کی خواہش سے ہٹ کر اس کے اندر نئی پلاننگ جنم لے رہی تھی اور اسے پلان کرنے کے لیے تنہائی و یکسوئی کی ضرورت تھی۔ کونین کو اس نے بہانے سے وہاں سے ٹالا تھا، وہ حسبِ عادت ماں کی بات مانتے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھ گیا تھا، حالانکہ دل میں کھد بد ہو رہی تھی، جلد سے جلد معلوم ہو، ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور مما وہاں کب جائیں گی......؟

جہاں اس کے خوابوں کی ملکہ، سپنوں کی پری رہتی ہے۔ اسے یقین تھا مما اسے ایک بار دیکھیں گی تو پھر اس کی محبت کو سراہے بنا نہ رہ سکیں گی، اس لیے ضروری ہے مما وہاں جائیں۔

☆......☆......☆

ملازمہ خیرون سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سامنے بی بی جان پلنگ پر بیٹھیں اسے گھور رہی تھیں جو کئی چھٹیاں کرنے کے بعد کل آئی تھی اور آج پھر چھٹی کا تقاضا تھا۔

"بی بی! تمہیں ہم نے کام کے لیے رکھا ہے یا چھٹیاں کرنے کے لیے۔ غضب خدا کا پورے مہینے میں چار مرتبہ آئی ہے اور آج پھر چھٹی مانگ رہی ہے"۔ گھورنے کے بعد وہ کلس کر بولیں۔

"مجبوری ہے بی بی جان"۔ خیرون منمنائی تھی۔

"کیا مجبوری ہے، میں بھی سنوں۔ جھوٹی مکارن آج کیا بہانہ ہے؟" انہوں نے ناک پر پھسلتی عینک درست کرتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔

"وہ...... میری بیٹی کی حالت ٹھیک نہیں ہے"۔

"اچھا کیا ہوا اس غریب کو؟"

"ٹی بی ہو گئی ہے اس کو"۔ خیرون کہنے کے بعد منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

"ارے چپ کر نا ہنجار عورت! تیری زبان بے فلاح چلتی ہے۔ پچھلے ہفتے تُو آئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تیرے بیٹے کی حالت نازک ہے۔ تجھے چھٹی دے کر چوکیدار کو بھیج کر طبیعت معلوم کروائی تو پتہ چلا وہ بھلا چنگا گلی میں کینچے کھیل رہا ہے۔ معمولی سا نزلہ ہو رہا تھا بچے کو اور تُو اس بہانے پندرہ دنوں کی چھٹیاں کر کے بیٹھ گئی، پھر دو دن آنے کے بعد تُو نے کہا تیری ساس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، اس بہانے سے تُو کئی چھٹیاں کر کے بیٹھ گئی، تیرے گھر معلوم کروایا تو پتہ چلا، وہ بہت عرصے سے معذور ہیں۔ میں نے تجھے پھر بھی معاف کیا کہ چلو کوئی ایسی

مجبوری ہو گی جو بتائی نہ جا سکتی ہو، یہاں ہم معاف پر معاف کر رہے ہیں اور تُو احسان ماننے کے بجائے ہمیں بے وقوف سمجھ رہی ہے، نرمی کا فائدہ اُٹھا رہی ہے"۔ بی بی جان تمام کسر آج نکالنے کے موڈ میں تھیں۔ خیرون روتے ہوئے قسمیں کھانے لگی۔

"چپ قسم مت کھا۔ دیکھو بہت لحاظ کر لیا میں نے تیرا، مگر آج تُو نے جھوٹی قسم بھی کھائی ہے، ایسے لوگوں سے مجھے سخت ترین نفرت ہے، سمجھ نہیں آتا کیسی ظالم عورت ہے تُو، کیسی سنگ دل ماں ہے تُو، بچوں کی معمولی تکلیفوں پر ماں تڑپ اُٹھتی ہے، صحت کی دعائیں مانگتی ہے اور تو جان کر چھوٹی بیماریوں کو بڑی بتاتی ہے تاکہ ان بہانوں سے آرام کرے لیکن جان لو دغا کسی کا سگا نہیں ہوتا، جھوٹ کبھی نہیں چھپتا...... سمیرا ذرا ادھر آؤ"۔ خیرون سے باتیں کرتے کرتے وہ سمیرا کو پکارنے لگیں، جبکہ اتنا کچھ سننے کے باوجود خیرون اپنی بات پر قائم تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی ہے۔

"جی بی بی جان!" سمیرا وہاں آ کر گویا ہوئیں۔

"چوکیدار کو کہو ڈرائیور کو ساتھ لے کر جائے اور خیرون کی بیٹی کو لے کر آئے، تم اتنے میں فون کر کے ڈاکٹر زیدی کو بلاؤ، تاکہ اس بچی کا چیک اَپ ہو جائے"۔ سمیرا "جی اچھا" کہہ کر آگے بڑھ گئیں اور خیرون کے چہرے کا رنگ اُڑنے لگا۔

"بی بی جی! آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں"۔ اس کا انداز مضطربانہ تھا۔

"تکلیف کی کیا بات ہے، اچھا ہے سرکاری اسپتالوں میں دھکے کھانے سے بچ جاؤ گی، گھر بیٹھے بہترین و مفت علاج ہو گا"۔

"مگر...... مگر وہ گھر پر نہیں ہے، اس کی خالہ لے گئی ہے اسے"۔

"ارے تُو ماں ہے ڈائن؟ اتنی خراب طبیعت میں تُو نے اسے جانے دیا"۔

"اس کے پیچھے بھی درد بھری داستان ہے، اب میں اسے سنبھالوں یا گھر گھر جا کر دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے محنت کروں۔ میری بہن ترس کھا کر اسے لے گئی، تاکہ میں کام پر آسکوں"۔ وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

"واہ بھئی شاباش ہے تیرے دماغ پر، منٹوں میں کہانی گھڑ ڈالی، اگر کہیں جھوٹ بولنے کا مقابلہ ہوا تو پہلا انعام جیت کر لائے گی تُو جھوٹی۔ چل جا کر انہیں منع کر کے آ۔ چھٹیاں نہیں دیکھتی اپنی تنخواہ لینے مہینے سے پہلے آ جاتی ہے، اس کے علاوہ الگ بہانوں سے بٹورتی ہے پھر بھی آنکھ میں لحاظ نہیں ہے"۔ خیرون جا چکی تھی مگر بی بی جان مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

"اس گھر کے نمک میں وفا نہیں ہے جو ملازم بھی سر چڑھ جاتے ہیں۔ اوّل تو گھر میں ملازموں کی ضرورت نہیں ہے، بچیاں کرنا چاہیں تو آرام سے کر سکتی ہیں مگر آگ لگے موئے فیشن کو جب تک گھر میں نوکروں کی تعداد نہ ہو، لوگوں پر رعب بھی کیسے پڑے گا، دولت کا، حیثیت کا، اوچھے لوگ ہی ایسی اوچھی حرکتوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان جیسی بدحرام عورتوں کے مزے آ جاتے ہیں"۔ ان کا غصہ عروج پر تھا۔

☆......☆......☆

کونین فریش ہو کر آیا تو پُر تکلف چائے کا اہتمام تھا۔ سیاہ فیروزی ہینڈی ورک سے مزین خوب صورت ساڑھی باندھے منال تیار بیٹھی تھی۔ ذوالنون بھی یونیورسٹی سے آ چکا تھا۔ براؤن ٹراؤزر اور وائٹ ٹی شرٹ میں نکھرا نکھرا بیٹھا تھا۔ چائے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ بہت سرسری طور پر وہ ذوالنون کو اس کی دادی اور چچا کی آمد کے متعلق بتا چکی تھی، اپنا طرزِ عمل وہ بالکل گول کر چکی تھی۔

"ڈیڈی کا فون آیا تھا اسلام آباد سے۔ ان کو اور ممی کو مزید کچھ دن وہاں رُکنا ہوگا، کچھ امپورٹنٹ میٹنگز رہتی ہیں ان کی۔ وہ کہہ رہے تھے، ٹوکیو میں وہاں کی ایک بڑی بزنس پارٹی سے انہوں نے کچھ مشینری خریدنے کی بات کی ہے، بلکہ انہیں ہاف پے منٹ بھی کی جا چکی ہے اگر ہم نے فل پے منٹ اسی ہفتے نہ کی تو وہ پارٹی ایڈوانس کی رقم ہڑپ کر جائے گی اور مشینری نہ ملنے سے ویسے ہی ہمارے بزنس کو بڑا نقصان ہوگا"۔ کونین کی مسرتوں کے پھول کھلتے ہی مرجھا گئے تھے۔ اس کے پُرسکون چہرے پر یک دم ہی رنجیدگی پھیلی تھی، لمحہ بھر کو اس کا چہرہ تاریک ہوا مگر فوراً ہی وہ خود کو سنبھال چکا تھا لیکن ذوالنون کی نگاہوں سے اس کے بدلتے چہرے کے تاثرات مخفی نہ رہ سکے تھے۔

"نانا جان نے کبھی ذکر نہیں کیا"۔ کونین آہستگی سے گویا ہوا۔

"نانا جان نے اس اسپیشل ڈے کے لیے سرپرائز رکھا ہوگا"۔

"کیا مطلب تمہارا؟" "تم اتنی طنزیہ گفتگو کیوں کرتے ہو؟"

"وہی مطلب ہے میرا جو آپ سمجھ رہی ہیں۔ دادو کے ہاں جانے سے بچنے کے لیے آپ نے یہ پلاننگ کی ہے، ورنہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے جو ابھی کرنا اہم ہو"۔ ذوالنون کے لہجے میں وہی بے باکی و سچائی تھی جس سے منال کو چڑ تھی۔

"پرنس! پلیز مما کو ڈسٹرب مت کیا کرو"۔

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو سچائی ہے"۔

"میں تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتی، تم بدتمیز ہو، تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں، تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھ پر الزام لگانے کی"۔ وہ بُری طرح سیخ پا تھی۔

"ممی! پلیز کول ڈاؤن، پرنس آپ سے بہت پیار کرتا ہے"۔

"مما! اگر آپ کی پلاننگ نہیں ہے تو آپ یہ کام شادی کے بعد کر لیں۔ شادی کے بعد آپ چلی جایئے گا"۔ اس کے وجیہہ چہرے پر مخصوص سنجیدگی تھی۔

"ایسی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے"۔ وہ بُری طرح تلملا رہی تھی۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں"۔ ذوالنون نے اطمینان سے کہا۔

"شٹ اَپ شادی میں شرکت کرنے کی کوئی ایسی ایمرجنسی نہیں ہے، شادیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہ شادی بھی ہو جائے گی ہمارے بغیر"۔ وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی اٹھی اور کہتی ہوئی چلی گئی۔

"ممی کے ساتھ تمہارا ایسا رویہ مجھے اذیت پہنچاتا ہے، مت ٹینس کیا کرو انھیں، وہ پہلے ہی اَپ سیٹ رہتی ہیں"۔ کونین آزردگی سے گویا ہوا۔

"میں تمہیں پہلے ہی کہتا تھا ممی "ممی" کی طرح ہی سرد و بے حس اور بہت خود غرض عورت ہیں"۔ وہ سرد لہجے میں گویا ہوا تو کونین پھر کچھ نہیں بولا، اس میں اور ذوالنون میں یہی فرق تھا۔ ذوالنون ہر بات صاف گوئی اور منہ پھٹ انداز میں مقابل کے منہ در منہ کہنے کا عادی تھا، خواہ نتیجے میں کتنی ہی گالیاں و باتیں سننے کو ملیں، وہ پروانہ کرتا تھا اور وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا تھا جو بات کچھ لمحوں قبل ذوالنون نے کہی تھی۔ وہ بھی سمجھ گیا تھا مگر کہہ کر ماں کی دل شکنی اسے گوارا نہ تھی۔ اپنے ٹوٹے دل کی پروانہ تھی جہاں ڈھیروں خواب راکھ ہوئے تھے۔

"ممی کے ساتھ میں جاؤں گا"۔ اس نے بالکل اَن ہونی بات کہی تھی، کونین نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا پھر بولا۔

"ممی کے ساتھ......اور تم......؟ پھر تو بہت اچھے لمحے ہوں گے میری زندگی میں"۔

"میں نے ایسی کوئی ناممکن بات نہیں کی ہے"۔ بھائی کی حیرانگی پر وہ بے ساختہ مُسکرا کر کہہ اُٹھا۔

"کم از کم میرے لیے سب سے زیادہ حیران کن بات ہے تم جو ممی کے ساتھ چند لمحوں میں اختلاف کر بیٹھتے ہو، کئی ہفتے کس طرح گزار سکتے ہو"۔

"آپ کی خوشی کی خاطر مجھے یہ جبر بھی منظور ہے جو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا...... بابا کے بعد میری حیات سے وابستگی آپ کی ذات ہے بھائی اور میں نہیں چاہوں گا کہ...... بابا جیسی زندگی آپ گزاریں"۔

"تم......تم......کہنا کیا چاہ رہے ہو......؟" وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

"بابا جب ہم سے جدا ہوئے تھے، اس وقت جو تکلیف، جو رنگ ان کی آنکھوں میں، ان کے چہرے پر، ان کے وجود پر پھیلا ہوا تھا، اس تکلیف کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس اداسی و وحشت کا رنگ میری زیست کا رنگ بن گیا ہے۔ ان لمحوں کی گرفت سے میں آج تک نہیں نکل پایا ہوں اور شاید کبھی نکل بھی نہ پاؤں گا"۔ ایک طویل عرصے کے بعد وہ اپنے دل کی بات کر رہا تھا۔ اپنے باپ کی بات کر رہا تھا، وگرنہ وہ ایسی گفتگو سے اجتناب کرتا تھا کہ یہ گفتگو اس کے رستے زخموں کو مزید کرید ڈالتی تھی۔

"اوہ...... پرنس! تم نے بابا کا ذکر کیا؟ تمہیں بابا یاد ہیں؟"

"کیسی بات کر رہے ہیں بھائی آپ...... باپ بھی کوئی بھولنے والی شخصیت ہوتے ہیں۔ اسپیشلی ہمارے بابا جیسے باپ"۔ اس کی سرخی مائل آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔ سنجیدہ چہرے پر یاسیت پھیل گئی تھی۔

"یاد انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھول جاتے ہیں، بابا کو میں کبھی نہیں بھولا، نہ کبھی بھول سکوں گا"۔ اس نے تیزی سے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑی تھیں۔ کونین نے اُٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا، پیشانی چوم کر۔

"بابا کی نامرادی و نارسائی کا ہلکا سا رنگ کچھ لمحوں قبل میں نے آپ کی آنکھوں میں بھی اُبھرتے دیکھا تھا۔ اس کی وجہ کون ہے، یہ

میں نہیں جانتا، کیوں ہے یہ سمجھ سکتا ہوں، آپ کی آنکھوں میں یہ رنگ پھر کبھی مجھے دوبارہ نظر نہ آئے، اس لیے مما کے ساتھ جانا چاہتا ہوں"۔ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے وہ اطمینان سے گویا ہوا اور کونین ہنس پڑا۔

"غضب کے نظر باز ہو پھر بھی نازنینوں کو شکایت ہے تمہاری کم نگاہی کی...... اینی وے ممی کے ساتھ میں ہی جاؤں گا"۔

"مما کسی بزنس کے چکر میں نہیں جا رہی ہیں۔ وہ صرف حمزہ کی شادی کے فنکشن سے لاتعلق رہنے کی وجہ سے جا رہی ہیں، مجھے یقین ہے"۔

"میں مما کو دُکھ دینا نہیں چاہتا۔ مجھے جانے دو وہاں سے میں رابطے میں رہوں گا۔ تم ہر فنکشن میں شرکت کرو اور کوشش کرنا کہ انہیں میری اور بابا کی کمی محسوس نہ ہو"۔ کونین نے شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

حورین ان چاروں سے خفا تھی۔

وہ اس کے منع کرنے کے باوجود ذوالنون سے معذرت کرنے گئی تھیں اور حیرت انگیز بات تھی کہ وہ جواب میں کوئی کڑوا کسیلا جملہ کہنے کے بجائے خاموش رہا تھا، البتہ اس کے ساتھیوں سے ان کی خاصی گپ شپ رہی تھی۔ یہ سب موئل نے اسے بتایا تھا، اب بھی وہ ان سے آگے آگے چل رہی تھی۔ سارا دن اس نے انہیں لفٹ نہیں کرائی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم پارکنگ لاٹ سے گزر رہی تھی، جب ہی اچانک کسی کار کا دروازہ بند ہوا تھا اور اس کا دوپٹہ بھی کھنچا تھا۔ اس نے گھبرا کر دوپٹے کی طرف دیکھا جو آف وائٹ ڈرائیونگ ڈور کے نیچے دبا ہوا تھا اور وہ شخص دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔

"اے مسٹر...... او مسٹر"۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی پیچھے سے چیخی تھی۔

چونک کر پیچھے دیکھنے والا ذوالنون تھا۔ وائٹ شلوار، سرخ قمیص پر سرخ و سپید پرنٹڈ دوپٹے کو ایک ہاتھ سے سنبھالے شرمندگی و غصہ جس کے چہرے سے مترشح تھا، وہ سخت برہمی سے اسے گھور رہی تھی۔ دوپٹے کا پلو ڈور میں پھنسا دیکھ کر وہ تیزی سے پلٹا تھا۔

جیب سے چابی نکال کر اس نے بنا کچھ کہے ڈور کھولا تھا۔ دوپٹہ اندر لاک میں پھنس گیا تھا۔ اس نے اس طرح منہ بنا کر دوپٹہ کا وہ پلو تھاما جیسے نہ معلوم کسی ناپسندیدہ و ناقابلِ برداشت چیز کو ہاتھ لگانا پڑ رہا ہو۔ دوپٹہ بُری طرح پھنسا ہوا تھا جس کو اس نے تحمل سے نکالنے کے بجائے جھنجلاہٹ میں کھینچا تھا اور دوسرے لمحے چرر کی آواز کے ساتھ وہ حصہ وہیں پھنسا رہ گیا تھا۔ ایک جھٹکے سے دوپٹہ اس نے باہر پھینکا تھا۔

"آہ! آپ نے میرا دوپٹہ پھاڑ دیا؟" حورین پھرتی سے دوپٹہ درست کرتی ہوئی احتجاجاً بولی۔

"دوپٹے کی پاکیزگی و تقدس سے واقفیت نہیں رکھتیں تو کیوں یہ فارمیلٹی نبھا رہی ہیں، چھوڑ دیں، کیوں اسے رسی کی طرح لٹکا رکھا ہے؟"۔

"مسٹر! آپ کی نگاہ کمزور لگتی ہے۔ میرے سات میٹر کے دوپٹے کو رسی کہہ رہے ہیں، آپ نے پہلے آنکھیں بند کر کے دروازہ بند

کیا، پھر میرا دوپٹہ پھاڑ دیا اب لیکچر دے رہے ہیں"۔ جواباً وہ چیخ کر بولی۔

اس وقت پارکنگ ایریا میں کوئی نہیں تھا، صرف اس کے پیچھے آتی ہوئی زویا اور موبل تھیں جو حیدر سے بات کر رہی تھی مگران کی نگاہیں اس طرف نہیں اُٹھی تھیں۔

"پہلے آپ اپنے دماغ کا علاج کروایئے، بشرطیکہ وہ موجود ہو"۔ یہ کہہ کر وہ اطمینان سے آگے بڑھ گیا تھا، اس کے لبوں پر دل آویز فاتحانہ دھیمی مسکراہٹ تھی۔ حورین خاموش نہیں ہوئی تھی مگر وہ جا چکا تھا۔ حیدر سے باتیں کر کے وہ دونوں آئیں تو اسے پھٹا ہوا دوپٹہ ہاتھ میں لے کر غصے سے بڑبڑاتے دیکھ کر حیرت سے بولیں۔

"ارے یہ کیسے پھٹا......؟ کتنا خوب صورت دوپٹہ خراب ہو گیا"۔ زویا نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"شاید میری نظر لگ گئی، مگر یہ پھٹا کیسے؟" موبل نے کہا۔

"تمہارے اسی چہیتے راجہ اِندر نے پھاڑا ہے، اوپر سے کہتا ہے میرے پاس دماغ نہیں ہے"۔ ہلکے پھلکے انداز میں بات کرتے اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"راجہ اِندر...... لاحول ولاقوۃ۔ تم نے اسے خطاب بھی دیا تو کیسے گھٹیا انسان کا جو مقدس رشتے پامال کرتا تھا، اگر نام ہی دینا تھا تو یوسف ثانی، شہزادہ گلفام، وینس وغیرہ کا دے سکتی تھیں۔

"ارے چھوڑو غلطی سے ہوا ہے، گھر چلو باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہوگا"۔ موبل نے بات رفع دفع کرنے کی سعی کی۔ حورین نے خفگی بھری نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

کرن اور فاریہ شاپنگ کر کے آ رہی تھیں، جب کار سگنل بند ہونے پر ایک مصروف سڑک پر رُک گئی تھی۔ وہ دونوں شاپنگ پر بڑے زور و شور سے تبصرہ کر رہی تھیں، معاً کرن کی نگاہ کچھ فاصلے پر رُکی ایک کار کی بیک سیٹ پر پڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتی رہی گئی۔ لفظ اس کے گلے میں گھٹ گئے۔ زبان اکڑ کر رہ گئی۔

بیس برس بعد ان کو دیکھ رہی تھی جن کو دیکھنے کی چاہ دل نے تا زیست نہ کی تھی۔ وہ بالکل ویسے ہی تھے گریس فل، صحت مند، چاق و چوبند، اتنے طویل عرصے نے بھی ان کی صحت پر کوئی اثر نہ ڈالا تھا۔ شاید دولت نے نہ انہیں بوڑھا ہونے دیا تھا نہ کمزور۔ وہ آج بھی بیس سال پہلے جیسے تھے۔ ان کے برابر میں ایک ماڈرن سی عورت بیٹھی تھی، اس کے چہرے سے اعتماد و طمانیت ظاہر ہوتی تھی۔

یہ سب ایک نظر میں اس نے دیکھا تھا اور جھٹ سائیڈ میں رکھا رسالہ اُٹھا کر اپنے چہرے کے آگے کر لیا کہ چہرہ چھپ کر رہ گیا۔

"کیا ہوا کرن! تم کانپ کیوں رہی ہو......؟" فاریہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"سا...... سامنے...... دیکھو......" وہ میگزین چہرے سے ہٹائے بنا بولیں۔

''اوہ......اچھا! مگر تم ڈر کیوں رہی ہو؟ وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہیں''۔ فاریہ ڈرائیور کے خیال سے دھیمے سے بولیں۔

''تم نہیں جانتی، یہ کس قدر خطرناک ہیں۔ پلیز شوفر سے کہہ دو کار دوسرے راستے سے لے کر چلنا''۔ خوف و وحشت سے ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ فاریہ نے ڈرائیور کو ہدایت دی کہ کار ریلیو ایریا سے نکالے اور اسی لمحے سگنل کھل جانے کے باعث ٹریفک رواں دواں ہوگئی تھی۔ شومئی قسمت کہ برہان لغاری کی کار کا روٹ بھی وہی تھا جو ان کی گاڑی کا تھا۔ کرن کی حالت بگڑتی جارہی تھی۔ ایک جگہ جا کر ان کی گاڑی دوسری طرف مڑی تو ان کی جان میں جان آئی اور وہ پھر بھی احتیاط سے کئی راستے بدل کر گھر پہنچے تھے۔ فاریہ بے دم ہوتی کرن کو سہارا دے کر اس کے بیڈروم تک لائی اور بیڈ پر لیٹنے میں مدد دی تھی۔

''کرن! کرن! سنبھالو خود کو، اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے؟'' وہ ملازمہ کو کولڈ ڈرنک لانے کا کہہ کر کرن کے قریب بیٹھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولیں۔ کرن نے زاروقطار رونا شروع کردیا تھا۔

''وہ آگئے، ہمیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں آپہنچے۔ بہت بُرا ہوا، یہ بہت بُرا ہوا، مجھے ڈر تھا، یہی ڈر تھا''۔ وہ بُری طرح خوف زدہ تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوا، یہ محض اتفاق ہے، انہوں نے ہماری طرف دیکھا نہیں ہے''۔

''یہ اتفاق نہیں ہے بھابی! میرا دل کہتا ہے یہ اتفاق نہیں ہے''۔

ملازمہ کولڈ ڈرنگ لے آئی تھی، فاریہ اپنے ہاتھوں سے گھونٹ گھونٹ پلا رہی تھی۔

''یہ بہت پرانی آگ تھی جو اب راکھ بن چکی ہے، تم فکر مت کرو''۔

''آگ راکھ میں تبدیل ہو جائے مگر راکھ میں چنگاریاں دبی رہتی ہیں جو وقت آنے پر پھر سے شعلے بن جاتی ہیں، پھر سب کچھ جلا کر بھسم کر ڈالتی ہیں''۔

''اب کچھ بھی بھسم نہیں ہوگا جو ہونا تھا وہ ہوگیا، خود کو ریلیکس رکھو۔ آج رات کی فلائٹ سے انس بھائی آرہے ہیں، اس طرح ان کا استقبال کرو گی''۔ فاریہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے شوخی سے بولیں۔

''یہ رشتے بھی کتنا کمزور اور بزدل بنا دیتے ہیں۔ وقت بھی کیسے کیسے مذاق کرتا ہے۔ انسان سے کیسی اَن ہونی پہیلیاں بجھواتا ہے۔ ایک وقت ایسا تھا جب میں تنگ دستی دور کرنے کی غرض سے اسکول میں پڑھایا کرتی تھی۔ وہ وقت مجھے اپنی زندگی کا حسین دور لگتا تھا''۔ وہ ماضی کے اسرار میں کھوگئی تھی۔

''اسکول کا وقت ختم ہوتا تو میرا دل بڑا گھبراتا تھا۔ واپسی پر گھر جانے کے خیال سے میں ہر روز سب سے آخر میں نکلتی تھی۔ میری دوست بہت ناراض ہوتی کہ مجھے اسکول سے اتنا عشق ہے تو وہیں پڑی رہا کروں۔ آہ...... گزر گیا وہ وقت جو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ کبھی نہیں گزرے گا اور آج میں اس خوف میں مبتلا ہوں کہ کہیں میرا گھر مجھ سے چھوٹ نہ جائے۔ میرے اپنے نہ مجھ سے بچھڑ جائیں۔ کل گھر سے بھاگنے والی لڑکی آج گھر کھو جانے سے ڈرتی ہے۔ کل تک جس کو کسی کی پروا نہ تھی، آج وہ سب کی فکر میں گھلتی جارہی ہے، کیا تضاد ہے نا یہ

وقت کا"۔ وہ گہری سانس لیتی ہوئی گویا ہوئی تو فاریہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہی زندگی ہے۔ ایسے تجربات کی بھٹی میں جل کر کندن بنا جاتا ہے"۔

"برہان لغاری یہاں کیا کر رہے ہیں اور وہ عورت کون تھی جوان کے ساتھ بیٹھی تھی؟ وہ مثال تو ہرگز نہ تھی"۔ ان کی ذہنی رو پھر بھٹکی تھی۔

"برہان لغاری کوئی غریب آدمی تو نہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر نہیں جا سکتے، بلکہ وہ پوری دنیا میں اس طرح گھومتے ہیں جس طرح کوئی عام آدمی شہر کے علاقوں میں گھومتا ہے۔ وہ کہیں بھی جا سکتے ہیں، اب تم اپنے خوف پر قابو پانے کی سعی کرو۔ ہم دونوں تھے کل کو بچوں کی موجودگی میں ایسی ہی سچوایشن ہوئی تو کس طرح بچوں کو سمجھائیں گے...... یہ سوچا ہے؟"

"میں بہت کوشش کرتی ہوں مگر ان کے میں نے ایسے ایسے روپ دیکھے ہیں کہ میں خود پر قابو نہیں کر سکی"۔ ان کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

☆......☆......☆

دل میں پیدا کرو پہلے میری سی جرأتیں
اور پھر دیکھو کہ تم کو کیا بنا سکتا ہوں میں
میں بہت سرکش ہوں لیکن اِک تمہارے واسطے
دل بچھا سکتا ہوں میں، آنکھیں بچھا سکتا ہوں میں

ہنزہ کی شادی کی تقریبات عروج پر تھیں۔ "صمد ہاؤس" دل کش روشنیوں سے جھلملا رہا تھا۔ مہمانوں کی کثیر تعداد اندرون و بیرون ملک سے شرکت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ مایوں، مہندی کی رسمیں، پچھلے تین دنوں سے جاری تھیں۔ آج شادی کا دن تھا۔ ایک افراتفری سی ہر سمت نظر آ رہی تھی۔

ذوالنون نے ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا کہ حمزہ اور کونین کی کمی محسوس نہ ہو مگر وہ دیکھ رہا تھا، صمد انکل اور دادو کی آنکھیں ہر تقریب میں بھیگ رہی تھیں۔ کئی اہم موقعوں پر صنوبر آنٹی کی آنکھیں اسے دیکھتی تھیں اور ہنزہ، مزمل اور خنصرتو کونین کو بہت یاد کر تے رہے تھے۔

"ذوالنون! یہاں سب سے الگ تھلگ کھڑے کیا سوچ رہے ہو، کوئی مسئلہ ہے؟" خنصریٰ اس کے پاس ٹیرس پر چلی آئی۔

"نہیں۔ اندر بہت شور ہو رہا تھا"۔ خنصریٰ وہ واحد لڑکی تھی جس سے وہ احترام سے بات کرتا تھا، بے حد عزت بھی کرتا تھا۔

"ہوں، ایسے موقعوں پر ہی لڑکیوں کو گانے کے مواقع ملتے ہیں"۔

"گانے کے نہیں، لوگوں کے کان خراب کرنے کے"۔ اس کی بات پر وہ مسکرا دی تھی۔

"اگر ایسے جولی لوگ نہ ہوں تو پارٹیز جان دار نہ رہیں"۔

''اگر ایسے ہی لوگ ہونے لگے تو جان ہی نہ رہے گی'' ۔وہ منہ بنا کر بولا اور خضریٰ بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

''تم نہیں سدھرنا۔کمرے میں آجاؤ، میں نے چائے بنوائی ہے'' ۔وہ اس کے ساتھ کمرے میں آگیا جہاں عریبہ خضر سے ضد کر رہی تھی کہ وہ اسے میچنگ کی چوڑیاں دلوا لائے جو ابھی نکالتے میں ٹوٹ چکی ہیں مگر وہ لے جانے کو راضی نہ تھا۔

''آپی! دیکھیں نہ خضر مجھے...... '' پیچھے سے آتے ذوالنون کو دیکھ کر وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو گئیں؟ ایک گھنٹے سے میرا دماغ کھا رہی ہو'' ۔وہ ذوالنون کی طرف دیکھتا ہوا شرارت سے بولا۔

''کیا مسئلہ ہے؟ بیٹھ جاؤ'' ۔وہ عریبہ سے مخاطب ہوا جو اس کے کہنے پر اس پھرتی سے بیٹھی تھی کہ چیئر سے گرتے گرتے بچی تھی۔

''وہ......میرا......سینڈل......ٹوٹ......گیا......تو......''

''ہیں۔یہ ذوالنون بھائی کو دیکھ کر چوڑیاں سینڈل کیسے بن گئیں؟'' ۔

''پریشان مت کرو اسے'' ۔خضریٰ نے ڈانٹا۔

''جو اسے لینا ہے،شاپنگ کروا لاؤ'' ۔

''لیکن......گاڑی کوئی بھی نہیں ہے'' ۔

''میری گاڑی لے جاؤ'' ۔

''تو آپ خود ہی لے جائیں، آپ کو بھی تجربہ ہو جائے شاپنگ کا'' ۔

''نہیں......نہیں، میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ جانے سے بہتر ہے میں ننگے پاؤں بارات کے ساتھ چلی جاؤں، چنگیز خان نا ہوں تو'' ۔

''لو اس سے اچھی بات کیا ہو گی، ایک گھنٹے سے میں تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا'' ۔خضر خوش ہو کر بولا۔

''بکواس مت کرو، لے کر جاؤ اسے'' ۔ذوالنون نے چابی اس کی جانب اُچھالتے ہوئے کہا تو عریبہ حیرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

''میرے پیچھے پیچھے آؤ ورنہ......'' وہ عریبہ کو وارننگ دیتا ہوا چلا گیا۔پیچھے عریبہ بھی نکل گئی تھی۔ملازمہ چائے انہیں پیش کر چکی تھی۔ساتھ ہمزہ بھی آکر بیٹھ گیا تھا۔

''شادی کرنا بھی کتنا بڑا جنجال ہے۔اب مجھے محسوس ہو رہا ہے'' ۔وہ چائے کے گھونٹ لیتے اُکتائے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

''ابھی تو ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا''

ذوالنون نے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

''واہ یار! تم تو چھپے رستم نکلے۔ لاجواب کر دیا تم نے مجھے۔ کوئین کی واپسی کب تک ہو گی؟ یہ معلوم ہے یا نہیں؟''

''وہ جلد آ جائیں گے''۔ وہ کپ ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا۔

''میں دادو کو دیکھتی ہوں''۔ خضریٰ اُٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''میرے خیال میں کچھ وقت آپ بھی دادو کے پاس گزار لیں، ان سے دُعائیں لیں تا کہ جنجال آپ کے لیے خوش حال بن جائے''۔ وہ تینوں ساتھ ہی کمرے سے نکلے تھے۔ لاؤنج میں گھستے ہی وہاں موجود گانے گاتی لڑکیوں نے ہنزہ کو گھیر لیا تھا۔ وہ خاموشی سے لاؤنج سے باہر نکل آیا تھا۔ پیچھے سے اس نے خضر کی آواز سنی جو بھاگتا ہوا اس کی طرف ہی آ رہا تھا۔

''ہرا! وہ مارا...... پکڑ لی میں نے آپ کی چوری''۔ وہ بڑے جوش وخروش سے قریب آ کر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''چوری؟'' وہ متعجب ہوا تھا۔

''تمہاری چوری''۔

''کیسی چوری؟''

''جیسی چوری ہوتی ہے''۔ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''دیکھو سیدھے سیدھے بات کرو''۔

''میں سیدھی ہی بات کر رہا ہوں''۔

''کیا ہوا؟ تم عریبہ کو شاپنگ کروانے لے کر جا رہے تھے پھر کیا ہوا جو یوں واپس آ گئے ہو''۔

''عریبہ کو مما نے نہیں جانے دیا کہ اس کے پاس پہلے سے ہی ہر چیز ڈبل ہے، اسے کریز ہے شاپنگ کا، وہ منہ بنا کر چلی گئی''۔

''اوکے...... لاؤ چابی دو''۔

''اچھا...... مجھے باتوں میں لگا کر بچ رہے ہیں؟''

''خضر! بہت ہو گیا ہے میری برداشت کو مت آزماؤ''۔

''پہلے میں سب کو بتاؤں گا پھر آپ کو''۔

''اچھا...... اِدھر آؤ میرے قریب''۔ وہ ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''نہیں...... ایسی باتیں دور دور سے ہی اچھی لگتی ہیں''۔ وہ اس کا ارادہ بھانپ کر کئی قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہنے لگا۔

''یار بتاؤ تو سہی کیا مطلب ہے تمہاری بات کا؟'' وہ زچ ہو کر بولا تو خضر کے انداز نے اس کی چھٹی حس کو چوکنا کر دیا تھا۔

''آپ کی فرینڈ شپ کسی لڑکی سے نہیں ہے؟''

''لڑکی سے......؟ پاگل ہو گئے ہو تم؟''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں؟'' اس کا انداز چڑانے والا تھا۔

''مجھے تمہاری بکواس سے کوئی سروکار نہیں ہے، میں جا رہا ہوں۔ مجھ سے بکواس کرنے کی کوشش مت کرنا''۔ وہ غصے سے کہتا ہوا پلٹا تھا۔

''اچھا...... تو پھر یہ کیا ہے......؟'' خضر کا انداز ڈرامائی تھی۔ ذوالنون بے ساختہ پلٹا تھا اور پھر اس کی آنکھوں میں برہمی کی جگہ تعجب و حیرانگی نے لے لی تھی۔

خضر کے ہاتھ میں سرخ و سپید کپڑے کا پیس تھا۔ اس کی نگاہوں میں کل والا منظر گھوم گیا جب وہ جامعہ سے واپسی پر موبائل بھولنے کے باعث کار سے جلدی میں نکلا تھا اور دیکھ نہ سکا تھا کہ کوئی دوپٹہ ہوا کے جھونکے سے اُڑ کر ڈرائیونگ ڈور میں پھنس گیا ہے۔ اس نے جلدی میں دوپٹے کو کھینچ کر نکالا تھا اور پھر یہ بھی دیکھنا گوارا نہ کیا تھا کہ رہ جانے والا وہ دوپٹے کا پیس کہاں گرا ہے جو اَب خضر کے ہاتھ لگ گیا تھا اور خضر کب سے کسی ایسے ثبوت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔

❁

''مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں سے آیا اور کیسے؟'' اس نے شانے اُچکاتے ہوئے بالکل لاپرواہی و لاعلمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے کہ خضر جیسا کائیاں و ڈھیٹ بندہ بھی گڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کا تمام جوش و اشتیاق جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔

''رئیلی...... آپ نہیں جانتے اس پیس کے متعلق؟''

''میرے خیال میں تم اس کو اسٹمپ پیپر پر تحریر کروا لو اور یقین آنے تک پڑھتے رہنا''۔ وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

''کیا...... کیا تحریر کراؤں؟'' خضر ہونق بن گیا تھا۔

''یہی کہ میں اس پیس کے بارے میں نہیں جانتا''۔ ذوالنون اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''اوکے...... لیکن...... مجھے یقین نہیں آیا''۔

''کیوں......؟'' اس کی نگاہیں بار بار اس ٹکڑے پر اُٹھ رہی تھیں۔

''یہ آپ کی کار کی فرنٹ سیٹ کے نیچے دبا ہوا تھا اور آپ کہتے ہیں''۔

''اوہ...... کم آن خضر! مٹی ڈالو اس پر، تیاری کرنی ہے یا نہیں...... انکل مقررہ ٹائم پر بارات لے کر جائیں گے۔ کون تیار ہے، کون نہیں، وہ پرواہ نہیں کریں گے''۔

''ہاں...... ہاں بالکل درست بات کی ہے آپ نے۔ ایک تو ڈیڈی انتظار نہیں کریں گے، دوسرے بے عزتی الگ ہوگی، اگر وقت پر تیار نہ ہوئے تو''۔ وہ ایک دم ہی چونک کر کہتا ہوا اندر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

''یہ تو دے کر جاؤ......'' ذوالنون نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو دے کر جاؤں......؟" وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

"ہاں......نہیں......میرا مطلب ہے پھینک دو اس کو"۔

"کیوں پھینک دوں؟ اس کی آنکھوں میں بجھی جوت پھر جلنے لگی۔

"کتنا حسین ہے یہ پین، کسی دل رُبا کے دل کی طرح، سوچ رہا ہوں وہ خود کس قدر خوب صورت ہو گی؟ جس کا دوپٹا اتنا حسین و دل کش ہے"۔

"بھاڑ میں جاؤ، میرا ہی دماغ خراب ہو گیا تھا جو تم سے بکواس کی"۔ وہ غصے میں اندر چلا گیا تھا، خضر کی معنی خیز مسکراہٹ نے اسے خوب تپا ڈالا تھا۔ خضر اس کے پیچھے اندر گیا تھا۔

☆......☆......☆

تم سے اُلفت کے تقاضے نہ نبھائے جاتے

ورنہ ہم کو بھی تمنا تھی کہ چاہے جاتے

تم سے اُلفت کے تقاضے نہ نبھائے جاتے

"پلیز ہریرہ! مجھے ڈسٹرب مت کرو"۔ حورین نے ہریرہ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا، جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"تم ڈسٹرب ہوتی ہو......؟ نئی خبر ہے"۔

"میں انسان نہیں ہوں کیا؟" اس نے جلا کر کہا۔

"نہیں"۔

"کیا......؟"

"مم......میرا مطلب ہے تم مجھے پری لگتی ہو، پری"۔ ہریرہ نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بے ساختہ مسکرانے لگی۔

"تمہیں معلوم ہے پری کے "ان کو" کیا کہا جاتا ہے؟"

"دیو"۔ اندر آتے شریر ٹولے میں سے ایک نے فقرہ چست کیا۔

"ہو گے تم خود دیو بلکہ......دیوؤں کے دیو مہا دیو"۔ ہریرہ جل بھن کر بولا۔ وہ ہنستے ہوئے کارپٹ پر بیٹھ گئے تھے، جہاں ہریرہ فلور کشن کے سہارے نیم دراز ہوا تھا۔ حورین صوفے پر بیٹھی تھی۔

"یہ ٹیکنیکل دور ہے۔ لوگ چاند سے آگے پہنچ گئے ہیں اور ہم ابھی تک پریوں اور دیوؤں کے چکر میں گم ہیں"۔ واصف نے احساس دلانے کی سعی کی۔

"ٹیکنیکل دور میں دیو بھلے ناپید ہو گئے ہوں مگر پریاں تو بھائی تا قیامت رہیں گی"۔ سعود نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

''جب دیو نہیں ہوں گے تو پھر پریوں کا کیا کام؟'' سفیان بولا۔

''بھئی پریاں ہمارے لیے ہیں، دیوؤں کے لیے تھوڑی ہیں''۔ ہریرہ حور کی طرف دیکھ کر بولا اور سب کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

''توبہ...... توبہ اس دور کے نوجوان......؟ اللہ کی پناہ! مرے جا رہے ہیں شادی کے لیے۔ لڑکیوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر جب ہی چہروں پر پھٹکار برس رہی ہے۔ صورت نہ شکل، بھاڑ سے نکل''۔ وصی نے بی بی جان کے انداز میں کہا اور ان قہقہوں میں حورین اور اریج کی ہنسی بھی شامل تھی۔

''درست کہتی ہیں بی بی جان، آپ لوگوں کی حرکتیں ہی ایسی ہیں''۔ اریج متنبہ لہجے میں بولی۔

''سسٹر! تم کیوں منہ لٹکا کے بیٹھی ہوئی ہو، اینی پرابلم؟'' واصف نے حورین کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو دوسرے بھی اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

''پچھلے دو تین دن سے بہت اُداس و تنہا تنہا لگ رہی ہیں''۔

''ممی، پپا بہت یاد آ رہے ہیں''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''مجھے بھی یاد آ رہے ہیں''۔ اریج اس کے قریب ہوتے ہوئے اُداسی سے بولی۔

''یہاں کوئی پریشانی ہے؟ کسی نے کچھ کہا تو نہیں ہے؟'' حساس طبیعت کے مالک واصف نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردی سے پوچھا۔

''ارے نہیں...... یہاں تو سب اتنے اچھے، اتنے کیئرنگ ہیں کہ گمان ہی نہیں ہوتا کہ ہم گھر سے دور ہیں، بس انسان ازل سے محبتوں کا طلب گار اور چاہتوں کا متلاشی ہے۔ محبت و چاہت کتنی ہی مل جائے، ہمیشہ تنگیِ داماں کا تشنہ احساس رہتا ہے''۔ حورین نے مسکرا کر وضاحت کی تھی۔

''ہوں...... تو یوں کہیں نا اب ممی، پپا سے ناز اُٹھوانے نخرے دکھانے کو دل مچل رہا ہے''۔ سفیان مسکرا کر گویا ہوا۔

''ویسے بات تو درست ہے، آپ کو کتنی بھی محبتیں مل جائیں مگر والدین سے ملنے والی محبت و توجہ کا احساس ہی الگ ہوتا ہے''۔

''یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟'' وصی سرمد سے حیرانگی سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں...... یہ تم کس خوشی میں اتنے حیران ہو رہے ہو؟''

''خوشی میں نہیں دُکھ میں......''

''کس دکھ میں......؟''

''کل تم اپنی ''سہیلی'' سے کہہ رہے تھے، پھر تمہیں اس سے اتنی محبت ہے جتنی دُنیا میں کوئی کسی سے کر نہیں سکتا اور اب کہہ رہے ہو، دُنیا کی سب سے بہترین محبت وہ ہے جو آپ کے والدین آپ سے کرتے ہیں''۔

''اس میں نیا کیا ہے؟ یہ تو اپنی ہر کیلی سے یہی کہتا ہے''۔

''یہاں کوئی خفیہ بات چیت نہیں ہو رہی ہے''۔ سرمد ٹپٹا کر بولا۔

''بہت جھوٹے ہو یار تم، کچھ تو لحاظ کرو''۔

''دیکھو وصی! بہت ہو گیا''۔ ان دونوں کو ایک دیکھ کر وہ بھڑک اُٹھا۔

''یہی تو تمہیں کہہ رہے ہیں، بہت ہو گیا ہے۔ لڑکیوں سے جھوٹ بولنا چھوڑ دو''۔ وہ دونوں سرمد کو گھیرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہریرہ مسکراہٹ ضبط کیے سرمد کے غصے سے پھولتے پچکتے نتھنے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو، خود تم سب سے بڑے جھوٹے ہو''۔

''تجھ سے تو چھوٹے ہیں بھائی''۔ وصی باز آنے والا نہیں تھا۔

''کل موبائل پر تو کیا کہہ رہا تھا اپنے دوست سے......؟''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' وصل سنبھل کر بیٹھا۔

''شاور کھول کر واش روم کے دروازے کے پاس کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے، یار میں کراچی میں نہیں سوات میں ہوں، یہاں بڑی طوفانی بارش ہو رہی ہے۔ بارش بند ہوتے ہی میں پہلی فلائٹ سے آ جاؤں گا''۔ وہ وصی کو گھور کر بولا۔

''یہ سفیان صاحب! انہوں نے واش روم کا نیا نام ایجاد کیا ہے، ایئرپورٹ''۔

''ایئرپورٹ......؟'' حورین اور اریج سخت متعجب ہوئیں۔

''جب بھی کوئی ایمرجنسی کال آتی ہے ان کے پاس تو فوراً کہہ دے گا سر! سوری میں ایئرپورٹ پر بیٹھا ہوں''۔ سرمد کا انداز ایسا تھا کہ ان کے ساتھ وہ دونوں بھی ہنس پڑے تھے۔

''ہم تو مذاق کر رہے تھے، تم سنجیدہ ہو گئے یار''۔ وہ اسے منانے میں لگ گئے جو ناراض تھا، اسی اثنا میں بی بی جان اندر آئی تھیں۔ وہ الرٹ ہو گئے۔

''بی بی جان! آج کل یہ کاپی آپ کے ہاتھ میں بہت نظر آنے لگی ہے''۔ واصف نے بہت مہذب انداز میں ان کے ہاتھ میں پکڑی کاپی اور پین کی طرف اشارہ کیا۔ یہ وہ مخصوص کاپی تھی جس میں خاندان اور باہر کی تقریبات میں دیئے گئے تحائف و رقوم کا اندراج ہوتا تھا۔

''تقریبات بھی بن بلائے مہمانوں کی طرح نازل ہونے لگی ہیں۔ پہلے سال میں چند تقریبات ہوتی تھیں، سب دور نزدیک کے مل بیٹھتے تھے، پرانی یادیں تازہ کرتے تھے، من بڑا شانت ہوتا تھا مگر اب تو سال گزر جاتا ہے اور کام ختم نہیں ہوتے ہیں، اب تقریبات میں وہ لطف نہیں رہا، کام ایسے ہوتے ہیں جیسے بوجھ سے جان چھڑائی جا رہی ہو، پھر نیتوں میں کھوٹ آ گیا ہے، دعوت ایک اور تقریبات کئی ہوتی ہیں''۔ بی بی جان کا پسندیدہ موضوع چھیڑا گیا تھا جس پر وہ گھنٹوں سیر حاصل گفتگو کر سکتی تھیں۔

''جیسے پچھلے ہفتے میں گئی تھی، بھٹی صاحب کے بیٹے کے ولیمے میں، وہاں کئی کام ایک ساتھ تھے۔ بیٹے کا ولیمہ، بیٹی کی رخصتی، پوتوں کے عقیقے اور پوتیوں کی بسم اللہ شریف۔ لوگوں کی ذہنیت میں بھی فتور آ گیا ہے، دینے والے کی پوری ناٹ پٹ جاتی ہے۔ تقریبات نہ ہوئیں کاروبار بن گئیں''۔ وہ سانس درست کر کے قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''اس ملک کی مہنگائی کا تو پوچھو نہیں، پاکستان تو کوئی چاند پر بھی نہ جا سکا مگر یہاں کی مہنگائی چاند کو بھی پیچھے چھوڑ کر ساتویں آسمان کو چھو رہی ہے''۔ وہ کلس کر کہہ رہی تھیں۔

''بی بی جان! ہماری عورتوں کا پسندیدہ موضوع ہے مہنگائی، کیا وجہ ہے آخر میں نے کبھی مردوں کو اس فکر میں ہلکان ہوتے نہیں دیکھا......؟'' سفیان جو آج کل بی بی جان کو اسی گٹھ جوڑ میں مصروف دیکھ رہا تھا، کہہ تو بڑے مزے سے گیا مگر جواباً کئی لمحوں تک ان کی کڑی نگاہوں کے زیرِ اثر رہ کر اسے احساس ہوا، بے دھیانی میں وہ کیا غلطی کر بیٹھا ہے؟

''سنو میاں! مرد تو صرف ایک کام میں اُلجھتا ہے اور لا کر بندھی ٹکی رقم عورت کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے۔ مانو بڑا کارنامہ انجام دے دیا ہو، وہ اپنی ذمے داری سے آزاد ہو جاتا ہے، اب کم بختی آتی ہے عورت کی، بلز، بچوں کی پڑھائی کے اخراجات، گھر کا بجٹ، چھوٹی موٹی خریداری اور یہ جو نیا فیشن نکلا ہے، ایک کام میں چار کرنے کا پھر یہ جو تم لوگوں کی آئے دن کی پارٹیاں ہیں، ایسے تمام کام عورتوں کی سمجھ داری و کفایت شعاری سے ہوتے ہیں، ہر ضرورت کے لیے تم ماں کو پکارتے ہو یا باپ کو، ایک دفعہ کے بعد دوسری مرتبہ باپ سے جیب خرچ کیوں نہیں مانگتے؟ معلوم ہے ناں لات لگے گی، ماؤں کو مسکا لگا کر دس بار لیتے ہو، ایسے اور دوسرے مسائل ہوتے ہیں جن کی تمام تر ذمے داریاں فقط عورت ہی نبھاتی ہے۔ مردوں کو تھوڑی معلوم ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو ایک دن گھر میں گوشت پکا ہوا نہ ملے تو باہر کھا کر آتے ہو''۔ حسبِ عادت وہ لیکچر دے بیٹھی تھیں۔

''بی بی جان! ہمارے ہاں ایسے مسئلے نہیں ہوتے ہوں گے، کیونکہ ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ بڑے پپا اور پپا کا شمار چند ٹاپ کے بزنس مینوں میں ہوتا ہے''۔ وصی نے کہا۔

''وہی بات آ گئی نا، بڑے لوگوں کے خرچے بھی بڑے ہوتے ہیں اور پھر بیٹا ہر گھرانے میں خواہ کسی بھی طبقے کا ہو میانہ روی و توازن رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ دولت ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے خوب لٹاؤ، پھر کنگال ہو کر بیٹھ جاؤ''۔

''آپ تو آج شادی میں جانے کی کہہ رہی تھیں''۔ اریج نے پوچھا۔

''ہاں...... میں تو بھول ہی گئی، تم لوگوں کی باتوں میں۔ یہی معلوم کرنے آئی تھی کہ آج میرے ساتھ کون چلے گا؟'' وہ عینک درست کرتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''شادی میں......'' اریج اور حورین کے علاوہ وہ سب چونک کر گویا ہوئے تھے۔

''ہم سب...... ایک دوست کے...... ہاں...... مدعو ہیں''۔ وصی نے گھبرا کر کہا۔

"دوست...... رشتے داروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں"؟

"وہ، بی بی جان......" ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا، ایسے میں ان کی مدد کرنے کی کوشش حورین نے کی۔

"بی بی جان! میں چلوں آپ کے ساتھ"۔ حورین نے کہا۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں، بھلا اس سے اچھی بات کیا ہوگی، ان ناہنجاروں کو میں کون سا خوشی سے لے جانا چاہ رہی تھی۔ دراصل شروع سے اماں، ابا نے تنہا گھر سے باہر نکلنے نہ دیا کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں تنہا نہیں نکلتیں۔ بس وہی عادت پڑ گئی ہے، اس بڑھاپے میں بھی تنہائی کا تصور محال ہے"۔ وہ اُٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں پھر اسے جلد تیار ہونے کا کہہ کر چلی گئیں"۔

"ارے یہ کیا غضب کرلیا؟ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارلی؟"

بی بی جان کے قدموں کی آواز دور ہوتے ہی وہ سب اس سے مخاطب ہوئے۔

"اُن کے لہجے میں کتنی محبت تھی، ایسی محبتیں حاصل کرنے کے لیے میں خود کو ہزار بار نقصان پہنچا سکتی ہوں"۔

"یہ بات درست ہے مگر بی بی جان کی رشتے داریاں بہت مشکل ہوتی ہیں اور اس پر تعارف کی ڈوریں بڑی طویل ہوتی ہیں۔ ایسے ہی موقع پر ایک دفعہ میں ان کے ساتھ تھا، ایک خاتون سے تعارف ہوا، بی بی جان پوچھنے لگیں۔ آپا فہمیدہ! تمہاری بہن کی پھوپو کی نواسی جس گھر میں گئی ہے، وہ لوگ کیسے ہیں......؟ سنا ہے بڑے ظالم لوگ ہیں۔ جواب میں آپا فہمیدہ نے ایک طویل سرد سانس لے کر دبی حرارت کو چھیڑنے کی ناکام کوشش کی، پھر بولیں وہ تھے ہی منحوس لوگ، پہلی بار دعوت پر آئے تو من بھر دودھ پھٹ گیا، چھوٹے بھائی کے ساتویں بیٹی ہوگئی، بریانی کے چاول اینٹھ گئے، قورمے کا گوشت کم گلا، فرائی میں نمک تیز ہوگیا اور......"

"بس بس ٹھیک ہے جو ہوگا میں خوشی سے برداشت کرلوں گی، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔ حورین ہنستی ہوئی کھڑی ہوکر گویا ہوئی۔

☆......☆......☆

شہر کے اعلیٰ ہوٹل میں بارات کا انتظام تھا۔ راحیلہ بیگم اور صمد صاحب نے کسی کو رعایت نہ دی تھی، ان کی وجہ سے ہی بارات ٹائم پر سبزہ زار پہنچ گئی تھی، جہاں مہمانوں کا جوش وخروش سے والہانہ استقبال کیا گیا تھا۔

رنگ وبو کا طوفان ہر سمت پھیلا ہوا تھا۔ مہمانوں کی کثیر تعداد تھی جو وہاں پھیلی ہوئی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ باوردی ویٹرز مہمانوں کو کولڈ ڈرنکس سرو کر رہے تھے۔ حسین ماحول تھا۔

رنگین فضا تھی۔

حسینوں کے قہقہے، مہ جبینوں کی اداؤں کے جال ہر سو بکھرے تھے۔ کوئی اُلجھ رہا تھا کوئی بچ رہا تھا مگر سب کے لبوں پر ہنسی تھی۔ سب خوش باش ومطمئن نظر آرہے تھے۔ اس بھرے بے فکر وخوش باش ہجوم میں فقط وہی تھا، جو اس خوشی کے موقع پر بھی مسکرا نہ سکا

تھا۔ دادو کی آنکھوں سے گرتے آنسو، چچا کی افسردگی ورنجیدگی جو اس اہم موقع پر بڑے بھائی کی غیر موجودگی کے خیال سے در آئی تھی۔ اس پورے ہفتے میں اس نے ہر تقریب کے دوران ان لوگوں کو اپنے باپ کے لیے روتے، افسردہ ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے سوچا تھا اگر مما اس موقع پر تھوڑی اپنے دل میں گنجائش نکال کر شرکت کرتیں تو یقیناً ان خوشیوں میں کچھ رنگ حقیقی بھی پیدا ہو جاتے۔ مما خود گئیں، ساتھ کو نین کو بھی لے گئیں تا کہ وہ بھی شرکت نہ کر سکے۔ اسے اپنی ماں کی یہ عادت شروع سے ناپسند تھی کہ وہ پسند نہ کرتی تھیں کہ وہ دادو اور چچا کی فیملی سے ملیں۔ اس کے علاوہ بھی ان سے اس کو بے حد شکایتیں تھیں مگر ان کے اس طرزِ عمل نے اسے سخت متنفر کر دیا تھا۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، بھرے ہجوم میں وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ مسکراتے چہرے، ہنستے لوگ اسے خود پر، اپنے والدین کی ناکام زندگی کا مضحکہ اُڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے اندر اُبھرتی وحشتوں میں اور اضافہ ہو جاتا اگر حزل اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ نہ کرتا۔

"تم! یہاں کیا کر رہے ہو وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں، بھائی کا نکاح ہونے والا ہے"۔ حزل اسے ایک طرف تنہا بیٹھے دیکھ کر بولا۔

"ایسے ہی بیٹھ گیا تھا، چلو......" وہ اس کے ساتھ اسٹیج کی طرف آ گیا جہاں نکاح کی تیاری مکمل تھی۔ صمد صاحب نے اس کا ہاتھ تھام کر بٹھا لیا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں کاروں اور دوسری بڑی گاڑیوں کی طویل قطاریں تھیں۔ ڈرائیور کو کار پارک کرنے کے لیے جگہ نظر نہ آ رہی تھی۔

"کاکا! آپ جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کر دیں، ہم اندر جا رہے ہیں"۔ حورین بڑی عمر کے ڈرائیور سے مخاطب ہوئی اور بی بی جان کے ہمراہ آگے بڑھ گئی۔ آسمانی کلر کی سیاہ بارڈر والی ہلکی کڑھائی کی ساڑھی میں سادہ سا جوڑا بنائے بی بی جان آج تمام دنوں سے بہت منفرد اور اچھی لگ رہی تھیں۔ گولڈ کی نازک سی جھمکیاں اور گلے میں لاکٹ چین، کلائیوں میں وہی گولڈ کی چوڑیاں تھیں جو عام دنوں میں بھی ان کی کلائیوں کی زینت بنی رہتی تھیں۔ میک اَپ کے نام پر صرف آنکھوں میں کاجل لگایا گیا تھا۔ اس سادگی میں بھی ان کا حُسن باوقار لگ رہا تھا۔

گیٹ سے کچھ اندر ان کا استقبال ایک سوبر خاتون نے کیا تھا۔

"میں ابھی آپ کو ہی کال کرنے والی تھی۔ بارات آ گئی، نکاح بھی ہو گیا اور آپ کا کچھ پتا بھی نہیں تھا۔ اس سے قبل آپ ہر کام میں وقت سے پہلے آ جاتی تھیں"۔ لائٹ پرپل شلوار سوٹ میں لائٹ میک اَپ اور جیولری میں وہ خوش اخلاق و مزاج خاتون دُلہن کی والدہ تھیں۔

"سدا خوش رہو، گھر سے ٹائم سے پہلے ہی نکلے تھے، ڈرائیور کار بھی گدھا گاڑی سے بدتر چلا کر لایا ہے"۔ بی بی سلام کا جواب دے کر ان کو مبارک باد دے کر ان سے بغل گیر ہوئی تھیں۔

"بی بی جان! یہ کس کی لڑکی ہے؟ پہلی بار دیکھ رہی ہوں"۔ وہ حورین سے ہاتھ ملاتے ہوئے پُر اشتیاق لہجے میں بولیں۔

"فاریہ یاد ہو گی نا تمہیں؟"

"ہاں...... ہاں اچھا یہ فاریہ کی بیٹی ہے۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہے، آئیں"۔ وہ ان کی پوری بات سنے بنا ہی بولتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھیں۔

''نگوڑی کو بہت بولنے کی عادت ہے، پوری بات سنے بنا ہی......'' وہ سرگوشی میں حورین سے مخاطب ہوئیں۔

''کوئی بات نہیں بی بی جان! فاریہ آنٹی مجھے ممی کی طرح ہی پیار کرتی ہیں''۔ وہ ان کے ہمراہ چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

شادی کی مخصوص رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ رنگ برنگے مہنگے ملبوسات، بیش قیمت جیولری کی چمک دمک، امپورٹڈ پرفیومز کی مہکار، زنانہ مردانہ قہقہوں کی جھنکاریں ماحول میں گڈمڈ تھیں۔

وہ بہت دلچسپی سے اردگرد کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کی یہاں پر یہ پہلی تقریب میں شرکت تھی اور اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کھانا ویٹرز نے سرو کرنا شروع کر دیا تھا۔ کئی طرح کی ڈشز تھیں۔ اس نے فروٹ سلاد اور چائنیز رائس رغبت سے کھائے تھے، دہی بڑے چکھے تھے، سویٹ ڈش میں صرف رسملائی پلیٹ میں ڈالی تھی۔ اس کے برعکس بی بی جان نے ہر ڈش سے انصاف کیا تھا اور اسے بھی اصرار کرتی رہی تھیں کہ خواہ کھاؤ نہیں مگر سب چیزیں چکھو ضرور اور وہ اس کی متحمل نہ تھی۔

''آج کل کی لڑکیوں کی کوئی خوراک ہی نہیں ہے۔ ذرا سا کھایا اور بس، بھر گیا پیٹ، یہ کوئی کھانا ہوا بھلا......؟'' بی بی جان تیسری مرتبہ چکن روسٹ اور آلو بخارے کی چٹنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اسے سرزنش کر رہی تھیں۔

''لوگ کیسے ہیں؟ بارات لانے کے بعد لڑکے والوں کی اصلیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ کوئی مزاج وغیرہ تو نہیں دکھایا یہاں آنے کے بعد......؟'' اکرم صاحب اور ان کی بیگم بی بی جان کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آکر وہ ضرور ان کے پاس بیٹھتے پھر کوئی بلاتا تو معذرت کر کے چلے جاتے۔ اب کھانے سے فارغ ہو کر مسز اکرم آکر ان کے درمیان بیٹھی تو بی بی جان پُرتجسس انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

''نہیں بی بی جان! بہت ہی اچھے لوگ مل گئے ہیں جتنا غیر برادری میں بیٹی دینے سے ڈر رہی تھی، میرے رب نے میری لاج رکھ لی۔ مہکار کے سسرال والے اتنے ہی اچھے اور با اخلاق، بامروت لوگ ہیں، میں ابھی ملواتی ہوں آپ کو، دیکھئے گا آپ خود بھی''۔ بیٹی کے سسرالیوں کے متعلق بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر طمانیت کے چراغ روشن تھے، پھر وہ حورین سے مخاطب ہوئیں جو ان کے درمیان خاموش بیٹھی تھی۔

''بیٹا! آپ کیوں یہاں تنہا بیٹھی بور ہو رہی ہیں، وہاں اسٹیج پر جائیں، دولہا دلہن کے پاس ہنگامہ مچا ہوا ہے''۔ ساتھ ہی انہوں نے ایک لڑکی کو آواز دی تھی جس کا نام بینش تھا۔ وہ بہت خوشی خوشی اسے لے کر ینگ پارٹی کی طرف آئی تھی، سب سے تعارف ہوا تھا، وہ سب دلہن کی کزنز تھیں۔ حورین ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

سامنے اسٹیج تھا جو کیمروں اور مووی کیمروں کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ڈیپ میرون کلر کے شرارہ سوٹ میں دلہن حسین لگ رہی تھی۔ اس کے برابر میں براجمان دولہا بھی شیروانی سوٹ میں بہت سوبر و ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ دونوں کی جوڑی بہت زبردست لگ رہی تھی۔ اسٹیج پر قہقہوں کا ساز اور ہنسی کا ترنم، شوخ فقروں کا جلترنگ بج رہا تھا۔

بینش نے اسے اسٹیج پر لے جانا چاہا مگر اس نے یہیں بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ اچانک چونک کر سیدھی بیٹھی تھی۔ اسٹیج پر ایک معمر

خاتون کا ہاتھ پکڑ کر بے حد احتیاط سے اوپر لاتے ہوئے شخص کو دیکھ کر خواہ مخواہ ہی اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں در آئی تھیں۔

"ہاؤ سو ہینڈسم، ڈیشنگ، یہ دولہا کا کون ہے؟ میں کب سے اسے دولہا کے ساتھ دیکھ رہی ہوں"۔ وہاں بیٹھی ایک لڑکی پُر اشتیاق لہجے میں بولی۔

"تم پوچھ تو ایسے رہی ہو جیسے دولہا کی پوری فیملی کو جانتی ہو"۔ دوسری لڑکی ہنسی۔

"ہاں سب کو جانتی ہوں، دولہا میاں کے دو بھائی، دو بہنیں ہیں اور یہ دادی ہیں مگر...... یہ چارمنگ پرسنالٹی والا بندہ کون ہے؟ نہیں جانتی"۔ جتنی اس لڑکی کی گفتگو میں بے باکی تھی، اتنی ہی نگاہوں میں بھی۔

"یہ حمزہ بھائی کے کزن ہیں، منہ دھو رکھو یہاں تمہاری دال نہیں گلنے والی"۔

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو"۔ وہ ڈھٹائی سے ہنس کر بولی۔

"وہ جتنے ہینڈسم، ڈیشنگ ہیں، اس سے بھی زیادہ مغرور ہیں۔ دیکھا نہیں تم نے جب سے آئے ہیں، مجال ہے جو کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھا ہو۔

"تم فکر مت کرو، صرف تعارف کراؤ اور پھر کام میرا......"

"نہ بابا! مجھے شوق نہیں ہے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کا"۔ بینش کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی قطعیت بھرے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ وہی نہیں، وہاں بیٹھی تمام لڑکیاں سرگوشیوں میں ذوالنون کی پرسنالٹی ڈسکس کر رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں ٹھہر ٹھہر کر اسٹیج پر اٹھ رہی تھیں، جہاں وہ موجود تھا۔

بے وقوف لڑکیوں کے احمقانہ خواب، ہر چمکتی شے کے پیچھے بھاگنے والی نا سمجھ لڑکیاں جن کا معیار صرف ظاہری رکھ رکھاؤ اور خوب صورتی ہوتا ہے۔ تصویر کا ایک رُخ دیکھ کر اپنی زندگیاں داؤ پر لگا دینے والی ان جیسی فضول اور احمق لڑکیوں سے اسے سخت ترین چڑ تھی۔ وہ اُٹھ گئی تھی، بینش اور لڑکیوں کے روکنے کے باوجود......

"بھائی! آج تو ماحول کی رنگینی سے نگاہوں کو حرارت دیجیے، واہ! ہر سمت حُسن کی فراوانی ہے، ایک سے بڑھ کر ایک حسین ہیں بے"۔ خضر نے ہاتھ میں پکڑے کیمرے کو گلے میں لٹکاتے ہوئے ذوالنون کے قریب بیٹھ کر مخلصانہ مشورہ دیا، جواب میں وہ درشتگی سے گھور کر رہ گیا۔

"اس کوٹ سوٹ میں بے حد اسمارٹ لگ رہے ہیں آپ، کئی لڑکیوں کی مائیں آپ کا ایڈریس پوچھ چکی ہیں"۔

"اپنا ایڈریس دے دیتے"۔ وہ ہونٹ بھینچ کر گویا ہوا۔

"دے دیا نا"۔ وہ بے ساختگی سے بولا۔

"تو زبان بند کر کے بیٹھ جاؤ"۔ خضر کی زبان اسے ہمیشہ زچ کرتی تھی۔

"وہ شعر سنا ہے آپ نے......

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر

لہو پکارے گا آستین کا"

"خضر پلیز! جاؤ یہاں سے"۔

"عریبہ سے چھپ کر یہاں بیٹھا ہوں۔ اس کی اور اس کی اوٹ پٹانگ فرینڈز کی فوٹو کھینچ کھینچ کر تنگ آ گیا ہوں مگر ان کی طبیعت سیر نہیں ہو رہی، تصویریں بنوا بنوا کر"۔

"دادو کی کوئی تصویر لی تم نے؟"

"ابھی تو نہیں لی، چلیں آپ کے ساتھ لیتا ہوں"۔

"رہنے دو۔ دادو ابھی وہاں مصروف ہیں، نہ معلوم اور کتنی رسومات رہ گئی ہیں، فضول ٹائم ویسٹ ہوتا ہے ہمارے ہاں"۔ وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا بے زاری سے گویا ہوا۔ خضر مسکرا کر بولا۔

"آپ اپنی شادی پر ٹائم ویسٹ مت کیجئے گا۔ نکاح ہوا اور آپ دلہن کو لے کر غائب ہو جایئے گا، جو ہو گا میں سنبھال لوں گا"۔

"شٹ اَپ"۔ اس کی بکواس پر وہ مسکراہٹ ضبط کرتا ہوا بولا۔

"اوکے باس! اوہ...... ہو...... زبردست محسوس ہوتا ہے۔ زمین پر آکاش مع چاند ستاروں کے مجسم ہو کر اُتر آیا وہ بہت خوب......" یک دم خضر کی توصیف سے بھرپور آواز پر ذوالنون کی نگاہیں بے ارادہ ہی اُٹھ گئی تھی۔ سامنے سے گزرتی حورین کو دیکھ کر اس کا چہرہ سپاٹ ہوتا چلا گیا۔

سیاہ ٹراؤزر سوٹ پر بڑا سا دوپٹہ پھیلائے وہ خضر کے قیاس پر پوری اُتر رہی تھی۔ سیاہ سوٹ پر باریک باریک گولڈن تارے چمک رہے تھے۔ اس جگمگاہٹ میں دمکتا چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں، پشت پر پھیلے گولڈن براؤن گھنے بالوں کی آبشار...... اِدھر اُدھر دیکھے بنا وہ بڑے شاہانہ انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے نگاہیں جھکالی تھیں۔

"شاید وہ دلہن والوں کی طرف سے آئی ہیں"۔ خضر کی نگاہیں بہت دور تک اس کے تعاقب میں گئی تھیں۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے جو بے سکون ہو رہے ہو؟"

"نہ معلوم آپ کس مٹی کے بنے ہیں جو ایسے ایسے حسین شاہکار دیکھ کر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا؟" خضر بیٹھ کر حیرانگی سے بولا۔

اسی وقت صمد صاحب کے وہاں آنے سے وہ خاموش ہو گیا تھا۔

"انکل! کتنا وقت اور لگے گا؟"

"زیادہ نہیں......بس رخصتی ہونے والی ہے"۔ صمد صاحب اس کے شانے پر مسکرا کر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"بی بی جان! کب تک چلیں گی؟" وہ ان کے قریب آ کر استفسار کرنے لگی۔

"چلتے ہیں بیٹا"۔ وہ اُٹھتے ہوئے بولیں۔ مسز اکرم بی بی جان کو دُلہن کے پاس لے گئی تھیں، تاکہ وہ اسے دعائیں دے سکیں۔ وہ سائیڈ میں کھڑی ہو گئی تھی، تب ہی اسے کسی کی پُر حدت نگاہوں کا احساس ہوا تھا۔ اس نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا، فرسٹ رو میں کچھ دور بیٹھا ذوالنون اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور نگاہیں ملتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات ایسے اُبھرے جیسے یک دم منہ میں کوئی کڑوی شے آ گئی ہو۔ ایک انداز سے وہ گردن موڑ چکا تھا۔

"ہونہہ...... بے شرم کہیں کا......" اس نے جل کر سوچا۔

☆......☆......☆

انس بزنس ٹور سے واپس آ چکا تھا۔

کرن کی اُتری صورت و کمزور صحت نے اسے آتے ہی اس کی جانب سے متفکر کر دیا تھا۔ فاریہ کی زبانی وہ تمام صورت حال سے واقف ہو گیا تھا، حالانکہ کرن نے بہت کوشش کی تھی کہ کم از کم آتے ہی اس کی طرف سے انس کسی پریشانی و فکر میں مبتلا نہ ہو مگر...... جو دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے ہوں، چاہت جن کی وفاؤں پر نازاں ہو، ایسے چاہنے والوں سے کچھ چھپا نہیں رہتا، بن کہے وہ سب جان جاتے ہیں"۔

دن بھر وہ ان کے ساتھ گپ شپ میں مصروف رہا تھا۔ کراچی بات بھی چاروں بچوں سے کی تھی پھر رات میں وہ کرن کو سمجھانے کے ارادے سے بیٹھ گیا تھا۔

"ایک ماہ چار دن میں تم سے دور رہا ہوں...... اس تھوڑے سے عرصے میں تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے؟" اس نے اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے سنجیدہ و تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے، آپ کو وہم رہتا ہے"۔

"وہم کے صحرا میں تم ابھی تک بھٹکتی پھر رہی ہو، وقت جن اوراق کو اپنے سنگ لے جا چکا ہے، ان لفظوں کی دہشت میں تم ابھی تک مبتلا ہو، کم آن یار! ٹھوکر مار کر اس خوف کے کچے گھڑے کو توڑ دو، جس نے ہماری زندگی جیتے جی جہنم بنادی ہے"۔ اس کے لہجے میں کرب و یاسیت تھی۔

"میں کیا کروں؟ میں خود سے ایسا کچھ نہیں کرتی ہوں، خوش رہنا کس کو اچھا نہیں لگتا، میں بھی خوش رہنا چاہتی ہوں، خوش رکھنا چاہتی ہوں، آپ کو اور ہم سے وابستہ لوگوں کو لیکن...... لیکن میرے اندر جو سرگوشیاں ہوتی ہیں، وہ مجھے خوش رہنے نہیں دیتیں، ہنسنے نہیں دیتیں"۔ وہ یک لخت رو پڑی تھی۔ انس نے اسے سینے سے لگا لیا اور گویا ہوئے۔

"کیا میری محبت پر، میری وفا پر، میرے بازوؤں پر بھروسہ نہیں ہے تمہیں؟ خدا کی قسم، کبھی کوئی ایسی بات ہوئی تو پر اُٹھنے والی

آنکھیں نکال دوں گا۔ تمہاری طرف بڑھنے والے قدموں کو موت کی نیند سلا دوں گا، تم پرواہ کیوں کرتی ہو......؟'' انس کا لہجہ محبت کی آگ میں دہکا ہوا، پُر عزم تھا۔ اس کے ہر لفظ میں سچائی و محبت کی مہک تھی، کچھ ایسی ہی جنونی محبت وہ اس سے کرتا تھا۔

''یہ آپ نے کیسے سوچ لیا، آپ کی محبت پر جس دن شک کروں وہ لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو۔ یہ آپ کی محبت ہی تو ہے جس نے وہمی بنا دیا ہے مجھے''۔

''جدائی والی باتیں نہیں کیا کرو یار...... ابھی تو زندگی ڈھنگ سے نہیں جی۔ ہم نے حیات کا بہت سا رنگ چرانا ہے ابھی''۔ وہ اسے بانہوں میں بھرتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں بولا اور وہ دل کی بات دل میں ہی چھپا گئی تھی کہ کس طرح بتاتی اسے اس کے وہم حقیقت کا چہرہ دکھانے لگے ہیں، اندر ہوتی سرگوشیاں اب واضح ہونے لگی ہیں۔

برہان لغاری کا اتنے قریب سے نظر آنا کوئی وہم نہیں تھا، اس دن کوئی نیکی آڑے آ گئی تھی جو اس کی نگاہ ان پر پڑ گئی تھی، ورنہ معاملہ برعکس بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اسے دیکھ لیتے اور وہ بے خبر رہتی جس طرح برہان لغاری رہے تھے پھر کیا ہوتا......؟ وہ زمین پر ہونے کی بجائے زمین کی تہہ میں لاش بن کر پڑے ہوتے اور حورین...... حورین اس کا کیا حشر کرتے...... اپنے باپ سے اسے کسی خیر کی توقع ہرگز نہ تھی۔ وہ جانتی تھی انسانی روپ میں پوشیدہ وہ ایک بھیڑیا، ایک درندہ ہے جو اپنے دشمنوں کی نسلوں کو بھی نیست و نابود کر کے چھوڑتے ہیں پھر اس بات کا کیا ثبوت تھا کہ وہ دوبارہ نہ ملیں گے؟

☆......☆......☆

حمزہ کے ولیمے کے ایک ہفتے بعد منال واپس آ گئی تھیں۔ اس دوران برہان لغاری اور فائقہ بھی اسلام آباد سے آ چکے تھے۔ منال بہت فریش اور خوب صورت نظر آ رہی تھیں، وہاں جا کر انہوں نے اپنا ہیئر اسٹائل بدل دیا تھا اور اس ہیئر اسٹائل میں وہ اپنی عمر سے کئی سال پیچھے نظر آ رہی تھیں۔ فائقہ بیگم نے ان کو بہت سراہا تھا۔

برہان لغاری بزنس میٹنگ کی وجہ سے جا چکے تھے، وہاں وہ چاروں بیٹھے تھے۔ منال فائقہ کو اپنے ٹور کے بارے میں بتا رہی تھیں جس میں تقریباً نناوے فیصد شاپنگ اور بیوٹی ٹریٹمنٹ کے متعلق گفتگو ہوتی تھی۔ کونین سے باتیں کرتے ذوالنون کی سماعتوں میں بخوبی ماں کی آواز پہنچ رہی تھی۔

''حمزہ کا موڈ کیسا رہا؟ شادی کے دوران مجھے بار بار کال کرتا رہا تھا''۔

''بہت مس کر رہے تھے بلکہ سب نے ہی بے حد مس کیا تھا آپ کو''۔

''مجھے معلوم ہے...... شاید نصیب میں نہیں تھا اس کی شادی میں شرکت کرنا، اینی وے اس کی بیوی کیسی ہے، ملاقات تو ہوئی ہو گی؟'' کونین نے وہ وقت بڑی مشکلوں سے گزارا جب حمزہ کی شادی کی تقریبات ہو رہی تھیں اور وہاں وہ بند کمرے میں شدید بوریت و دل گرفتگی کا شکار ہو رہا تھا، کیونکہ وہاں انہوں نے دو تین معمولی سی بزنس میٹنگز میں شرکت کی تھی جن میں کسی مشینری کا کوئی ذکر تک نہ تھا۔

منال جھوٹ بول کر آئی تھیں اور اس بار ماں کی غلط بیانی پر اسے از حد ملال ہوا تھا مگر ایک لفظ اس نے نہیں کہا تھا، صرف خاموشی سے اپنے بیڈروم تک محدود ہو گیا تھا جس کا منال نے کوئی نوٹس نہ لیا تھا، ویسے بھی ان کو اپنی ذاتی دلچسپیوں سے فرصت نہ تھی۔

"وہ کیسی ہیں؟ یہ آپ ان سے مل کر دیکھئے گا، ورنہ جہاں تک میرا خیال ہے، عورتیں تمام ایک ہی فطرت کی ہوتی ہیں"۔ ذوالنون شانے اُچکا کر بولا۔

"میں شام تک جاؤں گا، تم بھی چلو گے؟"

"نہیں...... میں مما کے ساتھ جاؤں گا"۔ وہ ماں کی جانب دیکھتا ہوا قدرے بلند لہجے میں گویا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"اوہ! امیزنگ ڈے، کہاں چلیں گے آپ میرے ساتھ؟" منال خوشی سے چہکتی آواز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"مشینری دیکھنے......" ان کی جانب دیکھتا ہوا وہ اطمینان سے بولا۔

"مشینری...... کون سی مشینری......؟" بے دھیانی میں وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

"جو آپ ٹوکیو سے لینے گئی تھیں جو بے حد اہم تھی"۔

"وہ...... وہ مشینری ایکچوئلی......" سچ کے سامنے جھوٹ اس طرح بے نقاب ہوتا ہے، وہ فوراً ہی کوئی جواز پیش نہ کر سکی تھیں۔ اسی وقت بیٹی کا ہاتھ دبا کر فائقہ لاڈ بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔

"ڈیئر! وہ ڈیلنگ آپ کے نانا جان کریں گے، دراصل پیپرز پر برہان کے دستخط تھے"۔ وہ کہہ رہی تھیں اور جواباً ذوالنون کے چہرے پر پھیلنے والی گہری سنجیدگی دونوں ماں بیٹی کو خجل کر چکی تھی۔

"آپ کے لیے بڑی فنٹاسٹک شاپنگ کی ہے میں نے۔ ایک سوٹ کیس آپ کے سامان سے بھرا ہوا ہے، اس میں آپ کے فرینڈز کے لیے بھی گفٹس ہیں"۔

"تھینکس اے لاٹ مما! سامان اور چیزیں کبھی رشتوں کا نعم البدل نہیں بن سکتے۔ آپ بہت زیادتی کرتی ہیں"۔ وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا اور وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا اور اس کے پیچھے کونین بھی چلا گیا تھا۔

"دیکھا مما! جب سے آئی ہوں، اکھڑا اکھڑا ہے۔ مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا ہے۔ یہ زہر اس بڑھیا کا بھرا ہوا ہے۔ وہ چاہتی یہی ہے، جس طرح اس کا بیٹا چھوڑ کر بھاگ گیا، اسی طرح مجھے بھی بیٹے چھوڑ دیں"۔ منال منہ بنا کر ماں سے مخاطب ہوئی تھی۔

"بے فکر رہو ڈیئر! ایسا کچھ نہیں ہوگا، تمہارے بیٹے تمہارے ہی رہیں گے، کونین کی کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ چلتا ہے آپ کے اشاروں پر، پرانس پرابلم کرتا ہے۔ اس کو ہینڈل کرو، اس کے انداز سے ٹائم نکال کر اس کے ساتھ چلی جاؤ، وہاں کچھ دیر بیٹھ کر گفٹس وغیرہ دے کر چلی آنا۔ اس سے پرنس بھی خوش ہو جائے گا اور تمہاری سسرال پر بھی رعب پڑ جائے گا"۔ فائقہ نے پُر سوچ انداز میں حل نکالا۔

"مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں نہیں جاتی وہاں ......" ان کے انداز میں مخصوص کبیدگی اور نفرت تھی جو وہ ان سے کرتی تھیں۔

"اتنی جلدی مینر لوز مت کرو، بات سمجھنے کی کوشش کرو"۔ انہوں نے سخت لہجے میں سرزنش کی۔

"آپ وہاں جانے کی بات کر رہی ہیں، مجھے ان کے ناموں سے نفرت ہے"۔

"میں نے کب کہا ان سے نفرت مت کرو...... مگر جب دوسروں کی آگ اپنے گھر تک آنے کا اندیشہ ہو تو مکمل پلاننگ کی جاتی ہے۔ پرنس کی وجہ سے آپ کو اپنی نفرت کو تھوڑا ٹھنڈا کرنا ہوگا ورنہ...... وہ تمہاری ریچ سے آؤٹ ہو جائے گا"۔ فائقہ بیگم ہمیشہ کی طرح منال کو سمجھانے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ وہ گہری سانس لے کر گویا ہوئیں۔

"ٹھیک ہے مما! کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو دل نہ چاہنے کے باوجود ہمیں کرنے پڑتے ہیں کیونکہ اس میں ہماری کامیابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ یہ سچ ہے پرنس کے بغیر میں زندہ بھی نہیں رہ پاؤں گی"۔

☆......☆......☆

"ہریرہ...... ہریرہ"۔ حورین اسے آوازیں دیتی ہوئی لاؤنج تک آئی تھی جہاں وہ آرام سے کشنز کے سہارے نیم دراز ٹی وی پر اسپورٹس چینل لگائے بیٹھا تھا، ساتھ ہی سعود اور وصی بھی تھے۔

"میں ہر طرف تمہیں آوازیں دیتی پھر رہی ہوں اور تم جواب نہیں دے رہے"۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر پاؤں پٹخ کر بولی۔

"بہت پیاری ہے آواز تمہاری
اسے سنتے رہنے کو دل چاہتا ہے
میں زندگی میں اور کیا چاہوں
اگر مل جائے رفاقت تمہاری"

وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے عاشقانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وصی اور سعود نے مسکراہٹ ضبط کرنے کے لیے سر جھکا لیے تھے۔

"شٹ اَپ! کبھی سیریس بھی ہو جایا کرو"۔

"میں تو سیریس ہی ہوں، رب جانے تم کب سیریس ہوگی؟" وہ آہ بھر کر مصنوعی ذومعنی لہجے میں گویا ہوا۔

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے، دیکھنا میں تم سے بات نہیں کروں گی"۔ وہ غصے سے پلٹ کر جانے لگی۔ ہریرہ نے لپک کر اس کا زمین کو چھوتا آنچل پکڑا اور گویا ہوا۔

"یوں ناراض ہو کر غصے میں جایا نہیں کرتے
اپنے دیوانوں کو ستایا نہیں کرتے
ہر وقت بس جسے تمہارا خیال ہو

اسے اپنی دوستی کے لیے تڑپایا نہیں کرتے۔"

"صبر کرو، ابھی میں تمہاری ساری عاشقی نکلواتی ہوں۔ بی بی جان"۔ وہ اس سے دوپٹے کا پلو چھڑوا کر آگے بڑھتے ہوئے بی بی جان کو پکارنے لگی تھیں۔ اسی لمحے ہریرہ دروازے میں کھڑا ہوا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

"میں نے سنا ہے، ہم اسلام آباد جا رہے ہیں، کیا درست ہے؟"

"یہ خبر کسی دشمن کی اُڑائی لگ رہی ہے"۔

"دیکھو تم پھر پٹڑی سے اُتر رہے ہو...... آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے، تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے؟" وہ بُری طرح زچ تھی۔

"پہلے تم وعدہ کرو...... شادی صرف مجھ سے کرو گی"۔ وہ اس کی براؤن دل کش آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ وائٹ بلیک پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ میں اس کی سرخ وسپید رنگت نمایاں تھی۔

"او وشٹ اپ! مذاق کی بھی حد ہوتی ہے۔ آپ لوگ جا رہے ہیں اگلے ہفتے، ایک ویک اینڈ کے لیے......" وصی کو اس پر ترس آ ہی گیا۔ وہ ہریرہ کو ڈپٹ کر حورین سے مخاطب ہوا۔

"او...... سچ...... آپ لوگ بھی چل رہے ہو نا......" مما پپا سے ملنے کی خوشی سے اس کے چہرے پر گلاب کھل اُٹھے تھے۔

"نہیں بہنا! اگلی دفعہ ہمارا جانا ہوگا، آپ لوگوں کے ساتھ لمبی چھٹیوں میں گھومنے کا مزہ آتا ہے۔ سب ہوں گے، خوب انجوائے منٹ ہوگی۔ ابھی تو آپ لوگ ہی جائیں کیونکہ آپ کی مما آپ کو مس کر رہی ہیں"۔ رات بھر مارے خوشی سے اسے نیند مشکل سے آئی تھی۔

بات ان سے روز ہوتی تھی مگر جو راحت ایک دوسرے کی قربت میں ملتی ہے۔ اس نے اس کے اندر بہت زیادہ تشنگی بھر دی تھی۔ انس کی خواہش تھی، وہ ہر ویک اینڈ اسلام آباد میں گزارے مگر یہاں بھی بی بی جان کی حکمت عملی کام آئی، انہوں نے سختی سے منع کر دیا کہ وہ ان کو نہیں بھیجیں گی کہ اس طرح وہ اپنی بھرپور توجہ پڑھائی کی طرف نہ دے سکیں گے، البتہ دو تین ماہ بعد چند دن کے لیے وہ آجائیں گے۔

"ایکسکیوز می مس!" وہ ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، پیچھے سے آتی مردانہ آواز سن کر وہ رُکی تھی اور مڑ کر دیکھا تھا۔ لائٹ گرے پینٹ، ریڈ ٹی شرٹ میں ملبوس وہ کوئی اجنبی شخص تھا۔

"جی......" اس کے چہرے پر ہلکی داڑھی مونچھیں تھیں۔ حورین کو جو اس کی حرکت ناگوار گزری، وہ اس کا بُری طرح گھور کر دیکھنا تھا۔

"یہ پاؤچ آپ کی فائلز سے گرا ہے"۔ اس نے پشت کی طرف کیا ہوا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا۔ اس میں پنک کلر کا پاؤچ تھا۔

"بہت شکریہ آپ کا"۔ اس نے بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے پاؤچ لے لیا۔

"ارے شکریہ کی کیا بات ہے، ہمارا کام ہی مدد کرنا ہے، میرا نام رؤف ہے مگر میرے دوست......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہنسا"۔ دشمن بھی مجھے روفی پکارتے ہیں"۔ اس کی وحشت خیز نگاہیں حورین کے چہرے پر جمی تھیں۔

"میری کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے"۔

"مس! آپ کو کوئی کام ہو، کوئی پریشانی ہو، کسی اسٹوڈنٹ سے شکایت ہو یا پروفیسر سے، مجھے بتایئے گا، سب پر حکومت چلتی ہے میری"۔ اس کے لہجے میں بدمعاشوں جیسی ہٹ دھرمی، فخر و غرور تھا۔ حورین خاموشی سے وہاں سے چلی گئی اور وہ اوجھل ہونے تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے ساتھی قریب آ گئے تھے۔

"کیوں استاد! میں نے کہا تھا نا، اسے دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے"۔

"تمیز سے نام لے، جانتا ہے وہ کون ہے اب؟" رؤف عرف روکی اپنے ساتھی کو غصے سے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"سوری باس! وہ زبان ذرا بے قابو ہو جاتی ہے"۔ وہ کان پکڑ کر بولا۔

"باس! اب تو فائیو اسٹار میں ڈنر پکا ہے نا"۔ دوسرا ساتھی خوشامدی لہجے میں بولا تو اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے ساتھی خوشی سے شوخیاں کرتے آگے بڑھ گئے اور اسی دم درخت کے پیچھے کھڑا حیدر تفکرات میں گھر گیا تھا۔ وہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ روکی کو حورین سے بات کرتے دیکھ کر رک گیا تھا، تمام گفتگو سننے کے بعد وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے کیا ارادے ہیں؟ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

پیریڈ ختم ہونے کے بعد وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھی چائے اور سموسوں سے پیٹ بھر رہی تھیں۔ موضوع روکی کی ذات تھی۔ ان سب نے بھی گیلری سے دیکھا تھا۔

"تمہیں ذرا ڈر نہیں لگا اس سے باتیں کرتے ہوئے؟" ثمرین کے لہجے میں خوف کا عنصر نمایاں تھا، یہی تاثرات ان چاروں کے بھی تھے۔

"میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں پھر وہ ایک انسان ہی تو ہے، کوئی آدم خور مگرمچھ نہیں۔ ایک ذرا سی بات کا تم نے اتنا بڑا بتنگڑ بنا لیا ہے"۔ حورین نے سموسہ کھاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"آدم خور مگرمچھ اس کے آگے بے ضرر ہے۔ بہت وحشت ہے اس کی یہاں پر، پچھلے سال میرا کزن یہاں پڑھتا تھا، اس نے بتایا تھا کسی معمولی سی بات پر مشتعل ہو کر روکی نے پچھلے سال دو اسٹوڈنٹ کو گولی مار کے ہلاک کر ڈالا تھا اور کوئی کچھ نہ کہہ سکا تھا اس سے"۔

"پلیز آئندہ اس کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔ بہت خوف آتا ہے اس سے، بلکہ یہاں ہر لڑکی کو اس سے بچ کر چلتا دیکھا ہے"۔ وہ ایک کے بعد ایک اسے سمجھا رہی تھیں اور اسے بلاوجہ ہنسی آ رہی تھی۔

"ہو جائے شرط اگر میں نے......"

"نہیں......نہیں......اس کے لیے کوئی شرط نہیں لگے گی"۔ وہ مل کر بولیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے حورین، یہ کوئی ایڈونچر نہیں ہے جو تم اس قدر پُرجوش ہو رہی ہو، وہ ایک خطرناک بندہ ہے......وہ

ایک مجرم ہے، جس کا کام ہی دہشت گردی کرنا اور بے گناہوں کو پریشان کرنا ہے۔ وہ ایک بڑی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے، ایسے لوگ جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں کرتے، کیونکہ ان کے پیچھے بے حد اثر و رسوخ والے لوگ ہوتے ہیں"۔ وہ چائے سموسے بھول کر اسے سمجھانے لگ گئی تھیں، کیونکہ ان کا اور حورین کا ساتھ کئی ماہ پر محیط تھا۔ اس عرصے میں وہ اس کی ضدی طبیعت کے متعلق جان گئی تھیں۔

"بہت عرصہ ہو گیا شرط لگائے ہوئے۔ یہاں آ کر میں شرط لگانا بھول گئی ہوں"۔ وہ بدستور شوخ موڈ میں تھی۔

"خدا کے لیے ہوش کے ناخن لو حورین"۔ مؤل نے بوکھلا کر کہا۔

"کہاں ملتے ہیں؟" وہ برجستگی سے بولی تو اسے چند سیکنڈ گھورنے کے بعد وہ ہنس پڑی تھیں۔

"میں سمجھ گئی دوستو! لیکن میں بلاوجہ کسی سے خوف زدہ ہونے والی نہیں ہوں۔ نہیں تو میں مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتی ہوں۔ تم لوگ لائبریری آ جانا مجھے نوٹس کے لیے تیاری کرنی ہے"۔ حورین چائے کا خالی مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی اور بیگ اور فائلز اٹھا کر باہر نکل آئی۔

کوریڈور میں اسے ذوالنون کا پورا گروپ کھڑا نظر آ رہا تھا، ساتھ وہ بھی تھا۔ بلو جینز، بلیک شرٹ میں دنیا بھر کی سنجیدگی چہرے پر طاری کیے وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی بحث سے خاصا لاتعلق و قدرے بےزار دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تمام راستہ بلاک کر کے کھڑے تھے۔ حورین نے وہاں سے جانا مناسب نہیں سمجھا، وہ واپس مڑنے لگی تھی، تب ذوالنون کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"بس ختم، ہمیں کسی کے افیئر میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے"۔

"وہ لڑکی کا معاملہ ہے یار ہم کس طرح بے فکری سے بیٹھ سکتے ہیں"۔ مدثر جذباتی انداز میں گویا ہوا تو ان سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"گزشتہ دو سالوں میں روکی گروپ سے ہماری بہت مارا ماری ہو چکی ہے اور جب سے کچھ بے گناہ لڑکوں کی جانیں ضائع ہوئی ہیں، تب سے میں تہیہ کر چکا ہوں، ہم اسے بالکل نظر انداز کر دیں گے، ایسا کرنے سے وہ دم دبائے بیٹھا رہتا ہے"۔ وہ سخت لہجے میں بولتا چلا گیا، اسی دم حیدر کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تو وہ کچھ گڑبڑا سا گیا تھا جب کہ ذوالنون کہہ رہا تھا۔

"لڑکیاں یہاں پڑھنے نہیں، اپنے پرپوزل تلاش کرنے آتی ہیں۔ گھر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے سے بہتر یہ لڑکیاں اس طرح چلی آتی ہیں۔ ان کے پیچھے مغز ماری کرنا بالکل فضول ہے"۔ حیدر کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی اس طرف متوجہ ہو گئے تھے جہاں حورین اپنے متعلق اس کا ریمارکس سن کر آگ بگولہ ہو گئی تھی۔ واپس جانے کی بجائے وہ ادھر آ گئی۔

"کیا کہا آپ نے..... لڑکیاں یہاں پرپوزل تلاش کرنے آتی ہیں؟" وہ ڈائریکٹ ذوالنون سے مخاطب ہوئی تھی جس کی گہری آنکھوں میں لحہ بھر حیرانگی نمودار ہو کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ اس کی وہاں موجودگی سے یکسر لاعلم تھا۔

"بالکل، میں نے غلط نہیں کہا"۔ اس کے لہجے میں اکھڑ پن تھا۔

"پلیز..... پلیز! میری بات سنیں مس حورین"۔ حیدر پریشانی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ مؤل اور ثمرین وغیرہ بھی وہاں آ گئی تھیں۔ دوسرے اسٹوڈنٹس بھی جمع ہونے لگے تھے کیونکہ یہ راستہ لائبریری سے ملحقہ تھا۔

"کیا ہوا حورین! اتنا غصے کیوں ہو رہی ہو؟" موبل اس کے سرخ تنے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ان صاحب کا کہنا ہے کہ لڑکیاں یہاں پڑھنے نہیں پر پلز ڈھونڈنے آتی ہیں" غم و غصے سے اس کی آواز کانپ رہی تھی، جبکہ ذوالنون اطمینان سے اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

"تم کیوں اتنا ٹمپر لوز کر رہی ہو، جانتی ہو وہ کیسا بندہ ہے، چلو فضول میں یہاں تماشہ بن رہا ہے"۔ موبل نے سرگوشی کی۔

"ان کو معافی مانگنی ہوگی، اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے"۔

"مس اخدا کے لیے، آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں، ذوالنون نے آپ کو نہیں کہا ہے"۔ مامون نے حورین سے کہا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں......؟" پروفیسر آفتاب حسن صالح ہاں آ کر مخاطب ہوئے تو وہ سب ہی مؤدب ہو گئے تھے۔

"آفس میں آئیں آپ لوگ"۔ وہ باری باری حورین اور ذوالنون پر نگاہیں ڈال کر گویا ہوئے اور ان کے جاتے ہی وہاں سے بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ وہ لوگ سر آفتاب کے روم میں بڑھ گئے تھے۔

☆......☆......☆

حسب معمول کونین کا استقبال گرم جوشی سے کیا گیا تھا۔

وہ جو یہ سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہا تھا کہ حمزہ کی شادی میں شرکت سے انکار کرنے اور اس طرح اچانک چلے جانے پر وہ کس کس کو وضاحت دے کر مطمئن کرے گا اور ہمیشہ کی طرح اس کو کسی جھوٹ یا بہانے کا سہارا نہ لینا پڑا تھا۔

عجیب لوگ تھے وہ......شکوہ......شکایت......گلہ......

ان کی سرشت میں شامل نہ تھا۔ بڑی محبت سے سب پیش آئے تھے۔ دادو اسے لپٹائے خاموش آنسو بہاتی رہی تھیں۔ صمد چاچو، صنوبر آنٹی، مزل اور عریبہ کسی نے اسے نہیں جتایا بلکہ ایک بار عریبہ نے کہا بھی کہ انہوں نے اپنے دوست کی شادی مس کر دی تو صنوبر آنٹی نے اسے سرزنش کی تھی۔

حمزہ اپنی بیوی کے ساتھ آج صبح ہی ہنی مون کے لیے روانہ ہوا تھا۔ کونین سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

"کیا سوچتے رہتے ہو؟ کتنا کمزور کر لیا ہے خود کو تم نے"۔ تنہائی میسر آتے ہی دادو تشویش بھرے انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"آپ لوگوں کو بہت مس کیا ہے دادو۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگا، بزنس میٹنگز کے علاوہ تمام ٹائم میرا روم میں گزرا ہے"۔ ان کی شفقت بھری آغوش میں سر رکھ کر اس کے تشنہ دل کو قرار ملنے لگا تھا۔

"میں جانتی ہوں میرے بچے! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دل کو دل پہلے ہی آگاہ کر دیتا ہے پھر ہم سب اس ڈور سے بندھے ہوئے ہیں، جس کو نصیب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہم سب نصیب کی کٹھ پتلیاں ہیں میرے بیٹے۔ اس کی جنبش پر ہماری آرزوئیں، حسرتیں، تمنائیں اپنا وجود پاتی ہیں"۔

''کونین بھائی! چلیں آپ کو بھائی کی شادی کی مووی دکھائیں۔ آپ کے خیال میں میں نے ہر ایونٹ کی مکمل کوریج کی ہے''۔ خضر اندر آتے ہوئے گویا ہوا۔

''خضریٰ کو آنے دو، پھر سب بیٹھ کر دیکھنا''۔ دادو نے کہا۔

''خضریٰ کہاں ہے، مجھے نظر نہیں آئی، جب سے آیا ہوں''۔ جس دشمن جاں کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی تھیں، ہر آہٹ پر جس کا گماں تھا، اس کے ذکر پر اس کے اندر کیف وسرور پھیلنے لگا تھا۔

''ہاسپٹل گئی ہوئی ہے، رات کو کوئی ایمرجنسی آ گئی تھی تب سے وہیں ہے''۔ اسی وقت صنوبر نے آ کر خضر سے کہا کہ وہ خضریٰ کو لے آئے۔

''ممی! مجھے ایک ضروری کام سے ابھی جانا ہے''۔ وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''ابھی تو مووی دیکھنے بیٹھ رہے تھے، ماں نے کام کا کہا تو تمہیں ضروری کام یاد آ گیا؟'' دادو اسے گھور کر بولیں۔

''میں کوئی کام چور تھوڑی ہوں دادو جان، وہ تو......''

''او کے...... میں چلا جاتا ہوں خضریٰ کو لینے''۔ اس کی دلی مراد بر آئی۔ وہ کوئی لمحہ ضائع کیے بنا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اللہ عمر دراز کرے، آپ کا یہی اپنا پن مجھے پسند ہے، میں اتنے میں کھانا تیار کرواتی ہوں''۔ صنوبر نے ستائشی لہجے میں کہا۔

وہ مسرور سا کار ڈرائیو کرتا ہوا ہاسپٹل پہنچ گیا پھر خضریٰ کو کار تک آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

''اسٹوپڈ! اتنی دیر سے آئے ہو، کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ ممانے ایک گھنٹہ پہلے فون کیا تھا''۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر پرس ڈیش بورڈ پر رکھ کر سیٹ بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر کے بولی۔

''کونین نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔

خوب صورت چہرے پر تھکن سے لرزاں پلکیں...... سیاہ بالوں کی بے ترتیب لٹیں......

اس نے حسن کو اتنا بے پروا کبھی نہ دیکھا تھا، وہ ہر ایک کا خیال کرنے والی فقط خود سے ہی لا پرواہ تھی اور اس لاپروائی میں بھی اس کا حسن سحر انگیز تھا۔

''ارے سورج کس سمت سے نکلا ہے جو تم اتنے خاموش بیٹھے ہو۔ کیا پپا نے کسی بات پر کورٹ مارشل کیا ہے؟'' خضر کی موجودگی میں اتنی خاموشی معنی خیز تھی۔ وہ کہتی ہوئی آنکھیں کھول کر بیٹھی تو ڈرائیونگ سیٹ پر خلاف معمول کونین کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔

''آ...... آ...... آپ؟ ممانے کہا تھا، خضر کو بھیج رہی ہیں''۔ وہ اس وقت شرمندگی سے نگاہ نہ اُٹھا پا رہی تھی۔

''جی...... میں...... میں نے سوچا، خضر روز ہی یہ کام انجام دیتا ہے، کبھی ایسی خدمت ہمیں بھی کر لینی چاہیے''۔ وہ دلکشی سے مسکرا کر گویا ہوا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی وہ اپنی تمام تر کوفت و بےزاری بھول گیا تھا۔ گویا کوئی جادو کی چھڑی لہرا کر سب غم بھلا دیے۔

''آئم سوری! میں نہ معلوم کیا کیا کہہ گئی خفتر سمجھ کر''۔

''نہیں کوئی بات نہیں، مجھے بُرا نہیں لگا، اگر گالیوں میں بھی محبت واپنائیت ہو تو میں رات دن کھانے کو تیار ہوں۔ خلوص و مروت سے آپ مجھے جوتے بھی لگائیں گی، تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا''۔ وہ مسکراہٹ چھپائے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ جواباً خفتر ئی مارے شرمندگی کے نگاہ اُٹھا نہ پا رہی تھی اور وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''پلیز! ایسا مت کہیں، میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا...... میں...... میں ایسی بدتمیزی کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی''۔ وہ روہانسی ہوگئی۔ کونین ہنس پڑا۔

''اوہ گاڈ! مت روؤ بھئی! میں تو مذاق کر رہا تھا، کیسا چڑیا سا دل ہے تمہارا اور بن بیٹھی ہو ڈاکٹر۔ مریض تکلیف سے بعد میں روتے ہوں گے، پہلے آپ ہی رونے لگتی ہوں گی''۔ وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''جی نہیں...... میں مریض کو سنبھالنا جانتی ہوں''۔ اسے ہنستے دیکھ کر وہ سنبھل کر بولی۔ ''آپ کب آئے؟'' وہ خود کو سنبھالتی ہوئی بولی۔

''کل رات کو......''

''کیسا رہا آپ کا سفر......؟''

''تمہیں بہت مس کیا میں نے''۔ خلافِ توقع وہ اس لمحے اپنے جذبوں کی زورآوری سے شکست کھا کر گویا ہوا۔

''آپ...... کو بھی بہت مس کیا، سب نے بھائی کی شادی کے ہر فنکشن میں......'' وہ نگاہیں چرا کر گویا ہوئی۔

''مجھے معلوم ہے لیکن اس وقت میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا ہوں...... کیا تم نے بھی اسی طرح مس کیا مجھے جس طرح میں نے لمحہ لمحہ، تمہاری یاد میں، تمہاری چاہ میں، تمہاری جستجو میں گزارا ہے، کیا ایک پل بھی تم نے ایسا گزارہ ہے؟'' ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گم صم بیٹھی خفتر ئی سے مخاطب تھا اور وہ کب سے لاشعوری طور پر کسی ایسے ہی وقت سے ڈرتی تھی جو اس پر بھی وارد ہوا تھا۔ کونین کی بدلتی نگاہوں کے جذبوں کی خبر اس کے دل کو بعد میں ملی ہوگی۔ اس کی حساس طبیعت بہت پہلے یہ راز جان گئی تھی اور احتیاط برتنے لگی تھی مگر جب انہونی ہوتی ہے تو......

''خفتر ئی! اتنی گہری خاموشی؟ کچھ تو کہو......''

''کیا کہوں......؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''کچھ بھی...... اقرار...... انکار......'' اس نے کار ایک سائیڈ پر روک دی تھی۔ کچھ فاصلے پر کولڈ اسپاٹ تھا۔ ہارن بجانے پر ایک لڑکا کولڈ ڈرنک دے کر چلا گیا تھا۔

''میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہی ہوں''۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے کولڈ ڈرنک لیتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

''اوہوں...... سمجھتے ہوئے بھی ناسمجھ بننے کی سعی نہ کرو۔ ہم ٹین ایجر نہیں ہیں جہاں ان تین لفظوں کی ادائیگی کے بغیر جذبوں کا

اظہار مکمل نہیں ہوتا ہے۔ ہم ذی شعور ہیں، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں"۔

"ان تمام دعوؤں کے باوجود پھر کیسی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں...... میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں، میں شادی وہیں کروں گی جہاں گھر والے کہیں گے، کیونکہ ہمارے لیے ہمارے بزرگ ہم سے بہتر و عمدہ فیصلے کرتے ہیں۔ بہترین سوچ سکتے ہیں"۔

"اوو...... بہت ضدی ہو"۔ وہ سیپ لیتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"یہ میں نے تمہارے لیے خریدا تھا، دیکھو کیسا ہے؟" اس نے میرون کلر کا جیولری بکس کھول کر اس کی طرف بڑھایا جس میں دل کی شکل کا بریسلٹ تھا۔ اس میں لگے بیش قیمت ہیرے کی چمک سے نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

اس ہیرے کے بریسلٹ سے زیادہ چمک و روشنی اسے کونین کی آنکھوں اور چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

"لاؤ کلائی میری طرف۔ میں اپنے ہاتھ سے پہناؤں گا"۔

"بہت بہت شکریہ! مجھے ضرورت نہیں ہے اس گفٹ کی"۔ وہ اپنے لہجے میں رُکھائی پیدا کر کے گویا ہوئی۔

"کک...... کیوں...... کیا ہوا؟" وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"میں آپ سے گفٹ نہیں لے سکتی"۔

"کیوں میں کوئی غیر نہیں ہوں جو تم یوں ہچکچا رہی ہو"۔

"اور ایسا کوئی قریبی رشتہ بھی نہیں ہے جو میں یہ گفٹ لے لوں"۔

"خضریٰ! یہ کیا کہہ رہی ہو، میرا قریبی تعلق نہیں ہے؟" اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ کچھ لمحوں قبل چمکنے والی روشنی یک دم فیوز ہو گئی تھی۔

"آپ میرے کزن ہیں۔ تایا کے بیٹے ہیں مگر اس کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے"۔

"نہیں ہے...... مگر بن تو سکتا ہے، میں بنانا چاہتا ہوں"۔

"ناممکن...... ایسا نہیں ہو سکتا"۔ اس نے دھواں دار رونا شروع کر دیا تھا، اب وہ کیا بتاتی اسے کہ وہ اس کی ممی کی نفرت و مزاج سے پوری طرح آگاہ ہے۔ کچھ عرصے قبل اس کے پپا دادو کے ساتھ ہونے والے توہین آمیز سلوک سے واقف تھی، وہاں سے آنے کے بعد دادو نے سب بتا ڈالا تھا۔ وہ کبھی اس سے کچھ چھپاتی نہیں تھیں۔

کونین جب اسے خاموش کرانے میں ناکام رہا تو کولڈ ڈرنک کی رقم دے کر کار ڈرائیو کرنے لگا تھا، پھر سفر بالکل خاموشی سے کٹا تھا۔

☆......☆......☆

پروفیسر آفتاب حسن نرم مزاج و دوست پرور صفت کے باعث تمام ہی اسٹوڈنٹس کے فیورٹ تھے۔انہوں نے اپنے آفس میں بلا کر حیدر کی تمام گفتگو سنی تھی۔خاصی دیر وہ نوجوان نسل کو افہام و تفہیم،صبر وتحمل،رواداری و مروت کا درس دیتے رہے تھے۔

حورین نے انہیں پہلی بار سنا تھا اور ان سے متاثر بھی ہوئی تھی مگر جب انہوں نے ذوالنون کے بجائے خود اس سے معذرت کی تو وہ ہرٹ ہو گئی تھی۔معاملہ ختم ہو گیا تھا مگر اس کے دل میں گرہ سی پڑ گئی تھی۔ذوالنون کی بات متقاضا خود معذرت نہ کرنا،اسے اپنی انا کا مسئلہ لگا تھا کیونکہ وہ ریمارکس اسے ملا تھا۔وہ سخت انا پرست تھی۔

گھر آ کر بھی وہ چپ چپ رہی تھی۔رات ڈھنگ سے نیند بھی نہ آئی تھی۔اذان ہوتے ہی اس نے نماز فجر ادا کی اور لان میں نکل آئی تھی۔ہر سُو گزرتی رات کے گیسو پھیلے ہوئے تھے۔خوشبوؤں سے لدی ہوا میں وہ کچھ دیر تک ٹہلتی رہی تھی۔نم گھاس کی ٹھنڈک نے اس کے بھنّاتے ہوئے ذہن کو تازگی بخشی تھی۔سر درد میں کمی واقع ہونے لگی تھی۔وہ کچن میں چلی آئی کہ شاید ایک کپ چائے سے سر کا بوجھل پن دور ہو جائے،کچن خالی تھا۔دونوں آنٹی اور بی بی جان اپنے کمروں میں نماز و تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر اشراق کی نماز کے بعد باہر آتی تھیں۔وہ اپنے لیے چائے بنا کر مگ میں ڈال کر لان میں آ گئی تھی۔سپیدہ سحر کی تمام رعنائیاں عروج پر تھیں اور وہ بھی سوچوں کے صحرا میں سرپٹ دوڑ رہی تھی۔اسے اس شخص کو بے سکون کرنا تھا جو اسے بے چین کر کے بڑے کروفر سے گردن اکڑا کر گھوم رہا تھا۔اس بددماغ و مغرور شخص کو ایسا سبق دینا چاہ رہی تھی جو اسے عرصے تک یاد رہتا۔

سوچوں کے بھنور میں ڈوبتے ڈوبتے بالآخر ایک سرا اس کے ہاتھ میں آ ہی گیا،وہ خوشی سے اُچھل پڑی تھی۔

☆......☆......☆

جہاں تم ہو وہ دُنیا کب تمہاری ہے
وہ دیکھو چاند نکلا ہے
ستارے جگمگاتے ہیں
ہماری منتظر آنکھیں
تمہیں ہی سوچتی آنکھیں
تمہیں ہی ڈھونڈتی آنکھیں
دعائیں مانگتی آنکھیں
تمہیں واپس بلاتی ہیں
یہ دل جب بھی دھڑکتا ہے
تمہارا نام لیتا ہے

یہ آنسو جب بھی بہتے ہیں
تمہارے دُکھ میں بہتے ہیں
سنو! اب لوٹ آؤ نا......

"پرنس! پرنس! آج شام گھر میں ہی رہنا"۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا منال کیو ٹکس لگاتی اس سے مخاطب ہوئیں۔

"کیوں......؟ ایسا کیا ہے؟" وہ خیالوں کی حسین وادیوں میں کھویا ہوا تھا۔ منال کی بے جا مداخلت نے اس کا موڈ آف کر دیا تھا۔

"آج شام میں گرینڈ پارٹی دے رہی ہوں۔ بہت بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ کل ہر طرف ہماری پارٹی کے چرچے ہوں گے"۔ وہ ناخنوں پر پھونکیں مارتی ہوئی پُر مسرت لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"مما! آپ بور کیوں نہیں ہوتی ہیں؟ روزانہ پارٹیز ارینج اور اٹینڈ کر کے کیا ملتا ہے آپ کو......؟" وہ منہ بنا کر بولا۔

"یہی انجوائمنٹ تو لائف ہے میرے بیٹے"۔

"مجھے پسند نہیں ہے، میں ایسی پارٹی اٹینڈ نہیں کرتا ہوں، یہ آپ جانتی ہیں، میرا مصنوعی لوگوں کے درمیان دم گھٹتا ہے"۔

"پرنس! ہم جس سوسائٹی میں موو کرتے ہیں، اس سرکل کا مین حصہ ہے ایسی گیدرنگ، سب ملتے ہیں، ہلا گلا کرتے ہیں"۔

"پلیز مما! آپ مجھے فورس مت کریں، میں نہیں آؤں گا"۔ اس کا انداز ہنوز برقرار تھا۔

"تنگ آ گئی ہوں میں تمہاری بکواس سن سن کر، کبھی تو میرا خیال کر لیا کرو۔ میرا دل خوش کرنے کی خاطر"۔ منال کو بُری طرح غصہ آ گیا تھا۔

"یہ آپ کا خیال ہی تو ہے جو یہاں رہ رہا ہوں ورنہ......"

"ورنہ...... ورنہ چلے جاتے اس بڑھیا کے پاس، ان کرپٹ میاں بیوی کے پاس جو میرے اور میرے والدین کے خلاف تمہارے کان بھرتے ہیں، سکھاتے ہیں تمہیں ہمارے خلاف"۔

"آپ ہر معاملے میں ان کو مت گھسیٹا کریں"۔ ذوالنون کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "نہ وہ ایسے ہیں اور نہ میں کسی کی باتوں میں آنے والا ہوں"۔

"آخر کو مبین بھی تو ہے، اس نے کبھی مجھے ناں نہیں کہا، وہ تم سے بڑا ہے"۔

"اپنی اپنی فطرت ہوتی ہے، کوئی برداشت کر لیتا ہے اور کوئی نہیں کر پاتا"۔

"اپنی فطرت بدلو، اس طرح کنویں کا مینڈک بن کر زندگی نہیں گزار سکو گے میری جان"۔ وہ بیٹے کے وجیہہ چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے حلاوت آمیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

"آپ میری پرواہ مت کیا کریں"۔

"کیسے نہ کروں، ماں ہوں تمہاری"۔

اسی لمحے دروازہ ناک کرتی فائقہ بیگم اندر آئی تھیں۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ماں بیٹے میں؟" وہ ان کے درمیان بیٹھتے ہوئے بشاش بشاش لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کیا باتیں ہوں گی، یہ پرنس تو بالکل ہی ناکارہ بن کر رہ گیا ہے"۔ منال قدرے جل کر گویا ہوئیں۔

"بیٹا! کیوں تنگ کرتے ہو ماں کو...... خیر یہ فون سیل دینے آئی ہوں، آپ لاؤنج میں چھوڑ آئے تھے، ایک کال آئی تھی ابھی۔

فائقہ بیگم کے چہرے پر پُراسراری مسکراہٹ اُبھری تھی"۔ ایک لڑکی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"لڑکی کی کال...... وہ بھی پرنس کے سیل پر......؟" منال بیگم غور سے ذوالنون کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں، جو نانو کے منہ سے کسی لڑکی کا سن کر گڑبڑا گیا تھا۔

"ہاں...... رو رہی تھی۔ پرنس اس سے خفا ہے کسی بات پر"۔

"میں کسی لڑکی کو نہیں جانتا"۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی کو یقین دلانا ناممکن لگ رہا تھا۔

......❁......

"کون ہے یہ لڑکی؟" منال اس کی جانب کھوجتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ ان کے انداز میں محسوس کی جانے والی سرد مہری تھی۔ "اور آپ نے یہ لڑکیوں سے دوستی کب سے شروع کردی؟"

"وہاٹ ربش مما! میں یہ سب کیوں کرنے لگا"۔ وہ ہونٹ کاٹتا ہوا بولا۔

"ڈونٹ بی سلی منال! کیا اسٹوپڈ سوال کر رہی ہو، یہ ینگ جنریشن کا تھرل ہوتا ہے۔ انجوائے منٹ ہوتی ہے اگر اس ایج میں یہ سب نہیں ہوگا تو ہماری عمر میں ہوگا"۔ فائقہ بیگم نے کال اٹینڈ کی تھی، وہ کچھ زیادہ ہی پُرجوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی کس اسٹوپڈ لڑکی نے یہ سب حرکت کی ہے اور آپ خواہ مخواہ......"

"ہوتا ہے، ایسا ہوتا ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ پریشان مت ہوں"۔ فائقہ بیگم اس کی بات قطع کر کے گویا ہوئیں۔

"مما! آپ نہ معلوم کیوں اتنی پُرجوش ہو رہی ہیں، میں ایسی لڑکی کو بہو بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی جو اس طرح گھر والوں سے ریکوئسٹ کرتے ہوئے اپنی اکورڈ پوزیشن کا خیال نہ رکھے۔ وہ کتنی گھٹیا اَن میرڈ فیملی سے تعلق رکھتی ہے، ایسی لڑکی کی پرچھائیں بھی میں اپنی فیملی پر نہ پڑنے دوں"۔ منال شانے اُچکاتے ہوئے منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔

"منال! ڈیئر کیا ہو گیا ہے؟ کل تک تمہیں فکر تھی کہ پرنس لڑکیوں سے دور بھاگتا ہے، اسے کوئی پرابلم ہے، اب کیوں اس قدر ٹینس ہو رہی ہو؟ ہمارے لیے یہ مسرت کا دن ہے"۔ وہ منال سے مخاطب تھیں۔ ذوالنون اسی لمحے غصے سے پیر پٹختا کمرے سے نکل گیا۔

"دیکھا آپ نے مما! چوری اور سینہ زوری، کس طرح یہاں سے گیا ہے"۔ منال فائقہ بیگم سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"آپ بھی کبھی بہت زیادتی کر بیٹھتی ہیں، کیا ضرورت تھی اس سے اس طرح سخت انداز میں دریافت کرنے کی؟ اس کی نیچر کو اچھی طرح جاننے کے باوجود آپ کا رویہ مجھے بہت بُرا لگا ہے، جس سوسائٹی میں ہم رہتے ہیں وہاں نوجوان کیا کچھ نہیں کرتے، کس کس طرح فیملی اور فیملی ممبرز کی عزت وناموس کو روندا جاتا ہے، دھجیاں بکھیری جاتی ہیں پھر والدین ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ معاشرے میں ان کے لیے اعلیٰ مقام بناتے ہیں، حالانکہ وہ کھوٹے سکے ہوتے ہیں، نہ کردار ہوتا ہے نہ اخلاق وقابلیت"۔ منال سر جھکائے سن رہی تھیں۔

☆......☆......☆

گرمی کی شدتیں عروج پر تھیں۔

ہر صبح طلوع ہونے والا سورج پہلے سے زیادہ تپش و گرماہٹ اپنی جلتی سلگتی شعاعوں میں سمیٹ کر لا رہا تھا۔ زمین وآسمان دہک رہے تھے۔ ہر ذی روح اس قیامت خیز گرمی سے پھنک رہے تھے۔

ایسے میں بی بی جان کا مزاج دوآتشہ ہو کے رہ گیا تھا۔ بات بے بات وہ غصہ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہی تھیں۔

"یہ گرمی کم ہونے کے بجائے دن بدن بڑھ رہی ہے۔ سمجھ نہیں آتا کیا ہوگا، کیوں اس قدر گرمی ہونے لگی ہے جو برداشت سے باہر ہے؟" سمیرا لائٹ نہ ہونے کے باعث ان کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں جو گیلری میں بیٹھی تھیں جہاں عقبی لان سے تیز ہوا آرہی تھی وہ ماربل کے ٹھنڈے فرش پر گاؤ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں۔

"یہ سب بداعمالیوں کی گرمی ہے سمیرا! گناہوں کے الاؤ اس قدر بھڑک اُٹھے ہیں کہ کہیں نیکیوں کی ٹھنڈک ہوتی بھی ہے تو محسوس نہیں کی جاتی ہے"۔ وہ ایک آہ بھر کے گویا ہوئیں۔

"بی بی جان! اچھے میاں کے اماں، ابا کیسے یکے بعد دیگرے اس دُنیا سے چلے گئے۔ کل تک دونوں بیٹے و بہوئیں جنہیں گھر میں رکھنے کی روادار نہ تھیں، ایک ماہ بھی تو وہ دونوں جی نہ سکے"۔ سمیرا نے اسے افسردگی سے کہا۔

"انسان کو مارنے کے لیے گولی و بم کی ضرورت نہیں ہے۔ ارے انسان تو کانچ سے بھی زیادہ نازک اور پھول سے زیادہ نرم مٹی سے بنا ہے۔ اس کو مارنے کے لیے بدصورت رویے اور نفرت ہی کافی ہے۔ شاید ہم غذا اور پانی کے بغیر زندہ رہ سکیں مگر محبت، اپنائیت اور خلوص کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ نفرت و بے اعتنائی اگر دوستوں کے درمیان بھی آجائے تو بے چین ومضطرب کر ڈالتی ہے پھر سوچو...... ماں باپ اولاد کے درمیان آجائے تو......؟"

"مار ڈالے گی جیسے اچھے میاں کے والدین ایک عرصے سے بیماری، تنگدستی و بے بسی سے لڑ رہے تھے مگر اولاد کی بے اعتنائی و نفرت برداشت نہ کر سکے اور زندگیاں ہار بیٹھے"۔ سمیرا ابھی بہت ملول سی تھیں۔

"ہمارے معاشرے میں یہ سب بہت تیزی سے کسی موذی مرض کی طرح پھیل چکا ہے۔ آپ کو ہر گھر میں ایسی ہی کہانیاں جنم لیتی ہوئی نظر آئیں گی۔ موضوع ایک ہی ہوتا ہے، صرف کردار بدل جاتے ہیں، کہیں بہو ساس، سسر کی زیادتیوں کا شکار ہے تو کہیں ساس

سسر، بہو کی چلتر بازیوں، سازشی جال میں مقید نظر آتے ہیں تو کبھی نندوں کی چالاکیاں ظلم کی انتہاؤں کو چھوتی نظر آتی ہیں تو کبھی دیور بھابیوں کی ستم ظریفیوں کے آگے دربدر دکھائی دیتے ہیں۔''

''افسوس و دُکھ کا مقام یہ ہے کہ ایسے بداخلاقی و بے حسی سے بھرپور مظاہرے ہم مسلمانوں کے گھروں میں رائج ہو رہے ہیں، ہم جس مذہب کی پیروی کرتے ہیں جس کو مانتے ہیں اس مذہب اسلام میں ہر رشتے کے آداب و مرتبے سے آگاہی بخشتی ہے۔ ہمارا دین تو ہے ہی رواداری، ورگذر، محبت و مروت کے پھولوں سے مہکتا چمن ہے پھر ایسی نفرت و جھگڑوں کو مزاج بنانے والے ہم میں سے کیوں ہو گئے ہیں؟''

''جب میں کہیں ایسی لڑائیاں وحق تلفیاں دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے اس دُنیا کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں''۔ بی بی جان سیدھی بیٹھتی ہوئی رنجیدگی سے گویا ہوئی تھیں۔

''دراصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب کو مانتے تو ہیں مگر یہ مذہب کو جاننے اور اسے سمجھنے کی کوشش بالکل نہیں کرتے، نہ ہماری نمازوں میں تسلسل ہے، نہ دوسرے عملیات میں روانی، اگر ہم اپنی نمازیں درست کرلیں تو انشاء اللہ سب کام درست ہو جائیں گے، پھر گھر کو جنت یا دوزخ بنانے کی ذمے داری عائد ہوتی ہے عورت پر، لڑکی کی تربیت بہترین ہوتی ہے تو وہ سسرال میں اپنی قابلیت، اپنی ذات کو منوانے میں کامیاب رہتی ہے، گرویدہ کر لیتی ہے سب کو اپنا اور اپنے اور غیر سب ہی اس کی تعریف و عزت کرتے ہیں، ورنہ معاملہ برعکس ہی ہوتا ہے جیسے اچھے میاں اور پیارے میاں کی بیویوں کی مثال ہے اگر ان کی تربیت میں نیکی و اچھائی اور بڑوں کی عزت کرنے اور چھوٹوں کی غلطیوں کو درگزر کرنے کی صلاحیت ہوتی تو گھر جنت کا نمونہ ہوتا''۔

''درست کہہ رہی ہیں آپ۔ بڑوں کی نفرتیں و عداوتیں بچوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، دونوں بھائیوں کے بچوں کو میں نے کبھی ساتھ نہیں دیکھا، بلکہ میت والے دن بھی ایک دوسرے سے دور تھے''۔

''بچپن سے جن کے دلوں میں فاصلے پیدا کر دیے گئے ہوں، وہ اتنی آسانی سے تھوڑی سمٹنے والے ہیں۔ یہ ان جاہل عورتوں کی ناعاقبت اندیشیاں اور بدعقلیاں ہوتی ہیں جو بیٹیوں کے جوان ہونے پر ان کی راہوں میں رکاوٹیں بنتی ہیں''۔

''کس طرح بی بی جان؟'' سمیرا اور حمیرا دونوں متعجب ہوئی تھیں۔

''جب مائیں اپنے بیٹوں کے لیے لڑکیاں دیکھنے نکلتی ہیں تو صرف لڑکی کی خوب صورتی کو ہی ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ آنے والی بہوئیں اور جانے والی بیٹیاں کس طرح رو رہی ہیں؟ ساس، نندوں اور دیورانیوں اور جیٹھانیوں سے تعلقات کی نوعیت کیا ہے کیونکہ لڑکی جو ماحول گھر میں دیکھ کر آئے گی، وہی برتاؤ اپنے سسرال میں کرے گی۔ میں کہتی ہوں بیٹیوں کو لاکھوں کا جہیز مت دو لیکن کروڑوں کی تربیت دو''۔

☆......☆......☆

حیدر وغیرہ اور ثمرین، موحل وغیرہ سے بے تکلف ہو چکے تھے۔ آج کل ان کی گفتگو حورین اور پرنس کے درمیان چھڑی سرد جنگ کے مطابق ہی ہوتی رہتی تھی کیونکہ دونوں فریق ایک جیسے مزاج وطبیعت کے حامل تھے۔ دونوں میں سے کوئی جھکنے کو تیار نہ تھا۔

ذوالنون کی آج بھی یہی ضد تھی کہ لڑکیاں پرپوزل تلاش کرنے آتی ہیں، بلکہ شکار کی تلاش میں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔

حورین نے ان الزامات کو اپنی انا و وقار کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اس کا کہنا تھا وہ اپنی فضول بکواس پر تمام طالبات سے معافی مانگے۔ یہ معاملہ بہت خطرناک صورت اختیار کر سکتا تھا اگر بروقت پروفیسر آفتاب حسن مداخلت نہ کرتے اور دونوں کو نہ سمجھاتے۔

پروفیسر آفتاب حسن کے احترام میں ذوالنون نے اپنی زبان بند کر لی تھی، مزید اس نے کچھ نہ کہا تھا مگر حورین سے معذرت کرنے پر راضی نہیں ہوا تھا۔ پروفیسر آفتاب حسن اس کے والد کے جاننے والوں میں سے تھے اور بہت حد تک وہ اس کی فیملی بیک گراؤنڈ اور بالخصوص ذوالنون کی طبیعت و مزاج سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے انہوں نے مناسب لفظوں میں حورین سے ذوالنون کی جانب سے معذرت کی تھی۔

اس وقت بھی وہ لوگ فری پیریڈ میں لان میں بیٹھی تھیں، تب ہی وہ لوگ اسی طرف آئے تھے۔ علیک سلیک کے بعد وہ لوگ حورین سے مخاطب ہوئے تھے۔

"حیدر! آپ مجھے فورس نہیں کر سکتے"۔

"نہیں! ہم آپ کو فورس نہیں کر رہے بلکہ ریکوئسٹ کر رہے ہیں، بھول جائیں جو ہوا سو ہوا، پھر ذوالنون نے جو کہا وہ آپ کے لیے نہ تھا...... بلکہ ایسی لڑکیوں کے لیے تھا جو ایسا کرتی ہیں اگر کہیں تو یہاں کی ڈھیروں مثالیں دے سکتا ہوں جس سے ثابت ہو جائے گا کہ ذوالنون نے ایسی غلط بات نہیں کہی ہے"۔ حیدر کے بعد مامون اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ لوگ کچھ بھی کہیں، لیکن میں جانتی ہوں جو غلط ہے وہ غلط ہے، اگر چند لوگ بُرا کرتے ہیں تو یہ مطلب نہیں کہ سب بُرے ہیں اور اگر ایسا بھی ہے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا ان کو بُرا کہنے کا"۔ اس کا موڈ بُری طرح آف ہو چکا تھا۔

"حورین پلیز! کول ڈاؤن۔ سب بھول کیوں نہیں جاتیں، سر آفتاب حسن نے معذرت تو کر لی ہے، اب بلاوجہ بات کو طول دینا ہے"۔ ثمرین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا۔

"سب سے زیادہ افسوس مجھے اس امر کا ہے، سر آفتاب نے بھی ایسے شخص کا ساتھ دیا ہے جو صنفِ مخالف کی عزت و توقیر کرنا نہیں جانتا"۔ حورین کسی طرح سرنڈر کرنے کو تیار نہ تھی، اس سے قبل وہ چاروں بھی اسے کئی مرتبہ سمجھا چکی تھیں اور وہ نہ مانی تھی۔

"آپ سر آفتاب سے بدگمان مت ہوں مس حورین! وہ بہت گریٹ انسان ہیں ان جیسے نائس لوگ دُنیا میں نایاب ہیں"۔ مدثر نے بھی لب کشائی کی۔

"آپ کچھ بھی کہیں میں بہت ہرٹ ہوئی ہوں اس کے رویے سے"۔

"اور...... حور! کم آن جو ہوا پلیز بھول جاؤ۔ سر آفتاب کی ہم سب عزت کرتے ہیں تم بھی کرتی ہو، ان کی خاطر ہی فراموش کر دو۔ ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے اس ٹاپک پر ماحول ٹینس ہوئے۔ اگلے ماہ سے سمسٹر شروع ہونے والے ہیں اور ہم تیاریوں کے ساتھ ساتھ پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ پلیز خود بھی پُرسکون ہو جاؤ اور دوسروں کو بھی ہونے دو۔ فضول میں اَپ سیٹ رہنے لگی ہو"۔ زویا کے انداز میں ناصحانہ پن تھا جس کی سب نے تائید کی تھی۔

"او کے میرا کیا جاتا ہے اگر تم لوگوں میں ہی سیلف ریسپیکٹ نہیں ہے تو پھر میں کون سا اس پر کوڑے برسا رہی ہوں"۔ حورین بُری طرح کبیدہ خاطر ہو کر بولی تھی۔

حیدر، ماموں، مدثر کچھ دیر مزید وہاں بیٹھے رہے تھے پھر اُٹھ کر اپنے ڈپارٹمنٹ چلے آئے تھے جہاں پیریڈ شروع ہونے والا تھا۔ پیریڈ کے بعد وہ ذوالنون کے ساتھ بیٹھے، اس کی اس پریشانی کو ڈسکس کر رہے تھے جو پچھلے کچھ ہفتوں سے اسے پوری طرح موبائل پر زچ کر چکی تھی۔

پہلے صرف اس کی کال اس کے موبائل پر آتی تھی لیکن اس کے بعد نانو، نانا جان، مما، کونین اور اس کے فرینڈز کے موبائلز پر بھی کالز آنے لگی تھیں۔ وہ سب سے اس کی شکایت کرتی اور ایسے میں اس کے لہجے میں اتنی صداقت و سچائی ہوتی تھی کہ کوئی بھی یہ جان ہی نہیں پاتا کہ وہ اداکاری کر رہی ہے۔

وہ جو کوئی بھی تھی، بہت ذہین و مزاج شناس تھی جس سے بھی بات کرتی وہ اس کی سائیڈ ہو جاتا تھا۔

اسے حیرانگی تھی، ہر گزرتا دن ان کی حیرانگی و پریشانی کے ساتھ ساتھ تجسس میں بھی اضافہ کرتا جا رہا تھا۔

وہ کون ہے؟

اس طرح کر کے کیا حاصل کرنا چاہتی ہے؟

جس کا مقصد شاید اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کرنا تھا اور وہ ہو گیا تھا۔ بے سکونی، اضطرابی کیفیت میں وہ مبتلا ہو چکا تھا۔ مستزاد مما کے جلے کٹے ریمارکس، نانا جان کی فراخ دلانہ آفرز، کونین کی شوخیاں، دوستوں کی شرارتیں اس کے حوالے سے، جس کو وہ جانتا بھی نہ تھا جس کے وجود سے وہ یکسر لاعلم و انجان تھا۔

اسے ملال اس بات کا تھا کہ سب اس کے مزاج و سرشت سے اچھی طرح واقفیت رکھنے کے باوجود اسے جھٹلا رہے تھے۔

نہ معلوم وہ لڑکی تھی یا ساحرہ؟

"تمہارا موڈ مجھے کچھ زیادہ ہی بگڑا ہوا لگ رہا ہے۔ کیوں نہ کچھ عرصے کے لیے سمسٹرز کے بعد ساؤتھ ایریاز چلیں وہاں کی خوب صورتی یقیناً فریش کرے گی، قدرتی حُسن سے مالا مال ہیں وہ ایریاز"۔ حیدر نے کچھ زیادہ ہی اس کی سنجیدگی محسوس کر کے کہا۔

"لیکن...... وہاں جانے سے قبل کسی کی اجازت ضروری ہے"۔ ماموں ذو معنی لہجے میں گویا ہوا۔

"کس کی؟" ذوالنون نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"وہی...... جو آپ کی بے اعتنائی......"

"اپنا منہ بند کرو، بہت ہو گیا"۔ حسبِ توقع وہ بھڑک اُٹھا۔

"ریلیکس...... ریلیکس میرے بھائی! وہ جو کوئی بھی ہے تمہیں پریشان کر کے انجوائے کر رہی ہے۔ شاید وہ یہی چاہتی ہے کہ تم اس طرح ڈپریسڈ رہو اور ڈپریشن میں سب سے دور ہو جاؤ"۔ مدثر نے سوچ کر کہا۔

"یار! تم کیوں اسے سر درد بنا رہے ہو، بہت سارے ذرائع ہیں اس راز کو سامنے لانے کے لیے، ہم کسی بھی ذرائع سے معلوم کر سکتے ہیں اس کالر والی کا نام وائیڈ ریس اور پھر......"

"وہ بہت چالاک لڑکی ہے ایسے تمام مراحل کو مدِ نظر رکھ کر اس نے یہ گیم شروع کیا ہے۔ اسے ٹریس کرنے کی کوشش فیل ہو گئی ہے"۔ حیدر نے تفصیل بتائی تھی۔

"اینی وے۔ اس میٹر کو بند کرنے کے پروسیجرز ہمارے پاس بہت سارے ہیں مگر...... ہم خود اسے ڈھیل دے رہے ہیں کہ دیکھتے ہیں محترمہ کس حد تک جاتی ہیں"۔ وہ تینوں بیٹھے آرا دے رہے تھے۔ ان کے درمیان موجود ذوالنون بالکل خاموش تھا۔

☆......☆......☆

منال پنک اور بلیک باڈر والی فینسی ورک کی ساڑھی میں تک سک سے تیار ملازموں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

سفید کلف شدہ وردیوں میں مصروف ملازم صبح ہی سے اِدھر اُدھر متحرک تھے۔ کچن سے اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبوئیں اُٹھ رہی تھیں۔

"کونین! آج بہت اچھی طرح سے ڈریس اپ ہونا"۔ وہ لاؤنج سے گزرتے کونین سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"اوہ! کوئی خاص مہمان آرہے ہیں؟" وہ مسکرایا۔

"ارے میں نے کل بتایا تھا آپ کو کہ مسز طلعت اپنی بیٹیوں کے ہمراہ آرہی ہیں۔ میں نے انہیں ڈنر پر مدعو کیا ہے"۔

ان کے انداز میں خاصی مسرت پنہاں تھی۔ کونین نے انہیں اس طرح بے فکری سے مسکراتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتے بہت کم ہی دیکھا تھا۔ وہ جب بھی اس طرح مسکراتیں تو خوشی آنکھوں سے اور بے فکری ہر احساس سے عیاں ہوتی تھی۔ اسے ماں کا یہ روپ بہت مسرور کرتا تھا اور اس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ اسی طرح سدا ہنستی مسکراتی رہیں۔

"کوئی بات "خاص" معلوم ہوتی ہے"۔

"بالکل ٹھیک"۔ وہ اس کی جانب دیکھتی معنی خیزی سے گویا ہوئیں۔ "گیس کرو؟"

"آپ کے ہر مہمان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور ہوتی ہے، کم از کم میں گیس نہیں کر سکتا۔ کیوں نانو! ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" وہ اندر آتی فائقہ بیگم سے تائیدی لہجے میں گویا ہوا۔

"بلاشبہ میرے بیٹے"۔ انہوں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"او کے جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔ وہ آنے والے ہیں"۔ کونین فوراً ہی سر ہلاتا ہوا تابعداری کے انداز میں وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کی یہی تابعداری و فرمانبرداری منال اور فائقہ بیگم کو سرشار کر دیتی تھی۔

"ممّا! پاپا ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ میں نے کہا بھی تھا کہ آج جلدی آیئے گا"۔ منال رسٹ واچ دیکھتی ہوئی بولیں۔

"میں وہی تو بتانے آئی تھی"۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"کیا......؟ کیا ڈیڈی نہیں آ رہے؟" وہ ماں کے چہرے پر لکھی تحریر بنا کہے پڑھ چکی تھی۔

"ہاں، کوئی بزنس ڈیلیگیشن اچانک ہی آ گیا ہے، اس وجہ سے وہ معذرت کر رہے تھے"۔

"اوہ ممّا! ڈیڈی سے ملاقات ہو جاتی ان کی تو اچھا تھا نا......"

"اوہ کم آن ڈیئر! کیوں اس قدر پریشان ہو رہی ہو؟ مسز طلعت تھوڑی دیر میں آ رہی ہیں۔ ابھی پہلی ملاقات ہے، اس کے بعد بھی ہوتی رہیں گی"۔

"سوری ممّا! میں بہت جلد اَپ سیٹ ہو جاتی ہوں"۔ ایک خفیف مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اُبھری تھی۔

مسز طلعت ٹائم کے مطابق ابھی تک نہ پہنچی تھیں۔ کونین کے ساتھ ذوالنون بھی بیٹھا ماں اور نانو کے مہمانوں کے انتظار میں بے چین ہو رہا تھا۔ منال کے بار بار اصرار کے بعد وہ یہاں موجود تھا۔

"ڈنر کب شروع ہوگا؟" ذوالنون گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

"مسز طلعت کا انتظار ہو رہا ہے، وہ آ جائیں"۔ کونین نے تسلی دی۔

"آخر میری سمجھ میں نہیں آتا، ممّا ایسے لوگوں سے متاثر کیوں ہوتی ہیں جو ویسٹرن ممالک میں رہتے ہوں"۔ اس بار اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"مسز طلعت کوئی ایسی ویسی نہیں ہیں، انگلینڈ میں ہائی جینٹری میں موو کرتی ہیں، بہت ٹاپ ہول تک ریلیشن ہیں اور بزنس تو کئی ملکوں تک پھیلا ہوا ہے"۔ منال حسبِ عادت قصیدہ گوئی میں مصروف تھیں۔

"میں جا رہا ہوں"۔ ذوالنون سے مزید مروت نہ برتی گئی۔

"پرنس میری جان! بیٹھ جاؤ پلیز! وہ آ رہی ہیں، ابھی کال آئی ہے۔ آپ کے نانا جان بھی مصروفیت کے باعث نہیں آئیں گے، ان کو کمپنی دینے کے لیے کسی کو تو ہونا چاہیے نا"۔ فائقہ محبت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"سوری نانو! میں کمپنی نہ دے پاؤں گا"۔

"ہاں، آپ کو تو ٹکے ٹکے کی لڑکیوں کو کمپنی دینے کی عادت ہے۔ اپر کلاس کی لڑکیوں کی کمپنی کیسے افورڈ ایبل ہو گی آپ کے

لیے"۔ منال بیگم سخت طنزیہ انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"مما پلیز! کول ڈاؤن"۔ کونین مما کے بگڑتے تیور اور ذوالنون کا مزاج دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"منال! تم بھی حد کرتی ہو، بلا سوچے سمجھے ہر بات کہہ دیتی ہو۔ پرنس! بیٹھو اتنی جلدی ڈس ہارٹ مت ہوا کرو"۔ وہ منال سے سخت لہجے میں کہہ کر اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"سوری نانو! مجھے مت روکیں، میرا یہاں سے جانا ہی ٹھیک ہے، ورنہ مما کی پارٹی خراب ہو جائے گی اگر میں یہاں رہا تو"۔ اس کے وجیہہ چہرے کے نقوش میں سرخی تھی، وہ فوراً چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

"یہ بی بی جان کیا عجیب و حیرت انگیز بلکہ...... بلکہ تجسس آمیز کام کر رہی ہیں، کچھ سمجھ نہیں آ رہا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟" سرمد پریشان انداز میں وصی سے مخاطب ہوا تھا۔

"مجھے لگ رہا ہے ان کا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہے"۔ وہ سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوا۔

"قتل!" سرمد آنکھیں نکال کر بولا پھر اس کی شرارت سمجھ گیا۔

"لگتا ہے تمہارا ہی کریں گی، تمام گناہوں کی توبہ کر لو"۔

"اچھا"۔ اس کا انداز چڑانے والا تھا۔

"ہاں کیونکہ مرتے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔ توبہ کے دروازے زندگی میں ہی کھلے رہتے ہیں"۔ وہ عالمانہ انداز میں کہہ اُٹھا۔

"کیا ہوا؟ کس کے دروازے کھل گئے؟" مسعود اور ہریرہ اندر داخل ہوتے ہوئے پُر تجسس انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"مسعود کی سنگ دل محبوبہ کے دل کے دروازے"۔ وصی کو نئی سوجھی تھی۔

"مبارک ہو یار! اس خوشی میں پارٹی کب دے رہے ہو؟" وہ اسے گھیر کر بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔

"میں کوئی پارٹی وارٹی نہیں دوں گا"۔ وہ غصے سے اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ "تم لوگ سیدھی بات کرنا تو جانتے ہی نہیں"۔

"یار! پارٹی نہیں دینا چاہتے تو نہ دو مگر...... اس قدر غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" ہریرہ حیرانی سے بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں اس وصی کو سمجھا رہا تھا کہ کبھی تو اپنے بائیں شانے والے فرشتے کو آرام کا موقع دیا کرو جو تیرے گناہ آلود رجسٹر بھر بھر کر تنگ آ چکا ہو گا، کبھی اس پر رحم کھا لے"۔ سرمد نے جوش کے بجائے اب ہوش کی لاٹھی پکڑی تھی۔

تم دونوں چونچیں لڑا رہے ہو، بات کیا ہوئی؟" ہریرہ کے پوچھنے پر وصی نے ساری بات بتا دی تو وہ بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

"شاباش ہے بھئی!" اسی دم بی بی جان اندر آ کر گھورتے ہوئے بولیں اور جواباً ہنسی ان کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"کل سے کہہ رہی ہوں اسٹور والی دو چھتی سے اچار کے مرتبان اُتار دو مگر تمہارے کانوں پر کوئی جوں نہیں رینگتی"۔

"بی بی جان! آپ نے ہمیں لڑکیوں کی طرح گندہ سمجھا ہوا ہے جو ہمارے سر میں جوئیں ہوں اور وہ بھی اتنی تعداد میں کہ کان پر رینگیں"۔ وصی کی زبان بے قابو ہوئی تھی اور بی بی جان کا ہاتھ۔

"زبانیں تمہاری لڑکیوں سے زیادہ تیز ہیں جو کتر کتر قینچی کی طرح چلتی بھی رہتی ہیں اور کام کے نام پر سانپ سونگھ جاتا ہے"۔

گراؤنڈ فلور کی بنی دو چھتی سے وہ بڑے بڑے بھاری بھرکم مرتبان اُتارنا گو آسمان سے تارے توڑ کر لانے سے کم ہی معرکہ رہا تھا۔ کئی مرتبان ان کے ہاتھوں سے گرتے گرتے بچے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لرزش دیکھ کر وہاں کھڑی بی بی جان نے کہا تھا۔

"خبردار! ایک بھی مرتبان نہیں ٹوٹنا چاہیے"۔

"اگر...... ہماری ہڈیاں ٹوٹ گئی تو؟" سعود نے ہانپتے ہوئے گلہ کیا۔

"تو کوئی بات نہیں"۔ نہایت اطمینان سے جواب ملا۔

"ہڈیاں جڑ جائیں گی مگر...... مرتبان جو دادی کی نشانی ہیں، ٹوٹ گئے تو کبھی نہ جڑ پائیں گے"۔

"ان مرتبانوں میں برادری کے خاندان والوں کی روحیں تو براجمان نہیں ہیں جو یہ اتنے بھاری بھرکم ہیں"۔ ہریرہ کی سرگوشی پر انہوں نے مشکل سے قہقہے روکے تھے۔

بہت سخت محنت کے بعد وہ چھوٹے بڑے کئی قسم کے مرتبان اُتارنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

"کیسے پسینے پسینے ہو گئے ہیں نکمے لڑکے! محنت کی عادت جو ختم ہو گئی ہے"۔ پسینوں سے شرابور ہانپتے ہوئے لڑکوں کو دیکھ کر وہ ہمدردی کے بجائے غصے سے بولیں اور نیا حکم صادر کیا کہ وہ تمام مرتبان صحن میں پہنچا دیں۔

"بی بی جان! اتنا سارا اچار بنائیں گی آپ؟ میرا مطلب ہے بیچنے کا ارادہ ہے کیا؟" ہریرہ کو بہت تعجب ہو رہا تھا۔

"بیچنا"۔ حسب توقع وہ خوش دلی سے مسکرائیں۔ "ارے نہیں بیٹا! یہ جو مرتبان دیکھ رہے ہو نا سال سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان میں بھرے ہوئے اچار و مربے"۔

"کیا جنات وغیرہ کی دعوتیں کرتی ہیں آپ؟" مہمان ہونے کی وجہ سے ان تینوں سے وہ کافی رعایت برتتی تھیں، اس لیے بے دھڑک وہ لوگ ان سے ایسے سوال بھی پوچھ لیا کرتے تھے جو ینگ پارٹی خواہش کے باوجود نہ پوچھ سکتی تھی۔

"جنات تو مفت میں بدنام ہیں، ہم انسان کسی جن سے کم ہیں کیا"۔

"بی بی! پھر بھی اتنا ڈھیروں اچار و مربے مقصد سمجھ نہیں آیا"۔ ہریرہ ابھی بھی گومگو کی کیفیت میں تھا۔

"دراصل بی بی جان کے ہاتھوں بنا اچار اتنا لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے کہ خاندان کے علاوہ دوست، احباب بھی بلا جھجک مانگ کر لے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ اچار کے اختتام تک جاری رہتا ہے"۔ سعود نے کھل کر وضاحت کر دی تھی۔

"بی بی جان بناتی بھی تو کئی قسم کے اچار ہیں۔ لوگ ایک کے بعد دوسرا اور تیسرا مانگنے آتے ہیں"۔ وصی کے لہجے میں توصیف تھی۔

"یہ تو خاندانی روایت چلی آ رہی ہے، ہمارے بزرگوں کے دور سے"۔ بی بی جان کی آنکھوں گزرتے وقت کے چراغ لو دینے لگے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب ماضی کے اوراق پلٹنے بیٹھ جاتی، ملازمہ شربت لے آئی تھی اور انہوں نے جان بچ جانے پر تشکر آمیز سانس لیے تھے۔

☆......☆......☆

ذوالنون کے غصے میں جانے کے بعد ماحول خاصا ٹینس ہو گیا تھا۔ کونین جو پہلے ذوالنون کی ماں کے ساتھ مس انڈراسٹینڈنگ اور رویے پر اسے سمجھاتا رہا تھا مگر اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ مما اس کے ساتھ بہت سرد رویہ اختیار کرتی تھیں اور ان کا یہ رویہ اس وقت تک کمزور نہیں ہوتا تھا، جب تک وہ ایسے ہی کسی جوابی رویے کا اظہار نہ کرے۔

اس لیے وہ اب زیادہ تر اسے تنہائی میں سمجھانے کو ترجیح دیتا تھا۔

جس دن سے کسی لڑکی نے موبائل پر شرارت شروع کی تھی، اس دن سے مما اس کی سخت دشمن بن گئی تھیں۔ بات بے بات اس کو جاہل عورتوں کی مانند طعنے دیتی تھیں۔ اس کی دل آزاری کر کے نہ معلوم ان کو کیوں سکون ملتا تھا؟

ان نامعلوم فون کالز کی وجہ سے ان ماں بیٹے کے درمیان تناؤ تھا۔ شروع شروع میں اس نے بھی سچ سمجھ کر ذوالنون کو بہت آفرز کی تھیں مگر رفتہ رفتہ بھائی کی سچائی اور انکار پر یقین آ چکا تھا۔ یہ حقیقت منال بیگم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھیں۔ ان کی اسی ہٹ دھرمی و بے یقینی نے ان کے درمیان فاصلے بڑھا دیے تھے۔

"جب بچے قد میں ہم سے بھی اونچے ہو جائیں تو بہت سوچ سمجھ کر ہینڈل کیا جاتا ہے ان کو، کتنی بار سمجھایا ہے لیکن......"

"اوہ مما! آپ خیال مت کریں۔ اس کا چلے جانا ہی بہتر ہے، ورنہ ہمارا امپریشن مسز طلعت اور ان کی بیٹیوں پر اچھا نہیں ہوتا"۔

مسز طلعت اپنی دونوں صاحب زادیوں کے ہمراہ تشریف لا چکی تھیں۔ فائقہ بیگم اور منال نے بہت پُرتپاک طریقے سے استقبال کیا تھا۔

مسز طلعت بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ دونوں بیٹیاں بھی ماں کے ساتھ کھڑی سیاہ کوٹ سوٹ میں ملبوس تیکھے نقوش و سفید رنگت والے اس خوبرو نوجوان کو دیکھ رہی تھیں جس کی شخصیت سے وقار و تمکنت چاند کی کرنوں کی طرح جھلمل ہو رہی تھیں۔

"یہ میری بیٹیاں ہیں، زینی اور زمنہ"۔ مسز طلعت نے تعارف کروایا۔

"ہاؤ سو کیوٹ"۔ انہوں نے باری باری دونوں کے رخساروں کو چوما۔

"مسز طلعت! آپ کی بیٹیاں بھی آپ کی طرح دل آویز پرسنالٹی کی مالک ہیں"۔ منال اور فائقہ کی تعریف میں کوئی بناوٹ و چاپلوسی نہ تھی۔ زینی و زمنہ میں ماں کی طرح وقار تھا۔

عام سے ٹراؤزر سوٹ پر دوپٹے اور ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھیں، ان کے لباس سے انداز سے ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ کسی آزاد و بے باک ملک کی پروردہ ہیں۔ زینی تعلیم سے فارغ تھی۔ زمنہ انگلش لٹریچر میں ایم اے کر رہی تھی۔

"یہ میرے بڑے بیٹے ہیں کونین۔ ایم۔ بی۔ اے کے بعد اپنا بزنس سنبھال رہے ہیں"۔ منال نے کونین سے تعارف کروایا، جوابا مسز طلعت کو سلام کیا تو انہوں نے بڑی شفقت سے جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ لڑکیوں سے بھی ہیلو ہائے ہوئی تھی۔

وہ انہیں لے کر لیونگ روم میں آ گئی تھیں جہاں ان کی تواضع چیری اور پائن ایپل سے کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ملازمہ کو کھانا لگانے کا آرڈر بھی دے دیا گیا تھا۔

"مسز طلعت! آپ مانی نہیں ورنہ میرا تو آپ کے اعزاز میں ایک بڑی پارٹی دینے کا ارادہ تھا۔ اس طرح کوئی انجوائے منٹ ہو رہی ہے"۔ منال ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے، گھر کا ماحول، آپ لوگوں کی اپنائیت۔ یہ سب کسی پارٹی میں کہاں ملتا ہے؟ بناوٹی لوگ، بناوٹی انداز، بناوٹی چہرے، کھوٹے سکے کی طرح لگتے ہیں مجھے۔ میں ہی نہیں طلعت صاحب اور بچیاں بھی سخت بوریت محسوس کرنے لگی ہیں ان پارٹیز میں"۔ منال اور فائقہ بیگم نے تعجب خیز نظروں سے ایک دوسروں کی جانب دیکھا تھا۔

"کئی پارٹیز پر میں نے جانے سے معذرت کر لی تھی۔ عجیب لوگ ہو گئے ہیں یہاں کے۔ خلوص، مروت، وفا تو گویا بھول ہی گئے ہیں"۔ مسز طلعت کے لہجے میں عجیب سی آنچ تھی۔

"جو جس کے نزدیک ہوتا ہے، جو زیادہ محبت وچاہت کا اظہار کرتا ہے، پیٹھ پیچھے وہی اس کا بدترین دشمن ہوتا ہے"۔ مسز طلعت کے انداز میں دُکھ وناپسندیدگی تھی۔

وہ دونوں ماں بیٹی اندر ہی اندر جز بز ہو رہی تھیں، وہ جس جگہ سے آئی تھیں وہاں کی ذرا بھی نمائندگی نہ کر رہی تھیں۔ اپنی باتوں سے، انداز سے، کسی دور افتادہ علاقے کی باسی لگ رہی تھیں۔ پارٹیز میں گلیمرائز نظر آنے والی سوشل سی منفرد سی وہ ماں بیٹیاں اس وقت اتنے مختلف روپ میں تھیں کہ وہ حیران تھیں۔

کھانا بہت بے تکلف ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد کافی کے دور میں مسز طلعت کو کچھ یاد آیا۔

"منال! آپ کے دوسرے بیٹے نظر نہیں آ رہے؟ آپ نے ان کا بھی ذکر کیا تھا"۔

"پرنس کے دوست کے ہاں فنکشن ہے، وہاں گئے ہوئے ہیں"۔ انہوں نے پہلے ہی جھوٹ کی تیاری کر لی تھی۔

"کونین ازینی کو لائبریری دکھاؤ"۔ وہ مسکرا کر زینی کی طرف دیکھ کر گویا ہوئیں۔

کونین جو یہاں سے جانے کا سوچ رہا تھا، اس نئے حکم پر جز بز ہو کر رہ گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا، صاف انکار کر دے جس طرح ذوالنون اپنی مرضی ومرشت کے خلاف کسی بھی کام کو منع کر دیتا تھا مگر...... اگلے لمحے وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ اس نے اوّل روز سے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مما کو خوش رکھے گا۔ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو انہیں دُکھی کرے۔ پاپا جو دُکھ ان کی جھولی میں ڈال کر گئے تھے وہ اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ اس تکلیف کا مداوا کرنا چاہتا تھا۔

اس دور میں یہی ہوتا ہے، جو محبت کرتا ہے وہ آزمایا جاتا ہے ایک بار نہیں، بار بار......

زتمان کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ زینی نے بھی لائبریری دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ وہ لان میں چلی آئی تھیں۔

''کیا ہابیز ہیں آپ کی؟'' وہ ٹہلتی ہوئی کونین سے مخاطب ہوئی۔

''ہابیز؟'' وہ دل کشی سے مسکرایا۔ ''ایجوکیشن لائف میں وہی کامن ہابیز ہی ہیں۔ لانگ ڈرائیونگ، میوزک، پکچرز، ہلہ گلہ، جو اس عمر میں ہوتی ہیں''۔

''اس عمر میں؟'' وہ اس کی بات اُچک کر شوخی سے بولی۔

''ابھی کیا آپ خود کو دادا ابا کی ایج کا سمجھنے لگے ہیں؟''

''اتنا تو نہیں......لیکن ٹین ایجر تو اب نہیں ہوں''۔ کونین کے انداز میں وقار و اعتماد تھا۔

''شاید آپ نے خود پر بڑے بیٹے ہونے کے حوالے سے بہت زیادہ ذمے داریاں ڈالی ہوئی ہیں، اسی باعث آپ خود کو اوور ایج سمجھتے ہیں، ورنہ پرسنالٹی تو آپ کی ابھی بھی کالج اسٹوڈنٹ کی طرح ہے''۔ زینی اس سے از حد متاثر نظر آ رہی تھی۔

''میں سمجھ نہیں رہا، یہ میری تعریف ہے یا......''

''ارے نہیں......یہ آپ کی تعریف ہے، بالکل جائز اور اصلی''۔ وہ کھلکھلا کر گویا ہوئی تھی۔ کونین مسکرا کر رہ گیا۔

آسمان پر چاند کی روشنی مدھم تھی۔ لان میں لگے لیمپ سے مرکری روشنیاں ہر سُو پھیلی ہوئی تھیں۔ موتیا اور موگرے کی روح پرور خوشبوئیں ہوا کے ساتھ مل کر فضاؤں میں گردش کر رہی تھیں اور اس کے دل میں عجیب سی خوابیدہ خواہش بیدار ہونے لگی تھی۔

دل کی اسکرین پر وہ چہرہ اپنی تمام احتیاط، لاپروائی و بے نیازی و دل آویزی سمیت روشن ہو گیا تھا۔

دل پاگل ہے، اس کے باولے پن کی کوئی حدود و قیود نہیں، جب یہ پاگل پن پر آتا ہے تو پھر دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

محبت کے سمندر میں، خواہشوں کی سرپھری موجیں تلاطم برپا کرتی رہتی ہیں۔ اس کے اندر بھی ایک خواہش کی موج اپنی زور آوری دکھانے لگی تھی، مچلنے لگی تھی کہ......اس وقت اس کے ساتھ زینی کے بجائے خضریٰ ہوتی اور وہ وقت کی تتلیوں کو اپنی مٹھیوں میں قید کر لیتا......کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔

زینی اس کے ساتھ ٹہلتی ہوئی نہ معلوم کیا باتیں کر رہی تھی۔ اسے ہوش نہ تھا، وہ دماغی طور پر غیر حاضر تھا۔

''مسٹر کونین!'' اپنی باتوں کے جواب میں اسے خاموش پا کر زینی نے اسے پکارا تھا مگر وہ گم تھا کسی سرونٹ کوارٹر سے گیت اُبھرا تھا۔

محبت چھوئے جن کے ہاتھ

جوانی پاؤں پڑے دن رات

سنیں نہ ہائے......وہ کسی کی بات

زینی نے تعجب سے اس کے کھوئے کھوئے انداز کو دیکھا تھا۔

نینوں میں جن کے کاجل بن کر

رہے سہانی رات......

محبت چومے جن کے ہاتھ

جوانی پاؤں پڑے دن رات

سنیں نہ ہائے......وہ کسی کی بات

"مسٹر کونین! کیا آپ ٹھیک ہیں؟" اس بار اس نے کونین کا شانہ ہلا کر کہا تو وہ گڑبڑا کر حواسوں میں لوٹا تھا۔

"ہاں......ہاں میں ٹھیک ہوں۔ چلیں اندر چلتے ہیں۔ بہت ٹائم ہو گیا ہے"۔ وہ اپنی بات پوری کر کے تیز تیز قدموں سے اندر غائب ہوا تھا۔ زینی اس کے اُلجھن آمیز رویے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

مسز طلعت اندر خوش گپیوں میں ان کے ساتھ مصروف تھیں۔

کونین خاموشی سے کار نکال کر جا چکا تھا، دل کے راستوں پر۔

☆......☆......☆

غمِ زندگی تیری راہ میں

شبِ آرزو تیری چاہ میں

وہ اُجڑ گیا، وہ بسا نہیں

جو بچھڑ گیا، وہ ملا نہیں

جو دل ونظر کا سرور تھا

وہی اک گلاب اُمید کا

میری شاخِ جاں پر کھلا نہیں

میرا ہم سفر جو عجیب ہے

تو عجیب تر ہوں میں، آپ بھی

مجھے منزلوں کی خبر نہیں

اسے راستوں کا پتہ نہیں

وہ ایزی چیئر پر بیٹھا تھا۔ آنکھیں بند کیے سوچوں میں گم تھا۔ ایک ہفتے قبل مما سے ہونے والی جھڑپ نے اسے مزید ڈسٹرب کر

دیا تھا۔ وہ بھی اس بار صلح کے موڈ میں نہ تھیں۔ اسے دیکھتے ہی جملے پھینکنے شروع ہو جاتی تھیں کیونکہ اس بدتمیز لڑکی کی کالز برابر آ رہی تھیں۔ بات اتنی نہ بگڑتی، صرف مذاق تک نہیں رہتی اگر وہ لڑکی اپنا نام بتا دیتی یا ان کے ہزار بار پوچھنے کے باوجود ذوالنون کوئی فرضی نام بتا دیتا۔ وہ دونوں ماں بیٹے اس وقت غصے و بے اعتمادی کے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔

منال جن کی مدت کی خواہش رہی تھی کہ وہ صنف مخالف میں دلچسپی لے، فرینڈ شپ کرے جیسا کہ ان کے سرکل سوسائٹی میں ہوتا تھا مگر ذوالنون ان کی آرزوؤں کے برعکس تھا۔ اس کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنے خول سے باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ صبر کر کے بیٹھ گئی تھیں تو اب ان کالز نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ پہلے وہ اس کو کسی لڑکی کی شرارت سمجھی تھیں مگر شرارت طویل نہیں ہوتی ہے۔ انہیں یقین تھا۔

یہ لڑکی یقیناً صمد کی چھوٹی بیٹی عریبہ ہے۔ وہ ان کی پلاننگ سمجھ گئی تھیں کہ کس چالاکی سے وہ لوگ ان کی زندگی کا جہنم بنانے کا ارادہ رکھتی تھیں...... لیکن وہ بھی کم نہیں تھیں کہ ایک بیٹے کو وہاں منسوب نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ تو پھر دونوں بیٹوں کا معاملہ تھا جو مر کر بھی انہیں منظور نہ تھا، اسی وجہ سے ان کے درمیان بدگمانی و سرد مہری کی دیوار قائم ہو گئی تھی۔

گو کہ ابھی انہوں نے اپنے خدشوں کا اظہار کسی سے نہ کیا گیا مگر ذوالنون کچھ ان کے طنزیہ اشاروں سے سمجھ رہا تھا اور یہی ان کو ان سے بدظن کرنے کا باعث تھا۔

سیل فون کی بیل نے اسے متوجہ کر لیا تھا۔

"ذوالنون بول رہا ہوں"۔

"بولتے رہیے پلیز"۔ دوسری طرف سے شوخ نسوانی آواز نے اس کے اعصاب جھنجوڑ دیئے تھے۔ وہ سخت غصے سے گویا ہوا۔

"تم...... اسٹوپڈ! بچ نہیں سکو گی مجھ سے"۔

"اوہ...... بچنا کون چاہتا ہے"۔ دوسری طرف سے سرد آہ بھر کر کہا گیا پھر ایک قہقہہ گونجا تھا۔

"یو چیپ گرل! تم نے جرأت کیسے کی میرے رشتے داروں سے کنٹیکٹ کرنے کی؟ انہیں مس گائیڈ کرنے کی، تم سوچ بھی نہیں سکتیں، جو میں تمہارا حشر کروں گا"۔ اس کے لہجے میں آدم خور درندوں جیسی غراہٹ تھی۔ غصے و جنون کی حدوں سے وہ نکل چکا تھا۔ لمحے بھر کو دوسری طرف خاموشی چھائی تھی، پھر دوسرے لمحے وہی قہقہہ گونجا تھا۔

"چچ چچ...... اتنا غصہ...... اتنا غصہ نہیں کرتے"۔

"شٹ اپ"۔

"اتنا غصہ کرو گے تو دو باتیں ہوں گی۔ تمہارے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی یا دل کام کرنا بند کر دے گا، اگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا تو پھر بھی دو باتیں ہوں گی، یا تو لوگ تمہیں پاگل سمجھیں گے یا سائیکی، اگر سائیکی سمجھیں گے تو بھی دو باتیں ہوں گی......"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا"۔ اس نے اس کی بات قطع کر کے خون خوار لہجے میں کہہ کر سیل آف کر کے بیڈ پر اچھالا اور خود دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

شدید اشتعال میں اس کا وجیہہ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شریانوں میں خون کی روانی بڑھ چکی تھی۔

"بہت ہو گیا، اب اس اسٹوری کا ڈراپ سین کرنا پڑے گا"۔ اس نے مصمم ارادہ فیصلہ کیا تھا۔

☆......☆......☆

"حورین پلیز! اس بے وقوفی کو یہیں ختم کر دو۔ مجھے لگ رہا ہے تمہارا مذاق سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے"۔ زویا نے سنجیدگی سے اس سے کہا جو ابھی آواز بدل کر ذوالنون کو تنگ کر رہی تھی اور کئی ہفتوں سے اس نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا تھا، جب سے ذوالنون نے اسے ہرٹ کیا تھا، بجائے معافی مانگنے کے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔

کافی دنوں تک حورین اس کی اس حرکت اور سخت الفاظ کی گرفت میں بے چین رہی تھی اور آخر کار سول اور زویا کو اعتماد میں لے کر اس نے یہ پلاننگ کی تھی۔ پہلے وہ دونوں مان نہیں رہی تھیں مگر اس نے بھی منوا کر چھوڑا تھا، پھر ان کے ذریعے ہی حیدر وغیرہ سے وہ تمام فون نمبرز اس طرح حاصل کیے گئے کہ خود انہیں بھی محسوس نہ ہو سکا۔ آج پہلی بار وہ ذوالنون سے مخاطب ہوئی تھی۔

"یہ مذاق نہیں انتقام ہے اس انسلٹ کا جو اس نے میری کی اور مجھے ذہنی طور پر ٹارچر کیا۔ ابھی تو کچھ نہیں ہے، آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔ موصوف کو بچ پاگل خانے نہ پہنچا دوں تو"۔ وہ ہنستے ہوئے نیم دراز ہو کر گویا ہوئی۔

"عقل کو بھی کبھی قریب آنے دیا کرو۔ معلوم ہے وہ سم کے ذریعے تم تک بآسانی پہنچ سکتا ہے۔ اتنا عرصہ بھی وہ اس لیے شاید صبر کرتے رہے کہ تم نے ان سے براہ راست بات نہ کی تھی"۔ سول نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اب میں اتنی بے عقل بھی نہیں ہوں کہ ڈائریکٹ اپنی سم استعمال کروں گی"۔ وہ چہرے پر آئے بال سمیٹتی گویا ہوئی۔

"پھر یہ سم کس کی ہے؟" وہ دونوں چونکی تھیں۔

"خان بابا کی"۔

"خان بابا کی؟" زویا اچھلی۔

"کیا مطلب؟ وہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" سول نے پوچھا۔

"دماغ سے"۔ وہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی گویا ہوئی۔

"اوہ پلیز سسپنس پیدا مت کرو"۔

"پپا میرے لیے نیا سیل لے کر آئے تھے، پہلے والا میرے لیے بے کار تھا۔ ایک دن اتفاقاً مجھے معلوم ہوا کہ خان بابا (ڈرائیور) کے پاس سیل فون نہیں ہے، میں نے وہ سیل انہیں دے دیا تھا۔ اب کچھ دیر کے لیے لے لیتی ہوں"۔ وہ بائیں آنکھ دبا کر شوخی سے گویا ہوئی۔

"اوہ! گیم تم نے اچھا کھیلا ہے"۔ وہ دونوں بھی ہنس پڑی تھیں، پھر سول کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"آج ان کی گفتگو سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ اب ہر طریقے سے یہ معلوم کر کے رہیں گے، کس کی شرارت ہے؟"

"تو کریں معلوم...... خان بابا صاف بول دیں گے کہ صیب ام کو نہیں معلوم کون لڑکی آپ کو تنگ کرتا ہے"۔ حورین سب سے زیادہ پُر اعتماد تھی۔

تم دل کو بے قرار کیوں نہیں کرتے

میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں کرتے

جی نہیں سکتا ہو کر جدا تم سے

لیکن تم تو محبت کا اظہار نہیں کرتے

ہریرہ گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں؟ دروازہ ناک کیے بغیر اندر آتے ہو"۔ وہ تینوں جو آڑی ترچھی بیڈ پر بیٹھی تھیں، جلدی سے سیدھی بیٹھ گئی تھیں۔ حورین اسے گھور کر بڑبڑائی۔

"دروازہ پہلے سے کھلا تھا...... میں سمجھا میرے لیے کھلا ہے"۔ وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے نہ تھا۔

"ہونہہ! میرے لیے کھلا ہو، منہ دھو رکھو"۔

"تم منہ دھونے کی بات کرتی ہو، میں نہا کر آیا ہوں"۔

حورین اسے گھور کر رہ گئی، جب کہ وہ دونوں ہنس پڑی تھیں۔

"اتنا غصہ مت کرو یہ خوب صورت چہرہ بگڑ کر رہ جائے گا اور مائیں تمہارا نام لے لے کر بچوں کو ڈرایا کریں گی"۔ وہ کچھ جھک کر اس کے بال بگاڑتا ہوا بولا۔

"ہریرہ بھائی! کیوں تنگ کرتے ہیں آپ اس کو؟" موحل نے اس کی سائیڈ لی۔

"بی بی جان کو معلوم ہو گیا تو خیر نہیں آپ کی"۔

"بی بی جان نے ہی تو بھیجا ہے مجھے"۔

"کیا مطلب؟"

"تم نے کہا تھا نا اسلام آباد جانے سے قبل شاپنگ کرنا چاہتی ہو"۔

"ہاں ہاں...... کیا تم نے بی بی جان سے اجازت لے لی؟" حورین لڑائی بھول بھال کر بیڈ سے اُترتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اگر شاپنگ سینٹرز اس دُنیا میں نہ ہوتے تو تم لوگ کیا کرتیں؟ کیسے زندگی گزارتیں؟" وہ ازحد حیران تھا۔

"اگر ہم نہ ہوتے تو شاپنگ سینٹرز نہ ہوتے، کیونکہ ہم نے ہی ان شاپنگ سینٹرز کو قائم کیا ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے کاروبار صرف ہم خواتین کی وجہ سے چل رہے ہیں"۔ حورین فخریہ انداز سے بولی۔

"وہ کسی نے کہا ہے کہ۔

وجودِ زن سے ہے کائنات میں رنگ"

"تو صرف کائنات ہی نہیں، کائنات کی ہر شے زن کی وجہ سے ہی گل و گلزار و روشن ہے"۔ وہ ایک کے بعد ایک جواب دے رہی تھیں۔ ہریرہ پہلی بار ان کی موجودگی میں لاجواب ہوا تھا۔

☆......☆......☆

حمزہ اور اس کی بیوی ہنی مون سے واپس آ چکے تھے۔ راحیلہ بیگم نے بہو کے مشورے سے ڈنر پر خاصا اہتمام کروایا تھا، کیونکہ آج کونین کی بھی حمزہ کی بیوی سے پہلی ملاقات تھی۔ وہ پہلے ہی ان سے ملاقات کے دن گن گن کر گزار رہا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بھی کئی بار آ چکا تھا، البتہ ذوالنون نے کافی دنوں سے کوئی چکر نہ لگایا تھا اور نہ ہی کال کی تھی۔

وہ ایسا ہی تھا۔ خبر گیری کرنے پر آتا تو کالز پر کالز کرتا، گھر پر بھی آتا یا پھر ایسے ہی بھول کر بیٹھ جاتا، وہ کونین کے ذریعے اس کی خیر خیریت معلوم کرتی رہتی تھیں۔

کونین سب کے لیے تحائف لے کر آیا تھا، (منال کی بے خبری میں) حمزہ کی بیوی کے لیے طلائی سیٹ تھا جس میں قیمتی نگینوں کا کام تھا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ مزے دار باتیں ہو رہی تھیں۔ صمد انکل، صنوبر آنٹی، دادو سب ہی موجود تھے۔ حمزہ کی ایک ایک بات بتائی جا رہی تھی۔ خضر کے شوخ جملوں کے ساتھ محفل زعفران زار بھی۔ حمزہ کی بیوی نے اسپیشل کافی بنائی تھی سب کے منع کرنے کے باوجود، وہ ہنس رہا تھا۔ باتیں کر رہا تھا مگر اس کے اندر اضطراب و اضطرار زرد آندھی کی طرح پھیلتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل یہ وقت، یہ لمحات اسے زندگی کا حاصل لگ رہے تھے۔ پھولوں کی تمام خوب صورتیاں، تاروں کی تمام ضیاء پاشیاں اسے یہاں بکھری ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ اُٹھ کر کیا گئی، گویا چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ پھول مرجھا کر اپنا رنگ و بو کھو بیٹھے تھے۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، پھر وہ بیٹھا نہیں تھا، جلد آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔

خضریٰ نے کمرے کی کھڑکی سے اس کی کار کو دور تک جاتے ہوئے دیکھا تھا، پھر اس کی نظریں لوٹ آئی تھیں۔ نہ معلوم اس کے گداز دل میں کیسا احساس جاگزیں ہوا تھا، وہ اسی کھڑکی کی چوکھٹ سے ماتھا ٹیک کر رونے لگی تھی۔

جذبوں نے جب تک حجاب کی ردا اوڑھی ہوئی تھی، تب تک وہ اس کے ساتھ، اس کے سامنے بیٹھی رہا کرتی تھی۔ احتیاطاً پلکوں کو جھکائے ہوئے مگر جب جذبوں کی زور آوری حجاب و احتیاط کو تار تار کر کے سامنے ایستادہ ہو گئی تو پھر اس نے گریز و بے رخی کو ہتھیار بنایا تھا لیکن......ایسا کر کے اسے بے نام سی اداسی نے آن گھیرا تھا۔ دل نمک کا پہاڑ بن گیا تھا جو آنکھوں کے راستے بہتا تھا۔

کوئی طلب بھی نہیں سوگوار بھی ہوں

پکارتی بھی نہیں محوِ انتظار بھی ہوں

نجانے کتنے ارادوں میں بٹ گیا ہے وجود

اسے بھلا بھی دیا اور بے قرار بھی ہوں

"چندا!" دادو کی لرزتی آواز، کانپتا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کر کے اس نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ "کیا ہوا چندا کیوں رو رہی ہو؟" دادو جب بہت لاڈ میں ہوتی تو اسے اسی نام سے پکارتی تھیں۔

"کچھ نہیں دادو! بس ایسے ہی"۔ وہ دوپٹہ چہرے پر رگڑتی ہوئی گویا ہوئی مگر آنسوؤں پر کب کسی کا بس چلا ہے، وہ رُک نہیں رہے تھے۔

"بس ایسے ہی"۔ وہ اسے شانوں سے تھام کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ "چلو کر روتے ہیں، میرا بھی ایسے ہی دل چاہ رہا ہے"۔ آواز ان کی پہلے ہی بھرائی ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ خضریٰ سنبھلتی وہ اسے سینے سے چمٹائے بے آواز رو رہی تھیں۔

"میں جانتی ہوں میری بچی! جو تجھ پر اور میرے بچے پر گزر رہی ہے، گزرا وقت ایک بار پھر نئے روپ میں میرے سامنے کھڑا ہے۔ حمزہ اور کرن مجھے آج کل بہت یاد آرہے ہیں، تمہارا کونین کو دیکھ کر کترانا، اس کی موجودگی میں زیادہ تر اپنے کمرے میں رہنا اور اس کا ہر دوسرے تیسرے دن بھاگ بھاگ کر آنا، بے چین نگاہیں، بے تاب انداز کچھ بھی میری نگاہوں سے چھپا نہیں ہے"۔ وہ روتے روتے اس حقیقت کو عیاں کر رہی تھیں جو وہ سمجھتی تھی کہ کوئی نہیں جانتا۔

"دادو! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے کبھی بھی ان کی پذیرائی نہیں کی بلکہ...... پہلے قدم پر ہی لوٹا دیا تھا"۔ وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"مجھے احساس ہے میری بیٹی! تم بالکل درست کر رہی ہو، یہ وہ راستے ہیں جن پر گامزن ہو کے منزل نہیں ملتی، تباہیاں، رسوائیاں ملتی ہیں۔ محبت کا ایک گلشن میں نے خود خاک کیا تھا کی راکھ نہ معلوم کب تک مجھ پر چھنکتی جاتی رہے گی"۔ ان کے آنسوؤں میں ندامت و پچھتاوے تھے۔

☆......☆......☆

بیٹا! ہمیں ہمارا مذہب از حد وسعت قلبی وتحمل ورواداری کا درس دیتا ہے، بالخصوص صنف نازک کی عزت واحترام تو سب پر لازم ہے۔ عورت صرف ایک جسم وتسکین کا نام نہیں ہے، اس سے بہت سارے احترام وعزت، محبت وخلوص کے رشتے بھی وابستہ ہیں کہ ماں کے روپ میں جنت کا عکس، بہن کے روپ میں ٹھنڈی چھاؤں، بیٹی کے روپ میں چاہت ہی چاہت، شریکِ حیات کے روپ میں راحت و وفا۔ ان کے علاوہ بھی عورت سے وابستہ رشتوں میں سکون واپنائیت ہوتی ہے، مثلاً دادی، نانی، پھپھو، خالہ، تائی، چچی وغیرہ وغیرہ"۔ پروفیسر آفتاب حسن نے موقع دیکھ کر اسے اس کی زیادتی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی کیونکہ انہیں احساس تھا اس واقعے کے بعد حورین ان سے کچھ کھنچی کھنچی سی رہنے لگی ہے۔ اس کے خفگی بھرے رویے نے ہی انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ غلطی سراسر ذوالنون کی ہے۔

"سر! میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن یہ جنس بہت بڑی بے راہ روی کا بھی شکار ہے اور اس کو ہم کسی باعزت واخلاقی

رشتے سے وابستہ نہیں کر سکتے۔ مجھے ان کریکٹرز سے نفرت ہے، شدید نفرت"۔ وہائٹ کلف شدہ شلوار سوٹ میں اس کی شاندار شخصیت نمایاں تھی۔ گہری آنکھیں شفاف و روشن تھیں، وجیہہ چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"پھر وہی بات ہو گئی جس طرح ہاتھ کی تمام اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اسی طرح ہر لڑکی بھی خراب نہیں ہوتی، سمجھنے کی کوشش کرو"۔

"اٹس اوکے۔ آپ ڈائریکٹ وہ بات کریں جو کہنا چاہ رہے ہیں"۔ وہ قریب رکھی ڈائری کے ورق اُلٹتا ہوا گویا ہوا۔

"ہاہاہا...... بہت نگاہ شناس ہو، میں کہہ رہا ہوں، یہاں چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام کرتا ہوں، چند اسٹوڈنٹس کے ساتھ ان لڑکیوں کو بھی انوائٹ کریں گے اور تم معذرت کر لینا، ہلکے پھلکے انداز میں"۔ وہ چائے میں چینی ملاتے ہوئے اس کی حالت سے بے خبر کہہ رہے تھے، جبکہ ذوالنون کی نگاہیں ڈائری کے ایک ورق پر رکھے موبائل نمبر اور نمبر کے سامنے لکھے نام پر جم کر رہ گئی تھیں۔ چند لمحے قبل نظر آنے والا اس کا مطمئن انداز بدل گیا تھا۔

"کیا ہوا تم خاموش کیوں ہو گئے؟ آؤ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے"۔

"سر! سر...... یہ نمبر...... یہ نمبر کاٹا کیوں گیا ہے؟" وہ ڈائری ان کے آگے ٹیبل پر رکھتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

"یہ نمبر حورین کا تھا"۔ وہ اس کے اندر ہوتی ہلچل سے بے خبر چائے کا مگ بڑھاتے ہوئے اطمینان سے بولے۔

"تھا سے مطلب سر؟" وہ مضطرب ہوا۔ اُلجھی ڈور کا سرا ہاتھ آ کر نکل رہا تھا۔

"حورین نے دوسرا سیل لے لیا ہے بلکہ یہ نمبر اس کے شوفر کا ہے۔ حورین نے اسے یہ موبائل گفٹ کیا ہے مگر آپ کیوں انکوائری کر رہے ہو؟ موبائل کے ذریعے معذرت کا ارادہ ہے کیا؟" وہ شوخی سے بولے تھے۔

"شی ڈونٹ لائک"۔ وہ نفرت بھرے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

موسم ابر آلود تھا۔ ہوا بند اور شدید گھٹن و حبس ماحول میں پھیلا ہوا تھا۔ سر آفتاب کے ہاں ہونے والی پارٹی ابھی ختم ہوئی تھی۔ تمام اسٹوڈنٹس جا چکے تھے۔ حورین اور ذوالنون کے علاوہ سر آفتاب نے انہیں دانستہ روکا ہوا تھا۔ حورین بار بار رسٹ واچ دیکھ رہی تھی۔

"سر! ابھی تک گھر سے شوفر نہیں آیا ہے۔ بہت دیر ہو گئی ہے"۔ وہ سر کے قریب آ کر پریشان لہجے میں گویا ہوئی۔

"پریشان نہ ہوں، ذوالنون آپ کو ڈراپ کر دیں گے"۔ وہ شفقت سے مسکرا کر ذوالنون کی طرف دیکھ کر گویا ہوئے جو جانے کی تیاری میں تھا۔ ان کی بات سن کر ٹھٹک کر رُک گیا۔

"آئم سوری سر! میرا روٹ الگ ہے"۔

"زیادہ فاصلہ نہیں ہے، ڈراپ کر دو، موسم کے تیور دیکھ رہے ہو کسی بھی وقت برس سکتا ہے"۔

"سر! شوفر آتا ہو گا، میں انتظار کر لوں گی"۔

"موسم ٹھیک ہوتا تو میں خود تمہیں ڈراپ کر آتا۔ اس وقت آپ دونوں انا کی قید سے نکل آؤ جو ہوا وہ بھول جاؤ۔ ابھی بہت سارا وقت تم لوگوں کو ساتھ گزارنا ہے، اگر اسی طرح نفرتیں، عداوتیں پالتے رہے تو کل اپنے گولڈن پیریڈ کو کس طرح یاد کرو گے جو ہر اسٹوڈنٹ

اپنی آئندہ زندگی میں یاد رکھتا ہے"۔ ان کے لہجے میں ایسی کوئی بات ضرور تھی کہ دونوں ہی سر جھکا کر رہ گئے۔ سر آفتاب نے خود اس کے لیے ڈرائیونگ ڈور کھولا تھا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ وہ سر سے ہاتھ ملاتا ہوا گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سحر انگیز سی مہک پھیل گئی۔

سر آفتاب کار او جھل ہونے تک ہاتھ ہلاتے رہے تھے۔ ان کی کوٹھی مضافاتی علاقے میں تھی۔ یہاں بہت بہت فاصلے پر بنگلے کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔

وہ جب ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی، تب بھی موسم بھیگا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ ہوا کے جھونکے بھی تھے۔ سر سبز اور ہر سو پھیلی خاموشی کو اس نے خوب انجوائے کیا تھا اور اس وقت وہ اتنی ہی بیزار و خوف زدہ تھی۔ دن میں نگاہوں کو تراوٹ بخشنے والا سبزہ اس وقت آنکھوں میں خوف بھر رہا تھا۔ آسمان سیاہ تھا اور اس کی سیاہی ہر شے پر محیط تھی۔ فضاؤں میں عجیب پُر اسرار سرگوشیاں تھیں، اس کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا تھا۔ ساتھ بیٹھا شخص کسی روبوٹ کی مانند تھا، ایک لفظ نہ کہا تھا۔ پارٹی میں بہت مختلف وملنسار نظر آنے والا اس وقت وہی اپنے کھوروپن وسرد مہری میں نظر آرہا تھا۔ اس نے گھبرا کر شیشے سے باہر پھیلی سیاہی کو دیکھنا شروع کیا مگر یہ کیا؟

"یہ...... یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہ راستہ غلط ہے"۔ وہ کار کو پیچھے کی بجائے آگے رواں دواں دیکھ کر ہراساں ہو کر چیخی۔

"خاموش رہو، مجھے معلوم ہے یہ راستہ غلط ہے"۔ اس کے لہجے میں گویا اژدہوں کی پھنکار تھی وہ پوری جان سے کانپ اٹھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کے انداز میں وحشت تھی۔

"میں نے کہا نا خاموش رہو"۔ وہ دھاڑا۔

"کیوں خاموش رہوں؟ تم...... تم گھٹیا انسان کار روکو، کار روکو ورنہ میں......" ڈر، خوف، وحشت خیز نگاہوں سے کبھی باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ کبھی اس کے سفاک چہرے کو دیکھ رہی تھی، جہاں صرف درندگی و بے رحمی دکھائی دے رہی تھی۔ باہر گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی تھی۔

"پلیز! میری بات سنو کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ تم...... تم آخر چاہتے کیا ہو؟" کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ بلک اٹھی تھی۔

"اتنی آسانی سے بتا دوں"۔ وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوا۔

"تم کو میں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ تم جیسی لڑکیوں کے باعث عبرت ہو گی۔ تم اپنی مکاریوں سے دوسروں کی زندگی، چین وسکون سب ختم کر دیتی ہو"۔ اس نے ایک ویران جگہ پر گاڑی روک دی تھی۔

اس کے چہرے پر خطرناک عزائم کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھیں لہو رنگ تھیں، اس کے لفظوں میں شعلوں کی لپک تھی۔

"تم نے سیل کالز کے ذریعے جس قدر مجھے ذہنی وجسمانی ڈسٹرب کیا، ان سب کا بدلہ لوں گا"۔ اس نے ڈیش بورڈ میں رکھی ایک بوتل نکالی تھی اور از حد مسرت سے جھک کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ کی گرفت میں جکڑ لیے تھے۔ وہ بُری طرح مچلنے لگی تھی۔

"خدا کے لیے مجھے معاف کر......" بوتل سے تیزاب اس کے چہرے پر پھینکا جا چکا تھا۔ اس کی لرزہ خیز چیخوں سے کار گونج اٹھی تھی۔

......❀......

بادل بڑی زور سے گرجا تھا۔

اس شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔اس نے نیم خوابیدہ آنکھیں اِردگرد گھمائیں، ہر سُو گھپ اندھیرا تھا، بیڈ کے عین سامنے کھڑکی سے باہر موسلادھار بارش دکھائی دے رہی تھی۔

کمرے کی دبیز خاموشی میں باہر ماربل کے فرش پر گرتا بارش کا پانی بہت شدت سے شور کر رہا تھا۔اس کی آواز اور ذوالنون کی بے ترتیب سانسوں کی آوازیں اس تاریک ماحول میں عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔کئی لمحوں سے وہ یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کچھ دیر قبل جو اس نے دیکھا، وہ خواب تھا یا...... یہ خواب ہے؟

بارش اسی طرح برس رہی تھی اور بادلوں کی گھن گرج، بجلی کی چمک اسی طرح تھی۔

کار میں وہ اور حورین...... اور اس کا حورین کے چہرے پر ایسڈ پھینکنا اس کی درد و تکلیف میں ڈوبی اذیت ناک کراہیں، وہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کونین اسے پکارتا ہوا اندر آیا تھا۔اندھیرا دیکھ کر اس نے تمام لائٹس آن کی تھیں۔بیڈ پر اسے پسینے میں شرابور دیکھ کر پریشانی سے آگے بڑھا۔

"پرنس! کیا ہوا پارٹنر! تمہیں اتنے پسینے کیوں آرہے ہیں؟" اس کے شانے پر بازو رکھے ہوئے ایک جہاں کی فکر تھی اس کے لہجے میں۔

"اوہ...... تھینکس گاڈ وہ خواب تھا"۔گہری سانس لے کر ڈھیلے انداز میں وہ بھائی کے شانے سے سر ٹکا کر گویا ہوا۔

"خواب؟ کیسا خواب دیکھ لیا؟" اس نے برادرانہ شفقت سے ذوالنون کو ہٹایا کیونکہ وہ ایسی بے تکلفی بہت کم کرتا تھا۔

"بہت بھیانک، بہت خطرناک"۔وہ ابھی اس کیفیت سے نکل نہیں پایا تھا۔

"خواب محض خواب ہوتے ہیں ان سے کیا ڈرنا، کم آن لانگ ڈرائیونگ پر چلتے ہیں وہاں سے پھر دادو کی طرف چلیں گے"۔وہ اطمینان سے بیٹھتا ہوا بولا، جبکہ ذوالنون کے چہرے پر حیرانگی در آئی تھی۔

"بھائی! اس ٹائم لانگ ڈرائیونگ اور دادو کے ہاں جانا ٹھیک رہے گا؟" اس کے استفسار پر کونین کے منہ سے نکلنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ڈیئر برادر! یہ رات کے نہیں دن کے چار بج رہے ہیں۔آپ آج یونیورسٹی سے جلدی آگئے تھے اور سو گئے تھے"۔کونین کی وضاحت پر خفیف سی مسکراہٹ اس کے چہرے کو روشن کر گئی اور اسے یاد آیا کہ وہ آج یونیورسٹی گیا تھا اور دو پیریڈ اٹینڈ کر کے سرآفتاب کی طرف چلا گیا تھا۔وہ کئی دنوں سے اسے گھر بلا رہے تھے۔

وہاں باتوں کے دوران اتفاقاً اس کی نگاہ ڈائری میں نوٹ حورین کے سیل نمبر پر پڑ گئی تھی۔سرآفتاب کی وضاحت کے باوجود

اسے اس کا تیم سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی، وہ انہیں کچھ بتائے بغیر واپس آ گیا تھا۔ غصے وجنون کے باعث اس کی حالت ضبط سے باہر تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی جو دوسری تمام لڑکیوں سے مختلف ہے۔ خودسر، گھمنڈی، بددماغ کیوں اسے پریشان کرنے پر کمربستہ ہے اور اب اس انکشاف نے اسے بالکل آؤٹ کر دیا تھا کہ وہی لڑکی ہے جو اسے اور دوسرے لوگوں کو اس حوالے سے تنگ کرتی رہے گی۔ وہ اسی سوچ میں سو گیا تھا پھر جو کچھ دیکھا تھا وہ اس کے غصے وجنون کا اثر تھا جو خواب میں نظر آیا۔

☆......☆......☆

انس نے کالام میں ایک خوب صورت کاٹیج خریدا تھا۔

اپنی مرضی سے اس میں کچھ تبدیلیاں کروانے کے بعد نئے سرے سے اس کی تزئین وآرائش کروائی، جس سے کاٹیج کی خوب صورتی کئی گنا بڑھ گئی اور یہ کاٹیج اس نے ویڈنگ اینورسری پر کرن کو گفٹ کیا تھا۔ وہ چاروں سالگرہ منانے اس کاٹیج میں آئے تھے۔

سارا دن سیر سپاٹے میں گزر گیا۔ ڈنر ایک اعلیٰ ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چل رہا تھا، انس اور سعد باتوں میں مشغول تھے۔ فاریہ بھی ان کی گفتگو میں گاہے بگاہے حصہ لے رہی تھی۔ اس کے برابر بیٹھی کرن ذہنی طور پر وہاں سے غائب تھی۔

میرون کلر کی بنارسی ساڑھی جس پر ایک گولڈن بارڈر اور گولڈن ومیرون کنٹراسٹ میں دیدہ زیب کام ہوا تھا۔ گولڈن بلاؤز میں اس کا متناسب سراپا آج بھی وہی دل کشی ورعنائی لیے ہوئے تھے۔ گزرے تیس سال گویا اسے چھوئے بنا ہی گزر گئے تھے۔ اس کے سراپے میں عجیب وقار وتمکنت نے اسے شان دار بنا دیا تھا۔ انس اس کی محبت میں ہر حد وعبور کر چکا تھا، وہ اسے دیکھ کر جیتا، ہر گزرتا دن ان کی محبت میں اضافے کا باعث تھا۔

اب بھی اس کی وارفتگی بھری نگاہیں بار بار مچل مچل کر اٹھ رہی تھیں۔ میچنگ جیولری، لائٹ میک اپ میں ان کا حسن دوچند تھا۔

"باز آ جاؤ"۔ سعد نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا۔ "بھابی کو نظر لگا کر چھوڑو گے؟ کب سے دیکھے جا رہے ہو......"

"کیوں بھئی! آپ کو کیا تکلیف ہے! اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں"۔

"لیکن انداز تو آپ کا محبوبہ کو دیکھنے والا ہے"۔

"محبوبہ کو ہی دیکھ رہا ہوں۔ شادی کے تیس سال بعد بیوی دیکھنے والی نہیں پھینکنے والی شے بن جاتی ہے"۔ وہ کافی سے سپ لیتے ہوئے شوخی سے بولے۔

"ار......ارے انس بھائی! کیسی باتیں کر رہے ہیں...... میرا تو خیال کیجیے"۔ فاریہ نے خوف زدہ ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی تو وہ تینوں مسکرا دیے۔

"بے فکر رہیے بھابی صاحبہ! آپ کے بارے میں یہ ایسا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ اس نے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"کیوں بھئی! مجھ پر یہ پابندی کیوں؟ تیس سال میں بیوی پھینکنے کے لائق ہو جاتی ہے تو مجھ پر ان کو نہ پھینکنے کی پابندی کیوں؟"
سعد اس طرح جزبز ہو کر گویا ہوئے جیسے وہ فاریہ بیگم کو اسی وقت فارغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور انس کی بات ان کی راہ میں رکاوٹ بنی ہو۔ فاریہ بیگم نے انہیں خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔

"اس لیے جناب من! کہ بھابی صاحبہ اب کے بیوی ہی نہیں بلکہ دو بچوں کی ماں بھی ہیں جن میں سے ایک عدد کڑیل جوان بیٹا ہے اور جب بیٹا باپ کے قد کے برابر ہو جاتا ہے تو ماں کو بڑی مضبوط پناہ گاہ ملتی ہے، اب تم ان کو نہیں پھینک سکتے یہ....." وہ دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرانے لگے تھے۔ فاریہ بیٹے کے ذکر پر فخر سے مسکرانے لگی تھیں اور سعد صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"تم سے میں آج اتنے سال بعد بھی نہیں جیت سکتا یار مگر یہ محبوبہ اور بیوی والا کیا فلسفہ جھاڑا ہے جو سمجھ نہیں آیا؟"

"یہ فلسفہ نہیں میرے جذبات ہیں برادر"۔ وہ کافی کا سپ لے کر کرن کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ کافی سے نکلتی بھاپ کی پرچھائیوں میں جس کے حسین و پُروقار چہرے پر شرم کی قوسِ قزح بکھری ہوئی تھی۔

"لوگ پہلے محبت کرتے ہیں پھر شادی"۔ انس نے جذب کے عالم میں کہنا شروع کیا۔ کرن کے چہرے پر سرخی گہری ہونے لگی تھی۔

"محبوبہ جب تک محبوبہ رہتی ہے تو زندگی بہاروں، ستاروں، چاند اور چاندنی کی طرح دل کش و حسین لگنے لگتی ہے اور جب محبوبہ بیوی بن جاتی ہے تو سمجھو...... بہاروں کی مہک، ستاروں کی طرح چمک، چاند کی طرح دمکتے دن چار دن کی چاندنی محسوس ہوتے ہیں اور بیوی کسی آسیب کی طرح خود پر مسلط نظر آتی ہے۔ میں نے پہلے شادی کی پھر محبت کی۔ کرن پہلے میری بیوی بنی اور پھر محبوبہ"۔ اس کا لفظ لفظ اٹوٹ محبت کی خوشبو میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا لہجہ چاہت کی خوشبوؤں سے معطر تھا۔ کہیں بھی کسی خلش، کسی کسک، کسی تڑپ کی بے چینی نہ تھی۔

سعد نے بہت عقیدت سے انس کا ہاتھ چوما تھا۔

☆......☆......☆

خضرئی وارڈ کے راؤنڈ سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی کہ وارڈ بوائے ایک وزیٹنگ کارڈ لے کر اس کے پاس آیا، کارڈ پر چمکتے نام نے اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب کر دی تھیں۔ عجب سنسناہٹ اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی۔ اس شخص کی آنچ دیتی نگاہوں کی تپش سے بچنے کے لیے وہ گھر میں چھپی پھرتی تھی، کمرے میں مقید ہو جاتی تھی۔

مگر یہاں......ہسپتال میں......کس طرح قرار حاصل کرے؟

"ڈاکٹر! کیا جواب دوں......؟ منع کر دوں؟" وارڈ بوائے کی زیرک نگاہوں نے اس کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھتے ہوئے درست گمان کیا تھا......اور وہ چاہنے کے باوجود اثبات میں گردن نہ ہلا سکی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گرے پینٹ سوٹ، وائٹ شرٹ پر آویزاں گرے ٹائی میں چمکتے خوب صورت چہرے پر ایک ایسی سحر انگیز مسکراہٹ تھی جس میں کئی رنگ تھے۔ شکوے شکایت، اپنائیت و چاہت، اُلفت و محبت جو روشنی بن کر اس کی آنکھوں میں جگمگا رہی تھی۔ وہ ان چمکتے رنگوں کی دمکتی روشنیوں کی تاب نہ لا سکی

اور نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔

''بیٹھ جاؤ''۔

''تھینکس اے لاٹ، ورنہ میں سمجھا تھا آپ مجھے اسی طرح سزا میں کھڑا رکھیں گی''۔ وہ مسکرا کر کہتا ہوا کرسی پر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''سزا...... کیا، کیا ہے؟ آپ نے جو میں آپ کو سزا دوں گی......'' اس نے اپنی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں اور سنسناتے اعضاء پر قابو پاتے ہوئے مخصوص انداز میں کہا جو انداز اسے باوقار و معتبر بناتا تھا۔

''آپ کو تلاش کرنے کی جسارت، روبرو ملاقات کی گستاخی کی سزا''۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ کونین...... بھائی......'' ایک عرصے سے وہ اسے ''بھائی'' کے تخاطب سے پکارتی آئی تھی مگر جب سے کونین نے نئے جذبوں کی تشہیر شروع کی تھی، تب سے اس کی زبان کونین کو پکارتے ہوئے ہر بار لڑکھڑا جاتی تھی۔

اس نے اس کے ان چاہتوں کے مہکتے جذبوں کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ ہر بار شدت سے رد کرتی اور ٹھکراتی آئی تھی مگر...... کونین کے چہرے پر ناگواری و وحشی اس کی زبان کو بے ربط کر دیتی تھی۔

''شٹ اپ، شٹ اپ، تمہارے منہ سے نکلا یہ لفظ مجھے زہر لگتا ہے''۔ وہ بُری طرح جز بز ہو کر گویا ہوا تھا۔

''تعلقات کبھی بھی زہر خندہ نہیں ہوتے ہیں''۔

''اگر رشتوں کو غلط طریقے سے پکارا جائے تو گالی بن جاتے ہیں''۔ کونین کا ردعمل مضمحل تھا۔ خضریٰ پہلو بدل کر رہ گئی۔

''کیا لیں گے آپ، کولڈ ڈرنک، چائے یا کافی؟'' اس نے موضوع بدلا تھا۔ کونین نے جواب میں کچھ توقف سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

''زہر''۔

اس کے جواب میں اتنی قطعیت و سرد مہری تھی کہ وہ چند ثانیے دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ زبان حرکت کرنا بھول گئی۔

''اپنی بے رُخی و بے اعتنائی کے زہر سے ویسے ہی تم مجھے دھیرے دھیرے قتل کر رہی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو، میں تمہاری طرف سے غافل ہوں؟ نہیں...... ہرگز نہیں۔ تمہارا کترانا...... کمرے میں چھپ کر بیٹھنا...... فون نہ سننا...... میرا نمبر دیکھ کر سیل آف کر دینا...... کچھ بھی چھپا نہیں ہے مجھ سے''۔ اس کے گمبھیر لہجے میں سرد آنچ تھی۔

خضریٰ کی نگاہیں جھکتی چلی گئی تھیں۔ دل کی دھڑکنوں میں عجیب سوگوار سا انتشار برپا ہو گیا، وہ اضطراب میں ہونٹ دانتوں سے کاٹنے لگی۔

''میری حالت ذبح ہوتے جانور سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے، کیونکہ وہ گردن کٹ جانے کے بعد اذیت سے راحت پا لیتا ہے اور میں تو مسلسل کرب میں ہوں، کیونکہ مجھے ذبح کرنے کا طریقہ بالکل مختلف ہے۔ میری گردن کے بجائے جسم سے ابتداء کی گئی ہے''۔

"یہ سب لایعنی...... لاحاصل ہے"۔ بالآخر اس کا اعتماد بحال ہوا تھا۔ اس نے نگاہیں اُٹھائی تھیں مگر اس کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا اور انٹرکام پر کولڈ ڈرنگ کا آرڈر دیا۔

"جس دور میں ہم رہتے ہیں، یہاں سب ممکن ہے۔ صرف جذبوں میں صداقت ہونا شرط ہے......تم صرف ایک بار اقرار کر لو...... لاحاصل کو حاصل میں کر کے دکھاؤں گا"۔ اس کے لہجے میں سچی محبت کی کلیاں کھل اُٹھی تھیں۔ نگاہوں میں جذبوں کی شمعیں روشن اور انداز سے جنوں خیز عشق کی دیوانگی جھلک رہی تھی۔

"آئم سوسوری۔ میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی اور جذبات آپ کے لیے میرے دل میں نہیں ہیں"۔

"ا...... چھا میں مان جاؤں گا...... اگر یہی سب تم میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو تو......" اس کے چہرے کی اُڑی رنگت، کانپتے لب ورخسار، آنکھوں میں اُمڈتی نمی، لرزاں ہاتھ جن کی اُنگلیوں کو وہ اضطرابی انداز میں ایک دوسرے میں بار بار پیوست کر رہی تھی۔ وہ تمام حرکات وسکنات جو اس سے بلا ارادہ و بے اختیار سرزد ہو رہی تھیں، اس کے جذبوں کی حقیقت بیان کر رہی تھیں۔

وہ اقرار

وہ اظہار

وہ راز

جو وہ خود سے چھپا رہی تھی، نگاہیں چرا رہی تھی۔ وہ از خود ہی عیاں ہو رہا تھا۔ اپنا بھید کھول رہا تھا۔

محبت ایک خوشبو ہے۔

اور وہ پگلی اس خوشبو کو چھپانے کی سعی کر رہی تھی، پھر ناکامی کو مقدر بننا ہی تھا۔ خوشبو کو عیاں ہونا ہی تھا۔ سو وہ عیاں ہوگئی۔

"میں باہر کھڑا دروازے پر اس وقت تک دستک دیتا رہوں گا جب تک دروازہ کھل نہ جائے"۔ کونین کے لبوں پر دل کش تبسم تھا۔ اس کے چہرے پر یقین پالینے کی خوشی تھی"۔ تم نے کہا تھا میں غلط دروازے پر دستک دے رہا ہوں"۔

"ہاں کہا تھا اور...... اب بھی کہہ رہی ہوں یہ دروازہ کبھی وا نہ ہوگا"۔ وہ سرعت سے اپنی کیفیت پر قابو پا کر بولی۔

"میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو تو مانوں"۔ وہ شوخ ہوا۔ قبل اس کے کہ اس کی شوخیوں کو مزید موقع ملتا ختری کی کولڈ ڈرنگ کے بروقت آنے سے از خود ہی موضوع بدل گیا تھا اور ختری نے طمانیت بھری سانس لی تھی، جبکہ کونین کے لبوں پر بڑی آسودہ و پُرسکون مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

امتحانوں کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ آج کل لائبریری میں تمام سیٹیں بک تھیں۔ بک شیلف سے بکس نکلوائی جا رہی تھیں۔ ایسے میں جب بے فکرے و غیر سنجیدہ اسٹوڈنٹس بھی پڑھائی کی طرف راغب دکھائی دیتے تھے، ان مصروف ترین دنوں میں

رؤف عرف روکی کا شر پسند گروپ اپنی غیر نصابی وشر انگیز سرگرمیوں میں مگن تھا۔ اس بار ان کا منصوبہ امتحانی پرچہ حاصل کرنے کا تھا، تاکہ سرمایہ داروں کی بگڑی اولادوں کو فروخت کر کے منہ مانگی رقم اور دوسری من پسند مراعات حاصل کر کے عیش کر سکیں اور عین وقت پر جب وہ اپنے منصوبے کی کامیابی کے قریب قریب پہنچ چکے تھے۔ ذوالنون اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے ان کا تمام منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے تمام پیپرز منسوخ کر کے نئے سرے سے ترتیب دیئے تھے اور سخت ترین نگرانی کی جارہی تھی۔ سیاسی پشت پناہی کے باعث روکی کے خلاف کوئی سخت ایکشن نہ لیا گیا، صرف وارن کر کے چھوڑ دیا گیا تھا کہ اس نے آئندہ ایسی حرکت دوبارہ کی تو اسے جامعہ سے خارج کر دیا جائے گا۔ وہ اپنی ناکامی و بے عزتی پر سخت طیش میں تھا اور موقع کی تلاش میں، تاکہ ذوالنون اور اس کے ساتھیوں کو اچھی طرح مزہ چکھایا جائے۔ اس کی حالت گھائل ناگ کی مانند تھی۔

ذوالنون اور اس کے ساتھی روکی اور اس کے ساتھیوں کی فطرت سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں جو کرنا تھا، وہ کر کے مطمئن تھے اور محتاط بھی وہ کسی موقع پر ان کو حالات خراب کرنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ روکی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر دور سے ہی راستہ بدل لیا کرتے تھے۔

آج بھی یہی ہوا تھا۔ ذوالنون اور حیدر انہیں گیٹ کے پاس کھڑا دیکھ کر دوسرے راستے کی طرف بڑھ رہے تھے، جب روکی کے ساتھی نے بلند آواز میں ہٹ کی تھی۔

"بزدلوں کی طرح کہاں بھاگ رہے ہو......؟ اگر مرد ہو تو مقابلہ کرو، ورنہ چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھ جاؤ"۔ کئی تمسخرانہ قہقہے اُبھرے جن میں روکی کا قہقہہ سب سے بلند تھا، وہ بڑی اشتعال انگیز نگاہوں سے ذوالنون کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر گہری سرخی چھانے لگی تھی۔

"اسٹاپ اِٹ"۔ حیدر ان کی جملے بازی برداشت نہ کر سکا، وہ غصے میں بپھرا ہوا آگے بڑھا تھا۔ ذوالنون نے ہاتھ بڑھا کر سختی سے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے......میں بتاتا ہوں چوڑیوں کی ضرورت کس کو ہے......"

"ہوش سے کام لو، کیچڑ میں پتھر پھینک کر گندگی پھیلانا چاہتے ہو کیا؟" ذوالنون روکی کی طرف گھورتا ہوا ذومعنی لہجے میں گویا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ روکی نے جیکٹ کی اندرونی جیب سے ہتھیار نکالنے کے لیے ہاتھ اندر کیا ہی تھا کہ دور سے آتے پرنسپل کو دیکھ کر دانت بھینچ کر رہ گیا۔

"پرنسپل آرہے ہیں تم لوگ اِدھر اُدھر ہو جاؤ، شکار نکل گیا ہاتھ سے، کتنے دنوں بعد موقع ملا تھا"۔ اس کی انگارہ نگاہیں دور جاتے ہوئے ذوالنون پر تھیں۔

"کوئی بات نہیں استاد! بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی"۔ ان کے بے باک قہقہے فضا میں گونج اُٹھے تھے۔

''ہماری خاموشی اور گریز کو یہ گیدڑ ہماری کمزوری و بزدلی سمجھ کر خود کو شیر سمجھنے لگے ہیں، اب ان کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا''۔ حیدر نے غصے سے کہا تھا وہ سب کلاس کے باہر ٹیرس پر موجود تھے۔ حیدر کی زبانی سن کر وہ بھی مشتعل تھے۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم، ان کو ان کی اوقات یاد دلانی ہو گی۔ ہماری برداشت سے یہ لوگ ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں''۔

''اب کہ ان کا وہ حال کریں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا''۔

''اور نانی بھی.....'' مدثر، مامون کے بعد حیدر بولا، تو وہ ہنس پڑے۔

''تم بھی تو کچھ کہو، گوتم بدھ کے مجسمے کی طرح گم صم کھڑے ہو؟'' حیدر ذوالنون کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''امتحان ہونے تک کوئی کچھ نہیں کہے گا، ان لوگوں سے اُلجھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خود پڑھتے ہیں اور نہ کسی اور کو پڑھتا دیکھنا چاہتے ہیں''۔ اس کے انداز میں وہی سنجیدگی و قطعیت تھی جس کے آگے کسی کی بھی مجال نہ تھی ایک لفظ کہنے کی۔

وہ خاموش ہو گئے تھے۔ مامون کو بے قرار دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''تم کچھ کہنا چاہ رہے ہو؟''

''مجھے خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے، اگر انہوں نے پہل کی تو؟''

''پھر ہم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے''۔

☆......☆......☆

سعود اندر داخل ہوا تو اس حسین لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک کر رُک گیا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ خاصا پُر اعتماد انداز تھا اس کا۔

''آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر گویا ہوا۔

''چاندنی''۔ لڑکی نے اٹھلا کر جواب دیا۔

''پھر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں، آپ کو تو آسمان پر ہونا چاہیے تھا''۔ لڑکی کا بے تکلفانہ انداز سعود کے لیے حوصلہ بخش رہا تھا۔

''آپ ہیں کون؟ اور یہاں گیٹ کے پاس کیوں کھڑی ہیں؟'' معاً اس کی نگاہ اس کے لباس اور ہاتھ میں پکڑی جھاڑو پر پڑی تو وہ گڑبڑا کر گویا ہوا تھا۔

''میں نئی ملازمہ ہوں، یہاں جھاڑو لگا رہی تھی کہ آپ آ گئے''۔

''نوکرانی......؟'' وہ اس کے چہرے اور مناسب لباس اور ٹھیک ٹھاک حلیے کو دیکھتا ہوا حیرانی سے گویا ہوا۔

''ہاں صاحب! نصیب نصیب کی بات ہے''۔ اس نے مسکینی سی شکل بنا کر آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''صورت تمہاری نوکرانی جیسی نہیں ہے...... تمہیں تو...... رانی بننا چاہیے کسی کی''۔ اسے اپنی جانب راغب دیکھ کر سعود نے جذباتی انداز میں کہا۔

"چاندنی...... او چاندنی! کہاں مرگئی کمبخت۔ ذرا سا کام تجھ سے نہیں ہوتا۔ یہ تُو نے لاؤنج کی جھاڑو لگائی ہے، کارپٹ پر تمام کر کر ہو رہی ہے"۔ بی بی جان کی کراری پاٹ دار آواز نے سعود کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ اندر لاؤنج کی صفائی کا معائنہ کر رہی تھیں، ساتھ ساتھ تاثرات بھی جاری تھے۔

"ایک تو یہ بڑی بی ہر وقت بڑبڑ کرتی رہتی ہیں۔ اس عمر میں بھی ان کی آنکھوں میں دوربین فٹ ہے۔ معمولی سی دھول بھی نظر آجاتی ہے ان کو"۔ وہ منہ بنا کر بولی تھی پھر آگے بڑھتے ہوئے سعود کو دیکھ کر بولی۔

"آپ بہت اچھی باتیں کرتے ہیں پھر کب ملیں گے؟"

"کل اسی وقت"۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا اشارے سے بولا تھا۔ اسے ڈر تھا بی بی جان باہر آگئیں تو حشر ہو جانا ہے۔

"اری ٹو لڑکی ہے یا چھلاوہ؟" سعود کے مقدر نے یاوری کی تھی جو وہ دوسرے گیٹ سے اندر گیا تھا اور بی بی جان یہاں سے باہر آئی تھیں۔ "کیسی پارہ صفت لڑکی ہے، ایک جگہ مجال ہے جو ٹک جائے"۔ وہ کھوجتی نگاہوں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ان کی حساس سماعت نے چاندنی کی آواز سن لی تھی۔

"تھوڑی ہوا کھانے باہر آگئی تھی بیگم صاحب! صفائی کرتے کرتے دم گھٹنے لگا تھا"۔ بی بی جان کے جاہ و جلال کے آگے وہ زیادہ بول نہ پاتی تھی۔

"دم لینے رُک گئی تھی، ایسا کیا پہاڑ کھود ڈالا تُو نے نامراد۔ تیرے ہاتھوں میں دم نہیں، زبان میں بہت دم ہے، جب دیکھو چٹر چٹر چلتی ہے اور یہ بتا...... تو ابھی کس سے باتیں کر رہی تھی؟" وہ اسے گھور کر گویا ہوئیں۔

"میں...... میں کس سے باتیں کروں گی بیگم صاحب!" ایک لمحے کو وہ گڑبڑائی، پھر اطمینان سے بولی۔ جھوٹ بولنے میں ماہر تھی وہ۔

"میرے کانوں میں آوازیں آئی تھیں"۔ ان کا انداز ہنوز وہی تھا۔

"خود سے ہی باتیں کر رہی تھی۔ مجھے عادت ہے جی بولتے رہنے کی۔ کوئی ہو یا نہ ہو، میں خود سے باتیں کرتی ہوں بلکہ میری ماں کہتی ہے، میں رات کو بھی سوتے میں باتیں کرتی ہوں"۔ اس نے معصوم سی صورت بنا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اُڑتی چڑیا کے پَر گن لیتی ہوں اور یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں۔ میں دل کا حال نہیں جانتی، پر چہرے پڑھنے میں کوئی اس گھر میں میرا ثانی نہیں، سمجھی نا......؟ سوچ سمجھ کر رہنا۔ سب لوگ مجھے بی بی جان کہتے ہیں، تم بھی یہی کہنا۔ چل اب دھیان لگا کر کام کر"۔ چاندنی برق رفتاری سے اندر گئی تھی اور بی بی جان وہاں فضا میں پھیلی پرفیوم کی مہک سے اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگیں کہ یہ خوشبو کون استعمال کرتا ہے؟

☆......☆......☆

''مسز طلعت وہاٹ اے وومن؟ میری سمجھ میں یہ عورت نہیں آئی''۔ منال مدہوش خمار آلود لہجے میں فائقہ سے مخاطب تھیں۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنے پسندیدہ شغل سے فارغ ہوئی تھیں۔ فائقہ ڈرنک اور دوسرا سامان سیف میں رکھ رہی تھیں۔

''اتنی دولت، اتنی عزت اور بے حساب محبتیں ملنے کے باوجود وہ عورت خود کو بدل سکی نہ بیٹیوں کو۔ دیکھنے میں تو طلعت صاحب بھی ماڈرن، ہائی فائی نظر آتے ہیں مگر ذہنی اعتبار سے وہ بھی کنزرویٹو ہیں۔ پرانی قدروں پر چلنے والے اسٹوپڈ شخص''۔

''ایسے لوگوں کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے لکیر کے فقیر۔ دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے لیکن ایسے لوگ اپنی راہ پر گامزن رہتے ہیں''۔ فائقہ بیگم مے نوشی کا سامان لاک کر کے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''مجھ سے کہنے لگیں نماز پڑھا کرو، دُعا مانگا کرو، تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا، مسز طلعت میرے پاس سب کچھ ہے۔ محل نما بنگلہ، شان دار بزنس، خدمت کے لیے ڈھیروں نوکر، میرے پورٹیکو میں امپورٹڈ ماڈل گاڑیاں ہمہ وقت موجود رہتی ہیں۔ محبت کرنے اور خیال رکھنے کے لیے مما پپا ہیں اور سہارا بننے کے لیے دو جوان خوب صورت، شان دار وجیہہ بیٹے ہیں میرے پاس سب کچھ ہے پھر میں یہ سب کچھ کیوں کروں؟ بھئی ان لمبی لمبی نمازوں اور دعاؤں کی ضرورت تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جو غریب ہیں۔ جن کو دو وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی''۔

''پھر کیا بولیں وہ؟'' فائقہ ان کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے دلچسپی سے استفسار کرنے لگیں۔

''ان کے چہرے پر ایک دم ہی شدید خوف کے آثار اُبھر آئے۔ وہ کانپتے لہجے میں گویا ہوئیں۔ منال یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، فوراً توبہ کیجیے اللہ کی ذات سے تو بندے کو آخری سانس تک مانگنا ہوتا ہے۔ اس کی رحمت و ہدایت کی دعا تو ہمیں ہر لمحہ کرنی چاہیے اور ڈرتے رہنا چاہیے جو آپ نے کہا وہ آپ کی باتیں درست ہیں۔ اس ذاتِ پاک نے آپ کو بہت نوازا ہے، اس کا شکر جتنا ادا کیا جائے، کم ہے وہ ذات ایسی ہے، کسی کو نواز کر آزماتی ہے اور کسی کو بے نوا زے...... وہ مکمل وعظ کے موڈ میں تھیں۔ میں ہی بہانا بنا کر اُٹھ آئی''۔

''نشان کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ وہ سیدھی لیٹ گئی تھیں۔ خوب صورت چہرے پر حسرت و ملال، تشنگی و بے وقعتی، نا آسودگی و بے ثباتی کے رنگ گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ وہ مغرور آنکھیں جو کسی کی طرف نرم انداز میں اُٹھنے کی عادی نہ تھیں جن میں حقارت و تکبر بصارت کی طرح رہتا تھا، ان کی آنکھوں میں اس وقت وہ حزن و سوزنی بن کر تیر رہا تھا۔

کسی چٹان کی طرح اکڑی ہوئی بلند قامت دکھائی دینے والی منال اس وقت خاک کے ریزوں کی طرح بکھری ہوئی تھیں۔

''ایک بات ان کی میرے دل میں خار بن کر چبھ گئی''۔ دھیرے دھیرے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر انہوں نے فائقہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کون سی بات؟ انہوں نے کیا کہا؟'' بیٹی کے لہجے میں لرزاں اس لمحے وہ نامرادی و پژمردگی کی ایسی شدید تڑپ محسوس کر رہی تھیں جس نے ان کا دل بھی بے کل کر ڈالا تھا۔

"عورت جب بیوی بن جاتی ہے تو شوہر کی رفاقت میں زندگی گزارنا اس کی خوش نصیبی ہوتی ہے...... یہ...... یہ بات وہ عام انداز میں کر رہی تھیں مگر مجھے لگا، وہ مجھے سنا رہی ہوں اور...... اس پل مجھے لگا کہ دُنیا کی سب سے غریب...... سب سے فقیر عورت ہوں میں......"

بند ہوتی بوجھل آنکھوں کے گوشوں سے بے اختیار آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے تھے۔ چند لمحوں تک وہ بھرائے ہوئے لہجے میں حمزہ کو کوستی رہی تھیں، گالیاں دیتی رہی تھیں پھر آنکھیں بند کیے دُنیا و مافیہا سے غافل ہو گئی تھیں۔

"مائی پور گرل! ایک غلطی تمہیں عذاب میں مبتلا کر گئی ہے۔ جذبات کی حکمرانی دل پر چل سکتی ہے اگر دماغ پر بھی یہ غالب آنے لگیں تو اس طرح بہاریں خزاؤں میں بدل کر زندگی کی ہر خوب صورتی وحسن پر بدصورتی وبے سکونی کی خاک بکھیر دیتی ہیں"۔ وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی دُکھ سے سوچ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

صنوبر راحیلہ بیگم کے پاس بیٹھی خضریٰ کے متعلق گفتگو کر رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی وتفکرات کے سائے تھے۔

"فکر مند کیوں ہوتی ہو بہو! خضریٰ ایک قابل ڈاکٹر ہے۔ تم تو جانتی ہو، ڈاکٹر تو بن گئی ہے وہ، مگر دل چڑیا جیسا ہے، تکلیف میں مریض ہوتے ہیں اور تڑپتی وہ خود ہے۔ ہر ایک کا دُکھ درد اپنی جان سے لگانے کی عادی ہے وہ، اسی لیے اتنی کم گو و سنجیدہ ہو گئی ہے"۔ انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں ان کی تشفی کرنی چاہی تھی۔

"نہیں مما! مجھے کچھ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی بڑے ڈپریشن کے صدمات سے گزر رہی ہے۔ بات یہ نہیں ہے کچھ اور ہے"۔

"کیا بات ہو گی، پوچھ لیتی اس سے"۔ انہیں ان کے ان جذبوں کی پردہ داری رکھنی تھی، جو پردے میں رہتے تو اچھا تھا، اس لیے وہ اپنے لہجے میں لاپروائی وناآشنائی سمو کر کہہ رہی تھیں۔

"میں نے پوچھا تھا تو ہنس کر کہنے لگی، سب میرا وہم ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے، مگر میرا دل کہتا ہے ایسی کوئی بات ضرور ہے جو مجھ سے وہ شیئر نہیں کرنا چاہ رہی"۔ ان کے انداز میں ممتا کی بے چینی تھی۔

"مما! وہ آپ سے بہت کلوز ہے، آپ کی ہر بات مانتی ہے، آپ معلوم کریں اس سے کہ اسے کیا پرابلم ہے"۔

"اچھا...... اچھا میں معلوم کروں گی، تم خواہ مخواہ ٹینشن مت لو۔ ہریرہ کی بیوی کب تک آئے گی میکے سے؟"

"ایک ہفتے کا کہہ کر گئی ہیں"۔

"ایک ہفتہ......؟ کیسے گزرے گا، اسے گئے آج دو دن ہوئے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے گویا مہینوں گزر گئے"۔ ان کے انداز میں پوتے، بہو کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے، بہت محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ کتنی جلدی سب کو اپنا گرویدہ بنا چکی ہے۔ کونین بھی ماریہ کی بہت عزت کرتے ہیں اور مجھے اچھا لگتا ہے"۔

"ہاں مجھ سے بھی کہہ رہا تھا آپ کا اور آنٹی کا، ماریہ بھابی کے روپ میں بمپر پرائز نکل آیا ہے"۔ مسکراتے ہوئے ایک دم ہی افسردہ ہو کر گویا ہوئی تھیں۔

"ذوالنون کی مجھے فکر لگی رہتی ہے۔ وہ باپ کی جدائی اور ماں کی سخت طبیعت کا روگ لگا بیٹھا ہے۔ اس کی خاموشی، تنہائی، گہری سنجیدگی، جو اس کی شناخت بن چکی ہے، یہ اچھی نہیں ہے۔ اس عمر میں جب اس کے ہم عمر ہر دُکھ و سوچ سے مبرا زندگی کی مسرتیں و راحتیں کشید کر رہے ہیں اور وہ اندر ہی اندر راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح جل کر خاک ہو رہا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے"۔ اس کی فکر میں وہ ہمیشہ کی طرح آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"بہت لائق و حساس ہے وہ، اسی لیے سب سے الگ ہے۔ بھابی کے رویے سے زیادہ ذوالنون نے حمزہ بھائی کی جدائی کا اثر لیا ہے۔ بچپن سے آج تک وہ اسی غم و محرومی کو سینے سے لگائے ہوئے ہے"۔

"دُکھ کتنا ہی بڑا ہو، کسی سے شیئر کرنے سے گھٹ جاتا ہے، تکلف کی شدت ماند پڑنے لگتی ہے، وہ کچھ کہتا ہی نہیں، اندر ہی اندر جلا رہا ہے خود کو"۔

"بہت دن ہو گئے ہیں، کوئی چکر نہیں لگایا"۔

"میں جانتی ہوں اس کا مزاج مانع یہاں ماریہ کو دیکھنے اور ہمیں مبارک باد دینے نہیں آئی، اس لیے وہ مارے ندامت کے نہیں آیا"۔ راحیلہ بیگم دور رہ کر بھی دونوں پوتوں سے اور ان کے مزاج سے واقف تھیں۔ ایک عمران کی گھر میں جٹھانی، دیورانی سے سیاسی چالوں میں گزری تھی، اب وہ سب سے معتوب تھیں مگر نگاہ شناسی نہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

رات بادل خوب ٹوٹ کر برسے تھے۔ ہر شے دُھل کر نکھر گئی تھی۔ ابھی بھی آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، جس پر کبھی کبھی سفید بادل کا کوئی ٹکڑا جھومتا ہوا گزر جاتا تھا۔ بڑا خواب ناک ماحول تھا۔ خوشگوار ہواؤں کے مست جھونکے نیچے لان میں لگے خوب صورت پھولوں کی خوش نما گھاس و درختوں کی چمکتی ہریالی سرمئی ماحول میں روح کو تراوٹ بخش رہی تھی۔ دھیمی دھیمی پھوار پھر گرنے لگی تھی۔

"مجھے معلوم تھا تم یہیں پر ہی ہو گی"۔ ثمرین ٹرے میں دو مگ بھاپ اُڑاتی چائے لے کر وہیں چلی آئی تھی ٹیرس پر۔

"موسم بہت خوب صورت ہو رہا ہے"۔ حورین نے اس کے لیے کرسی آگے کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ان کپڑوں میں تم بھی موسم کا ایک حصہ لگ رہی ہو بلکہ...... بادل کا ایک ٹکڑا"۔ وہ مگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے اس کے سرمئی لباس کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی جس میں اس کی گلابی رنگت نمایاں تھی۔

"زویا کہاں ہے؟"

"سو رہی ہے، پڑی ہوئی، نہ معلوم اس لڑکی کو اتنی نیند کیوں آتی ہے؟ آج موسم کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں گئے تو وہ نیندیں پوری کر

رہی ہے"۔ وہ زویا کے زیادہ سونے کی وجہ سے بہت چڑتی تھی۔

"سونے دو، کیوں چڑتی ہو اس کے سونے سے......؟" وہ چائے کا کپ لیتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"بی بی جان نے دیکھ لیا تو وہ حال کریں گی کہ رات بھی سونے سے ڈرا کرے گی"۔

"اس کے جلے کٹے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ شفق رنگ رخساروں پر گہرے گڑھے پڑے تھے جنہوں نے اس کے صبیح چہرے کو مزید جلا بخشی تھی۔ موحل نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"تم لوگ کچھ دنوں سے کس موضوع پر ڈسکس کرتے ہو جو تمہارے چہروں سے فکر مندی وتشویش جھلکنے لگتی ہے؟"

"آج کل روکی گروپ سے ان کی زبردست چپقلش چل رہی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ روکی گروپ جامعہ میں کسی ہنگامہ آرائی کی کوشش میں مصروف عمل ہے اور ذوالنون بھائی اور ان کے دوستوں کی کوشش ہے کہ وہ سب نہ ہو پائے جو وہ کرنا چاہ رہے ہیں تاکہ امتحانات اچھے ماحول میں ہو جائیں"۔

"اب ایسا بُرا بھی نہیں ہے وہ...... یہ تمہارے ذوالنون صاحب اور ان کے ساتھی خواہ مخواہ ہیرو بننے کے لیے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں"۔ وہ چائے پیتے ہوئے منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم ان سے بلاوجہ کی دشمنی میں کچھ خود غرض ہو گئی ہو، اسی لیے منع کرنے کے باوجود تم ان سے ملتی ہو، حالانکہ جامعہ کی ہر عقل مند و باشعور لڑکی ان کی پرچھائیں سے بھی بچ کر گزرتی ہے، تم جانتی نہیں ہو۔ وہ کتنے گرے ہوئے چیپ لوگ ہیں یا تم جاننا بھی نہیں چاہتی ہو"۔ وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔

"تم ہر دفعہ اس شخص کی حمایت کرتی ہو جو کبھی وقت پڑا تو تمہاری حمایت نہیں کر سکتا۔ تم کیوں اس کی سائیڈ لیتی ہو؟" حسب معمول پھر ان کے درمیان ذوالنون کی ذات تنازع بن رہی تھی۔

"پلیز حورین! سمجھنے کی کوشش کرو"۔

"اوکے، میں سمجھ گئی، اب تم کہو کیا کہتا ہے تمہارا ہیرو؟" حورین کے انداز پر موحل مسکرانے لگی۔

"وہ میرا ہیرو نہیں، بھائی ہیں"۔ موحل نے ہنس کر وضاحت کی۔

"اچھا...... یہ انقلاب کب ہوا؟" حورین طنزاً بولی۔

"کچھ دنوں سے کافی تبدیلی آ گئی ہے ان میں، اب ہم سے گفتگو بھی کر لیتے ہیں مگر انداز میں وہی سنجیدگی و وقار ہوتا ہے۔ تم تو ہم سے دور دور ہی رہتی ہو، اس لیے تمہیں کیا معلوم"۔

"مجھے کچھ معلوم کرنا بھی نہیں ہے"۔ اس نے شانے اُچکاتے ہوئے کہا۔

"حیدر بتا رہا تھا، روکی نے جو حرکت کی اور موقع پر پکڑا گیا، اپنی اس ناکامی اور اسٹوڈنٹس پر رعب قائم کرنے کے لیے وہ چاہتا

ہے کہ کسی وجہ سے ہنگامہ ہو، یونیورسٹی بند ہو جائے، امتحان نہ ہوں تاکہ اوّل اس کا جو رعب و دبدبہ ہے، وہ قائم رہے اور دوئم آئندہ کوئی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اس لیے وہ ان لوگوں کے علاوہ دوسرے اسٹوڈنٹس کو بھی تنگ کر رہا ہے"۔

"جو ہوگا، دیکھا جائے گا، آؤ نیچے چلتے ہیں بارش تیز ہونے لگی ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے آ گئی جہاں سعود کی آواز آ رہی تھی۔

چاندنی او میری چاندنی

چاندنی او میری چاندنی

اسے معلوم نہیں تھا، وہ دونوں اوپر سے آ رہی ہیں، وہ گیلری میں رکھے پودوں کی صفائی کرتی چاندنی کو دیکھتے ہوئے گا رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹوں سے وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔

"یہاں ابھی کون تھا؟" مومل پُرسکون انداز میں کام کرتی چاندنی سے مخاطب ہوئی تھی جس کے انداز میں ذرا بھی ڈر، خوف یا گھبراہٹ نہ تھی۔

"کوئی نہیں تھا بی بی جی!"

"کوئی تو تھا، اس کے گانے کی آواز میں نے خود سنی ہے"۔

"گانے کی آواز مالی کے کوارٹر سے آ رہی ہو گی"۔ وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"اچھا...... میوزک کے بغیر گانے کی آواز"۔

"میں کیا جانوں...... جب کام کرتی ہوں تو کان بند کر لیتی ہوں"۔

"ہاں ٹھیک بول رہی ہے تُو، کان بند رکھتی ہے، منہ کھولے رکھتی ہے"۔ بی بی جان بگڑے تیور لیے وہاں آ کر چاندنی سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"اری دیدی ہوئی تجھے کتنی مرتبہ کہا یوں کونوں کھدروں میں کام نہ کیا کر، تجھے حمیرا، امیرا کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹوانے کے لیے رکھا ہے یا اس طرح گھر کے کونوں میں چھپکلی کی طرح چپکنے کے لیے......"

"مجھے تو جی صفائی پسند ہے۔ کچن میں مرچ مصالحوں کی بو سے میرا دم گھٹتا ہے۔ سبزیاں کاٹنے سے میرے ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں"۔ اس نے بڑے انداز سے اپنی پسند ناپسند سے آگاہ کیا، حورین نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔ مومل اسے گھور رہی تھی۔

"آئے ہائے مہارانی کے مزاج تو دیکھو"۔ بی بی جان نے شدید غصے میں اس کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔

"خیرون نے ایک جیتی جاگتی مصیبت میرے لیے بھیج دی۔ ایک نمبر کی چھلاوا لڑکی۔ ایک پل میں اِدھر، ایک پل میں اُدھر، جوان جہان لڑکوں کا گھر ہے، میں کہاں تک چوکیداری کروں......؟ اوپر سے اس لڑکی کے چلتر مجھے ٹھیک نہیں لگتے، پرچھائیں بن کر رہنا پڑتا ہے مجھے اس کی"۔

"چھٹی کریں تائی بی جان! اس کی، کیوں سر درد رکھا ہے؟"

"نہیں نہیں...... ایسی بات نہ کہیں جی، میری بوڑھی بیوہ ماں اور چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کے پیٹ سے روٹی کیوں چھینتی ہو"۔ وہ ایک دم ہی ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگی۔

"اچھا...... اچھا ہاتھ مت جوڑ، ہم بھلا کیوں کسی کی روزی پر لات ماریں گی۔ ہم ہوتے کون ہیں، سیدھی طرح کام کر، نہ تجھے شکایت، نہ ہمیں شکایت"۔ وہ اوپر سے جتنی سخت نظر آتی تھیں، اندر سے بالکل نرم تھیں۔ منہ پھٹ وصاف گو تھیں مگر لحاظ ومروت کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑتی تھیں۔ چاندنی کو حواس باختہ ہاتھ جوڑے دیکھ کر وہ موم کی طرح پگھل گئی تھیں۔

"بہت بڑی اداکارہ ہے یہ لڑکی۔ گھر کے لڑکوں کو اس نے اُلّو بنایا ہوا ہے۔ کبھی کوئی اظہار عشق فرما رہا ہوتا ہے تو کبھی کوئی گیت سنا رہا ہوتا ہے۔ کل وصی معلوم ہے کون سا شعر سنا رہا تھا؟"

"چاندنی! آج سے میں نے اپنا نام چاند رکھ لیا ہے کیونکہ......

چاندنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں

محبت ایک سے ہوتی ہے ہزاروں سے نہیں

دونوں ہنس پڑیں۔

"سب معلوم ہونے کے باوجود تم بی بی جان کو کیوں نہیں بتاتیں؟"

"میں جانتی ہوں یہ سب وقت گزاری ہے، ورنہ اس گھر کے لڑکوں کی پسند ایسی چیپ نہیں ہو سکتی"۔

"مجھے تمہاری عادت بہت پسند ہے سول! تم سب میں اچھا دیکھتی ہو، اچھا سمجھتی ہو"۔ وہ سول کی طرف دیکھتے ہوئے توصیفی لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم بہت بہت اچھی ہو بس......" وہ کچھ آگے کہتی کہ ایک دم اس کا پاؤں سلپ ہوا تھا۔ وہ بے اوسان گری تھی۔ سر دیوار سے ٹکرانے کے باعث خون نکل آیا تھا۔ سول کو سہارا دینے کی خاطر آگے بڑھنے والی حورین اس کے سر سے نکلتے خون کو دیکھ کر ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ اس کی چیخوں نے لمحے بھر میں سب کو وہاں جمع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

آنسو کا اِک قطرہ

اور پانی کی اِک بوند

شکل وشباہت ایک جیسی لیکن

دونوں کی حیات ہے کتنی

پھیلتے ہی، چمکتے ہی

اِک لمحے کو ٹھہرتے ہی

اگلے لمحے کھونا، فنا ہو جانا

فرق صرف اتنا ہے ان میں

پانی اِک بوند پڑے کا گماں دے جائے

اور آنسو کا یہ قطرہ جذبات کا بیاں دے جائے

"کیوں سوچتے ہو اتنا بیٹا! سوچیں تنہائیوں کے جنگل میں بھٹکا دیتی ہیں، جہاں انتشار کے ناگ و تفکر کے بچھو ڈستے رہتے ہیں"۔ سر آفتاب حسن نے چائے کا کپ ساسر سمیت اس کی طرف بڑھاتے ہوئے متانت سے کہا۔

"یہ سوچیں ہی تو میری سچی رفیق ہیں سر! ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس جانے کے لیے مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آتی ہے۔ آہٹ پاتے ہی یہ مجھے اپنوں کی طرح پناہ میں لے لیتی ہیں اور میں بند آنکھوں سے وہ دیکھنے لگتا ہوں جو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا"۔ وہ بھاپ اُڑاتی چائے کے سِپ لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

پروفیسر آفتاب حسن نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ آسمانی کلر کے کاٹن کے کلف شدہ شلوار سوٹ میں اس کے چہرے پر ایک ایسی گھمبیرتا تھی جس سے اس کی محرومیاں وہ تمام ناآسودہ و نامکمل خواہشات بے نقاب ہو جاتی تھیں جن کو وہ سرد مہری و لاتعلقی میں چھپائے رکھتا تھا۔ بہت کم لوگ تھے ایسے جن کے آگے اس کی محرومیوں و ناآسودگیوں کا پردہ گر جایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک پروفیسر آفتاب بھی تھے

"دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ جو گزر گیا، اسے بھولنا بہتر ہے۔ ابھی آپ کے آگے ساری لائف ہے، گزرے وقت کو بھول کر آنے والے وقت کو سنوارنے کی جستجو کریں۔ خوشیوں کے خزانے پوشیدہ آپ کے منتظر ہیں۔ انہیں کھوجیں، تلاشیں پھر دیکھئے گا ساری مسرتیں آپ کی دسترس میں ہوں گی۔ زندگی بہت خوب صورت ہے"۔

"شاید...... میرے لیے کبھی بھی خوب صورت نہ ہوگی"۔ اس کی خوب صورت گرے آنکھوں میں سرخی سی چھانے لگی تھی۔

"غلط بات، بہت خراب بات ہے یہ۔ اُمید تو مومن کا ہتھیار ہے۔ مایوسی کی اندھیری راہوں کا چراغ ہے، اُمید ہی تو دراصل بندے کا اپنے رب کی ذات پر یقین کا اظہار ہے۔ کتنی غلط سوچ ہے آپ کی"۔ وہ مارے جذبات کے چند لمحوں میں چائے ختم کر کے اس سے خفگی سے مخاطب ہوئے۔

"اُمید تو وہ پتنگ ہے، جس کی ڈور آخری سانس کے ساتھ ہی ٹوٹتی ہے پھر مسلمان کا نااُمید ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"سر! یہ مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں"۔ اس نے خالی کپ ساسر پر رکھتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"ہر شے کے دو عکس ہوتے ہیں، ایک اچھا اور ایک بُرا۔ ایک خوب صورت اور ایک بدصورت۔ ایک شیریں اور ایک تلخ۔ ایک مثبت اور ایک منفی، آپ بچپن سے آج تک صرف نیگیٹو سائیڈ دیکھتے آئے ہیں"۔

"سر! اس میں میری کوئی خطا نہیں، جو مجھے دکھایا گیا، وہی میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں کے پاس بہت سارے رشتے ہوتے ہیں، دوستیاں ہوتی ہیں، مشغلے ہوتے ہیں، وہ ان کے ساتھ لائف انجوائے کرتے ہیں، میرے پاس صرف ایک بابا تھے اور مجھے ان کے ہوتے ہوئے کسی اور رشتے کی ضرورت بھی نہ تھی، وہ میرے لیے تنہا ہی سب کچھ تھے"۔ وہ اندر سے سمندر کی لہروں کی طرح مضطرب ہونے لگا تو اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

"کیا باپ اور بچوں کا رشتہ اتنا ہی بے وقعت و بے جان ہوتا ہے کہ کسی عورت کی خاطر سب کو لمحے بھر میں ٹھوکر مار کر توڑ دیا جائے...... چھوڑ دیا جائے؟" بچپن کی وہ بے رحم یادیں ذہن کی اسکرین پر پھر اُبھرنے لگی تھیں، گو کہ وقت کی دھول نے سب کچھ دھندلا دیا تھا۔ تمام چہرے گڈمڈ ہو گئے تھے مگر اس واقعہ کی تمام جزئیات اسے پوری طرح ازبر تھیں۔

"کول ڈاؤن میرے بچے! ریلیکس...... ریلیکس......" پروفیسر آفتاب حسن نے اُٹھ کر اس کی پیشانی چومی تھی، پھر اسے صوفے پر اپنے قریب بٹھا کر بہت محبت و شفقت سے گویا ہوئے۔

"دو عورتوں کی وجہ سے ہماری درمیان جدائی آئی اور اب میری نالج کے مطابق عورت ہے ہی قابلِ نفرت"۔

"نہیں، غلط بالکل غلط"۔ وہ سادگی سے مسکرائے تھے۔

"سر! آج آپ عہد کر کے بیٹھے ہیں کہ میری ہر بات کو غلط ثابت کریں گے؟" وہ اپنی سابقہ منتشر حالت پر قابو پا کر مسکرا کر بولا۔

"ارے یہ آپ نے کیسے سوچ لیا"۔ جواباً وہ بھی ہنس پڑے تھے۔

"آپ کی باتیں بتا رہی ہیں"۔ اس کے لبوں پر بھی نرم مسکراہٹ تھی، جو اس کے وجیہہ چہرے کو دل کش بنا رہی تھی۔

"ہاں میں ہاں ملانے والے دوست ہوتے ہیں، نہ عقل مند آپ سے حقیقی و سچی محبت کرنے والا وہی شخص ہے جو آپ کو غلط پر روکے اور درست سمت رہنمائی کرے...... آپ کو اپنے دل و دماغ سے اس غلط فہمی کو نکالنا ہو گا کہ عورت ذات فساد کی جڑ ہے۔ لائقِ عزت و احترام نہیں ہے، قابلِ نفرت ہے"۔ وہ دھیمے لہجے میں اسے سمجھانے لگے۔

"محبت آدم علیہ السلام کی روح ہے، محبت کے بغیر جنت کی خوب صورتی بھی بے رنگ ہے۔ محبت کے خمیر سے ہی عورت نے جنم لیا ہے ذوالنون، آپ کو معلوم ہو گا اللہ نے آدم علیہ السلام کو بنایا، ہر آرام و آسائش جنت میں دیں مگر جنت بھی حوا کے بغیر آدم علیہ السلام کے لیے بے رونق تھی"۔

ذوالنون بہت خاموشی سے سن رہا تھا۔

"عورت اور مرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں"۔

"بدلتے وقت نے پرانی قدروں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس وقت کی محبت اور آج کی محبت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا دن و رات میں ہے"۔

"نہیں بیٹا! سچی محبت ہمیشہ لازوال ہوتی ہے۔ یہ وہ چاند ہیں جن کو کبھی گرہن نہیں لگتا، یہ وہ پھول ہیں جو کبھی مرجھاتے نہیں۔ یہ وہ درد ہے جو ہمیشہ سینے میں دل بن کر دھڑکتا رہتا ہے۔ یہ محبت آدم علیہ السلام کی میراث ہے، یہ وہ شمع ہے جو دل کے ایوانوں میں ایک بار ضرور روشن ہوتی ہے اور روح تک منور کر ڈالتی ہے"۔ پروفیسر آفتاب حسن کی عینک کے دبیز شیشوں کے پار سے نظر آنے والی ہر دم بجھی بجھی آنکھوں میں کچھ دیے لو دینے لگے تھے، ان کا انداز کھویا سا تھا۔

"میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں سر! شاید مجھے کبھی یقین نہیں آئے گا"۔ اس کی بھاری آواز میں بے یقینی کی گہرائی تھی۔ پروفیسر آفتاب حسن نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا، پھر پُر شوق انداز میں گویا ہوئے۔

"آپ یقین کرو گے"۔

"ناممکن ہے سر!"

"جب محبت کی کونپل پھوٹتی ہے تو میرے بیٹے! ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے، یہاں سب ایک بار محبت ضرور کرتے ہیں اور آپ بھی کرو گے......"

"او مائی گاڈ! یہ آپ مجھے دعا دے رہے ہیں یا بددعا؟" وہ منہ بنا کر اس بُری طرح جز بز ہوا تھا کہ اس کے تاثرات دیکھ کر آفتاب حسن ہنسنے لگے تھے۔

"یہ احساس بعد میں ہوگا بچے! یہ دُعا ہے یا بددُعا...... کیونکہ یہ وہ آگ ہے جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے"۔

"او کے سر! میں چلتا ہوں"۔ وہ نوٹس پیپرز اُٹھاتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہوں...... ضرور"۔ وہ اسے چھیڑنے لگے۔

"نہیں سر! آپ سے بھاگ کر کہاں جاؤں گا؟ آپ کے پاس آ کر میری وحشتوں کو سکون ملتا ہے، زندگی سے شناسائی ہونے لگتی ہے"۔ اس کے لہجے میں ان کے لیے بڑی عقیدت و احترام تھا۔

"پارٹی امتحانوں کے بعد فائنل ہے نا؟"

"پارٹی...... جو آپ کہیں گے سر، وہی ہوگا"۔ پارٹی سے البتہ اسے وہ خواب یاد آ گیا اور وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

موحل کے سر میں معمولی زخم آیا تھا، وہ نارمل تھی۔ اس کی بہ نسبت حورین ابھی تک خوف زدہ تھی۔ موحل کے سر سے بہتے خون نے اسے بُری طرح حواس باختہ کر ڈالا تھا اور چیخ چیخ کر اس نے سب ہی کو اس کی طرف دوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

کل سے اب تک اسی طرح گم صم تھی، سب نے موحل سے زیادہ اس کی دل جوئی کی تھی۔ سمیرا، حمیرا، آفاق صاحب، صادق صاحب اور خود بی بی جان اس کی دل جوئی کر رہی تھیں۔ نوجوان الگ اس کا خیال رکھ رہے تھے۔ وہ ان کی اس قدر محبت واپنائیت پر شرمندہ تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ وہ سب کو نارمل نظر آئے اور کوشش کے باوجود وہ اپنے چہرے پر چھائی دہشت وخوف سے چھٹکارا نہ پا رہی تھی۔ اس کے شعور میں بچپن کا خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اسے اب بھی وہ سب اچھی طرح یاد ہے جب ایک مرتبہ اس کے پاپا شیو بنا رہے تھے، وہ بھاگتی ہوئی واش روم میں داخل ہوئی تھی اور پاپا سے لپٹ گئی تھی اور دوسرا لمحہ بڑا بھیانک تھا۔

واش روم کے وائٹ ماربل فرش پر سرخ سرخ خون تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔ اس نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا تو پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔ پاپا کے شانوں پر پڑا وائٹ تاول، ہاتھ میں پکڑا ریزر گلے سے نکلتے خون میں سرخ تھے اور اسی وقت اس کے منہ سے ہذیانی چیخیں نکلنے لگی تھیں پھر اسے ہوش نہ رہا تھا اور کافی دنوں تک وہ اسی خوف کے زیر اثر اسپتال میں ایڈمٹ رہی تھی۔ باپ کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ رفتہ رفتہ نارمل ہوگئی تھی مگر یہ خوف اس کے ساتھ ساتھ جوان ہوتا آیا تھا۔ وہ آج بھی کسی کا معمولی سا خون دیکھ کر ایسی ہی وحشت وخوف میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

"ویسے تو بڑی بہادر بنتی ہو، معمولی سا خون دیکھ کر ابھی تک تمہارے حواس گم ہیں، کیا ہوگا تمہارا؟ کیا ہوگی بڑی ہو کر......" ہریرہ نے کل سے چھیڑ چھاڑ کر اسے زچ کر رکھا تھا۔

"شٹ اَپ ہریرہ! میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی"۔ وہ اسے گھور کر گویا ہوئی۔

"بندہ اسی آس میں جی رہا ہے"۔ وہ بائیں آنکھ دبا کر ڈھٹائی سے گویا ہوا۔

"لگاؤں بی بی جان کو آواز......؟" وہ غصے سے بل کھا کر گویا ہوئی، ہریرہ ہنس پڑا۔

"ہریرہ بھائی! کیوں تنگ کر رہے ہیں، ایک تو ویسے ہی کل سے اس قدر اس کا خون خشک ہو چکا ہے"۔ موحل نے حورین کی سائیڈ لی۔

"اس کو کہتے ہیں مدعی سست، گواہ چست۔ چوٹ تمہیں لگی ہے اور خون اس کا خشک ہو گیا"۔ وہ باز آنے والا نہ تھا۔

"موحل! تم نے ابھی میڈیسن لی ہیں اب سو جاؤ، میں کل یونیورسٹی چلی جاؤں گی، کلاسز اٹینڈ کروں گی تو نوٹس مل جائیں گے، وہ ہم شیئر کر لیں گے، تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے"۔ حورین موحل کے پاس سے اٹھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم اکیلی ہو جاؤ گی؟ زویا کو بھی فلو ہو رہا ہے"۔

"ہاں تو کیا ہوا، وہاں ثمرین ردا بھی تو ہوں گی"۔

"ٹھیک ہے...... مگر اپنا خیال رکھنا"۔

"اور ساتھ فیڈر ضرور لے کر جانا"۔ ہریرہ نے ٹکڑا لگایا، جواباً وہ اسے مارنے کے لیے پیچھے بھاگی تھی۔

موحل کروٹ لے کر ہنس پڑی تھی۔

ثمرین اور روا یونیورسٹی نہیں آئی تھیں۔ وہ کچھ کوفت میں مبتلا ہوئی تھی، ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ تنہا ہو، پہلا پیریڈ اٹینڈ کر کے وہ لائبریری کی جانب بڑھ گئی تھی، اوپر سے گزرتے ہوئے وہ نیچے بکھرے اسٹوڈنٹس کو بے فکری سے خوش گپیوں میں مگن دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

امتحانات کی تاریخ آ چکی تھیں۔ دو ہفتوں بعد امتحان ہونے تھے۔ طلبا کو دیکھ محسوس نہ ہوتا تھا کہ امتحان ہونے والے ہیں۔

''السلام علیکم مس!'' اس نے مڑ کر دیکھا، اس سے کچھ ہی فاصلے پر وہ سب کھڑے تھے۔ بلیو جینز، وائٹ شرٹ میں ملبوس کھڑے شخص پر بے ساختہ اس کی نگاہ اٹھی تھی۔

اس کے چہرے پر اسے کچھ پریشانی و فکر مندی کے سائے نظر آئے تھے۔ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے دھیمے لہجے میں کچھ گفتگو کر رہا تھا۔

''آپ اکیلی ہیں آج؟'' حیدر اسے تنہا دیکھ کر استفسار کرنے لگا۔

''جی..... زویا اور موبل کی طبیعتیں ٹھیک نہیں ہیں، ثمرین اور روا نہ معلوم کیوں نہ آئیں''۔

''اگر آپ تنہائی محسوس کر رہی ہیں تو ہماری کمپنی میں آ سکتی ہیں''۔

''نو تھینکس، مجھے امتحان کی تیاری کرنی ہے''۔

''او کے، اگر پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو ہم حاضر ہیں''۔ حیدر ویسے بھی اسے بہت زیادہ تعظیم دیتا تھا۔

''تھینکس''۔ وہ سیدھی لائبریری روم میں آ گئی، وہاں بھی زیادہ تر چیئرز خالی پڑی تھیں، بہت کم طلباء وہاں تھے، وہ کتابیں لینے کے لیے ریکس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

انس اور کرن بیڈ پر نیم دراز تھے۔ واک سے واپس آ کر وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئے تھے۔ کرن ان سے گویا ہوئی تھیں۔

''نہ معلوم کب حورین کا بچپنا جائے گا، ابھی بھی بچوں جیسی ضد کرتی ہے''۔ انس کے لبوں پر تبسم جاگزیں ہوا۔

''ہوں..... کیا کہتی ہے ہماری بیٹی؟''

''اچھا..... گویا آپ تو جیسے جانتے ہی نہیں ہیں؟'' ان کے انداز میں مصنوعی ناراضی تھی۔

''آپ بتائیں گی تو جانیں گے''۔

''وہ کہتی ہے ہم اس سے ملنے کراچی جائیں، وہ ایگزام کی وجہ سے آ نہیں سکتی''۔ ان کے لہجے میں اضطراب ہچکولے لینے لگا۔

''رائٹ پھر چلتے ہیں''۔

''انس! آپ سب جانتے ہوئے بھی کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں..... کرن اس خوف کے خول میں کب تک یوں زندگی کو بے رنگ کرتی رہو گی۔ ہر ڈر، ہر خوف کی ایک حد ہوتی ہے۔ کب

نکلو گی اس بودے خوف کے چنگل سے، جس نے ہماری سب کی زندگی بے مزہ کردی ہے"۔انس اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کرنرمی سے گویا ہوا۔

"یہ خوف بے وجہ نہیں ہے، آپ جانتے ہیں"۔وہ ان سے ہاتھ چھڑا کر کانپتے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کچھ بھی ہو......اب اس خوف کی دیوار کو ہم نے توڑنا ہے۔کرن! اپنی زندگی ہم نے جی لی، جس طرح بھی جی مگر اب ہماری زندگیاں ہماری بیٹی سے وابستہ ہیں۔میں اسے کسی خوف کے چنگل میں تاحیات سرگرداں بھٹکتے نہیں دیکھ سکتا۔اس کے لیے تمہیں حوصلہ کرنا ہوگا، مقابلہ کرنا ہوگا۔ہمارے لیے نہیں، اپنی بیٹی کے لیے، اس کے اچھے مستقبل کے لیے"۔

"انس! آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے، وہ انسان نہیں"۔

"وہ جو کوئی بھی ہیں، میں ان کو بتادینا چاہتا ہوں، میں کون ہوں، بہت برداشت کرلیا میں نے تمہاری خاطر......مگر اب اپنی بیٹی کی خاطر میں برداشت نہیں کرسکتا، مارو یا مرجاؤ، اسی پر فیصلہ ہوگا اب"۔بہت عرصے بعد اس نے انس کو غصے میں دیکھا تھا اور وہ کچھ کہہ نہ سکی تھیں۔

☆......☆......☆

فائل پر اس کا قلم رواں تھا کہ ایک دھماکا ہوا تھا اور پھر یکے بعد دیگرے کئی فائرز کی آوازیں خاموش ماحول میں گونج اٹھی تھیں، وہاں موجود طلبا میں افراتفری مچ گئی۔وہ سب گیٹ کی طرف سرپٹ بھاگے تھے، ان کی بدحواسی و دھکم پیل سے وہاں عجیب شور مچ گیا تھا۔

اس نے کبھی ایسا ماحول دیکھا نہ تھا۔وہ دھڑکتے دل سے ان کو تیزی سے بھاگتے دیکھ رہی تھی۔

"بیٹی! نکلو یہاں سے نیچے زبردست ہنگامہ ہورہا ہے، کتنے ہی اسٹوڈنٹس چلے گئے ہیں، آپ کیا کررہی ہو یہاں؟ وہ پیون یہاں کے دروازے لاک کرنے آیا تھا۔اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر حیرانی سے گویا ہوا، اس کی آواز سن کر حواسوں میں لوٹی تھی۔کانپتے ہاتھوں سے ٹیبل سے اس نے سامان سمیٹا تھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئی تھی۔نیچے نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا دل بالکل ہی بے قابو ہوگیا تھا۔کچھ دیر قبل جہاں زندگی کی خوب صورتیاں بکھری تھیں، اب وہاں موت کا بدصورت سناٹا چھا رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ اسی اثنا میں حیدر بھاگتا ہوا اوپر آیا تھا۔

"مجھے یقین تھا آپ یہیں ہوں گی، چلیں آپ کو یہاں نہیں رُکنا چاہیے تھا"۔حیدر نے تیزی سے کہتے ہوئے اس کے کانپتے ہاتھوں سے فائلز لی تھیں۔وہ پریشان نگاہوں سے حیدر کی بلیو شرٹ پر سرخ سرخ دھبے دیکھ رہی تھی۔اس کے چہرے پر گردن پر بھی زخم تھے، جن سے خون رس رہا تھا۔

"یہ......یہ......یہ سب کیا ہورہا ہے؟ فائرنگ اور تمہارے زخموں سے خون نکل رہا ہے"۔وہ روہانسی لہجے میں گویا ہوئی۔

"جلدی کریں، ابھی وقت نہیں ہے، کوئی بھی کولی یہاں آسکتی ہے، پلیز آپ میرے ساتھ آئیں"۔حیدر اسے پچھلی سائیڈ سے

چھپتا چھپاتا ایک آفس ٹائپ روم میں لے آیا تھا۔ وہ روم میں بڑھ گیا تھا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم؟ میں نے کہا تھا نہ وہ چلی گئی ہوگی پھر بھی......'' حورین کو حیدر کے پیچھے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا اور حورین کے قدم تو گویا زمین سے چپک گئے۔ وہ خوف زدہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی جس کی وائٹ شرٹ خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ فرش پر خون کے دھبے پھیلے ہوئے تھے۔

''کم آن سسٹر!'' حیدر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا جس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ذوالنون نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

متوحش چہرہ، رنگت زرد

خوف و دہشت سے آنکھیں پھٹی ہوئیں، اگر حیدر آگے بڑھ کر اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ گر پڑتی۔

ذوالنون نے غیر ارادی طور پر اسے کرسی پیش کی تھی اور کولر سے پانی کا گلاس بھر کر دیا تھا مگر اس نے پانی نہیں پیا اور ایک دم ہی ہی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونا شروع کر دیا تھا۔

......❁......

ذوالنون نے استعجابیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ ڈارک بلو سوٹ میں اس کی صاف و شفاف رنگت نمایاں تھی، چہرے کے گرد لپٹے دوپٹہ حیا باز و اور لرزتا، کانپتا اس کا نازک سراپا اس کے لیے بہت انوکھا و نیا تھا سب کچھ...... گلاس ریک میں رکھتے ہوئے اس نے حیدر کی طرف دیکھا جو شدید تکلیف کے باعث بول نہیں پا رہا تھا۔

''چلو...... میں تمہاری ڈریسنگ کر دوں، بلیڈنگ زیادہ ہونے لگی ہے''۔ وہ حیدر کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

باہر اب بالکل خاموشی تھی۔

حورین کا خوف و دہشت سے بُرا حال تھا، وہ خود کو اِن لوگوں کے درمیان دیکھ کر عجیب محسوس کر رہی تھی پھر ماحول پر چھائی وحشت اور یہاں کی خون کی سرخیاں دیکھ کر اس کا خوف مزید بڑھ گیا تھا اور وہ ادھ مری ہو گئی تھی، ایسی سنگین صورت حال کا اس نے کبھی سوچا نہ تھا کہ ایسا وقت دیکھنے کو ملے گا، وہ بھی ایسے لوگوں کے درمیان رہ کر جن کی وہ پرچھائیوں کو بھی ناپسند کرتی تھی۔

دس منٹ بعد ذوالنون حیدر کی ڈریسنگ سے فارغ ہو کر باہر آیا تو وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ایکسکیوزمی؟'' بالآخر اس کو مخاطب کرنا پڑا، اس کی آواز پر وہ ایسی اُچھلی تھی جیسے کرنٹ لگا ہو، سٹپٹا کر اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تھے، چہرہ شدت گریہ سے سرخ تھا، بھیگی بھیگی آنکھیں اس کی گہرے مغرور سی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ حورین نے نگاہیں جھکالی تھیں۔

''آپ اپنے گھر کال کر کے گاڑی منگوائیں فوری، یہاں ہم زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے، پولیس بہت جلدی یہاں آنے والی ہے''۔ اس کی بھاری آواز کی دل کشی اس بے کل کر دینے والے سناٹے کو چیرنے لگی تھی۔

''مم...... مم......'' وہ خوف و دہشت کے باعث ہکلا کر رہ گئی۔ ذوالنون نے بہت حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ زرد پڑتی

رنگت اس پر مستزاد بوکھلاہٹ وسراسیمگی نے اس کی حالت بگاڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے آبگینوں وکانپتے ہاتھوں کی لرزش اور گنگ ہوتی زبان نے اس کی تمام بہادری وچرب زبانی کا پول کھول دیا تھا، خول کے اندر سے وہی ڈری، سہمی ڈرپوک لڑکی برآمد ہوئی تھی جو بادل کے تیز گرجنے اور بجلی کے کڑکنے سے ڈر جائے، ایسی شدید ٹینشن کے باوجود اس کے اندر قہقہے اُبلنے لگے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ ہنسے اور خوب ہنستا چلا جائے۔

اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے وہ لڑکی تھی جس نے پہلی مرتبہ اسے چیلنج کیا تھا، اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا۔

وہ صنفِ نازک کی علم بردار تھی، حقوق نسواں کی آواز بلند کرنے اور لڑنے والی سرپھری لڑکی! باہر سے بہت خاص ومضبوط کسی چٹان کی طرح نظر آنے والی لڑکی درحقیقت اندر سے وہی عام سی کم ہمت، کم حوصلہ لڑکی تھی۔ ذوالنون کے لبوں پر گہری تمسخرانہ مسکراہٹ اُبھر کر اس کے وجیہہ چہرے کو روشن کرنے لگی تھی، وہ بڑی کاٹ دار نگاہوں سے اس کے لرزاں وجود کو دیکھ رہا تھا۔

اِدھر حورین کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ڈر، خوف، دہشت کے ساتھ ساتھ اب اس پر گھبراہٹ سوار ہونے لگی تھی، کیونکہ جھکی ہوئی نگاہوں کے باوجود وہ بخوبی ذوالنون کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر شدت سے محسوس کر رہی تھی اور اس شخص کے ساتھ کی گئی زیادتیاں اسے اچھی طرح یاد آنے لگی تھیں۔ اگر وہ شخص اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا بدلہ لینے کی سعی کرے تو اس وقت کون روک سکتا تھا اسے؟ وہ ابھی پوری طرح اس کی دسترس میں تھی اور خود کو بچانے کی طاقت وہمت محسوس نہ کر رہی تھی۔

اسے یقین تھا کہ ذوالنون اس کی بے بسی وکمزوری سے پوری طرح آگاہ ہے، اسی لیے وہ جو نگاہ اُٹھا کر دیکھنا اپنی انسلٹ تصور کرتا ہے، کس طرح نگاہیں جمائے کھڑا ہے۔

ایک عجیب سے احساس سے اس کی گردن سینے سے لگ گئی، سیاہ گھنیری پلکیں سرخ ہیکتے عارضوں پر لرزنے لگی تھیں۔ ذوالنون نے ازحد دلچسپی سے اس کے چہرے پر دھوپ چھاؤں کا منظر دیکھا تھا اور گہری سانس لے کر اندر بڑھ گیا تھا، پھر اس کی واپسی فوراً ہی ہوئی تھی۔

حیدر اس کے ساتھ تھا، اس کے خاصی چوٹیں آئی تھیں، اسی لیے وہ کئی جگہوں سے پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا مگر پھر بھی بہت حوصلے سے چل رہا تھا، حورین سے مخاطب ہوا تھا۔

”مس! آپ اپنے گھر کال کر کے کسی کو بلائیں، ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہوگا“۔ حیدر کو دیکھ کر اسے خاصی ڈھارس ملی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے پرس سے سیل فون نکالا تھا لیکن کپکپاہٹ کے باعث سیل بار بار اس کے ہاتھ سے کنٹرول نہ ہو رہا تھا۔

”حیدر! تم ٹرائی کرو، ہمارے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے“۔ لمحے بھر میں اس کے چہرے پر وہی تناؤ اور لہجے میں بیزاری در آئی۔ حیدر نے اس کے مطلوبہ نمبر کو پش کیا تھا مگر دوسری طرف سیل آف تھا، دو تین بار ٹرائی کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوا تھا۔

”سیل آف ہے“۔ حیدر پریشانی سے گویا ہوا۔

”اب خود جگنو، میں نے منع بھی کیا تھا خواہ مخواہ کی ہمدردیاں اسی طرح گلے پڑتی ہیں“۔ وہ منہ پھٹ تھا، سو کہہ گیا۔

"فارگاڈ سیک یار! کچھ تو خیال کرو"۔ حیدر سرگوشی میں بولا مگر حورین کی سماعتیں بے اثر نہ تھیں وہ سن رہی تھی اور اس کے بدلتے موڈ اور تیور بھی بھانپ چکی تھی لیکن جان کرا گنور کرنے میں ہی اسے اپنی بہتری نظر آ رہی تھی۔

"سنتی ہے تو سن لے، یہ میرا ورد سر نہیں ہے"۔

"پلیز ذوالنون! اپنے غصے پر قابو پاؤ اور سوچو ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے...... کیونکہ ہمیں ان کو بھی ساتھ لے کر یہاں سے نکلنا ہوگا۔ مجبوری ہے، ان کے نمبر پر رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے"۔ اسے خود کو گھورتے پا کر وہ شانے اُچکا کر آہستگی سے بولا۔

"تم پچھلی سائیڈ سے ذیلی سڑک پر آ جاؤ، میں کسی نہ کسی طرح گاڑی وہاں لے کر آ رہا ہوں"۔ وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ حیدر حورین کے ہمراہ پچھلی سائیڈ سے چھپتے چھپاتے باہر نکل چکا تھا۔

جامعہ کے اندر باہر پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری تھی، پولیس موبائلز کے ہوٹرز سے نکلتی بھیانک آوازوں نے اس خاموش ماحول کو لرزا کر رکھ دیا تھا، ان آوازوں میں اتنی دہشت تھی کہ وہ پوری طرح نڈھال ہو گئی تھی، پورا وجود دل بن کر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ ذیلی سڑک پر پہنچے ہی تھے، جب دو کاریں وہاں رُکی تھیں۔ گرے کار سے ہریرہ باہر نکلا تھا، حورین کو دیکھ کر اس کے چہرے پر چھائے پریشانی و تفکر کے سائے یکلخت چھٹ گئے تھے۔

"شکر ہے خدا کا کہ تم زندہ ہو...... میں تو یہاں ہنگامے کا سن کر تم پر فاتحہ پڑھ چکا تھا"۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا، اگلے لمحے حورین اس کے سینے پر سر رکھ کر ایسے روئی، گویا برسوں کے بچھڑے کو ویرانے میں کوئی شناسا مل جائے۔

"آپ لوگ جو بھی ہیں مگر میں آپ کو نیک فرشتوں کے نام سے پکاروں گا، میری کزن ایسی سچوایشن سے فرسٹ ٹائم انٹروڈیوس ہوئی ہیں، خوف و دہشت سے جو ان کی حالت ہے، اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ میں یہاں گڑبڑ کی اطلاع ملتے ہی فوراً روانہ ہو گیا تھا مگر ہر جگہ رکاوٹیں دیکھ کر میں نے یہ رستہ اختیار کیا تھا"۔ وہ حیدر اور ذوالنون سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا، حورین خود پر خاصی حد تک قابو پا چکی تھی مگر ہریرہ کا دایاں بازو ابھی بھی اس کی گرفت میں تھا۔ حیدر، ہریرہ سے گفتگو میں مصروف تھا، جبکہ ذوالنون بہت خاموشی سے بلیو جیکٹ میں ملبوس شانے کو اس کی دودھیا ہاتھ کی گرفت میں دیکھ رہا تھا، کچھ لمحوں قبل دہشت میں ہراساں کسی ہرنی کی طرح جس لڑکی کو اس نے دیکھا تھا وہ اس شخص کے قریب کھڑی مطمئن و پُرسکون نظر آ رہی تھی، گویا ہر خوف و فکر سے اسے امان مل گئی ہو۔ وہ علیک سلیک کے بعد چلے گئے تھے۔

"ہوں، چلو"۔ وہ گہری سانس لے کر کار کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

راحیلہ بیگم کو خضریٰ سے بات کرنے کا موقع گھر میں میسر نہ ہو رہا تھا، خضریٰ ہاسپٹل سے تھکی ہوئی آتی، کبھی لنچ کرتی یا کبھی بنا لنچ کے ہی تھکان کے باعث سو جاتی تھی، پھر شام میں ہی وہ کمرے سے باہر نکلتی تھی، اس وقت تک سب گھر میں موجود ہوتے تھے۔ ڈنر کے بعد

سب سے پہلے واک کے بعد اپنے روم میں جانے والی خضریٰ تھی اور وہ روز اس موقع کی تلاش میں تھیں کہ کسی طرح وہ خضریٰ سے تنہائی میں گفتگو کرسکیں۔ خضریٰ واک کے لیے باہر نکل رہی تھی جب انہوں نے اس سے کہا کہ وہ بھی اس کے ساتھ واک پر جائیں گی۔

"دادو جان! یہ آج آپ کو واک کا کیسے خیال آ گیا؟" خضر نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... دادو واک پر نہیں جاسکتیں؟" مزمل بول اُٹھا۔

"جا تو سکتی ہیں...... مگر جاتی نہیں ہیں۔ مجھے تو کچھ دال میں کالا لگ رہا ہے"۔ وہ شوخی سے گویا ہوا۔

"بیٹا! میرے جوتے کھائے بہت دن ہو گئے ہیں اس لیے کالا، ہرا، پیلا نظر آنے لگا ہے، ابھی لگیں گے جوتے تو حواس ٹھکانے آ جائیں گے"۔ راحیلہ بیگم مصنوعی غصے سے گویا ہوئیں۔

"دادو! آپ کس کی باتوں میں آ رہی ہیں، آئیں چلیں"۔ خضریٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر لان میں آ گئی، جہاں دھیرے دھیرے چلتی ہوا ٹھنڈی و خوشگوار تھی۔

"تم نے خود کو اتنا مصروف کر لیا ہے بیٹا کہ گھر میں رہنے کے باوجود بات کرنے کا موقع نہیں ملتا"۔ تھوڑا سا چل کر وہ اس کے ساتھ کرسی پر بیٹھتے ہوئے شاکی انداز میں گویا ہوئیں۔

"مصروفیات از خود ہی بڑھ گئی ہیں"۔ وہ ان کے برابر والی کرسی پر براجمان تھی، وہاں لگے مرکری بلب کی روشنی میں اس چہرے کی پژمردگی نمایاں تھی، جگنوؤں کی طرح چمکنے والی آنکھیں کسی ویرانے کا پتا دے رہی تھیں۔ اس کے ضبط پر، اس کے کرب پر، ان کا دل تڑپ کر رہ گیا، وہ جس آگ میں سوختہ ہوئی جا رہی تھی، وہ تپش وہ اپنے اندر بھڑکتی ہوئی محسوس کرنے لگیں۔

"فرار کا یہ راستہ جو تم نے چنا ہے، درست نہیں ہے میری بچی! اس طرح کب تک خود کو اور دوسروں کو فریب دو گی؟ تمہارے اس طرزِ عمل نے، گریز و خاموشی نے آج تمہاری ماں کو چونکایا ہے، کل باپ پریشان ہوگا، پھر بھائی اور بھابی تمہاری کھوج میں لگ جائیں گے، کس کس سے چھپاؤ گی؟ کیا بتاؤ گی؟ اپنی آدم بے زاری، تنہا پسندی، خاک ہوتا روپ و رنگ اور لبوں پر جامد خاموشی کی کیا دلیل پیش کرو گی"۔ ان کا انداز ناصحانہ تھا۔

دادو! ممی نے کچھ کہا ہے آپ سے؟"

"ہاں...... تمہاری گرتی صحت اور گوشہ نشینی نے اسے پریشان کر دیا ہے"۔

"دادو! میں ہمیشہ سے ایسی ہوں، تنہائی پسند، کم گو پھر میری پروفیشنل لائف اتنی ٹف ہے کہ...... میں ہلّہ گلہ، موج مستی افورڈ نہیں کرسکتی، یہ میری نیچر نہیں ہے، ممی تو خود میڈیکل فیلڈ سے اٹیچ رہی ہیں،، وہ میری پرابلم سمجھتی ہوں گی پھر......"

"صنوبر ڈاکٹر شادی سے پہلے تھی، شادی کے بعد اس نے گھر، شوہر اور بچوں کو پورا پورا وقت دینے کے لیے خود کو الگ خاتونِ خانہ بنا لیا، وہ اب صرف اچھی بہو، بیوی اور ماں ہے، ڈاکٹر نہیں۔ ڈاکٹر کی نگاہوں سے دل کی کیفیات چھپ سکتی ہیں مگر ماں کی نگاہ سے

نہیں"۔ وہ اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔

"میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا، نہ میں خود کو زمین پر محسوس کر رہی ہوں نہ آسمان پر، زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو کر رہ گئی ہوں"۔ اس کی آواز میں درد کی کرچیاں تھیں۔

"مت سوچا کرو...... جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا"۔

☆......☆......☆

انس نے کرن سے کراچی جانے کا اقرار کروا کر ہی چھوڑا تھا، جس روز ان کی فلائٹ تھی اسی صبح کرن باتھ روم میں سلپ ہو گئی جس کے نتیجے میں ان کی دائیں ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔ شروع کا ایک ہفتہ کرن نے بڑی تکلیف میں گزارا تھا، دو ہفتے تک وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہ کر تکلیف کم ہونے کے بعد ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئی تھیں، اس دوران انس نے تو انہیں ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہی تھا، سعد اور فاریہ نے بھی اسے کسی حقیقی رشتے کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی، دن رات اس کا خیال رکھا تھا"۔

کیا سوچ رہی ہیں مادام!" وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی اور بہت گہری سوچ میں مستغرق سائڈ ٹیبل پر رکھے کرسٹل کے گلدان میں سجے سرخ پھولوں کو تکے جا رہی تھی۔ انس جو کسی بزنس میگزین کا مطالعہ کر رہا تھا، میگزین ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے شوخ لہجے میں گویا ہوا۔

"میں یہی سوچ رہی ہوں، میری وجہ سے آپ لوگوں کا بھی کراچی جانے کا پروگرام خراب ہو گیا"۔

"پروگرام کا کیا ہے، پھر بن سکتا ہے، مگر میں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک تمہاری اپنی خواہش نہیں ہو گی، میں کبھی تمہیں کراچی جانے پر مجبور نہیں کروں گا"۔ انس کے لہجے میں بے لوث چاہت کی آمیزش تھی جس نے کرن کو زندگی سے پیار کرنا سکھایا تھا۔

"کیا مطلب؟" کرن نے ان کی طرف دیکھا، وہ بھی ان کی طرف دیکھ رہے تھے، اس سے ان کی گہری آنکھوں میں ایک ایسا حزن و کسک لو دینے لگا تھا کہ وہ نگاہیں نہ ملا سکی تھیں۔

"مطلب آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں"۔ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"ایسا خطرناک رسک! ایسی تکلیف زدہ حرکت کرتے ہوئے آپ کو میرا خیال نہیں آیا؟ حورین کا نہیں سوچا؟ شکر ہے ٹانگ کی ہڈی محفوظ ہے، ہڈی ٹوٹ جاتی یا...... خدانخواستہ کچھ اور ہو جاتا تو ہم کیا کرتے؟ یہ نہیں سوچا یہ حرکت کرنے سے قبل؟" وہ ان کا سرد ہوتا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا کر آزردگی سے کہہ رہے تھے اور کرن ہکا بکا سی ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ چاہا ہے کرن! جن کو ہم دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں ان کی تمام خوبیوں، خامیوں سے ہمیں آگاہی رہتی ہے، ہم ان کو اتنا جانتے ہیں جتنا شاید وہ بھی اپنے آپ کو نہیں جانتے"۔

"جواباً وہ کچھ نہ کہہ سکیں، نہ معلوم کس جذبے کے تحت ان کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

''رو ؤمت، تمہارے یہ آنسو مجھے کمزور کرنے لگتے ہیں''۔اس نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''جان بوجھ کر تم سلپ ہوئیں، تاکہ کراچی جانے سے بچ جاؤ، میں یہ سوچ کر لرز جاتا ہوں کہ اس سے بڑی چوٹ لگ جاتی تو......''

''آئم سوری، میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی مگر......مگر میرے پاس کوئی اور ترکیب نہ تھی کراچی جانے سے بچنے کے لیے''۔وہ بھیگے لہجے میں گویا اقرارِ جرم کر رہی تھی۔''میں آپ سب کو ہرٹ کرنے پر شرمندہ ہوں، مگر مطمئن بھی کہ ہم زندہ رہیں گے تو ساتھ رہیں گے اور مجھے وہاں زندگی نظر نہیں آتی''۔

☆......☆......☆

''مما! ڈیڈی کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں آج کل، پہلے ویک اینڈ کو ملاقات ہو جاتی تھی، ایک عرصے سے وہ بھی نہیں ہو رہی''۔منال صوفے پر آرام سے بیٹھتے ہوئے فائقہ سے مخاطب ہوئیں۔

''ہاں......ان کی کمی مجھے بھی محسوس ہونے لگی ہے، میں نے شکایت کی تھی تو کہنے لگے عادت ڈال لو، آگے تو اس سے بھی زیادہ مصروفیات آئیں گی''۔وہ ہاتھوں پر ہینڈ لوشن کی مالش کرتے ہوئے ہنس کر کہہ رہی تھیں۔

''ڈیڈی کو بھی نہ معلوم کیوں سیاست میں داخل ہونے کی سوجھی، سب کچھ تو ہے ہمارے پاس۔عزت، دولت، دُنیا کی ہر آسائش سے بھری پُرتعیش زندگی، پھر کیوں خود کو مصروف کر رہے ہیں''۔وہ کشن لگا کر نیم دراز ہو گئی تھیں۔

''یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی طلب بڑھتی ہی رہتی ہے، پھر جو مزہ حکمرانی کرنے میں ہے، وہ کسی میں بھی نہیں ہے میری جان''۔

''جانتی ہوں مما! یہ نشہ......کرسی کا نشہ ہر نشے سے بڑھ کر ہوتا ہے، یہ بھی سوچیں، اس کا چسکا جان کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور میں نے زندگی میں اتنا کچھ کھویا ہے کہ اب کچھ کھونے کا تصور بھی مجھے خوف زدہ کر دیتا ہے، میں بے سکون ہو جاتی ہوں''۔فائقہ بیگم نے لوشن ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آئینے میں ان کے عکس کو دیکھا تھا۔پنک کلر کے ٹراؤزر سوٹ میں بکھرے بالوں کے ساتھ وہ خود بھی بکھری بکھری لگ رہی تھیں۔

''ڈارلنگ!، وہ ان کے قریب بیٹھ کر بال سنوارتے ہوئے گویا ہوئیں''۔اپنے ڈیڈی کی نیچر جانتی ہو، وہ دل میں آئی بات اور فیصلہ کبھی نہیں بدلتے، خواہ اس کا رزلٹ کچھ بھی نکلے جو انہوں نے سوچا ہے وہ کر کے رہیں گے، اب میرا اور آپ کا خون جلانا، کڑھنا بے معنی ہے''۔

''جانتی ہوں، پھر بھی میں چاہتی ہوں ڈیڈی پہلے جیسے بن جائیں، آفس کے بعد سارا ٹائم ہمارے ساتھ گزارنے والے، کتنی گڈ فیلنگ ہوتی تھیں جب ڈیڈی ہمارے ساتھ پارٹیز شیئرز کرتے تھے، کبھی لانگ ڈرائیو، تو کبھی ڈنر پر ساتھ ہوتے تھے''۔

''اوہ......! یہ آج کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ کون کہہ سکتا ہے آپ دو جوان بیٹوں کی ماں ہیں، باتوں سے بالکل......چائلڈ لگ رہی ہیں''۔فائقہ بیگم مسکرا رہی تھیں۔

''مما شاید عورت ہمیشہ ادھوری رہتی ہے، وہ اپنی ذات کے کھوئے ہوئے حصے کو کسی نہ کسی وجود میں، کسی نہ کسی رشتے میں تلاش

کرتی رہتی ہے، میں بھی اپنا گمشدہ حصہ اپنے لوگوں میں تلاش کرتی ہوں"۔

"اب کیا ٹینشن ہے، مسلسل ٹینس کیوں رہنے لگی ہیں، معلوم تو ہو؟"

"مجھے کیا ٹینشن ہوگی کچھ بھی نہیں"۔ وہ سیدھی بیٹھی تھیں۔

"مسز طلعت کو ڈنر پر انوائیٹ کر لیتے ہیں، ان سے گپ شپ میں بوریت دور ہو جائے گی"۔

"بوریت دور نہیں ہوگی، اور بڑھ جائے گی"۔ وہ منہ بنا کر گویا ہوئیں۔

"کیا مطلب؟" وہ از حد حیران تھیں۔

"وہ عجیب پاگل عورت ہے مما! ایک آزاد معاشرے میں رہ کر بھی جس کی ذہنیت و سوچ میں تبدیلی نہیں آئی، وہ اس دور میں بھی صدیوں پرانے انداز کے دوپٹے اوڑھتی ہے، جس کو بریک فاسٹ میں جیم بریڈ کے بجائے، پراٹھا اور اچار پسند ہے، پیزا کی بجائے وہ دال چاول شوق سے کھاتی ہے، اسی رنگ میں اس نے دونوں بیٹیوں کو رنگا ہوا ہے اور تو اور طلعت صاحب بھی تھری پیس سوٹ میں ٹوپی پہن کر نماز پڑھتے ہیں، اپنے اسٹینڈرڈ کے لوگ نہیں ہیں وہ"۔ ان کے چہرے اور لہجے سے اکتاہٹ و ناگواریت عیاں تھی۔

"یہ عادت آپ کی ابھی تک نہ گئی، جس کی طرف جتنی تیزی سے لپکتی ہو، اس سے اتنا ہی بے زاری سے چھوڑنے میں ٹائم بھی نہیں لگاتی ہو"۔

"پختہ عادتیں کہاں ترک ہوتی ہیں مما!" وہ انداز سے مسکرائی تھیں۔ اسی دم منال کا فون سیل بج اُٹھا تھا۔

"کیا ہوا؟" منال کے چہرے پر ہوائیاں اُڑتے دیکھ کر وہ پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔ "کس کی کال تھی؟"

"یونیورسٹی میں کچھ ڈسٹربنس ہوگئی ہے"۔ وہ تیزی سے ذوالنون کے موبائل سے رابطہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور ان کے بار بار ٹرائی کرنے کے باوجود رابطہ نہ ہوا تھا۔

"پریشان مت ہو، پرنس ٹھیک ہوگا"۔ وہ متوحش ہوتی منال کو تسلی دیتے ہوئے اپنے سیل سے اس کا نمبر ٹرائی کرنے لگی تھیں۔ اس سے رابطہ کرنے میں انہیں بھی ناکامی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

"چاندنی...... او چاندنی! اری کہاں مرگئی کمبخت"۔ بی بی جان ورانڈے سے اسے آوازیں لگاتی کچن تک چلی آئی تھیں۔ وہ مزے سے واک مین کانوں سے لگائے میوزک کی لے پر پاؤں ہلا رہی تھی۔

"اچھا یہاں یہ عیش ہو رہے ہیں"۔ وہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئیں تو وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی تھیں اور اسی عجلت میں واک مین سے چھٹکارا پایا تھا۔ اس دوران بی بی جان کی کاٹ دار نگاہیں اسے گھورتی رہی تھیں۔

"کیا ہو رہا تھا یہ؟"

"کچھ نہیں......وہ......وہ میں......" اس سے کچھ نہ کہا گیا۔

"پہلے یہ مجھے بتا...... مجھے تیرے اماں، باوا نے کتنی تنخواہ پر تیری کنیز رکھا ہے جو ہر دم مجھے تیرے پیچھے پیچھے ہی رہنا پڑتا ہے"۔

"ایسا نہ کہیں بی بی جی! کنیز تو میں آپ کی ہوں، آپ کی خدمت کرنے آئی ہوں"۔ وہ مسکین صورت بنا کر گویا ہوئی۔

"مجھے مکھن مت لگا، میں کہتی ہوں، ایک جگہ ٹکتی کیوں نہیں تو؟ چھلاوا کیوں بنی رہتی ہے"۔ وہ اس کے انداز سے متاثر ہونے والی نہ تھیں۔

"آپ ہی تو کہتی ہیں، لڑکیوں کو بھاگ بھاگ کر کام کرنا چاہیے"۔ اس نے ان کی بات کو جواز بنا کر جان چھڑانی چاہی۔

"ہوں...... بھاگ بھاگ کر کام کرنے کی ترغیب دیتی ہوں، چھپ چھپ کر آرام کرنے کا مشورہ نہیں، تجھے میں نے کہا تھا، میرے کمرے کی بیڈ شیٹ بدل دے"۔

"تو بدل دی ہے بی بی جان"۔ وہ بات قطع کر کے بولی۔

"تکیوں پر غلاف کون چڑھائے گا؟"

"اوہ وہ میں بھول گئی، ابھی چڑھاتی ہوں"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر اس گھر میں کام کرنا ہے تو اپنی عقل ٹھکانے رکھا کر، ادھورے اور گندے کام مجھے بالکل پسند نہیں ہیں"۔ چاندنی سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔ وہ چاندنی کے پیچھے جانا چاہ رہی تھیں، معاً ان کی نگاہ بریرہ کے ساتھ اندر داخل ہوتی حورین پر پڑی تو اس کی خوف زدہ سی اُتری صورت دیکھ کر وہیں رُک گئی تھیں، پھر اضطرابی انداز میں آگے بڑھیں، حورین ان کی طرف بھاگتی ہوئی آئی اور ان سے لپٹ کر شدت سے رو پڑی۔

"ارے...... کیا ہوا بیٹی! ہائے اس طرح کیوں رو رہی ہو؟" وہ بُری طرح بوکھلا گئی تھیں اس کے اس طرح زاروقطار رونے سے۔

"بی بی جان آپ پریشان مت ہوں"۔ بریرہ نے مختصراً ان کو تفصیل بتائی، اس دوران وہ لاؤنج میں آگئے تھے۔ حمیرا، سمیرا سمیت سب جمع ہو گئے تھے۔ زویا بھاگ کر پانی میں گلوکوز ملا کر لے آئی تھی۔ بی بی جان نے اپنے ہاتھ سے اسے پلایا تھا۔ حمیرا، سمیرا بھی بہت پیار سے اس سے پیش آئی تھیں۔

"لو بھلا اور سنو، اب مکتب بھی میدانِ جنگ بن گئے، درس گاہوں سے تو جاہلیت کے اندھیرے مٹا کر علم و فضل کی روشنیاں ملتی ہیں جو ذہنوں کے حبس زدہ دریچوں کو شعور و آگہی کی تازگی عطا کرتی ہے جس سے انسان میں تمیز و تہذیب پیدا ہوتی ہے، اچھے بُرے کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، ادب و آداب آتے ہیں، اگر درس گاہوں میں لڑائی، جھگڑے، قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی تو ہماری موجودہ اور آنے والی نسلوں کو کون علم و دین کی روشنی دے گا؟ علم و عمل سے بے بہرہ و صبر و استقامت اور تحمل مزاجی ہم سے نکل جائے گی تو پھر ہم میں اور چودہ سو سال قبل زمانہ جہالت کے لوگوں میں کون تمیز کرے گا، کون آئے گا حق و محبت کی مشعل سے جہالت کے اندھیروں کو مٹانے کے لیے؟"

"بی بی جان! علم و آگہی کی جو مشعل ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روشن کی تھی، وہ تا قیامت روشن رہے گی، اسے کسی میں طاقت نہیں ہے گل کرنے کی، یہ سب خیر و شر کی لڑائی ہے جو ازل سے چلی آ رہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی، یہاں وہی کامیاب رہ سکتا ہے جو ایمان کی حفاظت کرتا ہے"۔ وصی نے کہا۔

ماحول پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"وصی، سفیان، سعود وغیرہ بھی آ گئے تھے۔ جامعہ میں ہنگامے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی"۔

"عجب ہے آج کل کی جنریشن بھی جو علم حاصل کرنے جاتے ہیں، وقت پڑنے پر اس کو ہی بھول جاتے ہیں، فائدہ کیا ایسی تعلیم کا"۔ بیمرا، حمیرا کچن کی طرف جاتے ہوئے گویا تھیں۔

"چلو اٹھو، دل بڑا کرو چندا، نہ معلوم وقت کیا کیا دکھائے گا، اس طرح حواس کھوؤ گی تو گزر گئی زندگی، جا کر ہاتھ لو، کپڑے چینج کرو، بیمرا چائے بنا رہی ہے، فٹافٹ آؤ پھر چائے پیتے ہیں۔ حمیرا نے کافی ساری چیزیں بنائی ہیں"۔ وہ حورین کو کسی بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھیں، ہر دم ہنستی مسکراتی حورین کا یہ روپ انہیں ممتا سے لبریز کر گیا تھا۔ حورین خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی، وہ کھڑی ہوئی تو زویا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"چلو میں تمہارے وارڈ روب سے سوٹ نکال دوں گی"۔

"اس سے ابھی کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، بچی ڈری ہوئی ہے"۔ بی بی جان اس کی پُرتجسس طبیعت سے بخوبی واقف تھیں، اسے حورین کا ہاتھ پکڑے جاتے دیکھ کر تنبیہی لہجے میں گویا ہوئیں۔

"جی اچھا"۔ مارے شرمندگی کے وہ یہی کہہ سکی۔

"پروردگار کا شکر ہے ہریرہ، تم ٹائم پر پہنچ گئے، مجھے تو یہ سوچ کر ہول اُٹھ رہا ہے، اگر پرائی بچی کو کچھ ہو جاتا تو..... کیا منہ دکھاتی میں انس اور کرن کو، میں نے ہی اصرار کر کے بلوایا تھا بچی کو"۔ حورین کی دگرگوں حالت نے سب کو ہی حیران کر دیا تھا۔

"میں فون کر کے پہلے اسلام آباد خیریت کی خبر دے دوں، ان کو معلوم ہوگا تو پریشان ہوں گے"۔ وہ اُٹھتے ہوئے بولیں۔

"بی بی جان! انہیں یہ مت بتایئے گا کہ حورین بُری طرح ڈر گئی ہے بلکہ کہہ دیجئے گا کہ وہ آج یونیورسٹی گئی نہیں تھی"۔ سعود اپنی رو میں کہہ گیا پھر یک دم ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ساکت رہ گیا، بی بی جان کی نگاہوں کے فریم میں تھا وہ۔

"اچھا..... اور کچھ سمجھاؤ گے نہیں مجھ بے عقل کو؟"

"نہیں..... نہیں میرا مطلب تھا"۔ وہ گڑبڑا گیا۔

"ہاں..... اب اتنے بُرے دن آ گئے ہیں میرے کہ یہ کل کے بچے آج مجھ کو عقل کی باتیں سکھائیں گے"۔ وہ سعود کو گھور کر گویا ہوئیں، باقی سب گردنیں جھکائے بیٹھے تھے فرمانبرداروں کی طرح۔

''سوری بی بی جان''۔

''یہ لفظ بھی خوب ہے، سامنے والے کی بڑی سے بڑی بے عزتی کر دو اور جواب میں کہہ دو ''سوری!'' وہ آسانی سے معاف کرنے والی نہ تھیں۔

''سعود اسوچ سمجھ کر بولا کرو، بھلا بی بی جان سے زیادہ کوئی عقل مند ہو سکتا ہے۔ ہماری بی بی جان دوسروں کو عقل دیتی ہیں اور تم ان کو سکھا رہے ہو، آئندہ سوچ سمجھ کر بولنا''۔ وصی نے خاصی ہوشیاری سے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا تھا مگر وہ جلدی میں بھول گیا کہ باتوں میں مکھن کی آمیزش ضرورت سے زیادہ ہو گئی ہے۔

''یک نہ شد دو شد، یہاں آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے، ارے میرے قابل و ہونہار بھائیوں کی نا کارہ اولا دو تمہیں دنیا میں یہی گھر ملا تھا پیدا ہونے کے لیے، کیا ہو گا میرے بھائیوں کا؟'' وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں اور ان سب نے کھل کر سانسیں لی تھیں۔

''کس نے کہا تھا تجھے مشورہ دینے کو؟'' وصی نے اسے ڈانٹا۔

''اور تجھے کس نے کہا تھا؟'' وہ اس سے دو بدو بولا۔

''مجھے تجھ پر ترس آ گیا تھا''۔

''کیوں......کیا میں اندھا ہوں؟''

''ہاں عقل کے اندھے کو بھی اندھا کہتے ہیں''۔

''اگر میں اندھا ہوں تو......تو بالکل معذور ہے عقل سے''۔

''اوہو، کیا ہے بھئی! کوئی اچھی بات بھی کرے گا یا یوں ہی آپس میں چونچیں لڑاتے رہو گے''۔ موحل نے کہا، قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتے، اسی لمحے چاندنی نے چائے لگنے کی اطلاع دی تھی۔

☆......☆......☆

حیدر کے زخموں کی بینڈیج اس نے عارضی طور پر کر دی تھی، اس کے خود بھی خاصے زخم آئے تھے جو پشت اور سینے کی طرف تھے جن میں اب قابل برداشت ٹیسیں اٹھنی شروع ہو گئی تھیں اور اس سے ڈرائیونگ کرنا مشکل ہو رہا تھا، حیدر فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر میں تقریباً نڈھال بیٹھا بار بار غنودگی کا شکار ہو رہا تھا۔

''یار! ذوالنون! یہ راستہ کب ختم ہو گا؟ ہاسپٹل کب آئے گا؟ جان نکلی جا رہی ہے، ہاسپٹل ہے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہا''۔

''حاتم طائی بننے کا ارادہ رکھتے ہو تو دل میں صبر و استقامت بھی بھرپور انداز میں رکھو''۔ اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

''دیکھو بھائی، مجھے معلوم ہے تُو ایک عرصے تک اس موضوع پر جوتے مارتا رہے گا، اس حقیقت سے قطع نظر کہ جو کچھ میں نے کیا

وہ ایک نیکی ہے، بلکہ جس طرح بھی رہے تم میرے ساتھ رہے، اگر میں حورین کا خیال نہ رکھتا تو نہ معلوم کیا ہوتا...... اور تم نے دیکھا تھا وہ کس قدر خوف زدہ تھی، کم از کم میں نے آج سے قبل کسی بولڈ، بریو لڑکی کو اس طرح روتے نہیں دیکھا"۔

" حورین کا ڈرا، سہا خوف سے زرد چہرہ اور آنسوؤں سے کانپتا وجود جھما کے سے اس کی ذہن کی اسکرین پر طلوع ہوا اور بے ساختہ اس کے لبوں پر دل فریب مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

" اسٹوپڈ گرل ایہ لڑکیاں بے وقوف ہی ہوتی ہیں"۔

" ہاں...... میرے بھائی! جس دن کوئی لڑکی تمہیں ٹکرائے گی تو پوچھوں گا، کون بے وقوف ہوتا ہے"۔ حیدر غنودہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ کار ایک پرائیویٹ ہاسپٹل لے آیا تھا جہاں کونین پہلے سے موجود تھا، وہاں ہمزہ نے خود انہیں اٹینڈ کیا تھا اور خواب آور انجکشن کے ذریعے وہ دونوں بے خبر سو گئے تھے۔

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں ٹیوب لائٹس آن تھیں، کھڑکیوں کے شیشوں سے نظر آتے باہر کے منظر میں اُترتی رات کی سرسراہٹیں تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو حیدر ابھی تک بے سدھ پڑا تھا، اس کی جانب سے آنے والی ہلکی خراٹوں کی آوازیں اس کی گہری و پُرسکون نیند کی غماز تھیں۔

" ذوالنون بیٹے! اب کیا فیل کر رہے ہیں؟" اسے نیند سے بیدار دیکھ کر صمد اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے تھے۔

" میں بالکل ٹھیک ہوں انکل"۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

" ٹھیک کیسے نہیں ہوں گے، آخر گھر کے ڈاکٹرز کس لیے ہیں"۔ کونین اور ہمزہ جو اسی پل اندر داخل ہو رہے تھے، کونین نے شوخی سے کہا۔

" آل رائٹ مائی سن"۔ صمد صاحب نے مسکرا کر تائید کی، کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلے گئے تو ہمزہ اور کونین اس سے دریافت کرنے لگے کہ یونیورسٹی میں کیا ہوا ہے اور انہیں یہ چوٹیں کس طرح آئیں، اس دوران حیدر بھی بیدار ہو چکا تھا اور وہ بھی ذوالنون کی طرح ہمزہ کی اسپیشل ٹریٹمنٹ کے باعث خود کو چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔

" جو آج ہوا، اسے بہت پہلے ہونا تھا، ہم سے روکی اپنا مطلب حاصل نہ کر سکا تو آج اس نے اس اسٹوڈنٹس تنظیم سے چھیڑ چھاڑ کی جو ان کی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتی ہے۔ ان تنظیمی لوگوں میں برداشت کہاں ہوتی ہے، یہ لوگ بن بادل برسات کی مانند ہوتے ہیں، بے موقع بن بادل برس پڑتے ہیں"۔ حیدر نے آج ہونے والے جھگڑے کی تفصیل بتائی تھی۔

" سمجھ میں نہیں آتا، تعلیمی اداروں میں کینسر کی طرح پھیلتی ہوئی پالیٹکس کو سیاست دان اور حکمران اگنور کیوں کرتے آئے ہیں جو اسٹوڈنٹس ہاتھوں میں قلم کی جگہ ہتھیار پکڑیں گے ان کا فیوچر کس طرح برائٹ ہوگا؟"

" میں نے جب ایک چینل پر یہ نیوز دیکھی تو فوراً ہی تمہیں کال کی تھی مگر کافی دیر بعد بھی تمہاری طرف سے رسپونس نہیں ملا تو میں

یونیورسٹی گیا وہاں رینجرز و پولیس کی بھاری نفری نے راستے بلاک کر رکھے تھے، ان کے آفیسرز سے معلوم ہوا کہ اندر کوئی نہیں ہے، میں حمزہ کے پاس آیا تھا کہ تم آگئے"۔ کونین نے اسے دیکھتے ہوئے کہا جس کی وہائٹ شرٹ جگہ جگہ سے خون کے دھبوں سے پُر تھی جو سوکھ کر مزید بدنما لگ رہے تھے۔

"تم لوگوں کے چوٹیں کس طرح آئیں؟" حمزہ نے انٹرکام پر کافی کا آرڈر دیتے ہوئے اِن دونوں سے استفسار کیا تھا۔

"دراصل ہم کو صبح سے اندازہ ہو چکا تھا کہ آج کچھ صورت حال گڑبڑ چل رہی ہے، ذوالنون نے دوسرے فرینڈز کو بھی الرٹ کر دیا تھا کہ وہ خبردار رہیں، اردگرد سے اگر کچھ غیر معمولی بات دیکھیں تو فوراً وہاں سے نکل جائیں، وہ لوگ تو فوراً ہی نکل گئے تھے، ہم بھی نکل جاتے مگر وہاں پھنسے بے قصور اسٹوڈنٹس کی مدد کرنے کے دوران ہی یہ زخم آئے ہیں، لوگوں کے ارمان اس طرح پورے ہوئے ہیں"۔

"ایک ہفتے تک تم دونوں کو بیڈ ریسٹ کرنا ہے، ڈریسنگ کروانی ہے، گھر کا ڈاکٹر ہوں، اس لیے ایڈمٹ نہیں کر رہا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود سے بالکل لاپرواہ ہو جاؤ"۔ کافی پینے کے بعد حمزہ اپنے پیشہ ورانہ انداز میں مخاطب ہوا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔

"او کے، فکر مت کرو"۔ کونین نے حمزہ سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"او کے، تم لوگ جا کہاں رہے ہو، گھر چلو وہاں سب ذوالنون کو ملنے کو بے چین ہیں"۔ حمزہ نے دونوں کی طرف دیکھ کر اصرار کیا۔

"اینجل مما اس کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہیں، نانو نے انہیں بہلایا ہوا ہے، کچھ میں بھی سمجھا کر آیا ہوں، اگر اس وقت ہم نہ گئے تو وہ نہ معلوم کیا خیال کریں، تم کہہ دینا، بہت جلد ہم آئیں گے"۔

"حیدر کو ڈراپ کر کے وہ گھر آئے تو رات اپنے سیاہ گیسو کائنات پر دراز کر چکی تھی۔ ماحول میں گھمبیر خاموشی رچی تھی۔

"تم اپنے روم میں جا کر کپڑے چینج کرو، میں مما اور نانو کے پاس جا رہا ہوں"۔ کار سے اتر کر کونین اس سے مخاطب ہوا۔

اس نے کپڑے چینج ہی کیے تھے کہ گیٹ کھول کر تیزی سے منال اندر داخل ہوئی تھیں، ان کے پیچھے فائقہ بیگم اور کونین تھے۔

منال بڑے والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی تھیں اور اس کے ہاتھوں کو چوم کر رونے لگی تھیں، ان کے انداز میں ممتا کا لمس تھا، تڑپ تھی۔ ذوالنون شاکڈ رہ گیا تھا۔ اس نے ان کا یہ انداز کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ ان کے اسی روپ کو دیکھتا آیا تھا جس میں ان کی لاپروائی و بے نیازی کے ساتھ طنز غصے و بات بات پر اس کے بابا کے حوالے سے کڑوے کسیلے طعنے دینے کی ناقابلِ برداشت عادت تھی، اس نے انہیں ہمیشہ ایک خودسر، خود پسند، بے حس و مغرور عورت کے روپ میں دیکھا تھا جو اسے قطعی پسند نہ تھا۔ یہ بے ترتیب بال، ابتر حلیئے اور اسے لپٹائے بے قراری سے روتی ہوئی عورت کا روپ، ایک ماں کا روپ تھا، ایسی ماں کا روپ جس کا متقاضی تھا۔ اس کی نگاہیں ہمیشہ سے ایسی ٹوٹ کر چاہنے والی ماں کی متلاشی تھیں، ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو پانی نہیں، سچے موتی تھے۔ وہ موتی جو صرف ماں کی ممتا کے ساگر میں ہی پائے جاتے ہیں۔

"مما! میں ٹھیک ہوں، فکر نہ کیجئے"۔ اس نے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

"منال! اللہ کا شکر ہے ہمارے پرنس کو کچھ نہیں ہوا، صرف معمولی زخم آئے ہیں، آرام کرنے دو اس کو"۔ فائقہ نے نرمی سے انہیں ذوالنون سے دور کیا تھا، وہ صوفے پر بیٹھ کر بھی رو رہی تھیں۔

"مما! بی بریو۔ پرنس ٹھیک ہے"۔ "معمولی چوٹیں ہیں، ایک ہفتے ریسٹ کرے گا تو فٹ ہو جائے گا، آپ ٹینس نہ ہوں"۔ کونین ان کے قریب بیٹھ کر انہیں سمجھانے لگا۔

"آپ کیا فیل کر رہے ہیں پرنس! پین زیادہ تو نہیں ہے؟" فائقہ اس کے قریب بیٹھ کر استفسار کر رہی تھیں۔

"نہیں نانو!" اس کی بھرپور مسکراہٹ میں آسودگی تھی۔

"نانو! پہلے ڈنر کر لیتے ہیں پھر پرنس کو میڈیسن دیتی ہیں"۔

"فیروزہ سے کہہ کر کھانا یہیں منگوا لیتے ہیں، پرنس کو میں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گی، بہت تکلیف ہے ان کو، یہ چھپا رہے ہیں مگر میں محسوس کر رہی ہوں، یہ چہرے پر دیکھیں کیسی زردی پھیل گئی ہے"۔

وہ اس کے قریب آ بیٹھی تھیں اور بہت محبت بھرے انداز میں اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"بہت پیار آ رہا ہے بیٹے پر"۔ فائقہ بیگم مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"پیار تو میں اسے بہت کرتی ہوں، یہ الگ بات ہے کہ آج سے قبل احساس نہیں ہوا تھا"۔ وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر ذوالنون غنودہ حالت میں اپنے اندر اُترتی سرشاری وطمانیت میں اپنے اندر چھائی برسوں کی تشنگی ومحرومی میں کچھ تدارک دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"ممی! خضریٰ کے لیے رضوان علوی کے بیٹے مہران علوی کا پرپوزل آیا ہے۔ ویسے تو اور کئی فیملیز کے پرپوزل ہیں مگر مجھے یہ مہران علوی کی فیملی خضریٰ کے مزاج کے مطابق لگ رہی ہے۔ آپ خضریٰ سے معلوم کر لیں"۔ صنوبر بیگم راحیلہ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

"رضوان علوی کا ماربلز کا بزنس ہے؟" وہ یادداشت پر زور دیتی ہوئیں پوچھنے لگی تھیں۔

"جی...... جی وہی مختصری فیملی ہے، چار افراد پر مشتمل، بیٹی کی شادی بھی وہ بیٹے کے ساتھ کریں گے، مجھے تو پرپوزل ہر لحاظ سے خضریٰ کے لیے موزوں لگ رہا ہے، کیونکہ خضریٰ طبیعتاً تنہائی پسند وکم گو ہے، ایسی لڑکیوں کے لیے ایسی فیملیز مناسب رہتی ہیں پھر مہران سے آپ بھی کئی بار ملی ہیں، بہت ڈیسنٹ اور نفس لڑکا ہے اور اس کی خواہش پر ہی یہ پرپوزل آیا ہے"۔

"انہیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا خضریٰ کی جاب پر؟" ان کے اندر افراتفری پھیل رہی تھی۔ کونین کا سراپا ان کی نگاہوں میں مچلنے لگا تھا، اس کی محبت کی دیوانگی سے واقف تھیں، اس کی پُرشوق نگاہوں کا اضطراب وجنون ان سے مخفی نہ رہا تھا اور جانتی تھیں یہ لمحے ان کی زندگی میں ضرور آئیں گے کہ کسی نہ کسی دن ان سے خضریٰ کے لیے آنے والے رشتوں کی بابت رائے لی جائے گی۔ وہ کس طرح کس دل سے حق بات کہیں گی؟

''نہیں ممی! مسز رضوان کا کہنا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، خنثریٰ جاب کرے یا نہ کرے، رضوان صاحب کا بھی یہی کہنا ہے کہ مہران ان کا اکلوتا بیٹا ہے، سب کچھ اسی کا ہے، اگر خنثریٰ شادی کے بعد شوقیہ اپنی جاب جاری رکھے تو ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے''۔

''اچھا...... میں خنثریٰ سے معلوم کرتی ہوں، ویسے مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گی، ہماری تربیت بھی ایسی ہے کہ اتنا پڑھنے لکھنے کے باوجود حد سے تجاوز نہیں کر سکتیں''۔ صنوبر بیگم کو ان کی بات سے پورا پورا اتفاق تھا، وہ چلی گئی تھیں۔

راحیلہ بیگم کی نگاہوں میں کونین اور حمزہ کے چہرے کسی سزا کی طرح ثبت ہونے لگے تھے، ان کے اندر وحشت و بے چینی صحرائی بگولے کی طرح گردش کرنے لگی، وقت ایک بار پھر خود کو دہراتا ہوا محسوس ہوا، کل انہوں نے طاقت کے غرور میں، نفرتوں کے جذبات میں ڈوب کر اپنے بیٹے کی محبت کو نیست و نابود کیا تھا، خود اپنے ہاتھوں سے اپنے چمن میں آگ لگائی تھی اور وہ آگ ایسی آگ تھی جو ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود بجھی نہ تھی، اب بھی وہ آگ انہیں بھسم کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی، جس سے وہ مضطرب تھیں۔

''اے غفور الرحیم! اے پروردگار! اے ستر ماؤں سے زیادہ ہم سے محبت کرنے والے! ہم کو چاہنے والے رب! میری حالت پر رحم فرما، مجھ میں حوصلہ نہیں ہے، اب مزید گھر جلتے دیکھنے کا، تیری قدرت بہت بڑی ہے، جہاں سے بندوں کے اختیار کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے تیری حد شروع ہوتی ہے۔ تُو تو وہ بادشاہ ہے، جس کی بادشاہت ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے، ہمارا اوّل و آخر سہارا و اُمید صرف تُو ہے۔ پروردگار! میری مدد کر، ہماری اُلجھنوں کو سلجھا دے۔ آمین''۔

جب بندہ ہر طرف سے مایوسیوں و نا اُمیدیوں کے گھور اندھیرے میں بھٹکنے لگتا ہے تو نور کی ایک وہی کرن نظر آتی ہے جس کا دریچہ ہر وقت اپنے بندوں کے لیے وا رہتا ہے جو شب کے پچھلے پہر صدا دیتا ہے، کون ہے مانگنے والا...... جس کو میں نوازوں...... کون ہے بخشش کا طلب گار، جس کو بخش دوں...... کون ہے گناہوں سے تائب ہونے والا، جس کو میں معاف کروں۔ اس کی صدائیں بے حساب ہوتی ہیں، اس کی کرم نوازیوں کی طرح لامحدود، بندہ اس کی طرف چل کر جاتا ہے، وہ دوڑ کر آتا ہے۔

ایک وقت تھا جب نوشابہ، اپنی بیٹی کرن سمیت ایک صبر آزما امتحان سے گزر رہی تھیں۔ سسرال سے ٹھکرائی ہوئی، شوہر کی ناپسندیدگی کا بوجھ لیے، جب انہیں اپنوں کی ضرورت تھی، اپنائیت کی چاہ تھی، جب جواب میں انہیں اپنوں سے اس قدر سرد مہری و بے گانگی ملی تھی کہ انہوں نے بھرپور توجہ سے صدقِ دل سے اپنے رب کو پکارا تھا، اس سے لو لگائی تھی، اس کے بعد انہیں کسی کی طلب نہ رہی تھی، ان کی بے چینی و بے کلی کو قرار مل گیا تھا، ان سب کی کڑوی بات، ہر نا روا رویہ انہیں پُرسکون رکھتا، صبر و سکون کی وہ مجسم مثال تھی تب راحیلہ بیگم اپنی دیورانیوں (جو مدت ہوئی ان سے قطع تعلق کر چکی تھیں) سے مل کر ان کے خلاف بڑے بڑے پروپیگنڈے کرتیں، مقصد صرف ان ماں بیٹی کو وہاں سے بے دخل کرنا تھا، جس میں وہ کامیاب ہو گئی تھیں لیکن وہ کامیابی آنے والی ہر ناکامی کا آغاز تھی، ماضی ان کے لیے گلے سے لپٹا سانپ بن چکا تھا جو ہر موقع پر ان کو ڈستا تھا، کل نوشابہ کو نماز و وظائف میں مشغول دیکھ کر ان کو جادوگرنی و فتنہ پرور گردانے والی راحیلہ بیگم

آج اپنے نادم اشکوں سے سجدے کی جگہ بھگو دیا کرتیں، دن ورات کا وقت ان کا زیادہ تر جائے نماز پر ہی گزرتا تھا، پھر بھی ضمیر کا بوجھ کم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔

روح پر چھائی تھکن روز بروز بڑھ رہی تھی، دل کی بے چینی فروں نہ ہوتی تھی، ذہن پر کثافت تھی کہ بڑھتی جارہی تھی۔

دعائیں قبولیت کی سند نہ پاسکی تھیں۔

سجدوں میں شاید ابھی وہ اخلاص پیدا نہ ہوسکا جوان کی دانستہ ونادانستہ کی گئی خطاؤں وگناہوں کو معاف کرواسکے، مشکلات و مصائب کے دوران پروا تھے نئی نئی پریشانیاں انہیں گھیرے تھیں۔ حسب توقع خضریٰ نے کوئی انکار و اقرار نہ کیا تھا۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ فیصلہ بزرگوں کا منشاء پر چھوڑ دیا تھا۔

کونین کو آگے بڑھنے سے روکنے کا اس سے بہتر راستہ اور کوئی نہ تھا، کونین کی ہر روز بڑھتی دیوانگی نے اسے فکرمند کر رکھا تھا۔

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی میری بچی! اگر میں تمہارے دل کے کرب سے بھی بے خبر نہیں ہوں، میری دعا ہے تمہیں ڈھیروں خوشیاں ملیں اور...... اس دیوانے کے لیے بھی دعا کرنا، اللہ تم جیسا صبر وحوصلہ اسے بھی عطا کرے"۔ وہ خضریٰ کو لپٹا کر بولیں۔

☆......☆......☆

"لو ہوگئے پیپرز"۔ زویا اندر آتی ہوئی بولی۔

"کیا ہوا؟" موّل اور حورین چونک کر گویا ہوئیں۔

"وہی ہوا، جس کا اندیشہ ذوالنون بھائی کو تھا"۔

"ہاں...... چلو اچھا ہے اب ذرا مزے سے تیاری کریں گے، ورنہ سچ مجھے بڑی ٹینشن ہوگئی تھی"۔ زویا ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ اگر بی بی جان کا ڈر تمہیں نہ ہو تو تم پڑھنے جاؤ ہی نہیں، اپنے بیڈروم میں رسالے پڑھتی رہو اور مووی دیکھتی رہو"۔

"قسم سے بالکل میرے دل کی ترجمانی کی ہے تم نے"۔ وہ ہنستی ہوئی اُٹھ کر بیٹھ گئی، موّل نے اسے گھورا تھا ڈھٹائی پر۔

"بھئی! میرے خیال میں لڑکیوں کا پڑھنا اس حد تک درست ہے کہ وہ رسالے پڑھ سکیں، نیٹ پر چیٹنگ کرسکیں اور تھوڑی بہت اُلٹی، سیدھی انگلش بول کر اپنی فرینڈز کو امپریس کرسکیں، یہ اتنی بڑی بڑی ڈگریز لے کر بھی ہم لڑکیوں کو وہی چولہا، ہانڈی وغیرہ کرنا ہوتا ہے"۔

"ضروری نہیں ہے، اس دور میں ایجوکیشن ضروری ہے، چولہا ہانڈی کے لیے ملازم افورڈ کیے جاسکتے ہیں یا کسی بھی ہوٹل سے ضرورت پوری کی جاسکتی ہے مگر تعلیم آپ خرید نہیں سکتے، اسے حاصل کرنا پڑتا ہے"۔

"ہمارے ہاں ایسی کسی عیاشی کا تصور ہی حماقت ہے، ننھی بچی، ہمارے مردوں کا پیٹ گھر کی خواتین کے ہاتھوں سے پکے کھانوں سے ہی بھرتا ہے، کبھی کبھی ہی منہ کا ذائقہ بدلنے باہر نکلتے ہیں"۔ زویا نے توجیہہ پیش کی۔

"بڑی اماں! تمہیں کون سا سدا اسی گھر میں رہنا ہے"۔ مومل نے ننھی بچی پر چڑ کر اسے بڑی اماں کے لقب سے پکارا، حورین کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"مجھے تو اس گھر سے باہر جانے کے چانس نظر نہیں آتے"۔

"اوہ...... کیا ارادے ہیں؟" حورین نے شوخی سے چھیڑا۔

"مجھے نیک نظر نہیں آتے"۔ مومل نے کہا، تینوں ہنس پڑیں۔

"بزرگوں کی نظریں مجھے آج کل کچھ گڑبڑ لگ رہی ہیں"۔ زویا نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"بزرگوں کی نظریں یا کسی اور کی نیت؟"

"نہیں فرینڈز! کسی نے ایسی نظر سے دیکھا ہی نہیں تو "نیت" کیسے معلوم ہوگی"۔ زویا مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔

"خواہ مخواہ سسپنس کری ایٹ کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہو تم بتاؤ حورین! کل یونیورسٹی میں کیا ہوا تھا؟"

"بتایا تو تھا، کتنی مرتبہ سنو گی"۔

"یہ بتاؤ، حیدر وہاں تنہا تھا یا تمہاری خاطر رُکا تھا، جہاں تک میرا خیال ہے وہ ذوالنون بھائی کی پرچھائیں ہے، کبھی بھی ہم نے اسے ان کے بغیر نہیں دیکھا تو کل کیا وہ ان کے ساتھ نہیں تھے؟" وہ دونوں ہی متجسس تھیں، کل سے اب تک کئی بار اسے کریدنے کی سعی کر رہی تھیں۔

"تو پھر اس سٹوپڈ کے ساتھ اس "بھائی" کا دم چھلا لگانے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ بڑبڑائی۔

"ضرورت ہے، ذوالنون بھائی کی پرسنالٹی ہے ہی اتنی گریس فل کہ بندہ خود ہی احترام کرنے لگتا ہے"۔ مومل نے کہا۔

"ہونہہ، اِل مینرڈ، جاہل، دُنیا بھر کی بے حسی ہے اس میں"۔ ذوالنون کی تعریف پر وہ بیچ پا ہو کر گویا ہوئی تھی۔

"ارے رے...... ایسا کیا کر دیا انہوں نے؟" زویا سخت حیران تھی۔

"میں کل جو زندہ نکل کر وہاں سے آئی ہوں تو اس میں حیدر کی کوشش تھی، وہ مجھے لائبریری سے لے کر آیا، حالانکہ اس کی حالت بہت ویک تھی، بہت انجرڈ تھا وہ، مگر پھر بھی اس نے میری خاطر اسٹریگل کی، مجھے مشکلوں سے وہاں سے نکالا، تم تو جانتی ہو مجھے بلڈ سے کس قدر خوف محسوس ہوتا ہے، حیدر کو خون میں دیکھ کر میرے حواس گم ہو رہے تھے۔ مزید اسے دیکھ کر تو میں بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی"۔

"کیوں...... کیا وہ بھی انجرڈ تھے؟" زویا چونک کر گویا ہوئی۔

"شاید...... کیونکہ اس کی وہائٹ شرٹ خون سے ریڈ ہو رہی تھی"۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے وہ بھی اس جھگڑے کی زد میں آئے ہیں"۔ زویا کی تجسس آمیز طبیعت پارے کی طرح متحرک تھی۔

"یقیناً تمہیں وہاں سے نکالنے کے چکر میں وہ انجرڈ ہوئے ہوں گے"۔

"مجھے نکالنے کے چکر میں خواہ مخواہ، اس کا اپنا ہی کوئی چکر ہوگا"۔ حورین تنفر سے گویا ہوئی تھی۔

''تم ان کی طرف سے ہمیشہ بدگمانی میں مبتلا رہتی ہو، وہ بُرے نہیں ہیں، وہ اگر تمہاری مدد نہیں کرتے تو تم کس طرح وہاں سے نکل پاتیں''۔ موبل ذوالنون کی سائیڈ لیتے ہوئے بولی۔

''اس نے میری کوئی مدد نہیں کی، حیدر کی وجہ سے میں باہر آئی ہوں''۔ وہ کسی طور ماننے کو تیار نہ تھی۔

''حیدر نے ان کی بیک پر ہی تمہاری سپورٹ کی، اگر ان کی منشاء نہ ہوتی تو حیدر تمہاری ہیلپ کو نہیں پہنچ سکتا تھا''۔

زویا بھی موبل کی طرح ذوالنون کی سائیڈ لے رہی تھی، اس کے حسین چہرے کی فراخ پیشانی پر شکنوں کے جال بن گئے تھے، آنکھوں سے ناگواری عیاں تھی۔

''تم جب اس شخص کی حمایت لیتی ہو، مجھے سخت بُرا لگتا ہے''۔

''ہم ان کی حمایت نہیں لے رہے، تم مائنڈ مت کرو''۔

موبل اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر نرمی سے گویا ہوئی۔

''یہ تو وہی انداز ہوا کہ کسی کے گلے پر چھری رکھ کر کہو، ہم تمہارے گلے پر چھری پھیر رہے ہیں، پلیز تکلیف محسوس مت کرنا''۔

اس کے جلے کٹے انداز پر دونوں ہنس پڑی تھیں، پھر موبل اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر لگاوٹ بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''یو ڈونٹ نو مائی سویٹ فرینڈ! تم سے زیادہ ہمیں کوئی عزیز نہیں ہے''۔

تمہارے لیے یہ خوب صورت قطعہ عرض ہے۔

نئے دور کے نئے خواب ہیں، نئے موسموں کے گلاب ہیں

یہ محبتوں کے چراغ ہیں، انہیں نفرتوں کی ہوا نہ دے

ذرا دیکھ چاند کی پتیوں نے بکھر بکھر کر تمام شب

تیرا نام لکھا ہے ریت پر کوئی لہر آ کے مٹا نہ دے

''مجھے تمہاری ایسی باتیں امپریس نہیں کر سکتی ہیں انڈرسٹینڈ؟'' وہ ہونٹوں تلے مسکراہٹ دبا کر مصنوعی غصے سے بولی۔

''اوکے......اوکے مادام! کسی اور کا غصہ ہم پر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مطلب یہ تھا کہ تم ہماری باتوں کو مائنڈ کیے بنا یہ بتا دو کہ بے چارے ذوالنون بھائی سے اب کیا خطا ہو گئی جو تم ان کو ایسے نام سے پکار رہی ہو جو ان پر سوٹ نہیں کر رہے ہیں''۔

''یس پرفیکٹ، تم بضد ہو کہ حیدر نے تمہاری ہیلپ کی ہے تو اس کی پیچھے بھی ذوالنون کی ذات ہے''۔ زویا نے بھی موبل کی تائید کی۔

''تمہارا وہ ''بھائی'' حیدر سے کہہ رہا تھا، یہ وہ ہمدردی ہے جو گلے پڑتی ہے۔ حیدر نے آہستہ سے کہا کہ یار! خیال کرو وہ سن رہی ہے تو موصوف کہنے لگے، سنتی ہے تو سن لے، اٹ از ناٹ مائی ہیڈک''۔ وہ غصے میں اس کی نقل اُتارتی چلی گئی۔

''کوئی گھٹیا سے گھٹیا شخص بھی اس طرح کسی گرل کی انسلٹ نہیں کرتا ہے۔ اس شخص کو تو لگتا ہے انسانیت چھو کر بھی نہیں گزری ہے''۔

"او کے، کلوز کرتے ہیں اس چیپٹر کو، ابھی ہمارے پاس ایکسٹرا ٹائم ہے اور میں چاہتی ہوں اس ٹائم کو خوب انجوائے کرتے ہیں، بہت دن ہو گئے ہم نے کوئی پکنک کا پروگرام نہیں بنایا ہے، کیوں نہ شان دار سی پکنک منائی جائے؟" زویا نے یکلخت ہی موضوع بدل کر پُرجوش انداز میں کہا۔

"ہوں......ہوں، کیوں نہیں، بی بی جان سے اجازت کون لے گا؟"

"حورین کس مرض کی دوا ہے، یہ لے گی اجازت"۔

"میں......نہ......نہ مجھے ڈر لگتا ہے بی بی جان کی خفگی سے"۔

"فضول ہی لگتا ہے، بی بی جان جتنی اہمیت تمہاری باتوں کو دیتی ہیں، اتنی کسی اور کو نہیں، تم کہہ کر تو دیکھو، انکار نہیں کریں گی"۔ زویا نے ہمت بڑھائی۔

☆......☆......☆

بے خبر لوٹ کر سوئے ہیں وہ نیندیں میری
جذبۂ دل پر ترس کھانے کو جی چاہتا ہے
کب سے خاموش ہوا ہے جانِ جہاں کچھ تو بولو
کیا ابھی اور ستم ڈھانے کو دل چاہتا ہے

ہریرہ بحیثیت عاشق کے انداز میں گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"پہلے نام لینے سے حاضر ہوتے تھے، اب بنا نام سنے ہی حاضر ہو جاتے ہو، اتنی خباثت بڑھ گئی تمہاری"۔ حورین نے جل کر کہا۔

"کیا کریں پروموشن تو ملنی تھی۔ آخر تم سے رشتے داری جو بڑھ گئی ہے"۔ وہ بھی ہریرہ تھا، لاجواب ہونا جس نے سیکھا نہ تھا۔

"مجھ سے کون سی رشتے داری بڑھ گئی ہے تمہاری؟"

"یاد کرو......کل یہی وقت تھا اور ایسا ہی موسم جب میں کار کسی سپر اسٹار ہیرو کی طرح دوڑتا ہوا یونیورسٹی پہنچا تھا جہاں تم اس نوجوان کے ساتھ ڈری، سہمی کھڑی تھیں اور پھر مجھے دیکھ کر میری طرف اس محبت سے بڑھیں......جیسے......جیسے......"

"کوئی بے بی اپنے پیا کی طرف بڑھتی ہے"۔ وصی لنگڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا، وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"یار! دل تو چاہ رہا ہے تجھے ایسی بددعا دوں کہ ساری زندگی یاد کرے"۔

"میں بنا بددعا کے بھی ساری زندگی تمہیں یاد کروں گا"۔

"وصی! پلیز خاموش رہو، ہریرہ کل کی بات سنا رہے ہیں"۔ زویا نے ٹھنک کر اسے چپ رہنے کو کہا۔

"ہاں......کل میں یونیورسٹی گیا تو موسم بڑا سہانا تھا، ابر آلود تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں نمی تھی، درختوں میں کوئل کوک رہی تھی، بادل

برسنے کو تیار، ماحول میں خواب ناک سرمئی اندھیرا......"

"شٹ اَپ، جسٹ شٹ اَپ"۔ حورین چیخی۔

"ہریرہ بھائی! گپ مارنے کی نہیں ہو رہی ہے، سچ سچ بتائیں"۔ سول مسکراتے ہوئے اصرار کرنے لگی۔

"اچھا...... لیکن تم کیوں ناراض ہو رہی ہو؟"

"تمہاری اس بکواس سے مجھے چڑ ہے"۔

"مگر مجھے تمہارا کل میرے شانے پر سر رکھ کر رونا بہت اچھا لگا ہے۔ میری کھلی آفر ہے جب بھی تمہیں رونا ہو، یہ شانہ حاضر ہے"۔

"کل...... کل تو میں بہت ڈر گئی تھی اس لیے......"

"میری دعا ہے تمہیں ایسا ڈر ہر وقت لگے"۔ وہ مسکرایا۔

"ہونہہ، تم ایسی تمنائیں لے کر ہی مر جانا"۔

"میں نے کم کم ایسی محبت دیکھی ہے"۔ وصی کھڑے ہوتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہم جیسی محبت؟" ہریرہ فخریہ انداز میں گویا ہوا۔

"ہاں...... اس دور میں بھلا کون بھائی اپنی بہن سے ایسی محبت......" اس کی بات ادھوری رہ گئی، ہریرہ اس کی طرف بڑھا تھا، وہ پہلے سے ہوشیار تھا، اسے پاس آتے دیکھ کر وہ بھاگا تو ہریرہ بھی پیچھے بھاگا تھا۔

"خس کم جہاں پاک"۔ حورین نے پُرسکون انداز میں کہا۔

☆......☆......☆

رستے بھر رو رو کر ہم سے پوچھا دل کے چھالوں نے

بستی کتنی دور بسالی دل میں بسنے والوں نے

کون ہمارا درد پڑھے گا ان زخمی دیواروں پر

اپنا اپنا نام لکھا ہے سارے رونے والوں نے

دل کا غموں سے رشتہ کیا ہے؟ عشق کا حاصل آنسو کیوں؟

ہم کو کتنا زہر پلایا ان بے درد سوالوں نے

"ان خلاؤں میں کچھ دریافت نہیں کر پاؤ گے، واپس آ جاؤ"۔ پروفیسر آفتاب حسن نے اس کی جانب دیکھ کر کہا تو وہ گہرا سانس لے کر بیٹھ گیا۔

"سر! کسی اور کو بھی انوائیٹ کیا ہے آپ نے؟"

"ہاں، حیدر، مامون، صفدر نے آنے کی ہامی بھری ہے زویا، سوہل اور حورین بھی آئیں گی، میری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ تمام طلبا، وطالبات آئیں مگر لوگ آج کل میوزک مستی، ہلہ گلہ ناچ گانے والی پارٹیز میں جانا پسند کرتے ہیں یہاں ہونے والی روکھی پھیکی محفل میں انہیں کوئی چارم، کوئی اٹریکشن فیل نہیں ہوتی وہ نہیں آتے"۔

"وہ اپنے مخصوص مشفقانہ نرم انداز میں بات کر رہے تھے۔

"آپ افسردہ نہ ہوں سر! چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ جب ہم چلیں ہیں تو کارواں بن ہی جائے گا۔ اچھائی کی روشنی دیر سے پھیلتی ہے مگر ہمیشہ ساتھ رہتی ہے"۔ اس نے مسکرا کران کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ مسرت سے جھوم اُٹھے تھے۔

"تھینکس ینگ مین! جب آپ جیسے جوان عزم و اعلیٰ حوصلے والے لوگ میرے ساتھ ہیں تو مجھے کوئی اندیشہ ناکامی نہیں ہے"۔

"تھینک سر! آپ ہمیں اپنے ساتھ ہی پائیں گے"۔

"انشاء اللہ، میں ذرا ہاتھ لے کر آ رہا ہوں، تب تک اگر کوئی گیسٹ آ جائے تو ریسیو کیجئے گا"۔ وہ کہہ کر بیڈروم کی طرف بڑھ گئے، وہ ٹیبل پر رکھے نیوز پیپرز پڑھنے لگا تھا، کچھ دیر بعد کال بیل ہوئی تھی۔

اس نے گیٹ کھولا تو سیدھی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں جو کچھ کنفیوز سی ہوگئی تھیں اسے وہاں دیکھ کر۔

"سر! سر آفتاب حسن ہیں؟" جارجٹ کے وہائٹ سوٹ میں جس پر لائٹ اینڈ ڈارک پنک کلر کی کڑھائی میں ہمرنگ ستارے موتی چمک رہے تھے، پنک نازک سی جیولری میں سادہ فریش چہرے سے وہ چاند کی طرح اُجلی اُجلی و سحرانگیز لگ رہی تھی۔

"میں نے پوچھا ہے آپ سے، سر آفتاب حسن ہیں؟" اسے خاموشی سے کھڑے دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر گویا ہوئی، اس کے انداز میں بے اعتمادی تھی، ایک تو وہ اس کے راستہ دینے کے باوجود اندر نہ آئی، دوسرے پیچھے ہٹ کر جو اس نے بے اعتمادی کا تاثر چھوڑا تھا، اس نے ذوالنون کا دماغ پوری طرح کھولا ڈالا، جواباً اس نے دروازہ زوردار آواز سے بند کر دیا۔

......❀......

دھاڑ سے بند ہونے والے دروازے کی صدا پیچھے آنے والی سوہل اور زویا نے بھی سنی تھی، وہ حیرانی سے دروازے اور اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ جس کے چہرے پر شرمندگی اور غصے کی سرخی چھا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ یہ دروازہ کس نے بند کیا ہے؟" زویا نے پوچھا۔

"وہ جانور ہے، میں جا رہی ہوں"۔ وہ شدید غصے میں واپس مڑی تھی، وہ دونوں حیران و پریشان سی اس کے پیچھے تھیں۔

"کیا ہوا تھا ابھی؟ وہ آواز کیسی تھی؟" سر آفتاب حسن نے وہاں آ کر دریافت کیا، وہ دروازے کی زوردار آواز سن کر بوکھلا کر آئے تھے۔

"آپ کے گیسٹ ہیں باہر سر!" وہ اپنے اندر مچلتے اشتعال پر قابو پانے کی جدوجہد میں ان سے مخاطب ہوا۔

"میرے گیسٹ!" انہوں نے ذوالنون کی طرف دیکھتے ہوئے زیرلب کہا۔ اس کی ذہین آنکھیں متعجب انداز میں اس کی بدلی

ہوئی کیفیت کو کھوج رہی تھیں، کچھ دیر قبل وہ بہت مطمئن و مسرور نظر آ رہا تھا، اب اس کے چہرے پر تناؤ و جھنجلاہٹ واضح تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے، کوئی ایسی بات ضرور ہے جو اس کے مزاج کے خلاف ہوئی ہے، ایسا کیا ہوا ہے؟ وہ سوچتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے، اسی لمحے یکلخت ان کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ذوالنون نے جس گیسٹ کا نام لینے سے گریز کیا تھا، اس کا بگڑا موڈ وہ گیسٹ کہیں حورین تو نہیں ہے؟ اس خیال کے آتے ہی وہ گیٹ کھول کر باہر نکلے تھے، وہاں ان کا چھوٹا سا لان خالی تھا، وہ پارکنگ لاٹ کی طرف گئے تو وہاں حورین، مومل اور زویا کو کھڑے پایا۔ حورین کے چہرے کی غیر معمولی سرخی دور سے نظر آ رہی تھی۔ ساتھ کھڑی مومل اور زویا اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"السلام علیکم سر!" وہ قریب پہنچے تو تینوں نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! یہ آپ لوگ یہاں کیوں کھڑی ہیں، اندر آئیں"۔ انہوں نے مشفقانہ انداز میں سلام کا جواب دے کر کہا تھا۔

"سر یہ حورین......"

"سر! اچانک ہی میرے سر میں درد ہونے لگا ہے، آئم سوری سر! میں واپس جانا چاہتی ہوں"۔ اس نے مومل کی بات قطع کر کے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، آپ یہاں آ کر یہیں سے واپس چلی جائیں، اندر چلیں، وہاں مزے دار چائے پئیں گے، بھاگ جائے گا سر درد"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سر درد کا حل پیش کیا مگر حورین کسی صورت اب ذوالنون کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھی۔

"میں نیکسٹ ٹائم ضرور جوائن کروں گی سر! ابھی تو پلیز جانے دیں، میں نے شوفر کو کال کر دی ہے، ابھی وہ راستے میں تھا، واپس آ رہا ہے"۔

"پروفیسر آفتاب حسن کی اس سے بڑھ کر انسلٹ کیا ہوگی کہ کوئی مہمان آ کر دروازے سے ہی واپس لوٹ جائے، کیا ہم آپ کو ایک کپ چائے پلانے کے بھی قابل نہیں ہیں؟ اتنے نالائق میزبان ہیں ہم؟"

انہوں نے جذباتی انداز میں کہا، حسب توقع وہ ان کے دباؤ میں آ گئی تھی۔

"پلیز سر! ایسا مت کہیں، آپ بہت گریٹ ہیں سر"۔ انہیں ناراض دیکھ کر حورین اپنی خفگی بھول کر گویا ہوئی، اس کا ساتھ ان دونوں نے بھی دیا۔

"سر! ہم سب یہاں آئے ہیں آپ کے پاس، اس سے بڑھ کر آپ کی قابلیت اور لائق ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے"۔ زویا نے کہا۔

"اور رہی بات چائے پینے کی تو ہم صرف چائے نہیں پئیں گے، چائے کے ساتھ سموسے بسکٹ بھی کھائیں گے"۔ مومل نے خواہش ظاہر کی۔

"چلیں سر! میں نے شوفر کو منع کر دیا ہے"۔ حورین سیل آف کر کے پرس میں رکھتی ہوئی بولی، وہ تینوں ان کے پیچھے اندر داخل ہوئی تھیں۔

موبل اور زویا، ذوالنون سے اس کی خیریت دریافت کرنے لگی تھیں، وہ آ کر شنیل کے صوفے پر بیٹھ گئی، کوشش کے باوجود اپنے چہرے پر آئے کبیدگی کے تاثرات چھپا نہ سکی تھی۔

سر آفتاب انہیں یہاں بٹھا کر نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ موبل اور زویا ذوالنون کے ساتھ باتیں کرنے میں ایسی مگن ہوئی تھیں کہ اس کی یہاں موجودگی کو گویا فراموش کر چکی تھیں۔

ذوالنون کی اس حرکت سے وہ پہلے ہی تپی ہوئی تھی اور اس طرح ان کا اسے نظر انداز کر کے اس کمینے انسان کے ساتھ باتیں بنانا بُری طرح کھولا رہا تھا، جبکہ وہ انہیں اس کے نامناسب طرزِ عمل کے متعلق بتا چکی تھی، جسے سن کر انہوں نے اس کے غلط طرزِ عمل کو بُرا کہا تھا اور اب اس کے معمولی سے لفٹ کروانے پر سب بھول کر اس سے باتیں کر رہی تھیں، حورین کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ قصداً اسے جلانے کے لیے ان سے باتیں کر رہا ہے۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" سر آفتاب کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ان تینوں سے گویا ہوئے، پھر حورین کو تنہا بیٹھا دیکھ کر گویا ہوئے"۔ حورین! آپ وہاں تنہا کیوں بیٹھی ہیں، یہاں آئیں"۔

سر آفتاب نے اس سے کہا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تو انہوں نے اس کے لیے اسی سینٹر صوفے پر جگہ بنائی تھی، جس کے ایک سائیڈ وہ بیٹھا تھا جس کی موجودگی اسے ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی مگر اسے مجبوراً بیٹھنا پڑا تھا۔ سر خود درمیان میں بیٹھ گئے تھے۔

"آپ کہاں غائب ہو گئے تھے سر؟" زویا نے کہا۔

"چائے تیار کرنے کے لیے رکھ کر آیا ہوں"۔ وہ مسکرائے۔

"وہاٹ! آپ خود سر"۔ موبل حیرانی سے گویا ہوئی۔

"یس، کوکنگ تو ویسے بھی زیادہ تر میں خود ہی کرتا ہوں، باقی دوسرے کاموں کے لیے بخشو ہوتا ہے، پھر دو افراد کے لیے کوکنگ ہوتی ہی کتنی ہے"۔ وہ اپنے مخصوص شستہ ملائمت بھرے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"آج اتفاقاً بخشو اپنے دوست سے ملنے گیا تو وہاں دیر ہو گئی ہے اسے، ورنہ جب مہمان آتے ہیں تو کچن کی ذمے داری وہی سنبھالتا ہے"۔

"سر الیڈیز کی موجودگی میں آپ کچن مین مین کریں، میں اس سے ایگری نہیں کرتا"۔ ذوالنون نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"جی سر! بالکل درست بات کہہ رہے ہیں"۔ زویا اور موبل نے گردن بھی زبان کے ساتھ ساتھ ہلائی تھی۔

"اٹس او کے مائی چلڈرن! یہ چائے اسپیشلی حورین کے لیے ہے۔ یہ ہم سے ملے بنا ہی واپس جا رہی تھیں، سر میں درد کی وجہ سے"۔ ان کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی، ایسی ہی جیسے کسی باپ کے لہجے میں اپنے بچوں کے لیے ہوتی ہے، حورین شرمندہ سی ہو گئی، وہ ان سے پھر معذرت کرنا چاہ رہی تھی، معاً اس کی نگاہ اس کی جانب اُٹھی تھی جو کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، اس کی سرمئی مغرور

آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی، لبوں پر مبہم استہزائیہ مسکراہٹ۔

اس کے اندر لہو کی کھولن شرارے بن کر دوڑنے لگی اور شدت سے دل چاہنے لگا کہ اس کے تھپڑ لگائے کہ چہرے کا رنگ اس کی ٹی شرٹ کے کلر کی طرح ریڈ ہو جائے اور آنکھیں فیوز ڈ بلب کی طرح بے نور نظر آئیں۔

"تھینکس سر! جو آپ آ گئے تھے اگر میں چلی جاتی تو آپ کی گریس فل کمپنی سے محروم رہنے کا افسوس رہتا، بعض اوقات ہم اپنے راستے میں آنے والے کانٹوں سے بچنے کے لیے راستہ بدل لیتے ہیں اور انجانے میں نقصان کر بیٹھتے ہیں، اگر ہم ایموشنل نہ ہو جائیں تو ایک ٹھوکر سے وہ خارہٹ سکتے ہیں۔ بات ہے ہماری جذباتیت کے آؤٹ آف کنٹرول ہونے کی"۔

اس کے ذومعنی لہجے میں گہری کاٹ تھی، ذوالنون نے پہلو بدلا تھا۔

"سر! میں چاہوں گی ہماری آج کی محفل کا فرسٹ سبجیکٹ "گڈ مینرز" ہونا چاہیے۔ اکچوئیلی سر! گڈ مینرز سے ہماری پرسنالٹی کی شناخت ہوتی ہے"۔ ذوالنون کے چہرے پر چھائی کچھ لمحے قبل کی بشاشت و طمانیت، ناگواری و درشتی میں بدلنے لگی تھی، ہر بار وہ اس کے انداز وں سے بڑھ کر ثابت ہوتی تھی، اس سے قبل اس نے کسی لڑکی کو اپنے خلاف نہیں پایا تھا، اس کو دیکھ کر بڑی سے بڑی گھمنڈی و طرحدار لڑکی موم کے سانچے میں ڈھل جاتی تھی، اس کی بے رخی، بے اعتنائی و بے عزتی کو کسی اعزاز کی طرح سمیٹتی تھیں، کبھی کسی کے منہ سے لفظ شکوہ نہ نکلا تھا۔

اس سرپھری لڑکی نے صحیح معنوں میں اسے چونکا دیا تھا۔

اب بھی وہ براہ راست اس کو ٹارگٹ بنائے لفظوں سے اٹیک کر رہی تھی۔ وہ اس سے کمزور نہ تھا، ہر حملے کا بھرپور جواب دینا جانتا تھا مگر پہلے بھی ایک مرتبہ وہ اس لڑکی کی وجہ سے سر آفتاب کے سامنے کنفیوز ہوا تھا۔ اب دوبارہ ایسا ہرگز نہ چاہتا تھا، سو برداشت کر گیا۔ حیدر، مامون اور توصیف بھی آ گئے، ردا اور ثمرین کے آنے کے بعد وہاں ایک ہفتے قبل ہونے والے جامعہ میں ہنگامے کے متعلق باتیں ہونے لگی تھیں۔

چائے کے ساتھ سر آفتاب نے خاصا انتظام کر رکھا تھا۔ ان پانچوں نے مل کر لاؤنج میں بچھے کارپٹ پر دسترخوان لگا کر چائے اور دیگر لوازمات رکھے تھے۔ وہ سب کھانے پینے کے دوران ہلکی پھلکی باتوں میں مگن تھے۔ سر آفتاب بار بار اچھے میزبان کی طرح انہیں کچھ نہ کچھ پیش کر رہے تھے۔

"حورین! تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟" ثمرین نے سموسے پر کیچپ ڈالتے ہوئے سرگوشی میں حورین سے دریافت کیا۔

"میرا موڈ کیوں آف ہونے لگا"۔ وہ تھرماس میں سے چائے نکالتی ہوئی سپاٹ انداز میں گویا ہوئی، کچن میں سامان کی سیٹنگ کے دوران مومل اور زویا ان دونوں کو تمام باتوں سے آگاہ کر چکی تھیں، مومل و زویا کا خیال تھا اس نے جو مینرز کی بات کر کے صرف ذوالنون کو نشانہ بنایا تھا، وہ اس کا طرز عمل درست نہیں تھا۔ ثمرین اور ردا نے بھی ان کی بات کی تائید کی تھی۔

وہ چاروں جو اس سے دوستی و محبت کا دم بھرتی تھیں، ذوالنون سے لفٹ ملنے کے بعد سے اس سے دور ہوتی جا رہی تھیں، کل وہ اس کے ساتھ تھیں، آج اس شخص کی طرف داری میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی تھیں، سب کچھ جاننے کے باوجود ثمرین کا سوال اسے جلا گیا تھا۔

"کچھ بھی کہو، تمہارا بی ہیویئر نارمل نہیں ہے"۔ روا نے سمجھایا۔

"معلومات فراہم کرنے کا شکریہ"۔ کہہ کر وہ رُکی نہیں، چائے کا کپ لے کر ٹیرس پر آ گئی جہاں تازہ و شفاف ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا۔

سر آفتاب حسن کا یہ چھوٹا سا خوب صورت بنگلہ شہر کے ہنگاموں سے دور، اس مضافاتی علاقے میں تھا جہاں آبادی برائے نام تھی، یہاں درختوں اور پہاڑوں کے درمیان اُگی جھاڑیوں، جنگلی پھول و پودوں نے ہرا بھرا جنگل بنا ڈالا تھا، ماحول میں ایک پُرسکون خاموشی اُتر آئی تھی۔ وہ وہاں رکھی چیئر پر بیٹھ کر دور سرمئی پہاڑ کے عقب میں آہستہ آہستہ گم ہوتے سورج کے سرخ تھال کو دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو حورین صاحبہ! ہاؤ آر یو؟" حیدر اس کی طرف آ کر بولا۔

"فائن، آپ بتائیں کیسے ہیں؟" پہلی بار اس کے لہجے میں حیدر کے لیے عزت و نرمی پیدا ہوئی تھی۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے، بالکل ٹھیک ہوں"۔ وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا، اس نے بھی حورین کی خوش مزاجی کو محسوس کیا تھا۔

"اس دن تمہیں کافی چوٹیں آئی تھیں، وہ ٹھیک ہو گئیں؟"۔

"جی، اب تو بہت بہتر ہوں، چند دن تکلیف رہی تھی"۔

"خصوصاً مجھے آپ کو شکریہ کہنا تھا، اگر آپ اس دن میری مدد نہ کرتے تو...... نہ معلوم کیا ہوتا؟" اس کے انداز میں صداقت تھی۔

"وہ میرا فرض تھا، پریشانی اطلاع دے کر نہیں آتی مگر ہماری گہری نگاہیں روکی اور اس کے ساتھیوں کی نقل و حرکت پر تھیں، بہت مرتبہ اس نے ہم کو بھٹکانا چاہا تھا، اگر ذوالنون کی رہنمائی ہمیں میسر نہ ہوتی تو یہ ہنگامہ بہت پہلے ہو چکا ہوتا"۔

"حیرت ہے، روکی تو بہت منکسر المزاج آدمی ہے، میری اکثر اس سے گفتگو ہوتی رہی ہے، وہ بہت نرم لہجے میں بات کرتا ہے"۔

"اب میں کیا کہوں، سب آپ کے سامنے ہے، دراصل جو لوگ ڈبل مائنڈڈ ہوتے ہیں، دوہری شخصیت کے لوگ! وہ ہمیشہ اپنا بھیانک چہرہ ماسک میں چھپا کر رکھتے ہیں جو ایسے وقت ماسک سے باہر آتا ہے، آپ ایسے لوگوں کے لیے ہاتھی والی کہاوت دے سکتی ہیں"۔ وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاتھی والی مثال...... کیا؟"

"میری امی اکثر دیتی ہیں یہ مثال کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور"۔ اس کے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر گویا ہوا۔

"سوری، مجھے مثالیں یاد نہیں رہتیں"۔ وہ بھی مسکرائی تھی۔

"حیدر! چل رہے ہو؟" ذوالنون بولتا ہوا اس طرف آیا تھا، وہاں حورین کو بیٹھا دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ یہی حال حورین کا ہوا تھا، اس کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہوئی تھی، حیدر کی حساس نگاہوں نے فوراً ہی معاملہ بھانپ لیا تھا۔

"بیٹھو نا چلتے ہیں ابھی"۔ اس نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں جا رہا ہوں، تم آتے رہنا"۔ وہ اس کی پیشکش نظر انداز کر کے سر آفتاب کے روم کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

"کچھ اپنی کینڈس، مینرز آپ اپنے فرینڈ کو بھی سکھایئے"۔ وہ جان کر تیز لہجے میں گویا ہوئی جس کو ذوالنون نے بخوبی سنا، وہ پلٹ کر جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سر آفتاب اسی ساعت کمرے سے نکلے تھے۔ اس نے اجازت لی تو حیدر بھی وہاں چلا آیا تھا۔ وہ مامون کی کار میں آیا تھا، اب اسے معلوم تھا ثمرین اور روا کی موجودگی میں وہ جانے والے نہیں تھے، اس لیے وہ پہلے ہی ذوالنون سے کہہ چکا تھا۔

"آج تو سارا ٹائم باتوں میں گزر گیا یا ایک دوسرے کے انتظار میں، اگلی بار سب ٹائم پر آئیں گے تو محفل جمے گی، تم آج یقیناً سب سے پہلے آ گئے ہو گے"۔ حیدر نے کار ڈرائیو کرتے ذوالنون سے پوچھا۔

"ہاں"۔

"حورین، زویا اور موبل کب آئی تھیں؟"

"میرے بعد"۔

"سر آفتاب بھی کمال ہیں، پتھر کو موم بنانا چاہتے ہیں، کچھ عرصہ قبل حورین ہم سے اپنی پرچھائی بھی بچاتی تھی، آج سر کی بدولت وہ ہم میں سے ہیں، ہم سے بات کرتی ہیں، ہمارے درمیان بیٹھتی ہیں"۔

"تم اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو، وہ زمین کی ہی مخلوق ہے کوئی آسمان سے اُتری ہوئی نہیں ہے"۔ حورین کے بار بار ذکر پر وہ اپنی کبیدگی مزید پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

"تم یار! ان کے نام پر انگارے کیوں چبانے لگتے ہو"۔

"پھر کیا پھول برساؤں؟" وہ ترشی سے گویا ہوا۔

"میرے خیال میں تمہیں اب اپنا رویہ تبدیل کرنا چاہیے"۔

"میرے خیال میں مجھ پر اتنا بُرا وقت نہیں آیا ہے کہ ایک بددماغ اور کم عقل لڑکی کے لیے اپنا رویہ بدلوں"۔

"بات ایسی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو اور ویسے بھی......"

"پلیز میں اس ٹاپک پر کوئی بکواس سننا نہیں چاہتا"۔

اس کے سنجیدہ لہجے میں وہ مخصوص قطعیت تھی جو مقابل کو جرح کا موقع نہ دیتی تھی۔

☆......☆......☆

منال، فائقہ بیگم کے ساتھ پارٹی سے لوٹی تھیں، ملازمہ نے آ کر اطلاع دی کہ راحیلہ بیگم کا فون آیا تھا، کچھ دیر بعد وہ کال بیک کریں گی۔

''اوہ، کیسے یاد آ گئی آپ کی ان کو؟'' فائقہ بیگم ڈریس چینج کر کے آتے ہوئے بولیں، منال بھی نائٹ ڈریس بدل چکی تھیں۔

''یونو مما! یاد تو ہماری ان کے دل میں دھڑکن کی طرح رہتی ہے، مگر ہم لفٹ ہی نہیں دیتے تو وہ جھجکتی ہیں، ورنہ رات دن فرصت نہ ہو، ہمیں ان کی محبت والفت کے سمندر میں غوطہ زن رہنے سے''۔

وہ بالوں میں اُنگلیاں پھیرتی ہوئی ادائے بے نیازی سے گویا تھیں۔

''کوئی تو وجہ ہوگی کال کرنے کی''۔ وہ پُرتجسس انداز میں گویا ہوئیں۔

''یس، کوئی نہ کوئی امپورٹینڈ میسج ہے ورنہ ان کی ہمت کہاں ہوتی ہے، بلاوجہ کال کرنے کی، کوئی پروگرام ہوگا جس میں انوائیٹ کرنا چاہ رہی ہوں گی۔ ان کے ساتھ یہی پرابلم ہے، کوئی بھی مسئلہ ہو، سب سے پہلے وہ میری طرف ہی دوڑتی ہیں کہ گھر کی بڑی بہو ہوں، میری مرضی کے بنا کوئی کام نہیں ہوسکتا، عجیب لوگ ہیں وہ مما! کتنی بار ان کی انسلٹ کر چکی ہوں مگر ہر بار وہ سب بھلا کر آ جاتے ہیں''۔

''ان کے آنے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جس سے رشتہ جوڑا ہے وہ آئے تب بات ہے، ورنہ سب دکھاوا ہے، جھوٹ ہے''۔

ہمیشہ کی طرح فائقہ بیگم نے انہیں سسرالیوں سے متنفر کیا تھا۔ فائقہ وہ عورت تھی جو سسرال سے وابستہ ہر شے کو ٹھوکر لگاتی آئی تھیں، نہ انہوں نے اپنی ساس کی عزت وقدر کی، نہ کوئی احترام بخشا اور ایسی ہی تربیت وہ بیٹی کی کرتی آئی تھیں، یہی وجہ تھی کہ منال ان لوگوں کو ذرا بھی وقت دینے کو تیار نہ تھیں، حالانکہ ان کا بہترین رویہ بھی کبھی ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتا تھا اور ضمیر کے بیدار ہونے سے قبل ہی فائقہ بیگم یا ان کے اندر موجود ان کے خلاف نفرت بر اچھے احساس وجذبات کو جنم نہ لینے دیتے تھے۔

ملازمہ فون لے آئی تھی، دوسری طرف راحیلہ بیگم تھیں۔

''جی فرمایئے؟'' ان کے لہجے میں سرد مہری وکھر دراپن موجود تھا۔

''کیسی ہو بہو!'' راحیلہ بیگم کے لہجے میں محبت تھی۔

''میں نے آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے مجھے اس نام سے نہ پکارا کریں، نفرت ہے مجھے اس نام سے''۔ وہ بہو، لفظ پر چڑ کر بولیں۔

''میرا ارادہ تمہاری دل شکنی نہیں ہے، پر کیا کروں یہ رشتہ جھوٹ بھی نہیں ہے، تم میری بہو ہو''۔ ان کے لہجے میں نمی در آئی۔

''تمہارے بزدل بھگوڑے بیٹے نے تم سے یہ حق چھین لیا ہے، اب صرف میں اپنے بیٹوں کی ماں ہوں، نہ کسی کی بہو، نہ کسی کی بیوی''۔ فائقہ بیگم کے لبوں پر داد بھری مسکراہٹ تھی، گویا بیٹی کے طرز گفتگو سے بہت خوش ہوں۔ منال بھی ان کی جانب دیکھتے ہوئے بات کر رہی تھیں۔

''میرے بیٹے سے جو تمہارا رشتہ ہے وہ پاک وجائز ہے، کیوں گالی بناتی ہو اس مقدس تعلق کو، میری بہو، میرے بیٹے کی بیوی بنے بنا تم ان بچوں کی ماں بھی نہیں کہلائی جا سکتی ہو، بہتر ہوگا حواس قابو میں رکھو''۔ راحیلہ بیگم نے آئینہ دکھایا تو لمحے بھر کو تو وہ چپ رہ گئیں، پھر کچھ توقف کے بعد جھلاہٹ بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

''کس لیے کال کی ہے؟''

''تمہیں اطلاع دینی تھی، صمد کی بیٹی خضریٰ کا رشتہ آیا ہے، وہ لوگ منگنی کی تاریخ طے کرنا چاہتے ہیں، اگر تمہارے پاس وقت ہو تو آ جاؤ''۔

وہ کیا کہہ رہی تھیں، خضریٰ کی منگنی! انہیں اپنی سماعتوں پر دھوکے کا گمان ہوا، بھلا خضریٰ کا کانٹا اتنی آسانی سے کیسے نکل سکتا ہے؟ جب کہ انہوں نے خود کونین کی آنکھوں میں اس کے نام پر دیپ جلتے دیکھے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ کونین خضریٰ کو جنون کی حدوں سے بڑھ کر چاہتا ہے۔

''بھو...... ! بھو کیا ہوا...... آواز نہیں آ رہی؟'' دوسری جانب سے ان کی پریشان آواز سن کر وہ ہوش میں آئی تھیں۔

''کیا کہا؟ کس کی منگنی ہو رہی ہے؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''خضریٰ کی، صمد کی بڑی لڑکی، خیر تم کو کہاں یاد ہوں گے بچے، مدت ہو گئی ان سے تمہیں ملے ہوئے''۔

''ہاں...... ہاں یاد ہے مجھے وہ سانولی، بھدے نقوش والی خضریٰ''۔

''ارے''۔ راحیلہ بیگم کی قل قل کرتی ہنسی نے انہیں شرمندہ کر ڈالا۔

''نہ معلوم تمہیں کس کا نقش یاد ہے، شاید کسی ملازمہ کی بیٹی ذہن پر ہو گی، خضریٰ کا حسن پھولوں کو شرماتا ہے، رشتوں کی بھرمار ہے اس کے لیے''۔

''یہ رشتہ کہاں سے آیا ہے؟'' وہ متجسس ہوئیں۔

''رضوان علوی کے صاحب زادے، عمران علوی کا رئیس ابن رئیس ہیں وہ''۔ راحیلہ بیگم کے لہجے میں فخر و انبساط تھا، وہ چونک پڑیں۔

''رضوان علوی...... ماربلز والے؟''

''ہاں وہی بہت بڑا بزنس ہے ان کا، پوری دُنیا میں نام ہے''۔ نہ معلوم وہ ان کو جلا رہی تھیں یا خود کو بہلا رہی تھیں یا مبہم انداز میں انہیں کوئی پیغام دینا چاہ رہی تھیں۔

''پھر آ رہی ہو تم؟''

''یقیناً، میں چند دن بعد آتی ہوں''۔ اس نے فون بند کر دیا تھا۔

''اوہ...... کیا ہاتھ مارا ہے۔ یہ لڑکی بڑی قسمت والی ہے۔ رضوان علوی کی پراپرٹیز اور بینک بیلنس کا تو شمار بھی نہیں ہے، پھر اکلوتا بیٹا ہے، سب کچھ اس لڑکی کا ہی ہو گا''۔ وہ رشک بھرے انداز میں فائقہ سے گویا ہوئیں، جو سب سن چکی تھیں۔

''ہوں...... مگر شکر کرو، کتنی آسانی سے جان چھوٹ گئی ورنہ کونین کہتا تو ہم کس طرح انکار کر سکتے تھے، ہماری بلا ٹلی ہے''۔

''اوہ یس مما! بہت آسانی سے یہ سب ہو گیا''۔ وہ از حد مسرور تھیں۔

"مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کے اور پرنس کے ریلیشن بہت اچھے ہو گئے ہیں، وہ بھی بہت چینج ہو گیا ہے، ہر وقت ناک پر رہنے والا غصہ بہت کم ہو گیا ہے، اب ہمیں کمپنی بھی دیتا ہے"۔

"تھینکس گاڈ مما! مجھے وقت سے قبل عقل آ گئی، میں جانتی ہوں، پرنس وہ مہرہ ہے جو میری شکست کو کامیابی میں بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انس خان کی کی گئی ذلت آمیز بے عزتی کا بدلہ میں لے کر رہوں گی"۔

☆......☆......☆

راحیلہ بیگم نے ریسیور کریڈل پر رکھا تھا۔ خود بیڈ پر دراز ہو گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ منال کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیٹے کی پسند سے آگاہ ہیں۔ ایک عورت ہی دوسری عورت کے اندر کا حال اس کے چہرے سے، آنکھوں سے اور لفظوں سے بہت کچھ اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہاں تو معاملہ بھی مزاج شناسی و یکساں طبیعت کا تھا۔ منال کی اور ان کی ایک سی فطرت ہے، وہ بخوبی جانتی تھیں۔

"کیا ضروری ہے، جب وقت کی طنابیں ہمارے ہاتھ میں ہوں، فیصلوں کے اختیارات ہمیں حاصل ہوں، حکمرانی کی سب سے بلند مسند پر براجمان ہو کر ہم صرف اور صرف اپنے ذاتی مفادو انا کی خوشنودی کے لیے ایسے فیصلے کریں جو وقتی خوشی و سرور تو دیتے ہیں مگر پھر جب وقت کی طنابیں ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہیں اور حکمرانی کی بلندی سے معزولی کی پستی میں ہم گرتے ہیں تو ہمارے ہاتھ شکست و ریخت آتی ہے جو ایک ناسور کی طرح آخری سانس تک ہمیں کرب میں مبتلا کرتی ہے۔ کاش یہ سب ہمیں اس وقت سمجھ میں آجائے جب وقت اور فیصلے ہمارے ہاتھ میں ہوتے ہیں"۔

آنسوان کے عمر رسیدہ چہرے پر تواتر سے بہہ رہے تھے۔ منال کے رویے نے ان کے ماضی کی ڈائری کے وہ اوراق کھول دیئے تھے جب وہ حمزہ کی کرن سے محبت و جنون کو جاننے کے باوجود اس تگ و دو میں رہی تھیں کہ کوئی ایسی بات، کوئی ایسی وجہ مل جائے کہ وہ ان کو ہمیشہ کے لیے جدا کروا سکیں اور بہت جلد وجہ مل گئی، جس کا انہوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ ایک تیر سے دو شکار کامیابی سے کیے، کرن اور نوشابہ دونوں کو ہی گھر سے الزام لگوا کر نکلوایا تھا اور انجانے میں ایک وبال اپنی جان پر لے لیا تھا۔

برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے، جو گڑھا دوسرے کے لیے کھودا جاتا ہے، انسان کا لالچ دھنادا سے خود اس میں دفن کر دیتا ہے، کر بھلا سو ہو بھلا، کر برا ہو برا۔ یہ رہنمائی ہمیں راہ بھٹکنے کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہے اور اس وقت تک ہم سب کچھ کھو چکے ہوتے ہیں۔

"منال! میری دُعا ہے وہ دُکھ تمہاری جھولی میں نہ گریں جو میری ممتا میں کانٹوں کی طرح پیوست ہو چکے ہیں۔ شریکِ سفر کی بے اعتنائی تمہارا مقدر بنی ہے، خدا نہ کرے، بیٹے کی جدائی تمہارا نصیب بنے۔ مجھے ڈر ہے، میں خوف زدہ ہوں، میرا وجدان کہتا ہے، شاید وہ کہانی پھر دہرائی جائے گی، عشق و فراق لازم و ملزوم ہیں، ویسے بھی یہاں کس کو محبت کی فضا راس آئی ہے، مجھے اندیشہ ہے کچھ ہو نہ جائے"۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی کھل گئی تھی۔

پہلا پیریڈ اٹینڈ کر کے وہ لان میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ سب قریب قریب بیٹھی تھیں جبکہ حورین ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی، نوٹس بک کھولے لکھنے میں مصروف ہو گئی تھی، اس کے انداز میں ایک ہفتہ قبل ہونے والی ذوالنون سے ملاقات کے بعد، ان چاروں کا اس کی سائیڈ لینے پر جو اختلاف ہوا تھا، وہ خفگی ابھی تک قائم تھی جس نے اسے ان سے دور کر دیا تھا۔

"یہ تمہاری خود ساختہ ناراضی کب تک چلے گی؟" ثمرین نے اسے چھیڑا۔ "کسی بھلے شخص سے خواہ مخواہ کا عناد اچھا نہیں ہوتا ہے"۔ زویا نے کہا۔

"حورین! یہ بلاوجہ کے تنازعات ہم میں اختلافات کا باعث نہ بن جائیں۔ تمہارے مزاج ہمیں مایوس کر رہے ہیں"۔

"بلاوجہ؟" وہ نوٹ بک بند کرتی حیرانی سے گویا تھی۔

"لیس......آف کورس۔ تم گزری باتوں کو بھلا کیوں نہیں دیتیں، وہ خود کو بدل چکے ہیں، تم بھی بدل جاؤ"۔ ردا نے مشورہ دیا۔

"میں کیوں کسی کی خاطر خود کو بدلوں؟ میرا اس سے رشتہ بھی کیا ہے، نہ میں اس سے تعلق پیدا کرنے کی آرزومند ہوں، اس سے بے عزت ہونا تم افورڈ کر سکتی ہو، میں نہیں"۔ وہ غصے کی انتہا پر تھی۔

"ریلیکس یار! تم ٹمپر کیوں لوز کر رہی ہو، جو ہمارے درمیان فرینڈ شپ ہے وہ کسی زبردستی کی محتاج نہیں ہے۔ تم مائنڈ مت کرو"۔ مول سے اس کی ناراضی برداشت نہ ہوتی تھی۔

"میرے سامنے اس کی سائیڈ مت لیا کرو"۔ بات اتنی بڑی تو نہ تھی جو بھلائی یا نظر انداز نہ کی جا سکتی ہو۔ انسان جب سوچ سمجھ کر فیصلے کرتا ہے تو بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دی جاتی ہے، ناقابلِ معافی زیادتی بھلا دی جاتی ہے، معاف کر دی جاتی ہے، یہ سب کھلے دل و دانش مندی سے کیا جائے تو ممکن ہوتا ہے اور یہاں تو سب باتیں محض ضد و انا کی سرپرستی کی مرہونِ منت تھیں، ایک طرف وہ جھکنے کو تیار نہ تھی تو دوسری جانب وہ پہل کرنے کو تیار نہ تھا۔

بظاہر ان کا آپس میں ایسا کوئی تعلق نہ تھا اور عجیب بات تھی اس لاتعلقی و بے نیازی کے مظاہروں نے ان کے درمیان ایک تعلق پیدا کر دیا تھا، لوگ ان کی جانب متوجہ ہونے لگے تھے۔

"اوکے، موڈ درست کرو"۔ وہ مسکرا دی تھی، ماحول کی کشیدگی مٹ گئی تھی، وہ باتیں کرتی ہوئی کینٹین میں آگئی تھیں جہاں گرم سموسوں اور چائے کے دوران فیشن میگزینز پر گفتگو کرتے ہوئے وہ کچھ دیر قبل ہونے والی کشیدگی بھول چکی تھیں۔

"بل پے میں کروں گی"۔ حورین نے پرس سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔

"شیور......شیور......وائے ناٹ......" ثمرین کے ساتھ وہ کھلکھلا اٹھیں۔

"مس! بل کی پیمنٹ کی جا چکی ہے"۔ کاؤنٹر پر موجود شخص کی بات سن کر وہ لمحے بھر کو حیران رہ گئی تھیں۔

''یہ اچانک حاتم طائی کی آمد کیوں کر ہوئی؟''

''یہ کس کی سخاوت ہے؟''

''یہ کس کو ہمارے کھانے پینے سے محبت ہو گئی؟''

''کوئی بھی ہو، مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے، ہم دو دفعہ کے بجائے دس دفعہ یہاں آئیں گے۔ وہ اسی طرح بل پے کرتا رہے۔ (آمین)'' رو کی بات پر وہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں جبکہ حورین دوبارہ منیجر کی طرف بڑھی تھی۔

''بل کس نے پے کیا ہے؟'' اس کے لہجے میں سخت سرد مہری تھی۔

''سوری مس! وہ...... میں......'' منیجر حواس باختہ تھا۔

''آپ مجھے نام بتائیں اور یہ چارجز پکڑیں''۔ اس نے غصے میں ہاتھ میں پکڑے نوٹ کاؤنٹر پر رکھے تھے۔ منیجر کے چہرے پر موجود گھبراہٹ وخوف نے ان کے چہروں کی مسکراہٹ تذبذب میں بدل دی تھی۔

''وہ...... وہ...... آپ میری پرابلم سمجھیں مس!'' منیجر کا انداز رو دینے والا تھا۔

''میں آپ کی شکایت پرنسپل سے کروں گی، ہمیں کیا سمجھ کر آپ نے کسی سے حکمت لی اور اب اس کا نام بھی چھپا رہے ہیں''۔ منیجر کے چہرے پر سراسیمگی و گھبراہٹ حد درجہ بڑھ گئی تھی، درمیانی عمر کے سانولے چہرے والے منیجر کی آنکھوں میں التجا تھی، وہ کہنا چاہ رہا تھا مگر کسی خوف کے باعث کہہ بھی نہیں پا رہا تھا، اسی لمحے ذوالنون اندر داخل ہوا تھا۔

اس کی تیز نگاہوں نے کچھ محسوس کیا تھا، وہ سید حا موبل کے پاس آ کر بولا۔

''کیا مسئلہ ہے؟''

موبل نے صورت حال بتا دی۔

''معاملہ کیا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے منیجر سے دریافت کرنے لگا۔

''آگے کنواں، پیچھے کھائی والا معاملہ ہمارے سامنے در پیش ہے صاحب''۔

''جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا سیدھے طریقے سے جواب دو، ورنہ......'' اس کے سخت لہجے کے آگے وہ گھگھیا کر گویا ہوا۔

''رو کی صاحب نے کہا ہے کہ یہ مس جب بھی یہاں آئیں، تو ان سے بل نہ لیا جائے اگر میں نے بل لیا تو وہ مجھے یہاں کینٹین سمیت زندہ جلا دیں گے''۔ منیجر نے ڈرتے، کانپتے لہجے میں انکشاف کر ہی دیا۔ ذوالنون نے جلتی نگاہ فاصلے پر کھڑی حورین پر ڈالی، نہ معلوم ان نگاہوں میں کیسے احساسات تھے کہ وہ اس سے نگاہیں چرانے پر مجبور ہو چکی تھی۔

''یہ نوٹ اس کے منہ پر مارنا میری طرف سے''۔ وہ نوٹ منیجر کی طرف اچھال کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

رو کی کی اس اوچھی حرکت پر اسے شدید ہتک کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے کیا سمجھا تھا اسے، جو ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی جرأت

ہوئی۔ وہ اسے ایسی غیر مہذبانہ حرکتوں سے مرعوب ہونے والی لڑکی سمجھ رہا تھا؟ ایسا کرتے ہوئے اسے اس کی عزت کا خیال نہیں آیا؟

کیوں......؟

کیا وہ اتنی ہی گری ہوئی لڑکی تھی؟

سوچوں کا ایک الاؤ تھا جو اس کے اندر بھڑک اُٹھا تھا جس میں لکڑیاں روکی کی حماقت نے مہیا کی تھیں، تو آگ ذوالنون کی اس ایک نگاہ نے بھڑکائی تھی، آنکھوں کی کاٹ، زبان کی کاٹ سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ عزت، وقار اور احترام صنفِ نازک کے کردار کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ وہ بیش بہا خزانے ہیں جن کی حفاظت بڑی جان فشانی سے کی جاتی ہے کہ یہ وہ آبگینے ہیں جو معمولی سی ٹھیس سے بکھر جاتے ہیں۔

ایک غلط طرزِ عمل داغ دار کر دیتا ہے، ایک گرم نگاہ جھلسا دیتی ہے، جس طرح ابھی اس شخص کی نگاہ نے اسے عرش کی شفاف رفعتوں سے پاتال کی سیاہ ظلمتوں میں لا پھینکا تھا۔

شومئی قسمت روکی اسے ڈپارٹمنٹ کے باہر ہی مل گیا تھا۔

''ہیلو''۔ وہ ہشاش بشاش سا اس کی جانب بڑھا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' نہ معلوم کیوں وہ اس کے چہرے کو تھپڑوں سے لال نہ کر سکی، مچلتا ہوا ہاتھ بے دم ہو گیا تھا۔

''حرکت!'' اس کے مسکراتے چہرے پر حیرانگی در آئی تھی۔

''کینٹین میں آپ نے بل پے کیوں کیا ہے؟''

''اوہ...... میں ڈر ہی گیا تھا کہ نہ معلوم کیا بات ہو گئی ہے''۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کی نگاہیں اس کے چہرے کو گرفت میں لیے ہوئی تھیں، حورین کے پیچھے آتی وہ چاروں ٹھٹک کر رُک گئی تھیں۔ روکی کو دیکھ کر ان کے چہروں کے رنگ متغیر تھے۔

سرخی مائل گندمی رنگت وبہترین ہائٹ والا رؤف عرف روکی اگر عام انسانوں کی طرح نارمل ہوتا تو پاپولر پرسنالٹی ہوتا مگر غلط طرزِ عمل و بُرے بھٹکے لوگوں کی سرپرستی و رہنمائی میں وہ اچھائی و نیک نامی کی معراج سے گر چکا تھا، شرپسندی و دہشت گردی اس کی پہچان بن چکی تھی، انسان کی خصوصیات نیک ہو یا بد، ان کا عکس ضرور اس کے کردار و مزاج پر ثبت ہو جاتا ہے۔

روکی بھی اپنا تعارف آپ بن چکا تھا، بے ترتیب بال، چہرے سے چھلکتی ہوئی خشونت، آنکھوں سے برستی ہوئی وحشت و دبنگ لہجہ اسے کبھی بھی اچھے لوگوں میں شمار نہ ہونے دیتا تھا، لوگ اس کے قریب سے گزرنے سے بھی گریزاں رہتے تھے۔

''آپ نے مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھا ہے؟ کیا سوچ کر آپ نے یہ حرکت کی؟'' حورین غصے میں بولتی چلی گئی۔

''کول ڈاؤن، کول ڈاؤن''۔ دو قدم آگے بڑھ کر اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ پھر لگاوٹ سے گویا ہوا۔

''بہت احترام ہے اس دل میں آپ کا، پہلی بار میں کسی لڑکی کی عزت کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ اس سے قبل میں لڑکیوں کو صرف وقت گزاری کا ذریعہ سمجھتا رہا تھا۔ آپ کو بُرا لگا ہے، میں معذرت کرتا ہوں، پلیز مجھ سے خفا مت ہو جائیے گا''۔ اس کے نرم لہجے میں ازحد

التجا سمٹ آئی تھی، ان چاروں کی سانس رُکنے لگی۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں نا؟'' وہ مضطرب ہوا۔

''اٹس اوکے، آئندہ خیال رکھئے گا''۔ مخصوص پرفیوم کی مہک متواتر آرہی تھی جس کا مطلب تھا وہ آس پاس موجود ہے۔ وہ جانتی تھی ان دونوں میں محاذ آرائی ہے، اس کے نام پر ہی اس نے اس کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔ بڑا حقیرانہ انداز تھا۔

اسے جلانے کے لیے وہ ورد کی سے دوستی برقرار رکھنے کا فیصلہ کر بیٹھی۔

''تھینکس''۔ وہ گویا جھوم اُٹھا۔

''سنا ہے یہاں ہنگامہ آپ نے کروایا تھا؟'' اس سوال پر اس کے چہرے پر رنگ چند لمحوں کے لیے متغیر ہوا، پھر وہ سنبھل کر بولا۔

''ابھی آپ کا فرسٹ ایئر ہے، یہاں نہ معلوم کیا کیا سنیں گی، یہاں میرے دوست کم، دشمن زیادہ ہیں جو ہر معاملے میں مجھے بدنام کرتے ہیں۔ وہ نہ معلوم اور کب تک وہاں کھڑا رہتا، پیریڈ کی بیل سن کر حورین آگے بڑھی تو وہ چلا گیا۔

☆......☆......☆

کرن کی ٹانگ میں تکلیف معمولی سی رہ گئی تھی، اب وہ اسٹک کے سہارے چل پھر لیتی تھیں، اس وقت بھی اسٹک کے سہارے چلتی ہوئی فاریہ کے پاس آبیٹھی تھیں۔

''کیا بات ہے بھابی! بہت اُداس لگ رہی ہیں؟'' کرن نے ان کے چہرے پر پھیلی اُداسی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''بس آج صبح سے ہی طبیعت اُداس ہے، کچھ اچھا ہی نہیں لگ رہا ہے''۔ ان کی مسکراہٹ میں گہری اُداسی تھی۔

''بچے یاد آرہے ہیں؟''

''آپ کو نہیں آتے؟''

''ہاں...... کیوں نہیں، ماں بننے کے بعد عورت کی آدھی ذات بچوں کے لیے ہی وقف ہو جاتی ہے، بچوں کے دم سے ہی گھر میں رونق ہوتی ہے''۔

فاریہ کی اداسی کی وجہ وہ بھانپ گئی تھی، خود ان کا بھی یہی حال تھا، پھر جب سے حورین نے کال کر کے انہیں کراچی آنے کی اضداد شروع کی تھیں وہ اندر ہی اندر مضطرب ہو چکی تھیں۔

''بات درست ہے آپ کی، بچوں کے دم سے ہی بہاریں ہیں مگر ہم جو ان کی جدائی برداشت کر رہے ہیں، وہ ان کے سنہرے مستقبل کے لیے ہے''۔

''ہاں ہماری کوشش یہی ہے کہ ان کا فیوچر برائٹ ہو مگر حورین کا بڑھتا ہوا اصرار مجھے اُلجھن میں مبتلا کر رہا ہے، کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ہے شاید کوئی پرابلم ہے اسے''۔

"حالانکہ ہونی تو نہیں چاہیے تھی، سب بہت خیال رکھنے والے، چاہنے والے ہیں، بی بی جان بہت خیال رکھتی ہیں اس کا"۔

"ارے یہ بات نہیں ہے فاریہ"۔ انہوں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "وہاں موجود لوگوں کی بہت تعریف کرتی ہے وہ اور بی بی جان کی تو کچھ زیادہ ہی دیوانی ہے، اس سے زیادہ ان کی محبت کا اور ثبوت کیا ہوگا کہ وہ اتنے ماہ سے ان کے ساتھ رہ رہی ہے، ورنہ وہ ایک دن ہمارے بغیر کہیں گزارنے والی نہ تھی"۔

"پھر کیا وجہ ہے آپ معلوم کریں؟"۔

"میں نے بہت کوشش کی مگر وہ کہتی ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے، مجھے وہم ہے لیکن میں جانتی ہوں ایسی کوئی بات ضرور ہے"۔

"کرن! ایک دفعہ اپنے دل سے خوف کو نکال کر کراچی جانے کے لیے تیار تو ہو...... دیکھنا کچھ نہ ہوگا، کیا دل نہیں چاہتا اپنے شہر کو دیکھنے کا، وہاں کی فضاؤں میں سانس لینے کا، زندگی کا ابتدائی حصہ جہاں گزرا، وہ آپ کو یاد نہیں آتے ہیں؟"

فاریہ نے انجانے میں ان کے زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا، وہ شدت تکلیف سے تڑپ کر رہ گئیں تھیں مگر منہ سے آہ نہ نکالی تھی۔

"بتائیں نہ کرن! کیا یاد نہیں آتے وہ گزرے دن؟"

"یہ کیسے سوال کر رہی ہیں بھابی! بھلا یہ بھی کوئی بھلانے کی باتیں ہیں"۔ کرن کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ "یادیں تو ہماری زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں جن کے سہارے ہم آئندہ کی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں، اگر یادیں نہ ہوں تو ہم کس طرح جی سکتے ہیں؟ مجھے یاد آتا ہے سب، اس زندگی کا موازنہ گزری حیات کے لمحوں سے از خود ہوتا رہتا ہے، کبھی ہم زندگی کی خوشیاں پانے کے لیے ہاتھ آئی ہوئی خوشیوں کو گنوا دیتے ہیں، ان کی صورت سے نا آشنا ہو جاتے ہیں، اتنے اجنبی اور بیگانے کہ جب خوشیاں مقدر بنتی ہیں تو ہم ان کو پہچان نہیں پاتے، لاتعلق ہو جاتے ہیں میری طرح، کل تک تہی داماں تھی، آج سیراب ہوں تب بھی وہ سب محسوس نہیں کرسکتی جو مجھے کرنا چاہیے"۔

☆......☆......☆

"ینگ مین! کیا پرابلم ہے؟" برہان لغاری شکاری ڈریس میں اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ ابھی شکار پر سے لوٹے تھے، ملازم سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ آج بھی کمرے سے باہر نہیں نکلا ہے تو وہ فکرمند سے اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئے، دوسرے لمحے وہ چونک گئے، اس کی پیشانی دہک رہی تھی، وہ نیم غنودگی میں تھا۔

"ہائی فیور ہو رہا ہے، آپ کو بتانا چاہیے تھا"۔

"میں ٹھیک ہوں نانا جان! آپ کپڑے چینج کرلیں، سارے دن کی تھکن ہے آپ کی، کیا شکار کیا آج؟" کونین ہمت کر کے اُٹھ بیٹھا تھا۔

"تیتر ہیں بہت اعلیٰ نسل کے ان کا گوشت بہت ذائقے دار ہوتا ہے۔ ملازم مصالحہ لگا رہے ہیں پھر روسٹ کریں گے کھا کر دیکھنا،

کتنے لذیذ ہوتے ہیں مگر تمہیں ہوا کیا ہے، آئے تو میرے ساتھ شکار پر ہوتے ہو لیکن ایک بار بھی یہاں سے باہر نہیں نکلے"۔ وہ اس کی بے ترتیب حالت دیکھ کر استفسار کر رہے تھے، اس سے قبل کونین کو انہوں نے ہمیشہ چاق و چوبند نک سک سے تیار دیکھا تھا، پہلی بار انہوں نے اسے اسی سوٹ میں دو دن پہلے دیکھا تھا، شیو بھی بڑھی ہوئی تھی، آنکھیں بجھی بجھی سی، دو دن سے کمرے میں بند وہ مکمل طور پر زندگی سے لاتعلق نظر آتا تھا۔ وہ جب بھی شکار پر آتے تو پوری تیاریوں سے آتے تھے جس میں سرفہرست فرسٹ ایڈ بکس ہوتا تھا، وہ منگوا کر انہوں نے تھرمامیٹر سے اس کا بخار چیک کیا، پھر اسی حساب سے اسے ٹیبلٹ اور سیرپ پلایا، ساتھ نوکر کو کافی اور سینڈوچز لانے کا آرڈر بھی دیا۔

"نانا جان! آپ آتے ہی میری تیمارداری میں لگ گئے، آپ ہاتھ لیں، کپڑے چینج کریں، شکار سے واپسی پر بہت تھکن ہو جاتی ہے"۔ کونین ان کے التفات پر خجل سا ہو گیا۔

"ایک بات بتاؤں مائی ڈیئر سن! آدمی اور گھوڑا کبھی تھکن کا شکار نہیں ہوتا، اسپیشلی جب شکاریوں کو خوب شکار مل جائے تو تھکن تمام بھاپ کی صورت اُڑ جاتی ہے"۔ وہ از حد مسرور تھے بے حد شاداں۔

"نانا جان! آپ کو بہت انٹرسٹ ہے شکار میں"۔

"جنون کی حد تک، آپ کا نانا جان پرانا شکاری ہے، افریقہ کے گھنے جنگلوں تک میں شکار کھیلنے کا اعزاز حاصل ہے ہمیں"۔

"اوہ ویری فنی! آپ کو خوف نہیں محسوس ہوا وہاں تو سنا ہے آدم خور قبیلے آباد ہیں اگر لوگ ان کے ہاتھ لگ جائیں تو بھون کر کھا جاتے ہیں"۔ کونین کے سوال پر وہ ہنس پڑے تھے۔

"ہم نے دو گائیڈز ہائیر کر لیے تھے، ہم نے بہت شکار کیے ہیں جانوروں، پرندوں سے لے کر انسانوں تک کے، کبھی مایوسی نہیں ہوئی"۔

"انسان کا شکار؟" یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"نہیں سمجھ پائے آپ!" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولے"۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ کی یہ کنڈیشن کسی گرل کی وجہ سے ہوئی ہے"۔

"وہ.......وہ.......وہ" گھبرا اُٹھا۔

"اونہوں، مجھ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، نام بتائیں مجھے اس لڑکی کا، پھر دیکھئے گا رات کو ہی وہ آپ کے بیڈروم میں ہو گی"۔

ان کے انداز اور ارادے نے اسے سرتاپا لرزا ڈالا تھا۔ یہ انہوں نے کیا کہہ دیا تھا؟ اس کے دل میں اپنی محبت کے لیے بہت عزت و احترام تھا۔

ایسی رذیل سوچ، اتنا گھٹیا خیال!

ایسا ناپاک ارادہ، اس سے بڑھ کر محبت کی توہین کیا ہو گی؟

"کیا سوچ رہے ہو ینگ مین! کسی لڑکی کا ہی چکر......"

"نو......نو......نو نانا جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے کسی لڑکی کا چکر نہیں ہے"۔ وہ لمحوں میں پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ اس کے اندر کھلبلی مچ گئی تھی۔ اس کی محبت شبنم کے قطروں کی طرح پاکیزہ تھی۔ فلک پر چمکتے چاند کی طرح منور و بلند۔

"شرماؤ مت، بتادو مجھے، پھر اپنے نانا جان کے سورسز دیکھیے گا"۔ برہان لغاری اس کی مضطرب کیفیت کو شرم پر محمول کر رہے تھے جبکہ وہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی یہ سوچ کر نادم ہوئے جا رہا تھا کہ یہ اس لڑکی کے متعلق کہا جا رہا ہے جس کو وہ پیار و احترام کی نگاہوں سے دیکھتا تھا، وہ بیلے کی کلیوں کی طرح نرم و نازک لڑکی، جس کی نگاہیں بار حیا سے جھکی رہتی تھیں، اس قابل تھی اس کے متعلق ایسا سوچا جائے؟

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ کونین کے لہجے میں ناپسندیدگی سمٹ آئی تھی۔ برہان لغاری اسے آرام کی تلقین کرتے ہوئے چلے گئے تھے۔

وہ نڈھال ہو کر تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

اس کی براؤن آنکھوں میں سنگریزے اُبھر آئے تھے جس بے کلی و اضطراب کو وہ رفع کرنے کے لیے یہاں آیا تھا وہ یہاں آ کر حد سے سوا ہو گیا تھا۔

اس دن اچانک اس نے وہاں سے گزرتے ہوئے سب کچھ سن لیا تھا، دادو کی مما سے فون پر گفتگو کے بعد مما اور نانو کے اظہار مسرت و اظہار خیال نے اس سے قوت گویائی چھین لی تھی۔

اس وقت بہت کچھ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

اس کا دل، رشتوں پر اعتماد، ممتا پر اعتبار، ماں! پوری کائنات میں جس کا کوئی ثانی نہیں ہے، ماں وہ ہستی ہے جو بچوں کی خوشیوں کے لیے اپنی مسرتیں خاک کر دیتی ہے، بچوں کے لیے دشموں کو اپنا لیتی ہے۔

مما نے کیا کیا......؟

انہوں نے ممتا کا مفہوم ہی بدل ڈالا ہے، انہوں نے ماں اور اس کی ممتا سے منسوب کہانی کو بدل ڈالا ہے۔ ایثار، قربانی، صبر و تحمل، درگزر و اخلاص کے ہر روپ کو انہوں نے کریہہ کر ڈالا ہے، گہنا دیا ہے۔ اس کے احساسات کی بالکل درست جانچ کی تھی بنا کہے وہ اس کی پسند سے واقف بھی ہو گئی تھیں۔ اس موڑ پر آ کر ان کے اندر کی ممتا مردہ ہو گئی اور انتقام کی ماری عورت پوری طرح بیدار ہو گئی۔ انہوں نے وہی کیا جو ایک خود پرست و خود پسند عورت کی فطرت کرواتی ہے۔ یہ بات کوئی اور اسے بتاتا تو وہ یقین نہ کرتا مگر اپنی سماعتوں سے سب سننے کے بعد اسے لگا اگر ایک لمحہ بھی وہاں وہ رُکا تو دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرا نہیں تو پاگل ضرور ہو جائے گا۔

اسی وقت کسی غیبی امداد کی طرح برہان لغاری کی کال آ گئی اور سیدھا یہاں چلا آیا۔ گزشتہ دو دن سے کچے گھڑے کی مانند بکھرا پڑا تھا۔

☆......☆......☆

"مجھے لگتا ہے تمہارے ہوش وحواس ٹھکانے پر نہیں ہیں"۔ گھر میں فرصت ملتے ہی موبل نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"کیوں؟ میں نے ایسی کیا نازیبا حرکت کر دی"۔ وہ انگور کھاتے ہوئے ہنس کر گویا ہوئی۔

"کیا ضرورت پڑی تھی تمہیں اس سے اتنی باتیں کرنے کی؟ آنکھیں دیکھی تھیں اس کی، جیسے کوئی شیطان دیکھ رہا ہو، سب جانتی ہو کتنی باتیں سنی ہیں اس کے متعلق پھر بھی"۔

"کسی کے اچھے اور بُرے ہونے سے مجھے کیا سروکار، اچھا تو ہمیں خود ہونا چاہیے، خود پر اعتماد ہونا چاہیے"۔ اس نے مٹھی بھر کر انگور زبردستی اس کے منہ میں بھرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"تم جھجکتی کیوں نہیں ہو؟" وہ جھنجھلائی۔

"میں جھجکنا نہیں چاہتی"۔

"ہوں، ٹھیک کہہ رہے تھے کل ذوالنون بھائی"۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" اس نے کانچ کے انگور سے بھرے باؤل کو رکھتے ہوئے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے......" اس نے چڑایا۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ! صورت دیکھی ہے کبھی آئینے میں غور سے اس نے اپنی"۔

"لڑکیاں ہیں دیکھنے کے لیے ان کو، انہیں کیا ضرورت پڑی ہے آئینہ دیکھنے کی۔ جب بھی آئینہ دیکھتے ہیں، ٹوٹ جاتا ہے"۔ اٹیچڈ باتھ سے برآمد ہو کر زویا بھی شریک ہو گئی تھی۔

"ظاہر ہے ایسی بھیانک شکل آئینہ کیسے برداشت کر سکتا ہے"۔

موبل اور زویا دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"تمہیں تو سیاست میں آ جانا چاہیے، وہاں تم جیسے لوگوں کی خوب جمتی ہے جو منہ در منہ اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں"۔

"ان سے بلاوجہ کی دشمنی میں تم حد سے گزر گئی ہو"۔

"فالتو بکواس چھوڑو، یہ بتاؤ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

"ارے...... اتنی بے چینی، جاننے کے لیے، خیریت ہے نا؟"

"سنا ہے...... محبت کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے، نفرت اور محبت ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں"۔ وہ دونوں اسے زچ کرنے پر کمر بستہ تھیں۔ اس کی حالت زخمی ناگن کی طرح ہو گئی، وہ فوں فوں کرتی ان کی طرف کشن اُچھالنے لگی تھی۔

"پاگل! جنگلی! تم نے ایسا سوچا بھی تو کیسے؟"

"ٹھیک کہہ رہے تھے وہ، تمہیں دُنیا میں آنے کی اتنی جلدی تھی کہ عقل لینے کے لیے بھی نہ ٹھہری"۔ زویا ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی،

کمرے میں بونچال سا آ گیا تھا، حورین نے کشنز کے علاوہ میگزینز بھی اُچھالنے شروع کر دیئے تھے اور دونوں ہنستے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھیں۔

''وہ ہوتا کون ہے میرے بارے میں کمنٹس دینے والا؟'' وہ تھک کر بیٹھ گئی۔

''حورین! ٹھنڈے دماغ سے سوچو گی تو سب سمجھ جاؤ گی، روکی اچھا لڑکا نہیں ہے، یہ تم بھی جانتی ہو، یہ الگ بات ہے کہ تم بلاوجہ کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر اس کو لفٹ دے رہی ہو، جس سے شریف لڑکیاں بچتی ہیں''۔

''اور ہمیں ڈر ہے کہ تم خود نیچے نہ گر جاؤ''۔

وہ دونوں سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگی تھیں۔

''میں ایسی بے وقوف نہیں ہوں''۔

''جو ہم نے سمجھانا تھا، وہ کوشش کر ڈالی، اب تمہاری مرضی ہے جس طرح بھی معاملے کو ہینڈل کرو مگر ہمیں ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی''۔ دونوں نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''حورین بی بی! آپ کو بی بی جان بلا رہی ہیں''۔ خیرون نے حورین سے آ کر کہا۔

''بی بی جان نے بلایا ہے...... خیریت تو ہے نا؟'' وہ دونوں متجسس ہوئیں۔

''خیریت ہی ہے جی''۔ خیرون نے دانت نکالتے ہوئے اطلاع دی۔

''بی بی جان کی حورین سے خوب بنتی ہے، فارغ ہوں گی تو سوچا ہوگا بلا کر ذرا گپ شپ کی جائے''۔

''شکر ہے خدا کا! بی بی جان کی کسی سے بنتی ہے، ورنہ انسان کسی دوست کے بنا کیسے رہ سکتا ہے''۔ مومل کی بات پر زویا اور خیرون نے گردن ہلائی تھی۔

''بی بی جان کی دوست اور میں! یہ بہت بڑا اعزاز ہے میرے لیے''۔

''خیرون! چاندنی کو واپس کیوں بلا لیا؟ یہاں تو بڑی رونق رہتی تھی اس سے اور بی بی جان کو اس کے پیچھے واک کرنے کی عادت پڑ گئی تھی''۔ اس ہفتے سے خیرون نے کام دوبارہ سنبھال لیا تھا اور چاندنی واپس چلی گئی تھی، گھر کے لڑکوں نے بھی وقت بے وقت گھر آنا چھوڑ دیا تھا۔

''میری بہن اسے اپنے ساتھ دوسری کوٹھی پر لے جانے لگی ہے، یہاں پر کچن کا سارا کام دونوں بیگمات کرتی ہیں، پر وہاں تو وہ لوگ خود ہل کر پانی بھی نہیں پیتے، اس کے لیے بھی انہیں گلاس پکڑانا پڑتا ہے لیکن یہ کمرے کا حال کیا ہو رہا ہے؟'' خیرون کا دھیان اب کمرے کی طرف گیا تھا۔

''حورین بی بی پر جن آئے تھے ابھی، انہوں نے یہ سب کیا ہے''۔ زویا حورین کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

''اوئی...... اللہ معافی بی بی جی! ایسے مت کہیں''۔ خیرون کا فق ہوتا چہرہ انہیں بے ساختہ ہنسا گیا تھا۔

"ہمارے محلے میں ایک لڑکی پر آتے ہیں جن، بہت بُرا حال ہے اس لڑکی کا"۔

"اچھا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جن ہمیشہ لڑکیوں پر ہی کیوں آتے ہیں؟ انہیں مرد پسند نہیں ہیں کیا؟"

"تم لوگوں نے کیا باتیں شروع کر دی ہیں، میں بی بی جان کے پاس جا رہی ہوں"۔ حورین نے انہیں ٹوکا۔

"کسی دن اس لڑکی کو بی بی جان کے پاس لے آنا، اتنے جوتے ماریں گی پھر کبھی جن نہیں آئے گا"۔ موبل کو اس لڑکی سے ہمدردی تھی۔

"او و گاڈ! تم ایک بات کی کھوج میں لگ جاتی ہو، تمہیں معلوم ہے تشریح کہاں ملے گی؟"۔

"کتابوں میں"۔

"کیا مطلب؟"

"وہ کتابی کیڑا ہے، رات دن کتابوں میں منہ چھپائے نظر آتی ہے، ہو گی کسی کونے کھدرے میں کتاب میں منہ چھپائے پڑھ رہی ہو گی"۔ زویا نے حسبِ عادت تشریح پیش کی تھی، وہ اسے گھورتے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی، یہ سب کے آرام کا ٹائم ہوتا تھا، وہ خیرون کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"بی بی جان، میں بلا کر لے آئی"۔ خیرون چہکی۔

"بلا کر لائی ہے، یا دریافت کر کے لائی ہے؟" سائیڈ ٹیبل پر رکھا چشمہ اُٹھا کر لگاتے ہوئے وہ سخت لہجے میں بولیں۔

"بی بی جان! آپ نے بلایا ہے؟"

"ہاں ہاں، آؤ بیٹھو"۔ ان کے لہجے میں ایک دم ہی چاشنی گھل گئی، سنگل بیڈ پر اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنا کر گویا ہوئیں۔

"شکریہ بی بی جان"۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"برابر والے کمرے میں کچھ دیر لیٹ کر تو بھی آرام کر لے"۔ وہ مودب کھڑی خیرون سے مخاطب ہوئیں۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں"۔ وہ گھبرا کر گویا ہوئی۔

"دماغ چل گیا ہے تیرا کیا؟ کہہ رہی ہوں اندر جا کر لیٹ"۔ معمولی سی حکم عدولی ان کے شاہانہ مزاج کو آگ بگولہ کرنے کو کافی تھی۔

"بی بی جان! آپ سو جوتے ماریں، میں اُف نہیں کروں گی مگر تنہا کمرے میں سونے کا مت کہیں"۔ وہ بُری طرح گھگھیائی۔

"لو دیکھو، اس اُلٹی کھوپڑی کی بات، کیوں ری، میں تجھے آرام کرنے کا کہہ رہی ہوں یا کالا پانی کی سزا سنا رہی ہوں؟"

"بی بی جی! بہت ڈر لگ رہا ہے۔ گھر سے نکلی تھی تو حاجی میاں کی لڑکی گھور گھور کر دیکھ رہی تھی، میں سمجھ گئی، آج میرے ساتھ کوئی برائی ہے"۔

"اری چپ کر و بھی، حاجی صاحب کی بیٹی کی نظروں میں کون سے برائی کی خبر دینے والے آ لے لگے ہوئے ہیں"۔

''جن آتے ہیں اس پر جن۔ وہ سب خبر کر دیتے ہیں''۔ خیرون کے لہجے سے پکا اعتقاد جھلک رہا تھا۔

''جن آتے ہیں جن''۔ بی بی جان نے غصے میں اس کی بھدی آواز کی نقل اُتاری، حورین نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا، خیرون کا خوف اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ گھر سے ڈری ہوئی آئی تھی، مستزاد زویا کی شرارت نے اس کے وہم کو پختہ کر دیا تھا اور وہ یہ سوچ کر ڈر رہی تھی کہ اس لڑکی کا جن اس کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آن پہنچا ہے، مگر بی بی جان کے آگے کس کی چل سکتی ہے، انہوں نے اسے دوسرے کمرے میں پہنچا کر ہی دم لیا تھا۔

''جن لڑکیوں کی عمریں بڑھ جائیں اور ان کی شادی نہ ہو تو ان پر ہسٹریا کا دورہ پڑنے لگتا ہے، جو کئی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، اس میں زیادہ تر ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں لڑکیاں آسیب زدہ ہو گئی ہیں یا ان پر جنوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کتنے ہی جاہلیت کے مارے لوگ ذات برادری اور امیری غریبی کے چکروں میں پڑ کر بچیوں کی عمریں نکال دیتے ہیں، جب ان کی ایسی کیفیات ہوتی ہیں تو پھر نام نہاد پیر فقیروں کے پیچھے بھاگتے ہیں جہاں نہ صرف ایمان و دولت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ کئی بے ضمیر جعلی پیروں کی ہوس کا شکار مظلوم بچیاں ہو جاتی ہیں پھر وہ کچھ کہہ نہیں پاتیں، شرم مانع ہوتی ہے اگر کوئی جرأت کر بھی لے تو پیر صاحب وہیں لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر بے دردی سے مرمت کرتے ہیں یا عجیب عجیب دھونیاں دے کر انہیں زبان کھولنے کی سزا دیتے ہیں''۔

''کیا یہ سب سچ ہے بی بی جان''۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

''ہاں...... بالکل سچ''۔

''ان لڑکیوں کے والدین کچھ نہیں کہتے، کوئی کس طرح والدین کے سامنے ان بچیوں کو مار سکتا ہے''۔ اس کی براؤن آنکھوں میں حیرانی و خوف جھلکنے لگا تھا، یہ سب اس کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔

''وہ عقیدت کے مارے، عقل کے اندھے ہوتے ہیں، لڑکیاں کتنا بھی چلائیں، شور مچائیں، مدد کے لیے پکاریں، وہ بت بنے رہتے ہیں کہ پیر صاحب کے بقول لڑکی کی آواز میں جن بول رہا ہوتا ہے اور وہ تکلیفیں لڑکی کو نہیں جن کو پہنچ رہی ہوتی ہیں، اس طرح وہ دونوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں''۔ بی بی جان نے اس معاشرے کا ایک بھیانک المیہ اسے سنایا تھا، جسے سن کر وہ دم بخود تھی۔

''او مائی گاڈ! اتنی سفاکیت، اتنی بے رحمی''۔

''اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، جب ہم دین کو سمجھیں گے نہیں تو اپنائیں گے کس طرح سے؟ پورے پورے داخل کس طرح ہوں گے، آج اس لاعلمی کے باعث ہم فرقوں، طبقوں اور جماعتوں میں بٹ گئے ہیں، یہ سب سزائیں نہ جاننے کی وجہ سے ہیں۔ خیر چھوڑو یہ، خیرون کی وجہ سے بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی''۔ انہوں نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر موضوع بدلا تھا۔

''یہ بتاؤ یہاں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے، دل لگ گیا ہے نہ تمہارا؟''

"جی مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے، سب اتنا چاہتے ہیں، کیئر کرتے ہیں لیکن...... کیوں پوچھ رہی ہیں، مجھے یہاں آئے بہت ٹائم ہو چکا ہے"۔

"یونہی بیٹا! میں محسوس کر رہی ہوں، تم کچھ پریشان ہو جاتی ہو کبھی کبھی، بے زاری رہنے لگتی ہو، اس لیے میں نے سوچا تم سے تنہائی میں کسی دن معلوم کروں گی کہ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ؟"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بی بی جان"۔ ان کے خلوص سے اس کی آنکھیں بھر آئیں، وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے کہہ رہی تھیں۔

"جس دن بھی کچھ محسوس کرو، فوراً بتانا پھر دیکھنا کیسی شامت بلاتی ہوں، پر مجھے اُمید ہے تم سے کوئی خفا نہیں ہو سکتا، اتنی موہنی صورت ہے تمہاری، اتنے اچھے مزاج واخلاق ہیں کہ دشمن تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا"۔ بی بی جان اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان تھیں اوران کی نگاہوں میں بلاارادہ ذوالنون کا چہرہ آ گیا۔

"اگر یہ سب سنتے تو یقیناً تم شاکڈ رہ جاتے ایڈیٹ"۔ وہ تصور میں ذوالنون سے مخاطب ہوئی تھی۔

جب سے زویا اور موحل ذوالنون سے ملنے لگی تھیں، تب سے اسے ان سے کبھی کبھی بھرپور بے گانگی کا احساس ہونے لگتا تھا اور اسے اب محسوس ہوا بی بی جان ہر ایک پر خصوصی توجہ دیتی ہیں، یہ ان کی محبت کا انداز تھا۔

☆......☆......☆

"بہت عرصہ ہو گیا ہے یار تمہیں کوئی دعوت کھلائے ہوئے، ایسا کرو آج تو ڈنر پر انوائیٹ کر ہی ڈالو"۔ مامون نے ذوالنون کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کس خوشی میں؟"

"اسی خوشی میں کہ میں نے تم سے فرمائش کی ہے، اب کنجوس مت بنو"۔

"یہ تو وہی بات ہوئی، مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ تم خود کیوں نہیں کر لیتے سب کو انوائیٹ۔ ذوالنون کی گردن تمہیں چھری پھیرنے کے لیے نظر آ رہی ہے"۔ حیدر نے ہمیشہ کی طرح ذوالنون کی سائیڈ لی۔

"ارے یار! ہمارا یار تو دوستوں کا دوست ہے، ایسا دریا دل دوست کسی کسی کو ملتا ہے، ہم تو لکی ہیں جو ایسا دوست ملا ہے"۔ توصیف نے بھی چاپلوسی شروع کی۔

"اوہ...... یک نہ شد دو شد۔ اتنا مکھن تم یقیناً ذوالنون کا بی پی شوٹ کروا کر ہو گے"۔ حیدر پیچھے ہٹنے والا کہاں تھا۔

"اوکے! بتاؤ کہاں لو گے ڈنر؟"

"ان کی باتوں میں کیوں آ رہے ہو، ساری پاکٹ منی ان لوگوں نے اپنی گرل فرینڈ پر گنوا دی ہو گی، اب تمہیں لوٹنے آئے ہیں اور تم ہو کہ ان کی باتوں میں آ رہے ہو"۔

"حیدر! دوست ہے دشمنوں کی طرح باتیں کرنا زیب نہیں دیتا تجھے"۔

"اچھا......بس بس میرا دماغ چاٹنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ اُٹھ کر باہر آ گیا تھا، دوسرا پیریڈ فری تھا۔

حیدر کے پیچھے ہی ذوالنون بھی باہر نکل گیا تھا۔ موسم بدل رہا تھا۔ ہوا سرد تھی، ماحول میں بھی خنکی کا اثر نمایاں تھا۔

"کافی کا موڈ ہو رہا ہے"۔ ذوالنون نے کہا۔

"ہوں......تو چلتے ہیں"۔ حیدر نے اس کے کاندھے پر بازو رکھتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ سامنے سے آتے ہوئے روکی کو دیکھ دونوں رُک گئے تھے۔ روکی بھی سخت نفرت بھری نگاہوں سے ذوالنون کو گھورنے لگا۔

"کیا بات ہے آج کل اس جگہ کے بہت چکر لگانے لگے ہو؟" ذوالنون اس کے قریب آ کر سخت لہجے میں گویا ہوا۔

"تمہیں کیا پریشانی ہے؟" وہ بھی اس کے مقابل آ کر بولا۔

"مجھے تمہارا اس جگہ آنا قطعی پسند نہیں ہے"۔

"تم اس جگہ کے ٹھیکے دار کب سے بن گئے؟"

"میں بے معنی سوالوں کے جواب نہیں دیتا، لاسٹ وارننگ ہے تمہارے لیے، یہاں نظر مت آنا، اسی میں تمہاری بچت ہے"۔ ذوالنون کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ روکی چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر بولا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں"۔ وہ جانے کو مڑا۔

"میں بھی چاہتا ہوں، تم مجھے دیکھو اور یاد رکھو تاکہ آئندہ یہاں آتے ہوئے تمہیں ہزار مرتبہ سوچنا پڑے"۔ ایک عرصے بعد اس کے اندر پرانے والا ذوالنون بیدار ہوا تھا جو مخالف پارٹی کے لیے قہر ثابت ہوتا تھا۔ روکی کو کئی معرکوں میں وہ اس کی اوقات بتا چکا تھا۔ روکی کو وہ سب یاد تھا، سو وہ خاموشی سے چلا گیا مگر اس کے تیور خطرناک تھے۔ حیدر منہ کھولے حیرت کی تصویر بنا کھڑا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟" وہ بشاش لہجے میں حیدر سے مخاطب ہوا۔

"یہی سوال میرا تم سے ہے، بہت عرصے بعد میں اس روپ میں دیکھ رہا ہوں"۔

"سر آفتاب کی باتوں نے مجھے اس روپ سے بیگانہ کر دیا تھا مگر اب محسوس ہو رہا ہے محض شرافت و خاموشی انسان کو بزدل بنا دیتی ہے۔ میں مزید اس پالیسی پر نہیں چل سکتا جو انسان کو بزدل اور بے ہمت ثابت کرے، ویسے بھی یہاں کی کچھ کم عقل و عاقبت نااندیش بے وقوف لڑکیوں نے اس وولف کے حوصلے بلند کیے ہیں"۔ وہ سائیڈ سے آتی حورین کو دیکھ کر جتانے لگا۔

"مسٹر! آپ کو لیڈر بننے کا شوق ہے تو کہیں اور جا کر اپنا شوق پورا کیجیے، یہاں آپ کی دال نہیں گلنے والی"۔ حورین طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"میں لڑکیوں کے منہ نہیں لگتا"۔ اس نے تنفر سے کہا۔

"کسی کو خواہش بھی نہ ہوگی"۔

"پلیز اسٹاپ اِٹ، یہ آپ دونوں کیا بچوں کی طرح بی ہیو کرتے ہیں"۔ حیدر نے بات بڑھتی دیکھ کر کہا۔ "مس حورین! پلیز آپ روکی سے دور رہیں تو بہتر ہے"۔

"وہ تم لوگوں کی نگاہوں میں بُرا ہوگا، مگر میں اسے بہترین انسان سمجھتی ہوں، کم از کم وہ دوسرے کرپٹ لوگوں کی طرح ماسک زدہ نہیں ہے"۔

اس نے ذوالنون کی طرف دیکھ کر کہا جس کے چہرے پر سرخی آگ کی طرح بڑھنے لگی تھی۔

......❀......

ایک قہر آلود نگاہ اس کے ہٹ دھرمی برساتے چہرے پر ڈالتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ حیدر نے فکرمندی نگاہ ذوالنون کے آگے بڑھتے وجود پر ڈالی تھی پھر آہستگی سے حورین سے مخاطب ہوا۔

"وہ بہت ٹوٹا بکھرا شخص ہے، حورین جی پلیز! میری ریکوئسٹ ہے آپ سے محض نظریاتی اختلاف کے باعث آپ کوئی انتہائی قدم مت اُٹھالیجیے گا کیونکہ ضد وانا میں ہم جتنا نقصان اپنے آپ کو پہنچاتے ہیں اتنا دشمن کو بھی نہیں پہنچا سکتے"۔ حیدر کے انداز میں سادگی و اپنائیت تھی۔

"پہل ہمیشہ آپ کے دوست کی طرف سے ہوتی ہے اور میری عادت اُدھار رکھنے کی نہیں۔ بندے کو کام سے کام رکھنا چاہیے"۔

"ایگزامز چند دنوں میں شروع ہو جائیں گے، تیاری کر رہی ہیں آپ؟ اگر ہماری مدد کی ضرورت ہو تو پلیز تکلف مت کیجیے گا"۔ حیدر کی پیشکش پر وہ شکریہ ادا کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی جہاں وہ چاروں کھڑی تھیں، ان کے چہروں پر فکر و ناراضگی عیاں تھی۔

"تم لوگوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا ہے"۔ حورین قریب آ کر بولی۔

"اگر تم ذوالنون بھائی سے دوستی نہیں کر سکتی ہو تو دشمنی بھی مت کرو"۔ ردا نے جتایا تھا۔

"عجیب دماغ ہے تمہارا بھی، جس سے دشمنی رکھنی چاہیے اس سے دوستی رکھ رہی ہو، ایک کریکٹر لیس شخص سے جو مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے"۔ ثمرین کا انداز بھی ناصحانہ تھا۔

"کچھ بھی کہہ لو، کچھ بھی سمجھاؤ اس لڑکی سے اپنی بات منوا نہیں سکتے اور زیادہ کہو تو مائنڈ کر جاتی ہے"۔ زویا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کے چہرے پر ناگواری پھیلتی جا رہی تھی۔

"پلیز! بند کرو یہ موضوع۔ لائبریری چلتے ہیں، کچھ کتابیں لینی ہیں"۔ موحل نے حورین کے بگڑتے تیور دیکھ کر اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

میں نے مانا کہ یہ تقدیر کا لکھا ہے اٹل

میرا ایمان دعاؤں میں اثر ہوتا ہے

اس کو مانگوں گی خدا سے میں جنوں کی حد تک

عشق جب حد سے گزرتا ہے تو امر ہوتا ہے

باہر دور تک دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ہواؤں میں نمی تھی۔ وہ ٹیرس پر کھڑا خلاؤں میں کچھ تلاشنے کی سعی میں مصروف تھا۔ اپنے دل میں پھیلی ہوئی ویرانی اسے ہر سو بکھری نظر آ رہی تھی۔ ہر شے سے گویا اُداسی و حزن ٹپک رہا تھا۔ کل تک جو دُنیا پھولوں سے مہکتی اور رنگوں سے چمکتی دکھائی دیتی تھی، یکلخت ہی اس کے پھول مرجھا کے کانٹے بن گئے تھے اور رنگ اُڑ کر سیاہی رہ گئی تھی۔

وہ سیاہی تھی یا جلتے جذبوں کی راکھ!

''صاحب! بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں آپ کو''۔ ملازم نے آکر اطلاع دی تو وہ دل نہ چاہنے کے باوجود انکار نہ کر سکا۔ وہ لاؤنج میں آیا تو سب جمع تھے۔ نانا جان، نانو، مما اور ذوالنون، بہت عرصے بعد ساتھ بیٹھے تھے۔ نانا جان نے اسے دیکھ کر اپنے بائیں پہلو میں جگہ بنائی تھی۔ دائیں پہلو میں ذوالنون بیٹھا ہوا تھا۔

''ہم سوچ رہے ہیں، ہمارے گھر میں اب کسی حسین و خوب صورت وجود کا اضافہ ہونا چاہیے''۔ برہان لغاری نے کونین کی جانب دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں کہا تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''اوہ! اس عمر میں بھی آپ کو کسی ایسے وجود کی ضرورت ہے؟'' فائقہ نے دوسرا مطلب اخذ کرتے ہوئے انہیں لتاڑا تھا۔

''موٹی عقل والی عورت! میرا اشارہ کونین کی طرف ہے، تم عورتوں کی عقل تو ہمیشہ گھاس چرنے گئی ہوتی ہے''۔

''بات ساری آدمی کے کردار کی ہوتی ہے''۔ فائقہ بیگم نے گہری چوٹ کی تھی کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ برہان لغاری آج کل اپنے آفس میں آپریٹر سے خاصے تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔

''مما پلیز! بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی لڑائی بیڈروم میں لڑیں''۔ منال نے دبے لہجے میں ماں کو سرزنش کی تھی۔

''شکار کا پروگرام میں نے اس لیے نہیں بنایا تھا کہ برخوردار تمام ٹائم روم میں لاکڈ ہو کر گزار دیں پھر مزاج بھی ان کا اتنا اوور رہا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کونین کسی لڑکی سے لَو کرنے لگے ہیں مگر نہ معلوم کیا پرابلم ہے کہ بتانے سے گریزاں ہیں، حالانکہ میں نے اوپن آفر کی تھی''۔

''پلیز نانا جان!'' نانا جان کا بے باک انداز گفتگو اس کی حساس و ستھری طبیعت پر گراں گزرتا تھا پھر گفتگو بھی اس پاکیزہ وجود کے متعلق جس پر اس نے کبھی ترچھی نگاہ نہ ڈالی تھی، اس کے متعلق ایسے گھٹیا مشورے کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ وہ ان کی بات قطع کر کے سنجیدہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

''کونین! آپ اس قدر کنفیوز کیوں ہو رہے ہیں، ہم اسے بہو بنا کر لائیں گے۔ اس گھر میں واقعی ایک خوب صورت وجود کی ضرورت ہے۔ پرنس کے ایسے کوئی ارادے نظر نہیں آتے۔ انہیں ابھی صرف اپنی تعلیم سے پیار ہے جلد یا بدیر ان سے بھی کوئی لڑکی ایسی ضرور ٹکرائے گی جو ان کے خول کو توڑ کر پیار کرنا سکھائے گی''۔ فائقہ بیگم سامنے صوفے پر براجمان ذوالنون کی طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے کہہ رہی تھیں، جبکہ ان کے لبوں پر آویزاں مسکراہٹ کی خاطر وہ دھیمے سے مسکرایا تھا مگر اس کی ذہین حساسیت سے لبریز آنکھیں کونین کے طرزِ عمل و مضطرب کیفیت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

اور اس کے اندر گویا سناٹے سے اُترنے لگے تھے۔ بیمار چہرہ، زندگی سے بے رغبت بجھی بجھی آنکھیں، کمزور و شکستہ وجود۔

اس کی نگاہوں میں ایک سراپا لہرانے لگا جس کو دیکھے برسوں گزر گئے تھے مگر اس وجود کا، اس چہرے کا ایک ایک نقش اسے ازبر تھا۔ آج برسوں بعد وہ وجود، وہی انداز اسے کونین میں براجمان نظر آئے تھے۔ وہ دل کی عمیق گہرائیوں سے کسی درد کو اُبھرتے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی نانو ٹھیک کہہ رہی ہیں کونین! آپ اپنی خواہش کا اظہار تو کریں ہم ہر طرح اسے پورا کریں گے''۔ برہان لغاری نے ہمیشہ اپنی زندگی میں بیٹوں کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ دو بیویوں سے انہیں دو بیٹیاں ملیں۔ اولادِ نرینہ سے ہنوز محروم رہے تھے۔ اب نواسوں کی صورت میں انہیں وہ دونوں ملے تھے جن کو وہ بیٹوں سے بڑھ کر چاہتے تھے، بے حد محبت کرتے تھے۔

''آپ کافی پئیں نانا جان! مجھے شادی نہیں کرنی ہے''۔ ملازمہ کافی سرو کر کے گئی تھی۔ بھاپ اُڑاتی گرم کافی کی پیالیاں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ کونین مسکرا کر ان سے مخاطب تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بڑا تضاد تھا۔ ہنستے لب، روتی آنکھیں، حزن زدہ چہرہ۔

منال کن اکھیوں سے بیٹے کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی کیفیت کا انہیں پوری طرح اندازہ تھا مگر جب دل پر نفرت کی برف جم جاتی ہے تو ممتا جیسا لازوال گداز محبت بھرا احساس سب سرد پڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی بے حس بنی اس کی محبت کے درد کو نظر انداز کرتی رہی تھیں۔

''آپ شادی کیوں نہیں کریں گے بھائی؟'' ذوالنون نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا تھا۔

''ہاں...... ہاں بتاؤ یار! ہمیں نہیں بتانا چاہ رہے تو اپنے بھائی کو تو لازمی بتائیں۔ آپ کے انکار کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہے''۔ برہان لغاری کافی کا سپ لیتے ہوئے فکرمندی سے گویا ہوئے۔

فائقہ بیگم اور منال نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف تشویش بھری نظروں سے دیکھا۔ کافی کی پیالیاں ان کے ہاتھوں میں کانپ اُٹھیں۔ اسی لمحے بے ساختہ اس کی نظریں ان کی طرف اُٹھی تھیں۔ درد کا ایک اور تیر اس کے سینے میں ترازو ہو گیا۔

یہ مہربان وجود، کل تک اس کے لیے زندگی سے بھرپور سائبان تھے...... آج ان کی نامہربانیوں کے باعث ہی وہ خود کو زندگی سے دور بہت دور محسوس کر رہا تھا۔ کتنا اچھا ہوتا ان محبت بھری ہستیوں کی وہ مکروہ شکلوں کو نہ شناخت کر پاتا۔ اس دن اس کی سماعتیں بے آواز ہو جاتیں، جب اتفاقیہ طور پر ان کی گفتگو اس نے سنی تھی، پھر ایک محبت کے کھونے کا دُکھ اسے نہ ملا تھا...... کئی محبت و چاہت بھرے رشتوں سے

دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انسان عمر بھر کی کمائی یک دم لٹ جانے کے غم سے ہلاک نہیں ہوتا...... مگر جن رشتوں پر ایک عمر سے انحصار کرتا آیا ہو، وہ چھن جائیں تو جینا محال ہے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ خواہ مخواہ کونین کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آج کل کے جوان اتنی جلدی پابند ہونا پسند نہیں کرتے، پھر کون سا ہمارے کونین کی عمر نکلے جا رہی ہے جو آپ سیریس ہو رہے ہیں، جب ان کا موڈ ہو گا، خود کہہ دیں گے۔ اب وہ وقت نہیں رہا کہ لڑکے کے برسر روزگار ہوتے ہی اماں، ابا بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی تیاریاں شروع کر دیتے تھے اور بے چارا لڑکا ساری زندگی ذمے داریاں ورذمے داریاں کی چکی میں پستا دُنیا سے سدھار جاتا تھا، اب ایسے نہیں ہوتا"۔ فائقہ بیگم ہوشیاری سے پینترا بدل کر گویا ہوئی تھیں، کیونکہ انہیں ڈر تھا خدانخواستہ کونین اپنی پسند کا اظہار کر دیتا ہے تو کون روک سکتا ہے ان کو من مانی کرنے سے، پھر ساتھ ان کے ذوالنون بیٹھا تھا جس کی ہٹ دھرمی و مشتعل مزاجی سے وہ دونوں ہی خوف زدہ رہتی تھیں۔ سیر کو سوا سیر مل جاتا۔ ان کی تمام سازش و مکاری دھری کی دھری رہ جاتی اور خضری کو دلہن بن کر آتے یہاں کیا ٹائم لگتا؟

"تا تو جان کا خیال بالکل درست ہے۔ دراصل اب ہماری ورائٹی کا مارکیٹ اسکوپ اتنا طاقت ور نہیں رہا ہے کہ گاہک چائنا ورائٹیز کو زیادہ قابل سمجھتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے چند ہفتوں میں، میں ان ممالک کا وزٹ کروں جہاں بزنس مارکیٹ کا مورال ٹاپ کلاس ہے۔ وہیں کوئی ملک منتخب کر کے بزنس کا سیٹ اَپ کر دیں گے"۔ کونین کہہ رہا تھا۔ ذوالنون کی نگاہیں اس کے اُترے، تھکے تھکے چہرے پر تھیں۔ اضطراب و اضطرار کا طوفان تھا جو ان کے اندر چکرانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بڑے کمرے میں جمع تھے۔

بی بی جان کو اچانک ہی وصی کی شادی کرنے کے ارمان جاگے تھے۔ یہ خواہش تو سب ہی کی تھی مگر وصی سنجیدہ دکھائی نہ دے رہا تھا مگر اس پر بی بی جان کا دباؤ بڑھتا ہی گیا تو بالآخر وہ ہتھیار ڈال کر ان کی خواہش کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا۔

جامعہ میں امتحان چل رہے تھے۔ لڑکیوں کو اس دوران سر کھجانے کی بھی فرصت نہ تھی۔ پرسوں امتحان سے فارغ ہو کر وہ لمبا ریسٹ کرنا چاہتی تھی مگر بی بی جان نے فقط دو دن ریسٹ کے لیے دیئے تھے۔ اب وہ ان کے سامنے لائن حاضر تھیں مگر وصی کی شادی کا سن کر ان کی باقی کوفت و تھکن بھاپ بن کر اُڑ گئی۔

"بی بی جان! وصی کی شادی کا چرچا کئی دنوں سے سن رہا ہوں۔ شادی کے لیے ایک عدد لڑکی کی بھی ضرورت ہے۔ آپ وصی کی شادی "لڑکی" سے ہی کر رہی ہیں یا......" سعود کی زبان حسب عادت رواں ہوئی مگر ان کے خشونت بھرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ دانتوں تلے زبان دبا کر بیٹھ گیا۔

"ہاں...... کہو رک کیوں گئے؟ لڑکیوں کی زبانوں کو بھی تم نے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ہر وقت کتر کتر چلتی رہتی ہے، سوچے سمجھے

بغیر۔ نالائق کبھی کسی لڑکے کی شادی لڑکے سے ہوئی ہے؟"

"ہوئی ہے بی بی جان! حال ہی میں امریکہ میں دو......"

"چپ ہو جاؤ نامراد"۔ مثالیں ہمیشہ اچھے و نیک لوگوں کی دی جاتی ہیں۔ بد بخت و بدکار لوگ مثال نہیں بنتے۔ امریکہ کو کولمبس نے دریافت کیا تو یہ کیچڑ و گند سے دھنسا ہوا تھا، صدیاں گزارنے کے بعد وہ گند و کیچڑ دھل دھلا کے نئے وجدید شہر آباد ہو گئے مگر وہاں کی نسلیں آج تک اس گند و تعفن زدہ کیچڑ سے لتھڑی ہوئی ذہنیت لے کر پیدا ہوتی ہیں جن کی گندگی و نجاست ان کے کردار اور فعال سے ظاہر ہوتی ہے"۔ بی بی جان کے مطالعے کی عادت ہر خبر سے باخبر رکھتی تھی۔

"بی بی جان! آپ نے وصی بھائی کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے؟" حورین نے محتاط انداز میں ان کی ٹیون چینج کی۔

"میں تو کہہ رہی ہوں وصی سے، اگر اسے کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دے۔ اچھا ہے ہم زحمت سے بچ جائیں گے مگر یہ مانتا ہی نہیں"۔

"آپ کی پسند ہی میری پسند ہو گی بی بی جان!" وصی کے لہجے میں اعتماد و عقیدت تھی۔

"تم کیا کہتی ہو سمیرا؟ کیسی لڑکی کو بہو بنانا پسند کرو گی؟" وصی سے مطمئن ہو کر وہ سمیرا سے مخاطب ہوئیں جو حمیرا کے ساتھ سامنے ہی بیٹھی تھیں۔ انہیں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"بی بی جان! ہم آپ سے بہتر نہیں جان سکتے، آپ کی پسند ہی ہماری پسند ہے۔ ان بچوں کو ہم سے زیادہ آپ نے پرورش کیا ہے"۔

"پہلی پہلی بہو آئے گی، کچھ تو بتاؤ کیسی ہو؟"

"رنگ صاف ہو اور تھوڑی اسمارٹ"۔ ان کے بار بار کہنے پر سمیرا کہہ بیٹھیں۔

"یہ کیسی کم ظرفی و کند ذہنیت والی بات کر دی تم نے سمیرا"۔ وہ ناک پر پھیلتا چشمہ درست کرتی ہوئی حیرانگی سے گویا ہوئیں۔

"میں نے کچھ غلط کہہ دیا بی بی جان؟" وہ ٹپٹائیں۔

"گوری بہو لانے کی چاہ ہے تمہیں بھی۔ وقت کے چلن کے ساتھ مت چلو۔ گوری دلہن گھونگھٹ اُٹھتے ہی گوری سے "گوریلہ" بن جاتی ہے اور رہی بات اسمارٹنیس کی تو دو بچوں میں آج کل لڑکیاں غبارہ بن جاتی ہیں۔ حسن و جوانی کبھی سدا رہنے والی چیز نہیں ہیں۔ وقت ہر ذی روح کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہمیشہ صورت سے زیادہ سیرت خلوص و اخلاق والے لوگ پسند کیا کرو"۔ ان کا انداز ناصحانہ تھا۔

"میرا مطلب یہی تھا بی بی جان!" سمیرا جھینپ کر گویا ہوئی تھیں۔

"خیر تمہاری بات نہیں، آج کل لوگوں کا مزاج یہی بن گیا ہے۔ اپنے گھر میں کالی کلوٹی بیٹیاں بیٹھی ہیں، خواہ گھر میں لڑکے کا رنگ اُلٹے توے جیسا ہو، بہو چاہیے دودھ جیسی سفید، جب وہ گوری چمڑی کی بہو، اپنی طبیعت کی سیاہی ہر سُو پھیلاتی ہے تو پھر ایسی عورتیں سر پکڑ کر روتی ہیں کہ اس سے اچھا تھا ہم ایسی بہو لے آتے جو خوب صورت نہ ہوتی مگر دل جس کا حسین ہوتا، مزاج جس کا خوب صورت ہوتا"۔

''اوگاڈ! بی بی جان تو انسان کو شرمندہ کر کے بھی نہیں چھوڑتیں''۔ زویا نے سرگوشی کی۔

''حمیرا! شفقت بھائی کی بیٹی دیکھی ہے تم نے؟ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ اس نے گریجویشن کیا ہے۔ پچھلے ہفتے ایک محفل میں ملاقات ہوئی تھی، بہت تمیزدار اور باادب لڑکی ہے، حالانکہ اکلوتی ہونے کے باعث گھر بھر کی لاڈلی ہے مگر میں نے اس لڑکی میں ذرا بھی کوئی ایسی بات نہ دیکھی جو آج کل کی بگڑی لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ رنگت چنبیلی کی طرح کھلتی ہوئی ہے، نین نقوش جاذب نظر، ہر لحاظ سے وصی کے لیے موزوں ہے''۔

''بی بی جان! پھر دیر کس بات کی؟ ابھی چلتے ہیں بات پکی کر آتے ہیں''۔ سمیرا، حمیرا دونوں خوش خوش کھڑی ہوئی تھیں۔

''ہاں...... چلو، مجھے اُمید ہے شفقت بھائی انکار نہیں کریں گے''۔ وہ اُٹھ کر تیار ہونے چلی گئیں۔

''یارو! مجھ پر بھی بی بی جان کو رحم آجائے۔ دُعا کرو سب مل کر (آمین)''۔ سعود گنگناتا ہوا وصی کے گلے لگ گیا۔ بڑوں کے بعد وہ سب وصی کو گھیرے ہوئے تھے۔

''یار! سب سے پہلے میرے سر پر ہاتھ پھیرو''۔ ہریرہ سر جھکا کر اس کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

''تا کہ میں بھی جلد سے جلد یہ مبارک دن دیکھوں''۔ جواباً وصی نے بڑے درویشانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''بابا! صرف میرے ہی نہیں، اس کے سر پر بھی ہاتھ پھیرو''۔ اس کے انداز پر سب ہنس پڑے تھے۔ ہریرہ حورین کا ہاتھ پکڑ کر گویا ہوا تھا۔

''تم بکواس کرنے سے باز نہ آنا''۔ حورین نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا۔

''ہمارے دیدۂ تر کو محبت ہو گئی تم سے
کسی گہرے سمندر کو محبت ہو گئی تم سے
کسی لمحے اگر تم کو محبت ہو گئی مجھ سے
سمجھ لینا مقدر کو محبت ہو گئی تم سے''

''ہونہہ، اسی آرزو میں مر جانا تم''۔ حورین تن فن کرتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ وہ تینوں بھی چلی گئیں۔

''چلو بھائیو! اب ہم یہاں رُک کر کیا کریں گے۔ کائنات کے تمام رنگ یہاں سے غائب ہو چکے ہیں''۔

☆......☆......☆

صنوبر بیگم محسوس کر رہی تھیں جب سے خضری کی بات پکی ہوئی تھی۔ راحیلہ بیگم کو چپ سی لگ گئی تھی۔ گفتگو تو وہ پہلے بھی بہت کم کیا کرتی تھیں۔ اب ان کی خاموشی عجیب تھی۔ یہی خیال انہوں نے صمد صاحب سے ظاہر کیا تو وہ چونک کر گویا ہوئے۔

''ممارا ضی نہیں ہیں کیا، اس رشتے پر؟''

"نہیں ان کی مرضی سے ہی رشتہ قبول کیا ہے، انہوں نے خود برہان اور مسز برہان سے رضامندی ظاہر کی ہے۔ آپ موجود تھے اس وقت"۔ صمد صاحب نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟ آپ نے خضریٰ سے معلوم کیا تھا، کہیں ایسا تو نہیں، یہاں اس کی دلچسپی نہ ہو، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ مما کے قریب ہے، بہت کلوز فرینڈ شپ ہے مما سے خضریٰ کی"۔ صمد صاحب پُرسوچ انداز میں گویا تھے۔

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں صمد اتنے اہم موضوع پر میں خضریٰ سے اس کی مرضی معلوم نہ کروں گی۔ لباس سے جوتے تک میں اس کی پسند و مرضی کا خیال رکھتے آئے ہیں تو زندگی کا ساتھی منتخب کرنے کے لیے ہم اپنی مرضی کریں گے"۔

"میں یہی تو سوچ رہا ہوں پھر ایسی کیا بات ہو گئی جو مما پریشان ہیں"۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے تھے۔

"منال بھابی نے کال کی تھی، وہ بزی ہیں آنہ سکیں گی پھر ذوالنون اور کونین نے بھی کافی ٹائم سے یہاں چکر نہیں لگایا، مما انہیں دیکھ کر کافی خوش ہو جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے میرا وہم ہو کہ وہ خضریٰ کی بات پکی کرنے کے بعد سے مضمحل رہنے لگی ہیں، شاید وہ ان دونوں بچوں کو یاد کر رہی ہوں۔ ذوالنون تو ویسے بھی کم آتے ہیں، البتہ کونین ہفتے میں کئی چکر لگایا کرتے تھے، وہ بھی نہ معلوم کیوں نہیں آرہے"۔

"میں کال کر کے معلوم کرتا ہوں اور بتاتا ہوں مما اور ہم لوگ کتنے اُداس ہو رہے ہیں اس کے بغیر"۔

فون تو ہم بھی کر سکتے ہیں مگر منال بھابی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ ان کو پسند نہیں کہ ہم ان کی اولاد سے کوئی رابطہ رکھیں۔ گھر، آفس کہیں بھی۔ ہم اس خوف سے فون نہیں کرتے کیونکہ وہ آفس میں بھی ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں"۔

"وہ دونوں اب بچے نہیں رہے بیگم۔ ماشاء اللہ اب جوان ہیں اور عقل و سمجھ داری میں ہم سے بھی آگے ہیں۔ بھابی بیگم ہوں یا ان کے والدین۔ وہ ہمارا نمبر سیل اسکرین پر دیکھ کر خود سیف کر لیتے ہیں۔ میں تو عموماً بات کرتا رہتا ہوں، کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ذوالنون کے اسی ہفتے امتحانات ختم ہوئے ہیں، چند دن پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ جب اس کے امتحانات ہو رہے تھے"۔

"خضریٰ کی منگنی کی تاریخ مانگ رہے ہیں وہ لوگ۔ مما سے بات کی تھی میں نے، وہ کہہ رہی ہیں سب ساتھ بیٹھ کر مشورہ کر لو، جب کسی کی کوئی مصروفیت نہ ہو تو وہ تاریخ ان کو دے دی جائے"۔ خاصے عرصے بعد صمد صاحب صنوبر کو فارغ ملے تھے۔ وہ فرصت سے باتیں کر رہی تھیں۔

"اگلے ہفتے مجھے ایک کانفرنس میں اسلام آباد جانا پڑے گا، تب تک ہسپتال کی تمام ذمے داریاں خضریٰ اور حمزہ پر رہیں گی اور اس سے آگے آنے والے کئی ہفتے ہمیں ٹائم نہیں ملے گا۔ دراصل ہم اور سینئرز مل کر ایک تحریک چلا رہے ہیں۔ ان بے ایمان اور بے ضمیر لوگوں کے خلاف جو مسیحاؤں کے بہروپ میں چور لٹیرے ہیں، ان جیسے شیطان صفت لوگوں کی گھناؤنی کاوشوں کے باعث آج انسانی اعضاء کا کاروبار عروج پر ہے۔ خاص طور پر گردے کی تجارت سرِ فہرست ہے"۔

"انسان اپنے مقام سے کتنا گرتا جا رہا ہے۔ دولت حاصل کرنے کی ہوس میں وہ اللہ کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ موت کو بھی بھول

جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک نیوز چینل پر ایک خبر دیکھی تھی۔ پڑوسی ملک کے نوجوان کے کوئی ایسا ہی ڈاکٹر دونوں گردے نکال کر فرار ہو گیا تھا۔ اس لڑکے کا درد و کرب میں تڑپتا چہرہ، بے بسی سے بہتے آنسو میں آج تک بھلا نہ سکی ہوں"۔ صنوبر کے لہجے میں رنج و ملال تھا۔

"ایسے بے شمار کیسز ہمارے یہاں بھی موجود ہیں۔ ہم یہی کوشش کر رہے ہیں، لوگوں کو زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جا سکیں، بلکہ ہم ایک ایسا قانون پاس کروانے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں لوگوں کو اس امر کے لیے راغب کیا جائے کہ وہ بخوشی اپنا ایک گردہ وقف کریں، جب ایسا ہوگا تو از خود ہی یہ چوریاں رُک جائیں گی۔ مردہ ضمیر لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ ایسے لوگ بھی راہِ راست پر آ جائیں گے جو کاروبار کرتے ہیں اور ضرورت مندوں سے لاکھوں روپیہ بٹورتے ہیں"۔

☆......☆......☆

کرن بالکل صحت یاب ہو گئی تھیں۔ اب چھڑی بھی استعمال نہ کر رہی تھیں۔ بغیر چھڑی کے وہ چلتے ہوئے بے حد خوشی محسوس کر رہی تھیں۔ اسی خوشی میں انہوں نے آج ڈنر پر خاصا اہتمام کیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے کئی ڈشز بنائی تھیں۔ بہت خوش گوار ماحول میں کھانے اور گرین ٹی کا دور چلا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سعد اور فاریہ نے اس کو تحائف دیے تھے۔ انس پہلے ہی بلیک ڈائمنڈ کا نیکلس سیٹ گفٹ کر چکا تھا۔

"کرن! میں سوچتا ہوں میں اس قابل تو نہ تھا کہ تم جیسی شریکِ حیات مجھے ملتی۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر تم مجھے نہ ملتیں تو آج زندگی کا چہرہ اتنا حسین نہ ہوتا۔ اتنے بڑے سانحے سے گزر کر کیا میں اس طرح خوش و مطمئن رہ سکتا تھا؟؟ اس نے میرے جذبوں کو، میرے احساسات کو، محبت کو قتل کر دیا تھا، جذبوں کا قتل انسانی قتل سے زیادہ سنگین ہوتا ہے لیکن شاید میرے جذبوں میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ احساسات پوری طرح ہلاک نہ ہوئے تھے۔ محبت لب جاں تھی تمہاری پُر خلوص رفاقت پا کر از سرِ نو ہر جذبہ، ہر احساس بیدار ہوا اور میں خود کو آج خوش نصیب انسانوں میں شمار کرتا ہوں"۔ وہ سامنے بیٹھی کرن سے پیار بھرے لہجے میں مخاطب تھے۔

"آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں جن سے مجھے شرمندگی ہو، آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے جو مجھ سی ادنیٰ حیثیت کا آپ نے رتبہ بڑھایا ہے۔ مان دیا ہے، وگرنہ میں خاک کے ذرے سے بھی کمتر و بے وقعت تھی"۔ کرن کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"اونہہ...... یہ حسین رات آنسو بہانے کے لیے نہیں ہے"۔ انس نے بڑی چاہت سے ان کے آنسو اپنی اُنگلیوں کی پوروں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

"میرا دل چاہتا ہے تجدیدِ محبت بار بار دہراتا رہوں، کیونکہ ہر بار مجھے ایک نئی سرشاری و مسرت محسوس ہوتی ہے"۔ ہلوسا ڑھی میں اس کے حسین چہرے پر چھائی قوسِ قزح بہاروں کی طرح دل کش لگ رہی تھی۔

"نہ معلوم کیا بات ہے، میں آج کل شدت سے محسوس کر رہی ہوں کہ حورین کی یاد مجھے ہمہ وقت آنے لگی ہے"۔ بہت خوب صورتی سے انہوں نے ان کی وارفتگی سے بچنے کی راہ نکالی۔

"بہت استاد ہو"۔ وہ شوخی سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

''حورین کے امتحانات ختم ہو گئے ہیں۔ ہریرہ اور تشریح بھی فارغ ہیں ہم ان کو کل ہی بلوا لیتے ہیں''۔

''حورین یہاں آنے کو راضی نہیں ہے، میری آج فون پر بات ہوئی ہے، وہ کہتی ہے یہاں بوریت ہے اور بی بی جان نے وصی کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے، وہ جلد ہی وصی کی شادی کا ارادہ رکھتی ہیں''۔

''مجھے بھی کال کی تھی، بسیرا بھابی اور اظہر بھائی نے بھی مبارک باد دی تھی۔ میں نے سعد کو کہا ہے کہ وہ فاریہ بھابی کو لے کر مبارک باد دینے جائیں۔ اتنے اہم موقع پر اپنوں کی شمولیت ضروری ہے''۔

''سعد بھائی نے کیا جواب دیا؟''

''سعد نے کوئی جواب نہیں دیا، جانتی ہو فاریہ بھابی تمہاری تنہائی کے خیال سے جانا پسند نہیں کریں گی''۔

''میرا خیال رکھنا ایسا ضروری نہیں ہے''۔

''محبت خیال رکھنا سکھا دیتی ہے جانِ من''۔

''ایک سرپرائز دوں آپ کو''۔ وہ انس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو وہ مسرور سے اُٹھ بیٹھے۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں''۔ انس کے انداز میں تجسس تھا۔

''میں......آپ لوگوں کے ساتھ کراچی چلوں گی''۔

☆......☆......☆

''ہریرہ، ہریرہ۔ کہاں ہو بھئی؟'' حورین نے تیز لہجے میں کہا۔

''دل کی آنکھیں کھول کر دیکھو۔ ہر جگہ، ہر سمت، ہر سُو مجھے ہی پاؤ گی''۔ وہ وجیہہ چہرے پر شریر مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے تھا۔

''ہریرہ! میں سیریس ہوں''۔

''مجھے سیریس ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے''۔

''تم اسی حسرت میں مر جاؤ گے، سمجھے''۔

''ذرا پیار سے سمجھاؤ تو شاید سمجھ جاؤں''۔

''ہمیں شاپنگ کرنی ہے، تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ''۔

''شاپنگ پر؟ نہ بابا معاف کرو''۔ اس نے فوراً کان پکڑے۔

''شاپنگ سینٹر چلنے کو کہا ہے، پھانسی کے تختے پر لٹکنے کو نہیں کہا''۔ اس کی شوخیاں حورین کو ہمیشہ چڑا دیا کرتی تھیں۔

''ایک ہی بات ہے تم تو ایک ٹاپس کی جوڑی بھی پورا شاپنگ سینٹر چھاننے کے بعد لیتی ہو، پوری شاپنگ کرو گی تو لگتا ہے میں بوڑھا ہو کر واپس آؤں گا''۔ ہریرہ کہاں باز آنے والا تھا۔

"مبالغہ آرائی کوئی تم سے سیکھے"۔

"تم چل رہے ہو یا نہیں؟" وہ پاؤں پٹخ کر بولی

"ایک شرط پر چلتا ہوں"۔

"کیسی شرط؟"

"پہلے...... کہو آئی لو یو"۔ وہ مسکرایا۔

"جہنم میں جاؤ"۔ حسب توقع وہ غصے سے چیخی تھی۔

"مائی ڈیئر! تمہارے بغیر کہیں دل نہ لگے گا"

"تم کیا سمجھتے ہو، میں تمہارے بغیر جا نہیں سکتی، دیکھنا تمہیں جا کے دکھاؤں گی، بڑے آئے سپر مین بن کر"۔ وہ اسے شعلے اگلتی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

"پچھتاؤ گی، بازار میں گم ہو جاؤ گی"۔

"بکواس کرتے رہو، میں تمہیں جا کر دکھاؤں گی"۔ وہ اسے جھنجھلا کرتی ہوئی واپس چلی۔ اس کا پرس صوفے پر ہی پڑا رہ گیا تھا۔ ہریرہ نے پرس سے رقم نکال کر وہیں چھوڑ دیا اور خود اپنے روم میں آ کر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے معلوم تھا حورین اس کے اور رقم لیے بغیر نہیں جائے گی۔

☆......☆......☆

پورا ایک ہفتہ اس نے بہت خاموشی سے کونین کی حرکات وسکنات کو سمجھنے اور دیکھنے میں لگا دیا اور اس دوران اس پر کئی انکشافات ہوئے کہ کونین کسی ایسی پریشانی میں مبتلا ہے جو اسے ہر دم گھیرے رہتی ہے۔ شوخ وخوش مزاج کونین سنجیدہ و آدم بیزار ہو گیا تھا۔ خاص بات جو اس نے نوٹ کی تھی وہ بہت حیرت انگیز وفکر انگیز تھی۔

مما اور اس کے درمیان خاصے فاصلے آ گئے تھے۔ نانو سے بھی دور ہو گیا تھا۔ یہ انکشافات ایسے تھے کہ اسے حقیقی معنوں میں تشویش نے آن گھیرا تھا، کیونکہ کونین نے شروع سے مما کی سائیڈ لی تھی، وہ ازحد مہربان تھا ان پر، ان کے خلاف کوئی جائز لفظ بھی سننے کا روادار نہ تھا۔ ان کے حکم پر وہ آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کا عادی تھا۔ اب نہ معلوم ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ مما سے بات بھی برائے نام کرتا تھا اور زیادہ تر وقت اپنے روم میں گزارنے لگا تھا۔

"ہمارے درمیان یہ اجنبی فاصلوں کی خلیج کیونکر پیدا ہوئی ہے بھائی؟" وہ موقع دیکھ کر اس کے پاس جا پہنچا تھا۔

"کیسے فاصلے؟ کیسی خلیج؟ میں تو تمہارے پاس ہوں، تمہارے قریب"۔ کونین کہتا ہوا اس کے گلے سے لگ گیا تھا۔ ذوالنون نے بھی بڑی چاہ سے اسے لپٹایا تھا۔ کونین کی آنکھیں بھر آئیں، بمشکل انہیں چھلکنے سے روکا تھا۔

"بھائی! آپ جانتے ہیں میرا بچپن، بچپن میں رخصت ہو گیا تھا۔ چھ، سات سال کی عمر میں میرا ذہن بالغ ہو گیا تھا پھر اب تو واقعی میں بڑا ہو چکا ہوں۔ اس لیے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش بالکل مت کیجئے گا۔ سچ کی پرکھ ہے مجھے"۔ وہ بھائی کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو، میں سچ بولنے کی کوشش کروں گا"۔ کونین کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بددلی و تھکن تھی۔

"شادی سے انکار، پھر ملک سے فرار ہونے کا منصوبہ کس لیے ہے؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں تمام مسائل"۔

"آپ نے حقیقت چھپائی ہے۔ اس دن بھی مجھے آپ کے لفظوں سے جھوٹ کی بو آ رہی تھی اور ابھی بھی وہ بو برقرار ہے"۔ ذوالنون کے انداز میں گہری سنجیدگی تھی جس سے اپنائیت، بے حد محبت و اُنسیت کی خوشبو آ رہی تھی۔

اس کا دل تو پہلے ہی گھائل و اُجڑا ہوا تھا۔ اپنوں کی سازش نے اس سے زندہ رہنے کی اُمنگ ہی چھین لی تھی۔ پہلی بار اس نے باپ کی کمی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔ ان کی موجودگی میں اسے اس درد سے نہیں گزرنا پڑتا، اگر ایسا ہوتا بھی تو وہ باپ کے سینے سے لگ کر وہ تمام آنسو بہا دیتا جو اس کے اندر گر رہے ہیں اور اس سلگتے آنسوؤں کی گھٹن بڑھ کر اسے بے کل کیے دے رہی تھی۔

ذوالنون کو دیکھ کر اسے بڑی تقویت ملتی تھی۔ اپنی مضبوطی کا احساس ہوتا تھا، اس لمحے بھی وہ چاہ رہا تھا کہ اس کے سینے سے لگ کر وہ تمام آنسو بہا ڈالے جو اس کے اندر تیزاب بن رہے ہیں۔ وہ وجیہہ شکل، ذہین آنکھوں، حساس دل والا ذوالنون، اس کے چہرے کے ہر نقوش سے وہ اپنے لیے پیار و فکر مندی جھلکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

مما کے رویے سے بدظن ضرور تھا مگر انہیں کوئی رنج پہنچانے کا ارادہ نہ رکھتا تھا، اس لیے ہونٹوں پر قفل لگا لیے تھے کہ ایک عرصے بعد ذوالنون اس کے قریب ہوا تھا۔ ان کا خیال رکھنے لگا تھا، اگر اس کے منہ سے سچائی نکل گئی تو وہ ایسا تباہ کن طوفان بن جائے گا جس کی زد سے کوئی شے تباہ ہونے سے نہ بچ پائے گی۔

"بھائی! جھوٹ کے لیے اتنا سوچنا پڑتا ہے، سچ ان احتیاط سے مبرا ہوتا ہے"۔ وہ اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر کہہ بیٹھا۔

"سچ تم مان نہیں رہے، اب جھوٹ بولنے کے لیے سوچنا تو پڑے گا" وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

"مجھے افسوس رہے گا اس بات کا کہ آپ نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا"۔ یک دم ہی اس کے لہجے میں ڈھیروں تھکن اور افسردگی در آئی۔ کونین مضطرب ہو اُٹھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیا کہے جو ذوالنون کو مطمئن کر دے اور اس کی پردہ داری بھی قائم رہے۔ اس کی نظریں خلاؤں میں بھٹکنے لگیں۔

"میری جان! میں تم پر سب سے زیادہ اعتبار و اعتماد کرتا ہوں، مگر ایسا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں جو تم سے شیئر کروں"۔ اسے مسلسل خاموش دیکھ کر کونین نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"بڑا پیار آ رہا ہے تمہیں اپنے اس سڑیل مزاج بھائی پر"۔ میرون و گولڈن بنارسی ورک والی ساڑھی میں ہلکی پھلکی تیاری میں

منال وہاں آ کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

''آپ زیادتی کر رہی ہیں مما! پرنس جیسے لوگ دُنیا میں کم ہی آتے ہیں''۔

''ہاں، آپ بھائی کی حمایت نہیں کریں گے تو کون کرے گا''۔ وہ ہنستے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔

''مما! آپ نے اس بات کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟''

''کس بات کا پرنس؟''

''بھائی کسی دوسرے ملک میں سیٹل ہونے کی بات کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ پوری سنجیدگی سے مخاطب ہوا۔

''بزنس...... بزنس کی وجہ سے''۔ وہ بُری طرح گڑبڑا گئیں۔

''یہ کوئی وجہ نہیں ہے مما! ہمارا بزنس بہت مضبوط پوزیشن میں ہے۔ چائنیز اور جاپانیز آئٹمز ہماری تیار کردہ مصنوعات کا کسی طور مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے ہمیں بیرونی مارکیٹ میں فضول محنت کی ضرورت نہیں ہے''۔ اس کے انداز میں قطعیت تھی۔

''پاپا کے جانے کے بعد بھائی کے جانے کی گنجائش رہتی ہے؟'' پرانے زخموں سے ٹانکے ٹوٹنے لگے تھے''۔ کیا ہماری قسمت یہی ہے کہ ہم ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے جدا ہوتے رہیں، سسکتے رہیں؟ جدائیاں ہی ہمارا مقدر ہیں؟''۔

''پرنس! یار اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟'' کونین نے اس کے شانے پر بازو رکھتے ہوئے کہا مگر اس کا موڈ بدستور آف تھا۔

''نانا جان! ٹھیک کہتے ہیں آپ کی شادی ہونی چاہیے، پھر ہم دیکھیں گے، آپ کہاں بھاگتے ہیں، کیوں مما! آپ کا کیا خیال ہے؟'' اس کا موڈ یک دم ہی ہشاش بشاش ہو گیا۔

''اوہ...... پرنس! آپ بھی ایسی گفتگو کر سکتے ہیں''۔ منال مسرت بھری حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔ وہ دونوں مسکرا اُٹھے۔

''مما! میں بھی اس دُنیا کی مخلوق ہوں، ہنسنا مسکرانا آتا ہے مجھے''۔

''یوں کہہ سکتے ہیں اس معاملے میں کنجوس ہیں''۔

''اوکے، جیسا تم چاہو''۔ اس نے مسکراتے ہوئے شانے اُچکائے۔

''مجھے شاپنگ سینٹر جانا ہے، چل رہے ہو کونین؟''۔

''پرنس کو لے جائیں مما! ان کو بھی تجربہ ہونا چاہیے''۔ منال کی طرح اس کا انداز بھی جھینپا جھینپا سا تھا۔

''میں اور شاپنگ، کم از کم مجھے لیڈیز شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی میں کار میں بیٹھ کر انتظار کر سکتا ہوں''۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا، میں اپنی شاپنگ خود کرتی ہوں اور ایک ہی بوتیک سے کرتی ہوں، ٹائم ضائع نہیں کرتی۔ آپ چل کر بور نہیں ہوں گے پرنس! دراصل کونین نے آج تین میٹنگز اٹینڈ کی ہیں، بہت تھک گئے ہوں گے، اس لیے آپ کو ہی چلنا ہوگا میرے ساتھ''۔ اس کے لہجے میں مان بھرا اصرار تھا، سو وہ راضی ہو گیا۔

☆......☆......☆

وہ غصے سے موبل کو لے کر مارکیٹ چلی آئی تھی۔ اس نے پرس چیک کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ چھوٹی موٹی شاپنگ کی ادائیگی موبل نے کی تھی، پھر بوتیک سے انہوں نے خاصی خریداری کی تھی۔ کپڑے، جیولری، جوتے اور میچنگ پرس۔ ایک کے بعد ایک وہ پیک کروائی گئی تھیں، کاؤنٹر پر شاپرز کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

"موبل! پرس سے روپے غائب ہیں"۔ بل کی ادائیگی کے لیے جیسے ہی اس نے پرس کھولا، رقم کو غائب پا کر پریشانی سے گویا ہوئی۔

"میرے سامنے تو تم نے رکھے تھے، آرام سے دیکھو"۔

"نہیں ہیں...... بار بار دیکھ چکی ہوں"۔ گلف شاپنگ کرنے وہ پہلی بار آئی تھیں۔ کاؤنٹر اونر چہرے سے سخت مزاج لگ رہی تھی۔ اس سے کسی لحاظ و مروت کی توقع ہی عبث تھی۔

"اوہ۔ میرے پرس میں بھی معمولی سی رقم ہے اور یہ میڈم مجھے رعایت دیتی ہوئی نظر بھی نہیں آ رہیں۔ بڑی سبکی ہوگی اگر انہوں نے ہماری درخواست نہ مانی تو......"

موبل بھی اس صورت حال پر سخت پریشان ہوگئی تھی۔

"ریلیکس...... میں بات کرتی ہوں، اگر چاہیں گی تو اعتبار کریں گی، ورنہ سامان واپس کر دیں گے"۔ حورین کی خود اعتمادی عود کر آئی تھی۔

"پلیز! واپسی کی بات مت کرو، کسی طرح سے راضی کر لو کہ وہ سامان ہمیں دے دے، گھر جا کر ہم چارجز پہنچا دیں گے"۔ موبل کسی طرح سے وہ سامان چھوڑنے کو راضی نہ تھی۔

ذوالنون منال بیگم کو بوتیک میں مصروف چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا۔ خوب صورت انداز میں سجی سجائی بوتیکس اور شاپس پر لڑکیوں و عورتوں کا رش تھا۔ ہر چہرہ عمروقت کی قید سے آزاد میک اپ کے ڈھیر میں ڈوبا ہوا تھا۔ الٹرا ماڈرن، فیشن ایبل نظر آنے کی جستجو میں باوقار لباس و باحیا انداز کو خیر باد کہتیں، دعوتِ نظارہ دیتی، وہ عورتیں اور لڑکیاں اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں جن کی نگاہوں کی زد میں وہ خود کو مسلسل محسوس کر رہا تھا اور اسی احساس نے اس کے چہرے پر ناگواری و ناپسندیدگی کے رنگ بکھیر دیے تھے۔ وہ ان ستائشی نظروں کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، جب اس کی نگاہ سامنے اٹھی تھی۔

شاکنگ پنک سوٹ پر بلیک اسٹارز کے فینسی کام والے لباس میں اس کے چہرے کی گلابیاں نمایاں تھیں، کاؤنٹر پر شاپرز کا ڈھیر تھا۔ قریب وہ کھڑی کاؤنٹر پر موجود خاتون کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ عورت مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

ذوالنون اس کی طرف بڑھ گیا۔ قدموں کی آہٹ اور تیز کلون کی خوشبو پر اس نے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ آہستگی سے بولا۔

"میں...... رقم گھر بھول آئی ہوں"۔ اس کے منہ سے بروقت نکلا۔

''نو پرابلم''۔ کہتا ہوا وہ آگے بڑھا اور اس کے انکار کے باوجود کاؤنٹر پر ادائیگی کر دی تھی۔ حورین مارے شرمندگی و توہین کے کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ ادائیگی کر کے جا چکا تھا، مڑ کر اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

''حورین! میں نے باری باری سب کو ٹرائی کیا ہے۔ لگتا ہے سامان چھوڑ کر ہی جانا پڑے گا''۔ مومل اس کی کیفیت سے بے خبر قریب آ کر گویا ہوئی تھی۔

''نہیں، شوفر کو بلاؤ، وہ سامان لے کر جائے گا''۔

''یہ کیا بول رہی ہو تم؟ اور تمہیں ہوا کیا ہے۔ اتنی سردی میں بھی پسینے میں تر بتر ہو، چہرے پر ہوائیاں کیوں اُڑ رہی ہیں؟'' مومل حیران و پریشان تھی۔

''سامان کی قیمت، ذوالنون نے ادا کر دی ہے''۔ ان چند لفظوں کی ادائیگی نے گویا اس کے حلق میں خراشیں ڈال دی تھیں۔ کتنا تکلیف دہ و اذیت ناک ہوتا ہے ان لوگوں سے ایسے وقت میں مدد حاصل کرنا، جب خواہشوں کے انبار سامنے ہوں اور پرس خالی۔ اس کے سامنے ہمیشہ اپنی خودداری و انا کا پرچم اس نے بلند رکھا تھا اور اس طرح بھرے مجمعے میں وہ اس کی خودداری و انا پر بھرپور چوٹ لگا گیا تھا اور وہ خود کو زمین میں دھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

''اوہ! ذوالنون بھائی یہاں آئے تھے؟''

''کاش اس کے آنے سے قبل موت آ جاتی''۔ دل سے کراہ نکلی۔

''تم نے ان سے کہا کہ ہم رقم گھر بھول......''

''پلیز! شوفر کو بلاؤ، لوگ ہماری طرف متوجہ ہو چکے ہیں، گھر جا کر سب معلوم کر لینا''۔ مومل کی ذوالنون کے نام پر پُرجوشی اسے ایک آنکھ نہ بھائی۔ وہ منہ بنا کر بولی۔ مومل اس کی جانب دیکھتے ہوئے شانے اُچکا کر باہر نکل گئی، چند لمحوں بعد ڈرائیور اس کے ہمراہ تھا۔

''تمہارا موڈ کیوں آف ہو گیا ہے، حالانکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ......''

''اس نے مجھ پر احسانِ عظیم کیا ہے''۔

''احسان تو احسان ہی ہوتا ہے، اب تم نہ مانو تو دوسری بات ہے''۔

''وہ احسان تو ایسے کر کے گیا، گویا بھیک دے کر گیا ہو، بل ادا کرنے کے بعد ایسا گیا ہے جیسے کسی فقیر کے کٹورے میں نوٹ ڈالنے کے بعد کوئی بندہ مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا''۔ وہ بوتیک سے نکل کر فرسٹ فلور کی جانب بڑھتے ہوئے اسے تمام روداد سنا چکی تھی، جسے سن کر مومل نے کہا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو حور! اصل میں وہ اتنی نرم طبیعت کے ہیں، تمہاری ہتک کے خیال سے پھر مخاطب نہ ہوئے ہوں گے''۔

''میں سب جانتی ہوں، تمہاری اور اس کی فطرت''۔

"اوہ خدایا، تم خواہ مخواہ انگارے چبا رہی ہو، بجائے ان کی ممنونیت کے، تم اُلٹا الزام لگا رہی ہو ان پر، اگر انہیں تماشہ ہی دیکھنا ہوتا تو وہ آ کر بل کیوں ادا کرتے؟" موحل کو اس کے انداز پر اعتراض تھا۔

"بس خاموش رہو، میں جانتی ہوں، تم ویسے بھی اس کی ہمدردی کے فسوں میں مبتلا رہتی ہو، تمہیں میں ہی غلط نظر آؤں گی"۔ وہ چڑ گئی۔

"مائی گاڈ تم نہ معلوم کب ان کی خطائیں معاف کرو گی؟ تمہارے ساتھ وہی مثال فٹ ہوتی ہے۔ نیکی کر دریا میں ڈال"۔ موحل ہنستے ہوئے باہر نکل آئی تھی، جبکہ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

باہر سردی کا احساس نمایاں تھا، ہوا میں بھی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔

"حورین! باہر سردی کچھ زیادہ ہی لگ رہی ہے، یہاں سے گھر کا فاصلہ طویل ہے، کیوں نہ کافی پی لیں، کیفے بھی سامنے ہے"۔ موحل نے دوپٹے کو اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔

"میرا موڈ بالکل بھی نہیں ہے"۔

"پلیز! میری خاطر پی لینا"۔ وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"یاد کرو، ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، بل کی ادائیگی کے لیے اب کون آئے گا؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

"ارے اب ہم اتنے بھی غریب نہیں ہوئے کہ کافی نہ پی سکیں۔ میرے پرس میں اس وقت اتنے روپے ہیں کہ ان میں ہم ڈنر بھی کر سکتے ہیں"۔ موحل ہنستے ہوئے گویا ہوئی تھی تو وہ بھی بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔ اسی لمحے اس کی نگاہ سامنے پڑی تھی اور وہ نگاہ جھپکنا بھول گئی تھی۔

میرون، گولڈن بنارسی ساڑھی میں ملبوس، شانوں اور سینے کے گرد میچنگ ریشمی شال ڈالے نک سک سی تیار اس کی مما کی ہم شکل باوقار عورت کھڑی سیل پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ تم کیوں حیران کھڑی ہو؟" موحل نے حیرانگی سے کہا۔

"حیرت، یہ خاتون بالکل میری مما کی طرح ہیں"۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں موحل نے بھی دیکھا، وہ بھی حیران ہوئی تھی۔

"ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو، کرن آنٹی کو کبھی قریب سے نہیں دیکھا مگر فوٹوز میں دیکھ کر وہ یاد ہیں۔ یہ خاتون حیرت انگیز طور پر کرن آنٹی کا عکس لگ رہی ہیں۔ تھوڑا فرق یہ ہے کہ یہ معمولی سی موٹی ہیں، اگر اسمارٹ ہوتیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا، یہ کرن آنٹی نہیں ہیں"۔

وہ دونوں کھڑی باتیں کر رہی تھیں، تب ہی ذوالنون وہاں نظر آیا تھا، اس کی نگاہ ان دونوں پر پڑی تھی۔ موحل نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ موحل کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ در آئی تھی۔

"ارے وہ دیکھو، ذوالنون بھائی۔ چلو ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں"۔ موحل اسے ہاتھ کے اشارے سے وش کرتی حورین سے بولی۔

"ضروری نہیں ہے، میں نہیں جاؤں گی"۔ ذوالنون پر نگاہ پڑتے ہی اسے اپنی بے عزتی کا احساس مزید قوی لگا تھا۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

"ہماری مشکل میں جو کام آئے، اسے تھینکس کہنا ہمارا فرض ہے۔ تم اپنے کمپلیکس سے باہر مت نکلو، انا کے زعم میں تمام مینرز بھول جاؤ، مگر میں ایسی احسان فراموش نہیں ہوں"۔ موبل زیادہ بولنے کی عادی نہ تھی مگر اس وقت حورین کی ہٹ دھرمی نے اسے چڑا دیا تھا۔ وہ ژدیا، ثمرین، ردا سے اس کی حمایت لیا کرتی تھی مگر اس کی بے تکی ضد نے اسے تپا کر رکھ دیا تھا۔

"ہاں، ہاں جاؤ۔ جاؤ جا کر اس کے پاؤں دھو دھو کر پیو، اگر اس سے بھی اس کے احسان کا بدلہ پورا نہ ہو تو اس کی غلامی کرنے ساتھ گھر چلی جانا"۔ حورین بھی اس وقت کوئی ادھار رکھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ آس پاس گزرتے لوگوں کے خیال سے دھیمے لہجے میں گفتگو کر رہی تھیں۔

"ایکسکیوزمی"۔ وہ کرن کی ہم شکل خاتون سیل فون پرس میں رکھتے ہوئے ان کے قریب از خود ہی آ گئی تھیں۔

"جی......" وہ دونوں چونک اٹھی تھیں۔ ان کو اپنے سامنے دیکھ کر جب کہ ذوالنون بھی دھیمی رفتار سے اسی طرف آ رہا تھا۔

"میں نے سوچا خود ہی جا کر ان سویٹ سی لڑکیوں سے تعارف کراؤں جو بہت دیر سے، غور سے مجھے دیکھتے ہوئے آپس میں سرگوشیاں کر رہی ہیں"۔ وہ ان کی طرف آ کر خوش دلی سے گویا ہوئیں۔

"اوہ، سوری میڈم! دراصل میری کزن کی مما کا فیس سیم آپ کے فیس جیسا ہے، ہم حیران ہو رہے تھے کہ کیا کوئی اتنی مشابہت بھی رکھ سکتا ہے"۔

"ہیلو موبل! کیسی ہو؟" ذوالنون قریب آ کر گویا ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں......کیا آپ دونوں......" وہ گومگو کی کیفیت میں تھی۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ پرنس نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ موبل سے تو تعارف ہو گیا ہے۔ آپ کا نام کیا ہے بیٹا؟" ان کا روئے سخن اس کی طرف تھا۔ ان کی سیاہ چمکدار آنکھوں کے حصار میں اس کا چہرہ تھا جو خود کو اس وقت بے حد بے وقوف و بے بس محسوس کر رہی تھی۔ مما کے چہرے والی یہ عورت تنہا ہوتی تو وہ ان سے بہت اچھی طرح ملتی۔ اپنے تمام احساسات ان سے شیئر کرتی جو انہیں دیکھ کر اس کے دل میں جاگے تھے مگر پاس کھڑے اس شخص نے سارے احساسات مٹی کر دیئے تھے، حالانکہ وہ اس وقت اس سے بالکل اجنبی بنا کھڑا تھا۔ موبل سے گفتگو کرتے وقت بھی اسے بالکل نظر انداز کر چکا تھا۔

"حورین"۔ ان کے دہرانے پر اسے کہنا پڑا۔

"گڈ، موبل......حورین......بہت خوب۔ ایک بات ہے آپ کو میری شکل اپنی ماما سے ملتی فیل ہو رہی ہے اور مجھے بھی آپ کچھ "اپنی اپنی" سی فیل ہو رہی ہیں"۔ ان کا ارتکاز حورین کی جانب مائل تھا۔

"مما! نانو نے جلدی آنے کو کہا تھا"۔ ذوالنون نے مداخلت کی۔

"اوکے، ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ بی بی جان پریشان ہو رہی ہوں گی۔ سردی بھی بڑھ گئی ہے"۔ اس نے موبل کو چلنے کا اشارہ

کرتے ہوئے معذرت بھرے لہجے میں ان سے جان چھڑانی چاہی تھی، جن کی نگاہیں اس کے اندر عجیب سی بے چینی بھر رہی تھیں۔ بے نام اُلجھن وگھبراہٹ اسے اپنے اندر پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور دل کہہ رہا تھا، ان نظروں سے اوجھل ہو جاؤں۔

''ہم کافی پینے جا رہے ہیں، آپ دونوں بھی ساتھ چلیں، نہ جانے کیا ہو رہا ہے اس دل کو، آپ سے بہت ساری باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے''۔ منال کے لہجے میں پچ تھا۔ نہ معلوم کیا ہوا تھا انہیں کہ سیڑھیاں اُترتی اس لڑکی کو انہوں نے دیکھا تھا۔ پھر دل میں عجیب سی خواہش مچلی کہ اسے بار بار دیکھیں اور دیکھتی رہیں۔ شومئی قسمت اس وقت انہوں نے اس لڑکی کو اپنی جانب چونک کر متوجہ ہوتے دیکھا تھا اس نے ساتھ دوسری لڑکی کو بھی اس طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ اس دوران سیل کے بہانے اس کی جانب ہی کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ دوسری لڑکی کی آنکھوں بھی اُبھرتی حیرانگی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ وہ اپنے اندر اُبھرتے تجسس سے باز نہ رہ سکیں۔ اسی اثنا میں ذوالنون شاپنگ بیگز کار میں رکھ آیا تھا۔ دوسری لڑکی نے ذوالنون کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔ ان کے تجسس کو مزید ہوا لگی، پھر ان کو ذوالنون سے یہ معلوم کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ دونوں یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ وہ سیدھی ان کی طرف چلی آئی تھیں۔

''سوری...... ہمیں دیر ہو رہی ہے''۔ حورین نے معذرت کی تھی۔

''سوری نہیں چلے گی، آپ کو کافی پینی ہوگی، کم آن پلیز''۔ منال اس کا ہاتھ تھام کر بڑی اپنائیت سے آگے بڑھی تھیں۔ ساتھ مول کو بھی لیا تھا۔

حورین اس التفات پر بری طرح سٹپٹا گئی تھیں۔ مول کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار تھی۔ وہ بڑی شرارتی نظروں سے حورین کو دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں سے زیادہ سراسیمہ وحیران ذوالنون تھا۔

وہ کسی کو خاطر میں نہ لانے والی ماں کا یوں حورین پر بری طرح فریفتہ ہونا، اپنائیت بھری گفتگو ریشہ خطمی ایسا رویہ تو کبھی اس نے ان کو کسی کے ساتھ کرتے نہ دیکھا تھا۔

کافی کے ساتھ چپز، سینڈوچ اور برگر کا آرڈر اس نے دیا تھا۔ مما حورین سے انٹرویو لینے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ مما کا انداز اسے اب بُری طرح کوفت میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ ان کا حورین کو لفٹ دینا، اسے ناگوار لگ رہا تھا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے ٹیبل پر پڑا میگزین اُٹھا لیا تھا۔

''آپ کے والدین آپ کو بہت چاہتے ہیں؟'' وہ حورین سے مخاطب ہوئیں۔

''جی...... لیکن وہ یہاں نہیں، اسلام آباد میں ہوتے ہیں''۔

''اوہ...... آپ یہاں کس کے پاس ہیں؟''

''دونوں ماموں کی فیملیز ہیں، ایک خالہ بھی ہیں جنہیں ہم سب بی بی جان کہتے ہیں''۔ وہ آہستگی سے بتا رہی تھی۔ چہرے پر گھبراہٹ تھی، اس دوران کافی، سینڈوچز اور برگر آچکے تھے۔ اصرار کے باوجود اس نے صرف کافی لی تھی۔ اس کے گھونٹ بھی کسی بدمزہ

سیال کی مانند اس کے حلق میں اُتر رہے تھے۔اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح اس شخص کے ساتھ بیٹھ کر اپنے بارے میں گفتگو کرے گی۔ بظاہر وہ شخص لاتعلق و بے نیاز بنا بیٹھا تھا مگر وہ جانتی تھی اس کی سماعتیں اس طرف مرکوز ہیں۔ چہرے پر ناگواری و ناپسندیدگی ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔اس کے انداز سے ظاہر تھا، اپنی مما سے ایسے رویے کی توقع نہ کرتا تھا۔منال کی نظریں ایکسرے کی طرح ایک ایک نقوش کا جائزہ لے رہی تھیں اور ان کے اندر کی دُنیا میں تلاطم برپا تھا۔

لاشعور بہت سی سرگوشیاں کر رہا تھا۔

آگہی و ادراک بھی انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہے تھے۔شدید شور، شدید ہنگامہ ان کے اندر پھیلا ہوا تھا۔سب کی آوازیں ایسی گڈمڈ ہوئی تھیں کہ کوئی ایک آواز بھی سمجھ میں نہ آرہی تھی۔وہ حورین کو دیکھے جا رہی تھیں۔ذہن کے کینوس پر ماضی کی تصویر بننے و مٹنے لگی تھی۔

''آپ کی مما کی کوئی بچھڑی بہن ہیں؟''۔

''نہیں''۔اس نے مختصر جواب دیا تھا۔منال بیگم بھی گویا حواسوں میں لوٹنے لگی تھیں۔اب انہوں نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے مومل سے بھی ایسے ہی سوالات شروع کر دیئے تھے۔اس دوران کافی کے ساتھ سینڈوچز و برگر سے بھی لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ذوالنون نے بھی صرف کافی پی تھی۔اب وہ ایسی اُکتاہٹ بھرے تاثرات چہرے پر سجائے بیٹھا تھا کہ ذرا سا اشارہ ملے اور وہ ہوا کی طرح غائب ہو جائے۔

حورین کے سیل فون کی بپ پر ذوالنون نے چونک کر دیکھا تھا۔

''یس''۔اس نے اسکرین پر ہریرہ کے سیل نمبر دیکھ کر کہا۔

''تم شاپنگ کرنے نکل گئیں، پہلے پرس میں رقم تو چیک کر لیتیں''۔

''کیا مطلب؟'' حورین کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

''تمہارے پرس سے میں نے رقم نکال لی تھی تاکہ میرے آنے تک تم جا نہ سکو...... مگر پرس چیک کیے بغیر چلی گئی...... میں کب سے ٹرائی کر رہا ہوں، کوئی مسئلہ تو نہیں؟'' وہ متفکرانہ انداز میں پوچھ رہا تھا، لاؤڈ آن ہونے کی وجہ سے آواز بخوبی ذوالنون تک بھی پہنچ رہی تھی۔ چہرہ اس کا سپاٹ تھا مگر کن انکھیوں سے وہ حورین کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔مومل اور منال گفتگو میں مگن تھیں۔

''ہریرہ! میں تمہیں مار دوں گی، نان سنس''۔اس نے غصے میں سیل آف کر کے پرس میں رکھا اور منال سے اجازت لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ کی مما کراچی آئیں تو ضرور ملوایئے گا''۔وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کار کی طرف بڑھتے ہوئے اسے محسوس ہو رہا تھا، گویا کسی گھٹن سے نجات ملی ہو۔

''کیا بات ہے یار! ذوالنون کی مما تم پر کچھ زیادہ نثار دکھائی دی ہیں۔ مجھے لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے''۔مومل پارکنگ کی طرف بڑھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی۔

''کوئی کالا، پیلا نہیں ہے، تم اپنا دماغ درست رکھو۔ بیٹے کی طرح وہ بھی کسی کمپلیکس کا شکار نظر آئی ہیں''۔ حورین منہ بنا کر بولی۔

''کیا...... تم کس قسم کی لڑکی ہو، وہ تم سے اتنے اخلاق و محبت سے ملی ہیں، تمہیں اتنی اہمیت دی ہے اور تم کہتی ہو، وہ کسی احساسِ کمتری کا شکار ہیں''۔

''تم زیادہ بُرا اعتماد بھی کہہ سکتی ہو''۔

''میرے خدا۔ حورین! تم...... تم مجھے لگتا ہے سائیکی ہو گئی ہو''۔ سول کو اس کا بے لچک انداز بالکل نہ بھایا تھا۔ وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''یہ حقیقت ہے اس عورت نے مجھے ذرا بھی انسپائر نہیں کیا، میری مما کی فیس کاپی ضرور ہیں مگر طبیعت میں میری مما کے بالکل متضاد ہیں۔ کم از کم میں ان سے دوبارہ ملنا پسند نہیں کروں گی''۔ وہ سامنے نظر آتی کار کی جانب بڑھ گئی۔

اس لیے سول بھی اس سے پوری طرح بدظن ہو گئی تھی۔ اس کے خیال میں حورین نے بد لحاظی و احساس فراموشی کی تمام حدیں توڑ دی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ آفس سے گھر جانے کی بجائے صمد انکل کی طرف جانے والی سڑک پر کار ڈال چکا تھا۔ موسم خنکی سے بوجھل تھا۔ اس کے دل کی طرف احساسات سرد پڑ گئے تھے۔ انسان پر کیسے کیسے حالات کے تغیرات اُترتے ہیں اور وہ انجان سا ان کی لپیٹ میں اُلجھتا چلا جاتا ہے، نہ اسے سنبھلنے کا موقع ملتا ہے۔ چھوٹا سا لکڑا پوری طرح حاوی و احساسات پر قابض ہے۔ اس کے مرہونِ منت انسانی زندگی جنت بھی بن جاتی ہے اور جہنم بھی۔ اس کے مزاج کی بدولت بہاریں گنگناتی ہیں، خزائیں ڈیرے لگاتی ہیں۔ انسانی زندگی کی بادشاہت کا تاج اسی کے سر پر ہے۔ جذبات و احساسات پر اس کی حکمرانی ہے۔ کل جب وہ ان راستوں پر کار دوڑاتا تھا تو لگتا تھا سفر طویل ہے، منزل نہ معلوم کب آئے گی؟ دیدارِ یار کے لیے آنکھیں حد سے زیادہ بے قرار و بے چین رہتی تھیں۔ اُمنگیں، آرزوئیں بھی دعائیں کرتیں کہ پہلا دیدار اسی اپسرا کا ہو جو اس کا چین و قرار لوٹ کر انجان بنی ہوئی ہے اور اب...... بالکل سلو ڈرائیونگ کے باوجود لگ رہا تھا، صمد انکل کا گھر بہت قریب ہے۔ راستے گویا سمٹ گئے تھے جن کی طوالت اسے کبھی کوفت میں مبتلا رکھتی تھی۔ دل دُعا گو تھا کہ اس سے سامنا نہ ہو جس کو سب سے پہلے دیکھنے کی آرزو ہوا کرتی تھی۔ دل کی خواہشیں کبھی بھی ایک جیسی نہیں رہتیں، موسموں سے بھی زیادہ تیزی سے بدلتی ہیں۔ کل جس کی محبت زندگی زیست کی چاہ پیدا کرتی تھی، آج اس کی دید کے خیال سے روح فنا ہوتی نظر آ رہی ہے۔ صمد انکل کی کالز اسے متواتر موصول نہ ہوتیں تو وہ آنے والا نہ تھا۔

کار پورٹیکو میں کھڑی کر کے وہ اندر چلا آیا۔ خلافِ معمول وہاں سناٹے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ لابی سے گزر کر لاؤنج کی طرف بڑھا، وہ بھی خالی تھا۔ لاؤنج سے ملحقہ کوریڈور میں بھی کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ حیران و پریشان سا دادو کے کمرے کی طرف بڑھا، دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ کھلا تھا۔ وہ دشمنِ جاں سامنے تھی۔

شاید نماز پڑھ کر نکلی تھی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں لپٹا چہرہ، شدتِ گریہ سے ہوتی سرخ آنکھیں اور آنکھوں میں موجود وہی

اُداسی و بے کلی جو خود اس کے وجود کو بھی اپنی گرفت میں جکڑے ہوئے تھی۔

وہ دونوں بے خود سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے، جو لفظ کبھی زبان نہ کہہ سکی تھی، وہ آنکھیں بیان کر رہی تھیں، جو اعتراف کبھی زبان کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکی تھی وہ اس لمحے نگاہوں نے کر دیا تھا اور نہ معلوم کب تک آنکھوں کی گفتگو آنکھوں سے جاری تھی، معاً باہر سڑک سے گزرنے والی کسی گاڑی کے تیز ہارن نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"آ......آ......آپ؟" دونوں سنبھل گئے۔ خضریٰ کے چہرے کی رنگت متغیر ہوگئی۔ یہ کیا ہوا تھا جس راز کی وہ حفاظت کرتی رہی تھی، اس طرح عیاں ہوا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہوگیا، نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" کونین کو معلوم تھا وہ اس کو پسند کرتی ہے اور اعتراف نہیں کرتی...... آج اعتراف ہوا بھی تو دل کو اور بوجھل کر گیا۔ اس کے گریز اور انکار کی وجہ اسے اب سمجھ میں آئی تھی۔ وہ قریب رہ کر بھی ماں کو سمجھ نہ سکا تھا اور وہ دور رہ کر بھی آگاہ تھی۔

وہ دل سے اس کی عظمت کا قائل ہو چکا تھا۔

"آپ بیٹھیں ناں کونین بھائی!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"نہیں...... میں چلوں گا، مجھے کچھ ضروری کام ہے"۔

"ابھی تو آپ آئے ہیں"۔ وہ اس کے یوں جانے پر بولی۔

"میں نے کچھ دوستوں کو ڈنر پر بلوایا ہے، مجھے ہوٹل پہنچنا ہے، یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا خیریت معلوم کرتا چلوں"۔ اس نے بہانہ تراشا۔

"فیملی میں کسی کی شادی ہے، وہاں ممی پاپا اور دادو گئی ہیں، بھابی بھی ساتھ ہیں۔ حمزہ بھائی ہاسپٹل گئے ہیں۔ خضر اور حزل بھی کسی پارٹی میں گئے ہیں اور عریبہ بھی اپنی فرینڈ کے ہاں...... آپ بیٹھیں ناں"۔

"میں پھر کبھی آؤں گا، اوکے"۔ وہ کہتا ہوا نکل گیا۔

☆......☆......☆

ان لوگوں کے درمیان نیا محاذ قائم ہوگیا تھا۔ گھر آ کر اس نے ہریرہ سے خوب لڑائی کی تھی۔ ہریرہ کو اپنی غلطی کا احساس تھا۔ اس نے وہ حرکت اس لیے کی تھی کہ وہ اس طرح جا نہ سکے گی اور وہ فریش ہو کر انہیں خود لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس دن اتفاق ہی تھا کہ حورین شدید غصے میں پرس چیک کیے بغیر چلی گئی تھی، سو وہ خاموشی سے اسے چیختا چلاتا دیکھ رہا تھا۔ صرف بی بی جان کے خوف سے وہ دروازہ لاکڈ کیا تھا اس نے، سوائے جو حورین کے رویے سے سخت متنفر ہوئی تھی، زویا کو آ کر اس نے سب کچھ بتایا تو وہ بھی اس کی ہم خیال ہوگئیں۔ دوسرے دن کال کر کے ردا اور ثمرین کو بھی بلایا گیا، کیونکہ امتحانات کے بعد یونیورسٹی میں چھٹیاں تھیں۔

ردا اور ثمرین نے بھی حورین کے رویے کو غلط قرار دیا تھا۔ ان چاروں کا خیال تھا۔ اسے ان کو تھینکس ضرور بولنا چاہیے اور وہ کسی

طور ماننے کو تیار نہ تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ صرف اس کی ادا کی گئی رقم لوٹائے گی، بغیر کسی اظہار کے۔ ذوالنون نے بھیک کے انداز میں احسان کیا ہے، جس کا شکریہ صرف رقم کی ادائیگی ہے۔ اس نے گھر آ کر کسی سامان کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، ورنہ اپنی شاپنگ وہ دس بار دیکھتی اور دکھاتی تھی۔ اس کی ہٹ دھرمی و تنگ مزاجی نے ان کے درمیان سرد جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

حورین نے ذوالنون کی دی گئی رقم شرین اور ردا کے ہاتھ ہی بھجوائی تھی، جو اس نے یہ کہہ کر واپس کر دی تھی کہ یہ رقم چیریٹی سینٹر میں دی جائے اور اس بات نے اسے پتنگے لگا دیئے تھے۔ اس نے شاپرز مع سامان کے ان چاروں کو سونپ دیئے تھے۔ وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔

انہوں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر حورین انا کے خول میں بند ہو چکی تھی۔ اسے دوستوں کی باتیں ذوالنون کی حمایت و چاپلوسی محسوس ہوتی تھی۔ وہ چاروں ریاکار و دغاباز ہیں، وہ ان لوگوں سے برائے نام ہی تعلق رکھتی تھی اور اس کی اس سرد مہری نے انہیں از خود ہی ذوالنون کی جانب جھکا دیا تھا۔ ہر بات وہ اس کے گوش گزار کرتیں اور وہ عادت کے برخلاف انہیں لفٹ دینے لگا تھا۔ اس دوران پروفیسر آفتاب کی کال پر وہ سب وہاں جمع تھے۔ چائے کا دور ہو چکا تھا، نہ معلوم اس کے دل میں کیا آئی، وہ مطلوبہ رقم لے کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

"یہ پکڑیں اپنی رقم اور خود بانٹتے پھریں"۔ وہ کئی بڑے نوٹ اس کے آگے رکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر درشتی اُبھرنے لگی۔

❁

اس کے برابر میں بیٹھے سر آفتاب نے پہلی نگاہ ذوالنون کے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی، پھر روبرو کھڑی حورین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات بھی بگڑے تھے۔ "او وشٹ" اس نے شدید اشتعال میں وہاں رکھے گئے نوٹ ہاتھ مار کر دور پھینکے تھے اور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سمجھتی کیا ہو خود کو تم؟ تم جیسی لڑکیوں کے دماغ درست کرنا جانتا ہوں"۔ وہ نگاہوں سے شعلے برساتا ہوا اس سے قہر آلود لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھ جیسی لڑکی، ہونہہ، پہلے اپنے گریبان میں جھانکو، خود کیا ہو؟" وہ بھی گھائل شیرنی کی طرح دھاڑی تھی، اسی لمحے یکا یک سے سر آفتاب کو مداخلت کرنی پڑی، دوسرے کمرے سے حیدر، مامون اور وہ چاروں بھی گھبرائی ہوئی وہاں آ گئی تھیں جہاں وہ تینوں موجود تھے، نیچے کارپٹ پر نوٹ پھیلے ہوئے تھے اور انہیں سچویشن سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی۔

"کول ڈاؤن، ریلیکس مائی چائلڈز، یہ ہو کیا رہا ہے؟ پہلے مجھے بتاؤ تو سہی، یہ کس بات کا جھگڑا ہے؟ ہوا کیا ہے؟" پروفیسر آفتاب ایک دم پریشان ہو بیٹھے تھے، ان دونوں کے جارحانہ تیوروں سے۔

"تھنگ سر، خوامخواہ میرے گلے کا ہار بننا چاہ رہی ہے"۔ اس کے انداز میں مخصوص رعونت و اکھڑ پن اُتر آیا تھا۔

"مائی فٹ!" حورین نے منہ کھولا ہی تھا کہ سر آفتاب نے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بڑی متانت و رعب سے کہا۔

"کیپ کوائٹ، کوئی نہیں بولے گا، دونوں میں سے۔ بیٹھ جائیں سب، حیدر، یہ تمام نوٹ اکٹھے کر کے یہاں رکھو"۔

حیدر نے وہ نوٹ نجیل پر رکھ کر خوب صورت پیپر ویٹ کے نیچے دبا دیئے تھے، پھر سر آفتاب کے دوبارہ کہنے پر موحل نے وہ تمام گفتگو دہرادی تھی جو چند دنوں قبل ان کی شاپنگ سینٹر میں ہوئی تھی۔

''یہ بہت اچھی بات ہے، ذوالنون نے آپ کی ہیلپ کی، آپ کے کام آئے، میں خوش ہوں۔ ذوالنون نے اچھائی و بردباری کی راہ اپنائی ہے حورین، اکثر اوقات ایسا ہو جاتا ہے، ہم غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں جو ہم سمجھتے ہیں ایسا ہوتا نہیں ہے، ذوالنون نے آپ کی مدد پورے خلوص و سنجیدگی سے کی ہے، آپ کس مس انڈراسٹینڈنگ کا شکار ہو رہی ہیں''۔ موحل سے ساری بات بہت توجہ سے سننے کے بعد وہ ملائمت بھرے لہجے میں حورین سے مخاطب ہوئے، جو منہ بنائے بیٹھی تھی۔

''سر! میں سمجھتی ہوں، میمرز، ایٹی کیٹس سے میں نابلد نہیں ہوں''۔ اُس نے ایک تیکھی ہوئی نگاہ کچھ فاصلے پر براجمان موحل، زویا وغیرہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''سب جانتی ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ خلوص و احسان میں کیا فرق ہے۔ میری بات کا مین پوائنٹ یہ ہے کہ احسان، احسان میں فرق ہوتا ہے..... خلوص وہ بھی سنجیدگی سے پُر ہو تو سامنے والے کو ممنون کر دیتا ہے لیکن یہی خلوص کسی کے چہرے پر، کسی کی انا، کسی کی عزت نفس و خودداری پر بھرپور طمانچے کی طرح مارا جائے تو آپ خود فیل کر سکتے ہیں سر! اس کا ری ایکشن کیا ہوگا؟ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے گا؟''

حورین کے لہجے میں وہ تمام حساسیت موجود تھی جو وہ گزشتہ تین دن سے پہلے ذوالنون کے انداز، پھر موحل، زویا، ردا اور ثمرین سے مسلسل بحثوں کے بعد اس کے اندر اُتری تھی، جس سے وہ خود کو بالکل تنہا سمجھنے لگی تھی، ان چاروں کے چہرے چند سیکنڈز کے لیے پھیکے پڑے تھے۔ مامون اور حیدر حورین سے متاثر نظر آ رہے تھے جبکہ وہ جس کی ذات اس جھگڑے کا سبب بنی تھی جو اصل فساد کی جڑ تھی۔ وہ چہرے پر دُنیا بھر کی بے نیازی و بے پرواہی سجائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس طرح اکڑا بیٹھا تھا گویا اس کی نہیں کسی اور کی بات ہو رہی ہو۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا..... کس طرح آپ دونوں کو سمجھاؤں؟.....''

پروفیسر آفتاب حسن کو بات کی تہہ میں پہنچنے میں دیر نہ لگی تھی، وہ ذوالنون کے مزاج شناسا تھے۔ اس کی نیچر، اس کے ایٹی ٹیوڈ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جان گئے تھے اس نے اپنی نیچر کے مطابق اسے پرابلم میں دیکھ کر اس کی مدد تو کر دی مگر پھر مڑ کر حورین کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا ہوگا اور حورین جو پہلے ہی اس کے سامنے نیکی کے خیال سے گھبراہٹ کا شکار تھی، اس کی اس لاپرواہی نے اسے دوہری شرمندگی سے دوچار کر ڈالا، مستزاد اس کا رقم لینے سے انکار کرنے نے اس کو اشتعال انگیزی میں مبتلا کر دیا تھا، نتیجتاً بات بڑھتی چلی گئی۔

''آپ پریشان نہ ہوں سر!'' وہ ان کا متفکر چہرہ دیکھ کر بولا۔

''ایم سوری، ایٹی ویز میں نے جو کچھ کیا، انسانی ہمدردی و اخلاقی طور پر کیا..... انہیں مس انڈراسٹینڈنگ ہوئی ہے، ایکچوئیلی یہ مس انڈراسٹینڈنگ نہیں ہے یہ ان کا اپنا ایٹی ٹیوڈ ہے، اپنی تھنکنگ ہے، ان کا اپنا آپ ہے، ایسے لوگ جیسے خود ہوتے ہیں، گھٹیا ذہنیت و گھٹیا

سوچ رکھنے والے ایسی سوچ وہ دوسروں کے متعلق بھی رکھتے ہیں"۔ اس نے معذرت بھی کی تو اسے لفظوں کے تیروں سے گھائل کر ڈالا تھا، اس کے اندر گویا شعلے بھڑکنے لگے تھے۔

"نو...... نو...... نو مائی سن! اب آپ زیادتی کر رہے ہیں"۔ حالات کو پھر تناؤ کی جانب بڑھتے دیکھ کر انہیں مداخلت کرنی پڑی۔

"آئم ناٹ مائنڈڈ سر! کیونکہ انہوں نے اپنا آپ ایکسپوز کر دیا ہے، ایسی لوز فیلنگز میری ہو نہیں سکتی ہیں"۔ حورین کسی طور سرنڈر کرنے کو راضی نہ تھی تو وہ بھی چٹان کی طرح اکڑا ہوا تھا، مضبوط و ٹھوس۔

"یہ ضد برائے ضد، بحث برائے بحث والا معاملہ چل رہا ہے، آپ دونوں ہی شاید سوچ چکے ہیں کہ کوئی کچھ بھی سمجھائے، کچھ بھی کہے آپ نے سننا نہیں ہے، محض انا و فضول سی ضد نے آپ کو اس حد تک بدگمان کر ڈالا ہے کہ اس طرح ہی سلسلہ چلتا رہا تو آپ لوگوں کے درمیان گڈ فیلنگز کبھی نہیں ہو سکتی ہیں"۔

سر آفتاب حسن یک دم ہی بے حد سنجیدہ ہو گئے اور ان کی اس سنجیدگی کو سب نے ہی محسوس کیا۔

"سر! آپ افسردہ نہ ہوں"۔ حیدر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں رنجیدہ ہو جاتا ہوں کہ جب دیکھتا ہوں ہم بلاوجہ کی رنجشوں و جھگڑوں میں پڑ کر اپنی زندگی کے سب سے خوب صورت دنوں کو بدصورت و اجاڑ کر لیتے ہیں، میں سوچتا ہوں محبت، خلوص، رواداری، صبر و برداشت کی ضرورت جتنی اس وقت ہم کو ہے، اس سے قبل شاید ہی کبھی رہی ہو، آج آپ کہیں سے بھی گزر جاؤ، ہر جگہ افراتفری و خود غرضی نظر آتی ہے، زندگی کے حسن ماند پڑ گئے ہیں، ان کی شوخی و دل کشی وقت سے قبل اُڑ گئی ہے"۔

وہ کہہ رہے تھے اپنی دھیمی و دل کش آواز میں اور لفظ مدھ بھری خوشبو کی طرح ان کے ذہنوں میں سرایت کرنے لگے تھے۔

"آئم سوری سر! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا"۔ حورین نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں، ہم خود اپنی ذات سے ابتدا کریں، درگزر اور رواداری کے پرچارک، درگزر اور رواداری جب ہمارے مزاج کا حصہ بن جائے گی تو پھر از خود محبت و خلوص کے گل کھلیں گے جن کی جاوداں خوشبوؤں سے حیات کے گلستان اپنے حسین جوبن پر محیط ہو کر زندگی کو زندگی بنا دیں گے"۔ وہ چند لمحے توقف کے بعد گویا ہوئے۔ "یہ جب ہی ممکن ہو گا جب ہم آئم دا بیسٹ کہنے کے بجائے یو آر دا بیسٹ! کہیں گے، جب ہم کسی کو عزت دیں گے تو ہمیں جواباً دگنی عزت ملے گی"۔ آخری لفظ انہوں نے بغور ذوالنون کی جانب دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"عشق، پیار، محبت، مجھے نفرت ہے ان لفظوں سے سر! عشق مجازی تو فنا ہونے والا عشق ہے، بقا تو عشق حقیقی میں ہے، محبت تو صرف اللہ کی ہے جس کی طاقت کبھی نہیں بدلتی اور پیار وہ ہے جو ہم رب کے محبوب اور اپنے آقا و سردار صلی اللہ علیہ وآلہ سے کرتے ہیں، ان جذبوں کی صفات بہت پاک و مقدس ہیں۔ میں اس دور کے اس تھرڈ کلاس عشق و محبت کی بات نہیں کر رہا، جو گندگی کی طرح گلی گلی بکھرا پڑا

ہے، میں اس محبت کی بات کر رہا ہوں جو اس کائنات کے وجود میں آنے کا باعث بنی جو اصل عشق کی اساس ہے۔ ضروری نہیں ہے دو جنس مخالف کی دوستی کا مطلب محبت ہی ہو۔ وہ محبت جو نفسانی آلائشوں سے پاک وانسانیت سے بھرپور"۔

"زور پھر بھی "محبت" پر ہی رہا سر!" مامون نے ہنستے ہوئے کہا تو سب کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی جس سے کشیدہ ماحول میں کچھ تازگی ابھری تھی، وہ بہت کچھ سمجھاتے رہے تھے۔

"یہ رقم وجہ تنازعہ بنی ہے یہ اب چیرٹی میں جائے گی آپ دونوں پلیز بھول جائیں جو ہوا سو ہوا، حورین نے رقم دے دی اور ذوالنون نے لے لی، اب یہی سمجھئے گا آپ لوگ" سر آفتاب نے وہ تمام نوٹ اُٹھاتے ہوئے کہا، ذوالنون کے سنجیدہ چہرے پر کافی پراؤڈ مسکراہٹ اُبھری تھی جو حورین کو خوب تپا گئی تھی مگر وہ مصلحتاً چپ رہی اور واپسی تک چپ رہی تھی۔

☆......☆......☆

"منال! کیا بات ہے، دیکھ رہی ہوں دو چار دنوں سے بہت سوچوں میں گم رہنے لگی ہیں، کوئی سیکرٹ پرابلم ہے جو مما سے بھی شیئر نہیں ہوگا؟" فائقہ بیگم نے منال کی طرف دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"مما! کبھی آپ سے کچھ چھپایا ہے جو اب چھپاؤں گی، میں نے تو وہ باتیں بھی آپ سے شیئر کی ہیں جو انسان خود سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتا"۔

"دیٹس رائٹ، بٹ کوئی اُلجھن تو ہے"۔ ریڈ اینڈ بلیک پرنٹیڈ ساڑھی میں ملبوس منال کے سادہ چہرے پر گہری سوچوں کا عکس سرخی بن کر چھایا ہوا تھا، براؤن خوب صورت آنکھوں میں بھی سوچ واضطراب تھا۔

"ایک کنفیوژن ہے مما! اسے میں خود ابھی سمجھ نہیں پائی ہوں کہ وہ حقیقت ہے یا صرف میرے احساسات کی کارستانی"۔

فائقہ بیگم نے چونک کر دیکھا تھا ان کی طرف۔

ان کا لہجہ!

ان کا انداز!

گزرے وقت کی اس دیوانگی کی جھلک لیے ہوئے تھا جس نے انہیں حیات کی مسرتوں سے دور کر دیا تھا، سب ہی کچھ چھین کر تہی داماں کر دیا تھا، پھر آج ایک عرصے بعد وہ اس بھنور میں چکراتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"ایسا کیا ہے بیٹا! مجھے ٹینشن ہونے لگی ہے"۔

"اوہو مما! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، ٹینس تو میں ہوں"۔

"ایسی کوئی ٹینشن نہیں پالنی ہے آپ کو اب، سب کچھ کھو دیا ہے اس پاگل پن میں، لٹانے کو بچا ہی کیا ہے؟ صرف بچے ہیں کیا ان کو بھی......"

''میں نے ایسا کیا کہہ دیا؟ آپ سمجھ کیا رہی ہیں؟'' منال نے حیرانگی سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کے الفاظ سے مجھے اس ڈیول کی بو آرہی ہے جس نے ہمیں پل پل اذیتوں ذلتوں سے نوازا تھا، بلکہ ہم ابھی بھی اسی کی وجہ سے ایسی زندگی گزار رہے ہیں جس میں سکون وخوشیاں دبی دبی ہیں''۔

''وہ ایسا تو نہ تھا مما! محبت اس نے مجھ سے کی تھی، دل وجان سے چاہا تھا مجھے، عجیب محبت تھی اس کی، ہم روز ملتے تھے مگر کبھی بھی اس نے میرا ہاتھ تک پکڑنے کی جسارت نہ کی، کبھی ایسی نگاہ نہ ڈالی جو مجھے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیتی، بہت پاکیزہ وسچی محبت کرتا تھا وہ مجھ سے، تب تو مجھے ان جذبوں سے آشنائی نہ تھی، میں محض پاپا کے پلان کے مطابق ان کی بزنس مارکیٹ ڈاؤن کرنے کی سازش لے کر محبت کا ڈھونگ رچا رہی تھی، اپنے دل کی حالت سے بے خبر...... اس کے اُلو بننے پر ہنستی تھی، مذاق اُڑاتی تھی۔ یہ سب تو اسے کھونے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محبت ہوتی کیا ہے؟ سچا چاہنے والا موقع سے فائدہ نہیں اُٹھاتا بلکہ وہ کسی معتبر ومعزز شخصیت کی طرح آپ کی عزت کرتا ہے، تعظیم کرتا ہے''۔

''اچھا...... آپ کو اس کی محبت یاد ہے اور جو اس نے کیا وہ بھول گئیں آپ کہ کس طرح ایک دُنیا کے سامنے وہ کرن کو لے کر ہماری عزت قدموں تلے روند کر چلا گیا تھا، ایک مدت تک جگ ہنسائی ہوئی تھی ہماری، کس بری طرح لوگوں سے منہ چھپا کر رہتے تھے ہم یہ یاد نہیں''۔

''یہ بھولنے والی باتیں نہیں ہیں مما، یہ وہ نقش ہیں جو دل پر ثبت ہیں''۔ ان کے مضمحل لہجے میں صدیوں کی تھکن در آئی تھی۔

''پھر آج اس کی یاد کا کیا جواز ہے؟''

''کبھی دشمن بھی اچھے وقت کی طرح یاد آجاتے ہیں، انسان کو صرف دو لوگ، دو رشتے یاد رہتے ہیں، ایک دشمن کو کبھی بھلایا نہیں جاتا، ایک دوست ہوتا ہے جو ہر موقع پر ساتھ دیتا ہے، آج کے دشمن کل کے اچھے رہنے والے دوست ہی تو ہوتے ہیں''۔

''جب سے پرنس کے ساتھ شاپنگ سے آئی ہیں، تب سے آپ کو پریشان دیکھ رہی ہوں آخر ہوا کیا مجھے بھی معلوم ہو؟''

''مما!'' انہوں نے حورین سے ملاقات کا ایک ایک لفظ انہیں سنا ڈالا، لمحے بھر کو فائقہ بیگم بھی چونک اُٹھی تھیں مگر پھر گویا ہوئیں۔

''یہ محض اتفاق ہی ہو سکتا ہے ڈیئر! ورنہ وہ بھائیوں وبہنوں جیسے رشتوں سے محروم تھی پھر وہ یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا چکے ہیں''۔

انہوں نے دانستہ کرن اور انس کے نام لینے سے گریز کیا تھا۔

''آئی نو، مگر...... مگر اس لڑکی میں جو تمکنت ووقار تھا، لہجے کا ٹھہراؤ، گفتگو کا وہی دل نشین انداز اور...... آنکھ میں وہی پراؤڈ سی چمک''۔ ان کے ذہن کے کینوس پر حورین کی شبیہہ کا ایک ایک نقش اُبھرا ہوا تھا۔

''اس لڑکی میں ایسا کچھ ضرور تھا جو مجھے ایک عرصے بعد بے قرار کر گیا ہے''۔

"آل رائٹ، ٹینس مت ہوں، ہم ایک آدھ دن میں اس لڑکی کو یہاں لنچ پر انوائٹ کر لیتے ہیں، ساتھ ایک بار اس کا فیملی بیک گراؤنڈ پوری طرح معلوم بھی کر لیں گے، تسلی مل جائے گی آپ کو بھی"۔

"او کے، پرنس آ جائے تو کہتی ہوں اس سے"۔ ان کے انداز میں بے چینی ہنوز تھی۔

☆......☆......☆

بی بی جان شفقت صاحب کے گھر سے بامراد لوٹی تھیں، یہ سب ان کی رواداری، ہر ایک سے حسن سلوک اور آپس میں پیار و محبت سے جڑے رہنے کا انداز تھا کہ شفقت صاحب اور ان کی بیوی نے روایتی طور پر چند دن سوچ و بچار کے بھی نہ مانگے تھے اور فوراً ہی ہاں میں جواب دے دیا تھا۔ گھر میں خوشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

تازہ گلاب جامن اور چم چم سے بھرا ٹوکرا ملازموں سے لے کر گھر کے ہر فرد کا منہ میٹھا کرا چکا تھا، خصوصاً سب نے وصی کو مٹھائی کھلا کھلا کر بوکھلا ڈالا تھا۔ لڑکے آتے جاتے اس کے منہ میں کبھی گلاب جامن، کبھی چم چم ٹھونس رہے تھے اور جبراً اسے کھانے پر بھی مجبور کر رہے تھے۔

"فار گاڈ سیک، تم لوگ کیا مجھے شادی سے پہلے ہی شوگر کا مریض بنا کر مار ڈالنا چاہتے ہو؟ حد ہوتی ہے کوئی مٹھائی کھلانے کی بھی"۔

وصی سعود کو پھر اسی ارادے سے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر جھنجلایا تھا۔

"دیکھو بیٹے! شوگر، شوہر میں فقط ایک لفظ کا ہیر پھیر ہے مگر تاثیر دونوں کی ایک ہی ہے، اچھا شوہر بننے کے لیے بندے کو شوگر کی طرح ہی میٹھا بننا پڑتا ہے"۔ سعود نے کسی بزرگ کی طرح سمجھایا۔

"منے اپنے مشوروں کو اپنے لیے سنبھال رکھو"۔

"ہماری ہونے والی بھابی کا اسم مبارک تو معلوم ہی نہیں ہے"۔ رؤف نے اہم سوال کیا تھا۔

"شاید ابھی نام رکھا نہیں گیا ان کا"۔ سفیان کے لبوں پر شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ وصی نے گھور کر دیکھا تو وہ منہ پھاڑ کر ہنس پڑا۔

"چندا نام ہے ہماری بھابی کا، وہ خود بھی چاندنی ہیں"۔

"چندا؟ واؤ! پریٹی نیم اب وصی یہی کہتا نظر آئے گا۔ چندا او چندا! یہ کیا ہو گیا میرا دل کھو گیا او چندا"۔ سعود کے گنگنانے پر چھت پھاڑ قہقہہ لگا تھا، وصی بھی ہنس پڑا تھا۔

☆......☆......☆

تیری نظر میں کہاں باریاب ہونا تھا

تمام عمر یہی اضطراب ہونا تھا

بڑی اُمید تھی کارِ جہاں میں دل سے مگر

اسے تیری طلب میں خراب ہونا تھا

ختنریٰ ڈیئر! مہران علوی تم سے ملنا چاہتے ہیں، کئی بار کالز کر چکے ہیں، خاصے بے تاب ہیں ملاقات کے لیے، اب بتائیں کیا کہوں ان سے؟'' وہ ہسپتال سے آ کر ہاتھ لینے کے بعد کچھ ستانے کو لیٹی ہی تھی کہ بھابی چائے کے ساتھ اسنیکس لے کر اس کے پاس آ گئیں، ان کے لہجے میں کھنک اور آنکھوں میں شوخی تھی، وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

ختنریٰ کے اندر گویا سناٹے اُترنے لگے، اس نے کبھی اس پہلو پر نہ سوچا تھا کہ مہران علوی اس سے ملاقات کا خواہش مند بھی ہو سکتا ہے۔

''ارے کیا سوچنے لگیں؟'' وہ قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''کچھ نہیں بھابی! بس ایسے ہی''۔ اس نے چکراتے سر کو ہاتھوں سے تھاما تو چہرے پر ہاتھ آ جانے کی باعث بھابی نے کچھ اور ہی مطلب اخذ کیا پھر پلیٹ میں سینڈوچ رکھ کر ہنستی ہوئی بولیں۔

''اوہ گاڈ! تمہاری یہ شرمانے کی ادا، میرا دل لوٹ لے گئی، اتنی بولڈ کانفیڈنٹ ڈاکٹر کو میں اس طرح شرماتے دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی''۔ وہ کیچپ ڈال کر پلیٹ اس کی طرف بڑھا کر بولیں۔

''میں صرف چائے لوں گی''۔ بھابی کی حیرانگی پر اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ کی کرن چمکی تھی وہ اس کی دل کے تباہی سے بے خبر تھیں۔

''نہیں، بالکل نہیں، پراپر ڈائیٹ لینی تم چھوڑ چکی ہو، صحت دن بہ دن گرتی جا رہی ہے، پھر ہارڈ ورکنگ بہت ہو، میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گی''۔ انہوں نے اس کی مزاحمت و انکار کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے زبردستی سینڈوچ کے پیس کر کے اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا۔

''پلیز بھابی! اب اور گنجائش نہیں ہے''۔ اس نے انہیں دوسرے سینڈوچ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا۔

''چلو یہ بھی بہت ہے کہ تم نے ایک تو کھایا''۔ وہ چائے سرو کر کے بولیں۔

''پھر کیا جواب دوں مہران کو؟'' وہ اپنے لیے فلاسک سے چائے نکالتی گویا ہوئیں۔

''آپ کو معلوم ہے مجھے یہ سب اکورڈ فیل ہوتا ہے''۔

''میں ہی کیا سب گھر والے تمہاری نیچر جانتے ہیں''۔

''پھر میں کس طرح ان سے مل سکتی ہوں؟''

''ختنریٰ! کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو نہ چاہنے کے باوجود کرنے پڑتے ہیں''۔

''کیا مطلب؟'' اس نے کپ لبوں سے ہٹا کر استفسار کیا۔

''ہم جس سوسائٹی میں موو کرتے ہیں وہاں اس سے بڑی بڑی باتیں بہت عام سے انداز میں ہو جاتی ہیں۔ ہماری فیملی ایجوکیٹڈ، ماڈ فیملیز میں شمار کی جاتی ہے اور اس میں آپ کا پروفیشن بھی آتا ہے جہاں میل، فی میل کی ایک ہی کمیٹمنٹ ہے۔ یہ مہران

علوی کی اعلیٰ پرورش کا ہی ثبوت ہے کہ نہ انہوں نے ڈائریکٹ آپ سے رابطہ کیا، نہ ہسپتال گئے، اگر چاہتے تو کوئی مشکل نہ تھی، پہلے مسز برہان علوی آنٹی اور دادو سے پرمشن لے کر گئی ہیں، اس کے بعد مہران نے مجھ سے رابطہ کیا کہ میں تم سے درخواست کروں"۔ ان کی باتوں نے اس کے اندر اضطرابی ہلچل پھیلا دی تھی۔

"بھابی! پلیز ابھی کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا، پپا کانفرنس اٹینڈ کرنے گئے ہوئے ہیں ہسپتال کی، میجر رسپونسبلٹی میری اور بھائی کی ہے اور ان دنوں O.T میں بہت ٹائم دینا پڑ رہا ہے، سیزر آپریٹ کرنے کے بعد تو مُردوں جیسی حالت ہو جاتی ہے، آج بھی ایمرجنسی میں دو سیزر آپریٹ کیے ہیں، اب دل چاہ رہا ہے لمبی تان کے سو جاؤں"۔

"اچھا...... میں مہران کو سمجھانے کی کوشش کروں گی، تم سو جاؤ"۔ وہ ٹرالی لے کر چلی گئیں، وہ بے جان انداز میں لیٹی تھی۔

☆......☆......☆

بے خبر لوٹ کر سوئے ہیں وہ نیندیں میری
جذبہ دل پر ترس کھانے کو دل چاہتا ہے
کب سے خاموش ہوا ہے جانِ جہاں کچھ تو بولو
کیا ابھی اور ستم ڈھانے کو جی چاہتا ہے

"کب تک ناراضگی کے خنجر سے گھائل کرتی رہو گی یار! بھول جاؤ گزری باتوں کو، میں تم سے معافی مانگ چکا ہوں، مگر تم ہو کہ معاف کرکے ہی نہیں دے رہی ہو پلیز، ایم سوری اگین"۔ بریرہ اس کے آگے گھٹنے کے بل بیٹھ کر معافی مانگتا ہوا گویا ہوا۔

"معافی؟ ہونہہ، تم اپنی گردن بھی کٹوا لو تو معاف نہ کروں، تمہاری اس شرارت نے میرا کتنا بڑا، بلکہ ناقابلِ تلافی نقصان کیا ہے، وہ کبھی پورا نہیں ہوگا، ایک کم ظرف و چھچھورے شخص کے سامنے جو ہتک ہوئی ہے، وہ انسلٹ میں کبھی بھلا نہ پاؤں گی"۔ اس کی آنکھوں میں وہ منظر از سرِ نو تازہ ہو گیا جب وہ بوتیک کی اونر سے پریشانی بیان کر رہی تھی اور وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اسے ان پر اعتماد نہ تھا کہ وہ گھر سے رقم لاکر دے رہی ہیں۔ نہ وہ اس کی ڈائمنڈز کی جیولری رکھنے کو تیار تھی، قبل اس کے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک سنا کر واپس پلٹتی، اس لمحے بھاری قدموں کی تیز گونج سے وہ تیز تیز چلتا ہوا اس طرف آیا تھا، مخصوص مہک اور خوب صورت گمبھیر لہجہ اسے پسینہ پسینہ کر گیا تھا۔ وہ مارے شرمندگی و خجالت کے سینے سے لگا سر نہ اٹھا سکی تھی، اس نے کاؤنٹر پر چار چھ پے کرتے وقت نہ معلوم کیا کہا تھا کہ وہ سخت مزاج اونر یک دم ہی مصری کی ڈلی بن گئی، اس نے حورین سے معذرت کرنی چاہی تھی مگر وہ ذہنی طور پر وہاں سے غائب تھی۔

ذوالنون کا اس طرح سے جانا اسے دہری شرمندگی میں مبتلا کر گیا تھا، وہ دل میں سوچ چکی تھی اس کا شکریہ ادا کرنے کا، مگر اس کی رعونت بھری بے نیازی اس کے شاہانہ مزاج کو بھڑکا گئی اور پھر غصے و ضد میں وہ ہر ایسا کام کرتی چلی گئی جو خود اس کی سرشت و تربیت کے خلاف تھا۔ "حورین! تم رو رہی ہو! اوہ...... میں برا ہوں بہت برا...... پلیز مجھے معاف کر دینا، اس دن بھی میں تم سے مذاق کر رہا تھا، میں

نے رقم پرس سے اس لیے نکالی تھی کہ تم پرس چیک کیے بنا جاؤ گی نہیں اور اتنی دیر میں، میں تیار ہو کر آجاؤں گا اور میں پانچ منٹ میں چینج کر کے آگیا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا تم اتنی ایموشنل ہو جاؤ گی کہ چیکنگ کے بجائے پرس اُٹھا کر چل دو گی، میں فوراً ہی کار نکال کر تمہارے پیچھے گیا مگر کسی بھی مارکیٹ کی پارکنگ میں کار نہ دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ کسی نئی مارکیٹ گئی ہو، سیل فون پر رابطہ بھی نہ ہو رہا تھا"۔ ہر وقت موج مستی، ہلا گلہ و شرارتوں میں مگن رہنے والے ہریرہ کے چہرے پر افسوس و دکھ بہت اجنبی اجنبی لگ رہا تھا۔ حورین کے بے تحاشہ رونے نے اسے پریشان کر ڈالا تھا، اس سے قبل اس نے اسے اس طرح روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا، ہر وقت مذاق اچھا نہیں ہوتا ہے لیکن تمہیں کبھی سمجھ آئی ہے نہ آئے گی، کوئی مرتا ہے مرے، کسی کی عزت جاتی ہے جائے، کسی کی انسلٹ ہوتی ہے ہوتی رہے، تمہیں کسی کی ہتک سے کیا سروکار؟ تم وہی کرو گے جو تمہارا دل چاہے گا''۔ وہ روتی ہوئی کھڑی ہوگئی تھی۔

''پلیز حور! میں بے حد پشیمان ہوں، تم رونا بند کرو پلیز''۔

''نہیں، میں روؤں گی، تم مجھے منع نہیں کر سکتے''۔ وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور کمرہ لاکڈ کر لیا، ہریرہ خاصی دیر تک دروازہ ناک کرتا رہا تھا اور تھک کر بائیک لے کر چلا گیا۔

وہ بیڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرنے لگی، دراصل آج کل زویا، موحل، ثمرین، ردا سے تعلقات اس حد تک کشیدہ ہو گئے تھے کہ ان کے درمیان بات چیت بھی برائے نام ہی رہ گئی تھی، وہ دانستہ ذوالنون سے ملنے لگی تھیں جو آج کل بڑا خوش مزاج اور ان کو لفٹ دینے والا بنا ہوا تھا۔ سر آفتاب کے ہاں ہفتے میں ایک بار ان سب کی ملاقات ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی بارہا اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے شاید باہر بھی ملنے لگی تھیں اور وہ اتنی ہی اس سے دور ہونے لگی تھیں۔ اس نے ہمیشہ محبت و چاہت پائی تھی، وہ پہلی بار مما، پاپا سے دور ہو کر بھی ان کی سنگت میں بہل گئی تھی۔ اب ان کی بدلتی دوستی کی بے رُخی نے اسے تنہا کر دیا تھا۔ اس تنہائی و غم نے ایسی بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا کہ بلا سوچے سمجھے ہریرہ سے منہ پھلا کر ان سب کی زیادتیوں کا بدلہ لے رہی تھی۔

باہر راہداری میں کسی کے سلیپرز کی آوازیں آرہی تھیں، وہ تیزی سے بیڈ پر دراز ہو کر کمبل اوڑھ چکی تھی، دروازہ کھلا، کوئی اندر آیا تھا۔

''حورین! فٹافٹ تیار ہو جاؤ، بی بی جان نے کہلوایا ہے وصی بھائی کے سسرال والوں نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے''۔ آنے والی بیلا تھی۔

''میں نہیں جاؤں گی، مجھے نیند آرہی ہے''۔ اس نے کمبل سے منہ نہ نکالا۔

''ارے آکر سو جانا، چلو مزہ آئے گا، سب جا رہے ہیں''۔ وہ قریب آئی۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے، میں نے گولی کھائی ہے، سوؤں گی تو ٹھیک ہو جائے گا، پلیز دوبارہ ڈسٹرب مت کرنا''۔ وہ بھیگا چہرہ دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا مگر بی بی جان کہاں مانیں گی''۔ بیلا لا اُبالی طبیعت کی مالک تھی۔

"میں کل ان کو خود منالوں گی"۔اس نے جان چھڑائی۔

"او کے، اپنا خیال رکھنا بی بی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہارا سر دبا دیتی مگر بی بی جان کو تو جانتی ہو اگر ذرا بھی دیر ہوئی تو......"

"تم جاؤ، مجھے آرام آ جائے گا"۔بیلا گردن ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

☆......☆......☆

کرن نے کراچی جانے کی ہامی بھری تو انس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔اس نے اسی دن سے انتظامات شروع کر دیے تھے، سعد اور فاریہ بھی انہیں اس شہر سے متعلق پرانی خوشگوار باتیں یاد دلا دلا کر اس اچانک نمودار ہونے والے جذبے کو مضبوط بنانے کی سعی کر رہے تھے۔"مجھے سمجھ نہیں آتا بعض اوقات کہ کراچی سیٹل ہونے کا فیصلہ درست بھی ہے یا غلط؟" وہ لاؤنج میں بیٹھے ہی پلاننگ کر رہے تھے، جب معاً کرن نے اُلجھن زدہ لہجے میں کہا۔

"کرن! فیصلہ ایک بار ہوتا ہے بار بار نہیں، پھر یہ فیصلہ تم کو ایک نہ ایک دن کرنا ہی تھا اور یہ بالکل درست فیصلہ ہے۔کوئی سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ہم بہت جلد یہاں سے شفٹ ہو جائیں گے"۔انس نے انہیں تذبذب میں دیکھ کر اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"میں......کس طرح وہاں ایڈجسٹ ہو سکوں گی؟ میرا ماضی کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑتا، مستقبل کے روزنوں سے نکال کر وسوسوں و خدشوں کے سانپ، بچھو ہمہ وقت ڈستے رہتے ہیں"۔ان کے لہجے میں گزرے دنوں کی کسک تھی۔سعد نے آگے بڑھ کر ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"وسوسوں و خدشوں کے ان سانپوں و بچھوؤں کو آپ کو خود اپنے یقین، اعتماد کے قدموں سے کچلنا ہوگا، مارنا ہوگا، اپنی خوشی کے لیے اپنے سکون کی خاطر بہادر بننا ہوگا کرن"۔

"پھر ایسی کوئی پریشان ہونے والی بات بھی نہیں ہے، وہاں سب اپنے ہیں اور اتنی جرأت رکھتے ہیں کہ بُری نظر سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال کر پھینک سکیں"۔فاریہ نے بھی ہمت بندھائی۔

"آپ نے وہاں انفارم تو نہیں کر دیا؟" کرن مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"ارے نہیں......تمہاری طرح مجھے بھی سرپرائز دینے میں مزہ آتا ہے"۔

"اتنا عرصہ ساتھ اور ایک گھر میں گزارنے کا آپ لوگوں کا ہی مزاج تو ہے جس نے کبھی آپ دونوں کے درمیان معمولی سی بھی تکرار نہ ہونے دی اور ہم دونوں بھائی بھی ایک گھر، ایک چھت تلے آرام سے رہ رہے ہیں، ورنہ گھر کے بٹوارے سے قبل ہی دلوں کے بٹوارے ہوتے ہیں پھر گھر کے، گھر تو مل جاتے ہیں، دل کبھی نہیں مل پاتے"۔سعد کے لہجے میں آنچ دیتا ہوا دکھ و مسرت کا امتزاج تھا۔

"وہ دن کبھی نہ آئے سعد بھائی، جب ایسا ہو"۔

☆......☆......☆

رات بارش ہوئی تھی، پیڑ پودے سب دھل کر نکھر گئے تھے، ہواؤں میں نمی موجود تھی، اس بارش سے سردی میں خاصا اضافہ ہوا تھا۔

برہان لغاری کاروباری وزٹ پر کوئٹہ آئے تھے، ان کے اور فائقہ کے درمیان کچھ دنوں سے تعلقات کشیدہ چل رہے تھے، وجہ تنازعہ ان کی لیڈی آپریٹر تھی۔ اسمارٹ وتیکھے نقوش والی مارتھا جوزف، جو کرسچن تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ اپنی خوب صورت ڈریسنگ اور نازنخروں سے انہیں اپنی جانب راغب کر چکی تھی۔ برہان صاحب تو ویسے بھی ایسے چہروں واداؤں کے شیدائی تھے، انہوں نے پہلی بار میں ہی اس کو اوکے کر دیا تھا اور قبل اس کے کہ بات آگے بڑھتی فائقہ بیگم تک اسی دن یہ خبر پیون نے پہنچا دی جو در حقیقت ان کے لیے جاسوسی کرتا تھا، انہوں نے گھر بیٹھے بیٹھے ہی مارتھا جوزف کو جاب سے نکلوا دیا تھا مگر برہان لغاری سے ناراضگی ان کی چل نکلی تھی، اس وزٹ پر وہ ان کو اس لیے ساتھ لائے تھے کہ ان کی خفگی دور کر سکیں۔

''میں آپ کے ساتھ آ گئی ہوں تو یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کو معاف کر چکی ہوں، کم از کم میرا نہیں تو کونین اور ذوالنون کا تو خیال رکھنا چاہیے تھا آپ کو؟ کتنی عزت کرتے ہیں آپ کی، اپنی عمر کا نہیں تو ان بچوں کا خیال ہی کر لیا ہوتا''۔ فائقہ ترش روی سے کہہ رہی تھیں۔

''ایسا کچھ نہیں تھا فائقہ، تمہیں فضول انفارمیشن دی تھی کسی نے، کیا مجھے اپنی ساکھ و پرسنالٹی کا خیال نہ ہوگا؟ اور پھر ایک لیڈی آپریٹر سے افیئر چلاؤں گا؟ اتنا غیر دانش مند سمجھا ہوا ہے مجھے؟'' وہ ایسے انداز میں کہہ رہے تھے جس میں دکھ وافسوس کا عنصر تھا۔

''مجھ سے جھوٹ مت بولیں برہان!'' انہوں نے شانے سے ہاتھ ہٹایا۔

''تمہاری قسم''۔

''ہا......! میری قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو''۔

''اوکے اب ناراضی دور کرو، ایک عرصے بعد اس طرح مل کر بیٹھنے کا موقع ملا ہے، کیوں ویسٹ کرتی ہو اس ٹائم کو''۔ ان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ خمار آلود لہجے میں گویا ہوئے۔

''پرامس کریں، پھر کبھی مجھے چیٹ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے؟'' فائقہ مزید اپنی خفگی قائم نہ رکھ سکی تھی، وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔ ''نہیں کبھی نہیں......'' انہوں نے انکار میں گردن ہلائی۔

☆......☆......☆

وہ دونوں ہوٹل سے ڈنر کر کے لوٹ رہے تھے، جب کار ڈرائیو کرتے ذوالنون کی نگاہ سائیڈ میں پڑے کسی وجود کی طرف اٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' برابر میں بیٹھے حیدر نے اسے کار روکتے دیکھ کر پوچھا۔

''سامنے کوئی گرا ہوا ہے، شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے''۔ ذوالنون تیزی سے باہر نکلا تھا۔ پیچھے اس کے حیدر بھی چلا آیا تھا، وہ بھاگتے ہوئے اس طرف گئے تھے جہاں سڑک سے دور زمین پر کوئی نوجوان بے حس وحرکت پڑا تھا۔ ذوالنون نے تیزی سے بیٹھ کر اسے سیدھا کرتے ہوئے نبض چیک کی جو بہت دھیمی چل رہی تھی، وہ شخص بے ہوش تھا۔

''زندہ ہے؟'' حیدر تشویش بھرے انداز میں جھک کر پوچھنے لگا۔

''ہاں، مگر کنڈیشن از ویری سیریس''۔

''شاید کسی ٹرک سے حادثہ ہوا ہے، وہ ہی لوگ ایسا کرتے ہیں، مار کر پلٹ کر دیکھتے بھی نہیں ہیں''۔ حیدر نے سڑک سے گزرتے ٹرکوں کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا، اس وقت سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھی، سردی اور گہری دھند نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

''محسوس تو ایسا ہی ہو رہا ہے، ابھی اسے فوراً ہسپتال لے کر چلنا پڑے گا، سر سے اب بھی خون نکل رہا ہے، بلیڈنگ پہلے ہی کافی ہو چکی ہے''۔

وہ دونوں اُسے اُٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا چکے تھے۔ کار کا رُخ صمد انکل کے ہسپتال کی طرف تھا جہاں اس نوجوان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا، وہاں کا تمام اسٹاف اسے جانتا تھا، کسی بھی پریشانی سے گزرے بغیر وہ لوگ اس نوجوان کو ٹریٹمنٹ دے رہے تھے، اس کی حالت کافی مخدوش تھی۔ وہ دونوں وہیں موجود تھے جہاں روم کے اندر ڈاکٹرز اور دوسرا اسٹاف موجود تھا، اس وقت دوسرے ڈاکٹرز تھے۔ ہیڈ نرس نے بتایا تھا کہ کچھ دیر قبل ہی ڈاکٹر حمزہ اور ڈاکٹر خضری گھر گئے ہیں۔

''سر! آپ کہیں تو ڈاکٹرز کو کال کر کے بلاؤں؟'' وہ مودب انداز میں بولی۔

''نو تھینکس، مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں خود کال کر لوں گا''۔ وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوا تو نرس چلی گئی، حیدر بے ساختہ مسکرایا۔

''تم کس خوشی میں ٹوتھ پیسٹ کا ایڈ بنے ہوئے ہو؟''

''کیا ہے یار! اگر تم اس غریب سے خوش اخلاقی سے پیش آ جاتے''۔

''یہ سخاوت تمہارے لیے چھوڑ دی ہے میں نے''۔ اس نے شانے اُچکا کر کہا۔

''کوئی، تمہارے بارے میں بالکل درست رائے رکھتا ہے''۔ وہ کوئی پر زور دیتا ہوا گویا ہوا تو ذوالنون تیوری چڑھا کر بولا۔

''یہ کوئی سے کیا مراد ہے تمہاری؟''

''کوئی نہیں بھائی!'' اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا، اسی اثناء میں ڈاکٹر اندر سے باہر نکلتا دکھائی دیا تو وہ دونوں اس کی جانب بڑھ گئے۔

''پیشنٹ ابھی بے ہوش ہے۔ بلیڈنگ بہت زیادہ ہو جانے کے باعث کنڈیشن ویکنیس کا شکار ہے، چوٹیں بھی زیادہ آئی ہیں''۔ ڈاکٹر اس کی جیب سے نکلنے والا سامان ان کے حوالے کرتا ہوا بتانے لگا تھا۔

''کوئی سیریس میٹر تو نہیں ہے ڈاکٹر صاحب؟'' حیدر پوچھنے لگا۔

''جب تک انہیں ہوش نہیں آ جاتا، کچھ نہیں کہہ سکتے''۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا، دس بج چکے تھے، حیدر نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اب اس لڑکے کے گھر والوں کو انفارم کر دینا چاہیے، کیونکہ اس لڑکے کی جیبوں سے نکلے سامان میں والٹ اور موبائل فون بھی تھا، ذوالنون نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سیل سے نمبر

چیک کیا، اسکرین پر نمبر کے ساتھ جو نام آیا اس نے اسے چونکا ڈالا تھا۔

"والٹ میں دیکھنا، شاید آئیڈنٹی کارڈ موجود ہو؟" اس کی فراخ چمکتی ہوئی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں، حیدر کو والٹ میں آئیڈنٹی کارڈ مل گیا تھا، اس نے نکال کر دیکھا تو چونک کر بولا۔

"ہریرہ سعد، یہ تو کچھ جانا پہچانا چہرہ لگ رہا ہے"۔ وہ کارڈ پر آویزاں فوٹو دیکھ کر نام پڑھتا ہوا گویا ہوا۔

"ہوں یہ کزن ہے اس کا، یونیورسٹی میں ملے تھے نا"۔ یک دم اس کے مزاج میں سنجیدگی در آئی تھی، دانستہ حورین کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

"اس کا......؟ حیدر نے اُلجھن بھرے لہجے میں کہا اور پھر اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ "اس کا" کا مفہوم سمجھ گیا۔

"اچھا اچھا یہ حورین کا کزن ہے۔ ہاں مجھے یاد آیا، اس دن یونیورسٹی میں گڑبڑ ہوئی تھی، یہ ہی حورین کو پک اَپ کرنے آیا تھا"۔ حیدر کو وہ سب یاد آ چکا تھا۔

"کیا کرنا چاہیے اب؟"

"کنٹیکٹ کرو......" اس نے سیل فون اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کس سے؟ یہ پہلا نمبر حورین کا ہے مگر ایسی نیوز سے خواتین کا ڈپارٹمنٹ جلد ہی ایموشنل ہو جاتا ہے"۔ وہ سوچتے ہوئے گویا ہوا۔

"زویا، سونل بھی تو ساتھ ہی رہتی ہیں، ایسا کرو گھر کے نمبر پر کال کرو"۔

گھر پر کال کی تو فون کسی ملازمہ نے اُٹھایا اور بتایا کہ گھر پر حورین کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

"اب کیا کریں؟ سب گھر والے کسی دعوت میں گئے ہوئے ہیں اور نہ معلوم کب واپسی ہو، ہم انتا رسک بھی نہیں لے سکتے"۔

"اس کو ہی انفارم کر دو، طریقے سے"۔

"میں ایسا کرتا ہوں، خود چلا جاتا ہوں"۔ حیدر نے تجویز پیش کی۔

"تم ایڈریس سے واقف ہو؟"

"ہاں، پچھلی دفعہ سر آفتاب کے ہاں سے میں ہی ڈراپ کر کے آیا تھا انہیں"۔

☆......☆......☆

حیدر کو اچانک دیکھ کر اس کی حیرانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ہریرہ کے ایکسیڈنٹ کا سن کر وہ بالکل حواس باختہ ہو گئی۔

"ایزی، ایزی کوئی سیریس بات نہیں ہے، معمولی سا انجرڈ ہے وہ"۔ اپنی توقع سے بھی بڑھ کر اسے بدحواس دیکھ کر حیدر کو اسے سمجھانے میں دیر لگی۔

''یہ سب میری وجہ سے ہوا، میں نے جھگڑا کیا اس سے، وہ مجھے منا رہا تھا، میں نہیں مانی، یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے''۔ سارا راستہ وہ روتی بڑبڑاتی ہوئی آئی تھی۔ حیدر کے ساتھ وہ مضطربانہ انداز میں چلتی ہوئی روم تک آئی تھی، وہ سفید پٹیوں میں جکڑا بے سدھ پڑا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

آنسو بہت خاموشی وروانی سے بہہ رہے تھے، وہ یک ٹک آنسو برساتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، اسے اردگرد کا ہوش نہیں تھا، وہ یہ بھی نہ محسوس کر رہی تھی کہ کسی کی نگاہیں بہت گہرائی سے اس کے چہرے کا اس کی ایک ایک حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہی ہیں۔

وہ ہریرہ کو دیکھتے ہوئے روئے جا رہی تھی جس کی پیشانی پر ڈریسنگ تھی، کمبل کے نیچے جسم میں نہ معلوم کہاں کہاں پٹیاں ہوں گی۔

دائیں بازو میں ڈرپ لگی ہوئی تھی، وہ بے حس وحرکت لیٹا ہوا تھا، اس کا دل کانپنے لگا، ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ اس طرح خاموش ہوا ہو۔ ہر دم ہنسنا، شرارتیں کرنا، موج ومستی میں وقت گزارنے والے ہریرہ کو یوں دیکھ کر اس کے اندر وحشتیں بڑھنے لگی تھی، وہ ایک دم ہی متوحش ہو کر اسے پکارنے لگی۔ ''مس حورین! ٹیک اِٹ ایزی پلیز!'' حیدر نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا جبکہ ذوالنون ایک طرف خاموش کھڑا رہا تھا۔

''میرا دل گھبرا رہا ہے، یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا؟ خاموش تو اس کو رہنا نہیں آتا۔ او گاڈ! یہ سب میری وجہ سے ہوا، اس کی حالت میں ذمے دار ہوں''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

حیدر بیٹھا اسے تسلیاں دے رہا تھا، سمجھا رہا تھا کہ وہ اب خطرے سے نکل آیا ہے۔ پریشان کن کوئی بات نہیں ہے، وہ دواؤں کے زیرِ اثر سو رہا ہے۔ یہ سب اسے ذوالنون نے بتایا کہ جب وہ حورین کو لینے گیا تھا، اس کے پیچھے سے ہریرہ کو ہوش آ گیا تھا، شدید تکلیف کے باعث اس نے زیادہ بات نہ کی تھی، ڈاکٹر نے اسے یہاں کچھ دن کے لیے ایڈمٹ کر لیا تھا۔

''آپ کسی سے رابطہ کریں، اب تک وہ ڈنر سے فارغ ہو گئے ہوں گے''۔ حیدر کو حورین نے بتایا تھا کہ سب لوگ اس کے کزن کے سسرال ڈنر پر گئے ہیں تو اس نے ایسے خوشی کے موقع پر اطلاع دینا اچھا نہ سمجھا، اب جبکہ انہیں یہاں آئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ حیدر نے کہا۔

''وصی بھائی کراچی سے باہر گئے ہوئے ہیں، سرمد کو یا سفیان کو کال کرتی ہوں''۔ اس نے ہریرہ کے سیل فون سے نمبر پش کرتے ہوئے کہا۔ اس کا خوف وسراسیمگی ڈاکٹرز کی تسلی آمیز باتوں سے کم ہوئی تھی، اب آنسو تو تھم گئے تھے مگر پلکوں پر نمی موتیوں کی طرح چمک رہی تھی۔ پہلے اسے ہر سُو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ ہریرہ کو اس حال میں دیکھ کر وہ بدحواس تھی، اتنی بوکھلائی ہوئی کہ وہاں موجود ذوالنون کی موجودگی محسوس نہ کر سکی۔ اس کی موجودگی سے تب آگاہ ہوئی تھی جب اسے مسلسل روتے دیکھ کر وہ ان دونوں ڈاکٹرز کو لے کر آیا جنہوں نے ہریرہ کو ٹریٹمنٹ دی تھی۔ انہوں نے ہی اُسے بتایا تھا کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔

اس کی موجودگی کے خیال سے ہی وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ حیدر اس کے قریب ہی بیٹھا رہا تھا۔ اسٹاف روم سے ان کے لیے کافی

بھی آئی تھی۔ وہ اپنی سابقہ سرد مہری و بے نیازی برقرار رکھتے ہوئے خاموش بیٹھا رہا تھا۔

''یہ اعجاز ہے حسن آوارگی کا جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے''۔ حیدر نے ذوالنون کی طرف کافی کا مگ بڑھاتے ہوئے آہستگی سے گنگنایا تھا۔ جواباً وہ اسے گھور کر رہ گیا تھا، وہ کافی ہیڈ نرس نے پہنچائی تھی۔

کال سرمد نے ریسیو کی تھی اور کچھ دیر بعد سفیان کے ساتھ موجود تھا۔ ان کے چہروں سے پریشانی و فکر مندی ہویدا تھی۔ ہریرہ کو دیکھنے کے بعد وہ حورین کے پاس چلے آئے تھے، جو ایک دم ہی بجھی بجھی نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں اس کے ارد گرد بیٹھ کر پیار سے تسلی دینے لگے تھے جس کے آنسوؤں میں پھر روانی آگئی تھی، وہ یہی کہے جارہی تھی کہ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔

''تھینکس گاڈ! کوئی فریکچر نہیں ہوا ہے۔ زخم گہرے ہیں مگر جلد بھر جائیں گے، ڈونٹ وری پریشان مت ہو''۔ سفیان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت بھرے لہجے میں کہا، وہ لوگ اس وقت سنجیدگی میں بڑے باوقار دکھائی دے رہے تھے۔ سرمد ذوالنون کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ جو ہمارے کزنز ہیں، ہریرہ اور حورین کی محبت بھی عجیب ہے یار، ہر وقت لڑتے رہتے ہیں کبھی ہم نے ان میں امن و صلح نہ دیکھی مگر اب اس کو ذرا سا زخمی دیکھ کر اس کی کیا حالت ہے''۔

وہ باہر کوریڈور میں ان سے مل چکے تھے اور عادت کے مطابق بے تکلف ہونے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی تھی۔ ذوالنون کوشش کے باوجود نہ مسکرا سکا۔

''اتنا تو انجرڈ ہے، تم کہہ رہے ہو ذرا سا''۔ وہ اُٹھ کر ہریرہ کے قریب چلی آئی اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ اس لمحے ذوالنون کی نگاہیں بے ساختہ اس کے چہرے پر اُٹھی تھیں، بلیک سوٹ پر ملٹی دھاگوں کی کڑھائی والے سوٹ میں اس کے بکھرے سجے حسن کی تمام رعنائیاں و زیبائیاں عروج پر تھیں۔ مسلسل گریہ زاری سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، ڈارک براؤن آنکھیں سوج کر کچھ زیادہ ہی دل کش لگ رہی تھیں۔ گولڈن براؤن بالوں نے اس کی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اُلجھے اُلجھے سلکی بالوں کی بے ترتیب کچھ لٹیں اس کے چہرے کے گرد بھی تھیں، جن کو وہ کانوں کے پیچھے کرتی مگر پھر وہ چہرے کو چومنے لگتی تھیں۔ اس کا لباس بھی سلوٹ زدہ تھا، اس بے ترتیب حلیے میں وہ ایک ایسا سحر سمیٹے ہوئے تھی کہ نہ معلوم اس کے اندر نیا و انوکھا احساس جاگا تھا۔ اس کے اندر زبردست سراسیمگی وحشت جنوں پھیلاتا چلا گیا، وہ اس سے نظر ہٹا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اب ہمیں اجازت دیں''۔ وہ سرمد سے مخاطب ہوا۔

''آپ لوگوں نے جو احسان کیا، وہ تو ہم کبھی نہ اُتار سکیں گے لیکن پھر بھی دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں''۔ سرمد نے بڑی گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''ورنہ آج کل لوگ مدد کرنے کے بجائے مرتا ہوا دیکھ کر گزر جاتے ہیں''۔ سفیان ان دونوں سے ہاتھ ملا کر مخاطب ہوا تھا۔

''او کے، پھر ملاقات ہوگی، یہ ذوالنون کے انکل کا ہسپتال ہے اگر کوئی بھی کام ہو تو تکلف مت کرنا، ویسے بھی ہم ہیڈ نرس سے

کہہ دیتے ہیں، وہ آپ لوگوں کا خیال رکھیں گی"۔ حیدر کن اکھیوں سے ذوالنون کے سرخ پڑتے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہیڈ نرس، کوئی ریلیشن شپ ہے ان سے؟" وہ دونوں خود اسی فیلڈ کے تھے، فوراً تاڑ گئے، وہ اسے زچ کر رہا ہے۔

"ہے تو نہیں، لیکن ہونے میں دیر کتنی لگتی ہے"۔ حیدر کہہ کر فارغ ہی ہوا تھا کہ وہی نرس سامنے سے تیز تیز چلتی ہوئی ادھر ہی آتی نظر آئی تو وہ حیدر کو آنے کا اشارہ کرتا باہر نکل گیا، پیچھے حیدر کے قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆......☆......☆

"کونین! شام کو ریڈی رہیے گا"۔ منال ناشتے سے فارغ ہو کر اُٹھتے ہوئے کونین سے بڑے چاہت بھرے انداز میں مخاطب ہوئیں۔

"کوئی کام ہے؟" وہ اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گیا۔

"جی۔ بہت بڑا کام...... بلکہ بہت خوب صورت کام"۔ ان کے ہونٹوں کی تراش میں معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اس سے آپ کا کیا مطلب مما؟" اس کا لہجہ عام سا تھا۔

"آئی مین مائی سن! مجھے بھی محسوس ہونے لگا ہے میری ڈاٹر ان لا کو اب ہمارے درمیان آ جانا چاہیے، اس کے لیے میں نے مسٹر شیرازی کی بیٹی کا انتخاب کیا ہے، اسی ہفتے امریکہ سے آئی ہے۔ بہت کیوٹ، بہت ویل آف ہے، آپ دیکھیں گے تو میری پسند کی داد دیں گے"۔

"میں نے اس دن آپ کو بتا دیا تھا کہ میں اب شادی کبھی نہیں کروں گا"۔ اس کے لہجے میں ادب کے ساتھ ہی قطعیت بھی تھی۔ منال نے اس کی طرف دیکھا تھا، اس کے جھکے چہرے پر ہلکی سرخی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی بیٹا؟ شادی سے اس طرح انکار کرتے تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا، البتہ کسی کو فوری تو کسی کو دیر سے راضی ہوتے ضرور دیکھا ہے، یہ بالکل ہی انکار کی وجہ بھی تو کچھ ہو؟"۔

کونین کے اور اپنے تعلقات میں جو ایک خاموش سرد مہری محسوس کر رہی تھیں، انہیں ڈر تھا وہ اب ظاہر نہ ہونے لگے، کیونکہ فائقہ تو واقف تھیں مگر برہان اور ذوالنون بے خبر تھے۔ برہان صاحب کی اپنی بے تحاشہ مصروفیات تھیں جن کی وجہ سے شاذ و نادر ہی انہیں موقع ملتا تھا ان کے درمیان بیٹھنے کا، اس لیے ان سے تو انہیں کم کم ہی خوف تھا مگر آج کل ذوالنون کی چھٹیاں تھیں اور وہ زیادہ وقت گھر میں ہی گزارنے کا عادی تھا اور وہ دیکھ رہی تھیں، ذوالنون بھائی کی جانب سے فکر مند ہے۔ وہ اس کی خاموشی و بدلی کیفیت جاننے کی جستجو میں ہے اور قبل اس کے کہ وہ اصل حقیقت تک پہنچ پائے وہ اس خوف کو مٹانے کا پلان بنا چکی تھیں۔

"میری زندگی میں کسی لڑکی کی گنجائش نہیں ہے"۔

"ریزن؟" اس بار ان کے لہجے میں سختی تھی۔

"ڈیٹ از ناٹ ریزن"۔

"میں کیسے مان لوں؟ کوئی تو وجہ ہو گی؟"

"آپ مجھے فورس مت کریں پلیز مما!"

آپ ریزن دو، میں فورس نہیں کروں گی"۔

"ریزن!......" اس نے جن زخمی نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا تھا وہ اگر ان ماؤں کی طرح ہوتیں جو حساس و گداز دل رکھتی ہیں تو لمحے بھر میں پگھل جاتیں، اپنے آپ پر شرمندہ ہوتیں کہ خود ہی اس کی زندگی میں آگ لگا کر خوش تھیں کہ خود پرستی و ہٹ دھرمی اس کی سرشت میں تھی۔

"ریزن......آپ جانتی ہیں مما!" اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا تھا۔

"میں......میں......کیا مطلب ہے آپ کا؟" یہ انہوں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ وہ کبھی اس طرح بھی ان کی چوری ظاہر کر سکتا ہے، وہ گڑبڑا گئی تھیں۔

"میں آپ کو فورس نہیں کروں گا مما! لیکن میری آپ سے ریکوئسٹ ہے، پھر کبھی مجھ سے آپ یہ خواہش ظاہر نہ کیجئے گا"۔

وہ فوراً اُٹھ کر چلا گیا تو منال ساکت رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

سردی اپنے عروج پر تھی۔

رات ہونے والی بارش نے ٹھنڈ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اب زرد دھوپ ہر سُو پھیلی ہوئی حرارت بخش رہی تھی۔ ہریرہ کی طبیعت کافی بہتر تھی مگر اس کی چھٹی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ زخموں میں تکلیف کے باعث زیادہ تر بیڈ پر ہی لیٹا رہتا تھا مگر زبان اس کی اسی رفتار سے چلتی تھی، بالخصوص حورین کی دگرگوں حالت و بے تحاشا آنسوؤں نے اسے حیران کر ڈالا تھا اور مزید خوش بھی۔

بی بی جان نے اس کے صدقات اُتارے اور کئی شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے کہ اللہ نے اس حادثے میں اس کو اپنی رحمت سے ڈھانپے رکھا تھا۔ چوٹیں جو آئی تھیں، زخم جو لگے تھے وہ ایک نہ ایک دن ٹھیک ہو جائیں گے، اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو اس کا مداوا ممکن نہ تھا، کیونکہ ٹرک کی زد میں آ کر بائیک پرزہ پرزہ بکھر گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ بیٹھی ہوئی یہی ذکر کر رہی تھیں۔ حمیرا گھر گئی تھیں، یہاں مومل، زویا اور حورین موجود تھیں، ہریرہ جاگا ہوا تھا۔

"میں تو اللہ کا جتنا شکر کروں، کم ہے کہ اس باری تعالیٰ نے میرا منہ اُجلا رکھا، میں تو یہ سوچ سوچ کر ہول رہی ہوں اگر بچہ ٹکر لگنے سے اُچھل کر دور نہ گرتا تو......میرے منہ میں خاک، تو کیا ہوتا؟"

وہ ہریرہ کے قریب کرسی پر بیٹھیں بڑے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔

"پھر یہ ہوتا کہ حورین کے ہاتھوں میں میرے بجائے کسی اور کے نام کی مہندی لگتی اور یہ کسی اور پیا کے سنگ ہنسی خوشی چلی جاتی"۔ وہ تھرماس سے چائے نکالتی حورین کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"لڑکے! اچھا اچھا بولو، دیکھو ایسی باتیں کرو گے تو میں تمہاری اس حالت کی پروا کیے بغیر مار لگا دوں گی"۔ بی بی جان نے غصے سے کہا تو ہریرہ نے فوراً کان پکڑ لیے تھے۔

"تم کیا جانو میری حالت؟ جب تک تم اپنے والدین سے دور ہو، میری ذمے داری ہے اور ذمے داری نبھانا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ میں تو کوئی اونچ نیچ ہونے سے ڈرتی ہوں اور یہی دعا کرتی ہوں جس طرح تینوں بچے میرے پاس ہنسی خوشی وہ تندرست آئے ہیں، اسی طرح واپس بھی جائیں"۔

"یہ آپ کی دعاؤں کا ہی ثمر ہے بی بی جان! جو میں آپ لوگوں کے درمیان ہوں...... ورنہ ایک لمحے کو تو مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا کہ میں اب کبھی بھی آپ لوگوں کے درمیان لوٹ کر نہ آسکوں گا"۔ وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"خیر میرے بچے! مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ اس کو فاریہ کی ماتا ٹھنڈی رکھنی تھی، میری اور بھائی، بھابیوں کی لاج رکھنی تھی۔ سو اس نے وہاں دو فرشتے بھیج دیے، انسانی روپ میں جو تمہیں یہاں لے آئے۔ اے مومل! تم کہہ رہی تھیں وہ لڑکے تمہاری یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں، جانتی ہو تم ان کو، ذرا فون کر کے بلاؤ تو سہی، میں شکریہ تو ادا کروں ان بچوں کا، جنہوں نے اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ مجھ پر ہی کیا ہم سب پر ہی، میں ان سے ملنے کو تڑپ رہی ہوں"۔ وہ حورین سے چائے کا کپ لیتی ہوئی مومل سے مخاطب ہوئیں، یہ فرمائش وہ بارہا کر چکی تھیں۔ اتفاق کی بات تھی، حیدر اور ذوالنون دونوں سے ہی رابطہ نہیں ہو رہا تھا، اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

"نہ معلوم کس طرح نمبر ملاتی ہو، چلو سیل حورین کو دو، وہ ملائے گی"۔ وہ مومل کو ڈانٹتی ہوئی بولیں۔

"ہاں، حورین کے ہاتھوں میں جادو ہے یہ جو چاہے وہ کر سکتی ہے"۔

ہریرہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر کہا جو مومل کے ہاتھ سے سیل فون لیتے ہوئے خاصی کنفیوز تھی۔

"اب میں تمہاری بیماری کا لحاظ کر رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں جو دل چاہے گا، بولتے جاؤ گے"۔ نہ معلوم کیوں اسے غصہ آ گیا۔

"بیٹی! صبر سے کام لو، علاج چل رہا ہے غریب کا"۔ بی بی جان کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ وہ تینوں ہنس پڑے تھے۔ حورین خاموش رہی۔

"کسی کا غصہ کسی پر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بی بی جان کو صاف صاف بتا دو کہ وہ شخص کبھی بھی تمہارے شکریہ کے قابل نہیں رہا ہے، خواہ وہ کبھی عزت بچائے یا جان، وہ ان چند خصوصی لفظوں کا مستحق نہیں ہے"۔ مومل اس کے بگڑے مزاج دیکھ کر گویا ہوئی تھی۔

"اتنا کچھ ہونے پر تمہیں اپنی خودساختہ انا و گریز چھوڑ دینی چاہیے اور سن لو ہم از خود نمبر رونگ ڈائل کر رہے ہیں، اب تمہیں خود ان سے بات کرنی ہوگی اور بلانا ہوگا"۔ زویا نے بری جھنڈی دکھائی تھی۔

"لو کیو! یہ کیا کھسر پھسر لگا رکھی ہے؟ میں نے فون ملانے کو کہا ہے"۔

"حورین ملا رہی ہے بی بی جان!" زویا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں باہر گیلری میں جا کر نمبر ٹرائی کرتی ہوں، شاید یہاں سگنلز نہ مل رہے ہوں"۔ ہریرہ اس وقت دواؤں کے زیرِ اثر سو گیا تھا۔ بی بی جان کے علاوہ ان دونوں کی نگاہیں بھی اس پر ہی مرکوز تھیں جن سے وہ پریشان ہو رہی تھی۔ گیلری میں آ کر اس نے حیدر کا نمبر پوز کیا۔ ابتدائی خیر خیریت کے بعد اپنا مدعا بیان کر دیا تھا اور یہ بھی کہ ساتھ ذوالنون کو لے آئے۔

"مس حورین! آپ شاید اس بندے کی نیچر جان گئی ہوں گی، اوّل تو اسے اپنی نیکی کی تشہیر پسند نہیں ہے۔ اس حوالے سے وہ کسی بھی پروٹوکول کو نہیں ایکسیپٹ کرے گا......"

"پلیز حیدر! آپ ٹرائی تو کریں انہیں ایگری کرنے کی، ہماری بی بی جان جو سوچ لیتی ہیں وہ کر کے چھوڑتی ہیں، جب تک وہ ان سے مل کر تھینکس نہیں کہہ دیں گے، انہیں بے سکونی رہے گی، کچھ اسی نوعیت کی حساس ہیں وہ"۔

"آپ سے پہلے موحل اور زویا بھی فون کر چکی ہیں اور آپ کی طرح ہی گفتگو انہوں نے بھی کی ہے مگر وہ منع کر چکا ہے"۔

"اوہو......ان سے کہہ دیں، ایک بار مل لیں بی بی جان سے اور بے فکر رہیں، نہ ان کو ریڈ کارپٹ پروٹوکول دیا جائے گا، نہ توپوں کی سلامی ہو گی اور نہ ہی ان کی نیکی ضائع ہو گی۔ بی بی جان کا مان رہ جائے گا"۔ اس کے جلے کٹے انداز پر حیدر کے بھرپور قہقہے کی آواز آئی تھی۔

"جواب نہیں ہے آپ کا، کیا فنٹاسٹک پوائنٹس مارے ہیں، آپ ایسا کریں خود اسے شرم دلائیں، بزرگوں سے دعائیں لینے میں کترا رہا ہے"۔

"میں......میں کس طرح؟" حیدر کی بات پر وہ ٹپٹا کر رہ گئی۔

"بات کیجئے، یہ میرے قریب ہی بیٹھا لاؤڈ آن ہونے باعث تمام گفتگو سن چکا ہے"۔ حیدر کی وضاحت نے اس پر گھڑوں پانی ڈال دیا تھا، وہ بالکل حواس باختہ ہو گئی، بھلا کس طرح اس سے بات کرے؟ پہلے دن سے ان کے درمیان بننے والی دیواریں اب بہت بلند ہو چکی تھیں، اگرچہ ان دیواروں میں مضبوطی نہ تھی، انا وضد وہ چھوڑ بیٹھتے تو محض ریت کی دیواریں ثابت ہوتیں مگر انا وضد تو پسر دلوہے سے بھی مضبوط ہوتی ہے۔

"ہے......لو"۔ اس کی آواز عجیب سی شرمندگی وشکست سے لرز رہی تھی۔ نظریں فرش سے چپک کر رہ گئی تھیں۔ زویا اور موحل کی نگاہیں وہ خود ہی محسوس کر رہی تھی اور سہم گئی تھی، یہ ان کا بچھایا ہوا جال ہے، پہلے اس سے غلط بیانی کی اور پھر وہاں شاید حیدر کو اس گیم میں شریک کیا ہے جو وہ ذوالنون کے ساتھ بیٹھا کال ریسیو کر رہا تھا، وہ بھی لاؤڈ آن کر کے......

"ہیلو" دوسری جانب سے ذوالنون کی گمبھیر آواز میں اعتماد تھا اور وہ گویا تصور کی آنکھوں سے اس کی دگرگوں حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر کسی نیکی کے موڈ میں تھا، فوراً ہی بولا۔

"ڈونٹ وری، ہم بہت جلد آئیں گے، ٹائم ملتے ہی"۔ دوسری جانب سے بہت دل نشیں انداز میں کہہ کر رابطہ ڈسکنیکٹ کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

''ڈونٹ وری؟ یہ تم نے کہا ہے حورین کو؟ اٹس ویری ویری امیزنگ''۔ حیدر نے حیرانی سے ذوالنون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں نے ایسی کون سی حیران کن بات کر دی ہے جو تم اس قدر پریشان ہو رہے ہو؟'' وہ کشنز کے سہارے نیم دراز ہوتا ہوا مسکرا کر استفسار کر بیٹھا۔

''حیران ہونے والی بات ہے بھائی تم اس لڑکی سے مخاطب تھے جس کی طرف دیکھنا بھی تمہیں گوارا نہیں ہے''۔ حیدر اس کے نرم و میٹھے انداز پر حیران تھا۔

''مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی؟ میں سختی سے بولوں تب تمہیں قرار نہیں، نرمی سے کہوں تو تم بے چین ہو جاتے ہو، چاہتے کیا ہو آخر تم؟''

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مگر میری جان! تم پچھلے چند دنوں سے کچھ کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہو''۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پُرتجسس انداز میں گویا ہوا تھا۔ بلو جینز، ملٹی شوخ رنگوں کی لائننگ شرٹ میں ملبوس اس کی وجیہہ پرسنالٹی نمایاں تھی، گرے خوب صورت آنکھوں میں روشنیوں کے سنگم میں ایک حزن بھی نمایاں تھا۔ وہ حزن اسے سب سے دور رکھتا تھا، وہ سب میں منفرد و پُروقار نظر آتا تھا۔

''یو مین، دم نکل آئی ہے؟ سینگ نکل آئے ہیں یا میں ایلین بن گیا ہوں جو تمہیں بدلا بدلا نظر آ رہا ہوں؟'' خلاف معمول وہ خوشگوار موڈ میں بات کر رہا تھا۔ حیدر اسے دیکھے گیا۔

''تمہیں محبت پر کتنا یقین ہے؟ آئی مین محبت دُنیا میں باقی ہے؟''

''محبت ہی دُنیا کے قائم و دائم رہنے کی وجہ ہے، سر آفتاب نے بتایا تھا کہ محبت صرف اسی کا نام نہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہو، محبت کے بہت سے رنگ ہیں، بہت سے روپ ہیں۔ ہر رنگ میں اس کی پاکیزگی ہے، ہر روپ میں تقدس ہے جہاں یہ مقدس جذبے نہیں، وہاں پھر محبت کے فریب میں حیوانیت ہوتی ہے''۔

''ہوں، خاصی الہامی سوچ ہے محبت کے بارے میں تمہاری..... کیا کسی سے ''محبت'' کرنے لگے ہو؟'' حیدر کا لہجہ ذومعنی تھا۔

''محبت کرنے نہیں لگا، محبت کرتا ہوں''۔

''اچھا بھئی! چھپے رستم نکلے، کون ہے وہ ذات شریف؟'' حیدر نے مارے تجسس کے اس کے چہرے سے چہرہ ملا دیا، اس نے دھکا دے کر دور کیا۔

''شٹ یار!'' وہ جھنجلایا، حیدر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''میں نے جتنی شدت سے محبت کی ہے، اتنی ہی شدت سے نفرت بھی کی ہے، بلکہ کرتا ہوں۔ ابھی بھی اور ہر گزرنے والا دن میری نفرت کو بڑھاتا ہوا ہی گزرتا ہے''۔ یکلخت اس کے لہجے میں خون خواری در آئی۔

''ارے ایسا کون ہے وہ جس کو تم جان سے بڑھ کر چاہتے ہو اور وہ کون بدبخت ہے جو تمہاری نفرتوں کا مستحق ہے؟''

"دُنیا میں، میں جس کو سب سے زیادہ چاہتا ہوں وہ میرے بابا ہیں"۔ باپ کے ذکر پر اس کے چہرے پر تازگی اُبھری تھی جو دوسرے پل ہی غائب ہو کر تندی و نفرت میں بدل گئی تھی۔

"اور دُنیا میں، میں جس سے سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں وہ...... وہ عورت ہے جس نے ہمیں بابا سے دور کر دیا اور بابا کو سب سے دور کر دیا۔ میں اس عورت کو کبھی معاف نہیں کروں گا"۔ اندرونی جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، حیدر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تم ہمیشہ اس عورت کے ذکر پر آگ بگولہ ہو جاتے ہو، میرے خیال میں تمہارا انداز فکر تمہیں کسی ایسے گمراہی کے راستے پر نہ لے جائے جہاں سے واپسی کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ بہتر ہوگا اگر ہم انکل کی واپسی تک اس بات کو سوچیں ہی نہ کہ کبھی کبھی حقیقت ہماری سوچوں سے یکسر الٹ ہوتی ہے۔ بس اب تو یہی دعا ہے، انکل جلد از جلد واپس لوٹ آئیں تا کہ تم بھی دل سے خوش ہونا سیکھ جاؤ"۔

☆......☆......☆

جہاز کراچی کے لیے ٹیک آف کر چکا تھا۔

کرن اپنی سیٹ پر نیم مُردہ سی بیٹھی تھی، ان کے برابر میں بیٹھے ہوئے انس نے ان کا سرد ہاتھ بڑی چاہت سے اپنے مضبوط ہاتھ میں دبا رکھا تھا۔ "ٹیک اِٹ ایزی کرن! پلیز یار، آنکھیں کھولو"۔ انس نے جھک کر سرگوشی کی تھی، کرن نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں مگر ان کے چہرے پر ایک سکوت و خاموشی ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ تمام رعنائی و شگفتگی خزاں زدہ پھول کی طرح مرجھا گئی تھی۔ ایک ماہ کی مسلسل ذہنی جدوجہد کے بعد وہ آج رختِ سفر کو نکلی تھیں۔ اس شہر کے لیے جہاں زندگی نے اپنے بہت سارے پہلوؤں سے اسے آگاہ کیا تھا جس کا ہر پہلو ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

"جوس منگواؤں؟" انس نے دریافت کیا تو انہوں نے انکار میں جواب دیا۔

"اب سنبھلو! اپنے بچوں کے پاس جا رہے ہیں ہم، اپنے شہر جا رہے ہیں"۔

"اور موت کے قریب بھی"۔ ان کی آواز کمزور تھی۔

"وہم ہے سب، ایک لمٹ ہوتی ہے یار ہر چیز کی، کب اس خوف سے باہر نکلو گی؟ اچھی باتیں سوچو، اچھے دن یاد کرو، کل کے خدشات میں کیوں آج کو بھی خراب کرتی ہو"۔ وہ نرمی سے سمجھانے لگے تھے۔

"یہ سوچو، جب ہم بالکل غیر متوقع طور پر سب کے سامنے جائیں گے تو وہ سب کیسے سرپرائزڈ رہ جائیں گے اور اسپیشلی حورین، اس کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ ہوگا۔ بریرہ، نشرح کس قدر ایکسائیٹڈ ہوں گے۔ فاریہ بھابی کو دیکھو، کتنی خوش و مسرور دکھائی دے رہی ہیں، حالانکہ وہ جانتی ہیں بریرہ کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں، پھر بھی کتنی بہادری کا ثبوت دے رہی ہیں"۔ وہ برابر میں بیٹھے سعد اور فاریہ کے متعلق کہنے لگے تھے۔

"ہریرہ اب تو بہتر ہے، جب بھائی نے سنا تھا تو وہ دن بہت ڈپریسڈ رہی تھیں، دن میں کئی بار اس سے بات کرتی رہی ہیں"۔

"میرے کہنے کا مقصد یہی ہے، پریشانیاں اور مشکلیں سب پر آتی ہیں جو وقتی طور پر پریشان بھی کرتی ہیں اور بے چین بھی، جب وہ وقت گزر جاتا ہے تو اس کی یاد میں پھر ساری زندگی خراب نہیں کی جاتی۔ میرا دل کہتا ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا، دشمنی کی آگ ایک بار سرد ہو جائے تو پھر نہیں بھڑک سکتی۔ اپنے شہر کی زمین پر ہر قدم تمہیں بہت اعتماد سے ہر خوف و وسوسے سے مبرا ہو کر رکھنا ہے، ہم نے جو کیا تھا وہ غلط نہ تھا، ڈرتے وہ ہیں جو کچھ غلط کرتے ہیں"۔

حیدر اور ذوالنون، بی بی جان سے ملنے آئے تو وہاں حورین نہیں تھی، سمیرا بیگم اور مومل موجود تھیں۔ بی بی جان ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں، شکریہ کے ساتھ بہت ساری دعاؤں سے بھی نوازا تھا انہیں، یہ مہذب و نیک اطوار نوجوان بہت پسند آئے تھے۔

ایسی شائستگی و وقار وہ اپنے بھائیوں کے بچوں میں دیکھنے کی خواہش مند تھیں مگر وہ مسخرے بنے رہتے تھے، البتہ اب وہ دمی میں کچھ سنجیدگی دیکھ رہی تھیں، کیونکہ وہ مصروف رہنے لگا تھا۔

"پلیز یار! مجھے یہاں سے ڈسچارج کروا دو، بیڈ ریسٹ کرتے کرتے میں خود کو بیڈ ہی سمجھنے لگا ہوں"۔ ہریرہ جوان سے خاصی باتیں کر چکا تھا، بے تکلف انداز میں بولا۔

"ہاں، تا کہ تم پھر مینڈک کی طرح پھدکتے پھرو، جب تک سارے زخم مندمل نہیں ہو جاتے، تب تک میں چھٹی لینے والی نہیں ہوں"۔

بی بی جان نے کہا، اسی اثناء میں سمیرا اور مومل سینٹر ٹیبل پر چائے کے ساتھ لوازمات رکھ چکی تھیں، ذوالنون نے اعتراض کیا تھا۔

"تکلف کیسا بیٹے! آپ لوگوں کے احسان کا کوئی بدل ہی نہیں ہے"۔

"حیدر کو گھر ڈراپ کر کے وہ آگے بڑھا تھا، جب ٹیکسی سینٹر کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔

پرپل کلر ویلویٹ کے سوٹ پر پرپل اور بلیک پھولوں کے پرنٹ والا بڑا سا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے، بلیک اسکارف سر پر خوب صورتی سے باندھے وہ بڑے طمطراق سے سڑک کی جانب ہی آ رہی تھی۔ بائیں بازو پر شولڈر پرس لٹک رہا تھا، دائیں ہاتھ میں شاپر پکڑا ہوا تھا، وہ دائیں بائیں دیکھے بنا سوچوں میں گم چلی آ رہی تھی۔ ذوالنون کی نگاہیں بے ساختہ اس کی جانب اٹھی رہ گئی تھیں، سردیوں کی اس گلابی شام میں دل کشی و حسن اسے اس کے چہرے پر چھایا محسوس ہونے لگا تھا، وہ حُسن پرست نہیں تھا مگر کچھ دنوں سے وہ محسوس کر رہا تھا اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی دل کے اندر عجیب سی آنچ سلگنے لگتی تھی، وہ اس سے دور بھاگنا چاہتا تھا مگر پھر از خود ہی نگاہیں اس کی متلاشی رہتی تھیں۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ شام اپنا آنچل سمیٹنے کو تھی، وہ ٹیکسی لینا ہی چاہتی تھی کہ اچانک بلوکار اس کے قریب رُکی تھی۔

حورین نے کار کو بالکل اپنے قریب رُکتے دیکھ کر گھبرا کر دیکھا، جو چہرہ اسے ڈرائیونگ ڈور سے جھانکتا ہوا نظر آیا، لمحے بھر کو وہ اسے دیکھ کر گنگ رہ گئی، بھلا اس شخص سے ایسی نوازش کی توقع کیوں کر ممکن تھی۔

''میموری گھر سیف کر کے آئی ہیں یا آئی سائیڈ ویک ہو گئی ہے؟'' وہ اسے ہونقوں کی طرح کھڑا دیکھ کر گویا ہوا۔

''نہیں...... میں''۔ وہ بُری طرح بوکھلا گئی۔

''اوہ شٹ...... کم آن! اب یہاں تماشا لگانے کا ارادہ ہے؟'' وہ اردگرد سے گزرتے لوگوں کی پُرتجسس نگاہوں سے اُکتا کر بولا۔

''نو تھینکس...... میں چلی جاؤں گی''۔

''میں بھی آپ کو ڈراپ ہی کروں گا، ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں ہے''۔

اس کے اکھڑ و اصرار بھرے انداز سے وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی کہ ایک احسان لینے کے لیے جو نتائج بھگتنا پڑے تھے، دوسرے احسان کی خود کو وہ متحمل نہ سمجھتی تھی۔ حقیقی طور پر اس کا دل اس کی طرف سے صاف نہ تھا۔ ایک وہ تھا کہ مسلسل اس کی جانب دیکھے جا رہا تھا، کچھ دیر قبل دکھائی دینے والی مروت کی رعنائیاں اس کے وجیہہ چہرے سے اوجھل ہونے لگی تھیں۔ ان خوب صورت آنکھوں میں جہاں کچھ دیر قبل ایک شوق وانبساط جگمگا رہا تھا وہاں اب ہلکی ہلکی برہمی کی سرخی چھانے لگی تھی۔

''میں چلی جاؤں گی''۔ اپنے اردگرد اکٹھا ہونے والے لوگوں اور رُکتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھ کر وہ حواس باختہ ہونے لگی۔

''اب تمہیں میرے ساتھ ہی چلنا ہوگا''۔ تماشا بنتے دیکھ کر وہ پوری طرح کھول اُٹھا اور اس کا تیور بھی بگڑ گیا تھا۔

''اینی پرابلم مس؟'' کار سے اُتر کر ایک نوجوان اس کی طرف بڑھا۔

''تھنکنگ''۔ اس لمحے وہ ڈرائیونگ ڈور کھول کر اُترا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپر لے لیا اور ایک نگاہ اس کے ہوائیاں اُڑتے چہرے پر ڈال کر اس سوٹڈ بوٹڈ نوجوان سے گویا ہوا۔

اس کے درشت لہجے اور ناخوشگوار انداز نے اس نوجوان کو اُلٹے قدموں واپس کر دیا تو حورین بھی خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شاپر زوالنون بیک سیٹ پر رکھ چکا تھا۔ بہت جارحانہ انداز میں اس نے کار اسٹارٹ کی۔

''کس اسٹوپڈ نے ایڈوائز دی تھی اس ٹائم آپ کو تنہا نکلنے کی''۔

چند لمحے قبل ہونے والے تماشے نے اس کی ساری خوشگواریت غارت کر دی تھی۔

''مجھے کسی ایڈوائزر کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنے فیصلے خود کرتی ہوں''۔ وہ حواسوں پر قابو پاتی پُراعتماد لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''وہ تو آپ کی حرکتوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے کہ کس قدر رائیٹ شینس اور ایبل ہیں آپ۔ اس کا انداز سنجیدگی سے پُر تھا۔

''یہ شہر ہے یہاں جو لڑکیاں بے خبری میں گھروں سے نکل جاتی ہیں تو...... گھر لوٹ کر جانے کے قابل نہیں رہتی ہیں''۔ اس کی آواز پست تھی۔

"نہ معلوم کیا سمجھ کر آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں، ورنہ میں نے ایسی کیا حرکت کر دی جو آپ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں"۔ میں تو ہریرہ کے لیے گفٹ لینے آئی تھی"۔ ذوالنون کا ناصحانہ انداز اسے ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"گھر سے کسی کو بھی لے کر آ سکتی تھی"۔ وہ اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

"کیوں؟ کیا ہوا اگر میں تنہا گھر سے شاپنگ کرنے آ گئی۔ روز لاکھوں لڑکیاں مختلف ضروریات کے تحت گھر سے نکلتی ہیں اور گھر پہنچتی ہیں پھر میں کیوں نہیں نکل سکتی؟" اس کی تکرار سے وہ بُری طرح مشتعل ہو گئی تھی۔

"بحث برائے بحث کی فضول عادت سے مجھے چڑ ہے"۔ وہ بڑبڑایا۔

حورین نے کچھ حیرت و تعجب سے دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کی گہری آنکھیں ونڈ اسکرین پر مرکوز تھیں۔ براؤن پینٹ کوٹ میں اس کی وجیہہ پرسنالٹی نمایاں تھی۔ کپڑوں سے پھوٹتی دل آویز مہک...... بھیگتی شام کے گہرے پڑتے سائے اس کا روڈ انداز، رش ڈرائیونگ، وہ بہت کچھ کہنے کی چاہ کے باوجود وہ چہرہ جھکا کر رہ گئی اور وہ بھی گویا حواس میں لوٹ آیا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا اسے اب محسوس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔

حورین کو لفٹ دینا وہ بھی خوب ناز نخروں سے پنجہ آزمائی کے بعد، بھلا ایسا کیونکر ہوا؟ کسی سحر زدہ انسان کی طرح بنا سوچے سمجھے۔

"او مائی گڈنیس!" وہ بے دھیانی میں خود کو ڈپٹتا ڈیش بورڈ میں مکا مار بیٹھا۔ غصے جھنجھلاہٹ اور کوفت سے بُری حالت تھی۔

"کیا ہوا......؟" اس کے جنونی انداز پر وہ بوکھلا اٹھی اور وہ سابقہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھے بنا بگڑے لہجے میں گویا ہوا۔

"تھنکس"۔ حالت ایسی تھی گویا ابھی نیند سے بیدار ہوا ہو۔

تمام راستہ خاموشی سے کٹا۔ ذوالنون نے پھر کوئی بات نہ کی۔ حورین بھی اس کی جانب سے رُخ موڑے کھڑکی کے ساتھ لگے شیشے سے باہر دیکھتی رہی۔ ایڈریس بتانے پر گیٹ کے سامنے کار صرف اس کے اُترنے تک رُکی اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی، شکریہ یا اندر آنے کی دعوت دیتی، وہ کار اس کے اُترتے ہی بھگا کر لے گیا اور وہ چند ثانیے تیزی سے دور ہوتی بلو کار کی سرخ لائٹس کو دور ہوتے دیکھتی رہی۔

وہ اُلجھا اور بکھرا ہوا شخص اسے بھی اُلجھا گیا تھا۔ عجیب سا احساس تھا اس نامہرباں کی مہربانیوں کا، گویا گلاب کی کلیوں میں کانٹے آویزاں تھے۔ خوشنمائی و خفگی کا گھائل انداز سمیٹے۔

☆......☆......☆

الیکشن کی گہما گہمی عروج پر تھی۔ برہان لغاری بھی بے پناہ مصروف تھے۔ جلسے جلوسوں و دیگر تقریبات میں پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا، سوچے سمجھے بغیر۔ اس بات کا یقین تھا کہ برسر اقتدار آ کر سب سود سمیت وصول کر لیا جائے گا۔

آج وہ گھر پر ہی تھے، شام کی چائے پر وہ فائقہ بیگم، منال اور کونین کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ منال بہت گہرائی سے باپ اور

پھر ماں کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی اور یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ کچھ عرصے سے جوان دونوں کے درمیان ایک کشیدگی چل رہی تھی، وہ ختم ہو گئی تھی۔

''میرا اب بھی مشورہ وہی ہے نانا جان! آپ اس راہ سے واپس لوٹ آئیں، زیادہ راستہ عبور نہیں کیا ابھی آپ نے''۔ کونین نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، وہ اس کے انداز پر مسکرا دیے۔

''راستے پر قدم رکھ دیے ہیں مائی سن! اب منزل پر ہی جا کر رکیں گے''۔

''منزل؟......'' جواباً وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

''افسوس کا مقام یہی ہے کہ منزل جو ہمارے ملک پاکستان کی صورت میں ہمیں مل چکی ہے، وہ پا کر ہم یکجا ہونے کے بجائے منتشر ہو رہے ہیں''۔

''ینگ مین! یہ لائف انجوائے کرنے کی ہے۔ یہ گورکھ دھندے آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے جو سمجھ میں نہ آئے وہ نہ سمجھنا بہتر ہے''۔ انہوں نے لائٹر سے سگار سلگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''کونین کی بات درست ہے، آپ خواہ مخواہ اس طرف چلے گئے ہیں''۔ فائقہ بیگم نے بھی اس کی تائید کی۔

''کرسی میں بڑی کشش ہوتی ہے ممی جی! ہم نے بہت سے خاندان اس کی چاہ میں تباہ ہوتے دیکھیں ہیں، کوئی نہ کوئی تو راز ہے اس کی چاہ میں''۔

''اوہ منال! آپ بھی اپنے فادر کی طرف داری کر رہی ہیں''۔ فائقہ بولی۔

☆......☆......☆

مہران علوی کا اصرار ہر گزرتے دن کے ساتھ شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خضریٰ...... سے فون پر بات کرنے کے لیے بضد تھا، گویا خضریٰ کے فون پر نہ آنے کی وجہ نے اس کے جذبۂ شوق کو مزید ہوا دی تھی اور بالآخر راحیلہ بیگم کو خضریٰ کو سمجھانا پڑا کہ وہ اس سے بات کرے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''میرا...... دل نہیں مانتا دادو''۔ وہ ان کی جانب دیکھتی ہوئی بے چارگی سے گویا ہوئی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''کبھی دل کی بات اَن سنی کر کے دوسرے کی بھی ماننی چاہیے''۔ دادو نے اس کا سر سینے سے لگاتے ہوئے رسانیت سے سمجھایا۔

''دادو! میں جانتی ہوں، نہ چاہنے کے باوجود میں اس سراب کی طرف بڑھتی چلی گئی جو لاحاصل تھا۔ میرے دل میں محبت کی کلی بنا کھلے ہی مرجھا گئی ہے اور میں جانتی ہوں...... میرے اندر بہار صرف ایک شخص کے لیے اُترتی ہے وہ نہیں تو...... کچھ بھی نہیں ہے۔ اب میں مہران علوی سے محبت تو کیا...... شاید ہمدردی کے چند لفظ بھی نہ کہہ پاؤں گی''۔

جب سے کونین یہاں سے لوٹا تھا اور اس نے اس کا ٹوٹا بکھرا، شکستہ روپ دیکھا تو وہ اس سے اپنے جذبات کچھ دن تک تو

چھپائے رہی مگر جب گھٹن حد سے تجاوز کر گئی اور پھر اچانک ہی مہران علوی اس کی جانب متوجہ ہونے لگا تو اس کشمکش میں وہ بُری طرح ہرٹ ہو رہی تھی کہ دادو (جو اس کی مزاج آشنا و ہمراز تھیں) نے بڑھ کر ہمیشہ کی طرح اسے سہارا و حوصلہ دیا۔

"ایسے مت سوچو، کچھ بھی نہیں ہوا تمہارے اور کونین کے درمیان، جس طرح خاموش محبت پیدا ہوئی تھی وہ اسی طرح قفل لگائے فنا ہو جائے گی۔ تمہاری محبت، تمہارے جذبے ابھی اَن چھوئے ہیں۔ مہران علوی کے ساتھ تم کوئی دھوکہ نہیں کرو گی، کوئی فریب نہیں دو گی، یہ سب خیالات دل سے نکال دو"۔

ان کے پورے دلائل کے ساتھ سمجھانے کے باوجود وہ خود کو مہران علوی سے بات کرنے پر مائل نہ کر سکی، اس کی کال اسے جبراً اٹینڈ کرنی پڑی۔

"ہیلو"۔ اس کے انداز میں خود بخود سنجیدگی در آئی۔

"جی۔ مہران علوی...... آپ ڈاکٹر خضریٰ؟"

دوسری جانب سے پُر اشتیاق لہجے میں ایک عالم شوق کا ہویدا تھا۔

"جی...... جی ہاں"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"اوہ تھینکس گاڈ! آپ کی آواز تو سنائی دی، آپ کو معلوم ہے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے انتظار کرتے ہوئے"۔ وہ ہنسا۔

"دراصل میں آپ سے کچھ ضروری بات، بلکہ باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

"جی"۔ وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

"یہ پورا مہینہ اگر میں کہوں، میں نے صرف آپ کو سوچتے ہوئے گزارا ہے۔ ملنے کی آرزو تو اسی دن سے ہو رہی تھی، جب سے آپ کی غیر موجودگی میں ہنزہ کی شادی کی فوٹوز میں آپ کو دیکھا تھا"۔

اس کی پُر وقار آواز میں ٹھہراؤ کے ساتھ جذبوں کی کھنک بھی تھی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"اس طرح کیسے بتا سکتا ہوں، میرا مطلب ہے، اب تو فیس ٹو فیس بات ہونی چاہیے"۔

دوسری جانب جذبوں کی جولانیاں عروج پر تھیں۔

"ابھی تو نہیں......"

"پھر کب؟"

"آپ کو ویٹ کرنا ہوگا"۔

"لیس، میں کر سکتا ہوں تا زیست...... مگر ایک شرط پر......"

"وہ کیا؟" خضریٰ بے ساختہ کہہ اُٹھی۔

"آواز کا یہ تعلق ٹوٹنے نہ پائے"۔ وہ آہوں کو دبا کر ہامی بھر بیٹھی۔

☆......☆......☆

بھیڑ میں زمانے کی

ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں

دست دراز لمحوں میں

سلوٹیں سی پڑتی ہیں

ایک ذرا سی رنجش میں

شک کی زرد ٹہنی پر

اس طرح سے کھلتے ہیں

فاصلے کی اینٹوں سے اینٹ جڑنے لگتی ہے......

جہاز سے اُترتے وقت ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ذہن بگولوں کی مانند چکرا رہا تھا۔ ماضی سرگوشیاں کر رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے بہت سارے چہرے تھے۔

اپنے چہرے، پرائے چہرے۔

شفیق چہرے، رقیب چہرے۔

ماضی کے جھولے جھولتی ہوئی وہ حال میں نیم خوابیدہ کیفیت میں کسی خمار زدہ کیفیت میں انس صاحب کا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں اُتر رہی تھی، پھر جیسے ہی زمین نے ان کے قدموں کو چھوا، ان کے قلب میں ایک عجیب سی پھوار پڑنے لگی تھی، میٹھی میٹھی، ٹھنڈی ٹھنڈی۔ ایک ایسی مانوس سی مہک جو ممتا کی آغوش سے آتی ہے۔ لازوال مہکار، انمول خوشبو! زمین بھی تو ماں ہوتی ہے۔

ماں تو نو ماہ اپنی کوکھ میں رکھتی ہے۔ زمین کی کوکھ صدیوں سے ہم آدم زادوں وزادیوں کے لیے وقف ہے۔ اس کا درجہ ممتا سے زیادہ بلند ہے۔

زمین کی مہک، ممتا کی خوشبو، دونوں ہی ہم آہنگ ہو کر اس سے لپٹی تھیں اور ان کے آشفتہ جذبات پگھل کر موتیوں کی صورت میں رخساروں سے بہنے لگے تھے۔

ایک طویل عرصے بعد انہوں نے اس شہر میں قدم رکھا تھا جو ان کا اپنا تھا، جہاں انہوں نے اپنوں کو غیر بنتے دیکھا تھا، غیروں کو اپنوں سے بڑھ کر پایا تھا۔ کچھ رشتے کھوئے تھے، کچھ پائے تھے اور ان لمحوں میں جو قریب تھے وہ پس منظر میں چلے گئے تھے، جو بچھڑ گئے

تھے وہ قلب و نگاہ میں سمٹ آئے تھے۔اُن اَنگنت چہروں میں ایک چہرہ بہت واضح تھا۔

ڈھلتی شام کی اُداسیاں لیے ہوئے وہ پُرنور چہرہ نوشابہ بیگم اوران کی ماں کا تھا جن سے بچھڑنے کا ملال انہیں تادم آخر ہوتا تھا۔

انس صاحب کے علاوہ ان پر گزرنے والی کیفیات سے سعد اور فاریہ بھی واقف تھیں۔سو وہ خاموشی سے ان کے ہمراہ چلتے رہے۔گھر پران کی اچانک آمد نے سب کو مسرت بھری حیرت میں ڈال دیا تھا۔بہت والہانہ طریقے سے ان کو ویلکم کہا گیا۔ان تینوں سے تو سب گھر والے ملتے رہے تھے کران سے روبرو ان کی پہلی ملاقات تھی۔بڑے تو بڑے بچوں نے بڑھ کر ان کی پذیرائی کی پھر جس شدت و محبت سے حورین ان سے لپٹی تھی، اسے آغوش میں بھر کر ان کے بے سکون و ابتر دل کو خاصا اطمینان ملا تھا۔

"آئی مس یو مما! ریئلی مس یو"۔وہ ان کے گال چومتے ہوئے گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی۔اس کے چہرے سے بے تحاشہ خوشی عیاں تھی۔

"اسی لیے میں آئی ہوں میری جان"۔وہ اس کو لپٹاتے ہوئے بولیں۔

"یہاں آ کر آپ مما کی بیٹی بن گئیں، اب میرا کیا ہوگا؟"سب گھر والوں کی بھرپور توجہ اور حورین کو دیکھ کر جو کرن میں بھرپور تبدیلی آئی تھی جو زندگی و بشاشت تھی اس نے انس کو بہت مسرور کر دیا تھا۔

"آپ کی بیٹی آپ کی رہے گی، یو ڈونٹ وری"۔وہ جھٹ اس کے شانے سے لپٹتے ہوئے لاڈلے انداز میں گویا ہوئی تو وہ دونوں مسکرا دیے۔

ان کے آجانے سے گویا خوشیاں اُمڈ آئی تھیں۔دونوں بہوؤں نے کچن سنبھال لیا تھا جہاں سے نت نئے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹنے لگی تھیں۔بی بی جان نے لڑکیوں کو ہدایات دی تھی کہ وہ انیکسی میں ملازماؤں سے اپنی نگرانی میں صفائی کروائیں، تاکہ وہاں کے روم ان لوگوں کو دیے جائیں۔ساتھ ساتھ وہ خود بھی گاہے بگاہے جائزہ لے رہی تھیں، سب سے اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ آج اچانک ہی ہریرہ کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔وہ خاصی حد تک صحت یاب ہو چکا تھا۔

سعد اور فاریہ کے ساتھ کرن اور انس کو بھی اسے نارمل حال میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ہریرہ اور شرح بھی کل سے گئے تھے۔

☆......☆......☆

قسمت کے کھلونوں سے بہل جاؤں گا ایک دن

منظر کی طرح میں بھی بدل جاؤں گا ایک دن

سورج کی طرح تجھ کو ابھرنا ہے جہاں میں

میں سایۂ دیوار ہوں ڈھل جاؤں گا ایک دن

کب تک یوں ہی بھٹکوں گا زمانے کے بھنور میں

اے عمرِ رواں تجھ میں رُل جاؤں گا ایک دن

چھوڑا ہے تیرا ساتھ تو یہ فیصلہ کر کے

خود ٹھوکریں کھا کھا کر سنبھل جاؤں گا ایک دن

"ہاؤ آر یو پارٹنر!" ذوالنون نے کونین کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ وہ سوچوں میں غرق تھا، سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آئی ایم فائن، آؤ بیٹھو"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا چکا تھا۔

"یونیورسٹی بند ہے؟" وہ پوری طرح سے بھائی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ ڈارک کوٹ سوٹ میں اس کی وجیہہ پرسنالٹی عیاں تھی۔ مسکراہٹ سے ہمیشہ محروم رہنے والے گلابی لبوں پر اب اکثر مسکراہٹ رہنے لگی تھی۔ سرخ و سپید رنگ والے وجیہہ چہرے سے وہ کرختگی و بے زاری بھری رعونت غائب ہو چکی تھی جو کسی کو بھی اس کے قریب نہ ہونے دیتی تھی۔ گرے آنکھوں میں البتہ ملال و تڑپ کی وہ سرخی ہنوز موجود تھی جو باپ سے جدائی کے وقت ایسی ٹھہری تھی کہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ وہ بڑھتی چلی گئی۔

"آپ یہاں تنہا بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟"

"اسٹڈی کر رہا تھا"۔ کونین ٹیبل کی جانب اشارہ کر کے بولا جہاں رکھے اخبارات میں پہلے صفحے پر سیاسی خبروں میں برہان لغاری کی تصویر بھی موجود تھی، جلسے میں تقریر کرتے ہوئے۔

"نانا جان کی یہ ہابی مجھے پسند نہیں آئی، اینی وے آپ فری ہیں؟"

"ہوں، کہیں چلنے موڈ ہے؟"

"یس، دادو کے پاس چلتے ہیں، بہت ٹائم ہو گیا ہے ان سے ملے ہوئے"۔

"وہاں......اچھا......" کونین کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

"بھائی! ایک بات بتائیں گے؟" اس کی حساس نگاہوں سے اس کی کیفیت چھپی نہ رہ سکی تھی، وہ سنجیدگی سے استفسار کرنے لگا۔

"آں......ہاں......ہاں، ہاں۔ کہو"۔ اسے اس لمحے کا ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کی نگاہوں میں چھپے اس درد سے آشنا نہ ہو جائے جو اس کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا اور ہر خوشی سے بڑھ کر عزیز ہو چکا تھا، وہ سمجھوتہ کر چکا تھا اپنے اس دکھ نارسائی سے مگر یہ سب اسے تنہا ہی گوارا تھا۔ ذوالنون کو وہ اس اذیت کی ہوا بھی نہیں لگانا چاہتا تھا۔ جانتا تھا وہ اس کی خاطر کسی کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ دادو کے ہاں کوئی اس کی بات کو رد نہیں کر سکتا تھا تو یہاں نانو اور مما کی ڈکٹیٹر شپ بھی اس کے سامنے زیرو ہو جاتی۔ خضریٰ اس کی ہو سکتی تھی مگر......وہ خود غرض نہ تھا، نہ خود پرست۔ یہ اس کی سوچ تھی کہ اس کی چاہت صرف اس کی نہ ہو، گھر بھر کی چاہت بن کر رہے۔

"آپ دادو کے ہاں جانے سے کترانے لگے ہیں، کوئی بات ہوئی ہے؟"

''ارے نہیں بھئی!'' اسے اپنا قہقہہ بھرم سے مبرا محسوس ہوا۔

''ایسی کوئی بات کیوں ہوگی بھلا؟ وہاں سب اتنا چاہتے ہیں، اس قدر محبت دیتے ہیں۔ انکل، آنٹی، حمزہ، مزمل، خضر علی پھر دادو کی محبت، ان کا انداز تو سب سے منفرد ہوتا ہے، رگیلی خون بڑھ جاتا ہے۔''

''آئی ڈونٹ نو، آپ مجھے بہلا رہے ہیں یا خود کو؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''کیا مطلب؟'' کونین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب ہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں''۔ وہ بھی دھیمے سے مسکرا کر بولا۔

''فار یو کائنڈ انفارمیشن مائی جونیئر برادر! مطلب پرست لوگ مجھے پسند نہیں''۔

دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔ اسی دم حیدر کی کال اس کے سیل پر آئی تو وہ تردد میں پڑ گیا۔

''کیا کہا ہے حیدر نے؟'' کونین اسے شش و پنج میں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''وہ اسی وقت ملنا چاہتا ہے''۔

''کوئی ضروری کام ہوگا''۔

''شاید کافی سیریس تھا، ہم دادو کے ہاں پھر چلیں گے''۔

☆......☆......☆

نہ وہ انکار کرتی ہے، نہ اقرار کرتی ہے
لیکن مجھے پتا ہے وہ مجھے ہی پیار کرتی ہے

''بھائی! ذرا ڈھنگ سے ''پتا'' کرواؤ کہیں لڑکی گونگی بہری تو نہیں ہے''۔

سرمد نے فکر مندی کا اظہار کیا، وہ سب ہال میں جمع تھے۔ موسم بھی ٹھنڈا تھا۔ سردی نے برفیلی باہیں پوری طرح وا کر دی تھیں، ہر شے کو سردی نے جکڑ لیا تھا، یہاں بھی سردی سے پوری طرح لطف اندوز ہوا جا رہا تھا۔ گرم گرم کافی کے ساتھ ڈرائی فروٹس بھی خوب کھائے جا رہے تھے۔ گھر کی خواتین اور مردوں کی سسرالی دعوت تھی، کرن اور فاریہ وہاں گئی ہوئی تھیں اور نوجوان پارٹی کو پوری طرح موقع مل گیا تھا۔ وہ ہلہ گلہ کرنے میں مصروف تھے۔ تمام لڑکے کارپٹ پر کشنز کے سہارے ڈھیر تھے۔ لڑکیاں صوفوں پر کمبل شانوں تک ڈالے سکڑی بیٹھی تھیں۔ ان میں صرف حورین تھی جو ہلکا سا سوئیٹر پہنے بیٹھی تھی۔ اس کی گود میں کاجو اور نمکین پستے کی پلیٹ تھی۔ ساتھ ہی کارنر ٹیبل پر رکھا مگ سائز کپ کافی سے بھرا بھاپ اُڑا رہا تھا۔ وہ بڑے مسرور انداز میں بیٹھی ڈرائی فروٹس کھا رہی تھی۔

وہ ایک دوسرے کو ڈراؤنی کہانیاں سنا رہے تھے۔ سرمد اور سفیان کو سردیوں کی خاموش راتوں میں ایسی کہانیاں پڑھنے، قصے سننے سنانے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ لڑکوں کی حرص میں لڑکیاں سن تو لیتی تھیں، پھر ڈر کے مارے جو ان کا حال ہوتا، وہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت

بھی وہ کمرہ بند کیے اس ٹاپک کی کہانیاں سنا رہے تھے۔معا ہریرہ کی زبان ہلی، وہ سنجیدگی سے کہانی سنتی ہوئی حورین کو دیکھ کر گنگنایا۔

''ڈونٹ فاؤل ہریرہ! اب تمہیں کوئی فنٹاسٹک ڈراؤنی کہانی سنانی ہے اور تم سناؤ گے۔اس طرح حورین سے اُلجھ کر فرار نہیں پاسکو گے''۔وصی نے تنبیہہ کی۔

''اس کو فالتو بکواس کے علاوہ کچھ نہیں آتا''۔حورین نے چوٹ کی۔

''اگر ایسی بات ہے تو سنو، میں ایک بالکل سچا واقعہ سناتا ہوں، جو حال میں میرے ساتھ پیش آیا ہے''۔سب کی گھورتی نگاہوں اور حورین کے چیلنج نے اس کے اندر کی انا کو بیدار کردیا، وہ اکڑ کر بیٹھتے ہوئے پُر جوش لہجے میں بولا۔

''پہلے حلف اُٹھاؤ، یہ جو تم سنانے جا رہے ہو، یہ واقعہ سچا ہی ہے''۔

''بیٹے! ابھی اس ایکسیڈنٹ میں انجر پنجر ڈھیلے کروا کر اُٹھے ہو، نہ معلوم ابھی فٹنگ درست ہوئی ہے یا نہیں؟ خدانخواستہ ایک آدھا اسکرو نکل کر گر گیا تو پرابلم ہو جائے گی۔انسانی اسکرو پارٹس ملتے بھی نہیں ہیں''۔اسے حورین کی طرف بڑھتے دیکھ کر وصی گویا ہوا تھا۔

''چل منڈے! شروع ہو جا''۔سرمد نے کافی پیتے ہوئے چمکارا۔

''وہ سردی کی ایک بڑی تاریک رات تھی۔بارش برس کر رُک چکی تھی جس سے سردی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ہوائیں بہت تیز تھیں۔آسمان پر چھائی سیاہی نے زمین کی ہر شے کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ماحول میں کثیف دھند آلود تاریکی چھائی تھی۔ہواؤں کے جھکڑوں میں ایسا محسوس ہوتا تھا، گویا لاکھوں چڑیلیں مل کر رو رہی ہوں''۔اس نے کسی کہنہ مشق کہانی سنانے والے کی طرح کہنا شروع کیا۔

''پہلے یہ بتا، ایسی رات میں تُو کیوں نکلا تھا؟''وصی نے کہا۔

''اور کہاں نکلا تھا، میرا مطلب ہے کہاں گیا تھا؟''سرمد بھی گویا ہوا۔

''دیکھو فرینڈز! اگر سننا ہے تو سنو، ورنہ میں چلا''۔اس نے ڈرایا۔

''لیکن بتانے میں حرج کیا ہے؟''سفیان نے اصرار کیا۔

''اچھا...... یہ روز روز جو ناولز پڑھتے ہو تو ان کے رائٹرز سے کبھی دریافت کیا ہے کہ وہ کہاں اور کیوں ایسی کہانیاں تحریر کرتے ہیں، کبھی پوچھا ہے کسی سے؟''وہ بری طرح چڑ چکا تھا۔

''اسٹاپ اِٹ، اسٹوری ساری کرکری ہو رہی ہے پلیز۔درمیان میں کوئی نہ بولے''۔رؤف نے مصالحتی انداز میں کہا تو ہریرہ پھر گویا ہوا۔

''سخت ترین سردی میں آسمان سے لے کر زمین کی ہر شے مہیب تاریکی میں گم تھی۔رگوں میں خون جما دینے والی ہواؤں میں چڑیلوں کی آہیں، سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔میں تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اپنے ایک دوست کے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ جیسے ہی میرے قدموں میں تیزی آئی، ساتھ ہی مجھے ایک عجیب سی آواز آئی اور میں چونک اُٹھا''۔

"کیسی آواز؟" سب بے ساختہ کہہ اُٹھے۔

"چھن چھن کی آواز"۔ ہریرہ کے چہرے پر اس لمحے سجا دینے والی سنجیدگی تھی اور وہ خاص خاص موقعوں پر ہی سنجیدہ ہوتا تھا۔

"چھن چھن کی آواز! او مائی گاڈ! یعنی کوئی...... کوئی چڑیل......" مومل کی گھگھی بندھ گئی۔

"اوہ...... پلیز مومل! چپ ہو جاؤ، نام مت لو"۔

نشرح اور زویا بھی خوف زدہ سی ہو گئی تھیں، کیونکہ ہریرہ کا انداز سچ کی غمازی کر رہا تھا پھر گھر میں کوئی بڑا نہ تھا، وہ لوگ بھی سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے تھے اس لیے اِرد گرد سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ رات ہونے کے باعث وہ خوف زدہ ہو رہی تھیں۔ البتہ حورین بہت خاموشی سے کافی پی رہی تھی۔

"پہلے تو میں سمجھا مجھے وہم ہوا ہے۔ یہ چھن چھن کی آواز میری سماعت کا فریب ہے، اسی خیال سے میں تیز تیز چل رہا تھا اور آواز بھی اسی انداز سے بڑھ رہی تھی۔ چھن چھن چھن...... چھن چھن چھن...... چھن چھن چھن۔ میں تو اتنی سخت سردی میں بھی پسینے پسینے ہو گیا۔ اب میں تیز تیز چلنے لگا اور چھن چھن چھن بھی تیز تیز ہونے لگی۔ پہلی دفعہ مجھے معلوم ہوا خوف کس کو کہتے ہیں۔ میں بھاگنے لگا تو آواز اور بھی بڑھ گئی۔ چھن چھن کوئی اور بھی میرے ساتھ اسی اسپیڈ سے بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں سانس لینے کے لیے رُکا تو وہ چھن چھن بھی رُک گئی پھر میں چلا، وہ بھی چلی۔ میں نے اندھیرے میں دائیں بائیں دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا، لیکن آواز آنا بند نہ ہوئی، جیسے میرے قدموں کے ساتھ وہ چھن چھن کی آواز قدم بڑھا رہی ہو"۔

"تمہیں صرف اس کی پازیب کی آواز سنائی دے رہی تھی؟" سرمد نے حیرانگی سے دریافت کیا۔ ہریرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بڑے بہادر ہو یار! ورنہ میرا تو اس طرح کے تصور سے ہی خون خشک ہو جاتا ہے"۔

"وہ شے نظر کہاں آئی ہے ابھی اتنی دیر سے یہ صرف بھاگ رہا ہے آواز سن کر نہ معلوم کہاں تک بھاگے گا؟" واصف جمائی لیتے ہوئے بولا تو وہ سب ہنس پڑے۔ رؤف نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"حقیقت کو ہنسی میں نہ جھٹلاؤ۔ یہ سوچا ایسی ماورائی مخلوقات نظر کہاں آتی ہیں، ان کا مقصد تو صرف شرارت کر کے پریشان کرنا ہوتا ہے"۔ ہریرہ نے کہا۔

"تمہیں نظر آئی وہ ساتھ چلنے والی جو چھن چھن اپنی پازیب بجا رہی تھی؟"

"ہاں...... بہت قریب سے دیکھا میں نے، بلکہ ہاتھوں میں اُٹھایا اسے"۔

اس کی سنجیدگی دیکھ کر جہاں لڑکوں کے چہروں پر تجسس و اشتیاق اُمڈ آیا وہیں لڑکیاں یک دم بدحواس سی ہونے لگیں۔

"پلیز یار! اب کلائمکس پر آ جاؤ"۔ سفیان زیادہ سسپنس برداشت نہ کر سکا۔

"تم لوگ آنے دو گے تو آؤں گا ناں"۔

"اوکے! کہو ہم...... ہمہ تن گوش ہیں"۔

"یہ سلسلہ خاصی دیر تک چلتا رہا، میں چلتا وہ چھن چھن میرے ساتھ چلتی۔ وہ میرے ساتھ ہی ساتھ تھی۔ ایک جگہ جا کر میں اندھیرے میں کسی پتھر سے ٹکرایا اور وہ بھی میرے ساتھ ٹکرا کر گری اور پورے ماحول میں چھن چھن چھن کی زوردار آواز سناٹے میں دور دور تک پھیلتی چلی گئی"۔ وہ بولتے بولتے ایک دم ہی رُک گیا تو سب بے قراری سے گویا ہوئے۔

"ارے یار! چپ مت ہو، بولتے رہو"۔

"ہوں...... پھر...... پھر جیسے میں گرا وہ بھی میرے ساتھ ہی گری، اسی دم لائٹ آ گئی اور میں نے دیکھا......" وہ دانستہ رُکا۔

"کیا دیکھا؟ وہ روشنی میں نظر آئی؟ کیسی تھی وہ؟" ملی جلی آوازوں سے کمرہ گونج اُٹھا اور پھر بریرہ کے قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے، وہ سب حیرانگی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"خوف سے پاگل ہو گئے ہو یا ہمیں پاگل بنا رہے ہو؟" سرمد کا انداز کافی مشکوک سا تھا، وہ بتانے لگا۔

"ہوا تو یہی تھا میں سمجھا آج وہ ناقابلِ یقین بات میرے ساتھ ہو گئی ہے۔ جس کو میں کبھی سچ نہیں مانتا"۔

"مگر وہ سب کیا تھا آخر؟" حورین کو بھی تجسس نے اُبھارا۔

"دراصل اس دن میرے کوٹ کی جیب میں چینج زیادہ تھا جو میں بھول چکا تھا، مجھے نوٹس بک لینے کے لیے فرخ کے ہاں جانا ضروری تھا۔ پہلے راستے میں کار کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ پیدل اس کے علاقے تک پہنچا تو لائٹ چلی گئی۔ فرخ کا فلیٹ بھی آبادی سے باہر تھا۔ لائٹ آف ہونے کے بعد تو لگتا ہے جنگل میں بندہ گھوم رہا ہے۔ وہ چھن چھن میری جیبوں میں بھرے سکے تھے جن پر مجھے کسی الھڑ دوشیزہ کی نوخیز پائل کا گمان ہو رہا تھا۔ ٹھوکر کھا کر گرا تو وہ سکے جیب سے نکل کر زمین پر گرتے چلے گئے اور مجھے یاد آیا ان سکوں کو میں جیب میں بھر کر بھول چکا تھا"۔

بریرہ کے ساتھ اب وہ سب بھی ہنس رہے تھے۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ اب چڑیلوں کے بھی اتنے بُرے دن آ گئے کہ وہ تم جیسے بندے کے پیچھے بھاگ رہی ہیں"۔ حورین نے کہا۔

"ان کو معلوم ہے ان کی ملکہ پہلے ہی مجھ پر فدا ہے، اسی لیے وہ ایسی کوشش ہی نہیں کرتیں"۔ بریرہ نے لاجواب ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔

☆......☆......☆

وہ سب سر آفتاب کے ہاں موجود تھے۔ پروفیسر آفتاب خان نے انہیں بلایا تھا۔ ہنس مکھ، خوش مزاج، ہمدرد طبیعت رکھنے والا، ہر ایک کی خدمت کے جذبے سے سرشار، حیدر پر بہت نازک وقت آن پڑا تھا۔ وہ جو ہر وقت کسی نہ کسی کی اُلجھن کی سلجھن بنا رہتا تھا، اچانک پڑ جانے والی اپنی اُلجھن کا کوئی سرا نہ سلجھا پا رہا تھا۔ اس نے ذوالنون سے ڈائریکٹ رابطہ کیا اور وہ اسے ان کے پاس لے آیا۔ معاملہ بے

حد گھمبیر تھا۔ حیدر کی بہن کی منگنی بچپن میں اس کے تایا کے بیٹے سے ہو گئی تھی، چند سال قبل اس کا منگیتر ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا، تعلق از خود ہی ختم ہو چکا مگر اب وہاں سے زور دیا جا رہا ہے کہ وہ تعلق ٹوٹا نہیں ہے، اس لڑکے کا بڑا بھائی اس سے شادی کرے گا جو پہلے ہی تین عدد بیویوں کا شوہر تھا اور شادیوں کے 35 سال بعد بھی بے اولاد ہے۔ حیدر کے والد کے انکار پر ان کے درمیان دیرینہ دشمنی ہو گئی تھی۔ حیدر کا تعلق زمین دار گھرانے سے تھا۔

جہاں دولت کی فراوانی کے ساتھ جہالت کی حکمرانی بھی تھی اور وہاں ابھی تک صدیوں پرانے رسم و رواج رائج تھے۔ حیدر اکلوتا بیٹا ہونے کے باعث پڑھائی کے اعلیٰ مدارج طے کر رہا تھا مگر ان کے خاندان میں ثانوی تعلیم کو ہی سب سے بڑی ڈگری سمجھا جاتا تھا۔ بے تحاشا دولت و آزادیوں نے انھیں اس طرف راغب نہیں ہونے دیا تھا۔

پروفیسر آفتاب حسن نے اس کا حل یہ نکالا کہ وقت ضائع کیے بغیر چند لوگوں کی موجودگی میں حیدر کی بہن صبوحی کی شادی کر دی جائے پھر معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا، جب لڑکی ہی نہ ہو گی تو وہ کیا کر سکے گا۔

"لیکن سر! صبوحی کب تک چھپ سکتی ہے؟ یہاں رہے گی، کبھی نہ کبھی وہ ضرور ان کی نگاہوں میں آ جائے گی، تب وہ اسے نہیں...... چھوڑیں گے"۔ حیدر کا لہجہ کانپ رہا تھا اور آنکھیں نم تھیں۔

"ڈونٹ کیئر۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا"۔ ذوالنون نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو اس نے اس کے شانے سے سر لگا دیا۔

"مین پرابلم یہ ہے کہ ایسا کون نوجوان ہے جو صبوحی سے شادی کے لیے راضی ہو، پھر ڈیرے دار اور اچھے عزت دار خاندان سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ نڈر و بہادر بھی ہو، جو اِن حالات کو احسن طریقے سے فیس کر سکے"۔ وہ ان سب پر نگاہ ڈالتے ہوئے پُر سوچ انداز میں گویا ہوئے۔

"سر! اسی سوچ نے میرے حواس گم کر دیے ہیں"۔ حیدر کے لہجے میں ذہنی خلفشار نمایاں تھا۔ اس دم مامون کہہ اٹھا۔

"سر! اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں؟"

"ضرور، ضرور بیٹے! یہاں آپ سب کو بلانے کا مقصد یہی ہے کہ ہم سب ایک ہیں، ہم ایک کنبہ بن چکے ہیں، ایک خاندان بن گئے ہیں، ہم میں سے کوئی جدا نہیں ہے، ہم میں سے کسی ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے۔ ایک کا مسئلہ سب کا مسئلہ ہے، جس کا حل ہمیں مل جل کر نکالنا ہوگا"۔

"سر آفتاب کے مخصوص، شفیق و نرم لہجے نے مامون کو حوصلہ بخشا۔

"سر! میرے بڑے بھائی برازیل میں رہائش پذیر ہیں وہ ان دنوں یہاں شادی کے ارادے سے آئے ہوئے ہیں، والدہ ان کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں، وہ چند ہفتوں میں شادی کر کے واپس جانا چاہتے ہیں اور اس بار والدہ اور مجھے ساتھ لے جانے کا ارادہ کر کے آئے ہیں۔ میں تو ایئرلی سمسٹرز کے بعد جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہارون بھیا سے مل لیں اور اگر حیدر مناسب

سمجھے تو اپنے والدین سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کر سکتا ہے"۔

"تھینکس گاڈ! بیٹھے بیٹھے رب کی بہت بڑی عنایت ہوئی ہے۔ ویلڈن مائی سن! آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ بہت اعلیٰ اور اچھے خاندان کے فرد ہو"۔

مامون کی پیشکش پر سب کے چہرے کھل گئے تھے۔ حیدر تو شادیٔ مرگ کی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ ذوالنون کے سر تھپتھپانے پر آنسوؤں سے رو پڑا۔

"آپ کے گھر والوں کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟"

"میری بہن بہت سیدھی سادی گھریلو لڑکی ہے، اس نے گریجویشن کیا ہے مگر پرائیویٹ۔ تمہارے بھائی ایسی لڑکی کو پسند کریں گے؟"

"آف کورس، میرے گھر والوں کو ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہے، تب ہی وہ شادی کرنے یہاں آئے ہیں ورنہ مائی ڈیئر! لڑکیوں کی وہاں کیا کمی ہے"۔ مامون نے آگے بڑھ کر حیدر کو گلے لگاتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر بڑی اپنائیت بھری مسکان تھی۔

پروفیسر آفتاب نے اسی وقت پہلے مامون کی والدہ اور بھائی کو تمام صورت حال بتا کر ان کی رضامندی معلوم کی۔ مامون کے کہنے کے مطابق ہی اس کے گھر والوں نے کسی بھی پس و پیش سے کام لینے کے بجائے فوراً ہی رضامندی ظاہر کر دی۔ دوسرا مرحلہ حیدر کے والدین سے معاملہ طے کرنا تھا، وہ بھی حیدر کی بدولت بخیر و خوبی نپٹ گیا، ان لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جس طرح اچانک یہ سب ہوا، اسی طرح نپٹ بھی رہا تھا۔

آج ان کا ملازم چھٹی پر تھا۔ ردا اور حورین نے کافی بنائی تھی۔ زویا اور ثمرین سب کو سرو کر رہی تھیں۔ سر، ذوالنون کے ساتھ ڈسکس کر رہے تھے کہ کیا لائحہ عمل بنایا جائے جو فل پروف ہو، کیونکہ حیدر کا کزن ذی حیثیت تھا۔ بڑے زمین داروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ لوگ اس کے ایک اشارے پر خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ ان کے علاقے میں کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔

حیدر! تم نے ایسی فیملی میں اپنی بہن کی منگنی ہونے کیوں دی تھی؟"

"سر! ہمارے ہاں ایسے فیصلے بعض اوقات ایسے وقت میں ہو جاتے ہیں جب بچے دُنیا میں موجود نہیں ہوتے۔ صبوحی کے دُنیا میں آتے ہی تایا جان نے کہا کہ یہ لڑکی میری بہو بنے گی غالب کی بیوی۔ بس زبان ہو گئی پھر تایا جان بائی نیچر بہت اچھے آدمی تھے، انہوں نے کبھی بھی اپنے کسی فیصلے سے کسی کو دُکھ نہ پہنچایا تھا۔ سب کا خیال رکھتے تھے۔ ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے۔ یہی نیچر غالب کی تھی۔ اس کی ذات کسی کے لیے بھی تکلیف کا باعث نہ تھی، پھر وہ بے حد وسعت قلب و روشن خیال تھا۔ صبوحی کو وہ بہت خوش رکھتا"۔ حیدر کے لہجے میں گزرے دنوں کی یادیں مہکنے لگی تھیں۔

"ہارون بھائی بھی صبوحی کو بہت خوش رکھیں گے"۔ مامون نے کہا۔

"انشاءاللہ...... اس میں کوئی شک نہیں ہے"۔ سر نے کافی ختم کرتے ہوئے کہا۔

"حورین! تم پارٹی کب دے رہی ہو؟" ثمرین نے چہک کر کہا۔

"کیوں، ایسا کیا ہوا جو حورین پارٹی دے"۔ حیدر نے چونک کر دریافت کیا۔

"اس کے والدین کراچی آ گئے ہیں اور اس کا کزن بھی صحت یاب ہو گیا ہے۔ اس کو ڈبل پارٹی دینی ہو گی"۔ ردا نے دھونس بھرے لہجے میں کہا۔

"کچھ عرصے صبر کرو، ابھی پاپا کسی خوب صورت لوکیشن کی تلاش میں ہیں، جیسے ہی سلیکشن ہوئی پارٹی پکی ہے۔ دوسری پارٹی کے لیے تمہیں خود ہیرو سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا"۔ پروفیسر آفتاب کے برابر میں بیٹھا ہوا ذوالنون پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے دانستہ ایک نگاہ حورین پر نہ ڈالی تھی، حالانکہ دل میں عجیب سی بے چینی سرایت کر رہی تھی مگر وہ سوچ چکا تھا، اس دن جو کسی بے اختیار جذبے کے تحت بے قابو ہو کر وہ اسے ڈراپ کرنے گیا تھا اور پھر کتنے دنوں تک خود سے ہی نظریں نہ ملا پایا تھا۔ وہ سب حورین سے پارٹی مانگ رہے تھے۔

ذوالنون اُٹھ کر باہر گیلری میں چلا آیا جہاں باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

فروری کے شروع کے دن تھے۔ سردیاں جوبن پر تھیں۔ نیچے مختصر سے لان میں گلاب کے پھولوں کے رنگ و مہک نمایاں تھی۔

"تم باہر کیوں آ گئے؟" کچھ دیر بعد حیدر اس کے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"یوں ہی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ کرسی پر بیٹھتا ہوا گویا ہوا۔

"ایک بات کہوں؟" حیدر اس کے قریب بیٹھتا متفکرانہ انداز میں بولا۔

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے ذاتی مسئلے میں تم لوگوں کو گھسیٹ کر سراسر خود غرضی و مفاد پرستی کا ثبوت دیا ہے"۔

"ایسا تم کس طرح سوچ سکتے ہو، دوستی سے بڑھ کر بھی کوئی رشتہ پائیدار ہو سکتا ہے، تمہیں ہم پر اعتماد نہیں ہے یا اپنی دوستی پر؟"

"اعتماد سے عاری تو اپنے ہی تایا زاد کی دشمنی ہے جس نے یہ دن دکھایا ہے، میری تو کب سے خواہش تھی کہ پاپا زمینیں فروخت کر کے شہر میں سیٹل ہو جائیں مگر زمین داروں کی زمین سے محبت ہر محبت سے بھاری ہوتی ہے، خواہ وہ محبت خون کی دشمن بھی بن جائے تو بھاری محسوس نہیں ہوتی"۔

"ڈونٹ وری یار! تم فکر مت کرو، ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے"۔

پھر آناً فاناً سب ہوتا چلا گیا۔

مامون کی والدہ کو گھر میں بہو لانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی، کیونکہ ان کی کوئی بیٹی تو تھی نہیں جو ایسے موقع پر جھٹ پٹ تیاری کرواتی، یہاں یہ فریضہ ان پانچوں نے مل کر انجام دیا۔ شادی کی شاپنگ تو مختصر سی تھی کیونکہ جس ماحول میں شادی ہو رہی تھی وہ بہت رسکی تھی۔ بہت ہی سادہ انداز میں شادی ہوئی تھی جس میں گنتی کے افراد کو شرکت کرنی تھی۔

پروفیسر آفتاب حسن دونوں جانب سے پیش پیش تھے، ان کا بازو ذوالنون بنا ہوا تھا۔ دو خاندانوں کو باہم استوار کرنے کا سہرا ان

کے سر تھا۔ انہوں نے ایک ہفتے کے اندر اندر تمام کارروائی مکمل کر لی تھی جن میں سب سے اہم کام ہارون اور صبوحی کا نکاح تھا۔

آفتاب صاحب چند گواہان کو لے کر ہارون کا نکاح پڑھوا آئے تھے، کیونکہ فوراً ہی یہاں سے وہ برازیل جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے، وہ لوگ جس طرح گئے تھے، نکاح کر کے اسی طرح خاموشی سے آ گئے تھے۔ اس طرح صبوحی کے ڈاکومینٹس تیار ہونے میں زیادہ تردد نہ ہوا تھا۔ بہت قلیل مدت میں اس کا پاسپورٹ بن گیا، صرف ویزا ملنے میں چند دن لگے۔

دو ہفتے وہ لوگ اس چکر میں ایسے لگے تھے کہ گھر والوں سے تقریباً دور ہی ہو گئے تھے۔ آج وہ بی بی جان کے قریب بیٹھی سب روداد سنا رہی تھی۔

"آئے ہائے آگ لگے ایسی دولت و جائیدادوں کو جو آپس میں خون کو خون کے خلاف کر دے، ایسی دولت سے غربت بھلی"۔ بی بی جان نے سنتے ہی کان پکڑ کر کہا، وہ آپس کی رنجشوں کے بالکل خلاف تھیں۔

"ماموں کا بھائی خوش تو ہے نا؟ کہیں بعد میں نہ کہے کہ زبردستی ڈھول گلے میں باندھ دیا، نیکی پر بدی کو غالب آتے دیر ہی کیا لگتی ہے"۔

"نہیں آنٹی! صبوحی ہماری سوچ سے بڑھ کر کیوٹ ہے۔ ہم نے تصویریں دیکھی ہیں۔ ہارون بھائی انہیں پا کر بہت خوش ہیں"۔ مومل نے فاریہ سے کہا۔

"رخصتی تو ابھی نہیں ہوئی ہے"۔ عبیرا نے پوچھا۔

"جیسے ہی ویزا ملے گا، وہ لوگ رخصتی کروا لیں گے اور دوسرے دن روانہ ہو جائیں گے، جب تک عمردراز صاحب کو معلوم ہوگا، صبوحی ان کے خوابوں کی پہنچ سے بھی دور جا چکی ہوگی"۔

"نام دیکھو ذرا، عمردراز! ایسے شیطان صفت لوگوں کی عمریں سچ مچ دراز ہی ہوتی ہے اگر یہ کمبخت مر ہی جاتا تو یہ سب تو نہ کرنا پڑتا۔ خود سوچو کوئی اس طرح بھی بیٹیاں بیاہتا ہے۔ ہزاروں جھمیلے ہوتے ہیں مگر بچی کو کنویں میں گرنے سے بچانے کے لیے بے چارے دل پر پتھر رکھ کر سب کر رہے ہیں۔ ایک تو بیٹی کی رخصتی وہ بھی ان حالات میں اور اتنی دور لڑکی چلی جائے گی، مجھے تو سوچ سوچ کر ہی ہول اُٹھ رہے ہیں۔ کس طرح صبر و ضبط کر رہے ہیں"۔

"صبوحی کی تو لاٹری لگ گئی ہے، بی بی جان! جو ہارون بھائی جیسا شخص ملا ہے ورنہ کوئی بعید نہ تھا کہ ان کے پاپا اس عمردراز کو ہی صبوحی کا ہاتھ پکڑا دیتے، وہ صبوحی سے پورے بیس سال بڑا ہے۔ تین عدد بیویاں پہلے ہی موجود ہیں، چوتھی کی بھی وہ چادر رکھے ہوئے ہے"۔

"زویا! اگر حیدر پروفیسر آفتاب صاحب اور ذوالنون بھائی کو درمیان میں نہ ڈالتا تو ہو سکتا تھا اس کے والد جو زمین دارانہ مزاج رکھتے ہیں، صبوحی کو اپنے اس اجڈ و گنوار بھتیجے کو سونپ دیتے"۔

"یہاں تو انہوں نے جس لگن و خلوص سے کام کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے، پھر حیدر کے گاؤں کے کتنے ہی چکر ذوالنون بھائی کو لگانے پڑے ہیں۔ صبوحی کے کاغذات انہوں نے ہی تو تیار کروائے ہیں، اپنے کسی دوست کی وساطت سے اور نکاح بھی انہوں نے اپنی

ذمے داری پر کروایا ہے"۔ زویا کی قصیدہ گوئی ذوالنون کی شان میں شروع ہو چکی تھی۔

"بیزا نیک و شریف بچہ ہے۔ بہت باادب اور سنجیدہ ہے۔ بہت خوشی ہوئی تھی، مجھے ان بچوں سے مل کر خاص طور پر اس بچے ذوالنون نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ عجیب سادکھ ہے اس بچے کی آنکھوں میں"۔ بی بی جان کرن اور فاریہ سے ذوالنون اور حیدر کا ذکر کر چکی تھیں۔

"ہریرہ کی صحت یابی کی خوشی میں جو پارٹی دینے کا سوچ رہے ہیں اس میں ان دونوں بچوں کو ضرور مدعو کریں گے"۔ فاریہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ضرور پہلا دعوت نامے کا کارڈ ان ہی کو جائے گا"۔

"رات کھانے میں کیا بنائیں کرن! آج کا مینیو آپ بتائیں؟"

سمیرا خاموشی سے بیٹھی لبوں پر دھیمی مسکراہٹ سجائے سب کو سنتی ہوئی کرن سے مخاطب ہوئی۔

"جو آپ بنانا چاہیں بے فکری سے بنایئے۔ انس اور سعد گھر کی بنی چٹنی بھی بہت شوق سے کھالیں گے"۔

"گھر کے پکے کھانوں کا کریز تو یہاں کے مردوں کو بھی ہے مگر ڈش میں چکن اور مٹن لازمی ہے، خصوصاً ینگ جنریشن کو تو پیزا اور برگرز میں بھی فلنگ چکن کی چاہیے، سبزیوں سے ازلی دشمنی ہے"۔

"یہ نوجوان نسل تو بالکل ہی عقل سے پیدل ہے۔ ہر اچھی غذا سے ان کو بیر ہے، کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ متوازن غذا ضروری ہے مگر سنتا کون ہے۔ میرے سامنے بے دلی سے کھا لیتے ہیں اور ایسے کھانا جسم کو نہیں لگتا"۔

"دراصل فاسٹ فوڈ کی چارمنگ نے بیڑہ غرق کیا ہے"۔ ان کے ہاتھوں میں نیا موضوع لگ گیا تھا۔ وہ تینوں اُٹھ کر باہر چلی آئی تھیں۔ لان میں بکھری سنہری دھوپ سرد موسم میں انوکھا مزہ دے رہی تھی وہ وہاں کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں، ان کا موضوع گفتگو صبوحی ہی تھی۔

"دو تین دن میں صبوحی کا ویزہ آجائے گا، پھر ہم میں سے کسی ایک کو ماموں کے ساتھ جا کر دلہن کو لانا ہوگا، یہ آنٹی کی خواہش ہے"۔

"میں تو نہیں جاؤں گی مجھے گاؤں کے نام سے ہی وحشت ہوتی ہے"۔

"گاؤں میں تو سردی بھی بہت زیادہ ہے۔ مجھے تو یہاں کی سردی بھی برداشت نہیں ہے، وہاں تو میری قلفی جم جائے گی"۔ مومل جو ابھی بھی سوئیٹر اور شال لپیٹے ہوئے تھی، گردن ہلا کر بولی۔

"رِدا اور ثمرین کی فرسٹ کزن کی شادی ہے، وہ لوگ وہاں نہیں جائیں گے تو پھر کون جائے گا؟" انہوں نے دانستہ حورین کو نہ کہا کہ وہاں ذوالنون کی موجودگی لازمی تھی اور ان کے درمیان ابھی بھی پہلے والی بیگانگی تھی۔ ان دو ہفتوں میں ساتھ رہنے کے باوجود ان میں کوئی بات نہ ہوئی تھی، وہی مخصوص گریز و اجتناب والا سلسلہ تھا تو وہ کس طرح ان کے ساتھ جانے پر راضی ہوتی ذوالنون کے خیال سے۔

مگر اس نے اگلے لمحے ان کو حیرت میں ڈال دیا یہ کہہ کر......

"میں جاؤں گی"۔

''تم......؟ جاؤ گی؟''

''ہاں، حیدر نے ایک دفعہ مجھ پر احسان کیا تھا، میں خوشی سے جاؤں گی''۔

☆......☆......☆

''پرنس! آج کل بہت بزی رہنے لگے ہو، کیا ہابیز ہیں بیٹا؟'' فائقہ نے ذوالنون سے مخاطب ہو کر کہا۔

''کوئی خاص مصروفیات نہیں ہیں نانو!'' وہ سریحاً چھپا گیا کہ وہ کبھی بھی پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا مشورہ نہ دیں گی۔

''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کچھ اسپیشل ایکٹوٹیز ہیں آپ کی''۔ فائقہ کے قریب بیٹھی منال اس کی جانب دیکھتے ہوئے شوخ انداز میں کہنے لگیں۔

''اوہ مما! آج کل یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے بوریت بہت زیادہ محسوس ہونے لگی ہے، اسی لیے کچھ وقت میں حیدر کے ساتھ اس کے ولیج میں گزار لیتا ہوں، وہاں ٹائم بہت اچھا پاس ہو جاتا ہے''۔

''اوہ مائی پورسن! ٹائم پاسنگ کے لیے یہاں ایک سے بڑھ کر ایک ہابیز ہیں۔ پارٹیز، کلب، گیٹ ٹو گیدر کیا نہیں ہے، ہمارے شہر میں بلکہ ایک فنکشن میں رات کو جانا ہے، وہاں چلو دیکھنا کیسے کیسے لوگ ہوں گے''۔ منال پُرجوش انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''سوری مما! آپ کو معلوم ہے میرا ایسے لوگوں کے درمیان دم گھٹتا ہے جہاں صرف تصنع و بناوٹ ہوتی ہے''۔

''ایک چہرے والا کون ہے یہاں؟ سب کے چہروں کے پیچھے چہرہ ہوتا ہے، دوہری زندگی کون نہیں گزار رہا ہے؟''۔

''نو مما! دُنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہے، جس دن ایک بھی فرد ایسا نہ رہا تو یہ دُنیا بھی نہ رہے گی''۔

''اب میں کیا کہوں، آپ شروع سے اپنی مرضی کرنے کی عادی ہیں''۔

''کیا ہوا مما؟ آپ ٹینس ہیں''۔ ایک عرصے بعد منال بیگم کے لبوں پر شکوہ دیکھ کر وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''کونین کی طرف سے منال بہت ٹینس رہنے لگی ہیں۔ فکر مند تو میں بھی ہوں نہ معلوم کونین جیسے جولی بوائے کو کیا ہوا ہے جو وہ بالکل ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا ہے۔ آفس اور اپنے بیڈروم کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ پوچھیں تو کہتا ہے کوئی پرابلم نہیں ہے''۔ فائقہ بولتی چلی گئیں۔

''کچھ عرصے کے لیے آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں''۔

''ایک عرصے سے چھوڑا ہوا ہے''۔

''مگر اب نہیں''۔ منال نے غصے سے کہا۔

''بھائی تیار ہو جائیں تو شادی کر دیجیے''۔

''شادی! وہ راضی ہو تب ناں''۔

"ان کو راضی ہونا پڑے گا بلکہ ہو جائیں گے جب اس نائس لیڈی کا نام سنیں گے۔ ریئلی وہ اس دُنیا کی تو لگتی ہی نہیں ہیں"۔

ذوالنون کی آواز میں احترام کے رنگ نمایاں تھے۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟" منال سراسیمہ ہوئیں۔

"صمد انکل کی بیٹی خضریٰ آپی کی"۔

انہیں محسوس ہوا چھت سر پر آ گری ہو، آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ یہ خواہش پالے ہوئے ہے، جس لڑکی کو ٹھکرانے کے لیے انہوں نے اتنے سعادت مند و محبت کرنے والے بیٹے کو، اس کے احساسات کو نظر انداز کر دیا تھا، وہی دروازہ کھولنے کی وہ سعی کیے ہوئے تھا جو بہت ضدی وہٹ دھرم تھا جو بولتا بہت کم تھا مگر اس کی بات پتھر پر لکیر کی مانند اٹل ہوتی تھی۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے ماں اور نانو کے مضطرب چہرے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟"

"نہ......نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ منال بیگم کو اپنی اکڑی ہوئی زبان کو حرکت دینے میں دقت ہوئی۔

"آپ کی دادو اور انکل خضریٰ کی منگنی کرنے والے ہیں، ان کا پرپوزل سلیکٹ کر لیا ہے انہوں نے"۔ فائقہ نے کہا۔

"واٹ؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟" اسے زبردست شاک لگا۔

"آپ کو معلوم نہیں؟ یہ سلسلہ کئی ماہ سے چل رہا ہے"۔

"مجھے دادو کی طرف گئے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے مگر یہ بہت غلط ہوا ہے، خضریٰ آپی کو میں نے ہمیشہ اپنی بھابی کے روپ میں دیکھا ہے"۔ اضطراب واضطرار اس کے وجیہہ چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔

"ضروری تو نہیں بیٹا! جو ہم چاہیں وہی ہمیں ملے"۔

"ہمارے ساتھ ہر بار ایسا ہی کیوں ہوتا ہے، قسمت دروازے پر دستک دیتے دیتے ہاتھ کیوں روک لیتی ہے؟ راستہ کیوں بدل لیتی ہے؟"

ایک دم ہی پرانی وحشت ونارسائی کے دُکھوں نے دھاوا بول دیا اور ایک ایک کر کے پرانے زخموں کے ٹانکے ٹوٹنے لگے، وہ وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

دور نزدیک، نگاہوں سے جہاں بھی دیکھوں

اپنے ہی شہر کے تاریک مکاں بھی دیکھوں

ہر قدم اپنی محبت کے نشاں بھی دیکھوں

غیر تو غیر ہیں، اپنا نظر آتا بھی نہیں
اس بھری دُنیا میں جہاں بھی دیکھوں
لوگ آسانی سے ماضی کو بھلا دیتے ہیں
اور میں اپنے ہی ماضی کو عیاں بھی دیکھوں
تلخیاں بیتے دِنوں کی بھی بھلاتے ہوں گے
اور میں ماضی کو حال میں رواں بھی دیکھوں
دل میں جو آگ ہے چہرے پر نمایاں ہے
میں تصور کی نگاہوں سے دھواں بھی دیکھوں

''کرن! میں کیا سن رہی ہوں تم علیحدہ گھر لینے کی بات کر رہی ہو، انس کہہ رہے تھے یہ تمہاری خواہش ہے''۔ بی بی جان انہیں تنہا دیکھ کران کے پاس چلی آئی متفکر و پریشان سی۔

''آپ بیٹھیں بی بی جان! کرن نے بڑی محبت سے انہیں شانوں سے تھام کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''آپ تو جانتی ہیں بی بی جان! جس کو ایک بار سانپ ڈس لے پھر وہ شخص رسی سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے، عجیب سی وحشت، عجیب سی دہشت اس کے اندر سرائیت کر جاتی ہے اور مجھے تو رشتوں کے سانپوں نے اتنا ڈسا ہے کہ میرا دل ہی نہیں روح بھی فگار ہے۔ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود بھی میں خود کو وہیں کھڑی پاتی ہوں اور جب سے یہاں آئی ہوں، میرا ماضی سزا بن گیا ہے''۔

''میں جانتی ہوں کرن مجھ سے تم لوگوں نے سب کچھ چھپایا ہے، دُنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، دُکھ دینے والے، غم سمیٹنے والے، لبوں پر مسکراہٹیں بکھیرنے والے تو مسرت سے چمکتی آنکھوں میں رنج والم کے آنسو بکھیر دینے والے۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے دُنیا بھری پڑی ہے۔ اس طرح سوچوں کے بھنور میں ڈوبی رہو گی تو کس طرح زندگی کی مسرتوں سے اپنا حصہ کشید کرو گی؟ وقت زخم لگاتا ہے تو وقت ہی مرہم بھی فراہم کرتا ہے۔ زخم بھر جاتے ہیں نشان نہیں مٹتے۔ غم اور خوشی زندگی کا سکہ ان ہی دو رُخ پر کھڑا ہے''۔ وہ کرن کو بہت نرمی واپنائیت سے سمجھا رہی تھیں۔

''اس دور میں ڈپریشن کی وبا اسی لیے پھیلی ہے کہ ہم لوگوں نے اچھی یادیں ذہنوں سے کھرچ دی ہیں۔ ہم دُکھ دینے والے دِنوں کو یاد کرتے ہیں۔ اچھی سوچیں خوب صورت خواب دیکھنا چھوڑ دیئے ہیں۔ زندگی خود ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے ایک ایسا بوجھ بنالی ہے جو نہ اُٹھانے کی سکت ہے، نہ پھینکنے کی ہمت''۔

''سوچوں پر کس کا زور چلا ہے یہ تو زور آور لہروں کی مانند ہر بند واحتیاط کو توڑ کر آگے ہی بڑھتی رہتی ہیں اور اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتی ہیں......

چین

سکون

اطمینان۔

''سب سے بڑا ذہنی سکون و آسودگی ہماری عبادت ہے۔ جب ہم پانچ وقت اپنے رب کے آگے پورے خلوص و محبت سے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں تو ہمارے اندر آسودگی کسی انرجی ٹانک کی طرح بھر جاتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت اور اذکار کی مشغولیت ہمیں ایسی روحانی طمانیت و خوشی سے بہرہ ور کرتی ہے کہ ایسی طاقت کسی دوا میں نہیں ہے۔ تم نے بتایا تھا تمہاری امی کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ ان کی زندگی تمہارے سامنے تھی۔ کٹھنائیوں، اپنوں کی بربریت، مجازی خدا کی طرف سے ملی ہوئی بے اعتنائی و بے رُخی نے ان کا کیا حال نہ کیا ہوگا...... مگر دیکھا تم نے ایک جہنم جیسی زندگی گزارنے کے باوجود ان کے صبر و استقامت، متانت و تحمل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اس لیے کہ وہ رب کائنات سے لَو لگا چکی تھیں اور جو اس سے لَو لگا لیتا ہے، یہاں کے دُکھ، یہاں کی تکلیفیں سب عارضی ہوتی ہیں''۔

بی بی جان جو انہیں متواتر ذہنی سکون کی ادویات استعمال کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، موقع ملتے ہی ناصحانہ انداز اپنا لیتی تھیں۔

''میں ان جیسی کبھی نہیں بن سکوں گی، مجھ میں اتنی برداشت اتنا حوصلہ کہاں ہے بی بی جان! میں بہت بے صبری و ناشکری ہوں، میں پنج گانہ نماز تو پابندی سے پڑھ لیتی ہوں مگر راتوں کو جاگ کر عبادت مجھ سے نہیں ہوتی ہے''۔ ماں کے ذکر پر اس کی آنکھیں رم جھم تھیں۔

''جب بندہ عشق مجازی سے نکل کر عشق الٰہی میں پہنچتا ہے تو ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔ ہم تو نفس کے مارے لوگ ہیں، ایسے ارفع و اعلیٰ درجات تک مقدر ہی لے کر جا سکتا ہے لیکن پھر بھی ہمیں مقدور بھر عبادت کی سعی کرتے رہنا چاہیے اور آج سے میں یہ میڈیسن تمہیں بڑی مقدار میں استعمال کرتے نہ دیکھوں ورنہ مجھے بڑی تکلیف ہوگی''۔ وہ ریک میں رکھی ادویات کی جانب اشارہ کر کے بولیں۔

''بی بی جان! پلیز، ان میڈیسن کے بغیر میں نہیں رہ سکتی''۔ وہ ایک دم ہی لجاجت سے بولی۔

''رہ لوگی اب تم ہم سب کے درمیان ہو''۔

''لیکن بی بی جی!''

''کچھ نہیں سنوں گی، سب لے کر جا رہی ہوں جب دینی ہوگی، خود دوں گی اگر زیادہ بے چینی محسوس ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر لینا اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھنے کی عادت بنالو، ڈپریشن سے نجات کی سب سے موثر اور انمول دوا ہے''۔ انہوں نے میڈیسن کے ریک کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

لینڈ کروزر میں وہ مختصر سی بارات حیدر کے گاؤں پہنچ چکی تھی۔

ہارون، مامون، ان کی والدہ اور حورین نے ان کا پُرجوش انداز میں استقبال کیا۔ روایتی انداز میں مگر بہت خاموشی کے ساتھ۔

حیدر کی ماں بڑی محبت و مروت سے ملی تھیں۔ زیور اور قیمتی ملبوسات میں وہ روایتی زمین دارنی دکھائی دے رہی تھیں مگر ان کے پُروقار چہرے پر کسی بھی قسم کا تکبر و حاکمانہ پن نہ تھا۔

بہت خلوص سے ملی تھیں، ان کے انداز میں ماحول کی ساری افسردگی و تھکن موجود تھی جو ان حالات نے انہیں سونپی تھیں۔

"پریشان مت ہو بہن! نہ فکر مند ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا، میں یہ تو نہیں کہتی کہ آپ سے بڑھ کر صبوحی کو چاہوں گی، کیونکہ ماں جیسی محبت و چاہت صرف ماں ہی دے سکتی ہے مگر میں اسے آپ کی طرح ہی محبت دینے کی کوشش کروں گی، وہ میری بیٹی بھی ہوگی اور بہو بھی"۔ حیدر کی والدہ ان سے گلے ملتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی، بے ساختہ رو پڑیں۔

"یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے اور میری بیٹی کا اچھا نصیب بھی جو آپ جیسے فرشتہ صفت لوگ مل گئے، ورنہ نہ معلوم کیا ہوتا"۔ وہ ان سے علیحدہ ہوتے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"اب آپ شرمندہ کر رہی ہیں"۔ وہ انکساری سے گویا ہوئیں۔

"حورین سے ملی ہیں اماں آپ؟" حیدر اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔

"جی، بہت اچھی ہے شکر ہے تم اچھے لوگوں میں رہتے ہو"۔ وہ حورین کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

"آپ یقیناً صبوحی سے ملنے کو بے تاب ہوں گی، چلیں آپ کو ملواتے ہیں"۔ حیدر کی ہمراہی میں وہ آگے بڑھنے لگے۔

جدید و قدیم کے امتزاج سے سجی سنوری حیدر کی حویلی اسے بے حد پسند آئی۔ سرخ اینٹوں سے بنی حویلی میں ہر جدید آسائشات موجود تھیں۔ بہت عام سے انداز میں رہنے والے حیدر کو دیکھ کر کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔

"یہاں بہت خاموشی ہے، اتنی بڑی حویلی میں کتنے کم لوگ ہیں، کیا یہاں ایسی ہی خاموشی رہتی ہے؟" وہ حیدر سے گویا ہوئی۔

"اس رسہ کشی کے باعث آپ کو یہاں سناٹے و خاموشی کا راج دکھائی دے رہا ہے، ورنہ یہ در و دیوار تو خاموشی کو ترستے تھے۔ صبوحی اور عمر دراز بھائی کے درمیان رشتہ نہ ہونے کے باعث سارا خاندان ہم سے ترک تعلق کر چکا ہے۔ سب کی دیرینہ آرزو یہی تھی کہ یہ بے جوڑ رشتہ ہو جائے، اس وجہ سے سب ہم کو الگ تھلگ کر کے سزا دے رہے ہیں کہ ہم گھبرا کر ان کی مان لیں"۔

"سوسیڈ! ایسا کیوں ہے حیدر! یہ معاملات تو بالکل پرسنل ہوتے ہیں، ان میں کسی اور کا انٹرفیئر کس طرح ممکن ہے؟"

"آپ نہیں سمجھیں گی، جب انسان ذات پات، خاندان و برادری کے چکر میں پڑ جاتا ہے تو اس طرح ہی کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ ان خود ساختہ مسائل کے حل کے لیے ہی میں نے آج یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے۔ کس طرح اماں اور بابا سائیں کو راضی کیا ہے، میرا دل ہی جانتا ہے مگر میں اپنی بہن کو ساری زندگی زندہ درگور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک ساٹھ سالہ شادی شدہ شخص کے ساتھ کس طرح وہ خوشی بھری زندگی جیتی"۔

اس کے لہجے میں بہن کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

صبوحی تصویروں سے زیادہ خوب صورت تھی۔ اس کی بے حد سفید وگلابی رنگت، بڑی بڑی غلافی براؤن آنکھیں، دل کش سراپا و جاذب خدوخال اسے پاکر کوئی بھی اپنی قسمت پر رشک کر سکتا تھا۔ وہ حیدر کے تعارف کروانے پر بڑی محبت سے ملی تھی جس میں ایک حیا آمیز دھیما تبسم بھی تھا کہ وہ بارات تھی۔ کمرے میں ملازمائیں تھیں جوان کو دیکھ کر چلی گئی تھیں۔ حیدر کے کہنے پر کافی اور سینڈوچز ملازمہ لے آئی تھی۔

''آپ لیں، میں ذرا گیسٹ روم میں جارہا ہوں، وہاں سب موجود ہیں'' ۔حیدر اُٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

''کافی تو پی لیتے اڈا!'' صبوحی نے کہا۔

''میں وہیں پی لوں گا، ذوالنون میرا انتظار کررہا ہے''۔

''سرآفتاب ہم سے بہت پہلے آئے ہیں؟'' اس کے نام پر حورین کو یاد آیا کہ وہ دونوں ان کے ساتھ نہیں تھے، شاید پہلے آئے ہیں۔

''وہ ایک گھنٹہ قبل پہنچے ہیں''۔

حیدر چلا گیا، وہ صبوحی سے باتوں میں لگ گئی، کچھ دیر بعد ماموں کی والدہ بھی وہاں آگئیں۔ صبوحی سے بڑی شدت اور چاہ سے ملیں۔

رات میں پُرتکلف ڈنر تھا۔

ان کی روانگی اگلے دن تھی، یہ اندرونِ سندھ کا علاقہ تھا، یہاں سے کراچی کا سفر سارے دن پر محیط تھا۔ رات میں سفر کو پروفیسر صاحب نے غیر محفوظ قرار دیا تھا، اس لیے روانگی اگلے دن رکھی تھی۔ کھانے کا انتظام مردانے وزنانے میں علیحدہ علیحدہ کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد اس کی ملاقات سر سے ہوئی، ساتھ ان کے وہ بھی تھا، اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں اس کی ذات کو فراموش کیے بیٹھا تھا۔

''سر! یہاں عجیب سی خاموشی ہے، ایسی خاموشی جو وحشت میں مبتلا کرتی ہے۔ یہاں کے لوگ روبوٹ کی طرح ہیں، خاموش و گم صم کوئی موومنٹ ہی نہیں ہے۔ یہاں لوگ صرف کام سے کام رکھتے ہیں۔ حیدر کے گھر والے کچھ خوف زدہ بھی ہیں''۔ موقع ملتے ہی وہ سرآفتاب سے گویا ہوئی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ ہنگاموں وقت بے وقت شرارتیں کرنے والے کزنز اور بی جان کی ہر دم گونجنے والی آواز کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ یہاں آکر وہ سخت بوریت محسوس کررہی تھی۔

''آئی ایم سوری بیٹا! آپ بور ہورہی ہیں، دراصل یہ اپنی نوعیت کی ایک بڑی عجیب شادی ہے، اس طرح تو کسی کے مرنے پر بھی نہیں ہوتا ہے جو ہم کررہے ہیں، وہ آسان نہیں ہے مگر جب ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہاں کیا ہوا ہے؟ وہ شکست کھا چکے ہیں تو سوچو کیا ہوگا؟'' پروفیسر خود بھی خاصے متفکر دکھائی دے رہے تھے۔

''سر! یہ پولیس پروٹیکشن کیوں نہیں لے لیتے؟''

''یہ خاندانی جھگڑے ہیں، یہاں اثر ورسوخ چلتے ہیں، قانون کو ان لوگوں نے ہائی جیک کیا ہوا ہے، دولت کے بل بوتے پر ناجائز اختیارات لامحدود ہیں''۔

''پھر تو ناممکن ہے سر! کہ ان لوگوں کو یہاں ہونے والے اس کام کی خبر نہ ہو، جبکہ وہ لوگ اس قدر پاورفل انفارمیشن رکھتے ہیں''۔

حورین کی بات پر ذوالنون نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، اس بات کی تصدیق تو اس کا دل بار بار کر رہا تھا۔

"نہیں، یہ کام بہت خفیہ طریقے سے کیا گیا ہے"۔

"سر! مجھے کچھ کام ہے"۔ اس کی بھاری آواز گونجی پھر وہ چلا گیا۔ سر آفتاب بھی کچھ دیر بعد چلے گئے، وہ اُٹھ کر صبوحی کے پاس آ گئی۔

"آؤ بیٹی!" حیدر کی اماں نے اسے قریب ہی بٹھالیا، وہ دونوں خواتین اپنے وقتوں کے قصے لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صبوحی کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، وہ ساس کے پہلو میں بیٹھی خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھی، وہاں بھی اس کی طبیعت نہ بہلی، وہ کتنی دیر تک بے مقصد کمرے میں ٹہلتی رہی اور پھر بھی کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود نیند آنکھوں سے اوجھل رہی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ ٹھنڈی ہوا کے مست جھونکوں سے لمحے بھر کو اس کے اندر پھریری سی اُٹھی مگر اس وقت ماحول کچھ اتنا سحر انگیز ہو رہا تھا کہ وہ غیر معمولی طور پر چادر لپیٹے نیچے سیڑھیاں اُترتی چلی گئی، وہاں اندھیرے میں فسوں خیز چاندنی کا غبار پھیلا ہوا، ہر شے کو اپنی ماورائی گرفت میں سمیٹے ہوئے تھا۔

سیاہ آسمان پر بے شمار ستاروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان کے درمیان چاند فراخ دلی سے اپنی روشنی لٹا رہا تھا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے رُک گئی، آگے کوئی کھڑا تھا، اس کے لباس سے اُٹھنے والی تیز مہک سے وہ سمجھ گئی۔

"یہ کیا حماقت ہے، اس وقت کمرے سے نکلنے کی؟" وہ درشتی سے قریب آ کر مخاطب ہوا۔

……❀……
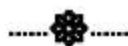
اس کی درشت آواز میں نمایاں کرختگی نے اسے ٹھٹک کر رُک جانے پر مجبور کر دیا اور ساتھ ہی وہ جیسے کسی سحر سے آزاد ہوئی تھی۔

"اینی وے، تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو، ایسی احمقانہ حرکتوں سے"۔ اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"مائینڈ یور لینگویج۔ مجھے اس انداز میں بات سننے کی عادت نہیں ہے"۔ حورین کو اس کے انداز سے اپنی ہتک کا احساس ہوا، وہ غصے سے بولی۔

"آئی ڈونٹ کیئر، یو گو بیک"۔ ذوالنون کی آواز میں سختی و رعونت حد سے زیادہ تھی وہ اس کے مد مقابل آن کھڑا ہوا۔

"کیوں؟ آپ مجھ پر کس وجہ سے رعب جمانے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"یو گو بیک"۔ اس نے گویا کچھ سنا ہی نہ تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی، میں یہاں ماموں کے ساتھ آئی ہوں، حیدر کی گیسٹ ہوں، اگر ان دونوں میں سے کوئی مجھے منع کرے تو میں مانوں گی، ورنہ……آپ سے کوئی……"

"گرلز اسٹوپڈ ہوتی ہیں، یہ صرف میں نے سنا تھا"۔ اس کی بات کاٹ کر وہ چڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔

"لیکن، اس حد تک ہوتی ہے اس کا مجھے اندازہ اب ہوا ہے"۔

اس کے انداز و الفاظ نے اس کے پتنگے لگا دیے۔ اس سرد موسم میں بھی اسے اپنے اندر شعلے سے لپکتے محسوس ہونے لگے۔ غصے کی لہر اتنی زور آور تھی کہ وہ کانپ اُٹھی۔

"اور بوائز کیا ہوتے ہیں؟" وہ سخت مشتعل تھی۔

"عقل کو قفل لگا کر رکھنے والے نہیں ہوتے، استعمال بھی کرتے ہیں"۔

"مائی فٹ...... استعمال بھی کرتے ہیں"۔ اس نے غصے سے دہرایا۔

اشتعال انگیزی کے باوجود ذوالنون کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اس نے اس کی جانب محتاط نظروں سے دیکھا۔ فسوں خیز چاندنی کا خواب ناک غبار ہر سُو پھیلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں میں سبزے کی کسیلی سی مہک جو احساسات کو بوجھل نہ ہونے دے رہی تھی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی وہ بھی اس چاندنی کی ایک کرن دکھائی دے رہی تھی۔

کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح مضطرب، کسی سہانے خواب کی طرح سحر انگیز!

اس کی دودھیائی رنگت میں چاندنی چمک رہی تھی۔ چہرہ تمام دل کشی سمیٹے ہوئے تھا۔ یہ حسین چاندنی وغبار اس کے گلابی سراپے کے لیے اُترا تھا۔

وہ حسن وشباب کا مرقع تھی۔

وہ حُسن پرست نہ تھا۔

مگر پھر بھی نہ معلوم سینے کے اندر کوئی شے پھڑ پھڑا سی رہی تھی۔

"پلیز، میں درخواست کر رہا ہوں، اندر چلی جائیں"۔ وہ گہری سانس لیتا ہوا خلافِ توقع بے حد نرمی سے بولا۔ حورین اس پل، پل موڈ بدلتے شخص کے بارے میں ابھی سوچ نہ پائی تھی کہ یکلخت فضا فائرنگ کی زوردار آوازوں سے گونج اُٹھی۔

☆......☆......☆

خوش شکل و جاذبِ نظر پرسنالٹی رکھنے والے مہران علوی کی بار بار کی کالز نے باالآخر خضریٰ کو ان سے ملنے پر مجبور کر دیا۔ وہ آج پی سی کے دل آویز ماحول میں گرم لباس وسادہ چہرہ لیے اس کے رُوبرو بیٹھی تھی۔ رسمی گفتگو کے بعد خضریٰ نے چپ سادھ لی۔

اس کے اندر کا ٹھہراؤ و متانت اس درجے کی تھی کہ مہران علوی جو ملاقات کی اوّل خواہش سے ہی اپنے اندر جذبوں و آرزوؤں کے لاتعداد گلستان کو مہکتا ہوا محسوس کر رہا تھا اور ان گلوں کی خوشبو اسے پیش کرنا چاہتا تھا مگر سامنے بیٹھی وہ شاداب چہرے واداس آنکھوں والی باوقار لڑکی کے رُعبِ حُسن نے کچھ اس طرح مسحّر کیا تھا کہ وہ جو بہت بے باک وحاضر دماغ تھا، سب فراموش کر کے گاہے بگاہے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بہت اصرار کے باوجود اس نے صرف کافی لینے پر اکتفا کیا۔

خضریٰ کے گریز و اجتناب کو وہ حیا آمیز تکلف سمجھ رہا تھا۔

''زیادہ باتیں کرنے والے لوگ مجھے پسند نہیں ہیں لیکن آپ زیادہ باتیں کریں گی تو مجھے اچھا محسوس ہوگا''۔ خضریٰ جب سے آئی تھی، اس نے صرف کافی پی تھی اور اب نگاہیں جھکائے ٹیبل پر رکھے اس بکے کو دیکھ رہی تھی جو مہران اس کے لیے لے کر آیا تھا یا پھر گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ مہران کو اس نے ایک نظر بھی نہ دیکھا۔

اس کی خاموشی سے گھبرا کر وہ شوخی سے بولا۔

''مجھے باتیں کرنے کی عادت نہیں ہے''۔

''شاید آپ کو مسکرانے کی بھی عادت نہیں ہے''۔

اس نے جھک کر اس انداز سے کہا کہ وہ مسکرانے کے بجائے گڑبڑا کر رہ گئی۔

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، آپ کو میرا اس طرح بلانا پسند نہیں آیا، نہ آپ مجھ سے بات کر رہی ہیں، نہ میری طرف دیکھ رہی ہیں۔ ایک بے حد شاندار ڈنر کا مینیو میں نے اپنے ذہن میں سلیکٹ کیا تھا۔ وہ سب آپ نے ڈراپ کر دیا، کیا آپ اتنی ہی ریزرو رہتی ہیں؟''

''جی ہاں...... میں بائی نیچر ایسی ہی ہوں، آپ مجھے بور اور ڈل بھی کہہ سکتے ہیں۔ لوگ میری کمپنی میں بوریت محسوس کرتے ہیں۔ مجھے ہنسنا، مسکرانا نہیں آتا؟...... بات ابھی آگے نہیں بڑھی ہے، آپ چاہیں تو فیصلہ بدل سکتے ہیں''۔ وہ مدھم لہجے میں بولتی چلی گئی۔

''ارے...... ارے...... مائی گڈنیس! میں نے ابھی قدم بڑھایا بھی نہیں ہے کہ آپ زمین کھینچنے پر کمربستہ ہوگئی ہیں۔ بخدا آپ جیسی بھی ہیں، میں آپ سے دل و جان سے رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں''۔ وہ گھبرا کر گویا ہوا۔

''اب چلنا چاہیے، بہت دیر ہو چکی ہے''۔

''اتنی جلدی؟''

''جلدی کہاں گھنٹہ ہونے والا ہے''۔

''ابھی بہت ساری باتیں کرنی ہیں، فیوچر پلاننگ کرنی ہیں اور ابھی میں نے آپ کو دل بھر کر دیکھا بھی کہاں ہے''۔ اس کے دھیمے لہجے میں جذبوں کی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں۔ نگاہوں کی حدت سے اسے اپنے رخسار سلگتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

''ابھی اَن چھوئے جذبوں کی نقاب کشائی باقی ہے''۔ خضریٰ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔ یہ محبت اور یہ جنون خیزیاں کسی اور کے حوالے سے کی گئی ہوتیں تو وہ سرشاری و مسرت سے جھوم جھوم اُٹھتی۔ یہ سب اسے برداشت کرنا محال تھا۔ وہ یہاں گھر والوں کے بڑھتے اصرار پر چلی تو آئی تھی مگر مہران علوی کی محبت و چاہت بھرے انداز کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''دیر ہو رہی ہے، اب چلنا چاہیے''۔ وہ ایک دم ہی اُٹھ کھڑی ہوئی تو مہران علوی کو بھی جبراً خواہشوں کو دل میں ہی مقید رکھنا پڑا، مگر وہ خوش تھا کہ خضریٰ کے روپ میں اسے اس کا آئیڈیل مل گیا۔

☆......☆......☆

"منال! سارا دن بستر پر گزار دیا ہے، ابھی بھی کسلمندی دور نہیں ہوئی ہے۔ میں بور ہو گئی ہوں، گھر میں پڑے پڑے۔ چلو اُٹھو، ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤ، پھر باہر چلتے ہیں"۔ فائقہ، منال کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو اسے ہنوز بیڈ پر دراز دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"میرا قطعی موڈ نہیں ہے مما، آپ چلی جائیں"۔ وہ جماہی لیتے ہوئے بولی۔

"تمہارے بغیر مجھے کہیں جانا کہاں اچھا لگتا ہے"۔ وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے"۔

"لیزی گرل مت بنو، ہاتھ لو گی تو موڈ بن جائے گا، کم آن گیٹ اَپ ناؤ"۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ طوعاً و کرہاً اُٹھنے پر مجبور ہو گئی۔ فائقہ بیگم کا انداز دوستانہ تھا۔

"ہری اَپ، آج اٹالین فوڈ کھانے کو دل چاہ رہا ہے"۔

"بٹلر کو کہہ دیں اس کو تمام انٹرنیشنل فوڈز کی کوکنگ آتی ہے"۔ اس کی آنکھیں ابھی بھی بوجھل اور آواز خمار آلود تھی۔

"میں نے منع کیا ہے، اتنی ہیوی ڈرنک مت پیا کرو"۔

"میری ٹریجڈی بھی تو اتنی ہیوی ہے مما"۔ اس کے لہجے میں نارسائی کا دُکھ سسکنے لگا۔

"کوئی ٹریجڈی نہیں ہے، کیا کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟ دولت، عزت، گھر۔ خوب صورت وجاہت کرنے والے بیٹے دُنیا کی ہر آسائشات موجود ہیں، اگر حمزہ کی غیر موجودگی کو تم ٹریجڈی کہتی ہو تو یہ بہت بڑی بھول ہے۔ وہ ایک محدود سوچ کا حامل بے حد قدامت پسند شخص تھا۔ ایسے لوگ خود کچھ بھی کریں مگر خود سے وابستہ لوگوں کو اپنی گرفت میں ہی رکھنا پسند کرتے ہیں اگر وہ ہوتا تو تم پابند زندگی گزار رہی ہوتی"۔

"کچھ بھی کہیں مما، میں محسوس کرتی ہوں کہ حمزہ جاتے نہیں تو ان کی سنگت میں رہ کر میں یقیناً اس آسیب سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو جاتی جو آج کل میرے سائے کی طرح مجھ سے جڑا ہے"۔

"مت سوچا کرو اس منحوس شخص کو"۔ فائقہ نفرت انگیز انداز میں بولیں۔

"میں کب یاد کرتی ہوں اسے، وہ تنہائیوں میں خود ہی چلا آتا ہے"۔

"کیوں آنے دیتی ہو اسے خیالوں میں؟ ہونہہ نہ معلوم کیوں بھول جاتی ہو کہ اس نے کیا کچھ نہیں ہمارے ساتھ؟"

"ہم نے اس سے بڑھ کر اس کے ساتھ کیا تھا"۔

منال کے لہجے میں ملال کے ساتھ ساتھ طنز بھی جھلک رہا تھا۔

"وہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا"۔

"جو ہونا تھا ہو گیا، اب کیا دل جلانا، ختم کریں اس ٹاپک کو"۔

ماں کے بگڑتے موڈ کو دیکھ کر اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''خود ہی شروع کرتی ہو اور خود ہی ختم بھی۔ نہ معلوم کب تمہاری یہ دیوانگی زائل ہو گی؟ ایک ڈیڑھ ماہ بعد ضرور تم اس کی یاد میں بے قرار ہونے لگتی ہو۔ مجھے ڈر ہے بچوں کے کانوں تک بھی یہ ذکر پہنچ گیا تو...... بہت بُرا ہو گا۔ ابھی بھی وقت ہے، خود کو سنبھالو، بھول جاؤ اس کو''۔ فائقہ سخت غصے میں تھیں۔

☆......☆......☆

فائرنگ کی پُرشور آوازوں سے خاموش فضا گونج اُٹھی، اسی تناسب سے اس کا دل بھی کانپ کر رہ گیا۔ وہ بے ساختہ گھبرا کر بولی۔

''یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ آوازیں قریب سے آ رہی ہیں''۔

''اسی کا خدشہ تھا، کمرے میں جاؤ''۔ اس کے لہجے میں خوف و ڈر کا شائبہ تک نہ تھا۔

''یہ لوگ کہیں حیدر کے کزنز وغیرہ تو نہیں ہیں؟''۔ ڈر و خوف کے نئے ادراک سے وہ کانپ اُٹھی۔

''ان لوگوں کو شاید معلوم ہو گیا ہے کہ......''

''شٹ اَپ، خود جاؤ گی یا اُٹھا کر لے جاؤں؟''

اس کی بات کے جواب میں وہ غرایا۔ ماحول میں فائرنگ کی آوازیں مزید بڑھ گئی تھیں، کیونکہ حیدر کی حویلی کے اطراف سے بھی جوابی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی مختلف آوازیں تھیں، جن میں بھاگنے دوڑنے کے بھاری قدموں کی آوازیں نمایاں تھیں۔ وہ محافظ تھے جو پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ کچھ دیر قبل ماحول پر چھائی دل کشی و خوب صورتی پر اب رقصِ ابلیس متحرک تھا۔ ہر سُو وحشت و دہشت رقصاں تھی۔

حورین جو پہلے ہی بُری طرح سہم چکی تھی، اس کی بات پر تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے کمرے میں آئی اور کانوں میں اُنگلیاں ڈال کر بیٹھ گئی۔

ذوالنون اسے اس وقت دیکھتا رہا، جب تک اس نے واپس جا کر کمرہ بند نہ کر لیا، وہاں سے وہ سیدھا راہداری کی طرف بڑھا جس سے ملحقہ چھوٹی حویلی تھی جو گاؤں سے باہر کے مہمانوں کے لیے گیسٹ روم کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ وہ راہداری سے نکل کر صحن میں آیا تو حیدر مل گیا۔

''کہاں چلے گئے تھے یار؟'' وہ پریشانی سے استفسار کرنے لگا۔

''لان میں تھا''۔

''لان میں...... چاندنی رات کا مزہ لینے؟'' وہ ہنس کر بولا۔

''یہ چاند اور چاندنی راتیں مجھ جیسے بندے کو اپیل نہیں کرتے ہیں، میں تو یونہی حالات کا جائزہ لینے چلا گیا تھا۔ تم نے دیکھا ہماری فُول پروف پلاننگ نے کیا کام دکھایا ہے''۔ وہ مطمئن لہجے میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"ویٹس فنٹاسٹک یار! تم نے دوستی کے معنی از بر کروا دیے ہیں، اگر تم نہ ہوتے تو نہ معلوم کیا ہوتا؟ پھر ایک بے گناہ لڑکی فرسودہ و خود ساختہ رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ جاتی۔ سونے چاندی کی دیواروں میں مقید اس کی تشنہ آرزوؤں، خواہشوں کی سسکیاں تا حیات اس کے اندر ہی اندر گونجتی رہتیں۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو ذوالنون! خواہشوں و آرزوؤں کا قتل جسمانی قتل سے بڑھ کر ہوتا ہے"۔

"اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہو جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہو جاتا ہے۔ تقدیر قدرت کے ہاتھوں تحریر ہوتی ہے تو تدبیر انسان کرتا ہے۔ تقدیر و تدبیر کی یہ رسہ کشی ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی"۔

اسے سمجھاتے وقت اس کے لبوں پر دھیما تبسم تھا۔

"تم جیسے دوست، پروفیسر آفتاب اور حیدر کی فیملی سب لوگوں نے میری ہی نہیں، میری فیملی کی بھی......"

"او شٹ اپ یار! بے کار کے تکلفات میں مت پڑو، یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟"

اس نے اس انداز میں کہا کہ حیدر جس کی آواز مومنیت سے بھیگ گئی تھی، لمحے بھر میں وہ خود کو سنبھال کر گویا ہوا۔

"جب تک ان کے حوصلے پست نہیں ہو جاتے"۔

"پھر تو یہ ایک طویل مدت لے گا، دولت و اختیارات کی جنگ چھوٹی جنگ نہیں ہوتی ہے"۔ وہ گہرا سانس لے کر کہنے لگا۔

"بالخصوص وہاں، جہاں معاملہ جھوٹی انا و غیرت کا ہو"۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کئی راہ داریوں، صحن عبور کر کے اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں سر آفتاب کرسی پر بیٹھے کسی عمیق سوچ میں گم تھے۔

آہٹ پر وہ چونکے اور انہیں دیکھ کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"شکر ہے رب کائنات کا کہ وہ لوگ یہاں کی حدود سے نکل چکے ہیں"۔ مامون، ہارون، صبوحی اور حیدر کی والدہ کو ان لوگوں نے ڈنر کے بعد ہی روانہ کر دیا تھا، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ عمر دراز کے کانوں میں ہارون اور صبوحی کی شادی کی خبر پہنچ جائے۔ اس خبر کو چھپانے کے لیے ان کو بے حد تگ و دو کرنی پڑی تھی۔ اس دوران عام ملازموں کو چھٹیاں دے دی گئی تھیں۔ قابلِ اعتماد ملازم جو حویلی میں موجود تھے انہیں حویلی سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ رشتے داروں اور گاؤں کے ذی حیثیت لوگوں نے صبوحی کا رشتہ عمر دراز سے نہ کرنے پر پہلے ہی قطع تعلق کر لیا تھا اور ایک طرح سے یہ صبوحی کے حق میں بہتر ہوا تھا جو اس کا کام آسان ہو گیا تھا کہ وہ اب گاؤں کی حدود و عمر دراز کی گرفت سے دور ہو چکی تھی اور دو دن بعد وہ یہ ملک ہی چھوڑ دینے والی تھی۔

پروفیسر آفتاب نے فائرنگ کی آواز سنتے ہی سیل پر مامون سے رابطہ کیا اور معلوم کیا کہ وہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں اور جواباً یہ سن کر وہ گاؤں کی حدود سے بہت دور جا چکے ہیں، انہیں تسلی ہوئی۔

"جی سر! میں نے بھی کنفیکٹ کیا تھا۔ حیدر اور وہ قریب ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حیدر نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"سر! میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ مس حورین کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیں، آپ نے نہیں بھیجا۔ اب یہ گڑبڑ ہو گئی آگے کیا حالات ہوتے ہیں، ہم ان سے بے خبر ہیں"۔ ذوالنون موقع دیکھتے ہی وہ شکوہ زبان پر لے آیا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔

"وہ لوگ سیدھے اپنے گھر نہیں جائیں گے، میں کسی طرح بھی کوئی رسک لینے کو تیار نہیں ہوں پھر حورین کے پیرنٹس سے پرمیشن لیتے وقت ان کو یقین دلایا تھا کہ وہ میری ذمے داری پر جا رہی ہے، واپسی بھی انشاءاللہ میری ذمے داری پر ہی ہوگی۔ صبح ہی ہم نکل چلیں گے"۔

ان کے لہجے میں وہی اطمینان وزری تھی جس نے ان کی شخصیت کو دوست نواز و پُر وقار بنا دیا تھا۔ ان کے لبوں پر ہمہ وقت رہنے والا دھیما تبسم، چہرے پر چھائی مشفق سی روشنی انہیں عام لوگوں میں ممتاز کرتی تھی۔

"اسے لانا بے مقصد ہی ہے"۔ وہ بڑبڑایا۔

"وہ بے مقصد نہیں بہت اچھے مقصد کے لیے لائی گئی تھی۔ صبوحی کو دُلہن بنا کر ایک بہن، ایک دوست کی حیثیت سے لے جانے کے لیے مگر ضروری نہیں ہوتا کہ جو ہم سوچیں وہی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پہچانا ہے۔ شناخت کا ایک لمحہ زندگی بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے جو ہم نے سوچا تھا، وہ نہیں ہوا اب بھی وہی ہوگا جو اس کا حکم ہے"۔

ان کے لہجے میں کوئی طنز نہ تھا مگر ذوالنون خجل سا ہو گیا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ لوگ پہلی بار یہاں آئے ہیں، آپ کی نہ مہمان داری ہو سکی، نہ وہ خاطر و تواضع جو ہماری روایت کا حصہ ہے"۔

"ایک سچی بات بتاؤں؟" ذوالنون حیدر سے گویا ہوا۔

"ضرور"۔ حیدر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"تم بور کرنے لگے ہو"۔ اس کے انداز پر سر آفتاب مسکرا دیئے۔

"میرا مقصد......"

"کچھ بھی ہو تمہارا مقصد۔ ہمیں نوازش، کرم، مہربانی، شکریہ جیسے تکلیف دہ لفظوں سے گھائل نہ کرو، کیونکہ ایسے الفاظ فرینڈشپ کو کند چھری سے حلال کرتے ہیں"۔

"اوکے، کافی بنواتا ہوں"۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اسی وقت اس کے والد خاصے گھبرائے ہوئے حواس باختہ سے اندر داخل ہوئے۔

"کیا ہوا پپا!" ان کی بدحواس و متغیر صورت دیکھ کر وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔ حیدر ان سے استفسار کرنے لگا۔

مگر وہ اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ جواب دینے کے بجائے ہکلا کر رہ گئے۔

"خیریت نہیں ہے"۔ وہ بمشکل کہہ پائے۔

☆......☆......☆

رات کا نہ معلوم کون سا پہر تھا جب ایک دم ہی کرن خواب سے جاگی تھی، بہت ڈراؤنا خواب دیکھا تھا انہوں نے، دل کی رفتار بری طرح غیر متوازن تھی۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار تھے۔ ہاتھ پیروں میں بُری طرح سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو کرن!'' برابر میں سوئے ہوئے انس صاحب جو ابھی نیم غنودگی میں تھے، ان کے اس طرح اُٹھ کر بیٹھنے سے وہ متفکر انداز میں گھبرا کر اُٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''پا.....نی''۔ بمشکل تمام ان کے لبوں سے نکلا۔ انس صاحب نے سائیڈ میں رکھے جگ سے گلاس میں پانی نکال کر انہیں دیا اور خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ پانی پی کران کے حواس درست ہوئے تو بولیں۔

''بہت بُرا خواب دیکھا ہے میں نے۔ خدا میری بچی کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے''۔ ان کا لہجہ کانپ رہا تھا۔

''خواب محض خواب ہوتے ہیں بیگم! ان سے ڈرنا چھوڑ دو، سو جاؤ۔ ہماری بیٹی خیریت سے ہے کچھ گھنٹے قبل ہی تو بات کی تھی ہم نے''۔

وہ ان کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے دلاسہ دینے لگے۔

''نہیں خواب ہمیں آنے والے حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی تنبیہہ ضرور کرتے ہیں، آگاہی دیتے ہیں۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اس انداز میں میرا دل بہت دنوں بعد بے چین ہوا ہے۔ وہ بھی حورین کے حوالے سے، میری بچی کسی مصیبت میں ہے''۔ وہ رونے لگیں۔

''اُفوہ! یہ کیا توہم پرستی ہے یار، یہ کیا بات ہوئی۔ یہ وسوسے وہم پیدا کرنا ہمارے نفس کی شیطانیت ہوتی ہے دیکھو..... شیطانوں کی انسانوں سے نفرت و بغض کا اندازہ محض اس امر سے لگالو کہ وہ بیٹھے بٹھائے ایسے وسوسے ذہنوں میں ڈال کر مسرت محسوس کرتا ہے، اس لیے جب بھی ایسے وسوسے آئیں تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا کرو''۔

وہ رسانیت سے اسے سمجھانے لگے۔

''لیکن..... حورین کے ہی متعلق کیوں؟''

''اس لیے کہ وہ ہم سے دور رہ ہے اور یہ دوری وسوسوں کے لیے بہت ہے''۔

''میں آپ کی بات مانتی ہوں، ایسا اکثر اوقات ہوتا ہے مگر کوئی بات ہے ضرور......'' ان کی طبیعت بے حد مضطرب تھی۔

''سونے کی کوشش کرو پلیز''۔ وہ لیٹ گئیں، انس کافی دیر تک ان کے بالوں میں آہستگی سے اُنگلیوں سے مساج کرنے لگے۔

عام حالات میں کرن اس عمل سے منٹوں میں پُرسکون نیند سو جایا کرتی تھیں مگر اس وقت وہ بُری طرح خواب کے زیرِ اثر بے چین و بے کل تھیں۔ خواب اپنی پوری جزئیات سمیت ان کے حواسوں پر متحرک تھا۔

جنگل بیابان میں انہوں نے حورین کو بے حس و حرکت پڑے دیکھا تھا۔ قریب بھیانک چہرے والے گدھوں کے غول اس کی

جانب بڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ چیخ مار کر جاگ گئی تھیں، جب سے اب تک ان کے اندر کی بے سکونی کو قرار نہ تھا۔

انس صاحب کے آرام کے خیال سے وہ سوتی بن گئی تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ وہ گہری نیند میں ڈوب چکے ہیں تو آہستگی سے اُٹھ کر کمرے سے نکل کر ٹیرس پر چلی آئیں۔

رات پوری طرح تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ماحول میں خوشگوار قابلِ برداشت ٹھنڈک تھی۔ ہوا دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ سیاہ آسمان پر چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا، انہوں نے کئی گہرے گہرے سانس لے کر اندر کی گھٹن کو باہر نکالا۔

اس ٹھنڈی ہوا اور پُرسکوت ماحول نے بھی ان کی گھٹن و بے چینی کو فرو نہ کیا۔ وہ گھائل پرندے کی طرح اِدھر اُدھر چکر لگاتی رہیں۔ بار بار حورین کا چہرہ ان کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔

بند آنکھیں

بے حس وحرکت چہرہ۔

ساکت وجود۔

اور اس کے قریب بڑھتے ہوئے گدھ، وہ خوف ودہشت سے کانپ اُٹھیں، لاحول پڑھنے لگیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی پھر بڑھ گئی تھی۔

اس لمحے انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو بی بی جان نماز کی چادر باندھے ان کے قریب چلی آئیں۔

"بی بی جان! بی بی جان! میں نے بہت بُرا خواب دیکھا ہے"۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے بولیں۔

بی بی جان انہیں بازو کے گھیرے میں لیے اپنے کمرے میں چلی آئیں۔

"ہمیشہ یاد رکھو، خواب کیسا بھی ہو، کبھی بھی اسے بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ بُرے سے بُرے خواب کو بھی اچھا ہی تصور کرنا چاہیے"۔

ان کے قریب بیٹھ کر وہ ناصحانہ انداز میں گویا تھیں۔

"کیوں بی بی؟"

"ہمارے ذہنی ارتکاز کا سوچوں پر گہرا نقش ہوتا ہے جو ہم اپنے اندر سوچ لیتے ہیں، اس کا ردعمل ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ ہماری ذہنی قوت بہت طاقتور ہوتی ہے، اب پُرسکون ہو کر سوچو، کچھ بھی نہیں ہے، حورین بالکل خیریت سے ہے اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چلو وضو کر کے آؤ، تہجد کا وقت ابھی ہے۔ نماز ادا کرو اور دُعا مانگو، دعا میں بڑی طاقت ہے۔ برائی کو ٹال دیتی ہے، آؤ۔ یہ تہجد کا وقت تو ویسے بھی دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے"۔

ان کی پُراثر باتوں نے کرن کی متوحش حالت میں کچھ کمی کی تھی، وہ اُٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

"کیا ہوا انکل! آپ گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" ذوالنون نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"عمر دراز کا پیغام آیا ہے، وہ برادری کے بزرگوں کو لے کر یہاں آنا چاہتا ہے"۔ ان کے سرخ و سفید چہرے سے سخت تفکر جھلک رہا تھا۔

"کیوں؟ وہ کیا کرے گا یہاں آ کر"۔

حیدر کے چہرے پر غصے کی سرخی چھلکنے لگی۔

"یہ بات یقینی ہے کہ ان کو یہاں کے متعلق معلومات مل چکی ہیں"۔

پروفیسر آفتاب زمان نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

"جی ادا! یہی بات ہے"۔

"جب ہم ان سے سب تعلق توڑ چکے ہیں، بلکہ ابتدا انہوں نے کی تھی اور ان کے ساتھ تمام برادری کے افراد شامل ہیں۔ تعلقات توڑنے کے بعد وہ لوگ اب کس حیثیت سے آ رہے ہیں اور کیوں آ رہے ہیں؟"

"جس طرح دریا میں مگرمچھ کی حکومت چلتی ہے۔ اب کوئی چاہے یا نہ چاہے، سب کو اس کا تابع ہونا پڑتا ہے۔ یہی حال ہمارا ہے، عمر دراز ایک ایسا ہی مگرمچھ ہے اور اس کا ہی قانون چلتا ہے، ایک مدت سے شہر میں رہ کر تم یہاں کے طور طریقے بھول چکے ہو"۔ وہ حیدر سے مخاطب تھے۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، اس مگرمچھ کی موت ہی اس گاؤں کی نجات کا باعث ہوگی، میں اسے اپنے علاقے کی زمین پر قدم رکھنے نہیں دوں گا"۔

حیدر جو صبوحی کے معاملے میں پہلے ہی رنجیدگی کا شکار تھا کہ اکلوتی بہن کی جس عجلت و مجبوری میں آناً فاناً شادی کرنی پڑی۔ تمام اس کی شادی کے حوالے سے سوچی گئی تمنائیں خاک ہوئیں۔ آرزوئیں ملیامیٹ ہوئیں، وہ آنسو جو وقت رخصت وہ اپنے اندر اُتار گیا تھا۔ عمر دراز کے ہٹ دھرم پیغام نے انہیں بھڑکتے شراروں میں تبدیل کر دیا۔ وہ شدید غیض و غضب میں دروازے کی سمت بڑھا۔ ذوالنون نے آگے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر بٹھا دیا۔

"جوش میں کام اُلٹے ہوتے ہیں، سنبھالو خود کو"۔

"مدت ہوگئی یار! یہ بے سروپا رسم و رواج برداشت کرتے کرتے"۔

"حیدر! یہ وقت حکمتِ عملی کا ہے جذباتیت کا نہیں"۔

پروفیسر آفتاب نے بھی اسے رسان سے سمجھایا۔

"سر! مجھ سے برداشت نہیں ہوتا جس طرح سے میں نے صبوحی کو رخصت کیا ہے، میں جانتا ہوں ایسی شادی تو کسی یتیم و بیسر لڑکی کی بھی نہیں ہوتی، جس طرح میری بہن کی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہوئی اس کی ہمت دیکھیں کہ کس ہٹ دھرمی سے یہاں آ کر یہ دیکھنا

چاہتا ہے کہ اسے ملنے والی معلومات درست ہیں یا غلط؟''

حیدر کی اشتعال انگیزی کم نہیں ہو رہی تھی۔

''صبوحی تمہاری بہن ہی نہیں، میری بیٹی بھی ہے، اس کی خوشیاں دیکھنے کی میری بھی بہت چاہ تھی، اس کی ماں نے کس طرح صبر کیا ہے اور کس دل سے رخصت کیا ہے۔ جانے کے بعد سے بار بار وہ بے ہوش ہو رہی ہے۔ یہ سب ہم نے صبوحی کی بہترین زندگی و پائیدار خوشیوں کے لیے ہی کیا ہے۔ میں عمر دراز سے کمزور نہیں ہوں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہتا ہوں، مگر وہ میرا خون ہے۔ میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہے، کس طرح سے میں اپنے خون کو اپنی آنکھوں سے رائیگاں ہوتے دیکھ سکتا ہوں؟ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ آپ بتائیں ادا! میری سوچ غلط ہے؟''

وہ حیدر کے بعد سر آفتاب سے مخاطب ہوئے۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں اصغر صاحب! برائی کا جواب برائی سے دینا مرد مومن کے شایان شان نہیں ہوتا، بہادری تو صبر و استقلال میں ہے''۔

سر آفتاب تو خود خلوص و ایثار کی مٹی سے بنے تھے، ان کی تو فطرت ہی بھائی چارگی و بے لوث پیار و محبت کو فروغ دینے والی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے متاثر کن انداز میں کہا۔

''یہ میری برادری اور میرا خون ہے، ان سے کس طرح سے نمٹا جا سکتا ہے، یہ تدبیر میں خود کروں گا مگر...... اس وقت مسئلہ ہے آپ لوگوں کی یہاں موجودگی کا، آپ جو ہمیں عزیزوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ آپ لوگوں نے وہ کیا جو اپنے نہیں کرتے۔ آپ کی محبت ہمارے دلوں میں ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ہم نہیں چاہیں گے کہ آپ لوگوں پر معمولی سی بھی آنچ آئے۔ آپ لوگوں کی موجودگی میں، میں ان لوگوں کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ کے جانے کے بعد ہی ان سے کوئی مذاکرات ہوں گے''۔ ان کا لہجہ بے حد الجھا ہوا تھا۔

''پپا! ہم کسی سے کوئی مذاکرات نہیں کریں گے''۔

حیدر کا لہجہ مودب تھا مگر اشتعال انگیزی فرو نہ ہوئی تھی۔

''حیدر! آپ کا اس معاملے میں بولنا مناسب نہیں ہے، آپ کے والد حالات کے مطابق فیصلہ کریں گے جو بہتر ہوگا۔ آپ اپنی اشتعال انگیزی و جذباتیت پر قابو رکھیں جو بے حد ضروری ہے''۔

''ہم اسی وقت یہاں سے نکل جائیں تو بہتر نہ ہوگا سر؟'' ذوالنون نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ کیا بات کی تم نے؟ یہ ممکن نہیں۔ ہم اس طرح ان حالات میں اپنے محسنوں کو نہیں جانے دیں گے''۔ حیدر کے والد نے فوراً کہا۔

''پپا درست کہہ رہے ہیں، رات کے اس وقت اور ایسے حالات میں ہم تم کو نہیں جانے دیں گے''۔ حیدر نفی میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"ذوالنون کی بات درست ہے اصغر صاحب! ہمیں اس وقت یہاں سے نکل جانا چاہیے، جس انداز سے باہر فائرنگ ہو رہی ہے، محسوس ہوتا ہے انہیں شاید آپ کے انکار و اقرار کی ضرورت نہ ہوگی، اگر وہ یہاں ہماری موجودگی میں آ گئے تو آپ کی مشکلات مزید بڑھ سکتی ہیں اور ہم نہیں چاہیں گے کہ ہماری وجہ سے آپ کی پریشانیوں میں وسعت ہو"۔

سر آفتاب کا انداز حتمی تھا جس سے ان باپ بیٹے کے چہروں پر تفکرات بڑھنے لگے۔ وہ شرمسار و خجل دکھائی دینے لگے۔

"آپ بے فکر رہیں سر! کسی میں ہمت نہیں ہے جو بغیر اجازت اس دہلیز پر قدم بھی رکھ سکے، یہاں دشمن کا پرندہ بھی پر مارنے کی جسارت نہیں کر سکتا ہے"۔

"آپ پریشان مت ہوں، جو ہوگا دیکھا جائے گا، ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے، یہ ہماری عزت و آن کا مسئلہ ہے"۔ اصغر صاحب بھی روکنے پر مصر تھے۔

"سر آپ کے ساتھ مس حورین بھی ہیں"۔ حیدر انہیں جانے پر بضد دیکھ کر آہستگی سے بولا۔ اصغر صاحب بھی ان کے مضبوط دلائل کے آگے خاموش ہو گئے۔ وہ ہر خطرے و مصائب سے ان کی خاطر ٹکرانے کو تیار تھے مگر پروفیسر آفتاب اور ذوالنون کے آگے انہیں جلد ہی سرینڈر کرنا پڑا اور انہیں اجازت دینی پڑی۔

"پریشان مت ہو حیدر! حورین ہمارے ساتھ ہی جائے گی، اللہ مالک ہے۔ مجھے اُمید ہے ایسی کوئی بات نہ ہوگی جو پریشانی کا سبب بنے"۔

"او کے سر! جو آپ نے کہا وہ سر آنکھوں پر مگر میں کسی طور آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا۔ آپ کو حدود سے باہر تک بحفاظت چھوڑ کر آؤں گا، یہاں آپ کا کوئی اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا"۔

یہاں پر ان کی ایک نہ چلی، وہ ایک الگ گاڑی میں محافظوں کے ہمراہ نکلے تھے۔ پہلی گاڑی میں محافظ تھے اور دوسری لینڈ کروزر ان کی تھی، گاڑی حیدر ڈرائیو کر رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر ذوالنون تھا، بیک سیٹ پر پروفیسر اور حورین تھے۔ دونوں گاڑیاں دوسرے راستے سے جا رہی تھیں، ان کے درمیان خاموشی تھی۔ وہ تینوں نہ معلوم کن سوچوں میں گم تھے۔ ان سے قطع نظر حورین بری طرح خوف و دہشت کا شکار تھی۔ حالات کی ایسی سنگینی کا اسے ادراک نہ تھا۔ اسے ذوالنون نے ہارون و مامون وغیرہ کی روانگی کا نہیں بتایا تھا اور اس فائرنگ سے وہ یہی سمجھی کہ یہ ان پر اٹیک کیا گیا ہے۔ اسی خیال نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے اور وہ بے اختیار ان کے خیریت سے رہنے کی دعائیں مانگنے لگی۔ فائرنگ بہت شدت سے کی جا رہی تھی، اس کی جان ان ہنگاموں سے نکلنے لگی۔

حیدر کے ہمراہ سر آفتاب اس کے روم میں آئے، ان کی زبانی وہ حالات سے باخبر ہوئی۔ صبوحی، ہارون وغیرہ کی بخیریت روانگی کا سن کر اسے طمانیت ہوئی تھی گو کہ وہ جس مقصد کے لیے لائی گئی تھی، وہ ادھورا رہا تھا مگر صبوحی کی رخصتی سب سے اہم کامیابی تھی۔

گاڑیاں پوری رفتار سے کچے پکے راستوں پر بھاگے جا رہی تھیں، حیدر نے احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسرے راستے کا انتخاب

کیا تھا جو دشوار گزار ہونے کے باعث عام گزرگاہ نہ تھی اور محفوظ تھی۔

گاڑی میں ہیٹر ہونے کے باعث سردی کا احساس نہ تھا۔باہر دونوں جانب پھیلے ہوئے ٹیلوں اور قد آور جھاڑیوں پر ٹھٹھرتی ہوئی چاندنی پھیلی ہوئی بے حد پُر اسرار روح سوز لگ رہی تھی۔

"انسانی ذہن و مزاج بھی کتنی سرعت سے اپنے احساسات بدلتے ہیں، چند گھنٹے قبل جب میں نے حیدر کی حویلی میں ستاروں کے جھرمٹ میں چمکتا ہوا چاند دیکھا تھا تو اس کی فسوں خیز چاندنی نے کس طرح دل کو مسحور کر دیا تھا۔ ہر شے چاندنی کے غبار میں چھائی ہوئی کس قدر ماورائی و دل کش لگ رہی تھی کہ خود اس مقدس چاندنی کا حصہ بن جانے کو دل چاہتا تھا اور اب محض چند ہی گھنٹوں میں یہ سب کس قدر خوفناک لگ رہا ہے"۔ وہ گلاس ڈور سے باہر جھانکتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

ذوالنون چوکنا انداز میں بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا جہاں تاریکی کی دبیز چادر کو چاندنی کا نازک سا سراپا چاک کرنے میں ناکام تھا۔

ماحول پر پر ہول سکوت طاری تھا۔

ایک ایسی جامد خاموشی جو کسی طوفان کی آمد کا پتا دیتی ہے۔

کچھ تھا۔

کچھ ہونے والا تھا۔

کیا ہونے والا تھا؟

اس سے وہ قطعی لاعلم تھا مگر چھٹی حس برابر مضطرب تھی وہ کسی خطرے کی نشان دہی کر رہی تھی، مطلع کر رہی تھی اور اسی دم باہر پھیلے ہوئے بے ترتیب جھاڑیوں و ٹیلوں سے فائرنگ کی گئی۔

حملہ اتنا اچانک و شدید تھا کہ آگے چلنے والے محافظوں کو فوراً سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور انہیں فوراً ہی اپنے بچاؤ کے لیے جھکنا پڑا۔ حیدر کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ بے قابو ہو چکا تھا اور گاڑی نشیب کی جانب بڑھنے لگی۔ اسی وقت حورین کی جانب کا دروازہ کھل گیا اور وہ چیختی ہوئی نشیب کی گہرائی میں گرتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

بے تحاشا تجھے یاد کیا
اور بھلایا بھی بہت ہے تجھ کو
ساری رونق ہی تیرے دم سے ہے
اور تیرے بکھرے ہوئے غم سے ہے

جس قدر

میں نے تعلق تیرا محسوس کیا

اتنی گہرائی تو روحوں میں ہوا کرتی ہے

جس قدر

میں نے تیری ذات کو خود میں پایا

اتنی یکتائی کہاں ممکن ہے

فاصلے وقعتیں کھو بیٹھتے ہیں

دوریاں پھیکی پڑیں

اتنی شدت سے تجھے سوچا ہے

اتنی شدت سے تجھے چاہا ہے

شدتیں عشق کی معراج ہوا کرتی ہیں

کونین نے کار پورچ میں کھڑی کی اور پھر فوراً ہی باہر نکلنے کے بجائے ڈرائیونگ ڈور کے لاک پر ہاتھ رکھے اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا جو یہاں آنے کے ارادے سے ہی بوجھل و بے سکون ہو گیا تھا، آج حمزہ نے کال کی تھی اور بتایا تھا کہ دادو انہیں بہت یاد کر رہی ہیں، وہ فرصت ملتے ہی آ جائے۔ سو وہ آفس سے سیدھا یہیں چلا آیا اور آ کر وہ اس کے سامنے کے خیال سے دل گیر تھا۔

"السلام علیکم کونین بھائی! کیا بات ہے اندر جانے کا کیا راستہ بھول گئے ہیں۔ چلیں آئیں، میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں"۔ خضر جولان کے آخری حصے میں ایکسر سائز کر رہا تھا۔ دس منٹ کا عرصہ گزارنے کے باوجود جب کونین کو کار سے نہ نکلتے دیکھا تو قریب آ کر کھڑکی میں منہ ڈال کر گویا ہوا۔

"اوہ...... ایسی کوئی بات نہیں ہے، دراصل مجھے آفس کا ایک اہم کام یاد آ گیا۔ میں سوچ رہا تھا، ابھی جاؤں یا کل پر چھوڑوں؟"

خضر کو دیکھ کر وہ خجل سا ہو گیا اسے بات بنانی پڑی۔

"اب کل پر ہی چھوڑیں، آفس ٹائمنگ ویسے بھی ختم ہو چکی ہے"۔ وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

حسب معمول اس کا استقبال اسی محبت وخلوص سے کیا گیا جو اس گھر کے مکینوں کا وطیرہ رہا تھا۔

اس خلوص مروت میں ڈوب کر روح پر لگے زخم بھی مندمل ہونے لگتے تھے۔

"یہ کیا حالت بنائی ہے؟ کس قدر کمزور ہو گئے ہو، اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے"۔ راحیلہ بیگم کا دل آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے بہنے لگا۔

"دادو! آپ روئیں مت، میں بالکل ٹھیک ہوں"۔

"کیا ٹھیک ہو؟ صحت دیکھی ہے اپنی؟" اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھامے راحیلہ بیگم گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"ایسی کوئی پرابلم نہیں ہے، آپ میری فکر نہ کیا کریں"۔ اس نے محبت سے ان کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے کہا۔

"کیسے نہ کروں، تمہارا باپ جیتے جی مارا گیا، زیادتیاں میں نے کی تھیں، سزا کی صرف میں ہی مستحق تھی مگر وہ سب کو سزا دے گیا۔ اپنے لیے بھی آزمائش بھری سزا چنی اس نے۔ روح گھائل کر لی اس نے اپنی اور ابھی تک اس کا پتا نہیں ہے، اسے خیال بھی نہیں ہے کہ کوئی کس بے قراری سے اس کی راہ تک رہا ہے"۔

قطرہ قطرہ آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ لہجے میں حزن و سوز کی مضطرب کر دینے والی آگ دہک رہی تھی۔

"آپ دُعا کیا کریں دادو، آپ کی دعائیں انہیں ضرور ایک نہ ایک دن لے کر آئیں گی"۔ باپ کے ذکر پر اس کے چہرے پر سایہ سا لہرانے لگا۔ شفیق و نرم مزاج باپ کو وہ کبھی بھلا نہ سکا تھا مگر جب سے ماں اور نانو کے نفرت بھرے عزائم اس گھر کے لوگوں کے خلاف باتیں اس پر آشکارا ہوئی تھیں، تب سے اسے احساس ہوا تھا کہ حمزہ نے انہیں اس طرح چھوڑ کر بہت بڑی زیادتی کی ہے، وہ ساتھ ہوتے تو آج خضریٰ اس کی دسترس سے دور ہونے کی بجائے پہلو میں ہوتی اور پھر خزاں بہاروں کے پیراہن اوڑھ کر اس کی حیات کا حصہ ہوتی۔

بعض اوقات ایک غلط فیصلہ کئی زندگیوں کو تباہیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے، جہاں خواہشیں حسرتوں کا روپ دھار لیتی ہیں اور پھر حسرتیں تاحیات ضدی بچے کی طرح ہمکتی رہتی ہیں، بلکتی رہتی ہیں۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ دادو کی ماضی کی زیادتیوں کا تاوان بھگتنا پڑ رہا ہے یا ماں کی لغزشوں کی ادائیگی ہے یا باپ کی جذباتیت کی سزا ہے۔ غلطیوں کے خطاکار کچھ لوگ تھے، سزا سب کو مل رہی تھی۔

"میرا دل، میرے لب، ہر دم دعا گو رہتے ہیں بیٹا! اچھا یہ بتا گھر میں سب کیسے ہیں؟ بہو، فائقہ اور تمہارے نانو، وہ تو آج کل بہت مصروف ہوں گے۔ الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں اور وہ چھوٹا کیسا ہے؟ اس کو تو فرصت ہی نہیں ملتی کہ آ کر دادو کو ایک نظر دیکھ ہی لے"۔ وہ فرداً فرداً سب کی خیریت معلوم کر کے بڑے پیار بھرے لہجے میں ذوالنون کے بارے میں استفسار کرنے لگیں۔

کونین بھی سب کی خیریت سے مطلع کرتے ہوئے ذوالنون کے بارے میں بتانے لگا، وہ ٹھیک ہے اور آج کل اپنی دوست کے ہمراہ گاؤں کی سیر کو گیا ہوا ہے۔

"شکر ہے حمزہ کی جدائی کے دُکھوں سے وہ خود کو نکال کر دُنیا کے ہنگاموں میں مگن تو ہے، ورنہ مجھے بڑی فکر رہتی، اب تم کہو گے میں نے فکر فکر کی رٹ لگا رکھی ہے، پھر کیا کروں عمر کے اس حصے میں آ کر انسان فکر و دعا ہی کر سکتا ہے"۔

"آپ کی دعا اور آپ کی فکر ہماری زندگی کے قیمتی ترین اثاثے ہیں، کبھی زندگی کی اُلجھنوں میں اُلجھ بھی گئے تو دل میں یہ یقین کا دیا روشنی دکھاتا رہے گا کہ کسی کے لب ہمارے لیے دُعا گو ہیں، مایوسیوں سے نکالنے کے لیے"۔

"کونین بھائی! مما پوچھ رہی ہیں ڈنر میں کیا لیں گے آپ؟"

اریبہ چائے دیگر لوازمات کے ساتھ ٹرالی میں رکھ کر لے آئی۔

"ڈنر تو میں کروں گا لٹل گرل!" وہ اسے دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

"اتنے عرصے بعد آئے ہو ایسے ہی تھوڑی جانے دے گی بہو پھر تمہارے چچا بھی بہت یاد کر رہے تھے، ان سے مل کر جانا"۔

"اوکے دادو! مگر اتنا کچھ کھانے کے بعد اب کھانے کی گنجائش کہاں رہے گی"۔

اریبہ کو پلیٹ میں لوازمات بھرتے دیکھ کر وہ بولا۔

"آپ بھی کیا خضر کی آپی کی طرح ڈائٹ کونشس ہیں۔ آپی کو بھی اپنی اسمارٹ نیس کی بڑی فکر رہتی ہے، حالانکہ میرا دعویٰ ہے آپ جیسے لوگ پھیل بھی جائیں تو بھی خوب صورت ہی لگیں گے"۔ دادو کے بعد اس نے لوازمات سے بھری پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شوخی سے کہا۔

اسی لمحے مسکراتی ہوئی صنوبر بیگم اندر داخل ہوئیں۔

"میں نے سوچا آج شام کی چائے آنٹی کے روم میں ہی پی جائے"۔

وہ خوش دلی سے کہتی ہوئیں ساس کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

"جگ جگ جیو بہو! ہر گھر میں تم جیسی بہو ہو تو گھر اسی طرح جنت کے گہوارے بن جائیں، رشتوں کو توڑنے اور جوڑنے میں بڑا کردار عورت کا ہی ہوتا ہے اور جس طرح سے تم نے ہمارا دل، اپنی خدمت گزاری و محبت سے تسخیر کیا ہے، ایسا اس دور میں بہت کم لوگ کرتے ہیں"۔

انہوں نے محبت پاش نگاہوں سے صنوبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب آپ کی محبت ہے جو آپ نے مجھے ساس ہوتے ہوئے بھی ماں کی طرح محبت دی ہے، ورنہ اپنی امی کی ڈیتھ کے بعد تو میں سمجھی تھی کہ انمول محبت کا یہ خزانہ چھن چکا ہے، اب کبھی نہیں ملے گا۔ ہم عمر کے کسی بھی دور میں پہنچ جائیں، ہمیں ماں جیسی پُرنور ہستی کی ضرورت رہتی ہے"۔

"ارے میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر؟ اندر داخل ہوتے ہوئے خضر نے رک کر حیرانگی کی ایکٹنگ کی۔

"شیر اور بکری مجھے کہیں نظر نہیں آرہے البتہ گیدڑ ضرور میرے سامنے کھڑا ہے۔" اریبہ کے کہنے پر ان کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"جنگلی بلی! میرے معاملے میں اپنی سارس جیسی ٹانگ نہ اڑایا کرو، اگر مجھے تمہارے ایئر رنگز کا خیال نہ ہوتا تو کب کے تمہارے کان کاٹ چکا ہوتا۔ مما یہی کہتی ہیں اگر اس کے کان کاٹ دو گے تو ایئر رنگز کیسے پہنے گی، پھر جنگلی بلی سے کان کٹی بندریا بن جائے گی"۔ وہ دھپ سے کونین کے برابر میں بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"ذرا بھی تم لوگوں میں عقل نہیں ہے، موقع ملا اور شروع ہو گئے۔ میں نے تمہیں خضر کو لینے بھیجا تھا"۔ صنوبر نے دونوں کو ڈانٹا۔

"ان کی کال راستے میں ہی آ گئی تھی، وہ لیٹ نائٹ آئیں گی، کئی ایمرجنسی کیسز آئے ہیں، بھائی بھی لیٹ آئیں گے، پپا آ جائیں گے"۔

"بھابی گھر میں نہیں ہیں؟" حمزہ کے ذکر پر اسے یاد آیا"۔ وہ آج ہی اپنے میکے گئے ہیں"۔

"کچے قیمے کے کباب اور پراٹھے کھانے ہیں آنٹی!" وہ جس سے فرار چاہ رہا تھا اس سے سامنا ہونے کا امکان نہ رہا تھا۔ وہ بشاش لہجے میں بولا۔

"بریانی اور کڑاہی گوشت بھی تیار کر رہی ہو، سویٹ ڈش کیا بناؤں؟" صنوبر اس کی فرمائش پر کھل ہی گئیں۔

"فرنی!"

"فرنی! یہ تو خاص ڈش نہیں ہے، کچھ اور بتائیں"۔ خضر نے کہا۔

"میرے لیے خاص ہے، کیونکہ آنٹی بنائیں گی"۔ اس نے سینڈوچ کھاتے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہو، رس ملائی کے دو پیکٹ بھی رکھے ہیں، اریبہ نے جیلی بھی بنائی ہے"۔

"اریبہ کے ہاتھ کے بنے کھانے کھانا، خود کو سزا دینے کے مترادف ہے"۔

"مت کھانا کونین بھائی تو کھائیں گے"۔ وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی۔

"پھر قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ ملازمہ نے آ کر بتایا کہ مہران علوی اپنی ممی کے ساتھ تشریف لائے ہیں، راحیلہ بیگم کی بے ساختہ نظریں کونین کے رنگ اُڑتے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

☆......☆......☆

اس اچانک افتاد سے وہ سنبھلے تھے۔ گاڑی بے قابو ہونے کے باعث آگے بڑھتی گئی اور اس سے قبل کہ وہ کوئی تدبیر کرتا اس کی سائیڈ کا دروازہ جھٹکوں کے باعث کھلا اور وہ بھی کسی بال کی طرح لڑھکتا ہوا نیچے گرنے لگا اور لڑھکتا ہی چلا گیا کیونکہ گاڑی ریگستانی علاقہ عبور کر رہی تھی۔ وہ لڑھکتا ہوا کسی چیز کو پکڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا مگر ہاتھ میں صرف خشک پودوں کی ٹہنیاں آ رہی تھیں جو سہارا بننے کے بجائے خود بے وزن ہو کر اس کے ہاتھ میں آ رہی تھیں، گرتے گرتے وہ ایک جگہ رُک گیا، جہاں ریت کا دریا سا تھا۔ وہ کئی لمحوں تک اسی طرح بے حس و حرکت لیٹا رہا، اس وقت ہوش و حواس گویا گم ہو کر رہ گئے تھے۔

کتنی دیر وہ یوں ہی چت پڑا آسمان کی بدلتی رنگت کو دیکھتا رہا، جہاں آخری پہر کے ستارے سست روی سے منزل کی جانب مائل بہ پرواز تھے۔ ٹھہرا ہوا چاند بھی گویا ساری رات چاندنی لٹا لٹا کر اب تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا۔ ماحول میں خاموشی تھی اور ہوا میں بوجھل پن پنہاں تھا۔

معاً اس کا شعور بیدار ہوا تو چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اپنے چاروں طرف اسے ریت ہی ریت دکھائی دے رہی تھی، وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا، اس کی نظریں اِرد گرد کا جائزہ لے رہی تھی جہاں دم توڑتی رات کی سیاہیاں وحشت پھیلا رہی تھیں۔ وہ ایک بلند ٹیلے سے لڑھکتا ہوا آیا تھا۔ جسم میں خاصی چوٹیں بھی آئی تھیں مگر اس وقت اسے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی کہ وہ کہاں ہیں اور ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے......ان سے تو وہ بے خبر تھا، البتہ حورین کو اس نے خود گرتے دیکھا تھا۔ اس کا خیال آتے ہی وہ برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگا۔

اس صحرائی علاقے میں کئی گھنٹے سرگرداں رہنے کے بعد بھی وہ نہ حورین کو ڈھونڈ پایا اور نہ ہی حیدر اور سرآفتاب کے متعلق جان پایا۔

رات دھیرے دھیرے اپنا سیاہ آنچل سمیٹ چکی تھی۔

نیلے اُفق کے کناروں سے صبح صادق کی روپہلی سرخیاں نمایاں ہو رہی تھیں، پرندوں کی چہکاروں سے فضا گونج رہی تھی۔

نہ معلوم کتنا سفر طے کرنے کے بعد اسے کسی گاؤں کے آثار دکھائی دیے۔ سامنے کھیت تھے اور کھیتوں کے درمیان کچا راستہ بنا ہوا تھا۔ سورج کی سنہری روشنی آہستگی سے پھیل رہی تھی، وہ حوصلوں کو سنبھالے آگے بڑھتا رہا۔ دائیں جانب ایک چھوٹی سی پرچون کی دُکان نظر آ رہی تھی۔ کھیتوں میں خاصے فاصلے پر ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔

وہ دُکان کے قریب چلا آیا، اندر ایک باریش شخص تخت پر بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ ذوالنون کو دیکھ کر انہوں نے آیت پوری کر کے قرآن کو جزدان میں چوم کر ریک کے اوپر رکھا اور آنکھوں پر عینک درست کرتے ہوئے دُکان سے باہر آئے۔ وہ تجسس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"السلام علیکم"۔ اس نے اس کی جھجک محسوس کر کے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، آپ......کو پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔

"جی، میں یہاں اجنبی ہوں، ایک حادثہ مجھے یہاں لے آیا ہے"۔

"حادثہ؟"

"جی ہاں، رات ہماری گاڑی ایک حادثے کا شکار ہو گئی تھی، اس میں، مَیں اور میرے ساتھی بھی تھے، مجھے ان کی تلاش ہے، یہ کون سی جگہ ہے؟"

"آپ کس گاؤں سے آئے رہے تھے؟ ویسے آپ گاؤں کے نہیں لگتے"۔

اس کی نگاہیں چشمے کے پیچھے سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اس کے منہ سے حیدر کے گاؤں کا نام سن کر وہ خوف زدہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"ارے پھر تو آپ کا یہاں ہونا خطرے سے خالی نہیں ہے، آپ میرے ساتھ چلیں، جلدی کریں، ابھی کسی نے بھی آپ کو دیکھا نہیں ہے"۔

"یہاں مجھے کس سے خطرہ ہوگا؟" وہ متعجب ہوا۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں ہے، ہمارے سائیں کا نام عمر دراز سائیں ہے، ان کی دشمنی چل رہی ہے اپنے چچا اصغر علی سے، آپ میرے ساتھ آئیں، تمام باتیں گھر جا کر بتاؤں گا"۔

بزرگ بہت زیادہ خوف زدہ و متفکر تھے۔ ذوالنون ایک گہری سانس لے کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ تقدیر کا مذاق ایسا ہی ہوتا ہے وہ جس سے بچ کر نکل رہے تھے، اس کی حدود میں قسمت کی ستم ظریفی سے آن پھنسے تھے۔ معاملہ گھمبیر تھا، حیدر اور پروفیسر آفتاب کے ساتھ اسے حورین کی فکر اب بہت زیادہ ہونے لگی تھی۔ وہ نہ معلوم کہاں تھی؟ گاڑی سے گرنے کے بعد وہ کہاں گئی؟

سرخ اینٹوں سے بنے کشادہ صحن میں پرانے طرز کے بنے لکڑی کے دروازے سے وہ بزرگ کے پیچھے داخل ہو گیا۔ اس کے اندر آتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

"یہ گودام ہے اور قدرے محفوظ جگہ ہے، سامنے نلکا لگا ہوا ہے، وہاں سے آپ ہاتھ منہ دھولیں، میں اتنے میں ناشتے کا انتظام کرتا ہوں"۔ وہ بزرگ صحن کے وسط میں لگے نل کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئے۔

"شکریہ بزرگوار! مجھے ناشے کی ضرورت نہیں ہے، آپ تکلیف نہ کریں"۔

"تکلیف کیسی بیٹا! آپ مہمان ہیں اور مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے"۔

"میں آپ کی قدر کرتا ہوں مگر مجھے بھوک و پیاس کی طلب نہیں ہے"۔ اس کے انداز میں قطعیت تھی۔

"گھبراؤ مت، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، بڑے سائیں کو پتا نہیں چلے گا"۔

انہوں نے بڑی اپنائیت سے اسے تسلی دی تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"نہ مجھے آپ کے بڑے سائیں سے ڈر ہے اور نہ ہی میں گھبرا رہا ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ میرے تین ساتھی اور بھی ہیں، ان میں سے ایک لڑکی ہے۔ وہ میرے ساتھ حادثے کا شکار ہوئے تھے، ان کی خبر جب تک مجھے نہیں ملے گی، تب تک میں سکون سے نہیں بیٹھ سکوں گا"۔

"او لڑکی بھی ہے؟ رب خیر کرے، لیکن آپ کا سامنا کسی سے ہو گیا تو بہت بُرا ہوگا، کیونکہ آج کل سائیں کا موڈ بہت بگڑا ہوا ہے، ان کے چھوٹے بھائی کی منگ تھی اصغر علی کی بیٹی۔ چھوٹے سائیں کے مرنے کے بعد وہ یہاں کے رواج کے مطابق بڑے سائیں کے حصے میں آگئی تھی۔ بڑے سائیں نے اصغر علی کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی امانت لینے آ رہے ہیں، جواباً اصغر علی نے انکار کر دیا اور یہی نہیں اپنی بیٹی کی شادی اپنے لڑکے کے دوست کے بھائی سے کر دی اور چھپ چھپا کر انہیں بھگا بھی دیا۔ ایسا کبھی بھی ہمارے گاؤں میں نہ ہوا تھا۔ بڑے سائیں تو اسی وقت ان کے گاؤں میں آگ لگا کر حویلی والوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اگر ان کے بزرگ اور دوسرے بڑے لوگ انہیں روک نہ لیتے تو اب تک سب خاک ہو چکا ہوتا، پھر کل رات فائرنگ میں ان کے کافی لوگوں کی جانیں گئی ہیں"۔

ان سے گفتگو کے دوران وہ ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہو چکا تھا۔

"آپ مجھے سچے اور کھرے لگتے ہیں۔ جناب! آپ بالکل سچ سچ بتائیں کیا عمر دراز اور اس لڑکی کا جوڑ تھا؟ احساسات سے زیادہ روایات عزیز رکھنی چاہئیں؟ اصغر علی نے جو کیا وہ غلط ہے؟"

"نہیں سب درست ہے، والدین سے بڑھ کر اولاد کی بہتری کون چاہ سکتا ہے۔ میری زندگی کا ایک حصہ شہر میں گزرا ہے، وہاں رہ کر میں نے جانا تھا، زندگی کے اصل معنی کیا ہیں۔ یہاں صاف ماحول اور کھلی فضا ہے مگر دلوں پر لگے پرانے زنگ آلود قفل و گرد صاف نہ ہو سکی ہے اور نہ ہوگی، کیونکہ اللہ بھی ان لوگوں کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی حالت بدلنے کی سعی نہیں کرتے"۔

وہ اسے لے کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"آپ دکان یوں ہی چھوڑ کر آ گئے"۔

"ساون آ گیا ہوگا، وہ نماز پڑھ کر آ جاتا ہے"۔

"ساون کون ہے؟"

"میری بہن کا بیٹا ہے، دکان وہی چلاتا ہے میں صرف کھولتا ہوں۔ ایسا کرو، کچھ دیر آپ ستا لو، میں اتنے میں ناشتہ لے کر آتا ہوں اور سن گن لینے کی کوشش کرتا ہوں، آپ کے ساتھیوں کی"۔ وہ بزرگ جن کا نام محمد افضل تھا۔ ذوالنون کی زبانی سب سن کر بہت متاثرہ ہوئے۔ وہ روشن ذہن و دماغ کے مالک تھے۔ علاقے میں عمر دراز کی ظالمانہ حاکمیت کو وہ پسند نہ کرتے تھے مگر یہاں کے علاوہ کوئی اور ٹھکانہ نہ ہونے کے سبب مجبوراً رہ رہے تھے۔ اب ذوالنون کی صورت میں ایک ہم مزاج اور ہم خیال مل گیا تو وہ پورے خلوص سے اس کی مدد کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

ذوالنون پر جب سے انکشاف ہوا تھا، عمر دراز کے علاقے میں ہونے کا اس وقت سے اسے یہ سوچ جکڑے ہوئے تھی کہ خدانخواستہ وہ ان کے ہاتھ لگ گئی تو...... کیا ہوگا؟؟؟

☆......☆......☆

یادیں

لمحے بیت جاتے

مگر

یادیں چھوڑ جاتے

کچھ یادیں قائم رہتیں

جب تک زندگی قائم رہتی

یادیں

من میں رچ جاتیں
روح میں اُتر جاتیں
بالکل خوشبو کی طرح
پھر یادیں رُلاتی ہیں
اکثر یہ تڑپاتی ہیں
تنہائی
ہاں تنہائی میں مجھ کو
اس کے خیالوں میں لمحے بیت جاتے ہیں
مگر
یادیں چھوڑ جاتے ہیں

ان کے مسلسل بہتے آنسوؤں میں وہ پُرشکوہ عمارت دھندلا سی گئی تھی۔ وہ یک ٹک اس چار منزلہ عمارت کو دیکھ رہی تھیں جو کبھی اس کا مسکن رہی تھی۔ زندگی کے خشک و بنجر دنوں کا آغاز اس گھر کی دہلیز سے ہوا تھا، جس کا پچھلا حصہ فالتو و بے مصرف ہونے کے باعث ان ماں بیٹی کے مصرف میں آیا تھا، پھر بعد میں وہ تاریک و گھٹن زدہ جگہ بھی دوسرے لوگوں کو محل نظر آنے لگی تھی۔

''کرن! کرن! پلیز سنبھالو خود کو، بروکر آرہا ہے، ہمارے پیچھے تمہیں اس طرح روتے دیکھے گا تو کیا سمجھے گا''۔ انس صاحب نے کرن سے کہا۔

کراچی آنے کے بعد کرن کی خواہش کے مطابق انہوں نے حمزہ کے پرانے گھر کو تلاش کرنا شروع کر دیا تھا، چند دنوں کی کوششوں کے بعد انہیں یہ کوٹھی مل گئی جس پر ''برائے فروخت'' کا بورڈ آویزاں تھا۔

وہ وہاں کی ایک معروف اسٹیٹ ایجنسی کی ملکیت تھی۔ وہاں سے انس نے خریدنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ رات کرن کو وہ بتا نہ سکے تھے۔ ناشتے کے بعد بتایا تو وہ بے قرار ہوگئی کہ ابھی دیکھ کر آئیں گی اس جگہ کو۔ وہ ساتھ لے آئے۔

بروکر نے آکر تالا کھولا تو انس کار اندر لے آئے۔ کرن لان سے ملحقہ اس حصے کو بغور دیکھ رہی تھی جہاں اب خوب صورت انیکسی تھی، وہاں دو کمروں اور مختصر سے صحن والی ان کی رہائش تھی۔

''سر! آئیں اندر سے دیکھ لیں پھر آپ کی منشا کے مطابق ڈیکوریٹ کردیں گے''۔

بروکر ایک نوعمر لڑکا تھا جو بہت مؤدب انداز میں بول رہا تھا۔

''کرن! اندر چلیں''۔ وہ کھوئی کھوئی سی کرن سے مخاطب ہوئے۔

"آپ جائیں میرا سب دیکھا ہوا ہے"۔ان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"آئی تو پھر بھی فارمیلٹی تو پوری کرنی ہے"۔

"آپ جائیں پلیز، میں یہیں رہوں گی"۔ وہ ان کی کیفیت سے آگاہ تھے، سو خاموشی سے کہہ کر آگے بڑھ گئے، بروکر پہلے آگے بڑھ چکا تھا۔

وہ کار سے نکل کر باہر آ گئیں۔ یہ وسیع لان والا آشیانہ جواب خاموشیوں وسناٹوں کی زد میں گم صم کھڑا تھا۔کل یہاں خوشیاں و قہقہے رقص کرتے تھے، زندگی پوری طرح سے رواں دواں رہتی تھی، ماسوائے اس سال خوردہ حصے کے جہاں وہ ماں، بیٹی قسمت کی گردش سے اپنوں کے در پر آ پڑی تھیں اور بے رحم وقت نے ان رشتوں کی اصلیت ظاہر کر دی تھی جن رشتوں پر بہنوں کو بڑا مان وغرور ہوتا ہے۔ عہد رفتہ ان کی سماعتوں میں گونجنے لگا تھا۔

کئی چہرے تھے۔

کئی آوازیں تھیں۔

ایک چہرہ، ایک آواز جو اس کی سب سے بڑی خوشی بن چکی تھی، وہ ماں تھی۔اس بند درودیوار سے گویا آوازیں آنے لگی تھیں۔

"کرن! انسان وہی دونوں جہاں میں کامیاب ہوتا ہے جو دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے۔اپنے لیتے تو سب ہی جیتے ہیں۔مت غصہ ہوا کرو اتنا"۔

"امی! یہ سوچ اب بدل چکی ہے۔اب وہی انسان کامیاب ہے جو صرف اپنے لیے جیتا ہے اور اپنی بھلائی چاہتا ہے۔کیا ملتا ہے آپ کو دن رات بے دام کی ملازمہ بن کر؟ ایک کپ چائے بھی ہم یہاں اپنی مرضی سے نہیں پی سکتے"۔

"صلہ صرف اللہ سے مانگو جو نصیب میں ہوتا ہے، مل جاتا ہے۔ میں تو احسان مند ہوں، بھائیوں اور بھابیوں کی جو اتنے پُر آشوب دور میں بھی ہم ماں بیٹی کو رکھا ہوا ہے، ورنہ میں تمہیں لے کر کہاں بھٹکتی پھرتی وقت بہت خراب ہے"۔

"آپ کو عادت پڑ گئی ہے ہر وقت خود پر ترس کھانے کی اور ان کی شکر گزاری کی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کوئی ملازمہ بھی رکھتیں تو رہائش کے علاوہ انہیں کیا کچھ نہ دینا پڑتا اور ہر وقت کی غلامی ملازمہ بھی نہ کرتی"۔

"آج بھی درجہ حرارت عروج پر پہنچا ہوا لگ رہا ہے۔خیریت تو ہے ناں پھپھو جان، کیا ہوا یہ گولہ باری کیسی؟" حمزہ کا شوخ مگر سنجیدہ انداز تھا۔

"اس لڑکی کے دماغ میں ہر وقت نہ معلوم کون سی بھٹی سلگتی رہتی ہے کہ جب بھی منہ کھولتی ہے، شعلے ہی نکلتے ہیں، خیر چھوڑو، آؤ بیٹھو تم"۔

"میں پیزا لے کر آیا ہوں، مجھے معلوم تھا تم اسکول سے بھوکی آئی ہوگی"۔

"ہونہہ! اپنے پاس رکھو یہ پیزا، مجھے نہیں کھانا یہ اللہ واسطے کا کھانا"۔

"ارے رے لڑکی! کسی کو تو بخش دیا کرسب کے ساتھ ایک سا سلوک کرتی ہے"۔

"آپ غصہ نہ ہوں پھپھو! مجھے عادت ہے اس کی ہر بات برداشت کرنے کی پھر میں جانتا ہوں کہ کرن کو غصہ جتنی جلدی آتا ہے، اتنی جلدی اُتر بھی جاتا ہے"۔

"حمزہ بیٹا! میں یوں ہی تو فکر مند نہیں رہتی ہوں، ماں کے گھر میں سب برداشت کر لیتے ہیں مگر کل کو جب سسرال جائے گی تو کون سسرالی برداشت کرے گا"۔

"بے فکر رہیں پھپھو! اس کا شوہر بہت کیئر کرنے والا ہوگا، وہ کسی کو بھی اس کی طرف اُنگلی اُٹھانے کی اجازت نہیں دے گا، پلکوں پر بٹھا کر رکھے گا"۔

"ارے تمہیں کیسے معلوم ہے بیٹا؟"

"وہ......وہ......میں......نے اس کی ہاتھوں کی لکیریں دیکھی ہیں"۔

"ہونہہ جھوٹا کہیں کا"۔

"پھر بدتمیزی، کتنی مرتبہ کہا ہے بڑا بھائی ہے"۔

نوشابہ بیگم کی اور حمزہ کی آوازیں اس کے اطراف میں گونج رہی تھیں۔ گیٹ سے باہر آتے انس کو دیکھ کر وہ سنبھل کر کھڑی ہوگئی۔

☆......☆......☆

محمد افضل انڈے پراٹھے اور چائے کے ہمراہ واپس آئے تھے، ان کے اصرار کے باوجود ذوالنون نے صرف چائے لی تھی، ان کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ رات اصغر علی کا بیٹا اور اس کے ساتھ جو شخص تھا، وہ زخمی ہوئے تھے اور ان کے آدمی انہیں رات کو ہی لے کر چلے گئے تھے۔ حورین ان کو بھی نہ ملی تھی۔

"پھر کہاں گئی؟" اس کے اندر وحشتیں حد سے زیادہ تھیں۔

"میں نے اپنے بھتیجوں کو کہہ دیا ہے، وہ خاموشی سے اس بچی کو ڈھونڈ رہے ہیں، بس دُعا کرو وہ سائیں کے آدمیوں سے محفوظ رہے"۔

"میں اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا، میں جا رہا ہوں"۔ وہ اضطراب و اضطرار کی کیفیت میں کھڑا ہوگیا۔

"باہر خطرہ ہے"۔

"مجھے پرواہ نہیں"۔

"اچھا ٹھہرو، میں باہر کچھ بندوبست کر کے آتا ہوں پھر چلتے ہیں"۔

"کیسا بندوبست؟ میں ایک لمحہ بھی نہیں رُک سکتا"۔

"آپ چلے جائیں گے، سائیں کو پتا چل گیا کہ میں نے اس کے دشمن کے دوست کو پناہ دی ہے تو وہ میری کھال میں بھس بھروانے میں دیر نہیں کرے گا"۔

ان کی وجہ معقول تھی پھر اپنے محسن کی وہ بھی خیر خواہی چاہتا تھا، اس لیے اسے چھوڑ کنا پڑا، گو کہ ہر لمحہ اسے صدیوں جیسے لگ رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ یہ کیسی بے چینی، کیسا اضطراب ہے کسی پل، کسی لمحے مجھے سکون نہیں مل رہا ہے، میں نے ہر لمحہ، ہر ساعت اس سے چھپنے کی، اس سے دور رہنے کی کوشش کی مگر سب بے سود ثابت ہوئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے، حورین کی طرف میرا اتنا جھکاؤ کیوں ہو گیا ہے؟ میں جو اس کی طرف ایک نظر دیکھنے کا روادار نہ تھا، اب نظریں صرف اور صرف اس کے دید کی منتظر ہیں۔

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

یہ کیا ہے؟

"شاید تم اسے پسند کرنے لگے ہو"۔ اس کے اندر ایک سرگوشی اُبھری، وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ قلب کی اس شرارت نے اسے مزید مضطرب کر دیا۔

"پسندیدگی کا دوسرا نام محبت ہے، کیا تم اس سے محبت کرنے لگے ہو؟"

"محبت؟ کیسی محبت؟ میں محبت کر سکتا ہوں"۔ وہ خود پر ہنسا۔

"محبت تو وہ لوگ کرتے ہیں جو محبت کی آغوش میں پروان چڑھتے ہیں جن کا لمحہ لمحہ چاہت کے ساگر میں ڈوب کر گزرتا ہے۔ محبت کی چاشنی جن کی زبان کو حلاوت آمیز بنا دیتی ہے۔ محبت وہ لوگ کرتے ہیں جو محبت پاتے ہیں۔ مجھ جیسا حرماں نصیب شخص جو محرومیوں وجدائی کی اُنگلی پکڑ کر چلا ہو، وہ بھلا ایسے نازک اور انوکھے جذبوں کو کیسے کشید کر سکتا ہے۔ میرا دل مردہ ہے، ایک پتھر ہے اور پتھروں میں کبھی پھول نہیں کھلتے"۔ وہ اپنے اندر کی بدلتی ہوئی کیفیت سے نبرد آزما تھا جو اس کے تمام دلائل سے منحرف تھے۔

"پھر کیا ہے یہ سب...... کیوں اتنے بے کل و پریشان ہو، اگر وہ نہیں ملتی ہے تو نہ ملے، تم کیوں بے چین و متفکر ہو رہے ہو، وہ اپنی مرضی سے آئی تھی"۔

اس کا دل بھی کسی چالاک وکیل سے کم نہ تھا۔

"وہ ہمارے ساتھ آئی تھی، ہمارے ذمے داری ہے"۔

"تم مجھے بنا رہے ہو یا اپنے آپ کو؟ اقرار کیوں نہیں کر لیتے محبت کا؟"

"او وشٹ اَپ، نہیں کرتا میں کسی سے محبت، نفرت ہے مجھے اس لفظ سے"۔

ابھی نہ معلوم کب تک یہ بحث کا سلسلہ چلتا، افضل صاحب کے آنے سے خاموشی چھا گئی۔ وہ اس تکرار سے نڈھال سا ہو گیا۔

"لڑکی مل گئی ہے"۔ وہ پُرجوش انداز میں گویا ہوئے۔

''تھینک گاڈ! کہاں ہے وہ؟'' گویا ویرانے میں چپکے سے بہار آ گئی تھی۔

بجھتے چراغ کو یک دم ہی نئی روشنی مل گئی۔اس کے چہرے پر طمانیت کی سرخی دوڑنے لگی۔گہری آنکھوں میں زندگی مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

حورین نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک پلنگ پر لیٹا پایا، کچھ دیر تک وہ غنودگی کی کیفیت میں یوں ہی لیٹی رہی پھر رفتہ رفتہ شعور بیدار ہوا تو وہ حادثہ اسے یاد آنے لگا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔وہ خوف زدہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔کچی اینٹوں سے بنا وہ کمرہ اتنا چھوٹا تھا کہ فقط ایک پلنگ وہاں موجود تھا جس پر وہ دراز تھی،سامنے چوکھٹ پر دروازہ موجود نہ تھا،وہاں سے کچا آنگن اور آنگن کی زمین پر گھومتی مرغیاں اور چوزے نظر آ رہے تھے۔وہ جھجکتی ہوئی مزید آگے بڑھی اور چوکھٹ سے جھانک کر دیکھا تو سامنے چولہے پر ایک عورت روٹیاں پکا رہی تھی،وہاں پر تین لڑکیاں بھی تھیں،ایک جھاڑو دے رہی تھی،دوسری میلے کپڑے جمع کر رہی تھی اور تیسری ایک طرف بچھی چٹائی پر بیٹھی فریم میں کپڑا لگائے کڑھائی میں مصروف تھی۔قریب اس کے رنگین دھاگوں کے گچھے تھے اور شیشے کے ٹکڑے بھی تھے جو دھوپ سے چمک رہے تھے۔پہلی نظر اس لڑکی کی ہی اس پر پڑی تھی،وہ کپڑا اور سوئی وہیں چھوڑ کر پھرتی سے اس کی طرف آئی۔

اس کی آنکھوں میں مسرت انگیز تجسس تھا،اسے بڑھتے دیکھ کر وہ دونوں لڑکیاں بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے گرد آ گئیں۔

''آپ کو ہوش آ گیا باجی؟'' جھاڑو دینے والی لڑکی نے دریافت کیا۔

''مجھے یہاں کون لایا؟'' ان عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر اس کی ہمت بندھی۔وہ لڑکیاں اسے بہت بے ضرر اور ملنسار سی لگیں، جبکہ روٹی پکاتی ہوئی عورت کے چہرے پر سختی و بے زاری چھائی ہوئی تھی۔اس نے پلٹ کر ایک نظر اسے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ماں کی نسبت وہ تینوں بیٹیاں خاصی خوش اخلاق و مہمان نواز تھیں۔کچھ ہی دیر میں وہ ان سے گھل مل گئی تھیں۔ان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ لڑکیاں لکڑیاں چننے گئی تھیں،وہیں ایک جگہ اسے بے ہوش پڑی نظر آئی اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے وہاں سے لے آئی تھیں،کیونکہ ریت پر گرنے کے باعث وہ خطرناک چوٹوں سے بچ گئی مگر اچانک گرنے کے باعث پورے جسم کا جوڑ جوڑ بہت شدت سے درد کر رہا تھا۔

''نکمیو! اسے ناشتہ بھی کراؤ گی یا یا تیں ہی بگھارتی رہو گی۔سارا کام یوں ہی پڑا ہے اور سورج سر پر چڑھ آیا ہے''۔

اس عورت نے بیٹیوں کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ تینوں اس کے پاس سے اُٹھ گئیں۔ایک لڑکی کی ہمراہی میں وہ واش روم تک گئی۔ ناشتے میں بیسن کی موٹی روٹی جس پر مکھن کا استعمال کثرت سے کیا گیا تھا،ساتھ اچار اور لسی کا بڑا گلاس دیکھ کر اس کی طبیعت متلا کر رہ گئی۔اس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا۔کھانے کے لیے لڑکیاں خاصا اصرار کرنے لگیں پھر ماں کی غصیلی آواز سن کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔

اس کا ذہن بُری طرح ماؤف ہو رہا تھا جو کچھ ہوا تھا وہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسی آزمائش میں گرفتار ہوں گے۔وہ تو جانہ معلوم کہاں اور کن لوگوں میں آ پہنچی تھی اور یہاں سے نکلنے کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔نہ معلوم ان لوگوں کا کیا ہوا۔سوالات ذہن میں جنم لے رہے تھے مگر وہ جواب کس سے مانگتی۔عجیب اداسی بھری فضا تھی یہاں کی وحشتوں کو اجاگر کر دینے والی۔وہ خود کو ایک خول میں بند محسوس کر رہی تھی۔

کیا ہوا تھا اور کیا ہونے والا تھا؟

وہ اپنوں سے دور اِن اجنبی لوگوں اور اجنبی جگہ پر پھنس گئی تھی۔ اس کے دل کو ایک لمحہ سکون نہ تھا۔ وہ خود کو ہواؤں میں معلق محسوس کر رہی تھی۔ بے بسی و بے کسی کے شدید ترین احساس سے مغلوب ہو کر وہ بے تحاشہ رونے لگی۔ گھر سے اور اپنوں سے دوری کا احساس اسے کند چھری سے ذبح کرنے لگا۔ پپا، مما، بی جان، ہریرہ کئی چہرے تھے جو اسے یاد آ رہے تھے، تڑپا رہے تھے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا ان سے بچھڑے جیسے سالوں گزر گئے ہوں۔ کوئی جادو کی چھڑی گھمائے اور پلک جھپکتے ہی وہ ان کے درمیان پہنچ جائے، پھر کبھی خواب میں بھی وہ اپنوں سے دور نہ ہو۔

شدید وحشتیں رقصاں تھیں اس کے اندر۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ اسے اپنے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ اس عورت نے پھر ان لڑکیوں کو کمرے میں نہیں آنے دیا۔ کچھ دیر پہلے وہ لڑکیاں میلے کپڑوں کی گٹھریاں لے کر نہر پر دھونے چلی گئی تھیں۔ وہ عورت مرغیوں کو روٹی توڑ کر ڈال رہی تھی۔ حورین سے مخاطب ہونے کی اس نے کوشش نہیں کی۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی کچھ مردانہ آوازیں گونجیں۔ بھاری جوتوں کی آواز اسی طرف آتے ہوئے محسوس کر کے وہ خوف سے کانپ اُٹھی۔ آنے والا آ کر چوکھٹ کے فریم میں ایستادہ ہو گیا۔ وہ خوف و دہشت سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بے ساختہ اس کی نظر اُٹھی اور اُٹھی رہ گئی۔ دوسرے لمحے وہ بے تحاشہ بھاگ کر اس کی طرف بڑھی اور اس کے شانے پر سر رکھ کر رو دی۔

......❀......

ایک عجیب..... بالکل انجانا غیر شنا سا احساس اس کے اندر سرائیت کر رہا تھا۔ حورین کو دیکھ کر جو تشکر و طمانیت کے جذبات ابھرے تھے ان پر اس کی بے ساختہ جذباتیت نے اجنبی رنگ پھیلا دیے تھے اور وہ اس کے اس انداز پر گم صم کھڑا رہ گیا تھا۔ بے آواز روتی ہوئی حورین کو تسلی یا اپنائیت کا ایک لفظ نہ کہہ سکا تھا۔ وہ اس کے دائیں بازو کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیے رو رہی تھی اس کے انداز میں سادگی و بچگانہ پن تھا۔ اس خطرناک حادثے نے یہ بھلا دیا تھا کہ وہ کس کے شانے پر سر رکھے رو رہی ہے۔ جس شخص کی پرچھائیں سے وہ بھاگتی تھی، اس وقت اسی کی چھائیں بنی بازو سے لپٹی آنسو بہا رہی تھی۔

حیات کا یہ پہلا لمحہ تھا جو کوئی صنف مخالف میں سے اس سے اس قدر قریب آیا تھا ورنہ اس نے جو فاصلے اپنے اور دوسروں کے درمیان ایک عمر سے رکھے تھے ان فاصلوں کو عبور کرنے کی کسی میں بھی ہمت نہ تھی خصوصاً صنف مخالف میں تو اس کی ماں بھی اس کے ریزروڈ موڈ کے باعث ایک لسٹ میں رہتی تھیں۔ اس نے کسی کو بھی فرینک نہ کیا تھا۔ وہ اپنے دکھوں و غموں کو سمیٹے اپنے خول میں بند رہنے والا شخص تھا۔

حورین کئی لمحوں تک اس کے بازو پر چہرہ رکھے روتی رہی۔

خوب آنسو بہانے کے بعد دل کو تسکین ملی، جو سلے تر و تازہ ہوئے تو وہ از خود ہی اس کے بازو سے علیحدہ ہو گئی۔ بازو اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی گویا وہ ہوش و خرد کی دنیا میں لوٹا تھا۔ رگ و پے پر چھائے نامانوس احساس کے سحر سے آزاد ہوا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

بھیگا چہرہ، بکھرے بال، متغیر رنگت، چنبیلی کی ڈال کی مانند نازک سراپا ابھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی گویا ڈوبتے کو آخری لمحے کا سہارا مل گیا ہو اور وہ ساحل پر آنے کے بعد بھی امید وبیم میں مبتلا ہو۔

''ٹیک اٹ ایزی۔'' حورین کو اس طرح روتے دیکھ کر وہ آہستگی سے گویا ہوا مگر اس کے آنسو تواتر سے بہتے رہے تھے۔

''ریلیکس......ہم یہاں سے بہت جلد روانہ ہو جائیں گے۔''

اس کے سوکرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''بس۔ چپ ہو جاؤ، مت روؤ۔''

''میں......رو نہیں رہی۔''

''پھر یہ کیا ہیں؟''

''یہ......خوشی کے آنسو ہیں۔''

''خوشی کے آنسو؟'' اس تمام صورت حال میں وہ پہلی بار بھرپور انداز میں مسکرا کر ذومعنی لہجے میں گویا ہوا۔

''میں نے صرف ''مینڈکی'' کے آنسو کے متعلق سنا تھا۔''

''آپ نہیں جان سکیں گے، میرے دل کی کیفیت۔''

اس وقت وہ حقیقتاً بے حد خوش تھی جو اس کی شرارت برداشت کر گئی تھی وہ اس کے ہمراہ اس چھوٹے کمرے میں آ گئی تھی۔

''جب میں نے خود کو ان اجنبی لوگوں کے درمیان دیکھا تو نہ معلوم کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں اب کبھی بھی اپنے لوگوں میں واپس نہ جا پاؤں گی اور......اور اس خیال نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔''

چند لمحے تھم رکنے والے آنسو پھر جاری ہو گئے تھے۔

''او کے، پلیز اب روحت، میں کوشش کر رہا ہوں کہ ہم شام سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔'' اس کے لہجے میں ملائمت تھی۔

''ہم ہیں کہاں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟''

''یہاں کسی کو بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں میں باہر انتظام کرنے جا رہا ہوں۔'' وہ دانستہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈیوڑھی میں محمد افضل نجل سے اس کے منتظر تھے۔ حسب عادت ان کی بیوی زلیخا نے اپنی بدمزاجی کے تمام تیر ان پر آزمائے وہ ان بن بلائے مہمانوں کی میزبانی کرنے کو قطعی تیار نہ تھی۔ افضل جتنے ملنسار، خوش اخلاق و مہمان نواز تھے ان کی بیوی اتنی آدم بیزار، بداخلاق و تیز طرار تھی۔

افضل نے بڑی منت سماجت کے بعد اسے آواز دھیمی رکھنے پر مجبور کیا تھا یہی وجہ تھی کہ ان کے پاس تکرار کی ذرا بھی آواز نہ آئی تھی اور وہ یہی سوچ کر شرمندہ تھے کہ اگر مہمان ان کی بیوی کو بکواس سن لیں تو کتنی سبکی ہو۔

☆......☆......☆

"دادو! میں اس لیے منع کر رہی تھی۔"

خضریٰ کے چہرے پر ناپسندیدگی و اضطراب پھیلا ہوا تھا۔

"اس میں کیا قباحت ہے بیٹی! کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ زندگی تمہیں گزارنی اسی کے ساتھ ہے۔ اچھا ہے شادی سے قبل مہران کے بارے میں اچھی طرح جان لو ان کی پسند و ناپسند، عادت و مزاج کے مطابق بعد میں پریشانی نہیں ہوگی۔" راحیلہ بیگم نے از خود اس کی کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"دادو! آپ کہہ رہی ہیں؟" وہ حیرانگی سے کہتی ہوئی بیٹھی۔

"ہاں۔ میں کہہ رہی ہوں۔"

"سب جان کر بھی؟"

"ہاں۔ سب جان کر بھی، اس میں برا کیا ہے میرے بچے عقل مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ وقت کے ساتھ قدم ملا کر چلا جائے پھر ہمیں تم پر بھی اعتماد ہے اور مہران پر بھی اس لیے اجازت دیتے ہیں باہر ملنے کی۔"

"او نو دادو! میں افورڈ نہیں کر سکتی ایسی میٹنگز"۔

"پھر وہی بات...... تمہارا مستقبل اس سے وابستہ ہونے والا ہے، بہتر یہی ہوگا کہ دل کی بھلا کر حقیقت کو اپناؤ، اسی میں بھلائی ہے"۔

راحیلہ بیگم دیکھ رہی تھی کہ مہران علوی کی دلچسپی جس قدر اس کی جانب بڑھ رہی تھی وہ اس قدر ہی اس سے اکھڑی اکھڑی و بیزار دکھائی دینے لگی، حالانکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ کونین نے خود کو بہت بہادری سے سنبھال لیا تھا۔ کل رات ڈنر پر مہران علوی سے ملاقات کے وقت وہ خود پر مکمل قابو پائے ہوئے بہت اچھی طرح ان سے ملا تھا اور وہ ماں بیٹے اس کی خوش اخلاقی و سلجھے ہوئے مزاج کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ وہ جو مسلسل اسے نظروں میں رکھے ہوئے تھی، اس کی دلیری و وسعت قلبی پر عش عش کر اٹھی اور تب سے تہیہ کر چکی تھی کہ وہ خضریٰ کو بھی حقیقت ماننے پر مجبور کرے گی۔ اس کا موقع بھی انہیں جلد مل گیا کیونکہ مہران علوی نے خضریٰ کو ڈنر پر مدعو کیا تھا جو ایک ہوٹل میں تھا اور حسب عادت وہ بُری طرح چڑ رہی تھی کیونکہ خود انہوں نے مہران علوی سے ہامی بھری تھی اور اب مجبوراً اسے اس کے ساتھ جانا تھا۔

"چلو اٹھو جا کر تیار ہو، مہران آنے والے ہیں، وہ ٹائم کے کس قدر پابند ہیں، یہ تم بھی بخوبی جانتی ہو اور اچھی طرح سے تیار ہونا، ایسے ہی سر جھاڑ اور منہ پھاڑ اُٹھ کر نہ چل دینا"۔ ان کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا دادو! آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"

"نشرح! بہن کو تیار ہونے میں مدد دو"۔ وہ اندر آنے والی نشرح سے مخاطب ہوئی تھیں۔ خضریٰ نے حیران و پریشان انداز میں ان کی طرف دیکھا تو وہ قصداً اس سے نظریں چرا کر تسبیح پڑھنے میں محو تھیں۔

☆......☆......☆

تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں، میرے دل سے بوجھ اتار دو

بہت دنوں سے اداس ہوں، مجھے کوئی شام ادھار دو

مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خدوخال

مجھے اپنے رنگ سے رنگ دو، میرے سارے رنگ اتار دو

کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے، نہ کوئی واسطہ

میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو، میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

میری وحشتوں کو بڑھا دیا ہے جدائیوں کے عذاب نے

میرے دل پر ہاتھ رکھو ذرا، میری دھڑکنوں کو قرار دو

تمہیں صبح کیسی لگی، میری خواہشوں کے دیار کی

جو بھلی لگی تو یہیں رہو، اسے چاہتوں سے نکھار دو

ڈائننگ ہال کی فضا میں مدھم مدھم سرگوشیاں گردش کر رہی تھیں۔ وہ اس کے مقابل سیاہ جارجٹ کے سوٹ میں ملبوس بیٹھی تھی۔ اس کی چاندنی جیسی رنگت دمک رہی تھی شرٹ اور دوپٹے پر سیاہ اور سرخ موتیوں کام کا تھا اور اس پر میچنگ کی جیولری تھی اور ریڈ ہی لپ اسٹک نے ہونٹوں پر سج کر پورے چہرے کو روشن کر ڈالا تھا۔ مہران علوی کی محبت پاش نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سرخ گلابوں کا بوکے اس کے شوریدہ جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ ساتھ موجود کارڈ پر جلی حروف میں لکھی گئی وہ غزل اس کے جذبوں کا عکس تھی گھر سے پک کرنے، یہاں ہوٹل میں آنے اور ڈنر کرنے تک وہ کئی بار اس سے محبت کا اظہار کر چکا تھا اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا تھا۔

اس کے انداز میں عام عاشقوں کی طرح عامیانہ گراوٹ نہ تھی بلکہ اس کے انداز میں تمکنت تھی۔ وہ دل سے اس پر فریفتہ تھا مگر بات جب یک طرفہ محبت کی ہو تو پھر جواباً وہ گرم جوشی و یگانگت نہیں ملتی۔ خنفریٰ نے اس کے جذبات و احساسات کو دل سے محسوس نہ کیا تھا سوائے اس کا اظہارِ محبت جھنجھلاہٹ و اکتاہٹ میں مبتلا کر دیا کرتا تھا ہر چند کہ وہ دل پر جبر کرتی اور اپنے احساسات اس شخص کے ساتھ ہی منسوب کرنا چاہتی تھی جو اس کی تقدیر تھا مگر ہر بار دل کسی پنچھی کی طرح ہاتھوں سے نکلے جاتا تھا۔

''آپ بے حد کیوٹ ہیں، بہت دلکش! کبھی میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آپ جیسی حسین و باحیا لڑکی میری شریکِ حیات بنے گی۔''

ڈنر کے بعد کافی پیتے ہوئے وہ آہستگی سے قدرے جھک کر گویا ہوا۔

مارے گھبراہٹ کے اس کے ہاتھوں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

''مما کہتی ہیں خنفریٰ بہت دور دور رہتی ہے ریزروڈ۔ پراوڈ سی۔ میں نے کہا مما آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ خنفریٰ از وری نائس۔ بس وہ شرماتی ہے اور یہی کوالٹی مجھے زیادہ پسند ہے۔''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''تعریف کرنا شرمندگی تو نہیں ہوتی۔''

''مجھے محسوس ہوتی ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ایز یو وِش، میں ٹرائی کروں گا کہ کبھی وہ کام نہ کروں جس سے آپ کو شرمندگی ہو۔'' وہ فوراً ہی سعادت مند بچے کی طرح گویا ہوا تو بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

''تھینکس گاڈ! آپ مسکرائی تو...... آپ کو معلوم ہے آپ کی مسکراہٹ کتنی خوب صورت ہے۔ جب آپ مسکراتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے خزاؤں میں بہار آ گئی ہو۔'' وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا اور وہ اسے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ گئی تھیں دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

سیاہ ڈنر سوٹ ملبوس اپنی دلکش پرسنالٹی کے ساتھ کھڑا وہ کچھ غیر ملکیوں سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا۔ اس کا پرسکون انداز گواہ تھا کہ وہ اس کی یہاں موجودگی سے بے خبر ہے۔

''اوہ...... یہ تو کونین ہیں آپ کے کزن، کل ہی تو ان سے ملاقات ہوئی ہے بہت نائس پرسن ہیں۔ ان سے مل کر بہت مسرت ہوئی تھی۔''

اس کی نگاہوں کے تعاقب میں مہران کی نگاہ بھی اس جانب اٹھی تھی۔ کونین کو دیکھ کر وہ متاثر کن لہجے میں بولا۔

''چلیں۔'' وہ مگ ٹیبل پر رکھ کر گویا ہوئی۔

''کونین سے تو مل لیں۔''

''نہیں چلیں۔'' یکلخت اس کے چہرے سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔

''آر یو رائٹ؟'' وہ اس کی بدلتی کیفیت دیکھ کر پریشانی سے بولا۔

''جی۔ میں ٹھیک ہوں۔'' وہ سخت سراسیمگی کا شکار تھی۔

''مجھے نہیں لگ رہا ہے۔''

''ابھی ابھی سر میں درد محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ مہران ویٹر کو بل پے کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ لمحے قبل جو مسرت و انبساط کے رنگ جھلملا رہے تھے ان کی جگہ اب فکر و تردد نے لے لی تھی۔ پل بھر میں خنتریٰ کو اس نے مرجھاتے دیکھا۔ وہ دُعا کر رہی تھی کونین کی نگاہ اس پر نہ پڑے لیکن ایسی دعائیں مستجاب کب ہوئی ہیں جو اس لمحے ہو جاتیں۔ اسی لمحے وہ بھی آگے بڑھا جب وہ کھڑی ہوئی تھی دونوں کی نگاہیں بے ساختہ ٹکرائیں۔ وقت کی رفتار یک دم تھم سی گئی۔

دو دل ایک ہی انداز میں دھڑکے تھے۔

دونوں کی آنکھوں میں ایک جیسا ہی درد تھا۔

خضریٰ نے نگاہیں جھکائی تھیں کہ مبادا جھلک نہ پڑیں۔ ایسے ہی وقت سے وہ ڈرتی تھی اور دعا مانگتی تھی کہ کبھی بھی مہران کی ہمراہی میں کونین سے سامنا نہ ہو۔ وہ کس طرح خود کو سنبھال پائے گی؟ آج وہ ہو گیا تھا جس کے نہ ہونے کی دعا وہ مانگتی رہی تھی اور وہ خود کو کسی مجرم کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ لپ اسٹک سے سرخ ہونٹوں کو اس نے دانتوں سے کاٹ کر حقیقت میں سرخ کر لیا تھا۔ کونین ان کی ٹیبل کی طرف چلا آیا۔ مہران بڑی گرم جوشی سے ملا۔

"اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ یہاں پر ہیں تو ساتھ ہی ڈنر کرتے۔"

"تھینکس، بزنس ڈیلیگیشن کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ ان سے فارغ ہو کر جانے ہی والا تھا کہ آپ لوگوں پر نظر پڑ گئی۔"

کونین پوری طرح خود پر قابو پا چکا تھا۔ خضریٰ خود پر قابو پانے میں ناکام رہی تھی۔ اس کا سر بری طرح چکرانے لگا۔ کونین سے رسماً ہیلو ہائے بھی زیر لب کی تھی۔

"ایک کپ کافی پیے بغیر ہم آپ کو جانے کی اجازت بھی نہ دیتے اگر اچانک اس وقت خضریٰ کی طبیعت ناساز نہ ہو گئی ہوتی۔"

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ خضریٰ بے مشکل خود کو سنبھالے کھڑی تھی۔

"معمولی سا سر میں درد ہے۔"

"لیکن تمہارے چہرے سے بہت زیادہ تکلیف ظاہر ہو رہی ہے۔"

"چہرے جھوٹ بولتے ہیں ان پر اعتبار مت کیا کریں۔"

وہ آہستگی سے کہہ بیٹھی

"گھر جا کر کوئی اچھی میڈیسن لے لو جو فوری ریلیکس دے۔"

ان دونوں کی گفتگو کے دوران مہران علوی خاموش کھڑا تھا۔

"آپ پریشان مت ہوں، درد ابھی خود ٹھیک ہو جائے گا۔ خضریٰ کے لہجے میں خواہ مخواہ سرد مہری در آئی تھی۔

"اوکے۔ میں اجازت چاہوں گا۔" وہ مہران سے مصافحہ کر کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

"آپ کو ان سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ آپ کی بہتری کے لیے کہہ رہے تھے۔" داخلی دروازے سے باہر نکلتے ہوئے وہ خضریٰ سے مخاطب ہوا۔

"میں نے ایسا کچھ غلط تو نہیں کہا۔" کونین کے جاتے ہی اس کی خود اعتمادی بحال ہونے لگی تھی۔ اسے خود بھی احساس تھا اپنے ناروا انداز کا جو اشتعال اس کے رویے میں از خود ہی آیا تھا اور کیوں آیا تھا؟ اس سے وہ خود بھی بے خبر تھی۔ البتہ اندر دور کسی گوشے میں رم جھم ہونے لگی تھی۔

☆......☆......☆

"آج یہ چنڈال چوکڑی سر جوڑے بیٹھی ہے، کس کی کمبختی آنے والی ہے۔ کس کے مقدروں نے دغا کرنے کی ٹھانی ہے؟" بی بی جان نے ان کو سر جوڑے بیٹھے دیکھا تو بلند آواز میں کہنے لگیں۔

"بی بی جان! ہم آپ کو ایسے سازشی و شر پسند نظر آتے ہیں؟"

"رؤف مسکی سی صورت بنا کر بولا۔

"اس سے بھی بڑھ کر فتنہ و فساد تو تمہارے اندر برپا رہتا ہے"۔

"آپ کی قسم ہم نے شرارتیں کرنی چھوڑ دی ہیں"۔

"اے خبردار! جو جھوٹی قسمیں کھائیں، خوب جانتی ہوں تم لوگوں کو، یہ بتاؤ یہاں سر جوڑے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"۔

"یہ واصف اپنی منگنی کی پلاننگ کر رہا تھا"۔

"مدثر نے فوراً ہی بھانڈا پھوڑا، واصف بوکھلا گیا"۔

"اچھا، میں بھی تو سنوں، کیا پلاننگ ہے؟" وہ ناک پر پھسل آنے والی عینک کو آنکھوں پر لگا کر وصی کو گھورتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"یہ یوں ہی بکواس کر رہا ہے"۔ وصی کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

"خاموش رہو، میں اس کی بکواس سننا چاہتی ہوں، ہاں بتاؤ کیا کہہ رہا تھا یہ"۔ وہ مدثر کو گھور کر بولیں تو وہ فوراً شروع ہو گیا۔

"وصی کی خواہش ہے کہ ہماری ہونے والی بھابی کا منگنی کا سوٹ کم از کم پچاس ہزار سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ جیولری کی شاپنگ دبئی سے کرنے کا ارادہ ہے، جس میں خاص طور پر ایک سیٹ ڈائمنڈ کا ہے"۔

"بی بی جان! پلیز، آپ مائنڈ مت کیجئے گا، میں تو ایسے ہی بات کر رہا تھا۔ کرنا تو سب آپ کو ہی ہے"۔ وصی بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

"جس گھر میں بڑے موجود ہوں، اس گھر میں چھوٹوں کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتی ہیں۔ ہم خواہ منگنی کا سوٹ پچاس ہزار کا بنوائیں یا پچاس روپے کا۔ ہیروں کے زیور بنوائیں یا پیتل کے، یہ ہمارے کرنے کا کام ہے، تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی"۔

"جی جی، میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ مجھے کوئی فکر نہیں ہے"۔

وصی کزنز سے مذاق کر کے ہی پھنس گیا تھا۔

"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی، شیطانی ٹولہ سر جوڑے بیٹھا ہے، یقیناً کسی کی بُری گھڑی آنے والی ہے۔ یہ معلوم نہ تھا اپنے ہی گھر میں نقب لگانے کی سوچی جا رہی ہے"۔

بی بی جان کے غصے سے سرخ چہرے پر ذرا بھی نرمی نہ تھی۔ وہ مذاق میں بھی ایسی باتیں برداشت کرنے کی قائل نہ تھیں۔

☆......☆......☆

ذوالنون کے جانے کے بعد وہ واپس اسی کمرے میں آ گئی تھی، اس کی آمد سے قبل جس خوف و دہشت کا وہ شکار تھی اس سے اسے نجات مل گئی تھی۔ وہ خود کو بادل کے کسی شفاف ٹکڑے کی طرح ہلکا پھلکا و آزاد محسوس کر رہی تھی۔ طمانیت کے احساس سے وہ سرشار تھی۔ اس کی وہی کیفیت تھی جو سیاہ گھپ اندھیرے سے روشنی میں آنے پر ہوتی ہے۔ وہ سوچوں میں گم تھی۔ معاً باہر صحن میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی پھر مردانہ چپلوں کی آواز پر اس نے جھانک کر دیکھا۔ ذوالنون کے ہمراہ جو شخص آیا تھا، وہی تھا۔ ہاتھ میں گوشت کا شاپر پکڑے وہ آگے بڑھ گیا اور اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔

"زلیخا! یہ مرغ ہے، بہترین طریقے سے پکانا مہمانوں کے لیے"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، تمہارے اماں، ابا ورثے میں خزانے چھوڑ گئے ہیں جو تم دل کھول کر لٹاؤ"۔ زلیخا کی غصے بھری آواز گونجی۔

"کچھ تو شرم و حیا کرو زلیخا، مہمان گھر میں ہیں"۔

"گھر میرا ہے، مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے، جس کو چاہتا ہے پکڑ کر لے آتا ہے مہمان بنانے کے لیے۔ گھر میں جو تین بیٹیاں بیٹھی ہیں ان کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ان کے بھی ہاتھ پیلے کرنے ہیں کہ نہیں؟ تو اگر اسی طرح حاتم طائی بنا رہا تو بیٹیاں یوں ہی بیٹھی رہیں گی"۔

"تجھے ہر وقت یہی فکر رہتی ہے، اٹھ جائیں گی ڈولیاں ان کی بھی"۔

"خالی ہاتھ جنازے بھی نہیں اٹھتے، ڈولی کہاں اٹھے گی"۔

"دل چھوٹا نہ کر جھلی عورت! مہمان رحمت ہوتے ہیں رحمت"۔

اسی دم تینوں لڑکیاں آ گئی تھیں۔

"ماں! پھر ابا سے لڑ رہی ہے"۔ بڑی لڑکی نے کہا۔

"میں لڑتی ہوں یا یہ لڑتا ہے"۔

"ابا کو لڑنا نہیں آتا، پہل تمہاری طرف سے ہی ہوتی ہے"۔

"ابھی یہ زبان پکڑ کر گدی سے کھینچ لوں گی، آئی بڑی باپ کی حمایتی، چل لہسن پیاز کاٹ کر دے، ویسے تو مہینوں گھر میں گوشت نہیں پکتا، مہمانوں کے آتے ہی نہ معلوم کہاں سے تیرے باپ کے ہاتھ میں کسی خزانے کی کنجی آ جاتی ہے"۔ زلیخا کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ محمد افضل وہاں سے جا چکے تھے۔ وہ تینوں لڑکیاں شرمندہ چور نگاہوں سے اس طرف دیکھ رہی تھیں جہاں حورین دم سادھے بیٹھی تھی۔ باہر ہونے والی تکرار اس نے سنی تھی اور دم بخود رہ گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب بہت حیرت انگیز اور نیا تھا۔

اس نے اپنے ماں باپ کو ہمیشہ ایک دوسرے سے محبت کرتے دیکھا تھا۔ بے تحاشا دولت کی فراوانی نے کبھی کسی کے لیے ایسا مسئلہ پیدا نہ ہونے دیا تھا کہ کوئی ایسا منظر اس کی نگاہوں سے گزرتا۔ کراچی میں بی بی جان کے ہاں بھی اسے ایسا کوئی ماحول نہیں ملا تھا جو ایسے حالات دیکھتی۔ محمد افضل بہت نیک دل و مخلص آدمی تھا۔ اس کے گھر کے حالات بے حد دگرگوں تھے۔ تین جوان بیٹیاں اور تیزی سے

بڑھتے ہوئے مسائل نے جہاں اس کی کمر دوہری کی تھی وہاں اس کی بیوی کی خوش مزاجی، خوش اخلاقی بھی سلب کر لی تھی۔ محدود وسائل و لامحدود مسائل نے اسے چڑچڑا پن عطا کیا تھا۔ وہ آدم بےزار بھی ہو چکی تھی۔

صحن میں ایک بار پھر کھانا پکانے کے برتن کھڑکھڑانے لگے تھے، ساتھ زلیخا کی زبان پھر رفتار پکڑ چکی تھی۔ اس بار نشانہ بیٹیاں تھیں جو نہر پر کپڑے دھونے کے دوران اس کی اوڑھنی گم کر آئی تھیں۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ صبح سے دوپہر۔ ان چند گھنٹوں میں وہ بھوک وافلاس، غربت و تنگ دستی کے مفہوم سے بخوبی آشنا ہو چکی تھی۔ اس گھر کے مکینوں کی پہلی و آخری پریشانی غربت تھی۔ غربت کسی خون آشام آسیب کی طرح ان کا قطرہ قطرہ چوس رہی تھی اور وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر پا رہے تھے۔ اسے ان لوگوں سے بہت ہمدردی ہو گئی تھی۔ زلیخا کی بدمزاجی پر بھی اسے طیش نہیں آ رہا تھا۔ وہ حالات سے شکست کھائی عورت تھی۔

بھنا ہوا گوشت اور تندور کی موٹی موٹی روٹیاں ٹرے میں لے کر بڑی لڑکی آئی تھی۔ بہت محبت و اصرار سے اسے کھانے پر مجبور کرتی تھی، وہ چند لقموں سے زیادہ نہ کھا سکی تھی۔

”آپ کو ماں کی باتیں بری لگی ہیں، معاف کر دیں“۔ اس کا انداز بےچارگی لیے ہوئے تھا۔ حورین نے فوراً ہی اس کے بندھے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنائیت سے کہا۔

”اوہو، ایسی کوئی بات نہیں ہے، مجھے برا نہیں لگا“۔

”ماں کو حالات نے ایسا کر دیا ہے، ابا پر بہت قرض ہے جس کو اُتارنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے ہیں، ورنہ وہ دل کی بہت اچھی ہے“۔

”پلیز میں اس وقت بالکل بھوک محسوس نہیں کر رہی ہوں، تمہارے کہنے سے کافی کھا چکی ہوں“۔

”ایک بات پوچھوں؟“ وہ اس کی طرف دیکھ کر کچھ شرما کر بولی۔

”ہاں، پوچھو“۔

”وہ...... ابا کے ساتھ جو نوجوان ہیں، وہ کون ہیں آپ کے؟“

اس کے سوال پر وہ کچھ پریشان سی گئی، بھلا کیا رشتہ تھا اس شخص سے اس کا؟ کیا لگتا تھا وہ اس کا؟ شاید کل تک کچھ نہیں...... مگر آج وہ اس کے لیے خضرِ راہ کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ مایوسی و خوف کے اندھیرے میں اُمید و حیات کے جگنو کی مانند تھا وہ۔

”کوئی خاص رشتہ ہے جو بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے“۔

وہ اس کی خاموشی کو دوسرے معنی پہناتی شوخی سے گویا ہوئی تھی۔

”منگیتر ہیں آپ کے واہ جی! جوڑی تو زبردست ہے آپ کی“۔

”اوئے نہیں، تم غلط سمجھی ہو“۔ وہ تیزی سے بولی اور اسی دم باہر سے آنے والی زلیخا کی کراری آواز پر وہ جلدی سے برتن سمیٹ کر

باہر نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی جیسے اسے حورین کی بات پر یقین نہ آیا ہو، حورین اس کی غلط فہمی پر الگ ہکا بکا تھی۔ پل پل بدلتے موڈ والے اس شخص کے متعلق وہ کبھی اس انداز میں نہیں سوچ سکتی تھی۔ وقتی طور پر مدد لینا دوسری بات تھی۔ شام ڈھلنے کے بعد وہ آ گیا۔

''میں سارا دن انتظار کرتی رہی، سر آفتاب سے کنٹیکٹ ہوا؟''

''سر اور حیدر دونوں کے بلٹس لگی ہیں وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں''۔ وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

''وہ ٹھیک تو ہیں نا؟ کوئی سیریس بات تو نہیں ہے؟'' پریشانی و فکر مندی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

''امپرومنٹ میں وقت لگے گا لیکن وہ خطرے سے باہر ہیں''۔

''ہم یہاں سے کب چلیں گے، مجھے یہاں وحشت محسوس ہو رہی ہے، میں یہاں اب ایک لمحہ بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی''۔

''ہوں، چلیں، میں نے کار کا انتظام کر لیا ہے۔ جانے سے قبل اپنے میزبان کی میزبانی کا کچھ حق ادا کرنا چاہتا ہوں، یہ رقم وہاں رکھ دو، محمد افضل صاحب بہت غیور و خوددار ہیں اور ضرورت مند بھی۔ وہ کسی طرح یہ رقم نہیں لیں گے، خاموشی سے رقم رکھنے کا مقصد یہی ہے کہ ان کو خبر ہونے تک ہم بہت دور نکل گئے ہوں گے''۔

اس نے جیکٹ کی جیب سے سبز نوٹوں کی گڈی نکال کر اسے دی اور اس نے خاموشی سے وہ تکیے کے نیچے رکھ دی۔ محمد افضل تینوں بیٹوں کے ہمراہ اسے سڑک تک چھوڑنے آئے تھے۔ پیچھے پیچھے جھینپتی ہوئی زلیخا بھی تھی، اسے معلوم ہوتا کہ مہمان اتنے کم ٹائم کے لیے آئے ہیں تو وہ کبھی بھی ایسا برتاؤ نہ کرتی مگر جو وہ کر چکی تھی، بدل نہیں سکتا تھا۔

سورج ڈوب چکا تھا۔

اُفق کے کناروں پر گہری شفق چھائی ہوئی تھی۔ ماحول میں سرمئی اندھیرا دھیرے دھیرے بڑھنے لگا تھا۔ ہوائیں خوشگوار ٹھنڈک سموئے ہوئے تھیں۔ سڑک کے دونوں اطراف کھیت لہلہا رہے تھے۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کھڑکی کے شیشے سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

ذوالنون بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، اس کے وجیہہ چہرے پر اس وقت از حد سنجیدگی تھی۔ سارا دن اس نے محمد افضل اور ان کے کچھ قریبی ساتھیوں کی مدد سے حیدر اور اس کے گھر والوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور اسے معلوم ہوا تھا کل رات عمر دراز نے اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر حیدر کی حویلی پر قبضہ کر لیا۔ تمام دولت و جائیداد چھین کر اس کے ماں باپ کو بھی کہیں قید کر دیا ہے۔ حیدر نہ معلوم کس طرح سر آفتاب کو لے کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کراچی جا کر اس نے ایک دوست کے توسط سے پولیس سے مدد لی تھی۔ معاملات ان کی توقع سے بڑھ کر گھمبیر ہو گئے تھے۔ وہ جلد از جلد کراچی پہنچنا چاہتا تھا۔

''مما، پپا نے کالز کی ہوں گی اور کوئی رسپانس نہ دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے ہوں گے۔ میرا سیل فون بیگ میں تھا۔ وہ نہ معلوم کہاں گر گیا ہے''۔ اسے ایک دم ہی خیال آیا تو فکر مندی سے اس سے مخاطب ہوئی۔ جواباً اس نے جیب سے اپنا فون نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے اس کے ہاتھ سے سیل لے لیا، پھر چونک کر گویا ہوئی۔

"میں کس طرح بات کروں؟"

"جس طرح بات کرتے ہیں"۔

"مگر مجھے پپا کی آواز سنتے ہی رونا آجائے گا اور وہ پریشان ہو جائیں گے"۔اس کی آواز بھیگنے لگی۔

اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی طرف ایک نظر ڈالی۔

سرخ عارضوں پر سیاہ دراز پلکیں لرزاں تھیں۔ آنسو ضبط کرنے کی سعی میں وہ گلابی ہونٹ دانتوں سے گھائل کرتی دل کے کسی گوشے میں براجمان ہو گئی تھی۔ چند سیکنڈز تک وہ اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

"نہ معلوم لیڈیز آنسوؤں کے خزانے کہاں روپوش رکھتی ہیں۔ ذرا کوئی بات ہوئی نہیں اور وہاں بن بادل برسات شروع ہو جاتی ہے"۔وہ مسکرا کر تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

"آپ کیا سمجھیں گے عورت اور اس کے احساسات کو۔ آپ نے صرف عورت سے نفرت کرنا سیکھا ہے۔ اس کا مضحکہ اُڑانا، انسلٹ کرنا آتا ہے آپ کو، آپ عورت سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں، بتا سکتے ہیں؟"اس کی تمسخر بھری مسکراہٹ اسے جلا گئی تھی۔

"عورت کتنی فراڈی و کتنی ڈرامہ باز ہوتی ہے، اچھی طرح جانتا ہوں"۔

وہ بھی یکلخت پٹڑی سے اُتر گیا۔

"مرد سے بڑھ کر فراڈی و ڈرامہ باز ہرگز نہیں ہو سکتی"۔

"یہ الزام ہے، سراسر جھوٹ ہے، سمجھی تم؟"

"سمجھنے کی ضرورت آپ کو ہے، مجھے نہیں"۔

"پلیز...... میں اس وقت کسی فالتو بکواس کے موڈ میں نہیں ہوں"۔

اس کا موڈ بُری طرح بگڑ چکا تھا۔

"سچائی کا سامنا نہ کرنا کی آپ کی عادت ہے"۔

"شٹ اَپ"۔وہ بری طرح دھاڑا۔

"آپ کو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے، کیسے مسلمان ہیں آپ جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتے"۔

وہ بے ساختہ رو پڑی اور آنسوؤں نے اسے احساس دلایا کہ خواہ مخواہ ہی بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اگر حالات نے اسے سر پھری لڑکی کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا تو اسے بھی اس کے ساتھ اچھا و نرم برتاؤ رکھنا چاہیے تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

"آئی ایم سوری۔ پلیز...... خاموش ہو جاؤ"۔وہ بدستور روتی رہی۔

"میرا ارادہ آپ کی دل آزاری کا ہرگز نہ تھا...... نہ معلوم مجھے غصہ کیوں آگیا، پلیز...... میں کوشش کروں گا، اب ایسی کوئی بات

نہ ہو جو آپ کو دکھی کر دے“۔

اس نے کار روک کر حورین سے معذرت کی۔اس کے شرمندہ انداز میں خجالت وسچائی تھی، بوجھل آواز میں کوئی احساس تھا۔

”آپ مجھے معاف نہیں کریں گی۔میں ساری رات اسی طرح بیٹھا رہوں گا، کار نہیں چلاؤں گا“۔اس کے انداز میں قطعیت تھی، وہ روتے روتے خاموش ہوگئی، آنسوؤں سے بھیگے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔

”کار چلائیں، اندھیرا پھیل رہا ہے“۔اس نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تو اس نے خاموشی سے کار اسٹارٹ کر دی۔

کار میں خاموشی چھا گئی۔

دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

☆......☆......☆

برہان لغاری جس جوش وولولے سے الیکشن میں کھڑے ہوئے تھے، اس سے بھی بڑھ کر وہ شکست کا شکار ہوئے تھے، جن مہربانوں نے انہیں اس میدان میں کھڑا کیا تھا، وہ شکست کے بعد پیٹھ دکھا چکے تھے۔ان کے پاس بیرونِ ملک فرار کے علاوہ کوئی حل نہ تھا، سو وہ اسی رات پہلی فلائٹ سے چلے گئے تھے اور کہاں گئے تھے اس سے گھر والے بھی لاعلم تھے۔ان کی شکست سے منال خاصی افسردہ ہوئی تھیں، جبکہ فائقہ مطمئن تھیں اور منال کو بھی سمجھا رہی تھیں کہ جو ہوا، اچھا ہوا۔

”ممّا! آپ کیوں اس قدر ایزی فیل کر رہی ہیں، راضی تو میں بھی نہیں تھی، پپا کو روکنا تو میں بھی چاہتی تھی مگر اب جب کہ وہ شکست کھا گئے ہیں تو مجھے بے حد رنج ہو رہا ہے“۔

”برہان لوز کریکٹر ہیں، ایسے لوگ عمر کے کسی بھی حصے میں اپنی ہابیز نہیں چھوڑتے اور کسی منسٹر کی کرسی پر بیٹھ کر وہ کیا کچھ نہ کرتے۔یہاں تو میں ان کی ہر حرکت پر نظر رکھتی ہوں، وہاں یہ ممکن نہ تھا“۔وہ ایزی چیئر پر جھولتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”یہ مرد عورت کا رشتہ بھی کیا ہوتا ہے، کوئی قریب رہ کر بھی ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر ہوتے ہیں، پھر جو دور ہیں ان کا کہنا ہی کیا“۔

”یہ کن فضول سوچوں میں اُلجھ گئیں، مسز مہرین کے ہاں پارٹی میں جانا ہے، گیٹ ٹو گیدر ہے ضرور ہے گا“۔

”آج کل کوئی پارٹی اٹینڈ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا، جہاں جاؤ پپا ہی کا ٹاپک چلتا ہے۔لوگ ہمدردی کے نشو میں طنز و تضحیک کے پتھر لپیٹ کر مارتے ہیں۔لوگ کتنے کمینے ہوتے ہیں، دوسروں کی خوشیوں پر جلتے ہیں اور دکھوں پر خوش ہوتے ہیں، میرا موڈ نہیں ہے“۔

وہ کسلمندی سے بیڈ پر لیٹ گئی۔

”ڈیئر! ہم لوگوں سے جس قدر منہ چھپائیں گے، لوگ اس قدر ہی ہماری ٹوہ میں رہیں گے، باتیں بنائیں گے، پھر ہم کب تک چھپ سکتے ہیں“۔

”کم از کم جب تک لوگ......“

"پھر وہی بات...... ہمیں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ میری طرح اسٹرانگ بنو، مائی سویٹ ہارٹ! میں نے زندگی میں کیسے کیسے حالات دیکھے ہیں، کیسے کیسے مصائب سے دوچار ہوئی ہوں، برہان کو کھو کر پایا ہے۔ میری جگہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو سرنڈر کر دیتی، وقت کی دُھول میں رُل جاتی مگر میں کامیاب رہی اور پہلے سے زیادہ اسٹرانگ ہو گئی۔ کیا کچھ نہیں ہے میرے پاس، بلا شرکت غیرے ہر شے پر میری حکمرانی ہے۔ برہان بھی میری مرضی کے بنا کوئی فیصلہ نہیں کرتے"۔ ان کے انداز میں کسی ملکہ کی مانند طمطراق و شاہانہ پن تھا۔ منال ان کو رشک آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو مائی ڈیئر؟"

"مما! آپ نے ابھی کہا تھا...... آپ نے برہان کو کھو کر پایا ہے...... کیا میں اُسے پھر سے نہیں پا سکتی؟ کھویا تو میں نے بھی اُسے ہے"۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر وہ خوب صورت چہرہ پوری طرح نمودار ہوا۔ دھیمے لہجے میں نارسائی کا دُکھ تھا۔ فائقہ چیئر سے اُٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

"نہیں"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"نہیں...... کیوں مما!" وہ بے قراری سے بولی۔

"تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، ایک ہاتھ سے کبھی نہیں۔ اسی طرح جب تک دونوں طرف محبت میں صداقت نہیں ہوگی، دونوں ایک دوسرے سے کہنا نہیں چاہیں گے تو ملن کس طرح ممکن ہے۔ برہان اور میں، پھر ایک ہوئے تو ہم نے چاہا تو ایک ہوئے اور تمہارے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ تم سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو جس کا کوئی حاصل نہیں ہے"۔

"میرا دل کہتا ہے وہ میری طرف لوٹے گا، ضرور واپس آئے گا"۔ اس کے لہجے میں یقین تھا۔ فائقہ بیگم نے زبردستی اسے پارٹی میں لے جانے کے لیے تیار کروایا اور خود بھی تیار ہو کر ڈرائیور کے ہمراہ روانہ ہو گئیں۔ فائقہ بیگم اس کا دل بہلانے کے لیے دلچسپ گفتگو کر رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے خیالات کو توجہ سے سن رہی تھی اور ساتھ ساتھ خود بھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی جا رہی تھی۔ معاً اس کی نگاہ دوسرے روڈ پر موجود کار پر پڑی اور انہیں محسوس ہوا جیسے ان کا تصور حقیقت بن گیا ہو، اسی لمحے سگنل آف ہو گیا اور تمام گاڑیاں رُک گئیں۔

اس نے بہت تیزی سے پلکیں جھپکائی تھی۔ دوسرے لمحے اسے یقین ہو گیا، وہ تصور نہیں حقیقت تھا، کیونکہ اس کے ساتھ جو وجود براجمان تھا وہ اس سے اس قدر نفرت کرتی تھی کہ کبھی خواب میں بھی اسے دیکھنا گوارا نہ تھا۔ اس ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اس کے وجود میں گویا کانٹے اُگ آئے تھے، شعلے دہک اُٹھے تھے۔

"مما! مما! کیا آپ بھی وہی دیکھ رہی ہیں جو میں دیکھ رہی ہوں؟" فائقہ بیگم بھی بے حد حیرت سے اُدھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ پرپل ساڑھی میں وہ کرن ہی تھی اور اس کے برابر میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا انس۔ ان کی آنکھوں کو دھوکا نہیں ہوا تھا۔ گزرتے وقت نے گویا کرن پر کوئی اثر نہ چھوڑا تھا۔ وہ آج بھی کل کی طرح خوب صورت اور اسمارٹ تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کے چہرے پر خوشحال و کامیاب

زندگی گزارنے کی طمانیت و بشاشت تھی جس نے اس کی زندگی کو مسرتوں سے ہمکنار کیا تھا، اس کی شخصیت کو بھی وقار تمکنت عطا کی تھی جو اسے سب میں ممتاز بناتی تھی۔ دونوں ماں بیٹیوں کی شرربار نگاہیں ان پر موجود تھیں، جن سے وہ بے خبر تھے۔ منال کے اندر تو آتش فشاں پھٹنے لگا۔ اس کی نگاہیں کرن کے مسکراتے چہرے سے ہوتی ہوئی اس کے بازو پر ٹھہر گئیں جو اس نے کرن کے شانے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس سے سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا جس پر کرن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ اس کے اندر آگ ہی آگ پھیلنے لگی تھی۔

''یہ لوگ کراچی میں ہیں اور ہمیں خبر نہیں''۔

فائقہ حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔ اسی لمحے سگنل آن ہوا تو انہوں نے ڈرائیور کو ان کی کار کا پیچھا کرنے کو کہا مگر جب تک ڈرائیور گاڑی ٹرن کر کے اس روڈ پر گیا، انس کی کار وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ منال غم و غصے سے ڈرائیور کو مغلظات سے نوازنے لگی۔

☆......☆......☆

کار تیزی سے رواں دواں تھی۔

رات کے سائے پھیل چکے تھے، اردگرد بکھرے کھیت کھلیان تاریکی کی چادر اوڑھ کر پُراسرار لگ رہے تھے۔ انہیں سفر کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ معمولی سی ہونے والی جھڑپ کے بعد ان کے درمیان خاموشی حائل ہو گئی تھی۔

کار ڈرائیو کرتے وقت اس کی نگاہیں تیزی سے اردگرد جائزہ لے رہی تھیں جہاں تقریباً تمام جگہیں ایک جیسی ہی آ رہی تھیں۔ اندھیرے میں نظر آتے کھیتوں و میدانوں کے درمیان کہیں کہیں کچی آبادیاں بھی آ رہی تھیں جہاں ہلکی ہلکی زرد روشنی میں نہائے اِکا دُکا بلب سے کسی آبادی کا پتہ چلتا تھا جو بہت کم رقبے پر مشتمل ہوتی تھی۔

اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر سست ہو گئے تھے۔ کشادہ پیشانی پر شکنوں کا جال سا ابھر آیا تھا۔ اس نے کار روک دی تھی۔

''کیا ہوا؟'' حورین نے چونک کر پوچھا۔

''یہ راستہ غلط ہے''۔

''وہاٹ؟'' اس کے حلق سے چیخ نما آواز برآمد ہوئی۔

''آہستہ کان میرے ذاتی ہیں''۔ اس کے چیخنے پر وہ بولا۔

''اب کیا ہوگا، اس ویرانے میں کوئی ہیلپ کرنے والا بھی نہیں ہوگا، کیسے گھر جائیں گے؟'' وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''ریلیکس، میں دیکھتا ہوں، شاید کوئی گائیڈ مل جائے''۔ وہ نرم روی سے مخاطب ہوا۔

''اگر نہیں ملا تو...... پھر کیا ہوگا؟''

''جو ہوگا، دیکھا جائے گا''۔ اس نے گہری سانس لے کر کار اسٹارٹ کر دی تھی اور اس سڑک پر موڑ لی۔ جہاں سے خاصے فاصلے پر کچھ جگنوؤں کی مانند جلتی ہوئی روشنیاں آبادی کا پتہ دے رہی تھیں۔

"یہ سب اس کالی زبان والے ہریرہ کی وجہ سے ہوا ہے"۔ وہ بلند آواز میں بڑبڑائی تھی۔

ذوالنون کے اندر اس نام سے عجیب سا احساس جاگا تھا۔ کڑوا کسیلا دھواں اپنے اردگرد پھیلتا ہوا اس نے محسوس کیا۔

"کہہ رہا تھا، مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو، میں تم بن کیسے رہوں گا۔ میں نے کہا تم جیسے بھی رہو گر میں بہت خوش رہوں گی"۔

گھبراہٹ و پریشانی کی زد میں وہ تیز آواز میں خود سے ہم کلام تھی اور وہ نہ چاہنے کے باوجود اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"کہنے لگا ممکن ہی نہیں ہے میرے بغیر تم کہیں خوش رہ سکو، دیکھنا کتنا خوار ہو گی، پچھتاؤ گی۔ میرے بیا اور یہی ہوا جو وہ کہتا ہے، وہ ہو جاتا ہے"۔ ذوالنون بالکل خاموش رہا تھا، اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ بھی چپ ہو گئی تھی۔ ایک بوجھل سکوت ان کے درمیان تھا۔

کل رات پوری فیاضی سے چاندنی نچھاور کرنے والا چاند آج سیاہ بدلیوں میں رُوپوش تھا۔ اسی سبب زمین و آسمان پر تاریکیوں کی مہیب چادر تنی نظر آ رہی تھی۔

بستی کے قریب جا کر اس نے کار روک دی۔ وہ کوئی چھوٹا بازار تھا جس کی دُکانیں بند تھیں، البتہ بند دکانوں کے آگے کہیں کہیں بلب روشن تھے جنہوں نے دور سے اسے راستہ دکھایا تھا۔

"یہاں تو کوئی نظر نہیں آ رہا، راستہ کس سے معلوم کریں گے؟"

"عام طور پر گاؤں میں لوگ جلد سونے اور جلد بیدار ہونے کے عادی ہوتے ہیں، بارہ بج چکے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے نصف رات گزر چکی ہے پھر بھی باہر نکل کر دیکھتا ہوں، کوئی نہ کوئی شاید مل ہی جائے"۔ وہ اسے وہیں بیٹھے رہنے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ اس نے باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا ہی تھا کہ ایک آدمی کو اپنے طرف آتے دیکھ کر وہ چوکنا ہو گیا۔ اس آدمی نے قریب آ کر سلام کیا، ہاتھ ملایا۔

"میں مسجد کی چھت سے کھڑا بہت دیر سے آپ کی گاڑی کو آتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ یہ خبر میں نے میاں صاحب کو بھی دی تھی، وہ کہنے لگے ہمارے یہاں ایسا کوئی نہیں ہے جس کے مہمان گاڑی میں آئیں، یہ کوئی اجنبی ہیں جو راستہ بھٹک کر اِدھر آ رہے ہیں، آپ کو لینے کے لیے ہی انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔ آئیں اب میرے ساتھ چلیں، ہمشیرہ کو بھی لے لیں"۔

آنے والا شخص تقریباً اس کا ہم عمر تھا۔ وائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس سر پر ٹوپی جمائے وہ احترام بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تھینکس، بہت مہربانی آپ کی اور آپ کے میاں صاحب کی۔ مجھے آپ کراچی جانے والا راستہ بتا دیں اگر لیٹ نہیں ہو رہا ہوتا تو ضرور آپ کے میاں صاحب سے شرف ملاقات حاصل کرتا"۔

"ارے...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ...... توبہ توبہ ایسے مت کہیں، میاں صاحب سے تو گھڑی بھر ملاقات کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں"۔

وہ شخص متغیر رنگت سے گویا ہوا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں، میرے ساتھ خاتون ہیں، ان کی وجہ سے میں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتا ہوں، تا کہ کوئی پرابلم نہ ہو"۔

"خاتون کی وجہ سے ہی آپ کا اس وقت سفر پُر خطر ہے"۔

"میں مطلب نہیں سمجھا آپ کا"۔

"آپ سمجھ بھی رہے ہیں اور نہیں بھی۔ ان علاقوں میں شر پسند لوگوں کے ٹھکانے ہیں جو اکثر لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں اور صاحب حیثیت لوگوں کو اغوا کر کے تاوان وصول کرتے ہیں۔ رات کے وقت ان راستوں سے خاتون کے ساتھ گزرنا ذرا بھی دانش مندی نہیں ہے"۔

وہ لوگ کار کے قریب کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ آواز حورین کی سماعتوں تک بھی پہنچ رہی تھی، وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

ذوالنون کو اس کی باتوں میں صداقت محسوس ہو رہی تھی۔ ان تمام حالات سے وہ واقف تھا۔ اس وجہ سے وہ بنا رُکے فاسٹ ڈرائیونگ کر تا رہا تھا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا جو وہ بھٹک گیا تھا۔ اسے اپنی فکر نہ تھی لیکن حورین کے خیال سے اس نے یہاں رات رُکنے کا فیصلہ کر لیا۔ حورین کو بتایا تو وہ خاموش رہی۔

"آئندہ اپنے کزن کی "سیاہ زبان" سے بچئے گا"۔ اس کی آواز میں نہ معلوم کیا تھا، وہ دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

ہوٹل میں کونین سے ملاقات ہونا اور وہ بھی مہران علوی کی موجودگی میں، اس کے لیے بہت شدید صدمے کا باعث بنا تھا۔ اس نے اس ملاقات کا اتنا شدید ڈپریشن لیا تھا کہ اگر بروقت اسے ٹریٹمنٹ نہ ملتی تو وہ نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو جاتی۔ ساری رات وہ دواؤں کے زیر اثر سوتی رہی تھی، پھر دن چڑھے بیدار ہوئی تو سب کو اپنے قریب دیکھ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"خضریٰ! ایک بات بالکل سچ سچ بتائیں"۔ وہ ناشتے سے فارغ ہوئی تو صنوبر بیگم سنجیدگی سے مخاطب ہوئیں، سب جا چکے تھے۔

"مہران علوی کو آپ پسند نہیں کرتیں؟"

"یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہیں آپ؟" اس کی آواز دھیمی تھی۔

"میں محسوس کر رہی ہوں، آپ خوش نہیں ہیں، آپ بالکل بدل گئی ہیں۔ خاموش، تنہائی پسند بلکہ بیزار رہنے لگی ہیں۔ مہران سے رشتہ ہونے سے قبل ایسا کچھ نہیں تھا۔ آپ بہت خوش و خرم رہتی تھیں"۔

صنوبر بیگم اس کی گرتی ہوئی صحت و بدلتی ہوئی طبیعت کے لیے از حد فکر مند تھیں، انہوں نے یہی اندازہ لگایا کہ مہران علوی سے نسبت طے ہونے کے بعد اس میں یہ سب تبدیلیاں آئی ہیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ممی! مہران اچھے ہیں"۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"پھر آپ اپ سیٹ کیوں رہنے لگی ہو؟"

"شاید ہسپتال کا کام بہت سخت ہو گیا ہے"۔

"ہاں، اس طرف بھی میرا دھیان گیا تھا، پھر بھی بات ہو سکتی ہے، میں صمد سے کہوں گی، ہسپتال میں کسی اور لیڈی ڈاکٹر کو اپائنٹ کریں۔ اب آپ ہسپتال جوائن نہیں کریں گی"۔ وہ قطعیت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔ خنزیٰ اس اقدام پر بوکھلا کر بولی۔

"میں نے گھر میں بیٹھنے کے لیے کوالیفکیشن حاصل نہیں کی ہے، مجھے کام کرنا ہے، لوگوں کو میری ضرورت ہے"۔

"فی الحال تو آپ آرام کرو، صمد اور حمزہ نے چند روز کے لیے آپ کو مکمل بیڈ ریسٹ کرنے کی تلقین کی ہے"۔

صنوبر چلی گئیں تو وہ کمرے میں تنہا رہ گئی۔ تنہائی میسر آتے ہی پھر وہ مناظر ذہن کی اسکرین پر چلنے لگے۔

ان ڈارک براؤن حزن آمیز نگاہوں سے اسے مہران کے ہمراہ دیکھ کر کیسا درد کیسی تڑپ جاگی تھی۔ محرومی و بے بسی اس کی نگاہوں سے عیاں تھی۔

"کتنا اچھا ہوتا کونین اگر آنٹی کبھی تمہیں یہاں آنے کی اجازت نہ دیتیں۔ نہ تم یہاں آتے، نہ یہ ادھوری کہانی شروع ہوتی۔ تم اپنی دنیا میں مگن رہتے تو میں بھی دل کی تمام سچائیوں کے ساتھ مہران علوی کو قبول کر لیتی۔ میری زندگی اس طرح ایک پزل نہ بنتی"۔

"وہ سوچوں میں گم تھی۔ معاً دروازہ ناک کر کے اریبہ اندر آئی تھی۔

"آپی! کونین بھائی آئے ہیں آپ کی عیادت کو"۔

"انہیں کس نے خبر کی؟" غیر ارادی طور پر اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"یقیناً تم نے۔ تمہارے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی، کسی کو چھینک بھی آجائے تو اعلان کرتی پھرتی ہو اور میں کون سا مر رہی تھی جو تم نے انہیں خبر کر دی"۔ اریبہ حیرانگی سے نرم مزاج و خاموش طبع بہن کو پہلی بار غصے سے گرجتے برستے دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری آپی! میں نے انہیں کال نہیں کی"۔ وہ خوف زدہ سی بولی۔

"پھر الہام ہوا ہے انہیں؟"

"انہوں نے رات کو ہی فون کیا تھا آپ کی طبیعت معلوم کرنے کے لیے۔ کہہ رہے تھے آپ سے اور مہران علوی سے ہوٹل میں ملاقات ہوئی تھی، وہیں انہیں معلوم ہوا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رات سے اب تک وہ کئی کالز کر چکے ہیں، آپ کے جاگنے کا سن کر ملنے آئے ہیں"۔

اس کے بگڑے موڈ کے پیش نظر وہ ایک سانس میں کہتی چلی گئی۔

"جا کر کہہ دو ان سے، میں سو رہی ہوں"۔

"لیکن آپ تو جاگ رہی ہیں"۔ بہن کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"تم سے جو کہا ہے وہ کرو، دادو کے پاس لے جاؤ انہیں"۔

"دادو، بھابی کے ساتھ گئی ہیں اور ممی بھی ابھی شاپنگ کو گئی ہیں"۔

"سب کو ابھی جانا تھا، خود جا کر بیٹھ جاؤ ان کے پاس"۔

قبل اس کے کہ کوئی اور بات ہوتی، بھاری قدموں کی چاپ سن کر اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں تھی، آنے والا کونین ہی تھا۔

"اریبہ! میں جا رہا ہوں"۔ وہ کہہ کر رکا نہیں، تیزی سے چلا گیا تھا۔ وہ گومگو کی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

منال کی حالت دیوانوں کی مانند ہو گئی تھی، جب سے انہوں نے انس کو اس روڈ پر گزرتے دیکھا تھا۔ وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھیں۔ کل سے اب تک کئی چکر وہ اس روڈ کے لگا چکی تھیں۔ اس اُمید پر کہ شاید وہ یہاں سے پھر گزرے، کئی گھنٹے اس انتظار میں وہ کھڑی بھی رہی تھیں مگر انس کو نہ آنا تھا اور نہ وہ آیا اور ان کے اندر گویا وحشتوں کا جنگل اُگ آیا۔ بھوک پیاس اُڑ گئی۔ نیند نے فرار حاصل کیا۔ فائقہ نے بڑی ہمت و حوصلے سے انہیں سنبھالا تھا، ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ وہ خود کو ہی نقصان پہنچا لیتی۔ کرن کا مطمئن خوش و خرم چہرہ، آسودہ مسکراہٹ اور ان کے شانوں پر رکھا انس کا ہاتھ انہیں پل پل کسی تیز دھار چھری کی طرح گھائل کر رہا تھا۔

وہ بن جل کی مچھلی کی مانند تڑپ رہی تھی۔ خواب انہوں نے دیکھے تھے اور تعبیر کرن کے حصے میں آئی تھی جو پہلو اس کی رفاقت کے لیے تھا وہ کرن کا حصار بن گیا تھا۔

"میں مار دوں گی تمہیں کرن، زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم نے مجھ سے میری خوشیاں چھینی ہیں، میں تم سے تمہاری زندگی چھین لوں گی، اتنا تڑپاؤں گی، اتنا سسکاؤں گی کہ مرنے کے بعد بھی تمہیں لمحہ بھر سکون نہ مل پائے گا"۔ وہ ہتھیلی پر مکا مار کر پُرعزم لہجے میں بولیں۔

"پاگل مت بنو منال! سنبھالو خود کو، اس شخص کے پیچھے تم نے اپنی پوری زندگی برباد کر ڈالی ہے اب تو بھول جاؤ اسے"۔

فائقہ بیگم اسے جھنجھوڑتے ہوئے فہمائشی لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کل تک میں اس کی محبت میں بے سدھ تھی مما، مگر میری نگاہوں نے جو منظر کل دیکھا، اس کی رنگین مسرتوں بھری زندگی کا لمحہ میری آنکھوں میں سمٹ آیا ہے، جس کی خاطر میں نے اپنی ہر خوشی تیاگ دی، اس کٹھور شخص کو میری خوشیاں تو کیا غم کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ ایسے بے حس و بے وفا شخص کے لیے میں نے روگ پالا، نفرت ہو رہی ہے مجھے اپنی اس بے وقوفی پر"۔

ان کے لفظوں میں نفرتوں کا زہر گھلا ہوا تھا۔

"میری محبتیں بے انتہا تھیں تو نفرتیں لامحدود ہوں گی۔ ان دونوں سے میں ایسا انتقام لوں گی کہ ساری زندگی بھول نہیں پائیں گے"۔ اس کے حسین چہرے پر بڑے بھیانک عزائم تھے۔

"میری محبت اسے نہ ڈھونڈ سکی مگر میری نفرت انہیں بہت جلدی ڈھونڈ نکالے گی، یہ میرا دل کہتا ہے۔

☆......☆......☆

پختہ و نیم پختہ مکانوں کے صحنوں میں دھیمی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ گلیوں میں کتے گھومتے پھر رہے تھے، ہر سُو پھیلی خاموشی میں

کتوں کے بھونکنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس نوجوان کی ہمراہی میں اس نے کار اس جگہ لا کر روک دی جو مکانوں سے فاصلے پر تھی۔ ایک خاصا کشادہ میدان تھا جس کے ایک طرف کھیتوں کا سلسلہ تھا اور سامنے مسجد تھی جو شاید کسی پہاڑی کو کاٹ کر تعمیر کی گئی تھی جس کی بنا پر وہ کافی بلندی پر واقع تھی۔ سرخ اینٹوں سے بنی اس مسجد کے سبز گنبد و میناروں سے نور برس رہا تھا۔ کئی سیڑھیاں عبور کر کے وہ مسجد کے صحن میں پہنچے تھے اور وہاں سے دائیں طرف ایک چوڑی راہداری سے گزر کر ایک بڑے کمرے کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہونے سے قبل وہ نوجوان گویا ہوا۔

''یہ بابا صاحب کی آرام گاہ ہے۔ جوتے باہر ہی اُتار کر اندر آجائیں''۔ مؤدب انداز میں وہ لڑکا ذوالنون سے مخاطب ہوا۔ اندر کہیں لوبان سلگ رہا تھا۔ لوبان کی خوشبو میں لپٹی گلاب موتیا کی مہکار نے ماحول کو پُر تقدس روپ بخشا تھا۔ بڑی روح پرور فضا تھی۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتی ذوالنون کے پیچھے چل رہی تھی، اندر سفید براق چاندنی بچھی ہوئی تھی، سفید ہی رنگ کے گاؤ تکیے جا بجا رکھے ہوئے تھے، وہاں بھی بلب روشن تھا مگر باہر جو وحشت و ویرانی وہ دیکھتی ہوئی آئی تھی، وہ اس جگہ مفقود تھی بلکہ یہاں بے حد آسودگی، رونق اور روح کو پُرسکون کر دینے والی فضا تھی۔

''آپ لوگ بیٹھیں، بابا صاحب تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر ابھی کچھ دیر میں آتے ہی ہوں گے، بلکہ آپ لوگ ہاتھ منہ دھو لیں۔ یہ کمرے سے ملحقہ باتھ روم ہے''۔ وہ شخص مخاطب ہوا تھا۔

''آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا''۔ ذوالنون کو اس کی سادگی و شفیق انداز بہت بھایا تھا۔

''مجھے حارث کہتے ہیں، بی اے کی ڈگری یافتہ ہوں''۔ اس نے بھی مسکراتے ہوئے تعارف کرایا تھا۔

''یہاں کیا کرتے ہو؟''

''بابا صاحب کی خدمت کرنے سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔'' اس کے لہجے کے ساتھ آنکھوں میں بھی والہانہ عقیدت اُبھر آئی تھی۔

''کون ہیں یہ بابا صاحب؟'' اس تکرار سے وہ اُلجھ گیا تھا۔

''بہت بڑی، بہت اونچی ہستی ہیں بابا صاحب۔ یہ پورا گاؤں ہی نہیں، ارد گرد کے تمام گاؤں اور شہروں سے لوگ ان سے ملنے اور دُعائیں کرانے آتے ہیں۔ بہت اثر ہے ان کی دُعاؤں میں۔ اللہ بہت جلدی سنتا ہے ان کی۔ کوئی ضرورت مند خالی نہیں جاتا یہاں سے۔ اتنے سخی و دریا دل ہیں بابا صاحب۔ وہ بابا صاحب کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ وہ سوچ رہا تھا یہ گاؤں کے لوگ تعلیم کی روشنی میں کتنے بھی بہرور ہو جائیں، ان کی سادہ لوح طبیعت اس پیری فقیری و باباؤں کے سحر سے نکل نہیں سکتی۔ اس پُر آشوب و پُر فریب نفانفسی کے سنگین دور میں کون ولی کامل ہے جو لوگوں کی پریشانیوں و حاجتوں کے لیے دستِ دُعا دراز کرے گا۔ ایسے لوگ اس دور میں نایاب ہو گئے ہیں جو دوسروں کی پریشانی و تکالیف کو اپنی سمجھ کر اپنی راحتوں اور مسرتوں کو غیروں کے لیے وقف کر دیں۔ اب تو جعلی و جھوٹے پیر و بابا گاؤں

ڈشیوں میں بکھرے پڑے ہیں اور اپنی جیبیں بھرتے ہیں۔ حارث سے اس نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کمرے سے ملحقہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا تو وہاں سے چلا گیا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر آیا تو حورین کو بھی اس نے بھیج دیا۔ حورین ہاتھ منہ دھو کر آئی تو وہ گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھا، آنکھیں بند کیے ہوئے کسی سوچ میں گم۔ وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی ایک طرف دیوار کے سہارے بیٹھ گئی، اس کے چہرے پر بے حد اُداسی تھی۔

"بھوک لگ رہی ہے؟" وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے گویا ہوا۔

"نہیں"۔ اس نے جھوٹ کہا۔ صبح سے اب تک وہ تقریباً بھوکی ہی رہی تھی۔ زلیخا کی جلی کٹی باتیں اور خود اس کی اچاٹ طبیعت نے بھوک کا احساس نہ ہونے دیا مگر اب بھوک بڑی شدت سے لگ رہی تھی۔

"لیکن تمہاری آواز بتا رہی ہے، تمہیں بھوک لگ رہی ہے"۔ وہ اس کی طرف گھوما تھا، اپنی گرم نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالتا مسکراتے لہجے میں گویا ہوا۔

"اگر میں کہوں ہاں پھر اس وقت کھانا کہاں سے آئے گا؟ بازار تو سارے بند پڑے ہیں"۔ وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

"حارث کہتا ہے، بابا صاحب جو ہمارے میزبان ہیں، وہ بہت اونچی ہستی ہیں، ایسی پہنچی ہوئی ہستی نے ہماری بھوک مٹانے کا انتظام بھی کیا ہوگا"۔ اس کی آواز میں استہزا تھا، اسی لمحے دروازہ کھلا، بڑی سی ٹرے میں حارث کھانے کی ڈشیں اور پراٹھے رکھ کر لایا تھا۔ ساتھ پانی کا جگ اور گلاس بھی تھے۔ ذوالنون اُٹھ بیٹھا۔ حارث نے ٹرے ایک طرف رکھ کر پہلے دسترخوان بچھایا پھر باترتیب اس پر ٹھنڈے گوشت کی ڈش، انڈے، پراٹھے اور جگ گلاس رکھ کر گویا ہوا۔

"وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے یہی دستیاب ہو سکا ہے"۔

"بے حد شکریہ، بلکہ معذرت کہ بے وقت تکلیف دی ہے آپ کو"۔

حورین دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی کہ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرنے والا اکھڑ مزاج شخص کس قدر خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا، جیسے غصہ و بدمزاجی اسے چھو کر نہ گزری ہو۔

"معذرت کر کے آپ شرمندہ کر رہے ہیں، یہ بابا صاحب کا اصول ہے کہ کوئی بھی مہمان بنا خاطر تواضع نہ جائے۔ مہمانوں کی بڑی عزت کرتے ہیں بابا صاحب۔ گاؤں والوں کا ہر مہمان بابا صاحب کا مہمان ہوتا ہے، پھر آپ تو خالص بابا صاحب کے مہمان ہوئے کہ سیدھے یہیں آئے ہیں"۔

"ہیں کہاں بابا صاحب؟ کب تک ملاقات ہوگی؟" اس کے انداز میں مرعوبیت نہیں، اشتیاق کی ننھی سی کرن تھی۔

"آپ کھانا تناول فرمائیں، بابا صاحب آتے ہی ہوں گے"۔ وہ انہیں کھانے کی تلقین کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟"

''میں کھا چکا ہوں، آپ کھائیں''۔ وہ کہہ کر چلا گیا۔

''دُنیا میں ابھی اچھے لوگ موجود ہیں''۔ حورین نے پلیٹ میں اس کے لیے سالن نکالتے ہوئے کہا۔

''جو کھانا کھلاتے ہیں''۔ اس نے لقمہ لیتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''آپ بلاوجہ لوگوں پر طنز کرنا کب چھوڑیں گے؟'' اس کے انداز پر وہ بری طرح تپ گئی تھی۔

''چھوڑ دیا''۔ اس نے بھرپور انداز میں مسکرا کر کہا۔

حورین نے کچھ نہیں کہا۔

بہت مزے دار کھانا تھا، دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو حارث کسی جن کی طرح حاضر ہوا اور برتن سمیٹ کر لے گیا۔ وہ بہت باحیا و شریف النفس آدمی تھا۔ ایک بار بھی اس کی نگاہیں حورین کی جانب نہیں بھٹکی تھیں۔

کچھ دیر گزری تھی، جب ایک باریش نورانی چہرے والے بزرگ شفیق مسکراہٹ سجائے اندر داخل ہوئے۔ سفید شلوار کرتے پر سفید ہی ٹوپی اوڑھے بڑی گرم جوشی و محبت بھرے انداز میں وہ ذوالنون سے ملے۔ ان کے پُرنور چہرے پر اتنی شفقت و مروت تھی کہ ذوالنون بھی لمحے بھر کو تو سکتے میں رہ گیا۔ حورین نے سلام کیا۔

''بیٹھو بچو! راستہ بھٹک کر یہاں آنکلے''۔ وہ خود بھی ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئے اور ان سے مخاطب ہوئے۔

''جی۔ نہ معلوم کس طرح راستہ بھول گیا اور اِدھر آنکلا''۔

''نہ معلوم راستہ بھٹکے ہو یا کسی منزل پر پہنچ گئے ہو۔ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ راستہ کس سمت جانے والا ہے۔ سب راستوں سے واقفیت و منزلوں کا پتہ تو صرف ایک ہستی کو معلوم ہے، وہ ہستی جو وحدہٗ لاشریک ہے، جو سب جہانوں کو چلا رہا ہے''۔

وہ گویا خود سے ہم کلام تھے۔ اس اثناء میں حارث ٹرے میں چائے کی پیالیاں رکھے لے آیا اور ان تینوں کو دے کر خود بھی اپنی پیالی لے کر بابا صاحب کے قریب بیٹھ گیا۔

''شہر سے آئے ہو، اس لیے میں نے چائے بنوائی ہے کہ شہر والے جب تک چائے نہ پی لیں ان کی تھکن نہیں اُترتی ہے''۔ وہ شفیق انداز میں گویا ہوئے۔

''بابا صاحب! ہم نے بہت تکلیف دی ہے آپ کو اس وقت''۔ حورین نے بہت مؤدب لہجے میں کہا۔ وہ پوری طرح ان سے متاثر ہو گئی تھی۔ ان کے اخلاق و مہمان نوازی کی۔

''بیٹی! تکلیف کیسی، مجھے آج بڑی راحت نصیب ہوئی ہے۔ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے گھر مہمان آتے ہیں اور خصوصاً بیٹی کی صورت میں تو خوش قسمتی دوہری ہو جاتی ہے''۔

ان کے مسرت سے سرشار لہجے میں کوئی بناوٹ و جھوٹ نہ تھا۔ وہ مہمان نوازی کے کئی قصے سناتے چلے گئے۔

''وہ وقت گزر گیا جناب! جب مہمانوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا اور ان کی خاطر تواضع میں ادھار مانگ لینے سے گریز نہ کیا جاتا تھا۔ اب تو یہ جذبہ کم کم لوگوں میں رہ گیا ہے''۔ ذوالنون نے چائے پیتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا، جواباً وہ مسکرا کر بولے۔

''میاں! نیکی اور اچھائی کسی بھی روپ میں اپنا وجود ضرور قائم رکھتی ہے، جس دن صلہ رحمی و حقوق العباد جیسے بے مثل جذبوں کو فرسودگی کا قفل لگا کر چھوڑ دیا جائے گا، اس وقت دُنیا کے تمام بدصورت و کریہہ چہرے بے نقاب ہو کر انسانی اقدار کو سلب کر لیں گے۔ تب حیوانیت اپنے عروج پر ہوگی اور رقص ابلیس میں ہر شے اور ہر اخلاقیات سے آزاد ہو کر انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہو جائے گا، پھر دُنیا ہی نہ رہے گی''۔ رات کے پُرسکون ماحول میں ان کی دھیمی و شیریں آواز ان کی سماعتوں میں رس ٹپکا رہی تھی۔

چائے پی جا چکی تھی، حارث پیالیاں سمیٹ کر باہر لے گیا۔ چند منٹ بعد واپس آ کر وہ بابا سے کچھ فاصلے پر مؤدبانہ انداز میں گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

''آپ کو تھکن محسوس ہو رہی ہے برخوردار! ہم چلتے ہیں، آپ آرام کریں''۔ وہ ذوالنون کے چہرے پر موجود بیزاری بھانپ کر گویا ہوئے۔

''نہیں...... میں تھکن محسوس نہیں کر رہا، اگر آپ کی عبادت میں خلل واقع نہ ہو تو آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونا ہماری خوش قسمتی ہوگی''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تہجد کا وقت ہے اور آج عجیب بات یہ ہے کہ نیند بھی نہیں آ رہی ہے۔ یہ وقت آپ کے ساتھ ہی گزاروں گا، اگر آپ کو آرام کرنا ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔ بے شک میرا غریب خانہ ان تمام آسائشات سے محروم ہے مگر یہاں وہ سکون و راحت موجود ہے جو شہری زندگی میں مفقود ہو چکی ہے۔ درحقیقت آسائشات کو حیات کا جزو بنا لینا اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔ آج جو دُنیا میں بے چینی و اضطراب کسی وبا کی طرح پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اس کا اصل سبب ان ہی آسائشات کا حصول ہے۔ خواہ جائز ہوں یا ناجائز۔ لوگ دین و آخرت کو بھلا کے آسائش کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں زندگی کے حُسن سے محروم ہو رہے ہیں''۔

''زندگی حسین کہاں ہے؟ مجھے زندگی کبھی حسین نہیں لگی بابا!''

اس کے اندر کی شکستگی ایک لمحے کے لیے اس کی سرمئی آنکھوں اور بھاری لہجے میں نمایاں ہو کر غائب ہو گئی۔

''زندگی بہت پیاری ہے، بہت خوب صورت ہے۔ اس کی خوب صورتی دیکھنے کے لیے یہ ظاہرہ آنکھیں نہیں، دل کی آنکھیں کھولنی پڑتی ہے۔ اس رب کی کائنات کے حُسن کو دیکھنے کے لیے من کو ہر آسودگی سے پاک کرنا پڑتا ہے۔ قلب نکھرا ہوگا تو ہر شے اپنے اصل حُسن کے ساتھ دکھائی دے گی۔ نفس جب طہارت و پاکیزگی کے نور سے جگمگائے گا تو اللہ کی اس دُنیا کے ہر ذرّے ذرّے سے رنگ و روشنی چھلکتی نظر آئے گی''۔

خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجاتے ہیں لیکن
بچھڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ

"آپا ایک بات پوچھوں؟" اپنی سوچوں میں اُلجھی خنتریٰ نے یوں ہی بیٹھے بیٹھے سر ہلا دیا۔

"آج جو آپ نے کونین بھائی کے ساتھ کیا، وہ کیا تھا؟" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"وہاٹ؟...... کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے چونک کر بہن کی طرف دیکھا۔ شفاف رنگت، جاذب نظر نقوش و دل کش خدوخال والی اریبہ قد میں اس کے برابر ہو چکی تھی اور جس انداز سے وہ اس کے قریب بیٹھی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ عقل و شعور، دانش و فہم کی حدود میں بھی داخل ہو چکی ہے۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"آپ کا رویہ ان کے ساتھ نارمل نہ تھا۔ وہ آپ کی وجہ سے شاید کل رات سو بھی نہ سکے تھے۔ ان کی سرخ آنکھیں اور چہرے کی تھکن بتا رہی تھی کہ وہ بے حد پریشان رہے ہیں۔ رات سے صبح تک انہوں نے کئی کالز کی تھیں پھر وہ آپ کے بیدار ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ آپ میڈیسنز کے زیرِ اثر سو رہی تھیں۔ میرے انفارم کرنے پر وہ آئے تھے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے صبح کہا تھا وہ سب انہوں نے سن لیا تھا۔ شاید وہ میرے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔ انہیں اُمید بھی نہ ہو گی کہ آپ ان سے ملنے سے انکار کر دیں گی، وہ بھی اس انداز میں"۔

تاسف و پریشان کن انداز میں گفتگو کرتی یہ وہ اریبہ نہ تھی جو اپنے لاابالی انداز میں خنتریٰ سے لڑتی جھگڑتی دکھائی دیتی تھی، اس کی چھیڑ چھاڑ پر گھنٹوں چہرہ چھپائے روتی رہتی تھی۔

اس کے سامنے بیٹھی پیاری اریبہ بہت باشعور، سمجھدار اور معاملہ فہم تھی۔

"آپ ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے؟" خنتریٰ کو مسلسل اپنی جانب نظریں مرکوز کیے دیکھ کر وہ گھبرا کر بولی۔

"نہیں"۔

"پھر؟"

"میں سوچ رہی ہوں تم اتنی بڑی ہو گئی اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوا کہ میری بہن میرے قد جتنی ہو گئی ہے"۔ اس کے لبوں پر تبسم تھا۔

"دراصل آپی! آپ نے ہمیشہ سے ہی میرے اور اپنے درمیان فاصلہ رکھا ہے، ورنہ ہمارے درمیان عمر کا فرق کوئی زیادہ نہیں ہے، آپ مجھ سے صرف دو سال بڑی ہیں، یہ کوئی فرق نہیں۔ میں نے بہنوں میں ڈبل عمر کے فرق کے باوجود فرینڈشپ دیکھی ہے۔ آپی! اگر بھائی بہنوں کے محافظ کہلائے جاتے ہیں تو بہنیں بہنوں کا عکس ہوتی ہیں، روح ہوتی ہیں"۔

"اوہ مائی گاڈنس...... اریبہ! تم واقعی بڑی ہو گئی ہو۔ نہ صرف بڑی ہو گئی ہو بلکہ بڑی بڑی باتیں بھی کرنے لگی ہو"۔ خضریٰ نے فرط مسرت سے اسے گلے لگا لیا۔ "آئی ایم سوری، میں نے آج تمہارے ساتھ بہت بُرا کیا"۔

"اِٹس او کے۔ میں ہرٹ نہیں ہوئی مگر کونین بھائی کو بے حد ہرٹ کیا ہے آپ نے۔ آپ کو ان سے سوری کرنا چاہیے"۔ اس نے علیحدہ ہو کر کہا۔

"میں نے ان سے ملنا ضروری نہیں سمجھا، اس لیے میں نے کہہ دیا"۔

"آپ کیوں ملنا نہیں چاہتی ہیں ان سے؟ کوئی وجہ تو ہو گی؟"

"تم کیوں اتنا فورس کر رہی ہو؟" اس کا انداز شگفتہ تھا۔

"اس لیے کہ...... آپ دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، وہ میں ایک عرصے سے محسوس کر رہی ہوں مگر اب لگتا ہے کہ سب کو معلوم ہو جائے گا"۔

"ار...... یہ! ہمارے درمیان کیا ہے؟ کیا سب کو معلوم ہو جائے گا؟" وہ استفہامیہ نظروں سے بہن کی جانب دیکھ رہی تھی اور اس کی نگاہوں میں اسے اپنے دل کی تحریر نظر آ گئی۔ وہ تمام داستان رقم تھی جو اس نے ہر ایک سے چھپائی تھی۔ وہ دم بخود رہ گئی۔

"آپی! میں نے بتایا تھا نا ابھی آپ کو، بہنیں ایک دوسرے کا عکس ہوتی ہیں، روح ہوتی ہیں، پھر بھلا روحوں سے کوئی بات چھپتی ہے؟ میں سب جانتی ہوں، آپ کی خاموش محبت کو منال چچی کی وجہ سے زبان نہ مل سکی مگر کونین بھائی جیسے کھرے اور سچے بندے ان سے ٹکرا سکتے تھے، اگر آپ ان کو ذرا بھی اشارہ کر دیتیں تو وہ کیا کچھ نہ کر دیتے"۔ انکشافات کی بند گٹھڑی اریبہ کھول کر بیٹھی تو وہ حیران رہ گئی۔

"پلیز اریبہ! آج کے بعد میں کبھی تمہارے منہ سے یہ تذکرہ نہ سنوں، کیا تم نے مجھے اس قدر خود غرض و خود پسند سمجھا ہے کہ میں اپنی خوشیوں کی خاطر منال آنٹی کی اُمیدوں کا محور چھین لوں؟"

"منال آنٹی جیسی خود غرض و خود پسند عورت کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ وہ کب کسی کی خوشیوں اور اُمیدوں کا خیال رکھتی ہیں؟ وہ بڑی کینہ پرور اور حاسد مزاج عورت ہیں بلکہ...... وہ عورت کے روپ میں ایک زہریلی ناگن ہیں۔ ان میں اتنا زہر ہے کہ ان کے زہر سے ان کا گھر بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ اپنی زندگی میں تو ان کا زہر پھیلا ہی تھا، اپنے اس بیٹے کو بھی وہ معاف نہ کر سکیں جو انہیں سب سے زیادہ چاہتا ہے"۔ اریبہ کے لہجے میں منال کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

"اریبہ! ایسا مت کہو، مجھے ان پر بے حد ترس آتا ہے۔ حمزہ انکل انہیں چھوڑ کر چلے گئے، شاید باہر کسی ملک میں جا کر انہوں نے کسی میم سے شادی کر لی۔ انہوں نے پلٹ کر ان کی خبر نہ لی، اسی وجہ سے وہ ایسی ہو گئی ہیں"۔ خضریٰ نے رسانیت سے سمجھایا۔

"حمزہ انکل بہت نائس تھے۔ ان کے جانے کی وجہ آنٹی ہی ہوں گی"۔

☆......☆......☆

بابا صاحب کو ان کے ساتھ بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ معاً انہیں جانا پڑ گیا۔ گاؤں کے کسی شخص کی اچانک طبیعت خراب ہونے کے بعد دم کروانے کے لیے کوئی انہیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ ان سے معذرت کرتے اور آرام کی تلقین کرتے ہوئے حارث کو ساتھ لے کر چلے گئے تھے۔

"وہاں جا کر آرام کرلو، گیٹ بند کر لینا"۔ ان کے جانے کے بعد وہ حورین سے مخاطب ہوا جو ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی۔

"میں یہیں ایزی فیل کر رہی ہوں"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"جیسے آپ کی مرضی......" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولا اور خود وہیں اس سے خاصے فاصلے پر چہرے پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔

ان کے درمیان خاموشی جال بننے لگی تھی۔

نہ معلوم کتنی دیر گزری تھی۔ وہ گزرتے وقت کے کسی لمحے کی گرفت میں بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی اور نہ معلوم کتنی دیر تک محوِ خواب رہی۔ نیند کی کیفیت میں اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو، آوازیں دے رہا ہو۔ پہلے بہت دور دور سے، پھر رفتہ رفتہ آوازیں قریب آ گئیں۔ ابھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ خواب ہے یا حقیقت، اپنے شانے پر بھاری ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ گئی۔

وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے اس کے شانے پر رکھا ہاتھ ہٹاتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"اس طرح سوؤ گی تو تھک جاؤ گی۔ میں باہر جا رہا ہوں، ایزی ہو کر سو جاؤ۔ اوکے......" وہ اسے دیکھتا ہوا اُٹھ گیا، جبکہ وہ اسی طرح نیند بھری آنکھوں سے اسے دور جاتے ہوئے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ بند ہونے والے دروازے کی آواز اسے ہوش و حواس میں لے آئی۔ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اپنے منتشر ذہن کو یکجا کر لیا۔

کل سے اب تک کتنے نئے وانوکھے روپ دیکھے تھے اس نے اس شخص کے۔ ہر روپ پہلے سے بہت مختلف ہوتا تھا۔

مغرور، گھمنڈی، خود پرست، خود پسند، کسی کو خاطر میں نہ لانے والا اور خصوصاً صنفِ مخالف کو کوئی اہمیت وقعت نہ دینے والا، سر پھرا، بد دماغ۔ اس کی اسی بد دماغی کے باعث اوّل روز سے اس کی اس شخص سے ٹھنی رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور بے عزت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

اب جب وقت نے اسے اس کے رحم و کرم پر ڈالا تو وہ اسے نجات دہندہ نظر آنے لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ تھا، قریب تھا۔ دور سے اس سڑیل مزاج بندے میں جتنی برائیاں نظر آتی تھیں، اب ان گزرے گھنٹوں میں ساتھ رہنے سے معلوم ہوا تھا کہ باہر سے چٹان کی طرح سخت اور لوہے کی مانند بے لچک دکھائی دینے والا یہ شخص اپنے ظاہر پن سے بالکل ہی متضاد ہے۔ نرم مزاج، از حد خیال رکھنے والا، پرواہ کرنے والا اور بے حد باکردار و باہمت، ایسے اوصاف ہی تو ایک مرد کو شان دار بناتے ہیں۔ مردوں کے چہرے نہیں، کردار خوب صورت ہونے چاہئیں۔

خوب صورت چہرے وقت کے ساتھ ساتھ بگڑ بھی جاتے ہیں۔

خوب صورت کردار ہمیشہ خوب صورت رہتے ہیں۔

چہرے کی بدصورتی قابلِ قبول ہوتی ہے۔

کردار کی بدصورتی کبھی قبول نہیں کی جاتی ہے۔

باہر سے مضبوط وتوانا نظر آنے والا یہ شخص اندر سے بھی اتنا ہی مضبوط و پاک باز تھا۔اس کے اندر عجیب سی کھلبلی مچی ہوئی تھی۔وہ شانے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔یہ سوچیں از خود ہی اس کی جانب بڑھنے لگیں۔اس کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں شانے پر آ کر ٹھہر گیا جہاں کچھ دیر قبل ذوالنون کا ہاتھ تھا۔

''نا معلوم اس کی یہ دانستہ حرکت تھی یا غیر دانستہ؟'' وہ خود سے ہم کلام تھی۔

''اتنا کچھ ہونے پر بھی تمہارے دل سے اس بھلے آدمی کے لیے کدورت نہیں جائے گی۔سوچو اگر ایسے وقت میں جب کوئی تمہارا پرسان حال نہیں تھا،اس نے پورے خلوص سے تمہاری مدد کی،اگر اس کے دل میں کوئی ایسا ویسا خیال ہوتا یا وہ موقع سے فائدہ اُٹھانے والا بندہ ہوتا تو بہت سارے مواقع تھے اس کے پاس،اگر وہ تمہارا گلا دبا کر کہیں پھینک بھی دیتا تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا۔کیوں وسوسوں کو دل میں جگہ دیتی ہو؟اس شخص نے تمہارے ساتھ نیکی کی کہ تم بیٹھے بیٹھے سو رہی تھیں،تمہاری تکلیف کے خیال سے اُٹھ کر خود باہر چلا گیا تاکہ تم آرام سے لیٹ جاؤ۔تم اس کے شانے پر ہاتھ رکھنے پر اس کی نیت پر شک کر رہی ہو۔وہ بھی تمہیں آوازیں دینے کے بعد بیدار کرنے کے لیے رکھا۔تف ہے تمہاری سوچ پر''۔

اس کے ضمیر نے اچھی طرح اس کی خبر لی اور وہ اپنی سوچ پر خود ہی شرمسار ہوگئی،پھر کافی دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی نیند نہیں آئی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔وہ چبوترے پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔آہٹ پر پلٹ کر دیکھا اور اسے دیکھ کر تیزی سے کھڑا ہوگیا۔

''کیا ہوا؟تم ٹھیک ہو؟'' وہ ایک جست میں اس کے قریب آیا۔

''کچھ نہیں......میں ٹھیک ہوں''۔

''پھر اُٹھ کر کیوں آ گئیں؟'' وہ اس کے مقابل کھڑا تھا۔

''میں نے سوچا کہ......''

''میں چھوڑ کر تو نہیں چلا گیا''۔سینے پر ہاتھ باندھے گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

''نہیں......ایسا تو نہیں سوچا میں نے''۔چہرے پر آتی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کرتی وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''کیوں؟'' بار بار کان کے پیچھے سے آ جانے والی لٹ پر اس کی نظریں دلچسپی سے مرکوز تھیں۔حورین اس کی نظروں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔وہ کنفیوژن کا شکار تھی۔جبھی نگاہیں اُٹھ نہیں رہی تھیں۔

"میں نے پوچھا، کیوں ایسا نہیں سوچا؟ میں ایسا کوئی قابلِ اعتبار و قابلِ بھروسہ شخص نہیں ہوں۔ یو نو، اسپیشلی آپ کے لیے"۔
اس کے انداز میں ہلکا سا طنز سمٹ آیا تھا۔
"آئی ایم سوری، میں غلط تھی"۔ اس نے فراخ دلی سے معافی مانگی۔
"میری کبھی خواہش نہیں رہی کہ آپ مجھے سوری کہیں، نہ ہی میں اُمید کرتا ہوں۔ ہر ایک کی اپنی نیچر ہوتی ہے۔ نیچر کے مطابق ہی مومنٹ بھی ہوتی ہے، جس سے ہم ہٹ نہیں سکتے"۔
اس کا انداز اس بار ہر طنز و تحقیر سے پاک تھا۔ وہ سرخ اینٹوں سے بنے اس وسیع و بلند چبوترے کی سائیڈ میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کی تقلید حورین نے بھی کی۔
ماحول میں البیلا سا سکوت تھا۔ ہوائیں کثیف اور پھولوں کی خوشبوؤں سے بوجھل تھیں۔ آسمان چاند اور ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ آکاش سے دکتی روشنیوں میں وہاں پھیلی تاریکی انوکھا سنگم پیش کر رہی تھی۔ روشنی و تاریکی کا یہ ملاپ اس کے لیے نیا تھا۔
"آپ کی باتیں کچھ کچھ بی بی جان جیسی لگتی ہیں"۔
"بی بی جان...... شی از ویری نائس، وہ بہت گریٹ ہیں"۔ ذوالنون کے لہجے میں بھرپور ستائش تھی۔
"آف کورس، جب میں کراچی آئی تھی اور ان سے ملاقات ہوئی تو مجھے ان سے بے حد خوف محسوس ہوا تھا، میں نے سوچا میں ان کے ساتھ نہیں رہ پاؤں گی"۔
"میں نے تو ان میں ایسا کچھ محسوس نہیں کیا"۔ باہر آ کر اس کا ذہن نہ معلوم کن اُلجھنوں میں گرفتار ہونے لگا تھا جس سے وہ اندر عجیب سی بے چینی و اضطراب محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کیفیت سے نکلنے کے لیے وہ کتنی دیر تک کمرے میں چہرے پر ہاتھ رکھے لیٹا رہا اور خاصی جدوجہد کے بعد بھی جب وہ اپنی مضطرب کیفیت پر قابو نہ پا سکا تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بے اختیار نظریں اس کی طرف اُٹھیں جو فوراً ہٹ نہ سکیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔
میرون کلر کے اسٹار ایمبر ائیڈری سوٹ میں اس کا ملکوتی حُسن نمایاں تھا۔ میرون جھلملاتا ہوا دوپٹہ سر سے ڈھلک کر شانوں پر ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک موٹی سی لٹ اس کے چہرے کو چھوتی ہوئی عجیب رعنائی عطا کر رہی تھی۔ بے داغ، شفاف چہرہ، گلابی رنگت، سیاہ دراز عارضوں پر جھکی پلکیں، سیاہ متناسب ابرو، ستواں ناک اور بھرے بھرے گلابی ہونٹ، وہ حسین نہیں، حسین ترین تھی۔ ایسا حُسن جو پتھر کو بھی موم کی طرح پگھلا دے۔ وہ تو انسان تھا جو پتھر نہیں موم سے بھی زیادہ نرم ہوتا ہے۔
رات کے اس لمحے میں جہاں بلب کی زرد روشنی وحشت پھیلا رہی تھی، اس پر نگاہ پڑتے ہی اسے محسوس ہونے لگا، گویا اس کے خوابیدہ وجود سے سفید روشنیاں نکل رہی ہوں۔ بڑی کشش، بڑا سرور تھا ان روشنیوں میں۔ اسے عجیب سا کیف خود پر چھایا محسوس ہونے لگا۔ اس کے اندر کی دُنیا زیروزبر ہونے لگی۔

"ذوالنون حمزہ! یہ کیا؟ تم بھی ایک عام سے ہی مرد نکلے۔ حُسن کے آگے سرنڈر کر دینے والے عام سے بزدل مرد۔ کیا ہوا تمہارے جنس مخالف سے نفرت کے دعوے کا؟ قدم قدم پر ان کی تضحیک کا؟ تم نے اَن گنت لڑکیوں کے دل مسمار کیے۔ ان صنفوں کو تم نے کبھی قابلِ اعتنا نہیں گردانا۔ آج...... ابھی تم نے جس سے شکست کھائی، جس کے حُسن کے تم اسیر ہوئے ہو، تمہارے جذبوں میں رنگ جس کی صورت نے بھرا ہے، یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ عرصے سے تمہارے مدِ مقابل رہی ہے، حرمت نسواں کی جو علم بردار ہے۔ تم اس کے حُسن سے شکست کھا گئے ہو؟...... حُسن ہی تو عشق کی ابتداء ہے اور عشق داناؤں کا شیوہ نہیں ہے"۔

اس کے اندر جیسے کوئی اس کی بدلتی کیفیت پر استہزائیہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اندر سے اُٹھنے والی آوازوں نے اسے ہوش وخرد کی دنیا میں واپس کھینچا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، کئی لمحا سے اپنی کیفیت پر قابو پانے میں لگے پھر اس نے آنکھیں کھولیں تو خود پر قابو پا چکا تھا مگر اب اسے یہاں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ساتھ ہی حورین کی بے آرامی کا خیال بھی آیا کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے، وہ مزید تھکن کا شکار ہو جائے گی اور اس کی موجودگی میں وہ لیٹ نہ سکے گی۔ اسی خیال سے اس نے کمرے سے باہر جانے کا پروگرام بنا کر اسے آوازیں دیں۔ متواتر آوازیں دینے کے بعد بھی وہ بیدار نہ ہوئی تو مجبوراً آگے بڑھ کر اس کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر اسے جھنجوڑا۔

نتیجتاً وہ گھبرا کر بیدار ہو گئی۔ اُسے آرام کی تلقین کرتا وہ یہاں سے چلا آیا۔ کھلی فضا اور تازہ ہوا میں اسے اپنے چدار پر اپنا ٹوٹا پھوٹا خول چڑھانے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ خود بھی باہر چلی آئی مگر اتنی دیر میں وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ وقت گزارنے کے لیے اس سے گفتگو کرنے لگا۔

"آپ سے ایک ہی تو ملاقات ہوئی ہے، ویسے بھی وہ بظاہر جتنی سخت اور غصہ ور نظر آتی ہیں، درحقیقت وہ ایسی نہیں ہیں۔ سب کو بے حد چاہتی ہیں، خیال رکھتی ہیں مگر ظاہر نہیں کرتیں۔ میں سوچتی ہوں آج کل جو گھریلو مسائل ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے تدارک کے لیے بی بی جان جیسی ہستی ہر گھر میں موجود ہونی چاہیے۔ پوری نہیں تو آدھی برائیاں تو ختم ہو ہی جائیں گی"۔

وہ اس سے اس طرح گفتگو کر رہی تھی جیسے بے حد کلوز فرینڈ شپ ہو۔

"شاید بابا صاحب اور حارث آ رہے ہیں"۔ کافی دیر گپ شپ کرنے کے بعد دور سے نظر آتے اشخاص کو دیکھ کر وہ گویا ہوئی۔

"وہی ہیں"۔ ذوالنون نے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہیں۔ بقول بی بی جان کے، دُنیا ابھی اچھے اور نیک لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔ یہ بابا صاحب بھی ان اچھے اور نیک لوگوں میں سے ہیں جو کسی کی تکلیف کی خاطر اپنا آرام بھی تج دیتے ہیں"۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بابا نے آتے ہی وضو کر کے اذان دینے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ فجر کی اذان کا وقت ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

کسی بخت کا مارا تھا ستارہ نہیں تھا وہ

جسے ٹوٹ کر ہر پل چاہا ہمارا نہیں تھا وہ

قدم جب بھی بڑھا میرا صدائیں گونجتی رہیں

جو مڑ کے میں نے دیکھا تو پکارا نہیں تھا وہ

کومین نے سارا دن سڑکوں پر بے مقصد کار دوڑاتے ہوئے وقت گزارا۔کل رات سے اب تک وہ بے سکون رہا تھا۔ بھلا اس نے یہ کب چاہا تھا کہ وہ اس دشمن جان کو اس طرح دیکھے۔خوابوں میں وہ اسے اپنے ساتھ دیکھتا آیا تھا۔ پارکوں، ساحلوں اور ہوٹلز کے پُرسکون گوشوں میں کینڈل لائٹ ڈنرز کرتے وہ ساتھ ہوتے تھے۔

اسے مہران کے ہمراہ دیکھ کر دل لمحے بھر کو تو رُک سا گیا تھا۔ یوں محسوس ہوا تھا کہ یکلخت تمام روشنیاں تاریکیوں میں بدل گئی ہوں۔جسم و جاں میں سناٹے پھیلتے چلے گئے تھے مگر پھر یہی کیفیت حزن دسوزکی، موت وزیست کی خضریٰ کی نم آنکھوں میں دیکھ کر اسے پھر زندگی سے رابطہ جوڑنا پڑا تھا۔خود کو سمیٹنا اور خوش ظاہر کرنا پڑا مگر اس وقت وہ مزید ٹوٹ گیا جب اسے محسوس ہوا، خضریٰ خود کو سنبھال نہیں سکی تھی۔اس کی بگڑتی طبیعت نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔دل کا تقاضا تو یہی تھا کہ اسے لے کر فوراً ہسپتال چلا جائے مگر عقل نے دانش مندی کا عصا پکڑ کر یاد کروایا کہ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے۔دل کی اس یاد آوری پر اسے کھونے کا احساس اس قدر رہا کہ وہ پھر وہاں سے ہوا کی طرح غائب ہو گیا۔مہران نے کیا کہا؟ خضریٰ نے کس طرح ری ایکٹ کیا، اسے کچھ یاد نہ تھا۔

یاد تھا تو صرف یہ کہ وہ اسے کھو بیٹھا ہے، جو اس کی زیست کا عنوان تھی، حسین تصورات جس کے وجود سے قائم تھے، لمحے بھر میں سب ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ ہاتھوں میں صرف دفن ہونے والی خواہشوں کی خاک تھی۔ساری رات نیند سے وہ بے نیاز رہا تھا پھر جیسے ہی اریبہ نے نوید دی کہ وہ ٹھیک ہے، خطرے سے باہر ہے اور جاگ چکی ہے، وہ اسی وقت کار لے کر نکل کھڑا ہوا۔

خضریٰ اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ جان کر اس کے گھائل دل کو مزید چوٹ پہنچی اور وہ اسی لمحے تیزی سے واپس پلٹ آیا۔

آرزوؤں کی تمام ٹوٹی کرچیاں، جذبوں کے تمام نشتر اسے اپنی روح میں پیوست محسوس ہوئے۔ وہ تڑپ اُٹھا۔

کس قدر سہل ہوتا ہے منفی انداز میں سوچنا۔

اس نے بھی تو یہی سوچا تھا کہ وہ اب اسے بھول جائے۔اس سے ملاقات نہ ہو اور جب سوچ نے حقیقت کی جھلک دکھائی تو وہ بھی برداشت نہ کر پایا اور دھواں دھواں دل کے ہمراہ سڑکوں پر سرگشت کر رہا تھا۔

سوچ عملی پیرہن اوڑھ کر جب حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے تو اسی طرح تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔

گھر میں داخل ہوا تو منال بیگم کو اپنا منتظر پایا۔

''آپ کہاں ہو بیٹا؟'' سرخ ساڑھی میں ٹک سک سے تیار وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

''کہیں نہیں مما! ایک دوست کی طرف تھا''۔ وہ بڑی کوشش کے باوجود ہونٹوں پر دھیمی سی بھی مسکراہٹ نہ لا سکا۔

''او کے، اب ٹائم ویسٹ کیے بنا میرے ساتھ مسز کرمانی کے ہاں چلو، ان کے ہاں گیٹ ٹو گیدر ہے، اسپیشلی انہوں نے تمہیں مدعو کیا ہے''۔ وہ فوراً ہی مدعا بیان کرنے لگیں۔

''آئی ایم سوری مما......!''

''نو......کوئی سوری، کوئی ایکسکیوز نہیں مانوں گی''۔ وہ اس کی بات قطع کر کے اپنے حکمیہ انداز میں بولیں۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں''۔

''میں جب ہی تو آپ کو ساتھ لے کر جا رہی ہوں، پارٹی میں چلیں گے تو طبیعت بہتر ہو جائے گی۔ تنہائی تو خود کو بیمار کر ڈالتی ہے وہاں لوگوں سے ملیں گے تو ریلیکس ہو جائیں گے''۔

''مما! پلیز، میرا کوئی پارٹی اٹینڈ کرنے کا موڈ نہیں ہے، نیکسٹ ٹائم چلوں گا، ابھی بالکل ہمت نہیں ہے''۔

منال بیگم نے تنقیدی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ براؤن شرٹ اور آف وہائٹ پینٹ کوٹ میں اس کی وجیہہ صورت پر تھکن، پژمردگی اور بے سکونی کے گہرے تاثرات تھے۔ کبھی وہ انہیں مضبوط چٹان کی طرح محسوس ہوتا تھا، اب وہ کسی بھری بھری مٹی کے تودے کی طرح کمزور اور ناتواں دکھائی دے رہا تھا۔

وہ سب جانتی تھیں، یہ سب ان کی سفاک اور بے رحم ضد اور انا کی وجہ سے ہوا ہے، اگر وہ خود کو عورت کے مقام سے نہیں، ایک ماں کے لحاظ سے دیکھتیں تو کبھی بھی اس چٹان کو کمزور نہیں کر سکتی تھیں مگر وہ سب کو حمزہ کے حوالے سے دیکھتی تھیں۔ اپنے ماضی کے حوالے سے دیکھتیں کہ جب انہیں محبت میں ناکامی و دکھ ملا تو پھر کوئی کس طرح ان کے ہوتے ہوئے کامیاب ہو سکتا ہے۔ کوئی کس طرح خوشیاں منا سکتا ہے۔ اس میں خواہ ان کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

''او کے، ریسٹ کریں، مگر میں آپ کو انفارم کر دیتی ہوں کہ مسز کرمانی کی بیٹی ڈولی کو میں اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں، آج یہ میٹر فائنل کر کے آؤں گی''۔

''ایسا کس طرح کر سکتی ہیں آپ؟'' وہ حیرانی سے گویا ہوا۔ ''یہ لائف میری ہے مما! اس کو کس طرح گزارنا ہے اور کس کے ساتھ گزارنا ہے، یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے''۔

''اوہ! اب آپ کو بھی بولنا آ گیا ہے، کل تک آپ کے منہ میں زبان نہیں تھی، یہ اتنی لمبی زبان کہاں سے آ گئی؟'' وہ تیوریاں چڑھا کر بھرپور طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں ہے، نہ میں گستاخی کر رہا ہوں، میں صرف کہہ رہا ہوں مجھے شادی کبھی نہیں کرنی ہے''۔

وہ مؤدب انداز میں کہتا ہوا اسٹیرھیاں چڑھ گیا۔

☆......☆......☆

نمازِ فجر اور اشراق کی نماز کے بعد بابا صاحب نے ان کے ہمراہ ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ذوالنون نے جانے کی اجازت مانگی۔

"اتنی جلدی بچو؟ ابھی کچھ دیر ٹھہریں۔ شہر کی زندگی تو آپ دیکھتے ہی ہیں، چند دن رہ کر یہاں کی زندگی بھی دیکھئے"۔ انہوں نے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا جس کی تائید ساتھ بیٹھے حارث نے بھی کی۔

"شکریہ بابا! آپ کی عنایتوں کی وجہ سے میں دوبارہ یہاں کا رُخ ضرور کروں گا، انشاء اللہ۔ مگر ابھی اجازت چاہوں گا۔ بہت ضروری کام ہیں جو شہر میں رُکے ہوئے ہیں"۔ وہ سنجیدگی سے ان سے مخاطب تھا۔

"جب بھی آپ آئیں گے، اگر زندگی نے دغا نہ دیا تو مجھے منتظر پائیں گے، ویسے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ایک بار ملنے کے بعد بار بار ملنے کو دل چاہتا ہے، ان لوگوں میں آپ بھی شامل ہیں"۔

انہیں رخصت کرنے کے لیے وہ کار تک آئے۔ حورین ان سے دعائیں لینے کے بعد کار میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ ذوالنون کے شانے پر ہاتھ رکھے دوبارہ آنے کی دعوت دے رہے تھے، پھر وہ ان سے اور حارث سے مصافحہ کرنے کے بعد کار میں آ بیٹھا۔

ان کی کار نئی راہ پر گامزن ہوئی تو نسیمِ سحر کی نوخیز روشنی پر سنہری دھوپ پھیل چکی تھی۔ کھیت کھلیان، اونچی نیچی پگڈنڈی، کنویں سے پانی بھرتی عورتیں، کچے پکے آنگنوں کے گوشوں سے نکلتا سرمئی دھواں، یہ مناظر اس کے لیے نئے اور خوب صورت تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر بڑے شوق و ذوق سے دیکھنے میں مگن تھی۔

"فطرت سے ہم آہنگ رہنے والا انسان آج بھی سکون و راحت کی زندگی گزار رہا ہے۔ ان لوگوں کو ذہنی سکون کے لیے گولیوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کی نیند بڑی گہری و خوب صورت ہوتی ہے"۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے لب کشائی کی۔ "وقت سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہم ان نعمتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ وقت کے ساتھ چلنے والے لوگ قدرت سے سب حاصل کر رہے ہیں"۔

"یہ سب دیکھنے کی حد تک، بہت خوب صورت ہے، اگر ہمیں عملی طور پر یہ سب کرنے کو ملے تو میں شاید کبھی نہ کر سکوں۔ یہ پانی سے بھرے گھڑے سر پر اُٹھا کر چلنا یا وہ مٹی کے چولہے پر کھانا پکانا، میں کبھی نہ کر سکوں گی"۔ اس نے باہر دیکھتے ہوئے جھرجھری لے کر کہا۔

"ضرورت ایجاد کو جنم دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر، بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی......" اس نے دیوار پر اُپلے تھاپتی عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دنگ رہ گئی۔

"راستہ تو آپ نے اچھی طرح نوٹ کر لیا ہے؟"

"ہوں، میں بار بار بھٹکنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

"بار بار سے کیا مراد؟"

"میرے خیال میں ایک بار تو ہر کوئی بھٹکتا ہے"۔

"بھٹکنا ضروری ہے کیا؟"

"بھٹکنا آدم کی سرشت میں شامل ہے، خواہ ایک بار ہی ہو"۔

"یہاں سے کتنا سفر ہوگا؟" وہ اس کی بات سمجھ نہ سکی۔

"بہت جلد، ہم پہنچ جائیں گے"۔ اس نے گاڑی کو دائیں طرف ٹرن لیتے ہوئے کہا۔ وہ خوشی سے چہک کر گویا ہوئی۔

"ایسا لگ رہا ہے، بہت عرصے بعد میں ممی، پپا سے ملوں گی، انہیں دیکھوں گی۔ ویسے تو کئی ماہ سے میں ان سے دور تھی۔ مجھے کبھی اس طرح فیل نہیں ہوا جس طرح ان دو دنوں میں ہوا ہے۔ دراصل بچھڑنے کا درد تو وہی جان سکتا ہے جو کسی سے بچھڑا ہو۔ کیا آپ سے کوئی بچھڑا ہے کبھی؟ کسی کی جدائی محسوس کی ہے آپ نے؟"

"آہ..... یہ اس نے کیا سوال کہہ دیا؟ کیسا سوال کر دیا؟ رستے ہوئے زخموں پر نمک رگڑ ڈالا، لمحے بھر کو اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

"بچھڑنے کا کرب۔

جدائی کی تڑپ۔

محرومیوں کا درد۔

بھلا مجھ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ اب تک کی زندگی انہی خارزاروں میں لہولہان ہوتے ہوئے گزار دی ہے۔ دو دن کی جدائی تمہیں بے کل کر گئی ہے، یہاں تو ایک عمر کے زخم ہیں یہ"۔

"اوہ سوری! میں شاید زیادہ ہی بول گئی ہوں"۔ اس کی تیزی سے سرخ ہوتی رنگت اور آنکھوں میں پھیلتے وحشت کے سائے اسے سہما گئے تو وہ دھیمے سے بولی۔

وہ بدستور خاموش رہا۔ ان کے درمیان بھی کوئی بات نہ ہوئی۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ شرمندہ ہو کر سوچنے لگی کہ اس نے ایسا کیا پوچھ لیا جو وہ منہ پھلا کر اسے نظرانداز کرنے لگا۔

صبح رخصت ہو کر دوپہر ہو گئی۔ جب اس نے کار ایک نیم کے پیڑ کے نیچے روکی۔ سامنے ہی چائے کا چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ اس کے اشارے پر ایک لڑکا آیا، اسے چائے کا کہہ کر وہ بھی باہر نکل گیا۔ یہاں سڑک کے دونوں اطراف آم کے درختوں کی بہتات تھی۔ ابھی ان درختوں میں کیریاں لگی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آم کا سیزن ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

ذوالنون چند لمحے اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد ہوٹل کی طرف بڑھ گیا جہاں سے اس کی واپسی چند لمحوں بعد ہی ہو گئی تھی۔ وہ ہاتھوں میں منرل واٹر کی بوتل پکڑے چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے لڑکا چائے کا مگ ٹرے میں رکھے آ رہا تھا۔

بوتل اس نے حورین کو پکڑائی۔

اسے چائے دے کر وہ قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

حورین نے چائے پیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، وہ اسے کچھ پریشان سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی فراخ پیشانی پر شکنیں تھیں جو اس کی اندرونی پریشانی کی غماز تھیں۔ وہ چائے سپ کرتے ہوئے دور خلاؤں میں تک رہا تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سرخی ابھی تک موجود تھی۔

چائے پی کر وہ روانہ ہوئے۔ کچھ دور ہی چلے ہوں گے کہ ریلوے پھاٹک آ گیا جو بند تھا۔ کچھ دیر بعد ریل کو یہاں سے گزرنا تھا۔ ذوالنون کو کار روکنی پڑی تھی۔

"مجھے کچھ کہنا ہے...... مگر سمجھ نہیں پا رہا ہوں کس طرح کہوں؟" سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر وہ اُلجھے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"ایسی کیا بات ہے؟" وہ استجابیہ انداز میں کہہ اٹھی۔

"آپ کے پیرنٹس سے گاؤں آنے کی پرمشن کس نے لی تھی؟"

"سر آفتاب نے"۔

"سر آفتاب کی بجائے میرے ساتھ آپ کو دیکھ کر ان کا کیا تاثر ہوگا؟ دو دن، دو راتیں جو آپ نے اس طرح گزاری ہیں کہ سر آفتاب کو معلوم ہی نہیں کہ ہم کہاں ہیں؟ زندہ یا مردہ......"

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے، سر ہوش میں آ چکے ہیں"۔ وہ گھبرا کر کہنے لگی۔

"وہ ڈینجر زون سے باہر آئے ہیں مگر ان کی حالت کی وجہ سے انہیں ابھی غنودگی میں رکھا جا رہا ہے۔ اینی وے، اس وقت تو جو میں کہہ رہا ہوں، وہ پرابلم حل کرنے کی کوشش کریں"۔

"پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ جو ہوا، وہ بتاؤں گی"۔

"یہ سب ہمیں چھپانا ہے"۔

"کیوں؟ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟"

"بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمارا معاشرہ۔ یہاں دو گھنٹے لڑکی کہیں غائب ہو جائے تو قابلِ قبول نہیں ہوتی، پھر آپ تو......" کہتے کہتے وہ دانستہ رُک گیا۔

"میں بچی نہیں، آپ بھی ہیں میرے ساتھ اور دو دن ہم نے اچھے لوگوں میں گزارے ہیں، خراب لوگوں میں نہیں"۔

"جی...... میں بھی ہوں آپ کے ساتھ"۔ اس کی کم عقلی پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مگر مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، یہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ یہاں سو خون کر کے بھی مرد سرخرو رہتا ہے، انڈر اسٹینڈ؟"

"آپ بے فکر رہیے۔ میری پیرنٹس اور جہاں میں رہتی ہوں، وہاں کے لوگ بہت اوپن مائنڈڈ ہیں وہاں عورت اور مرد کی برتری و کمتری کا کوئی چکر نہیں ہے، پھر میرے پپا اور مما مکمل اعتماد کرتے ہیں مجھ پر۔ وہ کبھی بھی مجھے غلط نہیں سمجھ سکتے۔ آپ پریشان نہ ہوں"۔ اس کے لہجے میں ماں باپ کی محبت کا بھرپور اعتماد بول رہا تھا۔

"میں یہی چاہوں گا کہ کسی کو اس حادثے کے متعلق معلوم نہ ہو۔ آپ کسی کو بھی نہیں بتائیں گی۔ مجھے پسند نہیں ہے لوگ خواہ مخواہ اُلٹی سیدھی باتیں کریں"۔

اس کے لہجے میں مخصوص سرد مہری اور اکھڑ پن لوٹ آیا تھا، پھر وہ کچھ نہ بولا۔ ٹرین گزرنے کے بعد پھاٹک کھل گیا۔

وہ کراچی کی حدود میں داخل ہوئے تو روشنیاں جل رہی تھیں۔ وہ اپنے اندر بہت ولولہ انگیز اور نشاط آمیز توانائی محسوس کر رہی تھی۔ اپنوں سے ملنے کی خوشی نے اس کو جدائی کے معنی سمجھا دیتے تھے۔ دو دن میں کتنا بڑا انقلاب آیا تھا جو اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

ذوالنون نے اسے گیٹ سے کچھ پہلے ہی اُتار دیا۔

"اندر نہیں چلیں گے؟" وہ دروازہ کھولتے ہوئے گویا ہوئی۔

"نہیں...... یہاں سے سیدھا مجھے ہسپتال جانا ہے اور پھر ہارون بھائی سے ملنا ہے"۔ اس نے اس کی طرف دیکھے بنا جواب دیا۔

"میں بھی ان سب کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں"۔

"انتظار کرنا پڑے گا"۔ وہ اس کی طرف دیکھے بنا چلا گیا۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کمرے تک جاتے ہوئے اسے کوئی نہیں ٹکرایا، ورنہ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ کس طرح جھوٹ کہے گی؟ اور کیا کہے گی کہ جاتے وقت یہاں سے بیگ بھر کرلے گئی تھی اور واپسی میں ہینڈ پرس بھی ساتھ نہیں۔ لباس علیحدہ شکن آلود اور ملگجا ہو رہا ہے، یقیناً اس موقع پر وہ نہ معلوم کس طرح سچ جھوٹ نبھاتی۔ یہ پہلی اسٹیج اس کے لیے بہت خطرناک تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہو کر وارڈ روب سے سوٹ نکال کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ خاصی دیر شاور لینے کے بعد وہ فریش ہو گئی۔ باتھ روم سے باہر نکلی تو اسی وقت نشرح اندر داخل ہوئی۔

"اوہ...... یہ تم ہی ہو نا؟" وہ حیرانی سے گویا ہوئی۔

"نہیں...... میرا بھوت ہے"۔ اس نے بالوں سے تاول الگ کرتے ہوئے شوخی سے کہا۔ نشرح خوشی کے اظہار کے لیے اس سے لپٹ گئی۔

"تم کب آئیں؟ معلوم ہی نہیں ہوا......"

"کچھ دیر قبل ہی آئی ہوں، سب لوگ کہاں ہیں؟" حورین بالوں میں برش کرتی ہوئی استفسار کرنے لگی۔

"ایلڈرز لیڈیز اینڈ جینٹس وصی بھائی کے سسرال گئے ہیں۔ وصی بھائی اور ہریرہ بھائی وغیرہ سب شکار پر گئے ہیں۔ باقی بچے، ہم لوگ تو ہم موی دیکھ رہے تھے"۔ نشرح نے تفصیل بتائی۔

"کیا بات ہے، وصی بھائی کے سسرال والے کچھ زیادہ ہی جلدی جلدی دعوتیں کرنے لگے ہیں"۔

"وہ چاہتے ہیں، جلد از جلد شادی ہو جائے"۔

"ابھی منگنی بھی تو نہیں ہوئی ہے"۔

"ضروری تھوڑی ہے کہ پہلے منگنی ہو پھر شادی۔ ڈائریکٹ شادی بھی ہو جاتی ہے، اکثر خاندانوں میں"۔

"یعنی چٹ منگنی پٹ بیاہ نہیں، بلکہ فٹافٹ بیاہ"۔ دونوں ہنس پڑیں۔

"تم کھانا لگواؤ، میں بال باندھ کر آ رہی ہوں"۔

نشرح کھانا لگوانے چلی گئی۔ وہ بال باندھ کر اٹھی ہی تھی کہ موحل اور زویا کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ بھی نشرح کی طرح والہانہ انداز میں اس سے ملیں۔

"کیسا رہا تمہارا وزٹ؟ حیدر کی بہن کی شادی انجوائے کی؟ گاؤں کی خوب سیر کی؟" دونوں نے یکے بعد دیگرے سوالات شروع کر دیے۔

"ریلیکس......ریلیکس یار! سب بتاؤں گی، پہلے کھانا تو کھانے دو۔ بہت بھوک لگ رہی ہے"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں، وہاں کھانا کھانے کو نہیں ملا جو آتے ہی کھانے کی رٹ لگا دی ہے؟ یہاں ہمارا انتظار کے مارے بُرا حال ہے، لمحہ لمحہ گن کر گزار رہے تھے کہ تم آؤ گی تو ایک ایک تفصیل پوچھیں گے"۔ دونوں کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھیں۔

"تمہارے جانے کے بعد ہم لوگ اتنا پچھتائے کہ کیوں منع کیا، ساتھ جاتے تو کیا مزہ آتا"۔ زویا کے انداز میں پچھتاوا تھا۔

"کھانے کے بعد ہی میں تمہیں سب بتاؤں گی، اس سے قبل نہیں"۔

"او کے، چلو پہلے ٹھونسو"۔

"وہ ان کے ساتھ ڈائننگ روم کی جانب بڑھتے ہوئے دل ہی دل میں ایسی کہانی تراش رہی تھی جو جھوٹ ہوتے ہوئے بھی جھوٹ نہ لگے۔ اس شخص نے احتیاطی تدابیر کے طور پر جو کچھ بھی سمجھایا تھا وہ اب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

"اب آپ بتائیں ممی! میں کیا جواب دوں مہران علوی کے پیرنٹس کو؟ پہلے عبدالصمد صاحب کی میٹنگ لانگ ٹائم لے رہی تھی۔ اب حمزہ اور معیز کو اسپیشلائزیشن کرنے کی سوجھی ہے تو وہ اب امریکہ جانے کی تیاری کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ان باپ بیٹوں کو کوئی فکر نہیں ہے کہ کیا کرنا ہے، یہاں ہر دوسرے روز مہران کی مما کال کرتی ہیں کہ کب آؤں، منگنی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے؟" صنوبر بیگم ساس کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

"صاف کہہ دو، ابھی ہمارے گھر میں کچھ مسئلے چل رہے ہیں، انہیں جلدی کا کوئی ٹائم فریم نہیں دے سکتے۔ ہاں اگر وہ اپنے بیٹے کی منگنی کرنے کو اتنی ہی بے قرار ہیں تو وہ کہیں اور جا سکتی ہیں"۔

"ممی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ اتنے عرصے ان کو انتظار میں رکھ کر اب یہ کہہ دینا کہ وہ کوئی اور لڑکی دیکھ لیں، مناسب ہوگا؟"

ساس کی بات پر ہکا بکا سی مخاطب ہوئی تھیں۔

"پھر بتاؤ کیا کریں؟" ان کا انداز نرم تھا۔

"آپ ان لوگوں کو فورس کریں، سمجھائیں کہ بیٹیوں کے رشتوں میں بڑی نزاکت اور سوجھ بوجھ سے کام لیا جاتا ہے۔ اچھے اور مناسب رشتے اتنی آسانی سے نہیں ملتے۔ اس پرپوزل کو گنوانا میرے لیے تو سب سے بڑی حماقت ہوگی"۔

"مہران کی ماں مجھے بہت جلد باز اور کچھ تنک چڑی سی لگتی ہے۔ ایسی عورتیں ساس بن کر بڑے ظلم ڈھاتی ہیں، میرا تو اب دل نہیں ٹِک رہا"۔

"بہت نامناسب بات ہوگی اگر ہم نے انہیں منع کر دیا تو"۔

ساس کا انداز دیکھ کر اب ان کا دل بھی ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا مگر وہ مروّت و اخلاق، لحاظ کا پیکر تھیں، اس لیے فوری فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔

"ارے وہ کیا کہیں گی، اگر یہاں رشتہ کرنا ہوگا تو وہ ضرور مانیں گی"۔

"ٹھیک ہے، اگر اب کال آئی تو یہی کہوں گی اور سچ بات تو یہ ہے ممی! جب سے یہ پرپوزل قبول کیا ہے، تب سے خضریٰ کی طرف سے بہت پریشان رہتی ہوں، وہ دن بدن بدلتی جا رہی ہے۔ ہزار دفعہ پوچھ چکی ہوں اگر وہ خوش نہیں ہے تو بتائے مگر ہر بار وہ یہی کہہ دیتی ہے کہ وہ خوش ہے۔ اسے ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں۔ نہ معلوم یہ کیسی خوشی ہے جو نمک کی طرح گھلتی جا رہی ہے وہ"۔

☆......☆......☆

خلافِ معمول منال بیگم بہت خوش خوش، چہکتی ہوئی پرس جھلاتی اندر داخل ہوئی تھیں۔ فائقہ جو ابھی ایوننگ میں کرنے والی ہلکی پھلکی ایکسرسائز سے فارغ ہو کر بیٹھی، جوس پی رہی تھیں، طویل عرصے بعد بیٹی کو اس طرح خوش و خرم، اٹھکیلیاں کرتے دیکھ کر گلاس ٹیبل پر رکھ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ اتنے میں قریب آ کر وہ ان سے لپٹ گئی، پھر بڑی مسرت سے ان کے دونوں گال چوم کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وہاٹ سرپرائز؟" وہ حیرت آمیز خوشی سے گویا ہوئیں۔

"گیس اِٹ مما!" انہوں نے کھلکھلاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"انس کے متعلق انفارمیشن ملی ہے......" وہ بھی ایک کائیاں تھیں۔

"ڈیٹس رائٹ، بٹ آپ نے کس طرح گیس کیا؟"

"آپ کی مدر ہوں ڈاٹر!" وہ تفاخر سے گویا ہوئیں۔

"اوہ یس، آئی ایم پراؤڈ آف یو مما!"

"کیا معلوم ہوا؟ اور کس نے یہ انفارمیشن دی ہے؟"

''اس دن میں نے شوفر کو ڈانٹا تھا، جاب سے نکال دیا تھا، بس وہی جاب دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایسی شاندار انفارمیشن لایا کہ میں نے اسے جاب دینے کے ساتھ سیلری بھی ڈبل کر دی ہے''۔

ان کی آنکھوں میں بڑی ہیبت ناک چمک تھی اور مسکراہٹ میں سفاک پن ان کے پُر مسرت چہرے کے ہر عضو سے جھلک رہا تھا۔

''کیا...... کیا......؟ مگر یہ بات بہت غلط ہوئی کہ تم نے ایک ادنیٰ ملازم کو اپنے راز میں شامل کر لیا۔ ان چھوٹے لوگوں کے ہاتھ میں جب بڑے لوگوں کی کمزوریاں آجاتی ہیں تو یہ لوگ اپنی اوقات سے بڑھ کر منہ پھاڑتے رہتے ہیں، ہمیشہ بلیک میل کرتے ہیں''۔

بیٹی کی اس حرکت سے وہ سخت نالاں ہوئی تھیں۔ ان کا راز ایک ملازم کو معلوم ہو گیا تھا، ان کی جلد بازی اور غفلت کے باعث۔

''نو مما! وہ خواب میں بھی مجھے بلیک میل کرنے کا سوچ نہیں سکتا، ایسے کتوں کی دم میں ہمیشہ پیر تلے رکھتی ہوں''۔

''او کے، گاڈ بلیس یو''۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔

''تھینکس مما!''

''کیا انفارمیشنز ملیں؟ کچھ بتاؤ تو سہی''۔

''سب سے زیادہ اہم خبر یہ ہے کہ ان کی اکلوتی اولاد ایک لڑکی ہے، بس یہی انفارمیشن تو مجھے چاہیے تھی''۔

ان کی آنکھوں کی ہیبت ان کے چہرے پر چھانے لگی تھی اور ان کا حسین ترین چہرہ کسی خوں آشام چڑیل جیسا بن گیا تھا۔

''بیٹی ہے...... مگر تم کو کرنا کیا ہے اس کی بیٹی کا؟'' اس کی باتیں فائقہ بیگم کو ذرا بھی سمجھ نہ آرہی تھیں۔

''گیس کریں مما! ذرا عقل کے گھوڑے دوڑائیں کہ میں کیا کروں گی ان ذلیل لوگوں کی بیٹی کا؟'' ان کے مسکراتے انداز میں زہر ہی زہر تھا۔

''اوہ...... کہیں تمہارا ارادہ ان کی اکلوتی بیٹی کو بہو بنانے کا تو نہیں ہے؟ وہی پرانی اسٹوری کہ بہو پر ظلم و ستم ڈھا کر اپنا بدلہ لینے کا تو ارادہ نہیں؟'' وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔ ''مگر مجھے یہ ارادہ پسند نہیں۔ خود سوچو، کرن اور انس کی بیٹی کوئی عام لڑکی نہ ہوگی اور سب سے بڑھ کر حسین کتنی ہوگی۔ دراصل اس جہان میں عورت کا حُسن اتنی بڑی طاقت ہے کہ بڑے بڑے ریسلرز چت ہو جاتے ہیں، شکست کھا جاتے ہیں، پھر کونین، ایک تو وہ فطرتاً صلح جو، مفاہمت پسند ہے۔ انکساری و بے نفسی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ دوم یہ کہ خضریٰ کو نہ پانے کے غم نے اس کی رہی سہی کایا پلٹ دی ہے۔ اب وہ تمہارے کسی منصوبے میں ساتھ نہ دے گا''۔

ماں کی گفتگو سن کر اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''ارے ایسے کیا مسکرا رہی ہو؟ میں نے غلط کہا ہے کیا؟''

''یس مما!'' اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر وہ زور سے ہنس پڑی۔

''اس بار جو میں نے سوچا ہے وہ آپ کے کیا، کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا، پھر میرے پلان کا مین کردار کونین کبھی نہیں ہو سکتا''۔

"کیا مطلب؟ پھر کون ہوگا؟"

"پرنس"۔ وہ معنی خیزی سے گویا ہوئی۔

"پرنس؟ وہ کس طرح؟" وہ حیرانگی در حیرانگی کا شکار ہوئیں۔

"یہی تو گیم ہے مما! جس کو صرف میں کھیل سکتی ہوں"۔

"مجھے سمجھاؤ تو سہی"۔ ان کا انداز پُر اشتیاق تھا۔

"سمجھاؤں گی، ضرور سمجھاؤں گی، مگر ابھی نہیں، وقت آنے پر"۔ وہ اطمینان سے اُٹھتی ہوئی بولی۔

"کب آئے گا وقت؟"

"بہت جلد...... بہت ہی جلد"۔

"اتنا وقت میں کس طرح گزاروں گی؟ مجھ سے سسپنس ہضم نہیں ہوتا"۔

"عادت ڈالیں۔ ابھی تو شروعات بھی نہیں ہوئیں اور آپ ابھی سے سر اپکڑ رہی ہیں، پرنس آئے ہیں یا نہیں؟"

"کال آئی تھی، ابھی کچھ دیر بعد آئیں گے، کراچی آچکے ہیں"۔

"ڈنر میں تمام ڈشز ان کی فیورٹ بنوائی ہیں؟"

"بالکل، اس نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ ڈنر ہمارے ساتھ کرے گا"۔ فائقہ بھی ان کے ساتھ اندر کی جانب بڑھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مما! اب تو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے۔ میرے انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اس نے ہی ٹھنڈا کرنا ہے۔ سالوں سے رستے زخموں پر وہی مرہم رکھے گا۔ وہ یہ سب کرے گا، وہ کر سکتا ہے۔ وہ آگ سے بنا ہوا ہے۔ اس کے جسم میں شرارے دوڑتے ہیں۔ وہ بے حد جذباتی ہے۔ ایسے لوگوں میں ان کے دماغ نہیں، جذبات حکومت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سب کچھ کر سکتے ہیں اور کرنے کے بعد انہیں پچھتاوا بھی نہیں ہوتا کہ کیا کیا جائے"۔ اس کے انداز سے وحشت گونج رہی تھی۔

"میں آپ کے ڈیڈی کو فون کر کے بتاؤں کہ انس اور کرن مل چکے ہیں۔ وہ خود معاملہ کلیئر کر دیں گے۔ میرے خیال میں ہمیں اس معاملے میں ہر کسی کو ملوث نہیں کرنا چاہیے"۔

"نہیں مما! ڈیڈی کو میں خود انفارم کروں گی مگر انتقام کے بعد، ابھی گیم مجھے پرنس کو لے کر ہی کھیلنا ہے"۔

☆......☆......☆

حورین کو ڈراپ کرتے وقت دل میں ایک انہونا خیال آتا تھا کہ کاش! وہ اسی طرح چہرہ جھکائے ہمیشہ اس کے پہلو میں بیٹھی رہے، پھر وہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔ دل کی اس آرزو پر وہ ہنس پڑا۔ اس نے یہ کب چاہا تھا کہ اس لڑکی کے متعلق اس انداز سے سوچے کہ پھر اپنی ہی سوچوں سے نظریں چراتا پھرے۔

اس کو ڈراپ کر کے وہ سارے راستے اس کے متعلق ہی سوچتا رہا تھا جس کے متعلق کبھی سوچنے کا تصور بھی نہ کیا تھا۔

دل پر ایسی ویرانی چھائی کہ ہر احساس پر اس سے بچھڑنے کا سوگ چھاتا چلا گیا اور وہ فاسٹ ڈرائیونگ کرتا ہوا ہسپتال پہنچ گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ سر آفتاب کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے۔ وہ دوائیوں کے باعث ابھی بے خبر سو رہے تھے، وہاں ان کا ملازم تھا جس کی زبانی معلوم ہوا کہ حیدر کو آج اس کے رشتے دار آ کر لے گئے ہیں۔ ان لوگوں میں صلح صفائی ہو گئی ہے اور ساتھ ہی وہ پیغام بھی چھوڑ گیا تھا کہ وہ اس سے رابطہ نہ کرے، وہ خود موقع دیکھ کر کال کرے گا کہ وہ اس کو ان لوگوں کے سامنے نہیں لانا چاہتا، کیونکہ یہاں بھی اس نے اپنا کمرہ الگ لیا تھا اور خود کو تنہا ظاہر کیا تھا اور ملازم کے ذریعے ہی معلوم ہوا کہ صبوحی بھی آج ہی ہارون کے ساتھ ساؤتھ افریقہ کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ ساتھ ہارون کی والدہ اور مامون بھی چلے گئے، حالانکہ مامون کو تو ابھی یہاں رہنا تھا مگر وہ حیدر کے سمجھانے کی وجہ سے چلا گیا۔

ان لوگوں کے خیریت سے نکل جانے سے اسے دلی مسرت ہوئی تھی کہ جن کی خاطر یہ سب ہوا تھا اگر کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو ساری تکالیف اور پریشانی بے مقصد رہتی۔

ان کے جذبے نیک تھے، ریا سے پاک تھے، کامیابی کو تو مقدر بننا ہی تھا۔

پروفیسر آفتاب نے ہوش میں آتے ہی اسے سینے سے لگا لیا پھر حورین کا پوچھا تو اس نے تمام بات بتادی۔

”آپ نے میری عزت رکھ لی بیٹے! شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں میرے پاس۔ میرے سر سے کتنا بڑا بوجھ اُتار دیا ہے“۔ وہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر ممنون لہجے میں بولے۔

”آپ میری نیکی ضائع کر رہے ہیں سر!“

”اللہ آپ کو بہت نوازے گا، میری دعا ہے رب کائنات سے کہ آپ کو کسی پریشانی میں مبتلا نہیں کرے۔ ہر امتحان سے سرخرو فرمائے۔ (آمین)“

میرا بی پی یہ سوچ سوچ کر نارمل نہیں ہو رہا تھا کہ اس بچی کا کیا ہوگا؟ نہ معلوم کیسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا۔ میں اس کے پیرنٹس سے کیا کہوں گا؟ کس طرح ان سے رابطہ کروں گا؟“

”سر! آپ جیسے لوگ جو دوسروں کے لیے اپنی زندگی قربان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، بے لوث سب کے کام آتے ہیں، ایسے لوگوں کی اللہ حفاظت کرتا ہے اور آپ جیسے لوگوں کے طفیل ہم گناہ گار بھی اس کی کرم نوازیوں سے فیض یاب ہو جاتے ہیں“۔

”ارے نہیں، میں تو بہت ہی گناہ گار بندہ ہوں۔ یہ سب تو اس کی ہی مہربانی ہے۔ یہ فیضو کہاں چلا گیا؟ کھانا منگوا لیتا ہوں کسی کوالٹی والے ہوٹل سے۔ بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو، کھانا کھالو اور پھر گھر پر جا کر آرام کرو“۔ وہ اس کے تھکے تھکے وجود پر نگاہ ڈالتے ہوئے اپنائیت سے گویا ہوئے۔

”فیضو کو میں نے کھانے کے لیے ہی بھیجا ہے۔ آپ پرہیزی کھانا کھا لیجیے اور میں گھر جا کر کھاؤں گا۔ مما ورنہ ناراض ہوں گی تو ویٹ کر رہی ہیں“۔

''اوکے، میں ڈسچارج ہو کر جاؤں گا تو آپ کو ڈنر میرے ساتھ کرنا ہوگا، وعدہ کریں''۔

''انشاء اللہ سر! وائے ناٹ''۔اس کا لہجہ پُر یقین تھا۔

''مجھے خوشی ہے آپ اپنی مما کا خیال رکھنے لگے ہیں، ان سے محبت کرنے لگے ہیں۔کوشش کریں کہ ماں جیسی عظیم ہستی کا دل نہ توڑیں، کبھی ان کی حکم عدولی مت کریں۔ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے''۔وہ بُردباری سے سمجھا رہے تھے۔

''اِٹ اِز رائٹ سر! میں پہلے بہت غلط تھا۔پاپا کے جانے کا قصوروار مما کو ہی سمجھتا تھا کہ انہوں نے پاپا کے ساتھ کچھ ایسا بُرا کیا ہے جو پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔پاپا کے جانے کا سارا قصور میں ماما پر ہی ڈالتا تھا۔انہیں رُلا کر، انہیں ستا کر، ٹیز کر کے میں خوش ہوتا تھا کہ پاپا کو ان کی طرف سے پہنچائے گئے تمام دکھوں کا احتساب میں کر رہا ہوں......مگر اب انہیں دیکھ کر سوچتا ہوں اگر ممی غلط ہوتیں تو آج تنہا نہیں ہوتیں اور اس سوچ نے مجھے میری غلطیوں کا احساس دلایا اور میں نے سچے دل سے توبہ کی کہ اب زندگی بھر میں ان کو دُکھ نہ دوں گا۔ آپ بھی دُعا کریں سر! میں اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہوں''۔

سر سے اجازت لے کر وہ گھر آ گیا۔

منال نے اس جذباتی انداز میں استقبال کیا کہ اسے محسوس ہوا جیسے وہ دو دن نہیں، دو سال بعد لوٹ کر آیا ہے۔اس کی پیشانی کے انہوں نے کئی بوسے لیے، بار بار سینے سے لگایا اور سب سے حیرت انگیز بات کہ وہ روئی بھی تھیں۔

وہاں موجود فائقہ اور کونین اس سے نارمل انداز میں ملے۔ماں کی اس والہانہ محبت نے اسے بھی سرشار کر ڈالا تھا۔وہ بھی ان سے بے حد اپنائیت سے ملا۔ان کے ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔

''پرنس یار! نہ معلوم تم کیوں مجھے قربانی کے بکرے کی طرح لگ رہے ہو۔اس بے خبر کو بھی ذبح کرنے سے قبل ایسے ہی پیار و محبت دی جاتی ہے''۔وہ ذوالنون کو دیکھ کر شوخی سے گویا ہوا مگر منال بیگم جو مزید پیار نچھاور کرنا چاہ رہی تھیں، اس کی ذومعنی بات سن کر سنبھل گئیں۔فائقہ کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔

''بقر عید تو ابھی بہت دور ہے۔آپ کیوں ابھی سے یاد کرنے لگے''۔وہ اس کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔

''کچھ سیانے بہت پہلے سے ہی قربانی کے بکرے کو پالنا شروع کر دیتے ہیں۔بہت پیار و محبت سے پالتے ہیں، پھر اس کی ہڈیاں چوستے ہیں اور بوٹیاں بھون بھون کر کھاتے ہیں''۔

''میں نے سنا ہے زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے لوگ پہلے ہی جانور پالتے ہیں اور دیکھا بھی ہے''۔

''ثواب......''اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔''ثواب کی نیت تو کسی کسی کی ہوتی ہے، ورنہ سب کی نیت اچھے گوشت کی ہوتی ہے''۔

ذوالنون بہت غور سے بھائی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''ارے بے موقع کیا بحث چھیڑ کر بیٹھ گئے۔چلو کھانا لگ چکا ہے، سب ساتھ کھائیں گے، مزہ آئے گا''۔

منال نے آگے بڑھ کر پہلے کونین کا بازو پکڑا، پھر پرنس کا اور دونوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں آ گئی۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد حسب معمول چائے یا کافی کا دور چلتا مگر وہ معذرت کر کے اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔ اس کی تھکن کے خیال سے کسی نے اصرار نہ کیا۔

ہزاروں خواہشیں دل کے نہاں خانوں میں ہوتی ہیں

یہ بے آباد قصبے بھی کہاں ویران رہتے ہیں

بلا کی افراتفری ہے ہماری ذات میں لیکن

ہمیں اس بے دھیانی میں بھی دھیان رہتا ہے

وہ نائٹ سوٹ زیب تن کر کے بستر پر لیٹا تو حسب عادت سائیڈ ٹیبل پر روشن لیمپ کو آف کر دیا۔ کمرہ ایک دم ہی گہرے اندھیرے کا حصہ بن گیا۔ اس نے آنکھیں جیسے ہی بند کیں، ویسے ہی چھم سے سیاہ بدلیوں میں یک دم ہی نکل آنے والا وہ چہرہ کسی اوس میں بھیگے ٹھنڈی چاندنی کے حصار میں جگمگاتا طلوع ہو گیا۔

"اگر تم نہ ملتے تو میرا کیا ہوتا؟" اسے لگا اس کے کندھے سے لگی وہ بھی آنسو بہا رہی ہے۔ اس کی گداز اُنگلیاں ہنوز اس کے بازوؤں کو گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔

اس نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

"میں معافی چاہتی ہوں آپ سے"۔ اس کی لرزاں اور ندامت سے بھری آواز کانوں میں گونجی۔

"کس بات کی معافی؟" یہ اس کی اپنی آواز تھی۔

"میں نے آپ سے بہت زیادتی..... نہیں بلکہ زیادتیاں کی ہیں۔ آپ وہ نہیں ہیں جو لگتے ہیں۔ آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی۔ بار بار انسلٹ کی"۔

"سوری کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو آپ مجھے سمجھتی ہیں میں اس سے بھی زیادہ خراب اور بُرا آدمی ہوں"۔

"پلیز ایسا مت کہیں"۔ وہ از حد پریشان تھی۔

"بی بی! اگر اس دُنیا میں سرخرو رہنا چاہتی ہو، کامیابی کے ساتھ تو کسی پر بھی اتنی جلدی بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تو لوگوں کا کام ہی اپنی مکاریوں کا فریب دینا ہے"۔

"مجھے علم ہے، آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں"۔

"ہمارے بزرگوں نے آپ کی صنف کی اسی خوبی پر کبھی بھروسہ نہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ بڑوں کی بات سے میں کیسے انکار کر سکتی ہوں؟"

اس کی مسکراتی ہوئی آواز ابھی بھی اسے اپنی سماعتوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"میری سب سے بڑی بے وقوفی یہی ہے کہ میں نے آپ سے معذرت کرنا چاہی، یہی میری حماقت ہے۔ ہے نا؟"

"یو ڈونٹ مائنڈ، آپ خود ہی بار بار اپنی تعریف کر رہی ہیں"۔

"آپ نہیں سدھر سکتے۔ آپ انجوائے کرتے ہیں، دوسروں کی انسلٹ کر کے، انہیں ذہنی ٹارچر کر کے۔ میں آپ سے بات نہیں کروں گی"۔

اس کی نگاہوں میں اب اس کا ناراض چہرہ تھا جو یکلخت غائب ہو گیا اور ساتھ اس کی نیند بھی لے گیا۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ گھپ اندھیرے میں وہ اس چہرے کو تلاش کر رہا تھا جو ابھی اس کے تصور کے آسمان پر چاند کی مانند چمک رہا تھا، پھر اچانک ہی وہ چاند سیاہ بادلوں میں چھپ گیا اور وہ جو نیند کے خمار میں بستر پر آیا تھا اس نے راستے میں اسے کتنا تنگ کیا تھا، وہ زچ ہو کر ہر بار یہی کہتی کہ اب بات نہیں کروں گی مگر زیادہ دیر کی خاموشی اسے بھی پسند نہ تھی۔ سب بھلا کر پھر شروع ہو جاتی اور وہ بھی اسے نہ ٹوکتا کہ کچھ دیر قبل اس نے کیا کہا تھا۔ اس کی باتیں، اس کی آواز ایک دم ہی بہت میٹھی لگنے لگی تھی۔

نیند تو ایسی فرار ہوئی کہ آنے کا نام ہی نہ تھا۔ وہ بوجھل دل سے اپنے روم کا دروازہ کھول کر باہر گیلری کی جانب بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ برابر میں کونین کے پورشن کی طرف دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ کونین کے بیڈ روم کا دروازہ لاک نہ تھا اور اندر سے آتے دھوئیں نے اسے ایک دم اس طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بے تحاشہ بھاگتا ہوا کمرے تک پہنچا۔

اندر داخل ہوتے ہی گہرے دھوئیں نے اس کا استقبال کیا۔ اندر آگ دیکھ کر اس کے حواس بے قابو ہو گئے۔ وہ اوندھے منہ پڑے بے حس و حرکت کونین کو دیکھ کر بُری طرح چیختا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

.......❁.......

تیزی سے جھک کر اس نے اوندھے پڑے کونین کو سیدھا کیا تھا۔ وہ شاید دھوئیں کے باعث دم گھٹنے سے بے ہوش ہو گیا تھا، ورنہ اس کے چہرے یا جسم پر کوئی چوٹ یا زخم کے نشان نہ تھے۔

اسے چھوڑ کر وہ پیچھے مڑا تھا جہاں کارپٹ کے خاصے بڑے حصے نے آگ پکڑی تھی اور شدید ترین دھوئیں میں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی سے لبریز جگ کو آگ پر چھڑکا تھا۔ چھن چھن چھن کی تیز آواز کے ساتھ کافی حصے سے آگ بجھ چکی تھی۔ اس نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے تو کمرے میں بھرا دھواں باہر ہواؤں میں تحلیل ہونے لگا تھا۔ دھواں دیکھ کر واچ مین سرپٹ بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"کیا ہوا صاحب! یہ دھواں کیسا ہے؟"

"سب خیریت ہے آپ جاؤ"۔ وہ واپس چلا گیا تھا۔ چوکیدار کو اس نے دروازے سے ہی واپس کر دیا تھا۔ اس کی فراخ پیشانی

پُرسوچ شکنوں سے پُر تھی۔ چہرے پر بھی کئی پریشان کن رنگ تھے۔ سب سے پہلے وہ کونین کو کسی چھوٹے بچے کی طرح اپنے بازوؤں میں اُٹھا کر اپنے بیڈروم میں لے آیا تھا اور بیڈ پر لٹا کر اس کی نبض چیک کی جواب نارمل تھی اور اسے کچھ دیر بعد ہوش آنے والا تھا۔ ذوالنون اُٹھ کر دوبارہ اس کے بیڈروم میں آ گیا جہاں اب آگ اور دھواں نہ تھا مگر اسمیل باقی تھی۔ اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسکائی کارپٹ پر بکھرے ان سگریٹ کے ٹکڑوں کو دیکھا تھا جن کے باعث آگ لگی تھی۔ وہ آگ تو اس کی بروقت مداخلت سے بجھ چکی تھی مگر ان استعمال شدہ سگریٹ کے ٹکڑوں نے جو اس کے اندر آگ سلگائی تھی، اس کی شدت حد سے سوا تھی۔

کونین کا بدلا بدلا رویہ اور کھویا کھویا انداز تو وہ خاصی مدت سے دیکھ رہا تھا اور کئی بار اس کی اس تبدیلی و پریشانی کی وجہ بھی جاننا چاہی مگر ہر بار وہ ہنس کر ٹال گیا یا اس انداز میں موضوع بدلا کہ وہ پھر اصرار نہ کر سکا اور وہ اندر ہی اندر کوئی دُکھ پالتا رہا۔

وہ دُکھ کیا ہے......؟ کیا روگ پال لیا ہے......؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا معاملہ ہے...... ایسی کیا بات ہے جو وہ اس سے بھی پرائیویسی برتنے پر مجبور ہو گیا، جس سے ہر بات، ہر مسئلہ شیئر کرتا تھا۔ قریب ہی اُلٹی پڑی ایش ٹرے میں اس نے وہ تمام سگریٹ کے ٹکڑے جمع کیے اور اپنے روم میں چلا آیا جہاں کونین اسی وقت اُٹھ کر بیٹھا تھا۔ ذوالنون نے ایش ٹرے والا ہاتھ پشت کی جانب کر لیا۔

"ارے...... میں تمہارے بیڈ پر کیسے آ گیا؟ میں تو اپنے روم میں تھا......" وہ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"آپ نیند میں چلنے لگے ہیں"۔ وہ قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں اور نیند میں؟ امپاسبل......" کونین نے مسکرا کر کہا۔

"پھر آپ میرے روم میں کس طرح آ گئے؟"

"میں کیسے آ گیا؟ پلیز یار پہیلیاں مت بجھواؤ"۔

"پہیلی میں نہیں آپ بن گئے ہیں بھائی۔ محبتیں اور اعتماد تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے مگر ہمارے ساتھ تو متضاد معاملہ ہے"۔ بہت عرصے بعد ذوالنون کو اس نے پرانے موڈ میں دیکھا تھا۔ اس کی سنجیدگی اور سوچتی آنکھیں مقابل کو کسی قابل نہیں چھوڑتی تھیں۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو پرنس! میری محبت تمہیں کیونکر کم محسوس ہوئی؟ میرا اعتماد تمہیں کہاں کمزور محسوس ہوا؟"

"یہ کیا ہے بھائی؟ ان عارضی سہاروں کی ضرورت آپ کو کب سے محسوس ہونے لگی؟" اس نے پشت کی جانب کیا ہوا ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا تو کونین بھونچکا سا رہ گیا۔ اپنی غائب الدماغی پر اس کی نظریں جھکتی چلی گئیں۔ اسموکنگ اس نے سب سے چھپ کر شروع کی تھی۔ دل کی وحشتوں کو سگریٹ کے دھوئیں میں اُڑانے کی سعی کیا کرتا تھا۔ خشکی سے رشتہ توڑ کر اس دھوئیں سے اس نے جوڑ لیا تھا اور سوچا تھا کبھی کسی کو اس کے اس فعل کی خبر نہ ہو گی اور خبر ہوئی تو کس کو...... جس کے آگے وہ شرمسار ہو گیا تھا۔

"آپ نے ہمیشہ ایسی بیڈ ہیبٹ سے نفرت کی ہے، پھر ایسا کیا ہوا کہ آپ چین اسموکر بن گئے؟ اگر میں اتفاقی طور پر گیلری کی طرف نہ جاتا تو...... نہ معلوم آپ کو کتنا نقصان پہنچتا اور ہمارے لیے تو زندگی اور زیادہ بوجھل ہو جاتی"۔ شدت جذبات سے اس کی آواز لرز

اٹھی تھی۔ کونین گویا مجسمے کی مانند اسے تک رہا تھا۔

''آج آپ کو بتانا ہی ہوگا، بھائی کیا ہوا ہے آپ کے ساتھ......؟ ایسا کیا ہے جس نے آپ کو ہم سے دور کر دیا ہے، ایسا کیا ہوا ہے؟'' اس کا انداز حتمی و ٹھوس تھا۔

''تھنگ یار! کچھ نہیں ہوا ہے...... کیا ہوگا بھلا؟''

''آپ ممی سے بھی دور ہو گئے ہیں، یہ میں بہت عرصے سے فیل کر رہا ہوں'' ۔ وہ آج اس کو بخشنے کے موڈ میں نہ تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو، ایسا کچھ نہیں ہے اور یہ اسموکنگ تو میں نے ایسے ہی شروع کی تھی، اب چھوڑ دوں گا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ بڑوں کو ایسے کوئی قابلِ گرفت کام نہیں کرنے چاہئیں جو چھوٹوں کے آگے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیں''۔

''بھائی!''

''یس''۔

''میری طرف دیکھیں'' ۔ اس کے انداز میں گھمبیر سنجیدگی تھی۔

''تمہاری طرف ہی دیکھ رہا ہوں'' ۔ اس نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ ذوالنون اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر بولا۔

''اب وہ بتائیں جو ایک عرصے سے چھپاتے آ رہے ہیں''۔

☆......☆......☆

مومل، زویا، نشرح وغیرہ کو وہ جھوٹ وسچ کی آمیزش سے ایک کہانی تیار کر کے سنا چکی تھی۔ یہاں زیادہ پریشانی اس کو یوں نہ ہوئی کہ جن حالات میں ہارون وصبوحی کی شادی ہوئی تھی۔ اس سے وہ ناواقف تھیں، اس لیے اسے اتنی تگ ودو نہ کرنی پڑی تھی۔ ذوالنون کے سنگ گزارا وقت اس نے نہیں بتایا تھا۔

''آنے سے اس کے آئے بہار
جانے سے اس کے جائے بہار
بڑی مستانی ہے میری محبوبہ
میری زندگانی ہے میری محبوبہ''

ہریرہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گنگنایا تھا۔

''اٹس ویری بیڈ سونگ'' ۔ وہ دور کھسکتے ہوئے بولی۔

''پھر بتاؤ خود ہی کون سا سناؤں'' ۔ وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا شوخی سے گویا ہوا تھا۔

"دور ہٹو بدتمیز"۔ وہ اسے ہاتھوں سے دور کرتی ہوئی بولی۔

"اگر تم سے محبت کرنا بدتمیزی ہے تو میں خود کو بدتمیز کہلوانے میں فخر محسوس کروں گا"۔ وہ سینہ تان کر بولا۔

"اوہ گاڈ! تم ایسی باتیں کرتے ہو"۔ وہ زچ ہوئی۔

"اس لیے کہ تم ایسی باتیں نہیں کرتی ہو"۔ وہ برجستہ بولا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے جو ایسی باتوں کروں گی"۔

"میرا دماغ ہی نہیں آنکھیں بھی خراب ہیں تب ہی تم جیسی بدصورت، بدمزاج، چڑچڑی لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں"۔ اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔

"تم...... تم جاتے ہو یہاں سے یا میں بی بی جان کو بلاؤں؟" وہ بری طرح زچ ہو چکی تھی۔

"ہاں ہاں شوق سے۔ میں چاہتا ہوں بی بی جان وصی کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی فیصلہ کر ہی ڈالیں"۔ اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"شٹ اَپ"۔ وہ غصے سے کھڑی ہوتی ہوئی چیخی۔

"آئی ڈونٹ مائنڈ"۔ ہریرہ نے شانے اُچکائے۔

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے، جا رہی ہوں میں"۔ وہ غصے سے خوں خوں کرتی آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آئم سوری یار۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ پلیز بیٹھو تو سہی۔ میں نے تمہیں کتنا مس کیا ہے، کتنا یاد آئی ہو یہ تو سنو"۔

"یاد تو تمہیں بہت آئی ہوں گی کہ تنگ کرنے کے لیے جو کوئی نہ ملا ہو گا۔ تمہیں شرم نہیں آتی مجھے تنگ کرتے ہوئے۔

"میں تنگ نہیں کر رہا، حقیقت بتا رہا ہوں"۔

"مجھے نہیں سننی"۔ وہ وہاں سے سیدھی اپنے پورشن میں آ گئی جہاں حسبِ معمول خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پپا آفس اور مما بی بی جان کے روم میں تھیں۔ وہ بیڈ روم میں آ کر بیڈ پر لیٹ گئی جب سے گاؤں سے آئی تھی، طبیعت میں عجیب سی بے کلی محسوس ہونے لگی۔ وہاں سے آئے اسے آج تیسرا دن تھا اور موڈ فریش ہونے کے بجائے بوجھل پن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کیفیت کو وہ کوئی نام بھی نہ دے پا رہی تھی کہ ایک دم سے ہی آدم بے زار کیوں ہو گئی تھی۔

اس دوران پروفیسر آفتاب سے بھی اس کی بات ہوئی تھی۔ ان کی طبیعت اب پہلے سے قدرے بہتر تھی۔ وہ ڈسچارج ہو کر گھر جا چکے تھے۔ حیدر کے متعلق ابھی تک کوئی خیر خبر نہ مل سکی تھی۔ اس کے متعلق جاننے کے لیے اس نے دوبارہ ذوالنون کو کال کی تھی مگر وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ اس نے کال ریسیو نہ کی تھی اور یہی بات اسے اُداس کیے ہوئے تھی۔

☆......☆......☆

صنوبر بیگم نے ساس کے دیے ہوئے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مہران علوی کی والدہ کو وہی جواب دیا تھا کہ اگر وہ اپنے بیٹے کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہیں تو کہیں اور کر سکتی ہیں، انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور جواب میں انہوں نے کہا تھا۔ وہ اس گھر کے علاوہ کسی اور سے رشتہ جوڑنا نہیں چاہتیں، اس کے لیے خواہ انہیں کتنا انتظار ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

مہران علوی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خضریٰ کے پاس ہاسپٹل پہنچے تھے، بہت رنجیدہ سے۔

''آپ اس بات کو اتنا سیریس کیوں لے رہے ہیں مہران صاحب! پاپا اور ممی نے ایسے ہی کہہ دیا ہوگا''۔ خضریٰ نے آہستگی سے کہا۔

''یہاں میری جان پر بن آئی ہے اور آپ کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہے......'' مہران نے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''لائف بہت مختصر ہے اگر ایسی معمولی معمولی باتوں کو دل پر لیں گے تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ ٹرائی کیا کریں اوائیڈ کرنے کی''۔ بے بی پنک کاٹن کے سوٹ میں اس کی شفاف رنگت نمایاں تھی۔ خوب صورت چہرے پر تمکنت تھی، پُر وقار سی جاذبیت تھی۔

''خیریت تو ہے ناں مہران صاحب!'' اپنی جانب اسے مسلسل دیکھتا پا کر وہ کچھ حیرانگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ایک بات ہے جو ہمیشہ سے مجھے تنگ کر رہی ہے اور اکثر میں نے چاہا کہ آپ سے وہ بات شیئر کروں۔ پوچھوں جو میں فیل کر رہا ہوں، جو میرا دل کہہ رہا ہے یہ کس حد تک درست ہے، مگر ہر بار میری زباں پر یہ بات آتے آتے رُک جاتی تھی۔ میں ڈرجاتا تھا کہ کہیں میں آپ کو کھو نہ دوں۔ آپ خفا نہ ہو جائیں''۔

وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

مہران علوی کو پہلی بار اس نے سنجیدہ و پریشان دیکھا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے؟''

''آپ پرامس کریں کہ جو میں آپ سے پوچھوں گا، آپ بالکل سچ سچ بتائیں گی''۔ اس کا لہجہ شدید ذہنی اُلجھنوں کا غماز تھا۔

''میں جھوٹ نہیں بولتی، جو آپ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیں''۔ وہ پوری توجہ سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ مہران علوی کئی لمحوں تک خاموش رہا تھا۔ ٹیبل کی سطح پر ان کی انگلیاں اضطراری انداز میں نقش و نگار بناتی مٹاتی رہی تھیں۔ کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔

''میں...... میں یہ فیل کر رہا ہوں آپ...... میرے ساتھ خوش نہیں ہیں''۔ مہران علوی کی آنکھیں اس سے اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ اپنی کہی گئی بات کا ردعمل اس کے چہرے کے تاثرات سے جانچنا چاہتا تھا۔ زبان سیدھی بات کو بھی کئی طرح کے ہیر پھیر دینے کی ماہر ہوتی ہے۔ جس طرح چاہے صورت حال کو مخالف و موافق کرنے کے ہنر سے آشنا ہوتی ہے۔ زبان کی بہ نسبت چہرہ اور آنکھیں اتنی تیزی سے خود کو نہیں بدل سکتی ہیں اور اس کے چہرے کی اُڑتی رنگت و نگاہوں کی بوکھلاہٹ نے اس کے خدشوں کو حقیقت کی زبان دے دی تھی۔

اس کے دل کی دھڑکنیں یک دم ہی تھمنے لگی تھیں۔ ہر منظر دھندلا گیا تھا۔

"لب وا کرنے سے قبل سوچ لیجیے، آپ نے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے"۔

"مجھے یاد ہے مگر جو آپ نے کہا وہ بھی...... غلط نہیں ہے"۔ منتریٰ نے صاف گوئی سے کہا اور مہران علوی اسے دیکھتا رہ گیا۔

"مجھے افسوس ہے آپ کو یہ سن کر شاک لگا ہے مگر میں نے آپ سے کہا تھا میں جھوٹ نہیں بولوں گی"۔

"ایسا کیوں ہوا؟ میرا مطلب آپ کے والدین نے آپ کو فورس تو نہ کیا ہوگا...... پھر آپ زبردستی کیوں سب کرتی رہیں؟" وہ شکستہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"دادو اور ممی نے جب مجھ سے پوچھا اس وقت تک میں سمجھتی تھی کہ بہت آسانی سے میں کمپرومائز کرلوں گی، لائف سیٹل ہو جائے گی مگر گزرتا وقت مجھے احساس دلانے لگا ہے جو ہم سوچتے ہیں ویسا کبھی نہیں ہوتا۔ کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم کمپرومائز نہیں کرسکتے۔ کچھ دُکھ ایسے ہوتے ہیں جن کو سینے میں دبائے دُنیا سے گزر جانے کو دل کرتا ہے۔ بہت اچھا ہوا مہران صاحب جو آپ نے کہہ دیا، ورنہ مجھے کہنے میں بہت دیر ہو جاتی۔ آپ کو زندگی کا سفر کسی اور کے ساتھ کرنا ہوگا۔ میں آپ کے لیے اچھی لائف پارٹنر ثابت نہ ہو سکوں گی"۔ اب چھپانے کو بچا ہی کیا تھا سو وہ سب کہتی چلی گئی۔

"ہوں...... آپ نے مجھے فیصلہ بھی سنا دیا...... اتنی جلدی کس بات کی ہے؟"

"جلدی نہیں، بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ سنایا ہے"۔

"یہ بات اور یہ فیصلہ ہمارے بڑوں کے درمیان ہوا تھا۔ میں اس کو توڑنے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں پاتا ہوں"۔

"اوکے میں بات کروں گی"۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے پلیز، ابھی آپ خاموش رہیں"۔ مہران علوی کے انداز میں اُلجھنیں تھیں۔

☆......☆......☆

وہ سب لاؤنج میں بیٹھی ہوئی عنقریب ہونے والی وصی کی شادی کی تیاریوں کا ذکر کر رہی تھیں۔ ساتھ ان کے بی بی جان بھی تھیں۔

"بی بی جان! آپ ہی فیصلہ کیجیے، گولڈ کے جیولری سیٹ کتنے بنوائے جائیں اور کتنے تولے کے بنوائے جائیں؟" سمیرا ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"میری مانو تو ایک بھی گولڈ کا سیٹ نہ بنواؤ تو بہتر ہے"۔

"ایسا کس طرح ہوسکتا ہے بی بی جان...... بھلا سونے کے بغیر بھی شادی ممکن ہے؟" سمیرا حیرانگی سے گویا ہوئی تھی۔

"پھر ہم سوسائٹی میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، صاحب حیثیت کہلاتے ہیں"۔ حمیرا کی حیرانگی بھی سمیرا کی طرح تھی۔

"یہ تو میری سوچ ہے جو میں نے کہہ دی اور جو تم بہتر سمجھو کرو"۔

"بی بی جان! آپ نے جو کہا ہے ضرور اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ آپ مکمل کر وضاحت کیجیے۔ یہ بے حد اہم معاملات ہیں"۔

کرن نے سمیرا حمیرا کی ہونق شکلیں دیکھ کر ان سے کہا۔

"میں جانتی ہوں لڑکے کی بارات بری اور لڑکی کی جہیز سے سجتی ہے جن میں خاص شے زیورات ہوتے ہیں۔ خواہ وہ ہیروں کے ہوں یا چاندی سونے کی۔ ایک وقت تھا جب بے حساب طلائی زیورات شادی میں پہنائے جاتے تھے۔ پچاس پچاس تولہ سونا خود سمیرا، حمیرا کو اماں ابا نے زیورات کی شکل میں دیا ہے۔ جن میں ایک ایک سیٹ ہیروں کا بھی تھا۔ اس دور میں یہ سب اتنا آسان نہ تھا تو اتنا مشکل بھی نہ تھا۔ دل بھر کر انہوں نے زیورات پہنے تھے مگر آج وہ دور نہیں ہے۔ اچھے بُرے لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں۔ چوروں، لٹیروں سے یہ جہاں کبھی بھی مکمل پاک نہیں رہا ہے۔ اس وقت میں بھی چوریاں ہوتی تھیں، ڈاکے ڈلتے تھے، لٹیرے لوٹتے تھے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ لوگوں نے خوف کے مارے زیورات کا استعمال ہی ترک کر دیا ہو۔ آج کے دور میں لوگوں کے پاس سونا چاندی، ہیرے جواہرات سب کچھ ہے مگر وہ استعمال نہیں کر سکتے کہ لوگوں کا ایمان اب اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ نہ انہیں اللہ کا خوف رہا ہے نہ آخرت کی فکر...... اپنی عزت و غیرت بھلا کر شیطانی کاموں میں لگ گئے ہیں"۔

"آپ کی بات درست ہے بی بی جان! آج چھن جانے یا چوری ہو جانے کے خوف سے لوگ مجبوراً آرٹیفشل جیولری استعمال کرنے پر مجبور ہیں"۔

"میں کہتی ہوں پھر کیا ضرورت پڑ گئی، ایسے خطرات مول لینے کی...... پھر انہیں استعمال بھی نہ کرو۔ خفیہ جگہوں پر سینت سینت کر رکھو۔ اس سے بہتر ہے سونے وغیرہ کی جیولری نہ دو۔ ان ہی روپوں میں کچھ اور ملا کر زمین، فلیٹ یا کوئی گھر گفٹ کر دو عمر بھر کی آسانی ہے، یہ جب تک ساتھ رہیں تب تک وہ کرائے پر دے دیں اور جب ضرورت پڑے تو خود سیٹل ہو جائیں۔ نہ اس کے چوری ہونے کا خدشہ، نہ چھپا کے رکھنے کا جھنجھٹ۔ اگر دل نہ مانے تو ایک ہلکا پھلکا سا خواہ وہ پھر آج کل تو ویسے بھی شادی، ولیمے میں میچنگ کے فل سیٹ ہوتے ہیں اور دیگر سیٹ لے لینا میرا تو یہی ارادہ ہے"۔

"بی بی جان! آئیڈیا تو آپ کا زبردست ہے مگر ذرا مشکل بھی ہے۔ دراصل معاشرے کے بنے ریت ورواج اتنی آسانی سے تو نہیں بدلتے ناں"۔ سمیرا نے ان کے مشورے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"آہستہ آہستہ ہی سہی بدلنا تو چاہیے"۔

پھر کافی دیر تک موضوع گفتگو زیورات و بری کے دوسرے لوازمات رہے تھے، کیونکہ گھر کے بچوں میں سے یہ پہلی شادی تھی۔ سب کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر کوئی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا خواہاں تھا۔

کرن انس کے آنے پر اپنے روم میں آ گئی تھیں۔ انس صاحب باتھ سے فارغ ہو کر بیٹھے تو ملازمہ چائے لے کر آئی تھی۔

"کیا بات ہے ڈیئر! کچھ دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں، بے حد اپ سیٹ رہنے لگی ہو کیا پرابلم ہے؟" چائے پیتے ہوئے وہ مخاطب ہوئے۔

"کچھ نہیں"۔ وہ قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"کوئی تو بات ہے جو رخ روشن پر بدلیاں چھائی ہوئی ہیں"۔

"میں یہاں آ کر خوش نہیں ہوں، ہر پل مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے، کوئی ساعتوں میں سرگوشیاں کرتا ہے۔ راتوں میں عجیب خواب دیکھنے لگی ہوں"۔ ان کے لہجے میں اضطراب و بے بسی تھی جو تنہائی پاتے ہی کسی آسیب کی طرح چمٹ جاتی تھی۔ سب کے سامنے وہ خود کو سنبھال لیتی تھیں، بہلا لیتی تھیں مگر تنہائی میں وہ انہی وسوسوں و وہموں کا شکار ہو کر مضطرب رہنے لگی تھیں۔

"ڈونٹ وری ڈارلنگ! یہ سب آپ کے دل میں چھپے ہوئے برسوں کے ڈر و خوف ہیں جو موقع ملتے ہی حاوی ہو جاتے ہیں"۔

"میں مانتی ہوں ایسا ہی ہے مگر آپ کیوں یہ بھولتے ہیں کہ یہ ڈر و خوف محض میرا وہم نہیں ہیں...... حقیقت ہیں پھر آپ یہ بھی کیوں بھولتے ہیں کہ ہم دشمنوں کے شہر میں ہیں۔ کبھی بھی، کہیں بھی، کسی موڑ پر ہماری ان سے مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن تو نہیں ہے"۔ کرن کے اندیشوں پر انس ہمیشہ کی طرح مسکرا دیئے تھے۔

"آپ ہمیشہ میری پریشانیوں کو مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ اب ہم دو نہیں، ہماری بیٹی بھی ہے، اگر حورین کو......"

"پلیز کرن!" انہوں نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"بلاوجہ کے وہم میں مت پڑا کرو کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ میری بیٹی کا بال بھی بیکا کر سکے۔ حورین میری زندگی ہے، میری جان ہے"۔

"وہ ہماری اکلوتی اولاد ہے۔ اس کی محبت ہی ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے اور لوگ کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں"۔

"محبت کمزور ہوتی ہے، محبت کرنے والے نہیں"۔

"پھر بھی انس میں چاہتی ہوں ہم یہاں سے واپس چلیں اور ساتھ حورین کو بھی لے چلیں۔ میں یہاں مطمئن نہیں ہوں"۔ ان کی آنکھوں میں انجانا خوف اور لہجے میں وسوسے لرزاں تھے۔ انس صاحب نے ہاتھ بڑھا کر انہیں شانے سے تھام لیا۔

"میں ہوں ناں کچھ نہیں ہوگا۔ تم اور حورین ہی تو میرے جینے کی وجہ ہو، ورنہ میرے پاس کیا ہے جو مجھے زندہ رہنے پر راغب کرے اور پھر اب وہ کوٹھی بھی ڈیکوریشن کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کا کیا ہوگا جو اتنے پیار و شوق سے خریدی ہے تم نے؟" انس صاحب کے لہجے میں نرمی و پیار تھا۔ اپنائیت و بے لوث محبت کے اسی انداز نے کرن کو ان سے منسلک کیا ہوا تھا۔

"چلیں وہاں کا ایک راؤنڈ لگا آتے ہیں، ڈنر بھی باہر کریں گے"۔ قبل اس کے کہ کرن کچھ کہتی، اسی لمحے دروازہ ناک کر کے حورین آئی۔

"اوہ آیئے آیئے کیسے فرصت مل گئی ہماری بیٹی کو ہمارے پاس آنے کی؟" حورین کو دیکھ کر وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔

"پپا! یہ فاؤل ہے، بزی آپ رہتے ہیں، میں نہیں"۔ وہ آکر ان کے شانے سے لگ کر شکایتی انداز میں گویا ہوئی۔

"اس کو کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔

کرن نے بھی بیٹی کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ سیاہ و سفید پرنٹڈ سوٹ میں اس کی سرخ و سفید رنگت و چہرے کے دل کش نقوش واضح تھے۔ اس کے سادہ چہرے پر تازگی تھی، براؤن بالوں کی چوٹی کمر پر جھول رہی تھی۔ کانوں میں گولڈ کے نازک سے رنگ تھے اور بائیں ہاتھ میں رسٹ واچ۔ سوٹ کی میچنگ کا دوپٹہ بہت سلیقے سے اوڑھا ہوا تھا۔ کرن کو جو اس سے اختلافات رہتے تھے۔ وہ بی بی جان کی صحبت میں رہ کر مٹ چکے تھے۔ اسی لیے وہ بھی اسے دل و جان سے چاہنے لگی تھیں۔ ابھی بھی ان کی نگاہیں بالا ہی بالا اس کی نظر اُتار رہی تھیں جو اس سادگی میں بھی رعنائی و دل ربائی کا پیکر تھی۔

"پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ ہم میں سے چور کون ہے اور کوتوال کون؟" انس بیٹی کو لپٹاتے ہوئے شوخی سے کرن سے گویا تھے۔

"میں"۔ باپ بیٹی کو مسکراتے دیکھ کر وہ مصنوعی خفگی سے بولیں۔

"دونوں آپ ہی ہیں...... چور بھی، کوتوال بھی؟"

"اوہو۔ آپ تو بعض اوقات بال کی کھال نکال لیتے ہیں"۔ وہ بیٹھ گئی تھیں۔ چہرے پر دھیمی مسکراہٹ کی روشنی تھی۔

"یونیورسٹی کب سے کھل رہی ہے؟"

"کل سے"۔

"پروفیسر صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوئی کیسے ہیں وہ؟"

"ٹھیک ہی ہوں گے۔ کل یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی"۔ سر آفتاب کے نام پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

کونین چند دنوں کے لیے بزنس ٹور پر نار وے چلا گیا تھا۔ اس رات ذوالنون کی جذباتی کیفیت اور قسم دینے پر اس نے اپنے دل کی ہر بات اس کو سنا ڈالی تھی۔ ایک عرصے سے جو غبار وہ اپنے دل میں چھپائے نڈھال ہو رہا تھا، اسے سنا کر کافی ہلکا پھلکا اپنے دل و دماغ کو محسوس کر رہا تھا۔ اس تمام قصے کو اس نے صرف اپنی ذات تک محدود رکھ کر سنایا تھا نہ اس میں خضریٰ کی چاہت کا بتایا تھا کہ وہ بھی اسے دل ہی دل میں چاہتی ہے اور نہ ہی مما اور نانو کی وہ تمام باتیں و حرکات بتائی تھیں جن کے باعث وہ ان سے دور ہوا تھا۔ بھائی کی پسندیدگی سن کر وہ ششدر رہ گیا تھا کہ خضریٰ کو ہی اس نے کونین کے حوالے سے دیکھا تھا اور اب وہ کسی اور کی امانت تھی۔ کونین اس سے خاموش رہنے کے عہد و پیمان لے کر جا چکا تھا۔

وہ بھائی کی نامرادی پر مضمحل ہو کر رہ گیا۔ حیدر کے ساتھ وہ یونیورسٹی گیا تھا۔ دو پیریڈ کے بعد فری پیریڈ تھے۔ وہ اسے لے کر کینٹین چلا گیا۔

''کیا بات ہے، کچھ ڈسٹرب دکھائی دے رہے ہو؟'' حیدر نے چائے کا آرڈر دینے کے بعد اس کے سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آئم رائٹ''۔

''مجھے تم سیڈ دکھائی دے رہے ہو۔ کوئی اُلجھن ہے، کوئی پریشانی ہے جو تمہاری آنکھوں میں سرخی سے نمایاں ہے کہ شاید تم نیند بھی پوری طرح نہیں لے رہے۔ کوئی تو وجہ ہے ناں پھر تم ہی تو کہتے ہو کہ خوشیاں بانٹنے سے زیادہ ہوتی ہیں اور دُکھ بانٹنے سے کم''۔

''جس شخص کی پوری حیات ہی دُکھ و محرومیوں سے عبارت ہو، وہ کس سے دُکھ شیئر کر سکتا ہے اور کون کب تک کرے گا؟''

''کیا سوچ رہے ہو یار؟'' حیدر اسے خاموش دیکھ کر گویا ہوا۔

''یو آر ناٹ کنفیوزڈ آئم ویری ویری پرفیکٹ انڈر اسٹوڈ''۔ اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ویٹر سے چائے لیتے ہوئے گویا ہوا۔

''میری دعا ہے ایسا ہی ہو''۔

''کل صبوحی کی کال آئی تھی۔ وہ بہت خوش ہے ہارون بھائی سمیت سب کی بے حد تعریف کر رہی تھی''۔ اس نے چائے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اگر ہمارے اپنے خوش ہوں تو ہم از خود ہی خوش ہو جاتے ہیں۔ اپنوں کی خوشیاں، اپنوں کے دُکھ براہ راست ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں''۔

''ہوں۔ یہ بات تو پرفیکٹ ہے۔ سر آفتاب کی طرف چلتے ہیں وہ آج بھی نہیں آئے ہیں۔ شاید ابھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں''۔ ذوالنون نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''حورین سے ملاقات ہوئی ہے تمہاری؟''

اچانک حیدر نے پوچھا اور لمحے بھر کو اس کے اندر کھلبلی مچی تھی۔

''وہاں سے آنے کے بعد ایک بار بھی نہیں۔ اس نے دوبارہ کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کی ہے مگر میں نے کال ریسیو نہیں کی''۔

''کیوں......؟'' حیدر کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

''ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا ہے''۔ اس نے حیدر کی طرف دیکھے بنا کہا۔

''لیکن تمہیں جواب دینا پڑے گا کہ تم نے کس خوف کی وجہ سے کال ریسیو نہ کی؟ کوئی تو وجہ ہو گی؟'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''دماغ تو نہیں چل گیا ہے تمہارا؟ ہر بات کا اُلٹا ہی مطلب لیتے ہو''۔

''او کے...... سیدھا مطلب تم ہی سمجھا دو''۔ اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔

''کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم فضول سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو''۔

''غلط لفظ بولا ہے تم نے''۔

''کون سا؟''

''سسپنس ...... حالانکہ تم کو کہنا چاہیے تھا رومینس''۔

''اوہ شٹ۔ تمہیں بکواس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے''۔

وہ بری طرح تپ کر گویا ہوا، جبکہ خود اس کے دل کی دُنیا زیروزبر ہو رہی تھی۔ صنفِ مخالف سے وابستہ ہونے والے اس جذبے سے اسے نفرت تھی۔ پیار، محبت، عشق ان لفظوں سے وہ نا آشنا تھا اور تب تک ہی سب ٹھیک تھا۔ جب تک کسی کی پروا بھی نہ تھی اور جب سے محبت کی یہ خودرو کونپل اس کے دل کی زمین پر اُگی تھی، سب کچھ بدل گیا تھا۔ دن، رات، نیندیں، خواب، موسم و جذبے، سب ہی بدل کر رہ گئے تھے اور وہ کوشش کے باوجود ان کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ دل کی اس بغاوت نے اسے اضطراب بخشا تھا جسے حیدر نے مزید بڑھا دیا تھا۔ جس جذبے کا اقرار وہ خود سے نہیں کر رہا تھا تو اس سے کیونکر کرتا۔ وہ کامن روم سے نکل رہی تھی۔ گیلری سے گزرتے ذوالنون کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی تھی، اس وقت وہ تنہا تھا۔

''ایکسکیوزمی''۔ حورین کی آواز سن کر وہ رکا تھا مگر مڑ کر نہ دیکھا تھا۔

''حیدر اور سر آفتاب کے متعلق پوچھنا ہے''۔ اس کے انداز میں پرانی والی بے گانگی و سرد مہری محسوس کر کے وہ محتاط انداز میں بولی۔

''سر کی طبیعت ابھی مکمل ٹھیک نہیں ہوئی ہے اور حیدر یونیورسٹی آیا ہے''۔ خاصے روڈ انداز میں جواب دے کر وہ چلا گیا تھا۔ حورین نے حیرانگی و خفگی کے انداز میں اس کی پشت کو گھورا تھا۔

''اوہ گاڈ! یہ آدمی ہے یا گرگٹ؟ جس طرح ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جاتے ہوئے وہ اپنا رنگ بدلتا ہے، اسی طرح یہ شخص موقع دیکھ کر موڈ بدلتا ہے۔ گاؤں میں اس طرح کیئر کر رہا تھا گویا اس سے بڑھ کر میرا کوئی ہمدرد، کوئی خیر خواہ نہیں ہے اور اب اس طرح ملا ہے جیسے جانتا ہی نہیں ہے، عجیب شخص ہے''۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی وہیں کھڑی تھی، اس سے بے خبر کہ وہ چاروں اسے ذوالنون سے بات کرتے دیکھ چکی ہیں۔

''ارے تم نے بھی وہی دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے؟''

''آج لگ رہا ہے، سورج غلط سمت سے نکل آیا ہے''۔

''مجھے لگ رہا ہے، میں خواب دیکھ رہی ہوں''۔

''مجھے یقین تھا ایسا ایک دن ضرور آئے گا اور وہ دن آ گیا''۔ ردا، ثمرین اور موحل کے بعد زویا نے کمنٹس دیے تھے۔

''ارے اسے کیا ہو گیا؟ کیا بولے جا رہی ہو؟''

''جو دیکھا ہے، وہی کہہ رہے ہیں ڈیئر! دشمنی، دوستی میں بدل گئی۔ دو مختلف راستے ایک ہی منزل پر چلنے لگے۔ دن اور رات کب ایک ہوئے ہیں، یہ ہمیں معلوم ہی نہ ہو سکا''۔ ثمرین اسے معنی خیزی سے دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"یہ انقلاب کس طرح برپا ہوا معلوم تو ہو؟" وہ چاروں اپنی اپنی کہہ رہی تھیں، حورین ان کے ہمراہ وہاں سے لابی میں چلی آئی تھی کہ یہاں پر اسٹوڈنٹس کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ آزادی سے گفتگو کر سکتی تھیں۔

"تم لوگ اس طرح ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو؟ یہ کوئی امیزنگ پوائنٹ نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے بھی بات کرتی تھی، کوئی پہلی بار بات نہیں کی جو تم لوگ اس قدر ایکسائٹڈ ہو رہی ہو کہ حواس ہی کھوتی جا رہی ہو"۔ حورین کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

"ہاں کرتی تھیں مگر اس طرح نہیں، بڑے نرم انداز میں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے حیدر کے متعلق پوچھ رہی تھی اور سر آفتاب کے متعلق جو یونیورسٹی نہیں آئے ہیں"۔ وہ کہتی ہوئی سامنے حیدر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

یہ جو زیست کا سفر ہے

یہ جو رشتہ ہے میرا

تم اگر ساتھ نہ دو گے

تو یہ کس طرح کٹے گا

میری سوچ کی حدوں تک

یہ گماں بھی کیسے آئے

کوئی پل بنا تمہارے

بھلا کیسے بیت جائے

میرے پاس تم نہیں ہو

میرے پاس کب نہیں ہو

میری یاد کے نگر میں

میرے خواب کے سفر میں

میری سوچ کی تہوں میں

میری آنکھ کے کٹوروں میں

میرے دل میں، جاں میں، تن میں

ہاں تم ہی ہو، ہر کہیں ہو

میران علوی چند ہفتوں بعد پھر اس کے سامنے موجود تھا۔ گرے پینٹ، وہائٹ شرٹ میں ترتیب سے سنوارے گئے بال اور چہرے پر موجود دھیمی مسکراہٹ نے اس کی شخصیت کو وقار بخشا تھا۔

"میران علوی صاحب! کیا لیں گے آپ؟ کولڈ ڈرنک، کافی یا ٹی؟" چھ سات ماہ کے عرصے میں پہلی بار وہ اس سے اعتماد بھرے لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔ میران کو یہ دوستانہ انداز بہت پسند آیا تھا۔

"آج ہر فیصلہ آپ کا چلے گا جو آپ چاہیں منگوالیں"۔ اس کے انداز میں کوئی خاص بات تھی۔ خضریٰ نے چونک کر دیکھا تھا پھر سر ہلاتے ہوئے انٹر کام پر کافی لانے کا آرڈر دیا تھا۔

"دو ویٹرز کیے ہیں۔ تھکن سی فیل ہو رہی ہے، ایسے میں کافی بیسٹ رہے گی۔ کافی آپ کو پسند بھی ہے"۔

"میری پسند ناپسند کا خیال ہے آپ کو؟" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"جی ہاں، جتنے ٹائم سے ہم مل رہے ہیں، اتنے عرصے میں ایک دوسرے کی پسند ونا پسند سے بندہ واقف ہو جاتا ہے"۔

"پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے خضریٰ؟" وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

"میرا اب بھی فیصلہ وہی ہے جو پہلے تھا"۔ وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

"فیصلہ بدلا بھی تو جا سکتا ہے"۔ اس کے لہجے میں ایک آس و اُمید پنہاں تھی۔

"جن فیصلوں پر ہماری زندگی، ہماری خوشیوں کا دارومدار ہو، وہ فیصلے صرف ایک بار کیے جاتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے فیصلے میں دیر کی اور آپ کو خواہ مخواہ انتظار کی زحمت دی۔ ایسا مجھے بہت جلد کرنا چاہیے تھا"۔ نرس ٹرے رکھ کر چلی گئی تھی جس میں بھاپ اُڑاتے مگ رکھے ہوئے تھے۔

"آپ بہت نائس، بہت گریٹ ہیں۔ کوئی بھی لڑکی آپ کی لائف پارٹنر بن کر خوش رہے گی"۔ وہ کافی کا مگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

"کوئی بھی لڑکی؟" اس کے دھیمے لہجے کی عجیب سی آنچ نے پل بھر کو خضریٰ کو گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی اُداسی کہہ رہی تھی۔ "کوئی اور لڑکی کیوں تم کیوں نہیں؟"

"اس سے قبل میں نے بہت سوچا، بہت کوشش کی کہ میں آپ کو انکار نہ کروں، کمپرومائز کرلوں مگر پھر خیال آیا جہاں حیات کے پھول آخری سانس تک مہکتے ہیں وہاں کمپرومائز کا حبس زیادہ دن قابلِ برداشت نہ ہوگا۔ زندگی محبت کے سہارے گزاری جاسکتی ہے۔ محبت ملنے کی آرزو میں گزاری جاسکتی ہے مگر کمپرومائز کے تحت ہرگز نہیں"۔

کافی سپ کرتا ہوا میران اس کی ہر بات بغور سن رہا تھا۔ اس کی جانچتی نگاہیں ٹھہر ٹھہر کر اس کا جائزہ لے رہی تھیں، پھر وہ گویا ہوا۔

"آپ کی یہ اسمائل، فریش چہرہ اور یہ بولڈ کانفیڈینس میں آپ سے پہلے ہونے والی ملاقات میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ آپ

کے چہرے پر چھانے والی ناپسندیدگی کو میں پہلے دن ہی بھانپ گیا تھا۔ آپ کی اُکتاہٹ وجھلاہٹ کو شرم وحیا کا نام دے کر میں نے کتنے عرصے خود کو بہلائے رکھا۔ دل سے اُٹھنے والی صداقت بھری آوازوں کو اگنور کرتا رہا، پھر مما نے بھی یہی محسوس کر کے مجھے کہا تو میں نے یہی کہا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ خضریٰ بہت شریف و نیک لڑکی ہے۔ عام لڑکیوں سے بے حد مختلف و باوقار''۔ کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر وہ اس سے گویا ہوا تھا۔

''دراصل میں مما کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دیتا تھا کہ آپ کی اس وقت کی فیلنگز سمجھ نہیں آتی تھیں۔ کوئی نیگیٹو خیال اس لیے نہ تھا، کیونکہ مجھے معلوم تھا میرا پروپوزل ایکسپٹ کرنے کے لیے آپ کو فورس نہیں کیا گیا ہوگا، کیونکہ آپ کی فیملی ایجوکیٹیڈ و ماڈرن ہے، پھر آپ خود ایک ڈاکٹر و بااختیار تھیں۔ آپ کی مرضی کے بغیر تو یہ ممکن ہی نہ تھا''۔ وہ اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کہہ رہا تھا۔ خضریٰ خاموشی سے کافی کے سپ لیتی سن رہی تھی۔

''ہر بار مجھے فیل ہونے لگا، کچھ نہ کچھ ہے۔ آپ کی آنکھوں کی اُداسی و چہرے کی بے زاری میرے جذبوں کو قتل کر رہی تھی۔ میری محبت کی کلیاں بن کھلے مرجھا رہی تھیں۔ اسی کشمکش کے دوران ایک رات ڈنر پر میری ملاقات آپ کے کزن کونین سے ہوئی تھی''۔ اس نے خضریٰ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور خلاف توقع کونین کا نام سن کر خضریٰ ششدر رہ گئی، دل تیزی سے دھڑک اُٹھا، کانپتے ہاتھوں سے اس نے مگ تھام رکھا تھا۔

''ایسی ہی کنڈیشن میری ہوئی تھی جب میں نے کونین کی آنکھوں میں بھی آپ کی آنکھوں والی ویرانی و اُداسی دیکھی تھی۔ میرا اضطراب تب ہی سے بڑھ گیا تھا۔ دل کی حالت بے قابو ہو چکی تھی۔ دل سرگوشی کرتا، خضریٰ تمہارے لیے نہیں بنی، وہ کسی اور کی چاہت ہے اور میری نگاہوں میں از خود ہی کونین کو سراپا آجاتا اور میں گم صم ہو کر رہ جاتا پھر میں سوچتا کہ آپ سے پوچھوں کہ حقیقت کیا ہے؟ کیا آپ میرا ساتھ نہیں چاہتیں؟ کیا میرا دل جو کہتا ہے وہ سچ ہے؟ مگر آپ کی سنجیدگی و کم گوئی حوصلہ نہ دیتی تو گویا میں لٹک گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں؟ میں نے شروع سے ایسے خیالات کی لڑکی کی چاہ کی ہے جو میری محبت کا جواب محبت سے دے، جس کی تمام آرزوئیں، خواہشیں، جذبے و احساسات میرے لیے ہی ہوں، جس کی آنکھوں میں مجھے اپنا عکس نظر آئے اور آپ میں ایسا کچھ نہ تھا۔ ابھی میں اس اُلجھن کو سلجھا نہ پایا تھا کہ اچانک اس رات ہوٹل میں کونین سے ملاقات ہونے پر جو آپ کی ایموشنل فیلنگز سامنے آئیں، ان سے تمام معاملات میری سمجھ میں آ گئے''۔

''آ......آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کونین صرف میرے کزن ہیں؟'' اس کے دل و دماغ پر گویا برف جمنے لگی تھی جس راز کو وہ سالوں سے چھپاتی آ رہی تھی وہ اب عیاں ہونے لگا تھا۔

''وہی کہہ رہا ہوں جو شاید آپ اپنے آپ سے بھی چھپاتی آ رہی ہیں۔ محبت ایک ایسا پھول ہے جو خود تو نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے مگر اس کی مہک چھپائے نہیں چھپتی، پھیلتی ہے اور پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اسے چھپانا فضول ہے''۔ اس کا انداز ایک اچھے رازدار دوست کی طرح تھا۔

"مہران صاحب پلیز! آپ مجھے رسوا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو......"

"ارے ارے یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ مجھے ایسا ہی کم ظرف و چھچھورا سمجھا ہوا ہے، اگر آپ کو رسوا کروں گا تو میری رسوائی نہ ہوگی؟ آفٹر آل میرا آپ سے رشتہ ٹوٹا نہیں ہے اور نہ کبھی ٹوٹے گا"۔ وہ ذومعنی انداز میں کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی میں اس دن موقع ہی نہ مل سکا، حیدر سے بات کرنے کا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ حیدر سے اس کے والدین کے متعلق معلوم کرے جو اس کے کزن عمر دراز کی گرفت میں چلے گئے تھے۔ حیدر کو یونیورسٹی میں مطمئن دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی، یقیناً اس کے حالات بہتر ہیں جو وہ وہاں نظر آرہا ہے مگر یہ سب کس طرح ہوا، یہ جاننے کی جستجو اسے بے کل کیے ہوئے تھی۔ گاؤں سے آئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، اس دوران ہزار کوشش کے باوجود وہ سر آفتاب سے مل نہ پائی تھی۔ سیل کے ذریعے ہی ان سے بات ہوتی رہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ان سے روبرو ملاقات کرے، ان کی صحت یابی پر مبارک باد دے۔

ان سے ملنے کے لیے وہ چاروں بھی بے چین تھیں۔ اصل حقائق سے وہ واقف نہ تھیں کیونکہ انہیں صرف یہی بتایا گیا تھا کہ سر آفتاب بیمار ہیں جو لوگ اکثر موسم کی تبدیلیوں سے ہو جاتے ہیں۔ اس دوران سر آفتاب اپنے گھر کے بجائے کسی دوست کے ہاں شفٹ ہو گئے تھے۔ اب جبکہ وہ پوری طرح فٹ تھے تو اپنے گھر آچکے تھے اور وہ لوگ ان سے ملنے کو بے قرار تھے۔

"کیا سوچا جا رہا ہے؟" کرن روم میں داخل ہوتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مما! میں سر سے ملنا چاہتی ہوں"۔

"اس میں سوچنے والی کیا بات ہے چلی جائیں؟"

"زویا، سوہل وغیرہ بھی جانا چاہتی ہیں"۔

"آپ لوگ ساتھ تو جاتی ہیں، پھر اب کیا ہوا؟" انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر استفہامیہ انداز میں کہا۔

"مما! گاؤں میں جو کچھ بھی ہوا میں نے سب آپ کو بتایا۔ آپ ہر بات سے آگاہ ہیں، وہاں سے آنے کے بعد سر سے یہ پہلی ملاقات ہے اور ضرور وہاں ہونے والے حادثے کا ذکر بھی ہوگا۔ احتیاط کے باوجود کوئی نہ کوئی بات نکلے گی اور سب کھیل بگڑ جائے گا"۔ وہ ان کے شانے پر چہرہ ٹکاتے ہوئے اُلجھے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ماں کے شانے پر سر رکھتے ہوئے ذہن میں چھم سے کسی کا مضبوط شانہ یاد آیا تھا اور اپنی اس بے اختیاری حرکت پر اسے شدید شرمندگی ہوئی تھی۔

"مجھے آپ پر فخر و اعتماد ہے اور آپ نے مجھ سے وہ سب نہ چھپا کر ایک قابلِ اعتماد و سچی محبت کرنے والی بیٹی کا ثبوت دیا ہے۔ ماں باپ کا یہ اعتماد و اعتبار ہی بیٹیوں کو گھر سے باہر نکلنے دیتا ہے جو بیٹیاں والدین کے اعتماد و بھروسے کی کانچ کو ٹھیس نہیں لگنے دیتیں، وہ بڑی کامیاب و کامران زندگی گزارتی ہیں اور باقی دوسری بیٹیوں کے لیے زندگی بڑی کٹھن و خاردار ہو جاتی ہے۔ آپ کے پپا سائٹ پر جا رہے

ہیں۔ وہ آپ کو ڈراپ کرتے چلے جائیں گے۔ زویا اور سول کو میں شاپنگ پر لے جاؤں گی اور کہہ دوں گی۔ میں نے آپ کو منع کیا تھا ساتھ لے جانے کو، تاکہ ہم شاپنگ کر سکیں"۔ کرن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ مما! یو آر ویری ویری گریٹ"۔ اس نے محبت سے لپٹتے ہوئے ان کے گال چوم ڈالے تھے۔

"خوش رہو سدا۔ میری دعا ہے دُکھ کا سایہ بھی تمہیں چھو کر نہ گزرے۔ تادم آخر خوشیوں، مسرتوں، راحتوں کی آغوش میں جھومتی رہو۔ ہنستی مسکراتی رہو"۔ اس کی پیشانی چومتے ہوئے دل میں دعائیں دی تھیں۔ آنکھوں کے ساحل سے دو موتی نکل کر اس کے گھنے بالوں میں گم ہو گئے تھے۔

انس صاحب کی اس میں جان تھی۔ وہ بھلا اسے کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ وہ اسے سر آفتاب کے ہاں لے آئے تھے۔ سر آفتاب ان سے بڑے تپاک سے ملے۔ ان کے انداز میں وہی مخصوص شفقت وحلاوت تھی، عجز وانکساری تھی جو لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیتی تھی، وہاں پہلے سے موجود ذوالنون کو دیکھ کر اسے حیرانگی نہ ہوئی تھی کہ جانتی تھی وہ ان کی پرچھائی ہے۔ انہوں نے انس صاحب سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ انس صاحب نے مصافحہ کرتے وقت بے حد غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ بلیو جینز، وائٹ اینڈ بلیو ٹی شرٹ میں ملبوس وہ دراز قد وجیہہ چہرے والا نوجوان اجنبی محسوس نہ ہوا تھا۔

"نائس ٹو میٹ یو مین"۔ وہ اس کی ہم رنگ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا ہوئے تھے، جواباً وہ بھی بولا۔

"تھینکس سر"۔ اسے حیرانگی ہو رہی تھی۔ اس شخص کی آنکھیں بالکل اس کی آنکھوں کی ہم رنگ تھیں۔ سرمئی رنگ کی، زندگی سے بھرپور آنکھیں۔ انس صاحب چند منٹ ہی ٹھہرے تھے۔ بزنس کے سلسلے میں انہیں فوری جانا تھا۔ وہ سر آفتاب سے معذرت کرتے ہوئے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد وہ سر آفتاب سے باتوں میں مشغول ہو گئی تھی۔ سامنے بیٹھے ذوالنون کو اس نے ازخود نظرانداز کر دیا تھا۔ اس کی یونیورسٹی والی سرد مہری و بیگانگی وہ بھولی نہ تھی۔ وہ بھی اس کی خفگی کو محسوس کر رہا تھا۔ تب ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ سجائے گاہے بگاہے گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ٹھہر ٹھہر کر اس کے چہرے پر اُٹھ رہی تھیں۔

"حیدر کے کزن نے ان کی زمینوں، حویلی و جائیداد کے عوض اس کے والدین کو رہا کیا ہے۔ حیدر نے سب خوشی خوشی اس کے نام لکھ دیا ہے۔ اب وہ یہیں گھر خرید چکا ہے۔ ان دنوں اپنے والدین کو لینے گاؤں گیا ہوا ہے جو وہاں کسی قریبی عزیز کے ہاں سکونت پذیر ہیں"۔ انہوں نے تفصیل سے حیدر کے حالات گوش گزار کیے تھے۔

"سر! عمر دراز نے سب کچھ ان سے لے لیا ہے تو اب ان کو پرابلمز ہوں گی۔ پیسہ تو اہم ہے۔ پیسے کے بغیر تو کچھ نہیں ہے"۔

"وہ ایک مثال ہے، مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے تو یوں ہی سمجھیں۔ تمام دولت وجائیداد دینے کے بعد بھی یہ لوگ کافی بینک بیلنس کے مالک ہیں پھر حیدر بزنس کرنے کی پلاننگ کر چکا ہے"۔ ملازم کولڈ ڈرنک سرو کر گیا تھا۔

"پھر تو ان کی دشمنی ختم ہو گئی ہو گی سر؟ صبوحی خطروں سے باہر ہو گئی ہے۔ وہ اب یہاں آ سکتی ہے"۔

''عمر دراز کی زندگی میں یہ ناممکن ہے''۔ ذوالنون نے جواب دیا تھا۔

''وہ سب کچھ لے چکا ہے اس کے باوجود بھی......''

''ہاں، ایسے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، صرف لینا جانتے ہیں، دینے کے لیے معافی بھی نہیں ہوتی ایسے لوگوں کے پاس''۔

''یہ انتہائی جذبے انسان کو حیوان کیوں بنا دیتے ہیں؟ دوسروں کو دُکھ دینے والے خود بھی خوش کہاں رہ سکتے ہیں؟'' حورین نے افسردگی سے کہا۔

''معاف کر دینے میں بھی تو راحت ہے''۔ سر آفتاب نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

پھر شام تک وہ ان کے ساتھ رہی تھی۔ بہت سارے موضوعات میں گفتگو ہوتی رہی تھی جس میں زیادہ تر سر آفتاب اور ذوالنون بات کرتے رہے تھے۔ اس سارے وقت میں اس نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ ذوالنون کا موڈ یونیورسٹی والے موڈ سے یکسر مختلف تھا۔ بہت فریش و بے تکلف انداز تھا۔ کئی بار اس کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کی تھی اور جب بھی وہ اس کی جانب دیکھتی، وہ نگاہیں جھکا لیتا تھا۔ انجان بن جاتا تھا۔ وہ سچا کھرا بندہ جو حق بات مقابل کے سامنے کہنے سے نہیں ڈرتا تھا، نہ معلوم کیا ہوا تھا اسے جو وہ اس طرح خود کو چھپانے لگا تھا۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا''۔ وہ ڈرائیور کو کال کر رہی تھی جب وہ قریب آ کر گویا ہوا تھا۔

''نو تھینکس میں شوفر کے ساتھ جاؤں گی''۔ اس نے انکار کر دیا۔

''اگر آپ کے مزاج میں اتنی ہی حاکمیت ہے تو مجھے ہی شوفر سمجھیں''۔ اس کی بھرپور مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو روشن کر ڈالا تھا۔ سینے پر بازو باندھے چمکتی نگاہوں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ نہ معلوم کیا تھا ان سحر انگیز نگاہوں میں جو وہ نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔ دل کی دھڑکنیں بُری طرح بے ترتیب ہوئی تھیں۔ وہ جواباً کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

''بچو! کیا ڈسکشن ہو رہی ہے؟'' سر روم سے باہر آ کر بولے۔

''سر! میں نے انہیں ڈراپ کرنے کی آفر کی ہے''۔

''اچھا ہے آپ لوگوں کا روٹ زیادہ فاصلے پر نہیں ہے''۔

''سر! میں شوفر کو کال کر رہی ہوں، انہیں خواہ مخواہ زحمت ہوگی''۔

''کوئی زحمت نہ ہوگی اور آپ جلد پہنچ جائیں گی''۔

سر آفتاب کو وہ منع نہ کر سکی تھی۔ طوعاً و کرہاً وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی جس کا دروازہ ذوالنون پہلے ہی کھول چکا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی اس نے سر آفتاب کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا تھا، انہوں نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا اور اس نے کار آگے بڑھا دی تھی۔

''ناراض ہو؟'' پندرہ منٹ گزر جانے کے باوجود وہ خاموش بیٹھی رہی تو ذوالنون اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"میں آپ سے کیوں ناراض ہوں گی؟" اس کے لہجے میں موجود لاتعلقی نے دم بھر کو اسے مضطرب کر دیا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

وہ ساحرہ تھی......

اپسرا تھی......

جو کسی آسیب کی طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ اس کی مہکتی رفاقت میں جذبے مدہوش ہونے کو بے قرار تھے۔

جس نے اس کے بے رنگ خوابوں کو دل کش رنگ دیے تھے، جس کے حسین تصور سے زندگی پہلی بار انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ وہ اس قدر بے گانہ تھی کہ اس کے جذبات ہی نہ سمجھ سکی۔

"کیوں ہم میں دوستی نہیں ہے؟" وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"دوستی اور ہم میں...... یہ ناممکن ہے"۔

"کیوں ہماری دوستی ناممکن ہے؟"

"آپ بے حد موڈی ہیں، ذوالنون صاحب! دوستی ہم خیال، ہم مزاج لوگوں سے کی جاتی ہے۔ آپ جیسی نیچر والوں سے ہرگز نہیں"۔ اس کی بات کا بُرا ماننے کے بجائے وہ ہنس پڑا تھا۔

"میرے خیال میں آپ یونیورسٹی والی بات پر ناراض ہیں......"

"جی نہیں، میں کسی بات پر ناراض نہیں ہوں"۔ وہ اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ لمحے بھر کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔ وہ اس کی بولتی نگاہوں کی زور آوری سے گھبرا کر نگاہیں جھکانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

پل پل بدلتے شخص کا یہ کیسا نا آشنا رنگ تھا؟

چہرے کا تاثر

نگاہوں کی حدت

بندلبوں کی گویائی......

اس کا ہر انداز ایک بامعنی پیغام لیے ہوئے تھا۔ وہ سنانے میں رہ گئی۔ لمحے بھر کو نگاہوں کے تصادم نے اس پر اس کے جذبے آشکارا کر دیے تھے۔

"آئم سوری اس دن میں اس انداز میں بات کرنا نہیں چاہتا تھا مگر میں نے آپ کے پیچھے آتی ان کراماً کاتبین کو دیکھ لیا تھا، اس لیے روڈ رویہ رکھا تھا، تا کہ وہ غلط مطلب نہ لیں"۔ اس نے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

"کراماً کاتبین...... وہ کون ہیں؟" اس کے لیے یہ لفظ بالکل نئے تھے۔

"نقل و حرکت، حساب کتاب رکھنے والے فرشتے"۔

''اوہ''۔اس کا اشارہ ثمرین، زویا وغیرہ کی طرف تھا۔اس کے اس طرح کا خطاب دینے پر وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔''آپ سینس آف ہیومر سے واقف ہیں''۔وہ شانے اُچکا کر گویا ہوئی۔

''وقت انسان میں ہر سینس خود پیدا کر دیتا ہے۔اہمیت احساس کی ہوتی ہے، جذبات کی ہوتی ہے۔ان کے بنا تو انسانیت ہی ادھوری ہے''۔کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ جیسے گم سا ہو گیا تھا۔حورین خاموش ہو گئی تھی۔

''ایک نیوز ملی ہے روکی کے متعلق۔وہ اب اس دُنیا میں نہیں ہے''۔

''اوہ کیا ہوا تھا اسے؟کس طرح؟''اُس خبر سے وہ آزردہ ہو گئی تھی۔

''الیکشن میں کمپیئنگ کرتے ہوئے مخالف پارٹی سے جھگڑے کے دوران بلٹ اس کے برین میں لگ گئی تھی۔وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا''۔

''انسان ہی انسان کا خون بہا رہا ہے''۔اسے بے حد افسوس ہوا تھا۔اس کی نگاہوں میں روکی کا سراپا گھوم رہا تھا۔طاقت کے نشے میں چُور، جس کے قدم زمین پر پڑتے تھے تو زمین میں دھمک پیدا ہوتی تھی، کل تک زمین کو قدموں تلے روندنے والا آج اسی زمین میں، اسی مٹی کا حصہ تھا۔

''اگر بندہ قدم اُٹھانے سے قبل سوچ لے کہ جس راستے کو اس نے چنا ہے، اس کا انجام کیا ہو گا''۔اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

''شاید اسی کو لک بھی کہتے ہیں''۔

''میں لک پر بھی یقین نہیں کرتا، غلطی ہم کریں، نام نصیب پر رکھ دیں''۔

''اس کے فادر نہیں تھے، شاید وہ اس لیے بری صحبت کا شکار ہوا''۔

''جن کے فادر نہیں ہوتے ضروری نہیں وہ ٹیررسٹ بن جائیں''۔اس کے انداز میں ایک چبھن تھی۔وہ چپ رہ گئی، پھر ان کے درمیان بات نہ ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

منال بیٹھی گہری سوچ میں غرق تھی۔فائقہ ان کے قریب بیٹھیں تو انہوں نے ان کی طرف دیکھا تھا مگر سوچ کے دائرے سے باہر نہ نکلی تھیں۔

''آخر کب تک یہ سوچ وبچار ختم ہو گی؟میں کہتی ہوں ضد چھوڑ دو تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔میں برہان کو انکار کر دیتی ہوں، وہ خود ہی......''

''نہیں ممی!میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھیں۔میں بہت کچھ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں اور کر کے دکھاؤں گی''۔وہ نخوت بھرے انداز میں بولیں۔

''کب کس دن کر کے دکھاؤ گی؟جب وہ یہاں سے دوبارہ فرار ہو جائیں گے؟ایک عمر انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے گزار

دی۔ طویل عرصے بعد موقع آیا ہے تو اس کو تم ویسٹ کر رہی ہو"۔

"میں ویسٹ نہیں کر رہی، پہلے جو بھی کچھ ہوا وہ میری جلد بازی و جذباتی پن کی وجہ سے ہوا۔ اس بار میں بہت سوچ سمجھ کر وار کرنا چاہتی ہوں"۔

"ایسا نہ ہو ڈیئر ہم سوچتے رہ جائیں اور وہ اُلٹا وار ہم پر ہی کر دیں۔ سوچیں حد سے بڑھ جائیں تو بے مقصد ہو جاتی ہیں"۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، بہت جلد آپ خوش خبری سنیں گی۔ تھوڑا سا صبر بس پھر آپ خوش ہو جائیں گی اور کہیں گی، واہ میری بیٹی نے کیا بدلہ لیا ہے"۔ انہوں نے وحشیانہ سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔

"مجھے اس پل کا، اس لمحے کا بڑی شدت سے انتظار ہے"۔

"ہیلو یہ کس کا انتظار ہو رہا ہے؟" ذوالنون نے اندر آتے ہوئے ان کی ادھوری بات سن کر کہا۔

"پرنس! آج سارا دن غائب رہے، پروفیسر صاحب سے اتنی محبت کیوں ہے آپ کو؟" منال کے لہجے میں شہد بھر رہا تھا۔

"مام! اگر وہ میری زندگی میں نہ ہوتے تو میری زندگی بھی نہ ہوتی"۔

"آپ ان کی محبت میں حمزہ کی محبت محسوس کر کے خود کو بہلاتے رہے ہیں، اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی آپ بھول نہ سکے"۔ منال اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تاسف بھرے انداز میں بولیں۔

"ممی! محبت کوئی سبق نہیں ہوتا جو بھول جائیں تو یاد نہ آئے"۔ پہلی بار اس نے ان کے ساتھ باپ کے متعلق بات کی تھی۔ منال کا دل یک دم ہی خوشی سے جھوم اُٹھا تھا۔ اسی موقع کی وہ کب سے تلاش میں تھیں کہ وہ کسی طرح حمزہ کا ذکر کرے۔

"حمزہ آپ کو چاہتے بھی تو دل و جان سے تھے"۔ وہ سرد آہ بھر کر بولیں۔

"ممی! ایسا کیا ہوا تھا...... جو بابا ہم کو ایسا چھوڑ کر گئے کہ پھر پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا؟" بچپن سے ذہن میں کسی نیزے کی طرح گڑھا ہوا سوال آج نکلا تھا۔ بچپن کے وہ لمحے جب حمزہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ از سرِ نو تازہ ہو گئے تھے۔ اس کا وجیہہ چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ "کون ہے وہ عورت جس کی خاطر بابا نے ہم سب کو چھوڑ دیا۔ ہم ان کے لیے زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردہ ہو گئے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں میں اس عورت سے۔

میں اسے شوٹ کر دوں گا"۔ اس کی گہری آنکھوں میں مارے اشتعال کے خون سا اُتر آیا تھا۔

"ریلیکس...... ریلیکس مائی ڈیئر سن!" منال نے چمکارتے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی۔ ان کے چہرے پر ملال تھا مگر آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

"میں بتاؤں گی آپ کو اس عورت کا نام اور مرد کا بھی"۔

"آپ جانتی ہیں اور مرد کون ہے؟" وہ اُچھل پڑا تھا۔

"ہماری خوشیوں کی قاتل وہ عورت ہی نہیں بلکہ اس مکار دغاباز عورت کا شوہر بھی ہے۔ دونوں برابر کے شریک رہے ہیں"۔ منال بیگم گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"منال! پلیز، صبر کرو۔ بچے کے آگے کیا بات لے کر بیٹھی ہو"۔ منال کے آنکھ کے اشارے پر فائقہ افسردہ لہجے میں گویا تھیں۔

"بہت صبر کرلیا میں نے مما! اب ہمارے دشمنوں کو اپنے ظلم کا حساب دینا ہوگا۔ آج میں پرنس کو وہ سب بتاؤں گی جو چھپاتی آ رہی ہوں"۔

"پاگل مت بنو منال! تم ہوش کھو بیٹھی ہو"۔

"نانو پلیز! مما کو بولنے دیں۔ میں اپنے دشمنوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے ان سے حساب لینا ہے۔ ہر اس پل کا جو بابا کے بغیر ہم گزارتے آئے ہیں۔ میں بدلہ لوں گا، ہر اس محرومی کا جو ان کے توسط سے ہمیں ملی ہیں"۔ وہ سراپا آتش فشاں نظر آرہا تھا۔ آنکھوں میں گویا دہکتی آگ کی مشعلیں روشن ہوگئی تھیں۔ چہرے پر بے تحاشا سرخی چھا گئی تھی۔ "کون ہیں وہ لوگ......؟ کہاں ہیں......؟ کیا نام ہیں؟"

"کول ڈاؤن، کول ڈاؤن مائی سن! اب بتاتی ہوں نام ہے......"

"پرنس! ذرا میرے ساتھ چلو"۔ بڑی عجلت میں کونین اندر داخل ہو کر اس سے مخاطب ہوا۔ منال کے لب وا ہی رہ گئے تھے۔

"آر یو رائٹ بھائی؟" اسے بدحواس دیکھ کر وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے"۔

"وہ بات یہاں بھی ہو سکتی ہے اور ایسی کیا بات ہے؟" فائقہ اور منال کا موڈ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ عین کلائمکس پر اس کی آمد انہیں اس قدر ناگوار گزری کہ مارے شدید غصے و وقت کے وہ یہ بھی سوچ نہ سکیں کہ کونین ایسی کیا خاص بات کرنا چاہتا ہے......

ذوالنون بھائی کی کیفیت دیکھ کر سر یحاماں سے ہونے والی گفتگو بھول گیا۔

"یہ ہم بھائیوں کا سیکرٹ معاملہ ہے مما"۔ وہ ذوالنون کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے گیا اور کار میں بیٹھ کر گیٹ سے باہر نکل گئے تھے۔

"اتنے عرصے بعد موقع ملا تھا، وہ بھی ضائع ہوگیا"۔ فائقہ بڑبڑائیں۔

"نو مما! تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔ وہ بہت جلد واپس آئے گا اور پھر وہی ہوگا جو میں چاہوں گی اور میں چاہوں گی انس و کرن کی بربادی"۔ انہوں نے انگڑائی لیتے ہوئے مسرور لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

اگر جذبوں میں صداقت ہو اور رب سے گہرا تعلق ہو، بندہ باری تعالیٰ کی منشا پر راضی ہو جاتا ہے تو رب بھی اسے زیادہ عرصے تک اس کی خواہش سے دور نہیں رکھتا کہ وہی تو فرماتا ہے......

"اے ابن آدم ایک تیری چاہت ہے، ایک میری چاہت ہے، ہوگا وہی جو میری چاہت ہے، پس اگر سپرد کر دیا اپنے آپ کو اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا وہ جو تیری چاہت ہے اور اگر نافرمانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا اس میں جو تیری چاہت ہے اور بالآخر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے"۔

انہوں نے ایک دوسرے کو دل ہی دل میں چاہ کر فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور اللہ نے بھی انہیں صبر و تحمل کا پھل بہت میٹھا دیا تھا۔

میران علوی نے کونین سے رابطہ کر کے خنتریٰ سے ہونے والی گفتگو حرف بہ حرف سنا ڈالی تھی اور ساتھ یہ بھی کہ وہ اریبہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب کونین کے لیے خاموش بیٹھنا ناممکن تھا۔ پہلے بات صرف ان تک تھی تو اسے فکر نہ تھی مگر اب سوال آگیا تھا خنتریٰ کے وقار کا اور وہ کسی قیمت پر اس کے وقار کو مجروح کرنا پسند نہ کرتا۔ وہ میران علوی سے گفتگو کے دوسرے دن تمام بزنس معروفیات ترک کر کے پاکستان چلا آیا تھا جہاں اس نے پہلے میران علوی سے ملاقات کی۔

میران علوی سے مل کر اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کے جذبے میں کوئی مکاری نہیں ہے۔ وہ زندہ دل و آزاد طبیعت کا مالک تھا۔ اپنے لیے لائف پارٹنر بھی وہ اسی مزاج کا چاہتا تھا اور اریبہ اس کی ہم مزاج و ہم خیال تھی۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے معاملہ ذوالنون کے سامنے پیش کیا تھا اور اس نے چھوٹا بھائی ہوتے ہوئے بہت بُردباری و محبت کا ثبوت دیا تھا۔ نامعلوم کس طرح اس نے نانو اور ممی کو راضی کیا اور وہاں صمد صاحب کے ہاں بھی اپنی نادیدہ جادو کی چھڑی گھمائی تھی جو وہ لوگ بھی راضی ہو گئے تھے۔ اسی ہفتے میں خنتریٰ کی اُنگلی میں کونین کے نام کی انگوٹھی اور اریبہ کی اُنگلی میں میران علوی کے نام کی انگوٹھی پہنائی جا چکی تھی۔ یہ بظاہر ناممکن نظر آتا ہوا کام اتنی آسانی و سرعت سے ہوا تھا کہ سب حیران بھی تھے اور خوش بھی۔

صرف فیملی کے لوگوں کی موجودگی میں ہی یہ رسمیں ہوئی تھیں۔ طویل عرصے بعد خنتریٰ کے حسین چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ اُبھری تھی۔ اپنے اطراف میں بیٹھی منال و فائقہ بیگم کے غرور و تنفر سے مبرا انداز نے اسے مسرت بخشی تھی۔ سامنے بیٹھے کونین کی چاہت بھری نگاہوں کی تپش وہ اپنے عارضوں پر محسوس کر کے نگاہ نہ اُٹھا پا رہی تھی۔

دوسرے صوفے پر بیٹھے میران علوی کے چہرے پر بھی مسرت کی روشنی تھی۔ شرمائی، لجائی اریبہ کو دیکھ کر وہ اپنے بروقت فیصلے پر خوش تھا اور اس کے پیرنٹس بھی بہت خوش تھے۔

مدتوں بعد اس گھر میں خوشیوں نے قدم رکھا تھا۔ وہ سب مسرور تھے۔ ایسے میں دو ایسے بھی تھے جن میں سے ایک کی آنکھیں دھیمے دھیمے گیلی ہو رہی تھیں۔ دوسرا اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر دل کے آنگن میں یادوں کی دھواں دار بارش ہو رہی تھی۔ ان دونوں دادی، پوتے کی یادوں و آنسوؤں کا محور ایک ہی شخص تھا۔

حمزہ...... جو پہلے بیٹے کی اس خوشی کے موقع پر موجود نہ تھا۔ راحیلہ بیگم بڑی شدت سے بیٹے کو یاد کر رہی تھیں۔ ذوالنون کو بھی باپ کی کمی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سسک رہا تھا۔ ساری خوشی بے مزہ ہو کر رہ گئی تھی۔ باپ کی یاد اس شدت سے اس پر

حاوی ہوئی تھی کہ وہ ان ہنستے مسکراتے لوگوں میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ اُٹھ کر جانے لگا تھا۔

''جا کہاں رہے ہیں، کھانا لگ رہا ہے؟'' صنوبر نے کہا۔

''آتا ہوں ابھی''۔ وہ کہتا ہوا باہر نکل آیا۔ کار لے کر نکل گیا تھا۔ غم وخوشی ایک ہی آئینے کے دو رُخ ہیں۔ یہ آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ وہ جو آج بے حد خوش تھا کہ بھائی کی اندھیری زندگی میں محبت کی روشنی داخل ہو چکی تھی۔ یک دم ہی باپ کی غیر موجودگی کے خیال نے مسرت کے پھولوں کو مرجھا دیا تھا، بے رنگ وبو کر دیا تھا۔ وہ سید ھا حیدر کے پاس آ گیا جو گاؤں سے آ چکا تھا اپنے والدین سمیت۔

''خیریت تو ہے ناں؟'' اتنے اَپ سیٹ کیوں لگ رہے ہو؟'' حیدر اسے دیکھتے ہوئے پریشان کن انداز میں استفسار کرنے لگا۔

''کچھ نہیں، میں ٹھیک ہوں''۔ وہ صوفے پر ڈھیلے انداز میں بولا۔

''میں نہیں مان سکتا، کوئی بات ضرور ہے، پلیز مت چھپاؤ''۔

''آج بابا کو بے حد مِس کر رہا ہوں میں''۔ وہ بکھرے لہجے میں گویا ہوا۔

''اوہ، ایسے اہم موقع پر وہ ہوتے تو بہت اچھا ہوتا''۔ وہ بھی افسردہ ہو کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

''انکل آنٹی کہاں ہیں؟'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوا۔

''وہ سرآفتاب سے ملنے گئے ہوئے ہیں''۔

''یہاں کی تمام سیٹنگ ہو گئی ہے؟'' وہ کمرے میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ کمرہ ایک دم سادہ تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں ہے اسی لیے میں نے حورین وزویا وغیرہ کو بلایا ہے تاکہ وہ مجھے مشورہ دیں کہ کس طرح سیٹنگ کی جائے''۔

''تم ان لوگوں پر زیادہ بھروسہ کرنے لگے ہو''۔

''وہ بہت سوبر اور نائس لڑکیاں ہیں، میں ان سے ملنے کو برا نہیں سمجھتا''۔

''میں نے برا کب کہا ہے؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''اچھا بھی نہیں کہا''۔ وہ دو بدو بولا۔

''تم عورتوں کی طرح روٹھنے لگے ہو، افسوس مجھے منانا نہیں آتا''۔ وہ اسے چڑاتے ہوئے بولا۔

''حالانکہ تمہیں عادت ڈال لینی چاہیے منانے کی''۔

''کیوں؟ میں کیوں منانے کی عادت ڈالوں؟''

''اس لیے کہ تمہاری آدھی زندگی حورین کو مناتے مناتے گزرے گی''۔

''واٹ...... اس کا یہاں کیا ذکر؟'' وہ چونک کر سیدھا بیٹھا۔

''مجھ سے مت چھپاؤ کہ تم حورین کو پسند کرنے لگے ہو''۔

"او وشٹ اَپ، بکواس مت کرو یار"۔ اس کی آواز اعتماد سے خالی تھی۔

"یہ بکواس نہیں ہے، میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کا عکس دیکھا ہے۔ یہ اس کی محبت ہی تو ہے جو تم سر تا پا بدل گئے ہو"۔

"تم اقرار کرلو یار! تمہیں سکون مل جائے گا جس جذبے سے تم بچ رہے ہو، جان کے انجان بن رہے ہو، یہی وجہ تمہاری بے سکونی واضطراب کی ہے، کرلو اقرار مان جاؤ کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو"۔

"نہیں کرو ایسی باتیں، محبت وحبت کو نہیں مانتا میں"۔

"جاننے لگے ہو، اقرار کب تک نہ کرو گے، دیکھتا ہوں"۔ حیدر منہ لہراتا ہوا گویا ہوا۔

"منہ دھو رکھو"۔

"میں نہا کر بیٹھا ہوں مگر جب تک تمہارے منہ سے یہ نہ سن لوں کہ تم حورین کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہو، سکون سے نہیں رہوں گا"۔ آہٹ پر انہوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔

سامنے دروازے کے وسط میں کھڑی حورین کو دیکھ کر حیدر تو ایسا بوکھلایا کہ کچھ کہنے بنا کمرے سے غائب ہو گیا۔ حورین کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھ کر لگ رہا تھا، وہ سب سن چکی ہے۔ اس نے ایک نظر ذوالنون پر ڈالی اور واپسی کے ارادے سے مڑی ہی تھی کہ آگے بڑھ کر ذوالنون نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

......❁......

"ہاتھ نہ لگاؤ مجھے"۔ حیدر کی بکواس اور اس کا بھرپور استحقاق سے بازو پکڑ کر روکنا حورین کو پوری طرح مشتعل کر چکا تھا۔

"ٹھنڈے دل سے میری بات سنیں"۔ اس نے بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اب کیا رہ گیا ہے سننے کو؟ کچھ اور باقی ہے؟"

سی گرین کلر و بلو کے کنٹراسٹ ایمبرائیڈری سوٹ میں اس کی گلابی مائل رنگت میں اس وقت مارے اشتعال کے سرخیاں دوڑ رہی تھیں۔ براؤن سحر انگیز آنکھوں میں بجلیاں سی کوندر ہی تھیں۔ بدن چنبیلی کی نازک ڈال کی طرح دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

"ابھی میں نے کہا ہی کیا ہے؟...... سب کہنا سننا باقی ہے"۔ اس کی بھاری آواز میں ذومعنویت تھی۔ حورین کچھ کہنے سننے کو تیار نہ تھی، وہ اسی وقت واپس جانا چاہ رہی تھی۔

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ کے کہنے سننے سے، مجھے افسوس ہے میں نے ایسے لوگوں سے تعلق رکھا"۔ وہ سخت برافروختہ تھی۔

"کیسے لوگ؟ آپ کو احساس ہے، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"آپ کو احساس ہے کچھ دیر قبل میرے متعلق کیسی گفتگو کر رہے تھے؟"

"وہ غیر مہذب ہرگز نہ تھی جو آپ ناراض ہو رہی ہیں۔ دوستوں کے درمیان ایسی باتیں عام ہوتی ہیں"۔ اس نے رسانیت سے سمجھایا۔

''ہوتی ہیں مگران باتوں میں دوسروں کی شخصیت پر بات کرنا کہاں کی شرافت ہے؟'' اس کا غصہ ہنوز قائم تھا۔

''او کے، اگر آپ کی ناراضی میرے معافی مانگنے سے دور ہوتی ہے تو میں تہہ دل سے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ یقین جانیے جو کچھ ہوا بلکہ آپ نے سنا، وہ بالکل غیر ارادی گفتگو تھی''۔

اس کے وجیہہ چہرے پر ازحد سنجیدگی در آئی۔ گھمبیر لہجے میں تھکن سی تھی۔ حورین نے گفتگو سن کر جس ردعمل کا اظہار کیا تھا، لمحے بھر کو اس کے قلب میں بے چینی و ٹوٹ پھوٹ سی ہو گئی تھی۔

اسے اس احساس نے بے دم کر دیا کہ اس کے اندر محبت کی آگ سلگا کر وہ خود کس قدر بے خبر و انجان تھی۔ اس کا غصہ و تنفر، اس کی لاتعلقی کا ثبوت تھا۔ یکطرفہ محبت کتنا دکھ دیتی ہے۔

کس قدر گھائل کرتی ہے۔

جیسے زہر کا پیالہ پینے کے بعد موت نہ آئے۔

پھر وہ بہت خاموشی سے وہاں سے نکل گیا، مزید کچھ کہے بنا۔ اس کی تیزی سے چلتی ہوئی زبان بھی یک دم رک گئی۔ ذوالنون کا اس طرح جانا اسے انجانی سی افسردگی میں مبتلا کر گیا۔

نہ معلوم کیا ہوا تھا جو اسے اچانک ہی اپنے رویے کے نامناسب ہونے کا احساس ہونے لگا۔ ذوالنون کی موجودگی میں غم و غصہ بپھری لہروں کی مانند بے قابو ہو رہا تھا۔ وہ پانی میں ریت کی طرح بیٹھ گیا اور افسردگی و شرمندگی کی بوجھل سی کیفیت اس پر چھانے لگی تھی۔

حیدر جو اسے دیکھ کر شرمندگی و بوکھلاہٹ کے باعث وہاں سے چلا گیا تھا۔ ذوالنون کو جاتے دیکھ کر اندر آ گیا۔

''میں بے حد نادم ہوں''۔ وہ اس کے قریب آ کر نیچی آواز میں چہرہ جھکا کر بولا۔

''آپ نے بہت ہرٹ کیا ہے''۔ اس کا لہجہ خفگی سے بھرپور تھا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں آپ کی دل آزاری کا سبب بنا۔ آپ بیٹھیں تو سہی پلیز''۔ حیدر نے نادم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔

''نو تھینکس، میں جا رہی ہوں''۔ کہہ کر واپسی کے ارادے سے مڑی۔ حیدر پھرتی سے اس کی راہ میں حائل ہو گیا اور بولا۔

''آپ نے سب سن لیا ہے تو کچھ اور بھی سنیئے جو سننا لازمی ہے''۔

''حیدر! اب مزید کچھ سننے کی گنجائش نہیں ہے، میرا راستہ چھوڑ دو''۔

''اتنی کٹھور مت بنیں، آپ کو میری بات سننی ہو گی۔ یہ میرے دوست کی عزت، اس کی زندگی کا معاملہ ہے۔ وہ دکھ و محرومی کی پُرخار گود میں پل کر جوان ہوا ہے۔ نارسائی و اضطراب اس کی ذات کے حصے رہے ہیں۔ ان دکھوں و محرومیوں نے اسے تنہائی پسند و کم گو بنانے کے علاوہ صنفِ نازک سے نفرت بھی کرنا سکھا دیا تھا۔ جنگلوں جیسی اداسی، صحراؤں جیسی خشکی، پہاڑوں جیسی سخت زندگی گزارتے

دیکھا ہے میں نے اس کو۔ وہ ایسا سر پھرا شخص ہے جو اپنی بھی پرواہ نہیں کرتا"۔

"یہ بے معنی باتیں آپ مجھے کیوں سنا رہے ہیں؟" وہ چڑ کر گویا ہوئی۔

"یہ بے معنی باتیں نہیں ہیں، ان باتوں کے تمام معنی آپ کی ذات سے وابستہ ہو چکے ہیں"۔ حیدر کے انداز میں اعتماد دَر آیا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس کے لہجے میں لرزش تھی۔

"پہلی دفعہ میں نے اس کی آنکھوں میں زندگی کی بھرپور چمک دیکھی ہے۔ پہلی دفعہ میں نے اسے کسی کی پرواہ کرتے دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ اس کی گفتگو میں کسی صنفِ مخالف کا نام بڑے "احترام" سے آیا ہے"۔ حیدر ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ سامنے کھڑی حورین یک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ گاؤں میں گزرے کئی مناظر اس کی نگاہوں میں یکے بعد دیگرے آتے چلے گئے۔

بلاشبہ خود سے بڑھ کر اس نے اس کا خیال رکھا تھا۔ قدم قدم پر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ کسی لمحے بھی اسے احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ تنہا ہے، اپنوں سے دور ہے۔ ہمہ وقت سرد مہری، بے نیازی و تنفر و غرور میں غرق رہنے والے شخص کی شخصیت کے کئی انوکھے و حیران کر دینے والے روپ اس نے دیکھے تھے مگر......

"مجھے اس اسٹوری میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آئندہ میں ایسی کوئی بکواس نہیں سنوں گی، سمجھے"۔ وہ کرخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"خدا کے لیے! حورین، ایسے مت کہیں۔ میں آپ سے اس کی خوشیوں کی بھیک مانگ رہا ہوں، پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں"۔ حیدر کے انداز میں عاجزی در آئی۔

"اس ٹوٹے بکھرے بندے کے مزید ریزے مت کریں۔ وہ اندر سے بہت دُکھی ہے اور تنہا ہے۔ وہ دوسروں کے غموں کا مداوا کرنے پر کمربستہ رہتا ہے مگر اپنے دُکھ و غم کسی سے شیئر نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہے وہ اب بھی اپنی سابقہ روش پر قائم رہ کر آپ سے کچھ نہیں کہے گا۔ گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگتا رہے گا۔ میں اسے خاک ہوتے نہیں دیکھ سکتا"۔ حیدر کی آنکھوں میں اُبھر آنے والی نمی اس کی سچی و بے غرض دوستی کا ثبوت تھا۔ وہ اس کی محبت سے بہت متاثر ہوئی۔

"میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی، میں مجبور ہوں"۔ وہ نرم و سپاٹ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی اور پھر حیدر کے کچھ کہنے سے قبل زویا اور موبل ہاتھوں میں پھولوں کے بکے پکڑے اندر داخل ہوئیں۔ انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے حیدر خود کو سنبھال چکا تھا۔ حور بھی خود پر قابو پا چکی تھی مگر ایک بے نام سا سناٹا اسے اپنی رگ و پے میں پھیلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ عجیب سی خاموشی وجود میں اُترتی چلی گئی۔

"تم لوگ کہاں رُک گئے تھیں؟" اسے ان کے ہمراہ بیٹھنا پڑا۔

"ایک جاننے والی مل گئی تھیں، ان سے علیک سلیک میں دیر ہو گئی۔ یہ آنٹی، انکل کہاں ہیں جن سے ہم ملنے آئے ہیں؟" زویا نے کہا۔

"وہ آ رہے ہیں، سر آفتاب کے ہاں سے"۔ حیدر ملازمہ کو کولڈ ڈرنک لانے کا کہنے کے بعد ان سے مخاطب ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا...... مہمان حاضر، میزبان غائب؟ کیا آپ کے والدین کو ہمارا آنا پسند نہیں آیا جو وہ موجود نہیں ہیں؟" زویا نے خاصے بے صبرے پن سے کہا۔

"ارے نہیں...... ایسی بات نہیں ہے، دراصل میں ان کو بتانا بھول گیا تھا کہ آج میں نے آپ لوگوں کو مدعو کیا ہے، سر آفتاب کی کال پہلے ہی آچکی تھی۔ اب پرابلم یہ تھی کہ نہ سر آفتاب سے اور نہ آپ لوگوں سے معذرت کی جاسکتی تھی۔ اس کا یہی بہترین طریقہ تھا کہ کچھ وقت سر آفتاب کے ہاں گزار کر واپس آجائیں، تاکہ آپ لوگوں سے بھی ملاقات ہو جائے"۔ حیدر نے مفصل انداز میں جواب دیا۔

"ارے تمہیں کیا ہوا، یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" موبل اس کی جانب دیکھتی ہوئی حیرانگی سے گویا ہوئی۔ "ہمارے ساتھ تو تم بڑی خوش خوش آئی تھی، اب بالکل چپ چپ ہو، کیا ہوا؟" زویا بھی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ جو بالکل غیر متوقع طور پر پیش آنے والی چویشن سے فوری طور پر نکل نہ پائی تھی، ان کی باتوں سے چونک کر گویا ہوئی۔

"میں تم لوگوں کی وجہ سے پریشان تھی کہ تم کہاں رہ گئی ہو"۔

☆......☆......☆

"واوا! معجزے اس دور میں بھی رُونما ہو سکتے ہیں، ہم منزل کھو کر بھی پا سکتے ہیں؟ کیا جذبوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ من چاہی مراد پا سکتے ہیں۔ مجھے ابھی بھی یقین نہیں ہوتا کہ یہ سب ہو چکا ہے۔

ہر دم گم صم رہنے والی کم گو اور سنجیدہ مزاج خضریٰ کو بہت خوشیاں مل گئی تھیں۔ ہر دم زندگی سے بے زار رہنے والی لڑکی کے لبوں پر مسرت سے لبریز تبسم رہنے لگا تھا۔ اس کی سیاہ خوب صورت آنکھوں میں حیات نو کی جوت جل اُٹھی تھی۔ چہرے کے ہر نقش سے الوہی روشنی عیاں تھی۔

"اللہ کا نظام ازل سے ابد تک یکساں چلتا آیا ہے اور چلتا جائے گا۔ اس کے ظاہری نظام میں آج تک ہم نے کوئی تبدیلی نہیں دیکھی۔ رات کا اُبھرنا، دن کا ڈھلنا، آفتاب کا غروب ہونا، ماہتاب طلوع ہونا، وقت کا چلنا، موسموں کا آنا جانا، اَن گنت اس باری تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جن کا عروج وزوال اسی طرح قائم و دائم ہے۔ صدیوں سے تبدیل، انسانی ذہنوں سے صادر کیے گئے احکامات وانتظامات اور تسلسل وروانی گواہی دیتی ہے، وہ ذات "وحدہٗ لاشریک" ہے۔ اس کی یکتائی و وحدت کا کامل یقین ہمیں اس کائنات میں موجود ہر ذرے سے ملتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھتا ہے میں ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہوں۔

یہاں تم نے اپنے بڑوں کی عزت کا پاس کیا، ان کی خواہشات کا احترام کیا، اپنے دل کی آرزو کو دل میں ہی دبائے رکھا اور ایسا ہی ظرف کو ثمین نے بھی دکھایا اور کامیابی کا راستہ پالیا"۔

راحیلہ بیگم اس رشتے پر بے حد خوش تھیں لیکن افسردگی کے کچھ رنگ ان کی ذات کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ حمزہ کی جدائی کو وہ شدت سے محسوس کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں خوشی وغم سے نم رہتی تھیں۔

"یہ سب آپ کی دعاؤں کے طفیل ہوا ہے دادو جان! میں نے اکثر آپ کو راتوں کو وظیفہ پڑھتے دیکھا ہے، دعائیں مانگتے دیکھا ہے"۔ وہ عقیدت بھرے انداز میں ان کا ہاتھ چوم کر گویا ہوئی۔

"دعاؤں اور وظیفوں کے علاوہ سچے دوطرفہ جذبوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے بیٹا۔ جذبہ اگر یکطرفہ ہو تو نہ دعائیں کام آتی ہیں، نہ وظائف اگر ایسا ہوتا تو میرا بیٹا، میرا حمزہ آج اس طرح ہم سے دور نہ ہوتا"۔ وہ نڈھال سی صوفے کی پشت سے سر لگا کر بیٹھ گئیں۔

"دادو! جس سے انکل محبت کرتے تھے کیا وہ حمزہ انکل سے محبت نہیں کرتی تھیں؟ کون تھی وہ؟" وہ ان کے قریب ہی بیٹھی تھی، ان کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں بے حد محبت سے تھام رکھا تھا۔

راحیلہ بیگم کا دل بھی گویا پرانے دور کی گزری باتوں کو تازہ کرنے کے لیے بے کل ہونے لگا۔ وہ یادوں کے پھولوں کو از سر نو تازہ کرنے کو تیار ہو گئی تھیں۔ خضریٰ دل و جان سے ان کی جانب متوجہ تھی۔

جب ہمارے اپنے ہم سے ہمیشہ بچھڑ جاتے ہیں، ان کے ہمراہ گزرا وقت ہر شے سے بڑھ کر انمول ہو جاتا ہے اور ہم ماضی پرست ہو جاتے ہیں، دل کرتا ہے آنکھیں بند کیے ان گزری ہوئی ساعتوں میں گم رہیں، جب ہم ان پیاروں کے درمیان تھے جن سے جدائی کا تصور بھی محال تھا، پھر ان سے بچھڑ کر بھی رہنا پڑتا ہے، جینا پڑتا ہے، زندگی اسی کا نام ہے۔

"کاش! جانے والے اپنی یادیں، اپنی محبتیں بھی لے جائیں تو زندگی ارزاں نہ لگے"۔ راحیلہ بیگم بھی آنکھیں بند کیے ماضی کے گلستانوں میں سرگرداں اسے ایک ایک بات سے آگاہ کرتی چلی گئیں۔ نوشابہ کی مظلومیت، کرن کی معصومیت، حمزہ کی پوشیدہ محبت، دیورانیوں کی مکاریاں اور اپنی بھی ایک ایک زیادتی اسے بتائی۔ بڑے ظرف سے اپنی ہر نفرت و ظلم سے پردہ اُٹھاتی چلی گئیں۔

"اوہ......وہ منال آنٹی کی بہن ہے، ہم شکل، کاربن کاپی"۔ پوری داستان سننے کے بعد وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"ہاں......لیکن صرف چہرے کی مشابہت کی حد تک، ورنہ وہ ہیرا تھی۔ اسے کھو کر مجھے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا ہے۔ اسے کھونے کا دُکھ میرے ساتھ قبر تک جائے گا۔ اسے کھو کر میں نے سب کچھ کھو دیا۔ میرے کیے کی سزا، میرے ساتھ میری نسل بھگت رہی ہے"۔

وہ پھر رونے لگیں۔ کونین وذوالنون کی محرومی انہیں تڑپانے لگی۔

"پلیز......دادو! مت روئیں، آپ دُعا کریں حمزہ انکل واپس آ جائیں۔ منال آنٹی، کرن آنٹی جیسی بن جائیں"۔ اس کے آنسو بھی تواتر سے بہہ رہے تھے۔ محبت کا درد کیا ہوتا ہے، اس سے وہ آشنا تھی۔ حمزہ کے درد کو اس نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

"برسوں بعد میں نے اپنے ماضی کی سیاہ کتاب کے ورق تمہارے آگے وا کیے ہیں، میرے اندر جلتی ندامت و شرمندگی کی آگ معمولی سی سرد ہوئی ہے۔ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا اور نہ انسان۔ میں نے دیکھا ہے ہر عروج کو زوال ہے، ہر حکمرانی کو نگوی ہے، ہر طاقت کو کمزوری ہے۔ افسوس! یہ بات جب ہماری سمجھ میں آتی ہے تو اس وقت تک ہم سب کچھ گنوا چکے ہوتے ہیں"۔

☆......☆......☆

سبزے میں گھری پھولوں سے سجی وہائٹ ماربل کی پُرشکوہ عمارت اس کے سامنے تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر زمردی ٹائلز سے چم چم کرتے فرش پر چل کر اندر آتے ہوئے اس گھر کے گوشے گوشے کو بڑی حسرت وافسردگی سے دیکھ رہی تھی۔ اس گھر سے اس کی کبھی نہ بھولنے والی یادیں وابستہ تھیں۔ اس گھر میں ڈری، سہمی اپنی ماں کے دوپٹے کا پلو پکڑے وہ یہاں کے مکینوں کی نفرت انگیز حقارت آمیز نگاہوں سے خوف زدہ کام کرتی ماں کے شانے سے چپکی رہتی تھی۔ بچپن اسی خوف وکم مائیگی کے احساس میں گزرا تھا۔

شعور وآگہی نے اسے بچپن کے کٹھن زدہ دور سے نکال کر جوانی کے دور سے متعارف کروایا تو وہ اپنے حقوق اور ماں کی عزت کے لیے بہت نڈر، منہ پھٹ وخودسر ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ کسی کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ ماسوائے اس ایک شخص حمزہ کے جو اس کی ہر زیادتی ہنسی خوشی برداشت کرتا تھا۔ کبھی اس نے برا نہیں مانا، ہمیشہ مسکراتا رہتا۔

”یہ کیا ہے یار! پھر رو رہی ہو، تمہیں معلوم مجھ سے تمہارے آنسو بالکل برداشت نہیں ہوتے۔ تمہیں میری خواہشوں کا بھی خیال نہیں ہے“۔

اس کو محسوس ہی نہیں ہوا کہ کب ان کی آنکھوں سے یادیں آنسو بن کر بہنے لگی تھیں۔ انس صاحب کے خفگی بھرے انداز پر وہ سنبھلی۔

”آئی ایم سوری، بس...... یہ آنسو بھی، موقع بے موقع نکل آتے ہیں“۔ ہاتھ میں دبے رومال سے تیزی سے چہرہ صاف کرتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”میں جانتا ہوں کرن! اس گھر کے چپے چپے سے تمہاری یادیں وابستہ ہیں۔ بہت سارے رشتے، بہت سارے چہرے تمہارے تصور میں سرگرداں ہو جاتے ہوں گے، کئی آوازیں سماعت میں گونجنے لگتی ہوں گی“۔ وہ ان کو صوفے پر بٹھا کر محبت آمیز لہجے میں کہنے لگے۔

”گزرا وقت بھلایا نہیں جاتا، بلکہ بھلایا جا ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے مگر دل دکھانے والی باتوں کے بجائے ان اچھی باتوں کو یاد کریں جن سے ہمیں راحت ملتی ہو، سکون ملتا ہو۔ ایسا کرنا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم کر سکتے ہیں تو پھر کیوں ایسی باتوں کو یاد کریں جن سے وہ وابستگی آنسوؤں سے مشروط ہو“۔

”زندگی میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جب ہم بااختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ یہ آنسو اور اُداسی ان ہی بے اختیار جذبوں کے عکاس ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہ دوں“۔ کرن نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اتنا خیال ہے میرا! اتنی محبت کرتی ہو!!“ انس اس کے شانوں پر بازو رکھتے ہوئے شوخ انداز میں گویا ہوئے۔

”خیال سے بڑھ کر خیال ہے مجھے آپ کا۔ محبت سے بڑھ کر محبت کرتی ہوں میں آپ سے۔ آپ کی محبت نے ہی یہ گھر مجھے دلایا ہے، کس کو معلوم تھا اس وسیع وعریض تین پورشنز میں بنے گھر کے ایک فالتو وبے کار حصے میں رہنے والی وہ مسکین لڑکی کبھی اس پورے گھر کی مالک ہوگی“۔ ان کے بھیگے سے لہجے میں انس کی بے مثل محبت کا اعتراف اور ساتھ میں ممنونیت کا بے غرض احساس بھی تھا۔

”اوہ“۔ آج بڑا خوش نصیب دن ہے“۔ ان کے مسکراتے لہجے میں سرشاری تھی۔

"بالآخر آج میں نے تمہارے لبوں سے وہ امرت بھرے لفظ سن ہی لیے جن کا مجھے ایک عرصے سے انتظار تھا۔ تمہارا اقرار محبت، میرے لیے سرمایہ حیات ہے۔ دُنیا کے ہر بڑے خزانے سے بڑھ کر قیمتی خزانہ ہے"۔

مسرت ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ بڑے پُرجوش انداز میں انہوں نے کرن کو بانہوں میں جکڑ کر گھما ڈالا۔

"یہ ایک گھر کی کیا حیثیت ہے، پوری دُنیا خرید کر دے سکتا ہوں"۔

☆......☆......☆

"ہیلو ممی! کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" ان کے قریب بیٹھی ہوئی منال پوچھنے لگی۔

"آپ کے بارے میں سوچ رہی ہوں"۔ وہ ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟ مجھے بھی تو معلوم ہو"۔ صوفے کی بیک سے سر لگا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ کس قدر کمزور پڑ گئی ہو، کل تک جن پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی، اب ان ہی میں سے ایک کو بہو بنا کر لا رہی ہو"۔ فائقہ بیگم کے انداز میں بھرپور طنز تھا۔

"آپ جانتی ہیں یہ میں نے کیوں کیا ہے"۔

"پرنس کی خوشنودی کے لیے مگر سوچو، کل وہ بھی کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر لے آئے اور کہے کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو پھر کیا کرو گی؟ میرا خیال ہے یہ انتقام وتقام کی باتیں بھول جائیں تو اچھا ہے۔ ہمارے دشمن اسی طرح ہمارے ناک کے نیچے اپنی فتح کا جشن مناتے ہوئے خوش وخرم زندگی کی بہاریں لوٹتے رہیں گے، ہم اس طرح بے چین ومضطرب زندگی گزارتے رہیں گے"۔

ان کا انداز بھرپور ناراضی وتنفر لیے ہوئے تھا۔ منال بیگم نے بغور ماں کے بگڑے تیوروں کو دیکھا، پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"مما! آپ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈس ہارٹ کیوں ہو جاتی ہیں؟ میں جو کچھ کر رہی ہوں اس میں کیا بہتر ہے اور کیا غلط، یہ مجھے معلوم ہے، اپنا مطلب نکالنے کے لیے لوگ گدھے کو بھی باپ بنانے سے گریز نہیں کرتے۔ میں نے بیٹے کو بیٹا ہی رہنے کے لیے یہ کڑوا گھونٹ بھرا"۔

"مجھے آج کل تمہاری باتیں سمجھ نہیں آ رہی ہیں"۔ انہوں نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں، آپ نے دیکھا تھا اپنی خواہش پوری نہ ہونے پر کونین جیسا سعادت مند وفرماں بردار ماں کے اشارے پر جان نچھاور کرنے والا بیٹا، کس طرح بدل گیا تھا، یہ تو نہ معلوم میری کون سی بھولی بھٹکی نیکی کام آ گئی جو پرنس کے دل میں میری محبت جاگ اُٹھی، ورنہ اس نے کبھی ڈھنگ سے مما بھی نہ پکارا تھا۔ آپ خود سوچیں اگر پرنس کا رویہ پہلے کی طرح ہی ہوتا تو کس انتقام کا سوچ سکتے تھے؟"

"بات تو درست ہے مگر اتنی دیر مت لگاؤ کہ شکار جال بچھانے سے پہلے ہی فرار ہو جائے"۔ ان کا موڈ قدرے بحال ہو گیا تھا۔

"ڈونٹ وری مما! میرے بچھائے جال سے شکار کے لیے فرار ممکن نہیں"۔ ان کے ہونٹوں پر بڑی ظالمانہ مسکراہٹ آئی تھی۔

"یہ مت بھولو کہ وہ پہلے ہی ایک بڑی شکست کا ہار تمہارے گلے میں پہنا چکے ہیں۔ یہ جال کا شان کے لیے مشکل نہ ہوگا"۔

"اوہ مما!" فائقہ کے طعنے نے انہیں کوڑا سا مارا تھا۔ وہ غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

"کیا ہوا؟" فائقہ مصنوعی حیرت سے گویا ہوئیں۔

"آپ کو لاکھ بار کہا ہے، مت دہرایا کریں ان گزری باتوں کو، جو میرے زخم کھرچ ڈالتی ہیں۔ لہولہان کر دیتی ہیں، سانس روک دیتی ہیں"۔

"جب سے تم نے کرن کو انس کے پہلو میں دیکھا ہے، تب سے تم کمپلیکس کا شکار ہو گئی ہو، اسی وجہ سے کچھ بھی تمہیں برداشت نہیں ہو رہا ہے"۔

"اوہو! یہ آپ مجھے کہہ رہی ہیں، کرن کو انس کے ساتھ دیکھ کر میں جیلس ہو گئی ہوں"۔ وہ پوری طرح سے بدگمانی کے زیرِ اثر تھی۔

"اس میں غلط کیا ہے؟" فائقہ بھی تیوری چڑھا کر گویا ہوئیں۔

"مما! میرا منہ نہ کھلوائیں تو بہتر ہے"۔

"میں نہیں ڈرتی تمہارے منہ کھولنے سے، کہو جو کہنا ہے"۔

"آپ کس وجہ سے بگڑ رہی ہیں"۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ان لوگوں کو اتنی ڈھیل مت دو، جو کرنا ہے فوری طور پر کرو"۔ بیٹی کے تحمل بھرے انداز نے انہیں بھی خرد کی دُنیا میں لا کھڑا کیا۔

"مما! یہ میں بھی چاہتی ہوں، جو کرنا ہے ابھی کرنا ہے مگر اس دن آپ نے دیکھا ہی تھا کہ کس طرح بات شروع ہوتے ہی وہ کو نین کے ساتھ چلا گیا تھا، تب سے ابھی تک کوئی موقع نہیں مل رہا کہ پرنس سے بیٹھ کر ٹھیک طرح سے بات کی جائے، پھر بات بھی کوئی عام نہیں ہے۔ بہت احتیاط و دانش مندی سے اس کی برین واشنگ کرنی ہے"۔

"ہاں، فُول پروف پلاننگ ہونی چاہیے اگر پرنس کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو پھر جو کچھ ہو وہ بھی کم ہے"۔ فائقہ بیگم جھرجھری سی لے کر گویا ہوئیں۔

"اسی لیے مما! میں بہت سوچ سمجھ کر چال چل رہی ہوں، اگر پرنس کو معمولی سا بھی شبہ ہو گیا تو وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا اور ہم ناکام الگ ہوں گے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا..... دروازے کے پیچھے کوئی ہے"۔ بات کرتے ہوئے ان کی نگاہ دروازے کے نیچے سے آتی پرچھائیں پر پڑی تھی۔ وہ دونوں بھاگ کر دروازے کی طرف گئیں۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے"۔ دروازے سے باہر نکل کر کوریڈور کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئیں۔

گیٹ کے پیچھے سے آتی پرچھائیں میں نے دیکھی ہے مما"۔ باتیں سن لیے جانے کے خوف سے دونوں کی رنگت متغیر تھی۔

"ناممکن، وہ پرچھائیں پردے کی ہوگی اگر کوئی ہوتا تو اتنی جلدی یہاں سے جا نہیں سکتا تھا پھر کوئی سرونٹ ہمارے حکم کے بغیر یہاں نہیں آسکتے اور یہ ٹائم تو نین و پرنس کے آنے کا بھی نہیں ہے"۔

خوب اچھی طرح دیکھنے کے بعد فائقہ مطمئن انداز میں گویا ہوئی۔

"آج کل پرنس کچھ اَپ سیٹ ہے، وہ بھی ٹائم بے ٹائم آجاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہی تو نہیں جو ہماری باتیں سن کر چلا گیا"۔ منال بُری طرح حواس باختہ تھیں۔

"کوئی نہیں آیا ہے اگر کوئی ہوتا تو بھاگتے بھاگتے یہ لمبا کوریڈور کراس کرتا وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا۔ چلو اندر خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوئیں اور مجھے بھی کیا"۔

☆......☆......☆

"بھائی!...... بھائی!......" نشرح کا انداز ملتجی سا تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے نظر اُٹھا کر دیکھا، ساتھ حورین بھی کھڑی تھی۔

"شاپنگ سینٹر لے چلو"۔ حورین نے کہا۔

"سرونٹ ہوں تمہارا؟"

"بھول گئے؟" وہ شوخی سے بولی۔

"گلا دبا دوں گا تمہارا"۔

"کیا ہے کڑوے کریلے کیوں بنے ہوئے ہو؟" حورین حیرانگی سے بولی۔

"رات کو میں نے کتنا اصرار کیا، بی ویو چلنے کے لیے، تم مانی؟"

"حورین کے انکار کی سزا مجھے تو مت دیں"۔

"تم اس کے ساتھ ہو، سزا برابر ملے گی"۔

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر گردن اکڑاتے ہوئے رُعب سے گویا ہوا۔

"یہ نخرے کس کو دکھا رہے ہو، نہیں جاؤ، ہم خود بھی جا سکتے ہیں، چلو نشرح"۔ وہ ایک دم پُر طیش انداز میں آگے بڑھی۔

"ارے ناراض مت ہو، بات سنو"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا ہے؟" وہ رُخ موڑے ہوئے بنا کر، کرارے لہجے میں بولی۔

"آئی لَو یُو"۔

"یہ پرانا طریقہ ہے، کوئی نئی بات کرو"۔ وہ جل کر کہہ اٹھی۔

نشرح اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم شادی کے لیے راضی تو ہو پھر دیکھنا میں کس طرح آسمان سے تارے توڑ کر تمہارے قدموں میں بچھا دوں گا۔ چاند تمہاری مانگ میں سجا دوں گا، تم ایک بار ہاں تو کرو"۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسی دوران وصی، سفیان، سرمد اور رؤف وہاں آ گئے تو وہ خاموش ہو گیا۔

"تم لوگوں کو بھی ہمیشہ غلط وقت پر ہی انٹری مارنی ہوتی ہے"۔

"ہم بالکل صحیح وقت پر آئے ہیں، دراصل آج کل وصی کوچنگ لینے کی سوچ رہا ہے، ہم نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ تم سے بڑھ کر کوچ ہمیں کہاں ملے گا، سو ادھر ہی چلے آئے"۔ رؤف نے بڑے مدبرانہ انداز میں بات شروع کی۔

"کیوں بھئی! مجھ سے کیا کوچنگ لو گے؟" وہ حیران ہوا۔

"وصی کو شادی کے شروع دنوں میں رومانٹک ورڈز یعنی ڈائیلاگز بھابی سے کہنے پڑیں گے جو اس بے چارے کو بولنے نہیں آتے اور تمہارے پاس ان لفظوں کا ذخیرہ ہے۔ ذرا ترس کھا کر کچھ اسے بھی عنایت کرو"۔ ان کی باتوں کے دوران نشرح اور حورین جا چکی تھیں۔

"اٹ از ویری سمپل۔ یہ سب سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

"کیا مطلب؟" وصی بے ساختہ بول اٹھا۔

"یار! جب بھی تمہیں رومانٹک اسٹیو کی ضرورت پڑے مجھے بلا لینا، تمہارے حصے کے ورڈز میں ادا کر دیا کروں گا"۔

اس کی شرارت پر وہ قہقہے لگانے لگے، جبکہ وصی نے مصنوعی غصے سے کشن اٹھا کر اسے دے مارا تھا۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا...... دیکھو نا اب کہاں سیکھتے پھرو گے"۔ ہریرہ اسے چڑاتے ہوئے گویا ہوا۔

"بکواس مت کرو، ایسا بھی ہوتا ہے کیا"۔

"خدا گواہ ہے میری نیت میں کھوٹ نہیں ہے"۔

"مجھے نہیں کرنا یہ مانگے کا رومانس"۔ وصی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو بی بی جان کی آواز ہے، شاید وہ ادھر ہی آ رہی ہیں چلو بھاگ چلو، ورنہ طویل لیکچر سننے کو ملے گا"۔

☆......☆......☆

اے سی کی خوشگوار کولنگ، خاموش کمرے کی اداسی، اس کے اندر بے چینی، بے سکونی کو مزید بڑھانے لگی تھی۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر گیلری میں آ گیا۔ جولائی کی حبس زدہ گرمی کو آج ہونے والی موسلا دھار برسات نے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ ابھی بھی آسمان پر گھرے سیاہ بادل تھے جو کسی بھی لمحے برس کر جل تھل کر سکتے تھے، بند ہوا اس بات کی غماز تھی۔

باہر کے موسم سے تمام حبس و گھٹن رخصت ہو کر طمانیت پھیلا گئی تھی مگر وہ اپنے اندر کے حبس و گھٹن کا کیا کرے؟ جس کے چانس

گھٹنے کے بجائے بڑھنے کے ہی تھے۔ وہ وہیں کرسی پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر گھمبیر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ گہرے سحر انگیز نگاہوں میں گہری سوچوں کے عکس تھے۔ کل انجانے میں حیدر کے ہاں کی جانے والی گفتگو حورین نے سن کر جو رسپانس دیا تھا، اس کی لاتعلقی، غصہ، سرد مہری اس حقیقت کا اظہار تھی کہ دل کے برے جذبوں کا مظہر صرف وہی تھا۔

دل کی زمین پر محبت کا گلاب اس کے لیے ہی کھلا ہے۔ جس چاہت کے مہکتے گلاب کی مہک وہ ابھی پوری طرح سونگھ بھی نہ پایا تھا کہ پہلے ہی کانٹوں نے اس کے جذبوں، احساس و چاہت کو گھائل کر دیا تھا۔ لہولہان کر دیا اور وہ جو بچپن کے دور سے محبتوں کے معاملے میں تہی دست و تہی دامن رہا تھا، اس بار بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا۔

حورین کچھ نہ کہتی اگر محض خاموش رہ کر بھی اپنی ناراضی و ناپسندیدگی کا اظہار کرتی تو حمیت، خودداری، شجاعت سے محرومی کا احساس تو جاگزیں ہو کر اسے بے قرار نہ کرتا۔ وہ انا پرست شخص تھا۔ محبت میں انا نہیں ہوتی مگر جہاں محبت کا جواب محبت نہ ہو وہاں......؟

"مائی چائلڈ! رات کے اس سمے جب ایک کائنات پُرسکون نیند اور حسین خوابوں کے مزے لوٹ رہی ہے تو آپ کیوں محروم ہیں؟" نہ معلوم کس وقت دبے قدموں سے سر آفتاب وہاں آ کھڑے ہوئے۔ انہیں دیکھ کر احتراماً کھڑا ہوا، انہوں نے فوراً ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے پڑی کرسی پر براجمان ہو گئے۔

"بہت ساری نعمتوں سے محرومی بچپن سے ہی لکھ دی گئی تھی میرے نصیب میں، اب شاید نیند سے بھی محروم رہنا پڑے گا"۔

"حد سے زیادہ حساسیت کی ایک بڑی ٹریجڈی یہ بھی ہے کہ ایسی طبیعت کے لوگ دوسروں کے لیے تو مسرت و انبساط کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہیں مگر اپنے لیے چھوٹی خوشیاں بھی افورڈ نہیں کر سکتے"۔

"فطرت انسان کے اندر ہی سانس لیتی ہے، اس سے چھٹکارا بھلا کس طرح ممکن ہے۔ حساسیت و بے حسی ہماری ذات کے ہی پہلو ہیں"۔

"آئی نو...... مگر اتنی حساسیت بھی بندے کو بے سکون کر دیتی ہے۔ اس جگہ پر توازن ضروری ہے۔ اعتدال ہمیشہ سرخ رُو رکھتا ہے۔ کتاب حیات سے زندگی کے ان اوراق کو پھاڑ کر پھینک دیں جو ناپسندیدہ ہیں"۔

"پھر میری لائف کی بک میں رہے گا کیا؟"

اس کے لبوں پر دُکھوں سے بوجھل مسکراہٹ اُبھر کر معدوم ہو گئی۔

"بہت ساری خوشیاں، بہت سارے دُکھ، اَن گنت خوشحالیاں"۔

سر آفتاب کا شفیق و مہرباں لہجہ اس کے غم سے نڈھال دل کو رفتہ رفتہ ڈھارس دے رہا تھا، بکھرا وجود سمٹنے لگا۔

"اپنے جذبات کو، اپنے لفظوں کو اظہار کا موقع دو، شیئر کرو، ورنہ اندر ہی اندر ان سب کو گھونٹتے رہو گے تو خود بھی بے سکونی اور گھٹن کا شکار ہو کر زندگی سے خوشی و دلچسپی کھو دو گے"۔

"سر! کچھ باتیں اَن کہی ہی اچھی لگتی ہیں، کچھ جذبات پردے میں رہ کر ہی اپنی خوب صورتی قائم رکھتے ہیں اور کچھ لفظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو بندہ کسی اور سے کیا خود سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتا"۔ یہ صدائیں اس کے اندر ہی گونج کر رہ گئیں۔

"گاؤں سے واپسی پر میں نے آپ میں بہت بڑی تبدیلی دیکھی ہے"۔ اس کی سوچوں سے بے خبر سر آفتاب اپنی کہے جا رہے تھے۔

"کیسی تبدیلی سر!" وہ چونک کر استفسار کرنے لگا۔ دل میں چھپا چور سہم سا گیا، اگر وہ اس کے دل کی بات جان گئے تو......

"بہت اُلجھے اُلجھے پریشان سے رہنے لگے ہیں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حیدر کے گھریلو معاملات کا آپ اتنا اثر لیں گے تو میں آپ کو اس معاملے سے دور رکھتا"۔

"اوہ!" اس کی رگ و پے میں ایک طمانیت سی دوڑ گئی۔

بارش پھر زوردار انداز میں شروع ہو گئی۔ فرش پر گرنے والے پانی کی تیز آواز جلترنگ سی بجانے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سر! حیدر کی طرف سے میں خوش ہوں کہ اس کی جرأت رائیگاں نہیں گئی۔ وہ جس غلامانہ و جاہلانہ ماحول سے اپنی بہن کو بچانا چاہتا تھا، اس میں کامیاب ہو گیا اور اپنے والدین کے ساتھ یہاں شفٹ بھی ہو چکا ہے۔ اس کی یہی خواہش بھی تھی مگر اس کے والد صاحب نہیں مانتے تھے، اب اپنی خوشی سے یہاں آ گئے تو حیدر مطمئن ہو گیا ہے"۔

بے جا اور فضول رسم و رواج اسی طرح انسانوں کو بیزار کرنے لگتے ہیں پھر ان سے جان چھڑانے میں ہی عافیت و طمانیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ حسبِ معمول ان سے ملنے آیا تھا، ان کی شفیق و مہرباں سنگت میں بیٹھ کر وقت گزرنے کا احساس موسم کے بگڑے تیوروں نے دیا تھا۔

سر آفتاب کے اصرار پر وہ وہاں رُک گیا تھا کہ آج کل دل کی بے کلی نے جو بے سکونی عطا کی ہے اس سے چھٹکارا مل جائے مگر آتشِ عشق تو وہ آگ ہے جو" جلائے نہ جلے اور بجھائے نہ بجھے"۔

☆......☆......☆

وصی کی شادی کی تیاریاں ابھی شروع ہی ہوئی تھیں کہ اس کی ہونے والی بیوی کے نانا کی ڈیتھ ہونے کے باعث شادی ملتوی ہو گئی۔

وہاں سب بڑے زور و شور سے گھر میں ہونے والی پہلی شادی کی تیاریوں میں مگن تھے، اس خبر سے ہوا سے محروم غباروں کی مانند ہو گئے تھے۔

"بھابی صاحبہ کے نانا جان کو بھی ان ہی دنوں میں ٹکٹ کٹوانا تھا؟" سفیان نے غمگین انداز میں کہا۔

"چند دن صبر کر لیتے تو اسی کی شادی کر کے چلے جاتے، جانا تو تھا، کون روکتا بھلا"۔ سرمد نے سفیان کی تائید کی۔

"ہمارے یار کے دل سے پوچھو...... کیا بیت رہی ہے؟ دن کا چین، رات کی نیند، سب نانا کی "نہ نہ" کی بھینٹ چڑھ گیا"۔

"کتنی مشکلوں سے دن گن گن کر گزارے تھے"۔

"اب پھر وہیں پہنچ گئے، جہاں سے چلے تھے۔ نہ رو منے! نہ رو۔ یہ ظالم دن بھی گزر جائیں گے"۔ وہ سب وصی کو گھیرے بیٹھے تھے۔ لبوں میں بڑی سوز و گداز ہے مگر آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"شٹ اَپ، میں کیوں روؤں؟ میرے ہنسنے، مسکرانے کے دن ہیں"۔ وصی ان کی شرارتوں پر چڑ کر گویا ہوا۔

"ہاں بیٹا!......یہی دن ہیں پھر تو......" دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑا۔

"پھر تو......پھر تو کیا؟ تم لوگ کیوں، میرا دماغ خراب کر رہے ہو، میں ویسے ہی ٹینشن میں ہوں اور تم ہو کہ......"

"ناراض کیوں ہوتے ہو یار! ہم تو تمہارا غم بانٹنے آئے ہیں"۔ رؤف نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

"بانٹنے کی ضرورت نہیں ہے اس کا سارا غم تو ہی؟" ہریرہ کے کہنے پر وہ اس طرح چلایا گویا شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو۔

"اللہ نہ کرے، میرا معاملہ تو ابھی سیدھا بھی نہیں ہوا اور تم نے پہلے سے ہی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی ٹھان لی"۔

"بھڑکتے کیوں ہو؟ وصی کو دیکھا، کیسا صبر کر رہا ہے، تم بھی کرنا"۔

"شٹ اَپ، شٹ اَپ، مجھے تنہا چھوڑ دو، نہیں چاہیے تمہاری ہمدردیاں"۔

"کتنا صدمہ ہے تمہیں بھابی کے نانا کی ڈیتھ کا، اتنا تو ان کی نانی کو بھی نہیں ہوگا"۔ سرمد نے اس انداز میں کہا کہ ان کی دبی دبی ہنسی نکل گئی تھی جو اسے بری طرح تپا گئی، اسی وقت بی بی جان اندر آ گئیں۔

"یہ کس بات پر دانت نکالے جا رہے ہیں؟" وہ آتے ہی گویا ہوئیں۔

"ہم وصی کے پاس آئے تھے، اس کی شادی کی تعزیت کرنے"۔

☆......☆......☆

گرے پینٹ کوٹ، وہائٹ بے داغ شرٹ میں اس کی اُجلی، نکھری پرسنالٹی میں دل کو ملنے والی سچی خوشیوں نے اُجالے بکھیر دیے تھے۔ وہ زندگی سے بھرپور جگمگاتی نگاہیں اس کے گھبرائے، لجائے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے سوچا کسی ڈاکٹر سے ملاقات کے لیے بہترین جگہ "ہسپتال" کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے، سو میں ملنے چلا آیا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟" اس کے شوخ انداز میں محبت و الفت کا بھرا سمندر موجزن تھا۔ وہ بڑی استحقاق بھری نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھ رہا تھا، جہاں اس کے عارضوں پر لرزاں سیاہ پلکوں کی جنبش اسے مبہوت کر رہی تھی۔

"آپ......آپ گھر آ جاتے"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"آؤں گا، اس وقت تو صرف اور صرف اپنی باتیں کرنی تھیں، اس لیے یہاں کا رُخ کیا ہے......ایک بات پوچھوں؟ بتاؤ گی؟"

خضریٰ نے نگاہیں نہ اٹھائی گئیں، اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کس انداز میں دعا مانگی تھی؟ جو ناممکن، ممکن ہو گیا"۔

کونین کے انداز میں گزرے جاں گسل وقت کی کسک اُبھر آئی۔ خضریٰ کی آنکھوں میں بھی وہ تکلیف، وہ مناظر ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں، جبکہ کونین سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"خضریٰ! محبت کی اس مہک کو میں نے اس عمر سے محسوس کیا تھا جب شعور نا پختہ و آگہی خوابیدہ ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھنا اور دیکھتے رہنا میری اوّلین تمناؤں میں شمار رہا ہے پھر جس طرح وقت گزرتا گیا، جذبات و محسوسات کو بھی بدلتا گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا اگر تم نہ ملیں تو زندگی ہر خوشی، ہر سکھ و اطمینان سے دور ہو جائے گی مگر......" وہ چند لمحے توقف کے بعد بوجھل انداز میں گویا ہوا۔

"ممی کی ناپسندیدگی و نفرتوں سے آپ بھی آگاہ تھیں، وہ بابا کے چھوڑ کر جانے کا قصوروار سسرال والوں کو ہی ٹھہراتی ہیں اور وہ بھی میرے جذبات پہچان گئی تھیں اور یہاں بنا کچھ کہے وہ ایک ماں نہیں، روایتی بہو، روایتی دیورانی، روایتی چچی بن گئی تھیں۔ ہمارے درمیان ایک خاموش سرد جنگ چھڑ گئی تھی۔

"آنٹی کے رویے کی وجہ سے ہی میں نے کبھی آپ کے جذبوں کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ آنٹی کی نفرت کے جھلستے صحراؤں سے گزرنا میرے لیے کوئی ایسا مشکل بھی نہ تھا کیونکہ پھولوں سے محبت میں کانٹوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے، پھر مجھے نہ معلوم کیوں آنٹی سے ایک بے نام لگاؤ ہے۔ میں ان سے نفرت نہیں کرتی، انہیں ناپسند نہیں کرتی، مجھے ان سے ہمدردی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ انہوں نے لائف کی ان خوشیوں و بے فکریوں سے وہ سکون حاصل نہیں کیا جو شادی شدہ زندگی میں عورت کو ملتا ہے۔ مما کہتی ہیں شادی کے بعد ہر عورت کی اوّلین ترجیح اس کا شوہر اور پھر اس سے وابستہ تمام رشتے اور گھر ہوتا ہے، کیونکہ گھر تو بنتا ہی محبت و چاہت کے خوشگوار جذبوں و احساسات سے ہے جو انہیں حاصل نہیں ہوئے۔ ان کی شخصیت متاثر تو ہونی ہی تھی"۔

اس کا دھیما لہجہ بناوٹ و ریاکاری کے فریب سے پاک خلوص و مروت اور وفا کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔ منافقت و مکاری اسے چھو کر نہ گزری تھی۔

"انکل کیوں گئے؟ کہاں گئے؟ اس کا ہمیں آج تک ادراک نہیں ہے۔ انکل کے جانے کے بعد آپ اور ذوالنون ہی ان کی اُمیدوں و محبتوں کا محور ہیں پھر آنٹی آپ سے بہت اٹیچڈ ہیں، اسی وجہ سے میں بالکل ہی دور ہو گئی تھی کہ میرے درمیان میں آنے سے آپ لوگوں بیچ میں مس انڈراسٹینڈنگ نہ ہو جائے اور نئے رشتے نفرتوں و عداوتوں کی زمین پر استوار کرنا نہیں چاہتی تھی۔ محبتیں اعزاز کی طرح ملنی چاہئیں، خیرات کی طرح نہیں"۔

"مجھے فخر ہے اپنے انتخاب پر، تمہاری رفاقت میری حیات کا حاصل ہوگی۔ ہمیں مل کر ان نفرتوں و بیگانگی کی دیواروں کو ڈھانا ہوگا۔ مجھے یقین ہے، بہت جلد میرے گھر میں آکر گھر کو گھر بنا دو گی"۔

☆......☆......☆

سر آفتاب نے ان سب کے اصرار پر ایک پکنک پارٹی رکھی تھی۔ شہر سے باہر مضافات میں، یہ پارٹی منانے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ سب خوش تھے سوائے حورین کے جس نے جانے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ کوئی بھی اس کے بغیر جانے کو تیار نہ تھا مگر وہ کسی طور جانے کو راضی نہ تھی۔

"کوئی وجہ تو ہو نہ جانے کی؟" ثمرین نے کہا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔ وہ گھاس نوچتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ہٹی کٹی نظر آ رہی ہو، پھر اگر طبیعت خراب بھی ہے تو سیر و تفریح سے ٹھیک ہو جاؤ گی۔ دیکھنا تمہیں دوا کی بھی ضرورت نہیں ہوگی''۔ روا نے بھی اس سے ہامی بھروانی چاہی۔

''نہیں، میں نہیں چاہتی میری وجہ سے تم لوگ بھی انجوائے نہ کر سکو''۔ پرپل و وہائٹ پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ میں اس کے خوب صورت چہرے پر سنجیدہ تاثرات تھے۔ ڈراک براؤن دل کش آنکھیں ذہنی بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں۔ اس کا دلی سکون اسی دن سے درہم برہم ہو گیا تھا۔ جب اس نے نادانستگی میں ان کی گفتگو سنی تھی اور اسے پوری شدت سے اس حدیث کا مفہوم واضح ہوا جس میں چھپ کر گفتگو سننے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ ذوالنون کے منہ سے نکلنے والے اپنے نام نے اسے رُکنے پر مجبور کیا تھا پھر اپنے ہی حوالے سے کی جانے والی گفتگو نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے، بعد میں ذوالنون معذرت بھی کر چکا تھا۔ حیدر نے بھی ایکسکیوز کیا تھا اور ساتھ میں بڑی جرأت و صاف گوئی سے وہ اپنے جگری دوست کی محبت و دلی جذبات بھی بتا گیا تھا، نہ معلوم کیا ایسی اَن دیکھی طاقت تھی، حیدر کے لفظوں میں جو اسے انجانے جذبات میں جکڑ چکے تھے، وہ ان سے پیچھا چھڑانے، بھاگنے کی ہر سعی کر کے ناکام ہو گئی تھی۔ جذبات واحساسات پر بوجھل پن طاری تھا، طبیعت اس کی عجیب سی ہو گئی تھی۔ بے زار، اکھڑی اکھڑی، لاتعلق بیگانہ، یونیورسٹی آنے کے بعد اس کی یہی کوشش ہوتی کہ ذوالنون سے سامنا نہ ہو اور شاید اس کی بھی یہی کوشش رہی تھی جو ان دنوں میں ایک بار بھی آمنے سامنے نہ آئے تھے، البتہ آتے جاتے دور سے بھی ان کی نگاہیں ایک دوسرے پر اُٹھتیں تو وہ تیزی سے راستہ بدل لیتے تھے۔

اس پوشیدہ آنکھ مچولی سے حیدر پوری طرح آگاہ تھا۔ ذوالنون کو وہ ڈائریکٹ اور حورین کو اِن ڈائریکٹ فقرے کستا رہتا تھا۔ حورین سن کر اگنور کر دیتی۔ ذوالنون سے ٹھیک ٹھاک بحث چل نکلتی۔ پکنک کا پروگرام بھی اس نے محض ذوالنون کی وجہ سے ہی ملتوی کیا تھا۔ ان لوگوں کے احساسات و محبت مجروح ہونے کا اسے دُکھ بھی ہو رہا تھا مگر......

''اب ایسی بھی کیا ضد یار! سب اتنے پیار سے اصرار کر رہے ہیں تو مان جاؤ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے کوئی اور ہی بات لگ رہی ہے''۔ زویا نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا۔

''کیا...... کیا بات؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔

''تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو، جب ایسی کوئی بات نہیں ہے تو؟''

''میں کیوں گھبراؤں گی، ہر بات کا اُلٹا مطلب نکالنا تمہاری عادت ہے''۔ زویا کے انداز میں واضح ذوالنون کا حوالہ محسوس کر کے وہ تڑخ کر کہہ اُٹھی۔

''ارے ایسی بات نہیں ہو سکتی، کیونکہ آج کل راوی چین ہی چین لکھتا ہے''۔ مومل ہنس کر کہنے لگی تو وہ بھی مسکرانے لگی۔

''ہاں بھئی! یہ تم نے بالکل درست کہا''۔

وہ چاروں اس کے نزدیک ہو کر بیٹھتے ہوئے چہکیں۔

''آج کل تو چین کی بانسری بج رہی ہے، جنگ یک دم ہی سرد پڑ گئی اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہوا! یہ کیا ماجرا ہے؟'' ثمرین اپنی یادداشت کو کوستی ہوئی گویا ہوئی۔

''شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پینے لگے!'' ردا نے آنکھیں مٹکائیں۔

''کئی بار ہم سر آفتاب کے ہاں مل چکے ہیں، وہاں بھی تکرار نہ انتشار، دونوں جانب خاموش سمجھوتے...... معاملہ گڑبڑ ہے''۔

''زویا کی بات کی وہ بھر پور تائید کرنے لگی۔

وہی ہوا جس کے خوف کی وجہ سے پکنک پر جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ بعض دفعہ گریز بھی تشہیر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

''زویا! تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ آئی ڈونٹ بلیو''۔ وہ گھاس پر رکھا بیگ و بکس اُٹھا کر غصے سے آگے بڑھ گئی۔ وہ چاروں اسے منانے کے ارادے سے پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔

''یہ میرے دوست کی عمیق چاہت کی قوت ہے جو اس کی ان دیکھی محبت کی خوشبو دھیرے دھیرے دوسروں کو بھی باور کرانے لگی ہے، قبل اس کے کہ یہ ہر سُو پھیل جائے، آپ خاموشی سے سمیٹ کر اپنے آنچل سے باندھ لیں''۔ قریب سے گزرتا حیدر بڑبڑاتا آگے نکل گیا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

ہمیشہ تک سک سے تیار رہنے والی منال بیگم کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ اُلجھے بکھرے بال، گریہ وزاری کے باعث متورم آنکھیں اور سوجھا چہرہ کل سے اب تک وہ ایک ہی سوٹ میں تھیں جو شکنوں سے پُر تھا۔ ان کی ذہنی و جذباتی حالت بھی ان ہی کپڑوں کی طرح سلوٹ زدہ، اُلجھی، بکھری ہوئی تھی، کل تک پھول کی طرح تروتازہ تھیں۔ خوشی خوشی ایک پارٹی اٹینڈ کرنے نکلی تھیں، اپنی پوری تیاریوں کے ساتھ سگنل پر گاڑی رُکی تو ان کی نگاہ برابر والی کار پر پڑی اور بے ارادہ اُٹھنے والی نگاہ پلٹنا بھول گئیں اور بھلا پلٹتی بھی کیونکر، ایک طویل عرصے بعد ''گوہر مقصود'' نظروں کے سامنے تھا۔ وہ بے خودی دیکھے چلی گئیں، اتنا عرصہ گزارنے کے بعد بھی وہ اسی طرح وجیہہ و اسمارٹ تھا۔ وہی بے پرواہ و بے نیاز انداز جو مقابل کو زیر کر دیا کرتا تھا۔

نگاہوں کی حدت محسوس کر کے انس صاحب نے گردن موڑ کر دیکھا، فوراً تو انہیں اپنی بصارت پر یقین نہ آیا۔ دوسرے لمحے پُر شور ماحول نے انہیں یقین دلایا کہ یہ وہم نہیں حقیقت ہے۔ گہری آنکھوں میں برہمی و نفرت کی شدت پوری طرح پھیلتی چلی گئی۔ وہ تمام کٹھنائیاں و مشکلات یاد آتی چلی گئیں جن کا باعث منال کی ذات تھی اور آج تک کرن اس کے خوف سے پُر سکون زندگی نہیں گزار سکی تھی۔ ان کا دل چاہا، اسی لمحے کار سے نکل کر اس بلا کا گلا گھونٹ کر کرن کو اس کے خوف سے نجات دلا دیں مگر اس مصروف شاہراہ پر یہ کسی طرح ممکن نہ تھا۔

منال ان کی سوچوں سے بے خبر بڑی مخمور نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ آج کچھ زیادہ ہی دل لگا کر تیار ہوئی تھیں اور اس لیے یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ ان کے حُسن کے سحر سے انس اب نکل نہیں پائیں گے اور وہ کرن کو شکست دے دے گی۔ انس صاحب کا خود کو تکتے جانا انہیں مکمل مغرور کر کے خوش فہمی کے جال میں جکڑ گیا۔ وہ اَنا پرستی کے بہکاوے میں آ کر یہ بھی فراموش کر گئیں کہ وہ ایک معزز خاندان کی بہو اور دو جوان بیٹوں کی ماں ہیں۔ وہ سب فراموش کر بیٹھی تھیں، یاد تھا تو صرف یہ کہ انس کو کرن سے چھیننا ہے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو ڈارلنگ! مجھے یقین تھا تم ایک دن ضرور آؤ گے۔ میں کب سے تمہاری منتظر ہوں۔ مجھے معلوم تھا تم ایک دن لوٹ کر آؤ گے"۔ انہوں نے بڑی ناگواری سے ان کی جانب دیکھا اور نفرت سے بولے۔

"تم کل بھی تھرڈ کلاس تھیں اور آج بھی تھرڈ کلاس ہو، تھرڈ کلاس پرسن تھرڈ کلاس جگہوں پر ہی جچتے ہیں۔ معزز و عزت دار گھرانوں میں تم جیسی "عورتوں" کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے"۔

سگنل کھل گیا تھا۔

وہ اس پر حقارت بھری نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گئے تھے۔ منال شاکڈ رہ گئیں۔ اتنے سالوں میں اس کی نفرت وحقارت ڈگنی ہو گئی تھی۔ کتنی تحقیر و تذلیل تھی اس کے لہجے میں۔ کتنی نفرت وحقارت تھی ان نگاہوں میں۔

خوش فہمی کی خوش نما تتلیاں لحظہ بھر میں اُڑ گئیں۔ بے عزتی و بے وقعتی کسی طوفان کی طرح ان کے اندر حشر اُٹھانے لگی۔ لمحے بھر قبل وہ خود کو آکاش کے روضوں پر دیکھ رہی تھیں۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ زمین پر چت تھیں۔ ہر سُو آگ ہی آگ تھی، پھر کیسی پارٹی؟ کہاں کی پارٹی؟ پارٹی کا تعلق دل کی راحت سے ہوتا ہے اگر دل ہی جل رہا ہو تو...... ڈرائیور کو انہوں نے واپس گھر چلنے کا حکم دیا۔ انس سے ہونے والی گفتگو گو کہ انگلش میں تھی کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے زیادہ چہروں سے پڑھے جاتے ہیں۔ ڈرائیور لفظ بہ لفظ نہیں مگر چہروں سے بہت کچھ اخذ کر چکا تھا لیکن ظاہر نہ ہونے دیا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی وہ بپھرے ہوئے طوفان کی طرح راستے میں آنے والی ہر شے کو اُٹھا کر پھینک رہی تھیں، گلدان، ٹیبلو کے گلاسز شو پیسز کارپٹ پر بکھرتے جا رہے تھے۔ اسی جنونی انداز میں انہوں نے اپنی جیولری اُتار کر پھینکنا شروع کر دی۔ ساتھ ساتھ وہ انس و کرن کو گالیاں دیتے ہوئے کوس رہی تھیں، بددعائیں دے رہی تھیں۔ بری طرح روتی بھی جا رہی تھیں۔ کسی ملازمہ کے فون کرنے پر فائقہ بیگم آفس سے آئیں، انہوں نے بڑی دقتوں کے بعد سمجھا بجھا کر انہیں خاموش کیا، ورنہ وہ جنون میں خود کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ فائقہ بیگم نے انہیں ان کا "مخصوص مشروب" پلا کر سلا دیا۔ ساری رات و دن چڑھے تک وہ مدہوش رہی تھیں، بیدار ہوتے ہی ان کی وہی دیوانگی بھی جاگ اُٹھی تھی۔ فائقہ بیگم پھر انہیں سنبھالنے لگیں۔

"مما! وہ پتھر ہے، اس نے میری انسلٹ کی، جو اس کی خاطر اپنی زندگی، اپنا گھر، اپنا سب کچھ جلا بیٹھی، یہ صلہ دیا ہے اس نے۔ کہتا ہے میں کل بھی تھرڈ کلاس تھی، آج بھی تھرڈ کلاس ہوں، مجھ جیسی گری ہوئی عورتوں کی جگہ اچھے عزت دار خاندان میں نہیں "بازار" میں ہے، اس نے

مجھے طوائف بنا دیا"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"اپنے ہاتھوں سب بھسم کر کے تمہیں اب محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا وہ پتھر ہے پتھر"۔ فائقہ بھی بے حد آزردہ تھیں۔

"اب دیکھنا مما، اس پتھر کو میں کس طرح ریزہ ریزہ کرتی ہوں، عورت محبت میں پھولوں کی طرح نرم ہو جاتی ہے تو نفرت میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا۔ مجھ پر اس وقت تک ہر خوشی حرام ہے جب تک میں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے لیتی، یہ عہد میرا ہے"۔

ان کی نگاہوں میں انتقام کے شعلے بھڑک اُٹھے تھے۔ اسی دم باہر سے بھاری بوٹوں کی دھمک محسوس کر کے فائقہ بیگم مخاطب ہوئیں۔

"جلدی سے سوتی بن جاؤ، میں نہیں چاہتی وہ جاتے وقت تمہاری حالت دیکھ کر ٹینس ہو"۔

"نہیں مما! میں چاہتی ہوں، وہ میری حالت دیکھے، مجھ پر ہوئے ظلم کا اسے ادراک ہو تا کہ میں اسی طرح انتقام لے سکوں جس طرح میں چاہتی ہوں۔ اس نے مجھے طوائف کہا، دیکھنا میں اس کی بیٹی کو کیا بناتی ہوں"۔ ان کی حالت زخمی ناگن کی مانند تھی۔

"ایسا ہی ہوگا مگر پلیز اس ٹائم جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو، وہ فریش ہو کر آ جائے تو ہم اپنی منوائیں گے، ایسا کرنے کے لیے اسے بہت سارے اسٹیمنا کی ضرورت ہے۔ ایک دن اسے آزاد رہنے دو"۔

ماں کی بات کچھ ان کے دماغ میں آ گئی، وہ چادر اوڑھ کر سوتی بن گئیں۔ فائقہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں جب وہ دروازہ ناک کر کے اندر آیا۔

"مما اس وقت سو رہی ہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

بلو جینز، ریڈ، بلوئی شرٹ میں نکھرا نکھرا خوشبوؤں سے بھرا پرنس انہیں اتنا بھایا کہ بے ساختہ وہ بلائیں لے بیٹھیں۔

"ہاں، بس ذرا سر میں درد ہے، میں نے ٹیبلٹ دی ہے، ابھی سو کر اُٹھیں گی تو بالکل فریش ہوں گی، آپ فکر مت کریں"۔

"میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں"۔ اس نے جیب سے سیل فون نکالا۔

"میں نے ٹیبلٹ دے دی ہے، معمولی سا درد ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بے فکری سے جائیں، منال اُٹھیں گی تو سب سے پہلے آپ کو کال کرواؤں گی"۔

اس کے لہجے میں ماں کے لیے جو چاہت بھرے تفکرات تھے، وہ چادر میں چہرہ چھپا کر لیٹی ہوئی منال کے لیے بڑے حوصلہ افزا و خوش کن تھے جو بیٹا ان کے معمولی سے سر درد کا سن کر اتنا پریشان ہو گیا تھا تو وہ ان کی آگ بھڑکاتی داستان سن کر کیا کچھ نہ کرنے پر کمربستہ ہو جائے گا۔ وہ اب تصور میں اسے انتقام لیتے دیکھتے ہوئے حقیقتاً سو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

سامنے نیلگوں سمندر کی پُر جوش لہریں بڑے والہانہ انداز میں آ کر ساحل کو چوم رہی تھیں۔ وہ سب ہٹ میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ سر آفتاب کے ساتھ ان کے ڈیپارٹمنٹ کے کچھ اور بھی اسٹوڈنٹس چلے آئے تھے۔ سر آفتاب نے حورین کے کسی عذر کو

قبول نہ کیا تھا اور اسے لے آئے تھے۔ وہ سارے راستے خود کو سنبھالتی رہی۔ ان چاروں نے اس سے سوری کی تھی مگر وہ جانتی تھی شک کا کانٹا ایک بار چبھ جائے تو زخم جلدی نہیں بھرتا، انہوں نے اس کی ناراضی کے خوف سے اپنے لفظوں کی معافی تو مانگ لی تھی مگر اتنی جلدی وہ اپنے تجسس کو نہ چھپا پائیں گی اور جاننے کی ٹوہ میں لگی رہیں گی۔ اس لیے وہ احتیاط کے ہر پہلو کو ملحوظ خاطر رکھ کر بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

موسم کی خوب صورتی نے ان کی پکنک کا مزہ دوبالا کر دیا تھا کہ ابر آلود سیاہ بادل، دلوں کو سرشار کرتی ٹھنڈی ہوائیں، ماحول پر چھایا خواب ناک سا ماحول، حد نگاہ پھیلا ہوا سمندر جس میں اُٹھتی لہریں کسی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھیں۔

ماسیوں نے وسیع و عریض ہٹ کے فرش پر دریاں و چاندنیاں بچھا دی تھیں۔ دو حصوں میں ایک طرف لڑکیاں، دوسری طرف لڑکے درمیان میں پروفیسر آفتاب ساتھی پروفیسرز کے ساتھ بیٹھے تھے۔ بی ایس سی کا وہ اسٹوڈنٹس بڑے پُر جوش انداز میں شروع ہوا تھا۔

"مجھے تو یہ تمہارے دل کی آواز لگ رہی ہے"۔

پروفیسر آفتاب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس وقت کھانے پینے کے سامان کا جائزہ لینے گئے ہوئے تھے، انہوں نے آتے ہی پہلے کھانے کی اطلاع دی۔ پہلے کھانا کھایا جائے، کچھ دیر آرام کے بعد پھر پانی کی طرف جایا جائے۔ ان کے حکم کی دیر تھی، لمحوں میں دستر خوان پر کھانا سج چکا تھا۔ بریانی، چکن کڑاہی، فرنی، فروٹس اور کولڈ ڈرنکس ان کی تواضع کے لیے تھے۔ بہت خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ پروفیسر آفتاب تو تھے ہی ہر دل عزیز، نرم مزاج و شفیق شخصیت، تمام اسٹوڈنٹس سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس وقت وہ پروفیسرز بھی جو جامعہ میں سخت رعب و دبدبہ رکھتے تھے ان تمام اسٹوڈنٹس سے دوستوں کی طرح گھل مل گئے تھے۔ کھانے کے دوران بھی ان کے ملے جلے قہقہے گونجتے رہے۔ کھانے سے فراغت کے بعد کوئی بھی سمندر سے دور رہنے کو تیار نہ تھا۔ لڑکے آگے اور لڑکیاں پیچھے۔ وہ پانچوں بھی چپلیں اُتار کر ننگے پاؤں چلی آئی تھیں۔ بھیگی بھیگی ٹھنڈی ریت پر پاؤں رکھتے ہی جسم و جاں میں ایک تراوٹ سی دوڑ گئی تھی۔ حورین کو پہلی دفعہ محسوس ہوا، اس نے یہاں آ کر اچھا کیا ہے۔ ابر آلود موسم نے سمندر کی خوب صورتی کو مزید اُجاگر کر دیا تھا۔ وہ باتیں کرتی جا رہی تھیں، یہاں پر لوگ چھٹی کا دن نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم اور خاصے فاصلوں پر تھے، وہیں کچھ منچلے نوجوان بھی سوئمنگ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کی گہری نگاہیں ریڈ و گولڈن شیڈ کے سوٹ میں ملبوس حورین پر تھیں جو ملکوتی حسن کے باعث ان چاروں میں نمایاں تھی۔ اس کے گولڈن براؤن بال پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ کانوں میں گولڈ کی نازک رنگز، آنکھوں پر گولڈن سن گلاسز لگائے وہ اس نوجوان کو دیوانہ کر گئی۔

ثمرین، موحل، ردا اور زویا اونٹ پر بیٹھی تھیں۔ بے حد اصرار کے باوجود وہ نہیں بیٹھی تھی۔ اسے خوف آتا تھا۔ وہ قریب پڑے پتھر پر بیٹھ کر ان کو اونٹوں پر ہچکولے کھاتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ معاً اس کے پیچھے سے مردانہ آواز اُبھری۔

"او حسینہ! او نیلم پری! کر رہی کیسی جادو گری......"

......❀......

اُس نے وہ بہکی بہکی بے باک آواز بخوبی سنی تھی۔ اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے، چہرے پر خاموش سنجیدگی در آئی۔ بلاشبہ وہ سونگ اسی کے لیے گنگنایا گیا تھا کہ آس پاس اس کے سوا کوئی اور نفس نہ تھا۔

''آج چاند زمین پر اُتر آیا ہے''۔ وہی بدمست آواز اُبھری تھی۔

''اسے کرشمہ کہیں یا معجزہ؟'' کوئی دوسری آواز اُبھری۔

''جو چاہے سمجھو مگر یہ میرے لیے ہے''۔ لہجے میں خاصا گھمنڈی پن تھا۔

''یہ چیٹنگ ہے یار! ہر حسین چیز کیا تمہارے لیے ہے؟''

''ہاں، دُنیا کی ہر حسین شے پر صرف میرا حق ہے''۔

وہ تین آوازیں تھیں جو اس کی پشت سے اُبھر رہی تھیں۔ حورین اندر ہی اندر اُن کی باتوں سے پیچ و تاب کھا رہی تھی مگر ساتھ ہی اس کی نگاہ اِرد گرد کے ماحول پر بھی تھی جہاں لوگ خاصے فاصلے پر تھے، اگر وہ مشتعل ہو کر انہیں کھری کھری سناتی، ان کی بکواس کا منہ توڑ جواب دیتی تو ان کا ردِعمل ناقابلِ برداشت ہوتا۔ اس نے ان کے چہرے نہیں دیکھے تھے مگر لہجہ و انداز بھی انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو سے وہ ناپسندیدہ کردار کے مالک لگ رہے تھے اور ایسے لوگوں کے منہ لگ کر وہ تماشہ بننا نہیں چاہتی تھی، سامنے سے آتے ہوئے اونٹوں کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ اسی دم کچھ لوگ اونٹوں پر بیٹھنے کے لیے اس طرف آئے تھے، خاصی چہل پہل سی ہو گئی تھی، وہ تینوں بھی ایک طرف ہو گئے، مگر گئے نہیں تھے۔

''تھینک گاڈ! تم لوگ آ گئیں''۔ حورین نے بے ساختہ کہا تھا۔

''وہ تینوں تم سے کیا کہہ رہے تھے؟'' موحل نے قریب آتے ہی پوچھا۔

''میں دیر سے ان میں سے ایک کو نوٹ کر رہی ہوں جو حورین کو گھورے جا رہا تھا۔ اب ہمارے جاتے ہی وہ یہاں آیا اور اس کے دونوں ساتھی پیچھے، اسی لیے ہم نے اونٹ والوں کو آگے جانے نہیں دیا تھا''۔

''تم نے محسوس کر کے بھی کیوں نہیں بتایا کہ ہم حور کو تنہا چھوڑ کر جاتے ہی کیوں''۔ روا نے کہا۔

''مجھے یہ تھوڑی معلوم تھا کہ وہ مجنوں کی اولاد فالو کرے گا''۔

''وہ ابھی بھی پیچھے آ رہے ہیں''۔ معاً چلتے چلتے زویا کو احساس ہوا۔

''میں ابھی ذوالنون بھائی کو کال کرتی ہوں، وہ ابھی تمام عاشقی جھاڑ دیں گے، ان مجنوں کے بچوں کی''۔ ثمرین نے پرس سے سیل فون نکالتے ہوئے غصے بھرے انداز میں کہا۔

''یہ کیا بے وقوفی کر رہی ہو''۔ حورین اس کا سیل فون آف کرتے ہوئے رسانیت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''اُن کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، میں تماشہ بننا نہیں چاہتی''۔

''حورین ٹھیک کہہ رہی ہے۔اُن کو بلانے سے معاملہ بگڑ سکتا ہے لڑکے ایسی باتوں کو فوراً ہی غیرت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں پھر جو کچھ بھی ہو،وہ کم ہے''۔

''واپس پلٹ چلتے ہیں،ہم نے اتنی دور آکر غلطی کی ہے''۔

موّل وثمرین کی بات درست تھی۔وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھیں،وہ تینوں نوجوان بھی پیچھے آئے تھے مگر ہٹ کے قریب زیادہ لوگوں کو دیکھ کر وہ وہیں سے پلٹ گئے تھے۔

''تھینک گاڈ!خس کم جہاں پاک''۔اُن کے جانے کے بعد روا نے کہا۔

''سمندر کا دور دور سے ہی نظارہ کرنے کا ارادہ ہے؟''

حیدر ذوالنون کے ہمراہ اس طرف آتا ہوا گویا ہوا۔

''سمندر سے دور کی دوستی ہی بھلی ہے''۔زویا نے سامنے پانی میں بلند لہروں کو دیکھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ڈرنے کے باوجود آپ یہاں چلی آئیں''۔

بلیو جینز اور وہائٹ ٹی شرٹ میں اس کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ چاندنی کرنوں کی طرح روشن تھی۔سحر انگیز آنکھوں میں ہمہ وقت رہنے والا حزن جو سرخی کی صورت میں ٹھہر سا گیا تھا جس نے اس کی شخصیت میں ایک باوقار جاذبیت پیدا کر دی تھی۔

اس سے ان تضادات نے اُس کی وجاہت میں کشش پیدا کر دی تھی۔ہر وقت چہرے پر چھائی کرختگی و برہمی جب سے اس کے انداز سے غائب ہوئی تھی،تب سے اس کی ہر دل عزیزی از حد بڑھ گئی تھی۔

''ڈر اور شوق زندگی کا حصہ رہا ہے،ذوالنون بھائی!اور پھر ہم کراچی میں رہ کر سمندر سے دور رہیں تو بدنصیبی ہے یہ''۔

''اچھا اگر سمندر پر آکر بھی اس میں دو تین ڈبکیاں لگانے سے محروم رہیں،وہ بیڈ لک ہے چلو پانی میں''۔

ثمرین نے کہا اور ساتھ ہی قریب کھڑی حورین کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی تو وہ بھی چل پڑی تھی۔

''آپ لوگ بھی آجائیں نا''۔روا نے ان سے کہا جو وہیں کھڑے رہے تھے۔

''پھر یہ شکایت مت کیجئے گا کہ ہماری قوم کو عادت ہے،آپ کی قوم کے پیچھے آنے کی''۔حیدر شوخ انداز میں گویا ہوا۔

''ہا......ہا......ہا،یہ بات تو سوا سولہ آنے سچ ہے''۔

''ہم چائے پینے جا رہے ہیں،ابھی پانی میں جانے کا موڈ نہیں ہے''۔

ذوالنون نے حیدر کو شرارت کے موڈ میں دیکھ کر توجیہہ پیش کی پھر موّل سے مخاطب ہوا۔

''آپ لوگوں کا چائے پینے کا ارادہ ہے؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں،یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے''۔موّل کی بجائے ثمرین نے جواب دیا۔

''ارے دماغ چل گیا ہے کیا تمہارا کوئی نہیں جا رہا ہے چائے پینے''۔ حورین نے ثمرین کو گھورتے ہوئے کہا۔

''چائے پینے سے دماغ کیوں خراب ہونے لگا''۔

''اوکے، مجھے نہیں پینی چائے تم جا سکتی ہو''۔

''آپ کولڈ ڈرنک لے لیجیے گا''۔

ذوالنون اس سے براہِ راست مخاطب ہوا تھا، اُن لوگوں کے لبوں پر ایک معنی خیز تبسم پھیلا تھا، حورین نے شائستگی سے انکار کر دیا تھا اور سر حیدر کی گیدرنگ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ لوگ گیلی ریت پر ہی چیئرز ڈالے بیٹھے تھے۔ ان کے پاؤں ریت پر تھے جہاں دم توڑتی لہروں کا پانی پاؤں سے ٹکراتا تو بڑی ٹھنڈک و سکون کا احساس ہوتا تھا، وہ سب بڑے زور و شور سے گفتگو کر رہے تھے۔ موضوع سیاست تھا۔

سر حیدر آج سے ساٹھ سال قبل کی سیاست کا موازنہ آج کی سیاست کر رہے تھے، وہ بغور ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ تب ہی اسے احساس ہوا کسی کی گھورتی نگاہوں کا، اس نے بے ساختہ نگاہیں اُٹھائیں تو اگلے لمحے اس کے چہرے پر ناگواری پھیلتی چلی گئی۔

وہی لڑکا کچھ فاصلے پر ریت پر اوندھا لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔

اُف...... اس کے لبوں کی مکروہ مسکراہٹ، آنکھوں میں لتھڑی غلاظت۔

حورین کی بے ساختہ اُٹھ جانے والی نگاہوں نے لمحہ بھر میں یہ سب محسوس کیا اور غم و غصے سے اس کے اندر شرارے دوڑنے لگے۔ دل چاہا کہ آگے بڑھ کر اس کی وہ غلیظ آنکھیں نوچ لے اور چہرے پر اتنی زور کا تھپڑ لگائے کہ وہ تاحیات مسکرانا بھول جائے مگر...... مصلحتاً اسے یہ کڑواہٹ اندر ہی اندر انڈیلنی تھی، اگر یہ کڑواہٹ باہر پھیل جاتی تو بہت برا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسے یاد تھا کچھ عرصہ قبل جب وہ ایک ویک اینڈ پر پاپا، مما اور سعد انکل کی فیملی کے ہمراہ ڈنر پر گئی تھی۔ ڈنر کے بعد وہ واک کی خاطر ایک پارک میں گئے تھے، وہاں اسی طرح کے چھچھورے لڑکوں کا گروپ انہیں فالو کرنے لگا تھا۔ اس نے ہریرہ کو بتایا تو دوسرے لمحے وہاں زبردست ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔

ہر دم ہنستے مسکراتے شوخیاں بکھیرتے ہریرہ کا غصہ و جنون اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ تنہا ہی ان پانچ چھ لڑکوں سے بھڑ گیا تھا۔ پپا اور سعد انکل کی مداخلت کے باوجود بھی وہ ان کو لہولہان کر چکا تھا، اگر پپا اور انکل اسے قابو نہ کرتے تو نامعلوم ان کا کیا حشر ہوتا۔ مما نے سمجھایا تھا کہ ایسی باتیں مردوں کو نہیں بتانی چاہئیں۔

تب سے وہ ایسے موقعوں پر بہت احتیاط کرنے لگی تھی، پھر مما کی بات بھی بالکل درست تھی۔ عموماً ایسی جگہوں پر ایسے نوجوانوں سے سابقہ پڑتا رہا تھا اور اس کی بے نیازی اور لاتعلقی نے سب کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، لیکن نامعلوم کیا بات تھی اس شخص کے انداز میں کچھ انہونی تھی۔ اپنے رکھ رکھاؤ ظاہری شخصیت سے وہ کسی بر گر فیملی کا فرد لگ رہا تھا مگر اس کی عامیانہ و گھٹیا حرکات و سکنات سے اس کی ذہنی تنزلی عیاں تھی جو اس کے کردار کے جھول کو بُری طرح عیاں کر رہی تھی۔

''حورین! کیا ہوا؟ آپ بور ہو رہی ہیں؟'' سر آفتاب نے اس کی خاموشی کو محسوس کر کے کہا۔

''نو سر......!'' وہ جبراً مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔

''ہمیں لگ رہا ہے آپ سخت بور ہو رہی ہیں، آپ کی فرینڈز کہاں گئی ہیں؟'' پروفیسر فیضان نے پوچھا۔

''وہ حیدر کے ساتھ چائے پینے گئی ہیں، میرا موڈ نہیں تھا سوچا ان کی واپسی تک آپ لوگوں کی کمپنی جوائن کی جائے''۔

''اوہ......! کیا نام لے ڈالا چائے، واہ کیا بات ہے آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہو، تم ہوا دھیرے دھیرے چل رہی ہو، نگاہوں کے سامنے سمندر کے نیلگوں پانی میں کسی البڑ نا گن کی طرح لہراتی، بل کھاتی لہریں مچل رہی ہوں اور جوتوں سے آزاد پیروں کے نیچے بھیگی ہوئی نرم ریت ہو تو ایسے میں چائے سے انکار کرنا تو سخت بدذوقی ہے۔ کہاں ہیں یہ حیدر اور ذوالنون ہم سے چائے کا نہیں پوچھا جو ایسے آفت موسم میں ایک کے بجائے دس کپ چائے پی جائیں''۔

''او گاڈ! چائے کے لیے کیسی تڑپ اُٹھی ہے آپ کے دل میں''۔ پروفیسر نادر نے ہنستے ہوئے فقرہ کسا تھا۔

''تڑپ کا لفظ بھی خوب کہا تم نے، حقیقت تو یہی ہے کہ میرا پہلا عشق ''چائے'' ہی ہے''۔ وہ خوش دلی سے بولے۔

''لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجئے کہ آخری عشق کس سے ہے؟'' سر آفتاب نے شوخ انداز میں کہا۔

''بھئی! آخری عشق بھی چائے ہی ہے''۔

وہ سب ہنس پڑے تھے، اسی اثنا میں وہ سب بھی وہاں آ گئے تھے، ساتھ ان کے دو ویٹر تھے۔ ایک نے ٹرے میں کپ پکڑے ہوئے تھے، دوسرے نے کنگ سائز تھرموس پکڑا ہوا تھا۔

''وہاں جا کر ذوالنون کو یاد آیا کہ آپ لوگوں سے دریافت نہیں کیا ہے۔ سب کے لیے چائے بنوا کر یہاں لے آیا کہ ساتھ پئیں گے''۔

حیدر نے آتے ہی وضاحت پیش کی تھی۔ سر نادر نے ذوالنون کو شاباش دی، پھر ان سب نے ہی چائے پی۔ حورین نے انکار نہیں کیا۔

پوری دوپہر ان کی پانی سے کھیلتے یا چہل قدمی کرتے گزری تھی۔ اس دوران وہ نوجوان کسی آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگا رہا تھا اور اب جبکہ دوپہر اپنے پر سمیٹ رہی تھی۔ گہرے ابر آلود موسم میں گلابی شام اپنے آنچل میں سرمئی اندھیرے لا رہی تھی۔ ہر سُو ایک غبار آلود سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایسے میں اسے بے نام سی اُداسی جکڑنے لگی۔

''مجھے معلوم تھا میری موجودگی میں آپ انجوائے نہ کر سکیں گی، اسی لیے میں یہاں نہیں آنا چاہتا تھا، لیکن سر آفتاب کب سنتے ہیں''۔ اس کی پریشانی و بدحواسی سے بے خبر ذوالنون اس سے مخاطب ہوا تھا جو اس لڑکے کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی محسوس کر کے ہٹ میں روا وغیرہ سے سر درد کا بہانہ کر کے چلی آئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ اسے پہلے سے ہٹ میں موجود دیکھ کر وہ گڑبڑا کر رُک گئی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے مقابل کھڑا تھا۔

''ایسی ہی بات ہے، سارے دن میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری دیکھی ہے، ہر چیز آپ کے لیے غیر دلچسپ و بورنگ تھی''۔

"وہ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔ حورین سر جھکا کر رہ گئی۔

"اب میں تمہیں کیا بتاؤں؟ یہاں آتے ہی جو بلا میرے پیچھے لگی ہے۔ اس کے خوف نے میری تمام مسرتیں ہڑپ کر لی ہیں"۔

"ضروری نہیں ہے، جس کو آپ درست سمجھ رہے ہو، وہ درست رہی ہو"۔ وہ کہہ کر رُکی نہیں تھی، اندر چلی آئی جہاں ماسیاں سامان سمیٹ رہی تھیں۔ وہ اسے اندر جاتا ہوا دیکھتا رہا، پھر باہر نکل آیا جہاں حیدر کھڑا چند فٹ کے فاصلے پر موجود لڑکوں کو دیکھ رہا تھا۔

"خیریت تو ہے نا! ایسے اِدھر کیوں دیکھ رہے ہو؟"

اس کی نگاہوں کے تعاقب میں نگاہیں دوڑاتا استفسار کرنے لگا۔

"خیریت نہیں لگ رہی ہے"۔

"کیوں؟......کیا بات ہوئی ہے؟" حیدر کو سنجیدہ دیکھ کر وہ حیرانگی سے گویا ہوا۔

"اُن چار لڑکوں کو دیکھ رہے ہو تم؟"

"ہاں......ان کو یہاں آنے کے بعد کئی بار دیکھ چکا ہوں"۔

"یہ ہمارے ساتھ آئی گرلز کو فالو کر رہے ہیں"۔

"وہاٹ! کیا کہہ رہے ہو، اس بات کا احساس ہے تمہیں؟"

یک دم ہی اس کے چہرے پر سرخی چھا گئی، آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

"میں اب سے نہیں کافی وقت سے نوٹ کر رہا ہوں، پہلے مجھے صرف شک تھا مگر اب یقین ہو گیا، یہ لوگ سب کے نہیں صرف ایک لڑکی کے پیچھے ہیں اور سب تو پانی میں ہیں، اندر ابھی حورین گئی ہے اور یہ لوگ بھی یہیں آ کر رُک گئے ہیں۔ بار بار دیکھ رہے ہیں"۔

حورین کے نام پر گویا اس کے رگ و پے میں شرارے دوڑنے لگے۔ آنکھوں میں شعلے دہکنے لگے، اسے ادراک ہوا، حورین کے جس رویے کو وہ خود سے گریز و اجتناب سمجھ رہا تھا، دراصل ٹینشن یہ تھی۔

"اسٹوپڈ! مجھے پہلے انفارم کیوں نہیں کیا تم نے، ان کی سانسیں میں بہت پہلے روک چکا ہوتا، وقت ابھی بھی نہیں گزرا میں ان کو......" وہ بپھرے ہوئے طوفان کی طرح آگے بڑھا تھا۔ حیدر سائے کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔

"ہوش سے کام لو یار!"

"تم مجھے بے غیرتی کا سبق پڑھا رہے ہو، چھوڑ دو مجھے"۔ وہ اس کے بازو جھٹکتا ہوا شدید غصے سے بولا۔

"بات بے غیرتی کی نہیں، خرد کی ہے یار! اس طرح ان سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس پروف ہے، دیکھتے ہیں اب انہوں نے کوئی حرکت کی تو میں خود تمہارے ساتھ ہوں"۔

حیدر اسے سمجھا ہی رہا تھا کہ اندر سے آنے والی ماسی کی طرف بڑھتے ان چاروں کو دیکھ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''چلو! وہ اندر جو لڑکی گئی ہے، اس کا نام کیا ہے؟''

''کون سی لڑکی؟'' ادھیڑ عمر ماسی اس لڑکے سے بولی۔

''وہی لڑکی جس کا چہرہ چاند کی طرح روشن اور پھولوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس لڑکی نے ہمارے دوست معید کو پاگل بنا دیا ہے، تم سے جو بھی پوچھیں وہ بتا دو، ہمارا یار تمہیں مالا مال کر دے گا، یہاں کے بہت بڑے مل اونر کا بیٹا ہے معید''۔

اُس لڑکے کے انداز میں خوشامد و چاپلوسی نمایاں تھی۔

''مجھے نہیں معلوم، تم لوگ جاؤ یہاں سے''۔

''تمہیں معلوم ہے، تم اندر سے آرہی ہو بتاؤ ورنہ.....'' معید نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے پینٹ کی جیب سے پستول نکال کر ماسی کے پہلو سے لگاتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا۔ سب سنتے ہوئے ذوالنون اور حیدر اس کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''بتا..... ورنہ گولی ماردوں گا''۔ اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔

''ماسی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' حیدر وہاں آکر مخاطب ہوا۔

''اے! تم دونوں جاؤ یہاں سے''۔ تین ساتھیوں میں سے ایک چیخا۔

''کیوں یہ تمہاری اسٹیٹ ہے''۔ ذوالنون کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔

''بیٹا! یہ لوگ حورین بی بی کا پوچھ رہے ہیں''۔

ماسی نے جو پستول سے بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی، روتے ہوئے کہا۔ ان دونوں کو دیکھ معید نے پستول واپس جیب میں رکھ لیا تھا۔

''آپ اندر جائیں''۔ ذوالنون نے معید کو خون خوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ماسی تو ایسی بھاگی گویا پھانسی کے پھندے سے رہائی ملی ہو۔

''کیا پرابلم ہے، کیا کرے گا، نام جان کر؟'' وہ معید سے بولا۔

''تجھے جرأت کیسے ہوئی اس کی طرف دیکھنے کی بھی؟'' حیدر نے کہا اور دوسرے لمحے وہاں ایک جنگ چھڑ گئی تھی۔

''حورین بی بی! حورین بی بی!'' ماسی ہانپتی کانپتی اس کے پاس پہنچی اور ساری بات سنا ڈالی وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بہت خطرناک ہیں وہ لوگ، بندوق ہے ان کے پاس''۔

ماسی کے انکشاف نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی، وہ بدحواس سی کھلے دریچے کی طرف بڑھی تھی اور سامنے دل دہلا دینے والا منظر تھا۔ سیدھی نگاہ ذوالنون پر پڑی تھی وہ بڑے جنونی انداز میں اسی خبیث شخص کی مکوں اور لاتوں سے بری طرح تواضع کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے وجیہہ چہرے پر ایسی وحشت تھی کہ وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

حیدر بھی انہیں بری طرح پیٹ رہا تھا، حالانکہ وہ چار تھے مگر وہ ان دونوں کے غصے و جنون کا مقابلہ نہیں کر پا رہے تھے، دراصل جو لوگ غلط کام کرتے ہیں، خراب کردار کے مالک ہوتے ہیں وہ اندر سے بزدل، کم حوصلہ و کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان میں اچھائی سے لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ چاروں جسمانی لحاظ سے ان سے طاقتور ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو زیادہ بچا نہ پا رہے تھے۔ اس نے سر آفتاب کو کال کر کے انفارم کیا، کیونکہ وہ لوگ ہٹ سے کافی دور تھے اور یہاں لوگ بھی موجود نہ تھے، وہ کال کرنے کے بعد باہر آ رہی تھی جب اس نے دیکھا وہ چاروں زخمی ہو کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ذوالنون ان کے پیچھے بھاگا تھا اور حیدر اس کے پیچھے تبھی اچانک معید نامی وہ نوجوان پلٹا تھا اور اس نے بڑی سرعت سے دایاں ہاتھ آگے کر کے ریوالور سے یکے بعد دیگرے کئی فائر کیے۔ نشانہ ذوالنون اور حیدر ہی تھے مگر گولیاں ذوالنون کی طرف بڑھی تھیں۔ خاموش ماحول فائرنگ کی کریہہ آواز سے گونج اٹھا حورین نے ذوالنون کو گولیاں لگنے کے بعد گرتے دیکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے تیز چیخ نکلی تھی۔ وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس کی نظریں ذوالنون پر تھیں جو ریت پر گرا ہوا تھا۔ اس کی وہائٹ ٹی شرٹ تیزی سے خون میں سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ حورین کو لگا فضا میں ہر سُو اندھیرے کی مہیب سیاہ چادر تنتی جا رہی ہے، اسے اسی اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ دل کی دھڑکن جیسے رُکنے لگی تھی۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی اور توازن بگڑنے کے بعد لڑھکتی ہوئی نیچے چلی گئی، اسے پھر ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

''توبہ خدایا! کیا وقت آ گیا ہے پہلے مٹھی بھر روپے لے کر جاتے تھے اور تھیلا بھرا سامان لاتے تھے، اب تھیلا بھر روپے لے کر جاؤ اور مٹھی بھر سامان آتا ہے۔ کوئی شے سستی نہیں ہے۔ گوشت تو تھا ہی مہنگا۔ اب دال سبزی بھی مہنگی ہو گئی ہے۔'' بی بی جان جو ماہانہ گھریلو خریداری کرنے نکلی تھیں، گھر آ کر مہنگائی سے از حد خائف دکھائی دے رہی تھیں۔

''بی بی جان! ہم پر اللہ کی بے حد مہربانی ہے جو ہم افورڈ کر سکتے ہیں۔ دُکھ تو ان غریب و سفید پوش لوگوں کا سوچ کر ہوتا ہے جو نامعلوم کس طرح زندگی کی گاڑی کو گھسیٹنے پر مجبور ہیں''۔

سمیرا بیگم کے لہجے میں افسوس تھا۔

''ایسے لوگوں کے لیے زندگی سزا بن کر رہ گئی ہے، ہر روز اُبھرنے والا سورج پریشانیوں و تفکرات کی تپش لے کر طلوع ہوتا ہے، تنگ دستی کی مار بڑی زبردست ہوتی ہے، یہ وہی جانتا ہے جو سہتا ہے''۔

☆......☆......☆

نظروں سے تیرا چہرہ ہٹتا ہی نہیں
دل سے تیرا عکس مٹتا ہی نہیں
تیری یاد ہے بس میری زندگی
اور یادوں کا سفر رُکتا ہی نہیں

"دادو! گھر میں ڈاکٹروں کی فوج ہونے کے باوجود آپ بیمار رہنا کیوں پسند کرتی ہیں؟ کب سے دیکھ رہی ہوں، آپ کی صحت ڈاؤن ہوتی جا رہی ہے"۔ خنثیٰ نڈھال سی بیٹھی راحیلہ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

"میڈیسن سے باکس بھرے ہوئے ہیں۔ رات دن چیک اپ ہوتے ہیں، جسمانی بیماری ہوتی تو کب کی بھاگ گئی ہوتی، جسم بیمار ہو تو علاج ممکن ہے۔ روح کی بیماری دور کرنا تم لوگوں کا کام نہیں ہے۔ میری روح بیمار ہے اور اس کی بیماری کا ایک ہی علاج ہے، معافی"۔ راحیلہ بیگم کی آنکھوں کے گوشوں سے قطرہ قطرہ گرتے آنسوؤں میں ندامت و پچھتاؤں کے رنگ تھے جو عرصے سے وہ بہا رہی تھی مگر دل کو سکون و چین ملنے کے بجائے گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا جس کو حمزہ کی جدائی نے ناقابلِ فراموش بنا دیا تھا۔

"میرا حمزہ لوٹ آئے، مجھے کرن مل جائے، میں ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگوں گی اور اس وقت تک مانگوں گی جب تک وہ مجھے معاف نہیں کریں گے"۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"دادو! جب بندے صدقِ دل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتے ہیں اور ساتھ ہی پھر کبھی ایسی غلطی نہ کرنے کا عہد بھی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیتے ہیں، آپ کو معاف مل گئی ہوگی"۔ خنثیٰ نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے ان کے آنسو صاف کیے تھے۔

"جس دن حمزہ مل جائے گا اور کرن مجھے معاف کر دے گی، اس دن سمجھوں گی کہ میری نجات کی کچھ سبیل پیدا ہو گئی ہے، اگر ان سے ملے بغیر مرگئی تو میری روح بے چین رہے گی"۔

"دادو! ایسی باتیں مت کریں، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ چاہتی ہیں۔ آپ خوش رہا کریں"۔ خنثیٰ نے ان کا گال چومتے ہوئے کہا، پھر اِدھر اُدھر کی باتوں میں انہیں کسی حد تک بہلا چکی تھی۔

"پیجیے حضور! ٹھنڈا ٹھنڈا مزے دار مینگو شیک"۔ اریبہ ٹرے میں تین گلاس مینگو شیک کے رکھ کر لاتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے بھئی! آج کل بہت کچن میں پائی جاتی ہو، شیف تو بہت خوش ہے، آج کل آدھے سے زیادہ کام نمٹا دیتی ہو اس کے"۔ خنثیٰ نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ آپ تو براہِ راست کزن بھائی کے دل میں جا گھسی ہیں، اس لیے آپ کو کسی محنت و تردد کی ضرورت نہیں ہے، میں اس لیے کوکنگ ایکسپرٹ بن رہی ہوں کہ سنا ہے مرد کے دل کو فتح کرنے سے قبل معدے کو قابو کرنا پڑتا ہے، پھر مہران تو کھانے پینے کے بے حد شوقین ہیں، ان کو قابو میں رکھنا اسی طرح سہل ہوگا"۔

وہ مینگو شیک سپ کرتی ہوئی آرام سے کہہ رہی تھی۔

"اریبہ! میری بیٹی، ایک بات بالکل سچ سچ بتائیں"۔ دادو گلاس سائیڈ پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"جی پوچھیں، میں جھوٹ نہیں بولوں گی"۔

"تم مہران کے رشتے سے خوش ہو؟" دادو کی نگاہیں بہت سنجیدگی سے اس کے چہرے کو تک رہی تھیں۔

"بالکل واہ وا! آپس کی بات ہے، پہلی بار جب میں نے مہران کو دیکھا تھا تو نا معلوم کیوں مجھے احساس ہوا، یہ شخص میرے ہاتھوں کی لکیروں میں ہے اور ایسا ہی مہران بھی کہتے ہیں"۔ ہنستے مسکراتے چہرے پر بلا کی مسرت تھی، وہ دونوں بھی خوش ہو گئیں۔

☆......☆......☆

نا معلوم کتنا وقت گزرا تھا، جب اس کا سویا ہوا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا تھا۔ بیداری کے بعد پہلا احساس اسے شدید تکلیف کا ہوا تھا، سر سے پیر تک درد ہی درد محسوس ہو رہا تھا۔ سر میں درد کے باعث از حد بھاری پن تھا۔

اس کی سماعتوں میں سسکیاں اُبھری تھیں کسی کی...... گھٹی گھٹی، دھیمی دھیمی...... دبی دبی سسکیاں۔ ایک دم ہی اس کے خوابیدہ ذہن کو جھٹکا لگا تھا اور نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا، جب اس نے ذوالنون کو گولیاں لگنے کے بعد گرتے دیکھا تھا، اس کی وائٹ شرٹ خون سے سرخ ہوتی جا رہی تھی۔

"آہ! وہ مر گیا...... وہ مر گیا"۔ وہ آنکھیں بند کیے ہذیانی کیفیت میں چیخ رہی تھی، تب ہی وہاں موجود کرن نے اس پر ہاتھ رکھا تھا۔

"حورین! حور میری جان! آنکھیں کھولیں بیٹا"۔ ماں کی شیریں آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اپنے اردگرد سب کے متفکر چہرے دیکھ کر اس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔

"مما......!" اس کی آواز رندھ گئی۔

"مما کی جان! رو مت، سب ٹھیک ہے"۔ انہوں نے پیشانی چومی۔

"سب اس طرح منہ لٹکا کر کیوں کھڑے ہوئے ہیں، بچی کو ہوش آ گیا ہے، حالت خطرے سے باہر ہے۔ بمیرا، حمیرا کرن کو لے کر گھر جاؤ، وہاں جا کر نہا دھو کر فریش ہو گی، آرام کرے گی تو سکون ملے گا، پچھلے دو دنوں سے پل بھر کو بھی آرام نہیں کیا ہے اس نے، نہ ڈھنگ سے کچھ کھایا پیا ہے میں ہوں یہاں"۔

ڈاکٹر حورین کے ہوش میں آنے کے بعد چیک اَپ کر کے اوکے کی رپورٹ دے کر گیا تھا۔ بی بی جان ڈاکٹر کے جانے کے بعد ان سے مخاطب ہوئیں۔

"بی بی جان! آپ بھی تو ہمارے ساتھ پریشان رہی ہیں، ایسا کریں آپ آرام کریں گھر جا کر میں حور کے پاس رُک جاؤں گی"۔

"حورین کوئی ڈیڑھ دو ماہ کی بچی نہیں ہے جو پریشان کرے گی، پھر لمبے لمبے پرزنسیں آتی جاتی رہتی ہیں، مجھے کوئی بے آرامی نہیں ہو گی، تم جاؤ بلکہ قاریہ کو بھی ساتھ لے جاؤ اور یہ ساری دھما چوکڑی کو بھی اور انس کو ابھی نہیں بتانا"۔

بی بی جان کا ٹھوس و مضبوط انداز کرن کو بھی مزید اصرار نہ کرنے پر پابند کر گیا تھا۔ ان کا دل تو نہ مان رہا تھا، حورین کو چھوڑ کر جانے کو مگر ان کا ٹھہرنا بی بی جان کے خلوص و محبت پر اعتبار نہ کرنے کے منافی ہوتا جو انہیں گوارا نہ تھا، سو وہ دل پر پتھر رکھ کر وہاں سے جانے کو تیار تھیں۔ حورین کی طبیعت بہتر تھی۔ کرن کے بعد حمیرا، بمیرا اور قاریہ نے اسے پیار کیا تھا، تما کز نز اس سے ہاتھ ملا کر چلے گئے تھے۔

بی بی جان نے مومل کو روک لیا تھا۔

سب کے جانے کے بعد پرائیویٹ روم میں سناٹے اُتر آئے تھے۔ بی بی جان نے کینٹین سے چائے اور بسکٹ منگوا کر اپنے ہاتھ سے اسے کھلائے تھے۔

"تم نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی۔ دو دن بعد ہوش میں آئی ہو"۔ بی بی جان نماز عصر ادا کرنے باہر گئیں تو مومل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت بھرے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"مومل! وہ...... کیسا ہے؟"

تنہائی پاتے ہی اس کے دل کی صدا لبوں پر آ گئی تھی مگر جواب میں مومل نے اسے چند لمحے خاموشی سے دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں۔

"مومل! بتاؤ! کیسا ہے وہ؟ ٹھیک تو ہے نا؟"

مومل کی خاموشی اسے وسوسوں میں مبتلا کرنے لگی، وہ گھبرا کر گویا ہوئی تھی۔

"وہ...... ٹھیک ہیں...... بالکل تندرست"۔

"تم...... تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو؟ اسے...... اسے بلٹس لگ کر گرتے میں نے خود دیکھا تھا، اس کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا، وہ ریت پر ہی گر گیا تھا"۔

"ریلیکس یار! تمہاری پیشانی پر گہرا زخم آیا ہے جسم پر بھی گہری چوٹیں آئی ہیں، تم اس طرح موومنٹ کرو"۔

وہ تیزی سے اُٹھ کر بیٹھتی ہوئی حورین کو ہاتھ کے سہارے سے روک کر بولی۔

"ذوالنون بھائی بالکل ٹھیک ہے، ان کو صرف ایک بلٹ چھوتی ہوئی گزری تھی۔ ڈاکٹر نے ان کی ڈریسنگ کر کے اسی وقت ڈسچارج کر دیا تھا۔ اصل پریشانی تمہاری طرف سے تھی تم سیڑھیوں سے بہت خطرناک انداز میں گری تھیں، پھر تمہیں ہوش بھی نہیں آ رہا تھا"۔

مومل اسے تفصیل بتا رہی تھی کہ کس طرح اسے ہاسپٹل لایا گیا، گھر والوں کو اطلاع، اس دوران کیا کیا ہوا۔

مگر وہ کہاں سن رہی تھی۔ اس کے اندر یہ لفظ گونج رہے تھے۔ وہ ٹھیک ہے۔

بس...... وہ یہی تو سننا چاہتی تھی، اس کی سلامتی کی خبر، اس کی زندگی کی خبر، اس کی موجودگی کی خبر۔ دل و دماغ پر چھایا ہوا جانکسل کہر چھٹنے لگا تھا۔ ہر سُو بڑی متوالی سی روشنی تھی۔ فضائیں معطر تھیں، ماحول کیف آور، جہاں ہر طرف پھول ہی پھول تھے، خوشبوئیں ہی خوشبوئیں مہک رہی تھی۔ سبز گھاس پر شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح جگمگا رہے تھے اور وہ ان ٹھنڈے موتیوں پر ننگے پاؤں کسی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دھیمے دھیمے چل رہی تھی، کس کے سنگ تھی وہ؟ کون تھا اس کے ہمراہ؟ اس نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا تھا، اسی دم مومل کی آواز حواسوں میں لے آئی۔

"ہریرہ"۔ مومل نے کہا۔

"ہریرہ؟ کیا ہوا ہریرہ کو؟"

"کیا ہوا نہیں، کیا ہوگا ہریرہ بھائی کا؟"

"جو کہنا ہے وہ کھل کر کہو"۔ وہ خود کو سنبھالتی ہوئی بولی۔

"تم سمجھ رہی ہو جو میں کہنا چاہ رہی ہوں"۔

"اچھا...... سنو۔ کچھ دنوں سے میں ذوالنون بھائی کے چہرے پر بڑے خوب صورت سے رنگ دیکھ رہی ہوں، ان کا انداز لب و لہجے میں آئی تبدیلی کسی نے اس انداز میں محسوس نہیں کی، جس طرح میں محسوس کرتی رہی ہوں"۔ سول کے انداز میں ایسی بات تھی جو اسے بزدل کر گئی۔

"ان کی آنکھوں میں میں نے تمہارا عکس دیکھا ہے"۔ وہ حورین کو دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں گویا ہوئی۔

"سول!" وہ حواس باختہ سی بولی۔

"تم...... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے"۔

"نہیں...... میں یقین سے کہہ رہی ہوں، ذوالنون بھائی تمہیں پسند کرنے لگے ہیں اور شاید تم بھی ان کو پسند کرنے لگی ہو"۔

"یہ...... یہ تم کس بنا پر کہہ سکتی ہو؟" اس سے اسے اپنی آواز خود اجنبی محسوس ہوئی تھی۔

"بے ہوشی کے دوران تم نے انہیں بار بار پکارا تھا"۔

"کسی کو پکارنا محبت نہیں ہوتی"۔

"محبت ہی ہوتی ہے، بے خیالی میں بھی کسی کا خیال مدہوش ہو کر بھی کسی کا ہوش ہونا محبت ہی ہے"۔

سول کا انداز ایسا تھا، گویا کوئی ٹیچر کسی کند ذہن بچے کو سمجھا رہا ہو اور حورین نے بہت چاہا، بے حد کوشش کی کہ وہ سول کی اعتماد و یقین سے کہی گئی باتوں کو رد کر دے، جھٹلا دے، کہہ دے کہ وہ جو سمجھتی ہے، وہ سب جھوٹ بکواس ہے مگر اپنے اندر کی بدلتی کیفیت و جذبات کا کیا کرتی جو سول کی تمام باتوں کی تصدیق کر رہے تھے۔

اسے معلوم بھی نہیں ہوا کہ کب دل نے آنکھیں بدلیں اور کب جذبے منہ زور ہوئے؟ احساسات نے کب دُنیا ہی بدل ڈالی۔

خبر ہونے تک وہ ہر بازی ہارتی چلی گئی تھی۔

"آنکھیں مت چراؤ، سچائی کو فیس کرو، اگر میں غلط کہہ رہی ہوں تو مجھے بتاؤ، میں غلط ہوں، یہ میرا وہم و خوش فہمی ہے، ورنہ اعتراف کر لو جو میں کہہ رہی ہوں، وہ سچ ہے"۔

"پلیز...... مجھے ڈسٹرب مت کرو، میں بے حد ٹینس ہوں"۔ وہ رو دینے کو تھی۔

"تمہاری ٹینشن سمجھ رہی ہوں میں، تب ہی کہہ رہی ہوں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لو، میں کسی کو بتانے والی نہیں ہوں"۔

جواباً وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''درد زیادہ تو نہیں ہو رہا میرے بیٹے؟''

کمرے میں وہ چاروں تھے۔ ذوالنون بیڈ پر نیم دراز تھا۔ قریب ہی اس کے چیئر پر حیدر بیٹھا تھا۔ منال اور فائقہ بیگم بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

''نو مما! میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

''کہاں ٹھیک ہیں، چہرہ دیکھا ہے کس طرح زرد ہو رہا ہے، دو دن ہو گئے ہیں میں نے آپ کو سکون سے سوتے نہیں دیکھا ہے''۔

''آج سکون سے سو جائے گا آنٹی! آپ فکر مت کریں''۔ حیدر نے اسے دیکھتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولا۔

''اچھا...... کیا آج ڈاکٹرز نے میڈیسن چینج کی ہیں؟''

''جی...... کچھ ایسا ہی سمجھ لیجیے''۔

''نانو! اسے عادت ہے بک بک کرنے کی''۔ ذوالنون اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے فائقہ بیگم سے مخاطب ہوا۔

''ارے نہیں، حیدر بہت پیارا بچہ ہے''۔ فائقہ حیدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولیں۔

''تھینکس نانو! ہیرے کی قدر جوہری ہی جانتا ہے بڑی تھوڑی''۔

''اچھا بھئی! آپ لوگوں کی نوک جھونک تو چلتی رہے گی، یہ بتائیں کہ اس لڑکی کا کیا حال ہے جو سیڑھیوں سے گر کر بے ہوش ہو گئی تھی؟''

''ہم پرنس بابا کی طرف سے اتنے پریشان تھے کہ اس لڑکی کا یاد ہی نہ رہا، معلوم کرنا''۔ منال بیگم نے کہا۔

''آج ہوش میں آئی ہیں وہ''۔

''اوہ......! اب کنڈیشن کیسی ہے؟''

''بہت بہتر ہے میں نے کچھ دیر قبل کال کی تھی''۔

''اس کے پیرنٹس کتنے پریشان ہوں گے''۔

''اس کے پپا تو ملک سے باہر گئے ہیں، بزنس وزٹ پر، اس کی مما بے حد پریشان تھیں، بہت رو رہی تھیں کیونکہ ڈاکٹر نے خطرہ ظاہر کر دیا تھا کہ اگر وہ 48 گھنٹے سے قبل ہوش میں نہ آئی تو اس کی زندگی کو خطرہ تھا اور یہ اللہ کا بہت احسان ہے، وہ اب بالکل بخیریت ہے، ورنہ لوگوں کا کیا ہوتا؟''

آخری الفاظ اس نے بہت آہستگی سے کہتے ہوئے ذوالنون کی جانب دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ تھی، جبکہ ذوالنون کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ اس کے انداز پر وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''مما! ہم بھی چلتے ہیں اس لڑکی کی عیادت کو...... کیا نام ہے لڑکی کا؟''

''چھوڑیں مما! کیا کریں گی آپ جا کر''۔ وہ دل کی زیر و زبر ہوتی کیفیت سے گھبرا کر سپاٹ لہجے میں بولا۔

"نہیں نہیں ضرور جائیں آنٹی! ایک تو اس طرح آپس میں دوستیاں بڑھتی ہیں، دوسرے ثواب بھی حاصل ہوتا ہے اور تیسرے......"

"شٹ یور ماؤتھ!" اسے پٹڑی سے اُترتے دیکھ کر وہ غرایا۔

"ارے کیوں غصے ہو رہے ہو، حیدر درست کہہ رہا ہے"۔

حیدر کی شوخیاں اسے پریشانی میں مبتلا کر رہی تھیں، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بے دھیانی میں ایسا کوئی لفظ اس منہ سے نکل جائے جو اس کے جذبوں کو عیاں کر دے۔ جن کو وہ خود سے بھی پوشیدہ رکھتا آیا ہے جن کی تشہیر اس کے دل کو گوارا نہیں۔

"آپ اس کو چھوڑیں، یہ آدم بے زار ہے، دوسروں کو بھی اپنی طرح بنانا چاہتا ہے، حورین سے اور اس کی ممی سے ملیں گی تو آپ کو بے حد خوشی ہو گی...... بلکہ اس کی پوری فیملی بہت نائس ہے"۔

"حورین؟ نام تو کچھ سنا سنا لگ رہا ہے"۔

منال چونک کر گویا ہوئی تھی پھر سوچتے ہوئے بولیں۔

"پرنس! کہیں وہ لڑکی تو نہیں جو ایک بار اپنی کزن کے ساتھ شاپنگ سینٹر میں ملی تھی؟" وہ ذوالنون سے مخاطب ہوئیں۔

"جی مما! وہی ہے"۔ وہ آنکھیں بند کر کے دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"ارے یعنی آپ مل چکی ہیں حورین سے؟" حیدر کی ایکسائیٹمنٹ ذوالنون کو ذرا نہ بھائی۔

"جی...... اتفاقاً ملاقات ہوئی تھی وہ"۔

"پھر بھی آپ کو یاد ہیں وہ"۔

"ہاں...... میں بہت کم ہی کسی سے متاثر ہوتی ہوں، مگر اس لڑکی کی پرسنالٹی میں گفتگو کے انداز میں ایسی تاثیر تھی کہ میں آج تک اسے بھول نہ پائی ہوں، پرنس سے کئی بار کہا میں نے اسے گھر لائے مگر ہر بار یہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیا کرتے تھے"۔

"اب کہیے یہ ہمیشہ کے لیے اسے گھر لے آئے گا"۔ حیدر نے پھر اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"آپ دونوں میں یہ کھسر پھسر کیا چل رہی ہے...... کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو"۔ منال مسکرائی تھی۔

"میں کہہ رہا تھا آنٹی! اتنی دیر سے میں آپ کو کوئی بات بتانا چاہ رہا ہوں مگر کوئی نہ کوئی بات نکل رہی ہے اور میں بھول رہا ہوں"۔

حیدر نے بہت چالاکی سے انہیں موضوع سے ہٹایا۔

"ایسی کیا بات ہے بیٹا؟" وہ متجسس ہوئیں۔

"حورین کی مما اور آپ کا فیس ایک جیسا ہے"۔

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، دُنیا میں ایسے لوگ اکثر ہوتے ہیں جو کوئی تعلق، کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت ملتے ہیں، میں نے بھی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے"۔

"لیکن اتنی مماثلت تو کسی قریبی رشتے میں ہی پائی جاتی ہے آنٹی! وہ آپ کی ڈپلی کیٹ ہیں، معمولی سے فرق کے ساتھ"۔

"اچھا...... یاد آیا حورین کے ساتھ لڑکی تھی وہ بھی یہی کہہ رہی تھی اور آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں، اب تو مجھے دلچسپی ہو گئی ہے۔ میں بھی ملوں گی، کیا نام ہیں ان کا؟" وہ مسکراتی ہوئی پُر اشتیاق انداز میں گویا ہوئیں اور اگلا لمحہ ان کے لیے دھماکہ خیز ثابت ہوا تھا، جب حیدر نے کہا تھا۔

"حورین کی مما کا نام کرن ہے، کرن آنٹی"۔

"اوہ...... کیا کہا؟ کر...... ن؟" وہ سراسیمہ تھیں۔

"جی......" حیدر ان ماں بیٹی کی بدلتی کیفیت دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

"اس کے فادر کا نام؟" فائقہ بیگم نے دریافت کیا۔

"انس......" حیدر کی آواز ان کی سماعتوں میں دھماکوں کی مانند گونج رہی تھی۔

"انس......!"

انس! کی صدائیں در و دیوار سے گونج رہی تھیں۔ ان کے رنگ بدلتے چہروں پر ذوالنون کی متجب نگاہیں مرکوز تھیں۔ اس کے اندر بھی بے چینی و استعجاب کروٹیں لینے لگا تھا۔ حورین کے والدین کا نام سن کر ماں اور نانو کے چہرے و آنکھوں سے ہویدا ہوتے ہوئے تاثرات اسے احساس دلا رہے تھے کہ وہ ان ناموں سے آشنا ہیں مگر ساتھ ہی ان کے انداز میں موجود نفرت و سرد مہری اسے لمحے میں باور کرا گئی کہ یہ شناسائی کسی "قربت" کا نہیں "شدید عداوت" کا باعث ہے، اس کی حالت ابتر ہونے لگی۔

حیدر ملازمہ کے لائے ہوئے لوازمات سے انصاف کرنے میں مگن ہو گیا تھا۔ اس خوف ناک امر سے بے خبر کہ انجانے میں وہ پیٹرول میں آگ چھڑک چکا ہے، جو نہایت ہی تباہ کن ثابت ہو گی۔

منال و فائقہ اتنی آسانی سے اپنے شکار مل جانے پر حیرت و بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں، ساتھ ہی آنکھوں سے ان کی نفرت و انتقام کے شرارے نکل رہے تھے۔

☆......☆......☆

"کیسی ہے میری بیٹی؟ پپا کے جاتے ہی چوٹ لگالی؟" انس صاحب اس کی پیشانی چومتے ہوئے گویا ہوئے۔ وہ پچھلے ہفتے بزنس ٹور پر بنکاک گئے تھے۔ کرن نے انہیں حورین کے حادثے کا نہیں بتایا تھا۔ اول تو وہ خود ہی جانتی تھیں کہ اگر انہیں حورین کے متعلق ذرا بھی بھنک مل گئی تو وہ سب چھوڑ کر پاکستان واپس آ جائیں گے۔ خواہ کتنا بھی نقصان ہو، دوئم بی بی جی کی انس صاحب کی آنے والی ہر کال پر یہی تاکید ہوتی تھی کہ کچھ نہ بتایا جائے کہ وہ پردیس میں تنہا پریشان ہوں گے مگر انس تو وہ باپ تھے جو بچوں کی آواز سے ہی ان کی حالت کا پتا چلا لیتے ہیں اور وہ بھی بتاتے اس کی کیفیت سے بات کے دوران آگاہ ہو گئے تھے۔

پھر پہلی فلائیٹ سے ہی وہ پاکستان آ گئے تھے اور آتے ہی حورین کو کسی کم عمر بچی کی طرح ٹریٹ کیا تھا۔

"میرا پاؤں سلپ ہو گیا تھا پپا!" وہ ان کے سینے سے سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"یہ ملازمین میں بانٹ دیں"۔ انہوں نے کوٹ کی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر قریب کھڑی کرن کی طرف بڑھائی۔

"صدقہ خیرات میں بھی بہت کر چکی ہوں، بی بی جان نے بھی غریبوں میں رقم بانٹی ہے، صدقے کے بکرے دیئے ہیں"۔

کرن ملازمہ کو رقم تھما کر آئی تھی کہ وہ دوسروں کو بھی تقسیم کر دے، اب وہ ان کے قریب بیٹھی گفتگو کر رہی تھیں۔ حورین انس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ حادثہ ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ دن گزر چکے تھے، وہ ٹھیک ہو چکی تھی۔ پیشانی کا زخم بھر گیا تھا، صرف کمزوری باقی تھی، مگر اس کے بدلتے احساسات نے جس کشمکش میں اسے مبتلا کیا تھا، دراصل اسی نے اسے ادھ موا کر ڈالا تھا اور وہ تندرست ہو جانے کے باوجود برسوں کی بیمار و لاغر دکھائی دے رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا...... یہاں مت آئیں، نہ بھیجیں اسے جب سے یہ یہاں آئی ہے، کسی نہ کسی پریشانی و تکلیف میں مبتلا ہو رہی ہے اس شہر نے جب اس کی ماں کو پناہ نہ دی تو بیٹی کو کیسے عافیت دے سکتا ہے۔ آپ ہیں کہ سمجھتے ہی نہیں ہیں"۔

کرن اس وہم کو اپنے دل سے نکال نہ پائی تھیں۔

"ڈیئر! میں ایسی کسی لاجک کو نہیں مانتا، زندگی کی اس کٹھن دوڑ میں کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو بار بار گر کر اُٹھتے ہیں، اگر اس طرح سب توہمات کا شکار ہو جائیں تو زندگی مفلوج ہو جائے"۔

"آپ نے کبھی میری بات کو اس معاملے میں اہمیت نہیں دی ہے"۔

"نہ آئندہ کبھی دوں گا"۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔

"پپا! میں آپ کے لیے کافی بنوا کر لاتی ہوں"۔ حورین بیڈ سے اُترتے ہوئے بولی۔

"آپ ریسٹ کریں بیٹا! ابھی موڈ نہیں ہے"۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے، کرن بھی ساتھ تھیں، وہ اُٹھ کر روم سے باہر نکل آئی۔ باہر ٹیرس پر ہریرہ اس سے ٹکرا گیا۔

"دشمنوں کے مزاج کیسے ہیں؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"مجھے تو اچھے نظر آ رہے ہیں"۔ وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"میں دشمن نہیں ہوں، چاہنے والوں میں سے ہوں"۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے قریب کھڑے ہو کر بولا۔

"میں نے بی بی جی کو راضی کر لیا ہے"۔

"کیوں؟ کس بات کے لیے؟"

"میں نے ان سے کہا، میں ایک لڑکی کا ساتھ چاہتا ہوں، اسے شریکِ سفر بنانے کے لیے آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا"۔

''اچھا......پھر وہ کیا بولیں؟''

وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''وہ کہنے لگیں کہ پہلے اپنے قدموں پر کھڑے ہو، پھر کسی دوسرے بوجھ کو اُٹھانے کی بات کرنا، میں نے کہا بی بی جان، آپ پاؤں پر کھڑا ہونے کی بات کر رہی ہیں، میں آپ کو بھاگ کر دکھا سکتا ہوں، بلکہ رننگ میں تو میں اکثر فرسٹ پرائز لیتا رہا ہوں اور رہی بات بوجھ کی تو پھولوں کا بھی کوئی بوجھ ہوا کرتا ہے''۔

''وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور نا معلوم کیوں حورین کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ لمحے بھر میں وہ پسینے میں شرابور ہوگئی۔

''حورین! کیا ہوا؟ یہ تمہیں اتنے پسینے کیوں آرہے ہیں؟''

ہریرہ کے مسکراتے چہرے پر یک دم پریشانی پھیل گئی۔اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے چیئر پر بٹھایا تھا۔

''آئی ایم رائٹ، تم پریشان مت ہو''۔وہ اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا کر آہستگی سے کہنے لگی۔ہریرہ خاموشی سے سامنے چیئر پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''توقف کے بعد اس نے کہا۔

''دیکھ رہا ہوں، تم کچھ دنوں سے بہت اجنبی سی لگ رہی ہو، ایسا لگ رہا ہے کہ ہمارے درمیان بہت سارا فاصلہ سمٹ آیا ہے۔تم مجھے خود سے بہت دور محسوس ہو رہی ہو''۔ہریرہ نے حقیقت بیان کی تھی۔

حورین اسے کیا بتاتی کہ وہ تو خود کو فضاؤں میں معلق محسوس کر رہی ہے۔دل نے چلن ہی ایسا بدلا کہ وہ خود کی نہ رہی، کسی اور کی کیا ہوتی، اسی جذباتی کشمکش نے اسے ہراساں کیا ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، نہ معلوم تمہیں کیوں لگ رہا ہے''۔

''کاش! ایسا ہی ہو، میں تمہیں کھو کر جی نہ پاؤں گا یار! کوئی کچھ بھی کہے مگر تم کبھی بے وفائی مت کرنا''۔

''تم مجھے آخری سانس تک باوفا پاؤ گے ہریرہ''۔

ہردم ہنستے مسکراتے ہریرہ کا یہ روپ اسے مضطرب کر گیا تھا۔

''کس کی آخری سانس تک؟ تمہارے یا میرے؟''

وہ اپنے موڈ میں آتے ہوئے ہنس کر بولا تو حورین نے بھی مسکراتے ہوئے اس کے مکا مارا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی! ڈیڈی تو یہاں آنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں۔کتنے ماہ ہوگئے ہیں انہیں گئے ہوئے، جب بھی کال کرو، کسی دوسرے کنٹری میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں''۔منال راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے ان سے مخاطب تھیں جو تھمر سے کو نکس صاف کر رہی تھیں۔

"پھنسے ہوئے ہوں گے، کسی سنہری بالوں والی چڑیل کی زلفوں میں"۔

"اوگاڈ......مما! آپ بھی اس ایج میں ڈیڈی پر شک کرتی ہیں"۔

"یہ عمر ہی زیادہ خراب ہوتی ہے، جس طرح بجھتا ہوا چراغ زیادہ پھڑ پھڑاتا ہے، اسی طرح جاتی جوانی بھی......"

فائقہ بیگم کی زبان ہمیشہ سے بے باک تھی۔ منال قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

"ممی! آپ بھی جو منہ میں آتا ہے، بول دیتی ہیں"۔

"لیکن سچ بولتی ہوں"۔ وہ بیٹی کے ہشاش بشاش چہرے کی جانب محبت سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"پھر کب پلاننگ اسٹارٹ کر رہی ہیں۔ دو ہفتے ہو چکے ہیں، تمام معلومات حاصل کیے ہوئے۔ مجھ سے مزید صبر نہ ہو سکے گا"۔

"آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا، بہت جلد میں اپنی سوچی ہوئی پلاننگ شروع کرنے والی ہوں، اب تو پرنس پوری طرح میری مٹھی میں ہے کیونکہ میں نے اس کی دادو، چچا وغیرہ کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کر کے اور ان سے اچھا برتاؤ کر کے جو کچھ کسر رہ گئی تھی، وہ بھی پوری کر دی ہے اور تو اور اس کی دادو سے اپنے رویئے کی معافی مانگ کر اس کے دل سے ہر گرہ کھول دی ہے۔ کل کے ڈنر کے بعد سے وہ بے حد خوش ہے، اب میرے لیے تمام راستہ کلیئر ہے"۔

منال اپنی پلاننگ کے مطابق کام کا آغاز کر چکی تھیں۔ ایک ہفتہ ان کا شادی مرگ جیسی کیفیت میں گزرا تھا۔

انہیں یقین ہی نہ تھا کہ وہ اس طرح گھر بیٹھے اپنے دشمنوں کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گی۔

ذوالنون کا زخم ان کے لیے مرہم ثابت ہوا تھا، برسوں سے جھلستے من کو اب طمانیت نصیب ہونے والی تھی۔

"ممی! آپ سے زیادہ مجھے ان لمحوں کا انتظار ہے، جب اپنے دشمنوں کو میں اپنی نظروں کے سامنے ذلیل وخوار دیکھوں گی"۔

"میں کہتی ہوں وقت ضائع کیے بغیر کام شروع کر دیں، مجھے وقت پر بھروسہ نہیں رہا ہے، یہ کبھی بھی چکنی مچھلی کی طرح ہاتھوں سے پھسل سکتا ہے"۔

☆......☆......☆

بلیو کلر کے شلوار سوٹ میں اس کی شفاف رنگت دمک رہی تھی۔ شرٹ پر وائٹ لیس سے ڈیزائننگ کی گئی تھی جس میں موتی لٹک رہے تھے، ساتھ وائٹ دوپٹہ تھا جس پر بلیو موتیوں کی لیس لگی ہوئی تھی، کانوں میں میچنگ کی جیولری تھی، بائیں ہاتھ میں رسٹ واچ اور دائیں ہاتھ میں بریسلٹ تھی، چہرہ سادہ تھا، گولڈن براؤن بال آبشار کی طرح پشت پر پھیلے تھے۔ وہ پرس ہاتھ میں پکڑے حیدر کے ہمراہ ہال میں داخل ہوئی تھی۔ معطر ہال میں تمام ٹیبلز بک تھیں۔ کارنر کی ٹیبل پر ریزروڈ کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی، وہ اس کی جانب بڑھ گئے تھے۔

"حیدر! یہاں تو صرف دو چیئرز ہیں، تم نے کہا تھا، سر نے سب کو انوائیٹ کیا ہے، یہاں نہ چیئرز ہیں، نہ باقی لوگ؟" وہ حیرانگی سے حیدر سے مخاطب ہوئی تھی۔

"آپ کیا پئیں گی...... کیا منگواؤں؟" حیدر نے اس طرح پوز کیا جیسے ایک لفظ نہ سنا ہو۔

"آپ خاموش کیوں ہیں؟ کیا لیں گی؟ کولڈ ڈرنک؟ لیمن جوس؟ اورنج جوس؟ یا کافی؟"

"کچھ بھی نہیں"۔ حیدر کے انداز پر اس کی حس بیدار ہونے لگی تھی، آج اس کا فون آیا تھا کہ سر آفتاب انہیں پارٹی دے رہے ہیں جس میں بہت کم افراد مدعو ہیں۔ ان پانچوں کے گروپ میں صرف حورین کو انوائیٹ کیا ہے۔ اتفاق ہی تھا کہ مول، زویا اپنی خالہ کے ہاں چند دنوں کے لیے رُکنے گئی ہوئی تھیں، ورنہ وہ تنہا کبھی نہ آتی، حیدر نے بھی مما سے اجازت لی تھی اور اپنے ہمراہ لایا تھا۔

"کچھ بھی نہیں...... یہ کس ڈرنک کا نام ہے؟"

"اور لوگ کہاں ہیں؟" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی بیک سائیڈ سے ذوالنون آتا ہوا دکھائی دیا تھا اور چند لمحوں میں وہ قریب پہنچ گیا تھا۔

"لیجئے آ گئے باقی لوگ!" ذوالنون کو دیکھ کر وہ اطمینان سے بولا، جبکہ وہ اس لمحے بالکل ہی شاکڈ رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم!" وہ آ کر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"تھینکس یار! تم نے بڑی پرابلم سولو کر دی ہے"۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے حیدر سے ممنونیت سے گویا ہوا۔

"یہ میری دوستی کا تقاضہ تھا جو میں نے پورا کیا مگر یاد رکھنا تمہاری خاطر میں نے حورین سے چیٹنگ کی ہے ضرور مگر...... تم سے قبل یہ میری بہن ہیں، تم ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے ان کی دل آزاری ہو، ورنہ میں خود کو معاف نہ کر سکوں گا"۔

حیدر اس سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ حورین نے بھی اُٹھنا چاہا تھا، اسی لمحے اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پلیز میں زیادہ وقت نہیں لوں گا آپ کا...... آئم سوسوری"۔

"سوری! سوری فار وہاٹ؟"

اُس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتی وہ غصے سے بولی۔

"آپ سے سر کے نام پر جھوٹ کہلوایا...... یہ غلط حرکت ہے نا"۔

"جب آپ غلط کو غلط سمجھتے ہیں تو پھر اس حرکت کا مطلب؟"

جواب میں وہ خاموش رہا تھا۔ حورین نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ بلیک جینز وگرے ٹی شرٹ میں اس کے وجیہہ چہرے پر بڑی گھمبیری اُداسی تھی، ایک بے کل کر دینے والی سنجیدگی۔

اُداسی کے بھی گہرے رنگ اسے آج کل اپنی ذات کا حصار کیے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

اس کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں، دل بے ہنگم دھڑک رہا تھا۔ احساسات کی عجیب سی یورش تھی جو اس پر ہوئی تھی۔

"میں آپ کو دیکھنا چاہتا تھا، حیدر کہہ رہا تھا بہت زخمی ہو گئی تھیں آپ، ہسپتال تو میں نہیں آسکا تھا، مما نے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی

تھی، کئی بار سوچا آپ کو کال کروں، خیریت معلوم کروں، مگر پھر مجھے مناسب فیل نہیں ہوا"۔

بہت دھیمے لہجے میں وہ بات کر رہا تھا، گویا جیسے اس کے سامنے کوئی بہت معزز ہستی بیٹھی ہو، جس کو نگاہ اُٹھا کر دیکھنا جرم ہو۔ اس کی نگاہوں کا احترام، اس کے لہجے کی نرمی و مٹھاس، اس کے انداز کی شگفتگی۔ محبت چٹانوں کو بھی موم کر دیتی ہے۔

"مناسب تو مجھے اس طرح بلانا بھی نہیں ہے، لڑکیاں ماں باپ کا فخر و مان ہوتی ہیں، ہم لڑکیاں جب گھر سے قدم باہر نکالتی ہیں تو ہمارے ساتھ ہر قدم پر ان کی اعتماد کی زمین ہوتی ہے، جہاں معمولی سی بھی لغزش قدم تو ڈگمگائے گی ہی، ساتھ ہی ان کے یقین و اعتماد کو بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار بنا دے گی"۔

"رئیلی سوری، مجھے معلوم نہ تھا آپ اتنا ہرٹ ہوں گی، دراصل حیدر نے مجھے کہا کہ میں اس طرح......"

ذوالنون نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر حیدر کی بات مان تو لی تھی مگر اب حورین کی خفگی اور اس کا ضمیر بھی اسے ملامت کر رہے تھے کہ یہ حرکت اس کی بالکل غیر مناسب ہے۔

"آپ کی چوٹ کیسی ہے؟ بہت بلیڈنگ ہوئی تھی"۔

اسے مسلسل خفت و پشیمانی میں مبتلا دیکھ کر اس نے اپنا رویہ کچھ نرم کیا تھا۔ اس کا رویہ ذوالنون کو کچھ ریلیکس کر گیا تھا۔

"میں ایک ہفتے میں ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ فکر تو مجھے آپ کی تھی، آپ بہت بلندی سے گری تھیں"۔

"نا معلوم کس طرح میرا پاؤں سلپ ہو گیا تھا"۔

"وہ میری لائف کا بہت بُرا دن ہے جسے میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گا"۔ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی چھانے لگی تھی۔

"آپ زخمی ہوئے تھے اس لیے؟"

"نہیں...... وہ مردار میرے ہاتھوں سے زندہ چلے گئے اس لیے"۔ اس کے لہجے میں وحشت اتر آئی تھی۔

"ایسے لوگ تو ہماری سوسائٹی میں بھرے پڑے ہیں، آپ کس کس کو ماریں گے؟ آپ کی سوچ غلط ہے"۔

"آپ کچھ بھی کہیں، میں اپنے موقف پر قائم رہوں گا، اینی وے، کیا لیں گی آپ؟" وہ ویٹر کو اشارہ کرتا ہوا اس سے بولا۔

"میں جا رہی ہوں"۔

"حیدر کو میں نے آدھے گھنٹے کا وقت دیا ہے، وہ آپ کو پک کرے گا، کافی منگوا لیتا ہوں"۔ اس کی دلکش بھاری آواز میں اصرار کا عجیب رنگ تھا، وہ مزید انکار نہ کر سکی۔

کافی آنے تک ان کے درمیان خاموشی رہی تھی۔ ایسی خاموشی جہاں زبانیں خاموش رہتی ہیں، دھڑکنیں گفتگو کرتی ہیں۔ نگاہیں بولتی ہیں۔ احساسات گنگناتے ہیں۔ کافی بھی اسی خاموشی میں ہی پی گئی تھی۔

دونوں کے پاس لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔

"میں اپنی مما کو آپ کی مما کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں"۔

توقف کے بعد وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

پہلے سے ہی بے ترتیب دھڑکنیں مزید بے قابو ہونے لگی تھیں۔ اس کی پُرشوق نظروں کی حدت وہ اپنے چہرے پر ہی محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ بے حد گہری نگاہوں سے ٹھنڈے موسم میں بھی وہ چہرے پر پسینہ محسوس کرنے لگی تھی۔

"آپ سمجھ رہی ہیں نا! میں مما کو کیوں بھیجنا چاہتا ہوں"۔

وہ اس کی گھبراہٹ سے پورا لطف اُٹھا رہا تھا۔

"اب یہ مت کہہ دیجئے گا کہ آئی ڈونٹ نو"۔

"پلیز...... حیدر کو کال کریں، میں جانا چاہتی ہوں"۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ خرد کی دنیا میں لوٹی تھی۔

"یہ بات کا جواب نہیں ہے"۔ وہ بولا

"میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتی"۔

قبل اس کے کہ ذوالنون کوئی جواب دیتا، منال بیگم اور فائقہ بیگم ہال میں داخل ہوئیں، پھر مسکراتی ہوئی اس طرف آئی تھیں۔

"مما! نانو!" وہ انہیں دیکھ کر بوکھلا کر کھڑا ہوا تھا، جبکہ ان دونوں کی نگاہیں پزل ہوتی حورین پر جمی تھیں۔

......❀......

دھک، دھک، دھک...... دھک......

اس کے دل کی دھڑکنیں معمول سے بڑھ گئی تھیں۔ لمحے بھر کو اس کو پورا ہال گھومتا محسوس ہوا تھا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ اس نے چوری نہیں کی تھی مگر خود کو کسی چور کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ اس کی بے ساختہ نگاہیں منال کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔

"اُف......"

وہ نگاہیں تھیں یا دو شعلوں سے دہکتے ہوئے الاؤ...... یا کسی زہریلی ناگن کے زہر میں ڈوبے ہوئے دو پھن...... عجیب وحشت و دہشت اس کی رگ و پے میں سرایت کرتی چلی گئی اور اس لمحے اس کے دل نے انہونی خواہش کی کہ...... کاش! کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے...... یہ ایک خواب ہو...... ایک ناخوشگوار خواب، جو بیداری کے بعد اسے شانت کر دے لیکن جس طرح خواب حقیقت کا روپ اختیار نہیں کر سکتے، اسی طرح حقیقت بھی خواب کی کینچلی نہیں بدل سکتی، پھر سوچیں کب مکمل ہوتی ہیں۔

"نانو، مما پلیز! آپ لوگ بیٹھیں ناں"۔ پل بھر میں اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا کر کہا۔

"تھینکس۔ سیکنڈ فلور پر ہال میں ہماری پارٹی ہے، ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ہم پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں"۔ منال نے کہہ

کر مسکراتے ہوئے بری طرح پزل ہوتی حورین کی طرف ہاتھ بڑھایا، مصافحہ کے لیے۔ ان دونوں کو کھڑے دیکھ کر احتراماً وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ منال نے نہ صرف ان سے مصافحہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر سینے سے لگا کر اس کی پیشانی بھی چومی تھی۔

"آئی ایم سوری، میں آپ کے پاس ہاسپٹل نہ آسکی، ایکچوئیلی ان دنوں پرنس بھی کافی انجرڈ تھے۔ اس کے باعث نہ دل کہیں آنے جانے کو چاہ رہا تھا، نہ میں نے پرنس کو گھر سے نکلنے دیا، پھر ایسی سچوایشن میں ریلیٹیوز کا بھی آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ایسے میں اچھا فیل نہیں ہوتا، گھر سے نکلنا"۔ وہ بہت اپنائیت سے اس کا سرد پڑتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے گفتگو کر رہی تھیں۔ اس وقت ذوالنون کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔

وہ از حد دلکش انداز سے اس کی جانب کن اکھیوں سے دیکھ رہا تھا جو مما کی محبت سے خاصی نروس ہو رہی تھی اور اس سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑی فائقہ بیگم کی جہاندیدہ نگاہیں بڑے زیرک انداز میں اس کا جائزہ لے رہی تھیں اور ان کے اندر انتقام و نفرت کے الاؤ کے مزید شعلے بلند ہو رہے تھے۔ ذوالنون کے بدلتے مزاج و انداز نرمی و حلاوت کا سبب یہ "لڑکی ہوگی؟" وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں یہ لڑکی جو ان کے دشمنوں کی بیٹی تھی۔

بھلا کس طرح اسے وہ مقام...... وہ عزت دے سکتی تھیں جو پرنس کی لائف پارٹنر کے لیے ان کے دل میں تھا۔

منال کے بعد وہ خود بڑے تپاک و خلوص سے حورین سے ملی تھیں۔ منافقت و سفاکیت ان کے اندر اس حد تک پھیل چکی تھی کہ وہ سادہ مزاج ایک حد تک اکھڑ و صاف گو ذوالنون بھی ان کی اندرونی جاہ کن خواہشات کی پرچھائیاں بھی محسوس نہ کر سکا تھا کہ وہ تو اس وقت دل کی اوّلین مسرت آمیز دھڑکنوں کی صدائیں سن رہا تھا۔ محبت کی بھرپور روشنیاں اس کی گہری آنکھوں میں جگمگا رہی تھیں۔

حورین منال اور فائقہ کے اس والہانہ محبت بھرے انداز و خلوص سے بے حد متاثر ہوئی۔ چند لمحے قبل آنے والے خیالات کو اس نے رد کر دیا تھا۔

"ارے آپ لوگ بیٹھیں، ہم لیٹ ہونے کی وجہ سے جا رہے ہیں۔ اب تو ویسے بھی ملاقات ہوتی رہے گی"۔ منال نے شوخ نظروں سے بیٹے کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر ملوا رہے ہیں جلد...... حورین کے پیرنٹس سے؟" فائقہ بیگم کے انداز میں بھی ذومعنی شرارت سی تھی۔

"آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے"۔ اس کا انداز بھی شوخ تھا۔

"ہماری ساری دُعائیں آپ کے لیے ہی ہیں...... بلکہ اس لڑکی کو دعاؤں کی اشد ضرورت ہے"۔ آخری الفاظ وہ دل میں کہہ اُٹھی تھیں۔ چند منٹ مزید وہ پیار و محبت کے پھول نچھاور کر کے وہاں سے آگے بڑھ گئی تھیں۔ ان کے جاتے ہی حورین نے بھی قدم آگے بڑھائے تھے۔

"جا رہی ہیں؟" وہ دھیمے انداز میں گویا ہوا۔

"جی"۔ اس نے اسی طرح رُخ پھیرے پھیرے ہی جواب دیا تھا۔

"جو میرا سوال تھا وہ مما اور نانو کا بھی، کیا جواب ہے آپ کا......؟" ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ واپسی کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے ذوالنون نے کہا مگر وہ جواباً خاموش رہی تھی۔ پارکنگ لاٹ تک جاتے جاتے اس کی خاموشی برقرار رہی تھی۔ کار میں بیٹھنے سے قبل وہ جھکی نگاہوں سے بولی۔

"آپ کے اس سوال کا جواب نہ ہے اور نہ کبھی میرے پاس ہوگا"۔

☆......☆......☆

اس قدر لفظ کسے یاد رہیں

زندگی، زخم، سہارا اور تم

تم، وفا، خواب، پریشانی، فراق

یاد، مجبوری، تمنا اور تم

بھوک، فٹ پاتھ، سڑک، کچے رستے

اس قدر لفظ کسے یاد رہیں

بس تمہیں یاد رکھا ہے دل نے

غیر واضح ہے سفر

پھر بھی ضروری ہے رکے جائیں قدم صاف شفاف

کوئی تو راہ سلامت ہوگی

جو تیری یاد سے ہوتی ہوئی آبادی تلک جائے گی

ایسی آبادی تلک جس میں کسی لفظ کا مفہوم

کسی خوف، کسی دھوکے

کسی ہجر سے وابستہ نہیں ہوگا کہیں

ایسی آبادی تلک

حافظہ جس میں کسی لفظ سے کترانا نہیں چاہے گا

منال بیگم اور فائقہ بیگم محض وقت گزاری کے لیے پارٹی میں شریک ہونے آئی تھیں اور یہ اتفاق تھا یا ان کی خوش قسمتی کہ وہ ان سے ٹکرا گئی تھیں۔ پہلی نظر میں تو انہیں اپنی بصارت پر دھوکے کا گمان ہوا تھا، جب انہوں نے ذوالنون کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا پھر

قریب پہنچے پر تو انہیں ایسا سرپرائز ملا تھا جو ان کی زندگی کی تمام تلخیاں وقتی طور پر بھلانے میں معاون تھا۔

پارٹی میں دونوں ماں بیٹی بے دلی سے شریک رہیں۔ چھوڑ کر اس لیے نہ آئیں کہ پارٹی کے اونر ملک کی مایہ ناز شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں ویسے بھی خبط تھا ایسے لوگوں سے تعلقات استوار رکھنے کا، سو پارٹی سے واپسی پر راستہ ڈرائیور کی موجودگی کے خیال سے خاموشی سے طے کیا۔ گھر آ کر بھی کپڑے بدلنے، جیولری و میک اپ وغیرہ سے نجات پانے میں بہت کم وقت صرف کیا۔

"اوہ۔ مما! شی از ویری کوئیک۔ اتنی جلدی آپ نے چینج کر لیا...... زندگی میں فرسٹ ٹائم آپ کو اتنا فاسٹ دیکھا ہے"۔ منال بالوں میں برش کرتی ہوئی فائقہ بیگم کو چھیڑتے ہوئے گویا ہوئی جو ڈھیلے ڈھالے نائٹ ڈریس میں کافی عجلت بھرے انداز میں اندر داخل ہوئی تھیں۔

"ڈیئر! کنڈیشن جو اندر ہے وہ بتائی نہیں جا سکتی"۔ وہ گیٹ لاک کر کے صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھی تھیں اور کئی کشنز پشت کی جانب لگانے کے بعد ایک گود میں رکھ کر آرام دہ حالت میں بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"کیسی بور پارٹی گزری ہے آج......؟ لگ رہا تھا، وقت رک گیا ہے یا زندگی گزر جائے گی اور یہ پارٹی ختم نہیں ہو گی"۔

"مسز رگون والا کا وہ جیولری سیٹ بھی اچھی طرح نہ دیکھا جو وہ کہہ رہی تھی کہ بلیک ڈائمنڈ کی بہت ڈیمانڈ ہے"۔

"دفع کریں وہ بھی کوئی عورت ہے اس قدر رفتار سے بولتی ہے کہ کوئی پکڑ ہی نہیں سکتا۔ تم یہ بتاؤ یہ کیا اُلٹا چکر چل رہا ہے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا کہ ہمارا پرنس کسی لڑکی کے ساتھ ہوٹلنگ کر سکتا ہے......"

"مجھے بھی شاک لگا تھا آپ کی طرح اور یہی دیکھنے کے لیے تو میں آگے بڑھی تھی۔ وہ پرنس ہی تھا"۔ وہ مسکرائی تھیں۔

"تب ہی سے میرے پیٹ میں مروڑ اُٹھ رہی ہے۔ مجھے فیل ہو رہا ہے جو ہم چاہتے ہیں وہ شاید نہ ہو کہ......"

"وہاٹ......مما......؟" وہ برش رکھ کر ان کے مقابل بیٹھ گئیں۔

"پرنس کی آنکھوں میں جو میں نے عشق کی سلگتی ہوئی چنگاریاں دیکھی ہیں، وہ ہمارے انتقام کے لیے رکاوٹ ثابت ہوں گی۔ پرنس اس لڑکی سے محبت کرنے لگا ہے اور محبت تو جنگل میں لگی آگ کی طرح ہوتی ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ سب کو جلا کر خاک کر دیتی ہے"۔

"اس کی محبت اور میری نفرت دونوں مل کر کیسا رنگ جمائیں گی...... یہ دیکھیے گا آپ"۔ ان کی آنکھوں میں عجب سی وحشت تھی۔

فائقہ بیگم نے ان کی جانب استہزائیہ انداز میں دیکھا اور گویا ہوئیں۔

"مجھے یہ بازی مات ہوتی صاف دکھائی دے رہی ہے"۔

"کیوں مما......؟ آپ گیم اسٹارٹ ہونے سے قبل ہی سرینڈر کر رہی ہیں۔ پرنس تو میرا وہ ہتھیار ہے جس سے مجھے یہ بازی جیتنی ہے"۔

"اس ہتھیار کو استعمال سے قبل ہی "محبت کی دیمک" لگی ہے"۔

"نہیں مما! میری نفرت میں اس قدر طاقت ہے کہ اس کی نوزائیدہ محبت کو اس طرح غائب کرے گی کہ ڈھونڈے سے بھی اس کا پتہ نہ ملے گا۔ میری ایک عمر کی حسرت اس طرح روتی ہوئی آرزو میں نہیں بدل سکتی، خواہ کچھ بھی ہو، کامیابی میری ہے"۔

☆......☆......☆

"بی بی جان! آپ کچھ کہہ رہی تھیں، میں جلدی جلدی نماز پڑھ کر آئی ہوں"۔ ہیلا کچھ پریشان سی اندر آ کر گویا ہوئی۔

"موسم اچھا ہو رہا ہے۔ میں نے سوچا چائے کے ساتھ پکوڑے بھی کھائیں گے اور املی کی چٹنی بھی ہو تو لطف آ جائے گا"۔

خلاف توقع آج بی بی جان کا موڈ بہت بہتر تھا۔ ہیلا کی منتشر سانسیں اعتدال پر آنے لگی تھیں۔ کچھ دیر قبل جب وہ نماز پڑھنے کھڑی ہوئی تھی تو یہ دیکھ نہ سکی کہ بی بی جان بھی وہاں موجود ہیں اور وہ بھی اپنی جانب متوجہ پا کر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی اور جو رہی سہی کسر باقی تھی وہ ان کے حکم نے پوری کر دی کہ نماز پڑھ کر میرے کمرے میں آؤ۔ اب ان کا اچھا موڈ اسے حیران کر گیا۔ شام کی چائے پر موسم کی مناسبت سے انتظام تھا۔ وہ سب ہی سیاہ بادلوں سے گھرے خوب صورت موسم کا مزہ لے رہی تھیں۔ ہوائیں ٹھنڈی تھیں۔ ماحول پر چھایا خواب ناک اندھیرا بڑا سحر انگیز لگ رہا تھا۔

"حورین! کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... کچھ لے کیوں نہیں رہیں؟" بی بی جان خاموشی سے چائے پیتی حورین سے گویا ہوئیں۔

"طبیعت ٹھیک ہے بی بی جان، یہ سب کچھ کھایا ہے میں نے"۔

"آپ نے سموسہ بھی پورا نہیں کھایا ہے اور کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ آپ روز بروز اپنی ڈائٹ کے معاملے میں لاپرواہ ہوتی جا رہی ہیں"۔ قاریہ نے نرمی سے کہا۔

"اگر یہی آپ کی ڈائیٹ رہی تو لگتا ہے چند دنوں بعد آپ کو خوردبین سے دیکھنا پڑے گا"۔ حمیرا بیگم کے کہنے پر سب کے لب مسکرا اٹھے تھے۔ حورین بھی ہنس پڑی تھی۔

"ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا آنٹی"۔

"کرن نے جس دن آپ کی کیئر کرنی چھوڑ دی تو اسی دن آئے گا، بالکل بے بیز کی طرح کیئر کرتی ہیں آپ کی"۔ حمیرا بیگم نے کرن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو بیٹی کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اب تو میں چھوڑ رہی ہوں مگر رات کو کھانے پر آپ میرے ساتھ ہوں گی۔ میرے ساتھ والی چیئر پر بیٹھیں گی۔ اپنی نگرانی میں میں آپ کو کھانا کھانے دوں گی۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے ہماری اس نئی پود کو ہر کام میں شارٹ کٹ کی عادی ہو گئی ہیں اور ہاں سب بچیاں نماز میرے ساتھ پڑھیں گی"۔

بی بی جان کے انداز میں موجود مخصوص سختی وکھر درا پن مفقود تھا۔

"مجھے بچپن سے آج تک ایسے لوگوں سے بڑی اجنبیت و گھٹن محسوس ہوتی ہے جو مذہب کا پرچار تو کرتے ہیں مگر ان کے انداز میں حلاوت و شیرینی کی جگہ ایک ایسی سخت مہری و بے زخی ہوتی ہے جو کم از کم ایک سچے مسلمان کے لہجے میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ ہمارا دین تو عاجزی اخوت کا درس دیتا ہے۔ اخلاق و مروت کو مربوط کرتا ہے مگر افسوس ہوتا ہے جب ہم ایسے لوگوں کو شہد کی جگہ پتھر کی زبان بولتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بچیوں کو نماز کا میں نے اس لیے کہا ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں نمازوں کو بھی ان لوگوں نے روزمرہ کے عام کاموں کی طرح سمجھ لیا ہے، جو جھٹ پٹ رکوع پر رکوع اور سجدے پر سجدہ کر کے جلد از جلد فارغ ہو جایا جاتا ہے"۔

بات سچ تھی۔ لڑکیوں کی نگاہیں جھک گئی تھیں اور ہما جو مول سے چھوٹی اور بی اے فائنل کی اسٹوڈنٹ تھی، شرمندہ ہو گئی۔

نماز تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے، آج ہماری نمازیں روح سے خالی ہیں۔ ہم میں سے کتنے افراد ہیں جو نماز کو نماز کی طرح پڑھتے ہیں؟ اس کے الفاظ و کلمات کے معنی و مفہوم سے آشنا ہیں؟ کتنے نماز کے اہم ترین مقصد سے آگاہ ہیں کہ ان کی نماز انہیں بدی و بے حیائی سے روکتی ہے۔ درحقیقت آج ہمارے سجدے کوے کی ٹھونگیوں سے مشابہ ہیں۔ ہماری نمازیں ایسی ہیں جیسے کوئی پھول ہو۔

خوشبو سے محروم......

کوئی قالب ہو بغیر روح کے......

کوئی درخت ہو بغیر ثمر کے......

ہمارے پاس فالتو کاموں کے لیے وقت ہی وقت ہے۔ شاپنگ سینٹرز میں ٹائم کی کمی کا احساس نہیں ہوتا، پالرز میں ہم گھنٹوں یوں ہی وقت صرف کر کے آ جاتے ہیں، کبھی ملال نہیں ہوتا پھر عبادت میں کیوں نفس کو حاوی ہونے دیتے ہیں؟

☆......☆......☆

"مس حورین! پلیز صرف چند منٹ چاہئیں"۔ حیدر اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ وہ لائبریری سے نکل رہی تھی۔

"کیوں؟" وہ خاصے بگڑے انداز میں مخاطب ہوئی تھی۔

"اب کس طرح بے وقوف بنانا چاہتے ہیں؟ کوئی نیا پلان لے کر آئے ہوں گے کیونکہ آپ کو اپنی دوستی بہت عزیز ہے۔ آپ اپنے چہیتے فرینڈ کی خاطر کوئی بھی غیر اخلاقی حرکت کر سکتے ہیں، جس کا آپ کو ملال تک نہ ہوگا کہ آپ کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے کسی کا فیوچر کس طرح تباہ ہو سکتا ہے، کسی کی پرسنیلٹی مٹی میں مل سکتی ہے"۔ وہ سخت انداز میں بولتی چلی گئی۔

"میں تہہ دل سے شرمندہ ہوں آپ ہرٹ ہوئیں۔ آپ نے برا فیل کیا مگر یقین کریں میرا اذوالنون کا ارادہ برا نہیں تھا۔ ہم آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ آپ کا وقار ہمیں پوری طرح سے عزیز ہے"۔ حیدر کے دھیمے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"رہنے دیجئے، سب جانتی ہوں کتنا عزیز ہے اور میں آپ کی اب کوئی بات نہیں سنوں گی، میرا پیچھا چھوڑ دیجئے"۔

"آپ کا غصہ بجا ہے۔ ذوالنون کی نانو اور مدر بالکل اتفاقیہ ہی ادھر آ نکلی تھیں۔ شاید ان کی وجہ سے آپ زیادہ ہرٹ ہوئی ہیں

اور آپ سمجھ رہی ہیں یہ سب پلاننگ کے تحت ہوا ہے"۔ حورین نے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ حیدر بھی اس کے ساتھ ہی چلنے لگا تھا۔ قریب سے گزرتے اسٹوڈنٹس کی وجہ سے ان کی آواز دھیمی تھی۔

"حیدر پلیز! نو آرگومینٹس"۔

"میں کوئی وضاحت نہیں دے رہا، حقیقت بیان کر رہا ہوں"۔

"کیوں؟" وہ جھنجلا کر گویا ہوئی۔

"سمجھنے والوں کے لیے بہت بڑی بات ہے اور جو جان کر بھی نہ سمجھیں تو ان کے لیے کوئی بات نہیں ہے جیسے آپ بلا ضرورت اجتناب و گریز سے کام لے رہی ہیں، ایک بندے کی جذباتی و قلبی کیفیت سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باوجود بھی آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی"۔ وہ دونوں اُردو فیکلٹی کی طرف آگئے تھے، یہاں اسٹوڈنٹس ان میں ٹولیوں کی صورت میں دور دور بکھرے ہوئے تھے۔ حورین رُک گئی تھی۔

"تم لوگ مجھے ڈیم فول سمجھتے ہو؟ اتنے ڈھیروں لوگوں میں، میں ہی ایک ایڈیٹ بنانے کو ملی ہوں؟" وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"اوہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں...... میں سمجھا نہیں؟"

حورین کے یک دم بدلنے والے طرزِ تخاطب نے حیدر کو بوکھلا ڈالا۔

"درست کہہ رہی ہوں، یہ سب آپ کی اور آپ کے دوست کی ملی بھگت ہے، مجھ سے بدلہ لینے کی، یہ جو آپ گیم کھیل رہے ہیں میرے ساتھ، ایسی گیمز بہت سن چکی ہوں، بہت اچھی طرح اندازہ ہے"۔

"آپ کو ہم بدنیت لوگ نظر آرہے ہیں؟ اور بدلہ کس کا لیں گے؟"

"میں نے شروع سے کہا تھا کہ ذوالنون جیسے بدد ماغ و مغرور شخص کو صنفِ مخالف کی عزت کرنا سکھا دوں گی۔ ایک دن ضرور وہ اپنے اِل مینرڈ رویے پر شرمندگی فیل کرے گا اور میری کہی ہوئی باتیں آج روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ انہیں اپنی غلطیوں و نارروائیوں کا احساس ہونے لگا ہے۔ کل تک وہ جس صنفِ مخالف سے بھاگتے تھے، آج ان ہی کے درمیان زیادہ پائے جاتے ہیں"۔

"آف کورس مگر اس میں بدلہ کہاں سے آگیا؟ وہ تو آپ کا شکر گزار ہے، معترف ہے آپ کا کہ آپ کی بدولت اسے اس صنف سے آشنائی ہوئی، ورنہ نا معلوم کب تک وہ ان اندھیروں میں بھٹکتا رہتا جن میں بھٹک کر وہ اپنی مما سے بھی دور ہو گیا تھا"۔ حیدر کسی منجھے ہوئے وکیل کی طرح اپنے دوست کا دفاع کر رہا تھا۔

"یہی بات مجھے سمجھ نہیں آتی جس لڑکی سے انہوں نے نفرت کی، کوئی موقع، کوئی وقت اس کی ہتک کا ضائع نہیں کیا جس کی پرچھائیں سے بھی وہ نالاں تھے، اب آناً فاناً انہیں اس لڑکی سے اس طرح کیسے محبت ہو گئی کہ اب اس کا حصول ہی حیاتِ مقصد ٹھہرا"۔

حورین کے انداز میں اعتماد کی مضبوطی تھی۔اس کا ایک ایک لفظ سچائی کی مہک سے لبریز تھا۔حیدر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ سچ اتنا ہی کڑوا ہوتا ہے کہ برداشت سے باہر ہو جاتا ہے"۔حورین کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔میں نے بھی سنا تھا، عورت کے دماغ پر ہمیشہ جذبات کی حکمرانی رہتی ہے،سو آج دیکھ بھی لیا کہ اس محاورے میں کس قدر صداقت ہے۔اینی وے، میڈم آپ کی سوچ، آپ کے جذبات کی ترجمان ہے۔ذوالنون کی محبت چاند کی طرح پاکیزہ ہے"۔

"آئی ڈونٹ بلیو"۔اس نے شانے اچکائے۔

"آ جائے گا یقین بھی......آپ کو یہ اعتراض ہے۔پہلے وہ بے رُخی و لاتعلقی سے بندھا ہوا تھا اور اب وہ محبت کے ساگر میں ڈوبا دکھائی دے رہا ہے۔شاید آپ کو معلوم نہیں محبت و نفرت، بے رُخی و الفت ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔اس کے دونوں انداز ہی اپنی پوری شدت سے حاوی ہوتے ہیں، پھر میرا یار تو وہ شخص ہے جس کی نفرت شدتیں سمیٹے ہوئے تھی تو اس کی محبت کی تو کوئی انتہا نہ ہو گی اور رہا سوال یہ کہ وہ آپ ہی سے کیوں اظہار محبت کرنے لگا تو یہ بھی قدرت کا مذاق ہے اس کے ساتھ"۔سامنے سے ان چاروں کو آتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"کینٹین چل رہی ہو......چائے کا موڈ ہو رہا ہے؟" ردا نے کہا۔

"ساتھ گرما گرم سموسے بھی کھائیں گے"۔ثمرین نے کہا۔

"تم تو سدا کی بھوکی ہو، ابھی سینڈوچ کھایا ہے، اب سموسوں کی لگ گئی، کھا کھا کر مر جاؤ گی کسی دن"۔

"ارے کیا کریں بھئی، کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ ہیں"۔ثمرین ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے گویا ہوئی۔

"چڑ ہے اس جواب سے مجھے"۔زویا چڑ چڑے پن سے کہہ اٹھی۔

"تم بس یوں ہی چڑتی رہو، مجھ پر کوئی اثر نہ ہو گا"۔

"چکنے گھڑے ایسے ہی ہوتے ہیں"۔

"سیز فائر......سیز فائر پلیز گرلز۔آپ لوگوں کو آپس میں لڑنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔آپ لوگ کینٹین چلیں اور جو چاہیں بڑے اطمینان و بے فکری سے تناول کریں۔تمام خرچ یہ بندہ اٹھائے گا"۔حیدر نے مداخلت کرتے ہوئے دعوت بھی دے ڈالی تھی۔

"اوہو، بڑے حاتم طائی کے جانشین بن رہے ہو......خیریت تو ہے ناں......کس بات کی رشوت ہے یہ......؟" ثمرین تو تھی ہی منہ پھٹ۔

"رشوت نہیں دعا کروانا چاہ رہا ہوں، کچھ بگڑے کام ہیں"۔

"تو ہم سے کیوں کروا رہے ہیں دعا؟" زویا نے حیرانی سے کہا تھا۔حورین کے علاوہ ان لوگوں نے بھی پوچھا جبکہ حورین وہاں ہوتے ہوئے بھی ذہنی طور پر موجود نہ تھی۔

"بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا دیا جائے تو سنا ہے دعائیں قبول ہوتی ہیں"۔ حیدر نے کہہ تو دیا مگر پھر انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" موحل نے موقع پاتے ہی حورین سے دریافت کیا تھا۔

"کچھ نہیں......ٹھیک ہوں......"

"مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں"۔

"معمولی سا سر میں درد ہے"۔

"تمہارے سر میں درد کچھ دنوں سے زیادہ ہی رہنے لگا ہے"۔

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی"۔ وہ قصداً مسکرائی۔

"کبھی کبھی نہیں، ہر وقت ہی رہنے لگا ہے۔ تم ایک بار صدقِ دل سے فیصلہ کرلو......تمہارا دل ہاں کہتا ہے یا ناں؟" رات کو ڈنر کے بعد موحل خود اسے بہانے سے لان کے عقبی حصے میں لے آئی تھی، جہاں عموماً خاموشی رہا کرتی تھی۔ اس طرف گھر والوں کی آمد بہت کم ہوتی تھی، اس لیے وہ یہاں اسے لے آئی تھی کہ وہاں اطمینان سے بیٹھ کر بات ہو جائے گی۔

"کس بارے میں؟ موحل تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" حورین اس کی طرف دیکھتی ہوئی استفہامیہ انداز میں بولی۔

"حورین! اقارگاڈ سیک خود کو پہیلی مت بناؤ، خود کو تم نے تنہا سمجھ لیا ہے۔ ہر ایک پر اعتبار کرنا نہیں چاہیے، یہ میں مانتی ہوں مگر کسی پر بھی اعتبار مت کرو، یہ صحیح نہیں ہے"۔ موحل نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"آج کل ایسے سوال مجھ سے کیوں ہونے لگے ہیں جن کے جواب نہیں ہیں میرے پاس......زندگی ایک معمہ بنتی جا رہی ہے۔ سمجھ نہیں آتا کروں تو کیا کروں؟" آج کل وہ اس قدر زود رنج و حساس ہو گئی تھی کہ بات بے بات پر آزردہ ہو جاتی تھی اور آنکھیں بھرے بادلوں کی طرح برسنے کو تیار رہتی تھیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

"رو مت حورین! رونے سے مسائل حل ہوا نہیں کرتے، میں دیکھ رہی ہوں تم کئی دنوں سے گھٹ رہی ہو، اندر ہی اندر کوئی روگ لگا بیٹھی ہو اور وہ روگ کیا ہے......مجھے معلوم ہے......"

ذوالنون کی بڑھتی ہوئی وارفتگی، اس کی نگاہوں کے شوخ پیام، حیدر کی طرف داریاں و درخواستیں اسے متوحش کیے ہوئے تھیں۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس طرح اور کس کو اپنی پریشانی سے آگاہ کرے۔

گو کہ مما سے وہ ہر بات شیئر کرتی تھی۔ کوئی خاص بات ہو کوئی ایڈوائز لینی ہو تو وہ بلا جھجک کہہ دیا کرتی تھی، حالانکہ گاؤں میں جو حادثہ گزرا، جو وقت اس نے ذوالنون کے ہمراہ گزارا......وہ سب مما سے کہہ چکی تھی کہ شاید جب اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔

جب جذبے رنگوں سے خالی تھے۔

قلب میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوئی تھی۔

اب وہ چاہتی تھی کسی کو اس کے جذبوں کی، اس کی دل کی چوری معلوم نہ ہو، اس کی چاہت کا راز عیاں نہ ہو۔ ایک ہی وقت میں دو مختلف احساسات کی لپیٹ میں تھی۔ وہ چھپانے اور بچانے کی تگ و دو میں مبتلا تھی پھر مما تو ویسے بھی باہر کے لوگوں سے تعلقات استوار کرنے یا دوستی بڑھانے کے حق میں نہ تھیں۔

پھر وہ یہ کس طرح گوارا کرتیں کہ ان کی اکلوتی ولاڈلی بیٹی کسی غیر خاندان کے لڑکے سے محبت کرے۔

موبل اس کے لیے بہترین دوست ثابت ہوئی تھی۔ بہت توجہ سے اس نے اس کی باتیں سنی تھیں اور اس سے دل کی ہر بات کہہ کر اس کا دل بھی گویا ہلکا ہو گیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم، میں اس سے محبت کرتی ہوں یا نہیں لیکن جب میں محسوس کرتی ہوں، اگر وہ میری زندگی میں نہیں رہا تو......"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئی۔

"ماسوائے اندھیروں کے مجھے کچھ نظر نہیں آتا ہے"۔

"واہ بھئی واہ۔ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"۔ موبل نے اسے چھیڑا تو وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا اٹھی۔

"اب تو بھی پارٹی لیں گے، دونوں طرف سے"۔

"اقرار صرف میں نے تمہارے سامنے کیا ہے موبل......" اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے اسے پکارا۔

"مجھ سے وعدہ کرو، میری اس خاموش چاہت کا کسی کے سامنے ذکر نہیں کرو گی......اس کے سامنے بھی نہیں"۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ یہ جذبے چھپانے کے لیے نہیں ہوتے ہیں"۔

"ان کی خوب صورتی بھی ہے کہ یہ پردے میں ہی رہیں۔ میں ان جذبوں کی اتنی حفاظت کروں گی کہ معمولی سا احساس بھی اس شخص تک نہیں پہنچ سکے گا"۔

"کیوں؟ یہ پاگل پن ہے حورین، محبت تو وہ خوشبو ہے جو سات قفل میں بھی چھپ نہیں سکتی ہے"۔

"میں چھپا لوں گی کہ مجھے اپنی انا، اپنا وقار از حد عزیز ہے"۔

☆......☆......☆

میں مانگ لوں گر حساب تم سے

جواب تم سے

تم کیسے دو گے جواب کوئی

نہ دے سکو گے حساب کوئی

تمہیں خبر کیا

کہ رتجگوں کا حساب کیا ہے

ان آنسوؤں کا حساب کیا ہے

یہ ہجر تو اک سوال ہے، پر جواب کیا ہے

لائنگ روم میں وہ سب موجود تھے۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چل رہا تھا۔ منال بیگم، کونین اور ذوالنون کے ہمراہ اپنی ساس کے ہاں موجود تھیں۔ پنک ساڑھی میں لائٹ میک اپ اور میچنگ جیولری میں بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے وہ ہنستی مسکراتی بڑی پُر وقار لگ رہی تھیں، جب سے انہوں نے ذوالنون کے ذریعے کرن وانس سے انتقام لینے کی پلاننگ کی تھی، تب سے اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ذوالنون کی پسند و ناپسند کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر وہ کام کرتی تھیں جس سے وہ خوش ہوتا تھا۔ اب بھی اس کی خوشنودی کی خاطر وہ دل میں نفرتوں کے غبار چھپائے بظاہر مسکراتے چہرے کے ساتھ اس گھر میں، ان لوگوں کے درمیان بیٹھی تھیں جہاں کے چپے چپے سے ان کو نفرت تھی۔ ان لوگوں کو وہ خواب میں بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

"بھابی صاحبہ! آپ کی اس غریب خانے پر آمد ہی سب سے بڑا تحفہ ہے۔ ان تکلفات کی قطعی ضرورت نہ تھی"۔ عبدالصمد صاحب ان کے لائے ہوئے ڈھیروں تحفے تحائف کی جانب اشارہ کر کے خوش دلی سے بولے۔

"ارے کوئی تکلف نہیں ہے صمد! ان ٹوکروں میں پھل اور مٹھائیاں ہیں، کچھ گفٹس گھر والوں کے لیے ہیں، مما کے لیے گرم شال ہے، صنوبر اور سونیا کی جیولری اور پرفیوم وغیرہ ہیں اور کچھ کچھ اسپیشل گفٹس ہماری بہو کے لیے ہیں"۔

انہوں نے بہو پر زور دیتے ہوئے سامنے بیٹھی خشرح کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی تھی۔

"آنٹی! یہ فاؤل ہے..... میرے لیے کچھ نہیں ہے؟" نشرح نے منہ پھلا کر کہا۔

"آپ کے لیے ٹافیاں اور رسٹ واچ ہے"۔

"اوہ تھینکس آنٹی!" اس کے انداز پر وہ مسکرا اٹھیں۔

"بھوا فائقہ بیگم کو بھی لے آتیں، ایک مدت ہو گئی ان سے ملاقات ہوئے، کیسی ہیں وہ؟" راحیلہ بیگم نے کہا۔

"مما تو خود آپ سے اور بھابی جان سے ملنے کو بے تاب ہیں اور وہ آج میرے ساتھ آتیں مگر اچانک ان کی فرینڈ آ گئیں"۔

"دادو! آپ ہمارے ساتھ چلیں، کچھ ہمیں بھی موقع دیں اپنی خدمت کا، انکل نے بہت ثواب سمیٹ لیا ہے"۔ کونین ان سے مخاطب ہوا تھا۔

"تم لوگوں کی محبت ہی میری خدمت ہے بیٹا۔ مجھے اپنے کمرے کے سوا کہیں سکون نہیں ملتا، میں یہیں ٹھیک ہوں"۔ راحیلہ بیگم

نے بہت خوب صورتی سے یہ عذر پیش کیا، ورنہ حقیقتاً انہیں ابھی بھی بہو کی بدلتی کیفیت پر اعتبار نہ تھا کہ وہ کب اور کس لمحے یہ خوش اخلاقی و ملن ساری کا چولا اُتار کر بد مزاجی و بدتمیزی کے بھیس میں آ جائیں۔

"میرے خیال میں اب ہمیں اپنی بھابی کو گھر لے جانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے"۔ ذوالنون نے بھائی کی نگاہوں کی چوری پکڑتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گیا، جبکہ خضریٰ کی پلکیں مزید جھک گئیں۔

"انکل! آپ بتائیں، ہم اپنی بھابی صاحبہ کو کب لینے آئیں؟"

"جب چاہیں بیٹا! اس گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں"۔

"خیریت تو ہے بھائی۔ بہت پُرخوش نظر آ رہے ہیں اپنی بھابی کو گھر لے جانے کے لیے کہیں ہماری بھابی کو تو گھر لانے کا ارادہ نہیں ہے؟" قریب بیٹھے خضر نے سرگوشی کی۔

"اگر کہوں...... ایسا ہی ہے تو پھر؟"

وہ خضر کے انداز میں ہی شوخی سے گویا ہوا اور جواباً خضر تو شاکڈ رہ گیا۔ حیرت، مسرت، استعجاب و اشتیاق کیا کچھ نہ تھا اس کے انداز میں۔

"بہت جلد ہم آ رہے ہیں اپنی بہو کو لے جانے کے لیے آپ لوگ ابھی سے ہی جدائی کی عادت ڈالنا شروع کریں، اپنے گھر جا کر خضریٰ یہاں بہت کم آیا کرے گی۔ میں اپنے گھر کی رونق و روشنی کو زیادہ دیر گھر سے دور نہیں ہونے دوں گی"۔

منال بیگم اس وقت خوش اخلاقی و خوش مزاجی کے بلند درجے پر پہنچی ہوئی تھیں۔ ریاکاری و منافقت ان کی رگ رگ میں رچی بسی تھی۔ کب اور کس سے کیا کام کروانا ہے اور کس طرح کروانا ہے، یہ ہنر انہیں اپنی ماں سے ورثے سے میں ملا تھا۔ آج کل وہ جس انتقام کی پلاننگ میں مصروف تھیں، اس کا سب سے حساس و مین پوائنٹ ذوالنون تھا جس پر وہ ایک عرصے سے محنت کر رہی تھیں کہ جانتی تھیں اگر کامیابی کی مسرت اس کے وجود سے وابستہ ہے تو ناکامی بھی اس سے جڑی ہوئی ہے اور وہ ایسا کوئی کام ابھی کر کے اس کی ناراضی کا رسک لینا نہیں چاہتی تھیں، سو ان دنوں تو وہ مزے سے لفظوں کے پھول نچھاور کرتی نظر آتی تھیں۔

"کس قدر خوش ہوں میں آج...... میرا خاندان ایک ساتھ ایک چھت تلے بیٹھا ہے کاش...... حمزہ بھی کہیں سے آ جائے تو میرا ادھورا خاندان...... ادھورا گھر...... ادھوری خوشیاں مکمل ہو جائیں۔ میری ممتا مکمل ہو جائے"۔

یکلخت ہی راحیلہ بیگم جوان سب چہروں میں اس ایک چہرے کو کھوج رہی تھیں جو نگاہوں سے دور ہو کر بھی دل سے قریب ہو گیا تھا، جس کی یاد قلب میں کانٹے کی طرح پیوست رہتی تھی، وہ رو پڑی تھیں۔

ان کے رونے سے ایک دم ہی فضا پر دبیز اُداسی چھا گئی تھی۔ ذوالنون نے بڑی محبت سے ان کے آنسو صاف کیے تھے۔ وہ اس کے بازو کے حصار میں سسک رہی تھیں۔ انہیں نامعلوم کیوں اس کے وجود سے حمزہ کی مہک آتی محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ کوئین کی رگوں میں

بھی وہی خون رواں تھا جو ذوالنون کی رگوں میں دوڑ رہا تھا مگر پھر بھی انہیں اس کی آغوش میں وہ مہک زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ عادت واطوار کے لحاظ سے حمزہ سے بہت مشابہ تھا، جبکہ کونین کے چہرے کے نقوش وجسمانی ساخت حمزہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

وہاں موجود سب کے چہروں سے افسردگی چھلکنے لگی، ماسوائے منال بیگم کے جو چہرہ جھکا کر بیٹھ گئی تھیں۔ مبادا کہ ان کے چہرے پر حمزہ کے ذکر پر چھائی بےزاری و بےگانگی کوئی دیکھ نہ سکے۔

☆......☆......☆

وہ سب سفیان کے کمرے میں جمع تھے۔

جہاں ان شیطانوں کا ٹولہ ہو، وہاں دھما چوکڑی مچنی تو لازمی ہے اور اس وقت تو موضوع بھی بڑا اہم چل رہا تھا۔ سفیان کی سیل فون پر کسی لڑکی سے بات چیت ہو رہی تھی۔ دن کا فارغ وقت اور رات کا بیشتر حصہ وہ اس کے ساتھ چیٹنگ میں گزارتا تھا۔ حسب عادت لڑکی کو اس نے فرضی نام و پتہ بتا رکھا تھا۔ رؤف نے پہلے پہل تو خاموشی لگائی کہ وہ جلد ہی اُکتا کر یہ دوستی ختم کر دے گا مگر جب یہ سلسلہ طویل ہوتا چلا گیا تو اس نے اس لڑکی کو کال کر کے حقیقت بتا دی مگر وہ لڑکی بھی ایک کائیاں تھی کیونکہ اسے گھر بیٹھے خواہش کے مطابق بیلنس فری مل رہا تھا۔ وہ نہیں مانی تو رؤف نے بھی جھوٹ کہہ دیا کہ سفیان اس سے فلرٹ کر رہا ہے، وگرنہ اس کی منگنی ہو چکی ہے اور جلدی ہی شادی ہونے والی ہے۔ لڑکی نے سفیان کو کال کر کے خوب باتیں سنائیں اور دوستی توڑ دی۔ تب سے ان کے درمیان ایک محاذ گرم ہو چکا تھا۔

سفیان بھی تہیہ کر چکا تھا، جب تک رؤف کی گرل فرینڈز سے اس کی فرینڈ شپ تڑوائے گا نہیں، سکون سے نہیں بیٹھے گا۔

"ارے یار! تم کب تک غصے میں رہو گے؟ مٹی پاؤ اس قصے پر، یہ فون فرینڈز تو اور بھی مل جائیں گی۔ وہ ایک ہی تھوڑی تھی"۔

"اس جیسی کوئی نہیں ہو گی"۔

"اس میں ایسی کون سی خاص بات ہے، کوئی یہ بھی تو بتا دے؟"

"یہ بات بتانے کی نہیں ہوتی ہے"۔

"ہر بات چھپانے کی تیری پرانی عادت ہے"۔

"پھر ان باتوں کا بھانڈا چوراہے پر ہی پھوٹتا ہے جو نہ بھی واقف ہوں، وہ بھی واقف ہو جائیں"۔ وصی، سرمد، رؤف، مسعود اور ہریرہ اسے گھیرے بیٹھے تھے۔

"تم دوستوں کے روپ میں دشمن ہو، یہ میں اب سمجھا ہوں، ایک آگ لگاتا ہے اور تم سب تماشہ دیکھتے ہو مل کر"۔

"روؤ تو نہیں مت"۔ رؤف کے کہنے پر زوردار قہقہہ لگا تھا۔

"نا معلوم کیوں تم لوگ مجھ پر کسی بلا کی طرح نازل ہو گئے ہو"۔ وہ جھنجلائے لہجے میں انہیں گھورتا ہوا بولا۔

"جب ہی تو کہتے ہیں، بُرا وقت کہہ کر نہیں آتا"۔

"تُو نے تو میری عزت خراب کرائی، کیا ملا تجھے؟ اور تُو خود کہاں کا شریف و نیک انسان ہے، میری ایک گرل فرینڈ تجھ سے برداشت نہیں ہوئی اور تُو نے خود تو بیک وقت کئی لڑکیوں سے چکر چلا رکھے ہیں۔ وہ کچھ نہیں ہے؟" سفیان رؤف سے مخاطب ہوا تھا۔

"میں تیری طرح اُلّو نہیں بن رہا ہوں، ان سب کو میں جانتا ہوں اچھی طرح سے...... وہ کون ہیں...... کہاں رہتی ہیں......؟ تیری طرح بیوی بیلنس لوڈ نہیں کروا رہا ہوں اور نہ ہی میری مصروفیات پر ان کا اثر ہوتا ہے"۔ رؤف نے اب سنجیدگی سے کہا تو وہ بھی سب متوجہ ہوئے تھے۔

"تو خود کہتا ہے ایسی لڑکیاں جو صرف ٹائم پاسنگ کے لیے ہوتی ہیں پھر ان پر اتنا روپیہ اور وقت برباد کرنے کا فائدہ؟"

"سب چلتا ہے یار! وہ افورڈ ایبل نہیں ہے، اگر اسی بہانے کسی کی مدد ہو جائے تو بری بات کیا ہے......؟ یہ تو نیکی ہے"۔

"لاحول ولا قوۃ، یہ تو ہمارا ایمان ہو گیا ہے۔ نیکی بھی اب گناہ کے ریپر میں رکھ کر کر رہے ہیں"۔ وصی نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر نیکی ہی کرنے کا شوق ہے تو میں تجھے ایسے ٹھکانے بتا رہا ہوں جہاں لوگ صحیح معنوں میں ایسی نیکیوں کے حق دار ہیں، جو مارے غیرت و شرم سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں مگر ان کی خودداری و شرافت کسی کے آگے انہیں ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی"۔ سرمد نے بھی سمجھایا۔

"تمہاری وہ ایبل فون ضرورت مند نہ معلوم کتنوں سے ایسی نیکیاں سمیٹتی ہو گی؟ تم تنہا نہیں ہو گے......؟" وصی نے تیکھے انداز میں کہا۔

"میں...... اس فرینڈشپ کو سرے سے پسند ہی نہیں کرتا کہ یہ سراسر بے توفی و گناہ ہے اور آج ہماری جنریشن اپنے مذہب سے بے نیاز ہو کر اور اپنے انجام سے لاپرواہ ہو کر ان فریبوں میں اُلجھتی جا رہی ہے۔ کبھی سوچا ہے اس بارے میں جو آج ہم ان حرکتوں میں اتنے مگن ہو گئے ہیں کہ یہ بھی فراموش کر بیٹھے ہیں کہ ہم جو دوسروں کی بہنوں کے بارے میں کتنے چیپ انداز میں گفتگو کرتے ہیں، ان سے فرینڈشپ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، تنہائیاں ان کے ساتھ شیئر کی جاتی ہیں مگر شادی کے لیے ہم ایسی لڑکی کے لیے خواہش مند ہوتے ہیں جو حور شمائل ہو، فرشتوں کی طرح معصوم ہو، کلیوں کی طرح اَن چھوئی، پھولوں کی طرح پاکیزہ ہو، آخر یہ منافقت کب ہمارے ذہنوں سے جائے گی؟ کب ہم یہ سمجھیں گے کہ یہ جو لڑکی ہے جس کو ہم فول بنا رہے ہیں، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہو گی، بالکل ہماری بہنوں کی طرح...... اگر ہماری بہنیں یہ روش اپنا لیں تو...... برداشت کر پاؤ گے......؟"

ہریرہ بہت نرم لہجے میں انہیں بھرپور تازیانے لگا رہا تھا۔

"کیا بات کر رہے ہو...... بھلا ہماری بہنیں ایسا کیوں کرنے لگیں؟" سفیان سرخ چہرے سے گویا ہوا۔

"جن لڑکیوں سے تم لوگ فلرٹ کرتے ہو، وہ اپنے بھائیوں کو بتاتی ہوں گی؟ ان کے بھائیوں کو بھی ان پر اتنا ہی فخر ہو گا، جتنا ہمیں ہے"۔

"سب لڑکیاں خراب نہیں ہوتیں مگر یہ بھی مانو اگر آگے سے ہمیں ریسپونس ملتا ہے تو ہم شیر ہوتے ہیں، ورنہ جان لو یہ وبا بھی نہ پھیلتی، اگر کچھ لڑکیاں بے راہ روی کا شکار نہ ہوئی ہوتیں"۔

☆......☆......☆

محبت آگ کی صورت بجھے سینوں میں جلتی ہے

تو دل بیدار ہوتے ہیں

محبت کی تپش میں کچھ عجب اسرار ہوتے ہیں

کہ جتنا بھڑکتی ہے، عروسِ جاں مہکتی ہے

محبت خواب کی صورت نگاہوں میں اترتی ہے

کسی مہتاب کی صورت

ستارے آرزو کے اس طرح سے جھلملاتے ہیں

کہ پہچانی نہیں جاتی

محبت کے شجر پر خواب کے پنچھی اترتے ہیں

نگر میں نا امیدی کی ہوائیں سنسناتی ہیں

گلی میں جب کوئی آہٹ کوئی سایہ نہیں رہتا

غموں کے بوجھ سے جب ٹوٹنے لگتے ہیں شانے تو

یہ ان پر ہاتھ رکھتی ہے

کسی ہمدرد کی صورت

محبت درد کی صورت

محبت اوس کی صورت

محبت فردوس کی صورت

اس نے دیکھا اسٹاپ پر وہی کھڑی تھی جس پر پہلی نظر میں دھوکا کا گمان گزرا تھا کہ آج کل ہر سُو وہی دکھائی دے رہی تھی۔

آنکھیں کھلی ہوں

آنکھیں بند ہوں

خواب میں، حقیت میں

ہر سُو اسی کا راج تھا

کاٹن کی ریڈ شرٹ میں ملٹی کلر دھاگوں کی کڑھائی تھی۔ ساتھ اس کے کلف شدہ وائیٹ شلوار دوپٹہ تھا جن پر آویزاں باریک سلور اسٹارز دور سے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ میچنگ پرس لٹکائے وہ کھڑی کسی کوچ کا انتظار کر رہی تھی۔

تب ہی اچانک اپنے قریب وہائیٹ شیور لیٹ کو دیکھ کر وہ چونکی تھی اور نظر اُٹھانے پر جن جذبے لٹاتی نگاہوں سے تصادم ہوا تھا اس نے اسے سرتاپا سلگا کر رکھ دیا تھا۔

"وتھینکس، میں ٹیکسی......

"شٹ اَپ اینڈ ہری اَپ"۔ وہ سخت لہجے میں گویا ہوا۔ وہ اِردگرد کھڑے لوگوں کو متوجہ ہوتے دیکھ کر غصے پر قابو نہ پاسکا۔ فرنٹ ڈور وہ پہلے ہی کھول چکا تھا، طوہاً کرہاً حورین کو بیٹھنا پڑا۔

"آخر آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس طرح کی حرکتیں مجھے بالکل پسند نہیں ہیں کہ کسی کو اس کی مرضی کے بنا مجبور کیا جائے"۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ کار اسٹارٹ کر چکا تھا۔ حورین بھی غصے سے بولی۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو اس قدر غصہ آرہا ہے"۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے بھرپور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جس کا سرخ چہرہ اس کی شرٹ میں میچ ہو کر اور حسین لگ رہا تھا۔

"میں نے اپنے کزنز سے بیٹ لگائی تھی کہ میں یہاں کی وین میں ٹریول کر سکتی ہوں، انہوں نے کہا تھا کہ نہیں کر سکتی، میں اسی وجہ سے یہاں کھڑی تھی اور آپ نے پروگرام مٹی کر ڈالا"۔

"اوہو"۔ اس کا خوب صورت قہقہہ وہاں گونج اُٹھا۔

"شرط لگانے کا بھوت ابھی تک آپ کے سر سے نہیں اُترا ہے"۔

"اُتر ہی گیا سمجھیں، بہت عرصے بعد بیٹ لگائی ہے جو آپ کی وجہ سے پوری نہ ہو سکی"۔ اس کا موڈ بدستور آف تھا۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ غصہ، جھنجھلاہٹ، خفگی کے رنگوں نے اس کے حسین چہرے کے دلکش نقوش نے کچھ ایسی سحر انگیز جاذبیت پیدا کر دی تھی یا یہ اس کے محبت کے جذبوں سے منور دل کی دیوانگی تھی کہ بے اختیار اس کی نگاہیں اس کی جانب اُٹھ رہی تھیں اور ہر بار اُٹھنے والی نگاہ پہلے سے زیادہ بے تابی لیے ہوئے تھی۔ اسے دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی تمنا سوا ہو رہی تھی۔

"یہ آپ جا کہاں رہے ہیں؟" غصہ اس کی بصارتوں سے نیچے اُترا تو اسے خیال آیا کہ کار اس کے گھر جانے والے راستے کی بجائے کسی اور اجنبی راستے پر گامزن ہے تو وہ گھبرا کر استفسار کرنے لگی تھی۔

"بہت دور"...... اس کے گمبھیر لہجے میں کچھ تھا۔

"کیا مطلب......؟" وہ گھبرا گئی بُری طرح سے۔

"دُنیا کے اس طرف...... جہاں ہمیں کوئی ڈھونڈ نہ سکے"۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں کوئی آگ سی سلگنے لگی تھی۔ لہجے میں عجیب سی جذباتیت تھی۔ حورین کے حواس معطل ہونے لگے۔ اس کی آنکھوں میں خوف سا اُترنے لگا۔ مارے خوف کے جسم سن ہو گیا۔

"تم نے حیدر سے کہا تھا، میں تم سے محبت نہیں کرتا...... یہ سب بدلہ لینے کے ڈھونگ کر رہا ہوں"۔

وہ فل اسپیڈ میں کار بھگاتے ہوئے اپنے مخصوص سرد وا کھڑ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ لمحے بھر میں اس کے چہرے پر خشونت اُبھری تھی۔

"ہوں، خاصی انٹیلی جینٹ ہو، جو سمجھ گئیں۔ تم نے کئی مواقع پر مجھے شکست دی ہے، چڑایا ہے، اتنی آسانی سے میں تمہیں معاف کرنے والا نہیں ہوں۔ میں اسی موقع کے انتظار میں تھا۔ اب دیکھنا میرا بدلہ...... میرا انتقام......"

حورین کے حواس تو پہلے ہی گم ہو رہے تھے۔ رہی سہی کسر اس کے خوف ناک انداز و زہریلی باتوں نے پوری کر دی۔ اس نے گھومتے دماغ کے ساتھ بند ہوتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کس قدر بدل گیا تھا اس کا چہرہ...... وہ جو اپنی وجاہت و اسمارٹنیس کے باعث یوسف ثانی کہلاتا تھا، جس کی مردانہ خوب صورتی کی دھوم تھی...... جو اپنے مغرورانہ انداز و سرد مہری کے باوجود ان گنت لڑکیوں کے دلوں کی دھڑکن تھا...... ان کے خوابوں کا ہیرو تھا۔

اس وقت اپنے گھناؤنے عزائم کے باعث کسی عفریت میں بدل گیا تھا جس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں، زبان ناگ کی مانند سینے تک چلی گئی تھی جس کے لمبے لمبے دانت خون آلود ہونٹوں سے باہر کسی خنجروں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس نے خوف سے چیخ مارنا چاہی مگر وہ چیخ میں ہی گھٹ کر رہ گئی اور وہ گرتی چلی گئی۔

ذوالنون جو دیکھنے بنا اسے تنگ کرنے کی غرض سے ایکٹنگ کر رہا تھا، خوف زدہ دیکھ کر اسے مزہ آ رہا تھا اور اسے معلوم نہ تھا اس کا مذاق یہ رنگ لائے گا کہ مارے خوف کے ہی بے ہوش ہو جائے گی۔ اسے گرتے دیکھ کر اس نے پھرتی سے بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر اس کے گرتے وجود کو بازو میں سنبھالا تھا اور سائیڈ میں کار روک دی تھی۔

"حورین! حورین!" اس نے رخسار پر انگلیوں سے آہستہ سے پچ کرتے ہوئے اسے پکارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"حورین! ہوش میں آؤ یار، میں مذاق کر رہا تھا"۔ دس منٹ سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود بھی وہ بے ہوش رہی تو وہ پریشان ہو اُٹھا تھا۔ اس نے بہت احتیاط سے اسے اُٹھا کر بیک سیٹ پر لٹایا تھا اور تھرموس سے ٹھنڈا پانی نکال کر اس کے چہرے پر ڈالا، دو تین بار ڈالنے پر اس نے آنکھیں کھول دی تھیں، اسے ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے کلمہ شکر ادا کیا تھا۔

چند سیکنڈ وہ خوابیدہ نگاہوں سے قریب موجود ذوالنون کو دیکھتی رہی، پھر لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا ذہن بیدار ہوا اور سب یاد آتا چلا گیا۔ وہ ایک زوردار چیخ مارتی ہوئی اُٹھ بیٹھی تھی۔

"ٹیک اٹ ایزی، یو آر رائٹ"۔ اس نے تسلی کے لیے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا مگر دوسرا لمحہ اسے شاکڈ کر گیا۔

"تم...... تم اتنے گھٹیا اور کمینے ہو گئے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر میں اپنی جان دے دوں گی، تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی، میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں"۔

بے حد بپھرے ہوئے انداز میں حورین نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ ذوالنون کی آنکھوں میں، چہرے پر دنیا بھر کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ حورین کی نگاہوں کی بے اعتباری اور لہجے کی بے اعتمادی نے اس کی شرافت و مردانگی پر بڑے بھاری تازیانے لگائے تھے۔ اس کی نس نس چٹخنے لگی تھی، پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

"تم عام لڑکی ہو، بہت سطحی سوچ رکھنے والی پست ذہنیت والی لڑکی، کیا گھٹیا پن دیکھا تم نے مجھ میں؟ کس موقع پر میں نے کمینگی دکھائی؟" وہ ایک آتش فشاں کی طرح پھٹا تھا۔ غم و غصے میں کھولتی حورین کو برف کی طرح سرد ہونے میں لمحہ لگا تھا۔

"تم سے محبت کرنا گھٹیا پن ہے، تم کو چاہنا کمینگی ہے تو......" لمحے بھر کو اس کی گھن گرج میں کمی آئی تھی۔

"افسوس، تم کہہ سکتی ہو کہ ان جذبوں کے ہاتھوں انجانے میں ہی میں اسیر ہوا ہوں، یہاں از خود کوئی میری کوشش نہیں ہے"۔ اس کے وجیہہ چہرے پر یکلخت ہی حزن چھا گیا تھا۔ وہ بیک سیٹ سے اُٹھ کر ڈرائیونگ ڈور کھول کر سیٹ پر بیٹھ گیا اور کافی دیر تک دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچا اپنے اندر ہوتی اکھاڑ پچھاڑ سے نبرد آزما ہوتا رہا اور پیچھے بیٹھی حورین پل پل بدلتے اس شخص کے مزاج کے زیر اثر دم بخود بیٹھی تھی۔

چند لمحوں قبل وہ شخص اپنے انداز سے کسی عفریت کی مانند لگ رہا تھا اور اب وہی شخص کسی کانچ کے گلدان کی طرح ٹوٹا، بکھرا دکھائی دے رہا تھا۔ کسی اُداس بھری شام کی طرح تنہا و غم ناک۔

"اگر میں ایسا ہی گھٹیا و کمینہ ہوتا تو میرے پاس پہلے ہی بہت مواقع آئے تھے، اگر مجھے بدلہ لینا ہوتا تو...... کون روک سکتا تھا مجھے؟ جواب دو...... تم میرا راستہ روک سکتی تھی؟" وہ اس کی جانب بنا دیکھے کہہ رہا تھا اور اس کے انداز میں کچھ تھا۔ لہجے کی سچائی، محبت کی طاقت، جو یک دم ہی اسے اپنے خیال و سوچ پر شرمساری محسوس ہونے لگی۔

اس کی نگاہیں اور سر مارے ندامت کے جھکتا چلا گیا اور اسے لگا اب کبھی بھی وہ اس شخص کے آگے سر نہ اُٹھا پائے گی۔

"تم خود کو بہت خاص لڑکی سمجھتی ہو، مجھ جیسے مرد کے آگے کسی چڑیاں کی طرح کمزور و بے بس ہو، اگر تمہارا ہاتھ پکڑ لوں تو تم چھڑا نہ پاؤ گی، کمزور و لاغر وہ مرد ہوتے ہیں جو بھنوروں کی طرح ڈال ڈال منڈلا کر اپنی حیثیت و شرافت کا جنازہ نکال دیتے ہیں...... جو مرد اپنے ایمان کی طرح اپنی حیثیت و کردار کی حفاظت کرتے ہیں، وہ کبھی بھی کسی لڑکی سے شکست نہیں کھا سکتے"۔

اس کے نرم و پُر جوش لہجے میں سچائی کی مہک تھی۔ خود کو غلط سمجھے جانے کی کسک تھی...... شدید آنچ دیتا ہوا لہجہ تھا۔

حورین خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ یہ راستہ آبادی سے باہر کا تھا، جو سر آفتاب کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا ارادہ بھی ان کی طرف جانے کا تھا۔ ان سے ملاقات ہوئے خاصے دن ہو گئے تھے مگر اس کے مذاق اور حورین کی بدگمانی نے اس کے جذبات کو بری طرح سے ٹھیس لگائی تھی۔ حورین نے اس کے کردار پر ضرب لگائی تھی۔ اس کی نیت پر شک کیا تھا۔

"وہ سب مذاق تھا اور میرا خیال تھا تم بھی اس کو انجوائے کرو گی مگر تم نے تو ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا...... کہ میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا ہوں...... کبھی نہ اُٹھنے کے لیے"۔

"میں...... میں ایکسکیوز......"

"نو نیور...... مجھے اب جھوٹے لفظوں سے نہیں بہلنا ہے جو بات آنکھیں کہہ دیتی ہیں وہ زبان ادا نہیں کر سکتی"۔ حورین کی بات اس نے بہت تیزی سے کاٹ کر جنونی انداز میں کہا اور بڑے وحشت بھرے انداز میں کار دوڑانی شروع کی تھی۔ اس کی وحشت، جنون،

اضطراب واضطرار عروج پر تھا۔ کار گویا چل نہیں اُڑ رہی تھی۔ بہت قلیل عرصے میں وہ حورین کی بنگلے سے کچھ دور اُتار کر بنا کچھ کہے اور سنے ہوا ہو چکا تھا۔

حورین کو گھر سے پہلے اُتار کر وہ سیدھا گھر چلا آیا تھا۔ اپنے روم تک جانے کے لیے اس نے بیرونی راستہ استعمال کیا تھا جو لان سے ہو کر اس کے پورشن میں دو گیٹ کھلتے تھے۔ اس کے بیڈروم میں وہ راستہ کھلتا تھا۔ اس نے اسی راستے کا انتخاب کیا تھا۔ بیڈ پر آ کر وہ جوتوں سمیت لیٹ گیا تھا۔ انجانے میں حورین اسے آگ میں پھینک چکی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے خاصی دیر تک لیٹا رہا تھا۔ اسے اپنے روئیں روئیں سے گرم گرم لپٹیں نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''محبت......'' وہ بڑبڑایا۔

''کیا ہے یہ محبت......؟

جنت......؟

راحت......؟

سکون......؟

شاید یہ روپ ہیں اس کے......

دُکھ......

نارسائی......

پچھتانی......

میں نے کبھی یہ تو نہیں سوچا تھا کہ گلاب کے بدلے گلاب ملیں گے۔ یکطرفہ محبت کسی عذاب کی مانند نازل ہوتی ہے۔ یہ اس کے حصے میں آتی ہے جو اس سے بھاگتے ہیں، بچتے ہیں......ناپسند کرتے ہیں......یہ محبت کا مرض، بہت موذی ہے۔ یہ میٹھے زہر کی مانند آپ کو اندر ہی اندر بہت سست رفتاری سے بے حد آہستگی سے ہلاک کرتا رہتا ہے اور محسوس بھی نہیں ہونے دیتا۔

مجھے کیوں لگا یہ محبت کا روگ، مجھے پہلے ہی غم کیا کم تھے؟ دروازہ ناک ہوا پھر کونین کا مسکراتا چہرہ نظر آیا۔

''میں کب سے انتظار کر رہا ہوں اور تم یہاں......'' کونین قریب آیا تو اس پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک گویا ہوا۔

''تمہاری آنکھیں اس قدر سرخ کیوں ہو رہی ہیں......؟ چہرہ بھی لال ہو رہا ہے......کیا ہوا......؟ کس سے لڑ کر آئے ہو؟''

''کسی سے بھی نہیں'' ۔ وہ کسلمندی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''جھوٹ مت بولو، میں جانتا ہوں، کسی سے لڑتے ہو تو تمہاری یہی حالت ہوتی ہے، بتاؤ کس سے لڑائی ہوئی ہے اور کیوں ہوئی ہے؟'' وہ اس سے جڑ کر بیٹھ گیا۔

"میں کس سے لڑوں گا؟ آپ کو وہم ہوا ہے"۔ وہ جبراً مسکراتا ہوا گویا ہوا۔ کونین نے زبردستی اس کے موزے جوتے اُتارے تھے، اسے اپنا موڈ درست کرنا پڑا تھا۔

"مما اور نانو بتا رہی تھیں، انہوں نے تمہیں کسی لڑکی کے ساتھ کافی پیتے دیکھا تھا۔ وہ بتا رہی تھیں، تم سیریس ہو اس لڑکی کے ساتھ..... لڑکی کا نام تو بہت پیارا سا ہے حورین۔ یقیناً وہ لڑکی بھی بہت کیوٹ اور سویٹ ہو گی۔ تب ہی ہمارے اس پتھر کو اس نے موم بنا ڈالا جو لڑکی میرے بھائی کو پسند آئی وہ کوئی عام لڑکی تو نہیں ہو سکتی ہے"۔

کونین کے انداز میں بڑے بھائی والی خوشی تھی اور وہ بے حد خوش تھا کہ ذوالنون جیسے آدم بیزار و تنہائی پسند شخص کی زندگی میں بھی کوئی لڑکی بہار کی صورت آئی ہے۔

"بھائی ایک لڑکیاں بھی خود کو پوز کریں، فطرتاً وہ سب اندر سے عام سی لڑکیاں ہوتی ہیں، بے حد عام سی"۔

کونین کے لفظوں نے حورین کے لفظ یاد دلا دیے تھے۔ وہ منہ بنا کر بولا۔ کونین ہنس پڑا تھا۔

"ہوں..... پکڑی گئی چوری..... اس لڑکی سے ہی لڑ کر آ رہے ہو..... ہے ناں یہ بات؟ یہ کیا یار تمہیں پیار کیے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور تم نے لڑائیاں بھی شروع کر دیں..... شیم آن یو، مجھ جیسے سچے عاشق کے بھائی ہو کے ایسی حرکت ہوتے ہوئے شرم نہیں آتی ہے"۔

"ایسی بات نہیں ہے بھائی"۔ وہ جھینپ سا گیا۔

"ایسی ہی بات ہے، چلو فٹافٹ ہاتھ لو، حلیہ درست کرو، پھر اسے کال کر کے ایکسکیوز کرو، اسے کسی شاندار سے ہوٹل میں ڈنر پر بلاؤ اور سرخ پھولوں کا بکے لو اس کے لیے اور ساتھ اس کی پسند کا کوئی گفٹ بھی خرید لینا۔ یہ ہوتے ہیں منانے کے طریقے۔ میری اور خضری کی ایک بار بھی لڑائی نہیں ہوئی ہے مگر میں پھر بھی اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھتا ہوں"۔

"بات ایسی کوئی ہے نہیں"۔ وہ اسے موضوع سے ہٹانا چاہ رہا تھا۔

"نہیں ہے تو ہو جائے گی۔ لڑکی تو آ گئی ہے تمہاری زندگی میں"۔

"آپ بھی کہاں نانو اور مما کی باتوں میں آ گئے ہیں"۔ وہ کہتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"مما! یہ کیا بے وقوفی کی ہے آپ نے؟"

کونین کے جاتے ہی منال بیگم بگڑے لہجے میں فائقہ سے مخاطب ہوئیں۔

"ارے ایسا کیا کر دیا میں نے جو مجھ پر آنکھیں نکال رہی ہو؟"

"آپ میں یہی تو برائی ہے، سب کام بگاڑ کر بھولی بن جاتی ہیں، کیا ضرورت پڑ گئی تھی آپ کو پرنس کے افیئر کی خبر دینے کی۔

اب وہ سیدھا اس کے پاس جائے گا اور اسے عشق کا سبق پڑھائے گا۔ آپ نے میری ساری محنت بگاڑ کر رکھ دی ہے"۔

"تو سدھار لو، ویسے بھی آج کل بڑے تعلقات سدھارنے والی بن رہی ہو۔ بھاگ بھاگ کر اسی ولیز پر جا رہی ہو جو کبھی تھوک آئی تھی، پھر کون سا تم مجھے اپنے منصوبوں سے آگاہ رکھتی ہو جو میں ایسے کام نہ کروں...... خود سوچتی ہو، خود ہی عمل کرتی ہو"۔

فائقہ بیگم بھی کئی دنوں کی دل میں بھری بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"میرا وہاں جانا ہی آپ کو کھٹکتا ہے، حالانکہ سب جانتی ہیں کہ میں وہاں کس دل سے جاتی ہوں۔ منزل کے حصول کے لیے نامعلوم کون کون سے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے، ہر راستہ پھولوں بھرا نہیں ہوتا۔ کہیں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور کہیں کانچ بھی"۔

"میرے کاندھے پر چڑھ کر میرے کان مت کھاؤ، خود کو اب مجھ سے بھی زیادہ عقل مند اور ہوشیار سمجھنے لگی ہو جو کسی بات کی بھنک تک نہیں لگنے دیتی۔ بس یہی کہتی رہتی ہو...... انتقام لوں گی...... انتقام لوں گی...... کب آئے گا وہ دن؟"

"بہت جلد...... بہت ہی جلدی...... بازی پوری طرح میرے ہاتھ میں آ چکی ہے۔ کامیابی ہم سے اب اتنی ہی دور ہے جتنی دور وہ لڑکی ہے لیکن ابھی جو آپ نے کیا ہے، وہ اچھا نہیں ہے۔ اب مجھے کوئی چکر وکر چلا کر نمین کو یہاں سے باہر بھیجنا پڑے گا...... ورنہ بازی اُلٹ جائے گی"۔

ان کا شاطر ذہن کاروباری معاملوں میں کوئی ایسی کمزوری تلاش کر رہا تھا جو نمین کے کسی بیرونِ ملک جانے کا سبب بن سکے۔

"بعض دفعہ میری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں، اگر ہماری باتوں کے دوران کو نمین آ گیا تھا تو میں کوئی دوسری بات بنا بھی سکتی تھی مگر اس وقت میں اس قدر پریشانی کہ سب سچ سچ اسے بتاتی چلی گئی۔ تمہاری طرح یہ بات میں نے بھی اسی لیے چھپائی کہ وہ بھائی کو اور حوصلہ دے گا جو ہمارے لیے مصیبت بنیں گے"۔

☆......☆......☆

حورین اور ذوالنون کے درمیان ایک اَن دیکھی سی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے کی طرح بھرپور طریقے سے اسے اگنور کرنا شروع کر دیا تھا، حالانکہ وہ سب سے پہلے کی طرح ملتا تھا۔ جامعہ میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ کبھی سب کی موجودگی میں اسے حورین کو مخاطب بھی کرنا پڑتا تو اس کا انداز بے حد سرسری سا ہوتا تھا۔ اس کا یہ بدلا بدلا انداز حورین کی دُنیا ہی بدل چکا تھا۔ اس کی محبت و وارفتگی نے اسے پتھر بنائے رکھا تھا لیکن...... یہ بے گانگی و اجنبیت اسے احساس دلانے لگی۔ وہ محبت کی آگ میں یکطرفہ نہیں جل رہا۔ وہ آگ اس کے دل تک پہنچ چکی ہے۔

ذوالنون نے جو کچھ اس سے کہا تھا وہ سو فیصد درست تھا۔ یہ اس کی اعلیٰ ظرفی تھی، بلند کرداری تھی۔ بے حد نازک مقام پر بھی اس کے نفس نے کہیں دھوکہ نہیں دیا تھا۔ وہ ثابت قدم رہا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ ذوالنون سے معافی مانگ لے گی مگر وہ موقع کہاں دے رہا تھا۔ آج بھی سارا دن وہ اس کے پیچھے خوار ہوئی تھی۔ کئی پیریڈ بھی مِس کیے تھے مگر وہ اس کی پرچھائیں دیکھتے ہی غائب ہو جاتا تھا۔ تھک کر

اس نے حیدر سے رابطہ کیا تھا۔

"زہے نصیب کہ آج آپ کو اعتبار آ ہی گیا۔ آپ بے فکر ہیں۔ اس کو کان سے پکڑ کر میں آپ کے پاس لاؤں گا، ابھی تو چھٹی کا ٹائم ہے۔ کل میں لے کر آتا ہوں اس کو"۔

حیدر نے ساری بات سن کر مطمئن انداز میں کہا، وہ وہاں سے چلی آئی۔

"آج نا معلوم تم کہاں کہاں تنہا گھومتی پھر رہی ہو، چلو انکل آئے ہیں کار لے کر"۔ مومل اور رزویا اس سے آ کر بولیں۔

"اوہ ڈیڈی آ گئے؟" وہ مسرت سے گلنار چہرہ لیے انس صاحب سے لپٹ گئی جو ایک ماہ بعد ملائیشیا سے لوٹے تھے۔

"یہ..... انس..... یہ..... حورین ہے ناں؟" پیچھے کی سائیڈ کار میں بیٹھی ہوئی منال بیگم نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جی مما! آپ کو کیا ہو رہا ہے؟" وہ ہنستی مسکراتی ماں کے چہرے پر یکلخت اُبھرنے والے تکلیف دہ تاثرات سے پریشان ہو گیا۔

"وہ..... وہ..... شخص..... کون ہے؟" وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں مگر ان کی نگاہیں انس صاحب کے سینے سے لگی حورین پر تھیں۔

"وہ اس کے فادر ہیں"۔ ذوالنون اُلجھے اُلجھے لہجے میں بتا رہا تھا۔

"او گاڈ! اوہ یہ نہیں ہو سکتا"۔ وہ وہیں بے ہوش ہو گئیں۔

......❀......
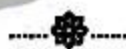
کئی گھنٹے گزرنے کے بعد منال بیگم کو ہوش آیا تھا۔

"پلیز، آپ لوگ ان سے ابھی کوئی ایسی بات نہ کیجئے گا جس سے ان کی برین یا ہارٹ کنڈیشن پر ایفیکٹ ہو"۔

اُن کے ہوش میں آنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے انہیں سمجھایا تھا اور ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئی تھی، وہ تینوں اُن کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ منال بیگم کی خالی خالی نگاہیں بیٹے کے چہرے پر تھیں جس پر ماں کی بالکل اچانک بگڑتی طبیعت کی وجہ سے پریشانی، فکرمندی اور اضطراب شدت سے پھیلا ہوا تھا۔

"مما! آپ بالکل ٹھیک ہیں"۔ کونین نے ان کی پیشانی چومتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"اتنی بزی رہنے لگی ہو، گھر کی، بزنس کی ہر ٹینشن میں گھری رہتی ہو، یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہر وقت کی سوچ و پریشانی نے یہ دن دکھایا ہے"۔ فائقہ گلوگیر لہجے میں ان کے تکیے پر بکھرے بال اُنگلیوں سے سنوارتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"نانو..... ابزنس کی کیا ٹینشن ہے؟" کونین نے چونک کر کہا۔

"کوئی نہ کوئی تو ہو گی، یہ اب ہر بات تو تمہیں بتاتی نہیں کہ بچے ہی ہو آخر..... یہ کام تو تمہارے ڈیڈی کے کرنے کے تھے..... مگر وہ بدخصلت انسان بیوی کے ساتھ ساتھ بچوں کی بھی زندگی بھر کی خوشیاں سمیٹ کر لے گیا ہے، اگر وہ ہوتا تو....."

"پلیز نانو..... اسٹاپ دس ٹاپک"۔ ذوالنون سنجیدگی سے گویا ہوا، نہ معلوم یہ کون سا احساس تھا، باپ کے خون کی گرمی تھی یا اس

کے سینے میں ہر دم مچلتی ہوئی محبت کہ اس احساس و دکھ کے باوجود کہ بابا نے اس طرح راہِ فرار اختیار کر کے کوئی معتبر احساس نہیں بخشا تھا مگر پھر بھی کوئی اس کے بابا کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا تو اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا، خواہ منال بیگم ہی ہوں۔

"آپ باپ کی حمایت لینا مت چھوڑنا، نہ معلوم کیسی محبت ہے یہ، جس باپ نے اتنے سالوں میں پلٹ کر نہیں دیکھا، اس کی یاد ابھی تک آپ کے دل میں موجود ہے"۔

"فائقہ ذوالنون کی جانب دیکھتی ہوئیں استہزائیہ انداز میں بولیں۔

"آفٹر آل وہ میرے بابا ہیں، وہ میری ذات کی اساس ہیں، میری پہچان ہیں، میں انہیں کس طرح اوائیڈ کر سکتا ہوں، ابھی ایسی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے، مما ایسی باتوں سے ریلیکس نہیں ہوں گی"۔ وہ کہتا ہوا منال بیگم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"کیسا فیل کر رہی ہیں مما آپ؟" وہ جھک کر پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہوں"۔ وہ نحیف و نزار لہجے میں گویا ہوئیں۔ نگاہیں ذوالنون کے چہرے پر تھیں جوان کے نزدیک سر جھکائے کھڑا بڑی پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا مگر اس کی خوبصورت گہری آنکھوں کی گہرائیوں میں بہت سارے اضطراب انگیز، تجسس زدہ سوالات موجزن تھے۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ حورین اور اس کے فادر انس صاحب کو دیکھ کر پہلے تو بے چین ہوئی تھیں پھر اس سے یہ تصدیق ہونے کے بعد کہ وہ حورین کے فادر ہیں تو یکلخت بے چین و پریشان نظر آئی تھیں، پھر بے ہوش ہو گئی تھیں۔

ذوالنون سیدھا انہیں ہسپتال لے آیا جہاں ان کی فیملی ڈاکٹر نیلوفر عابد نے فوری طبی امداد دی تھی، وہ اب ہوش میں تھیں، وہ انداز ہی اس جیسے بے انتہا حساس و جذباتی بندے کو اضطرار میں مبتلا کرنے کو کافی تھا، وہ کسی حالت میں خاموش رہنے کی عادی نہ تھیں، اس وقت ان کے لبوں کی جامد خاموشی اسے متوحش کر رہی تھیں اور وہ خود کو ان دیکھی اُلجھنوں میں محسوس کر رہا تھا۔

"پرنس......!" انہوں نے اس کے چہرے پر کانپتا ہوا ہاتھ پھیرا، ان کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے۔

"مما...... مما! آپ روئیں مت پلیز"۔ ذوالنون کے ساتھ کونین بھی تڑپ اُٹھا تھا۔ اس نے بھی پہلی بار ماں کو اتنا کمزور دیکھا تھا۔

"میں تم سے بے حد محبت کرتی ہوں، تم دونوں میں میری جان ہے، مجھ سے کوئی انجانے میں زیادتی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا"۔

"ایسی بات مت کریں مما! آپ کو کچھ نہیں ہوگا"۔

کونین جو از حد کمزور حوصلے و ہمت کا مالک تھا، وہ رو پڑا تھا، جبکہ دل کی دُنیا تو ذوالنون کی زیر و زبر ہوئی تھی مگر وہ کب کسی کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرنے والا تھا، وہ اپنے آنسو اپنے آپ سے بھی چھپانے کا قائل تھا، سو ضبط کرتا ہوا مما کے ساتھ ساتھ اور کونین کو بھی تسلی دینے لگا، کونین کو اس کے اسی حوصلے و ہمت پر فخر تھا۔

"توبہ...... منال! حوصلہ کرو، بچوں کا دل بھی کمزور کر رہی ہو، اب تم آرام کرو، بزنس کے جو بھی معاملات ہیں، میں اور کوثین دیکھ لیں گے، بلکہ تم بیٹا! جاکر ایک ٹور فارن آفس کا کرآؤ، بہت عرصہ ہوا ہے یہی فکر منال کو زیادہ ڈسٹرب کیے ہوئے ہے"۔

"او کے نانو...... ! میں اسی ہفتے میں چلا جاؤں گا، ویسے وہاں ضرورت تو نہیں ہے، چند دنوں قبل ہی وہاں سے آئے ڈیلی گیشن سے میٹنگز ہو چکی ہے مگر مما کی خاطر میں وزٹ کر آؤں گا"۔

"خوش رہو"۔ انہوں نے طمانیت بھری سانس لے کر منال کو دیکھا۔

"مما...... ! یہاں سے ڈسچارج کب ہوں گی؟ مجھے یہاں گھٹن ہو رہی ہے"۔

"کچھ دن آپ ریسٹ کر لیں مما! یہاں اچھی ٹریٹمنٹ ہوگی"۔

"نہیں پرنس! میں جانتی ہوں منال اگر یہاں رہی تو اور بیمار ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نیلو روز گھر پر آکر ٹریٹمنٹ دیں گی۔ چلو چل کر ان سے بات کرتے ہیں جو محبت و توجہ ہم سے ملے گی، وہ یہاں کہاں مل سکتی ہے منال کو۔ بہت محبت کی ضرورت ہے اب، اگر میں کہوں کچھ تو تمہیں برا لگے گا مگر حقیقت یہی ہے حمزہ نے میری پھول جیسی بیٹی کی رتی بھر قدر نہیں کی"۔

وہ کمرے سے نکل کر راہداری سے گزر رہے تھے۔ ڈاکٹر نیلوفر کے پاس جانے کے لیے، فائقہ بیگم کے لہجے میں نرمی و تاسف تھا۔

"آپ ہر بار بابا کو ہی کیوں مورد الزام ٹھہراتی ہیں...... اس میں کہیں نہ کہیں غلطی مما کی بھی ہوگی"۔

اس بار اس کے انداز میں تلخی و ترشی کے بجائے سچائی جاننے کی تڑپ تھی، فائقہ نے مڑ کر بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں...... مگر اتنی نہیں جتنی اسے سزا ملی اور مل رہی ہے"۔

"مما اور بابا کے درمیان کیا ہوا تھا؟"

نہ معلوم کس طرح اس کے منہ سے یہ سوال نکل گیا اور فائقہ بیگم تو اندر ہی اندر فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھی تھیں، یکلخت ہی انہیں لگا مدتوں بعد ان کے نصیب جاگ اُٹھے ہیں۔ ہر کام، ہر بات ان کے حق میں ہو رہی تھی۔ کامیابیاں ان کے مقدر میں لکھی جا چکی تھیں۔

"برداشت کر سکو گے اس سچائی کو؟ اس حقیقت کو؟"

"جی...... ایک عمر کا سفر اسی شے پر سوار ہو کر کیا ہے"۔

"ٹھیک ہے آئی پرامس یو، میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی، جو ہم پر گزری، تمہاری نانو اور مما کے ساتھ جو ہوا سب بتاؤں گی"۔

نانو کے غم زدہ انداز پر ذوالنون کے ماتھے پر شکنوں کے جال بن گئے۔

☆......☆......☆

پھولوں میں حسین گلاب ہے

پڑھنے کے لیے ضروری کتاب ہے

دُنیا میں ہر سوال کا جواب ہے

گر کوئی مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھے

تو کہوں گا......لاجواب ہے

بہت عرصے بعد ہیرو اپنے موڈ میں آیا تھا۔ کمرے سے نکلتی حورین کو دیکھ وہ اپنے مخصوص اسٹائل میں گنگنایا تھا۔

"بڑے فریش دکھائی دے رہے ہو، بڑی خوشی ہے، ایگزامز سے فری ہونے کی؟" وہ جو مومل کے پاس جانے کے لیے کمرے سے نکلی تھی، اسے اپنی راہ میں بڑے استحقاق سے حائل دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"آف کورس...... کسے خوشی نہیں ہوتی اس جھنجھٹ سے آزاد ہونے کی"۔

"اوہ......!اب کیا ارادے ہیں؟" وہ قصداً مسکرائی۔

"ارادے......تو بڑے نیک ہیں اگر تم ساتھ دو تو مرید اور نیکیاں سمیٹ سکتا ہوں"۔ وہ قدرے اس کی آنکھوں میں جھانکتا گویا ہوا۔

"خاموش؟" اس نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"شادی سے بڑھ کر نیک کام کیا ہو سکتا ہے، ایک بار یہ نیکی ہو جائے تو پھر سوچو"۔ وہ قصداً اس سے دور ہٹا تھا۔

"ہر سال نیکی......سال کے سال نیکیاں...... بلکہ کبھی جڑواں بھی نیکیاں آجاتی ہیں بلکہ...... بلکہ کبھی کبھی تو ٹرواں بھی......"

"اوہ شٹ یور ماؤتھ ایڈیٹ!" وہ چیختی ہوئی وہاں کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے لگی جو بآسانی اسے کھینچ کر ماری جاسکے مگر وہاں ممی پلانٹ بھاری گملوں میں آویزاں تھے جنہیں اُٹھانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

"میں......تمہیں جان سے ماردوں گی"۔ وہ اس کے پیچھے بھاگی تھی، مگر وہ اس کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا، لمحوں میں ہوا ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ اس قدر ہانپ کیوں رہی ہو؟"

مومل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استعجابیہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ ہیرو ہی ہے...... بعض اوقات اس قدر چیپ مذاق کرتا ہے، برداشت کرنا امپاسبل ہو جاتا ہے"۔

وہ قریب بیٹھتے ہوئے منہ بنا کر گویا ہوئیں، مومل مسکرادی تھی۔

"وہ مذاق کرتے ہیں تم سے اور تم سیریس ہو جاتی ہو"۔

"ہوں......شاید میرے اندر سینس آف ہیومر کمزور پڑتا جارہا ہے"۔ اس کے اعتماد سے عاری لہجے پر مومل نے اس کی طرف خلوص بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ آف وحائٹ پر ملٹی ایمبرائیڈری والے سوٹ میں اس کی شفاف اسکن میں اندرونی ٹوٹ پھوٹ،

جذبوں کی شکست وریخت کی اُداسیاں بکھری اس کے ملکوتی حُسن کو سحر انگیز جلا بخش رہی تھیں۔ وہ اس وقت لان کے عقبی حصے میں کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔

اکتوبر کے اوائل دن اپنے پہروں میں خنکی لیے ہوئے نمودار ہوئے تھے۔ آسمان صاف تھا، چاند بھی اپنے جھرمٹ میں مدھم مدھم ٹمٹماتے ہوئے ستارے لیے نمودار تھا، وہاں ترتیب سے لگائے گئے پھولوں کے پودوں سے ٹھنڈی ہوائیں معطر تھیں، دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ہوا احساسات کو گدگداتی تھی، دل ودماغ کو تروتازہ کردیتی تھی۔

''میں تم سے بار بار کہتی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں، سرینڈر کردو، ہم دوسروں سے جیت سکتے ہیں مگر خود سے، اپنے آپ سے جیتنا ناممکن ہے، مان لو، سمجھ جاؤ اپنے دل کی بات کہ..... تم ذوالنون بھائی سے پیار کرنے لگی ہو''۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر گویا ہوئی۔

''مومل.....!'' مومل کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ کانپ اُٹھا، اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ پھیلا تھا۔ ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

''زبان کے اقرار سے زیادہ طاقت ہمارے اندر کے اقرار کی ہوتی ہے، قلبی اقرار کی۔ جب دل نے بہت خاموشی سے اقرار و اثبات کے مرحلے طے کرلیے تو جذبات واحساسات کے آگے میں شکستہ پا ہوتی چلی گئی''۔

''پھر اس قدر پژمردہ، مضمحل واُداس کیوں رہنے لگی ہو؟ سنا ہے محبت تو وہ خوش رنگ بہار ہے جو خزاؤں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے، ویرانوں کو گلستاں بنادیتی ہے، جس کی لگن سے پتھروں میں پھول کھل اُٹھتے ہیں۔ بہت عام سا چہرہ بھی حسین ہوجاتا ہے مگر..... تمہارے ساتھ تو معاملہ ہی علیحدہ ہے''۔

مومل اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی، چاند کا عکس ان لمحوں میں اس کے صبیح چہرے پر پڑ رہا تھا۔ چاندنی کے مدھم غبار میں اس کے چہرے کے نقوش سے عجیب سی مغموم کیفیت عیاں تھی۔

''ہاں..... بالکل درست تجزیہ کیا تم نے''۔

حورین نے گہری سانس لے کر سر کرسی کی بیک سے ٹکادیا۔

''اس کا مطلب ہے تم ابھی تک دوکشتیوں کی سوار ہو؟''

''نہیں..... ایسا تو..... نہیں ہے''۔

''پھر یہ اُلجھن بھری بے اعتباری؟ بے سکون اعتبار کے معنی؟''

''یہی ٹینشن، یہی کیفیت مجھے ٹینس کیے ہوئے ہے''۔ وہ مضطرب سے انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اس کی خوب صورت آنکھوں میں اضطراب ہلکورے لیتا تھا۔

''میں جب بھی اُس کے بارے میں سوچتی ہوں..... کوئی نادیدہ شے رکاوٹ بن جاتی ہے، گویا کوئی مجھے اس کی طرف بڑھنے سے روک رہا ہو، میں جتنا اس کی طرف بڑھنا چاہتی ہوں، سوچنا چاہتی ہوں، اتنی شدت سے اس سے دور رہنے کی، اس سے چھپ جانے

کی ترغیب بھی میرے اندر سے متحرک ہونے لگتی ہے، بتاؤ اب میں کیا کروں؟ میرا دل ہی جب ڈبل کراس کرنے لگے تو"۔

"ڈونٹ وری یار...... اپ سیٹ مت ہو، یہ کوئی ایسی پریشان ہونے والی بات نہیں ہے۔ ایکچوئلی تمہارے اور ذوالنون بھائی کے درمیان جو لانگ ٹائم رسہ کشی ہوتی ہے، یہ اسی کا رزلٹ ہے کل جو تم نے ان سے برا رویہ اختیار کیا ہے، اس کی ایکسکیوز کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"آج سارا دن ٹرائی کرتی رہی ہوں مگر وہ صاحب تو اگنور کر رہے ہیں"۔

"ان کا رائٹ ہے، تم نے زیادتی بھی بہت کی ہے"۔

☆......☆......☆

خواہشیں کیا ہیں......؟

ایک کبھی سمجھ میں نہ آنے والا سوال! کبھی حل نہ ہونے والا معمہ!

خواہشیں!

آرزوئیں!

تمنائیں!

جن کے حصول کے لیے حیات کے طویل دن و رات بھی کم لگتے ہیں تو کبھی یہ زیرِ دست آ کر بھی اپنے معنی کھو بیٹھتی ہیں۔

خواہشیں درحقیقت اس خوش رنگ، خوب صورت تتلیوں کی طرح ہیں جو آپ سے آگے آگے، اوپر ہی اوپر پرواز کرتی ہیں تو دسترس سے باہر ہونے کے باعث پُرکشش دکھائی دیتی ہیں اور آپ ان کے حصول کے لیے دیوانہ وار دوڑ لگا دیتے ہیں، جب بے حد جدوجہد، بے انتہا مشکلات اُٹھانے کے بعد تتلی کو پکڑ لیتے ہیں تو اس کے تمام کچے رنگ آپ کے ہاتھوں میں سمٹ آتے ہیں پھر وہ...... خوب صورتی، کشش و دلکشی لمحوں میں زائل ہو جاتی ہے اور آپ سوچتے ہیں کاش تتلی کا ہاتھ نہ آنا ہی بہتر تھا۔

کرن ٹیرس پر کھڑی نیچے بہت خوب صورتی سے سنوارے گئے لان کو دیکھ رہی تھیں۔ بہترین تزئین و آرائش نے اس گھر کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ انس صاحب نے فل ڈیکوریٹڈ بھی کروا دیا تھا۔ چند دنوں میں وہ یہاں شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ وہ بڑے مسرور سے انداز میں ٹیرس کی جانب آئے تھے مگر اُداس چہرہ بھیگی ہوئی آنکھیں کرن کی انہیں سنجیدہ کر گئی تھیں۔

"کیا سوچا جا رہا ہے؟" وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

"کچھ نہیں"۔ وہ گہری سانس لے کر وہیں چیئر پر بیٹھ گئیں۔

"کچھ نہیں...... بہت خاص سوچا جا رہا تھا، اتنا خاص کہ تمہیں یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ تم دو گھنٹے سے ایک ہی جگہ کھڑی تھیں"۔

"اچھا...... آپ دور دور سے جائزہ لے رہے تھے؟" وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"آف کورس، کچھ عرصے بعد ہم لوگ یہاں شفٹ ہو جائیں گے، کیا تب بھی تمہاری یہی فیلنگز، یہی رویہ رہے گا؟"

انس صاحب از حد سنجیدہ تھے، کرن نے جانچتی نگاہوں سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا، جہاں خفگی آمیز سنجیدگی تھی۔ محبت بھری رفاقت کے دوران بہت ہی کم انہوں نے ان کے چہرے پر ایسی سنجیدگی دیکھی تھی، ورنہ وہ انہیں ہر دم ہی ہشاش بشاش، خوش وخرم دکھائی دیتے تھے، خود بھی زندگی انجوائے کرتے تھے اور انہیں بھی حتیٰ المقدور خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔ ماضی میں انہوں نے محبت کی تھی، ایک ناکام محبت یا محبت کے نام پر دھوکا کھایا تھا مگر کرن سے شادی کے بعد انہوں نے بلند ظرفی و وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی محبت، چاہت و اپنائیت دی تھی کہ جو رشتوں و چاہتوں پر سے اعتبار کھو بیٹھی تھی۔ از سر نو اعتبار و اعتماد ان کی محبتوں کی بدولت حاصل کر پائی تھیں۔

ایسے پُرخلوص و بےلوث حسین ساتھی کی ناراضی کی وہ متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے اور ان کے درمیان کوئی رنجش نہیں چاہتی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا، یہ تو وقت کی گرد ہے، جب اُڑتی ہے تو نگاہوں کو نمناک کر دیتی ہے۔ ماضی اور حال کا تعلق بہت گہرا ہوتا ہے۔ حال کے ہر موڑ پر ماضی مجسم ہوتا ہے ہم اس سے دامن چھڑانا بھی چاہیں تو نہ چھڑا پائیں گے"۔

"دامن چھڑانا علیحدہ بات ہے، دامن بھگونا علیحدہ۔ ماضی یاد رکھنا اچھی بات ہے مگر ماضی پرستی اس حد تک ہو کہ وہ حال پر حاوی ہو کر تمام خوشیوں و مسرتوں کو بدنما کر دے، یہ کہاں کی دانش مندی ہے یار؟"

انس صاحب کے چہرے سے خفگی جھلکتی تھی، مگر لہجہ نرم ہی تھا۔

"ہرٹ ہو رہے ہیں آپ! آئی ایم سوری، میں کوشش کروں گی، ایسا پھر کبھی نہیں ہوگا"۔

کرن نے ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو بےساختہ ان کے لبوں پر تبسم پھیل گیا تھا۔

"اوکے، میں نے اعتبار کیا"۔

انہوں نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"آپ کبھی مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا"۔

"ہوں...... آپ بھی رنجیدہ مت ہونا"۔

وہ شوخ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں سوچتی ہوں، وقت آ گیا ہے کہ ہمیں حورین کو وہ سب بتا دینا چاہیے جو اب تک ہم اس سے چھپاتے آئے ہیں"۔

"ہاں...... میں بھی یہی چاہتا ہوں، یہاں شفٹ ہونے سے قبل حورین ہر بات سے واقف ہو"۔

☆......☆......☆

جامعہ میں دو گروپس کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے باعث یونیورسٹی بند کر دی گئی تھی۔ حورین جو ذوالنون سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی، یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے بددل ہو کر رہ گئی۔ ایسے میں پروفیسر آفتاب کی جانب سے ٹی پارٹی کی دعوت اسے بےحد

مسرور کر گئی کہ جانتی تھی وہاں وہ کشور شخص ضرور آئے گا۔ پھر حیدر کی جانب سے ملنے والی حوصلہ افزائی بھی اسے حاصل تھی۔ سر کی طرف سے دی جانے والی ٹی پارٹی کی دعوت سے قبل ہی سوہل اور زویا اپنی کزن کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ سر سے انہوں نے معذرت کر لی تھی۔

جبکہ وہ خوش خوش تیار ہونے لگی تھی۔ سرخ و دھانی کلر کے کنٹراسٹ سوٹ پر سنہری ستارے و موتیوں کا فینسی ورک تھا جو اس کی شفاف رنگت پر بے حد کھل رہا تھا، روبی کے نازک سے جیولری سیٹ کی تمام جگمگاہٹ اس کے حسین چہرے پر در آئی تھی۔ اس کی ڈارک براؤن خوب صورت آنکھوں میں آکاش کے ستاروں کی روشنیاں سمٹ آئی تھی، گھنے سلکی بالوں کو اس نے یونہی پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔

"آج سے قبل تو کبھی اس طرح تم نے خود کو نہیں سنوارا، بار بار آئینہ نہیں دیکھا...... یہ لباس، یہ جیولری! ایسی میچنگ آج سے پہلے تو نہیں کی...... کیا یہ سب اس شخص کے لیے ہے؟ جس کو تم ابھی تک کوئی ایسی حیثیت نہ دے پائی ہو کہ جس کے حوالے سے اس طرح تیار ہو سکو"۔

لپ اسٹک کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ یک دم رُک گیا، اپنے اندر سے آئی اس طنزیہ آواز سے وہ سراسیمہ ہو گئی تھی۔

"مم...... میں اسی طرح تیار ہوتی ہوں اور...... اور میری شاپنگ مما کرتی ہیں، وہ ہمیشہ سے ہر چیز میچنگ کی لانے کی عادی ہیں، آج کوئی امیزنگ بات نہیں ہے"۔ اس نے خود کو جھٹلایا۔

"تم...... اپنے آپ سے جھوٹ بول رہی ہو؟ جانتی ہو انسان سب سے جھوٹ بول سکتا ہے مگر خود سے نہیں"۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ میں کیوں جھوٹ بولوں؟"

"اچھا...... اچھا اقرار کرو، تم ذوالنون کے لیے تیار ہوئی ہو تم اسے امپریس کرنا چاہتی ہو، تم چاہتی ہو، وہ تمہیں دیکھے اور"۔

"شٹ اَپ، ایسا کچھ نہیں ہے"۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نظر آتے خود کے عکس کو دیکھ کر چیخی تھی، جواباً اس کے اندر کسی گوشے میں استہزائیہ ہنسی کی جھنکاریں دور دور تک گونجتی چلی گئی تھیں، وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

در آئینہ نظر آتے اپنے عکس سے وہ نگاہیں ملانے کے قابل کہاں رہی تھی۔ یہ سچ تھا آج سے قبل اس کی ڈریسنگ میں اس طرح جذبوں کی رعنائی، احساسات کی اُمنگ، نئی نویلی اُمیدوں کی ترنگ کیا کچھ شامل نہ تھا، پہلی بار خود کو سجانے سنوارنے کی خواہش بے ساختہ ہی پیدا ہوئی تھی، اگر اس کے اندر کی وہ آواز طنز نہ کرتی تو وہ ان کاسمیٹکس کا بھی استعمال کر لیتی جن کو کبھی چھوا بھی نہ تھا، جو زیادہ تر زویا، سوہل وغیرہ کے استعمال میں رہتی تھیں۔

"واپسی کب تک ہوگی حورا" کرن اندر آ کر گویا ہوئیں۔

"معلوم نہیں مما! شاید زیادہ دیر نہ ہو، ٹی پارٹی ہے، جلد ہی ختم ہو جائے گی، آپ کو کوئی کام ہے کیا؟"

"کام تو نہیں، بس ایسے ہی دل چاہ رہا ہے ہم ماں بیٹی بہت ساری باتیں کریں۔ بہت پرانی بالکل بیسٹ فرینڈز کی طرح، ہم دوست ہو سکتے ہیں نا بہت اچھی فرینڈز؟" کرن اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں، اس سمے ان کی نگاہوں میں، لہجے

میں، انداز میں، نامعلوم کیا تھا کہ حورین کو وہ بہت پُراسرار اور اُلجھی اُلجھی سی محسوس ہوئی تھی۔ بہت تنہا۔

بہت دکھی۔

بہت غم زدہ۔

"شیور...... آف کورس مما ہم بیسٹ فرینڈز ہیں"۔ وہ بڑی محبت سے ان سے لپٹتے ہوئے بولی تھی۔

"تھینکس مائی گاڈ! اینڈ تھینکس مائی ڈیئر!" انہوں نے فرط محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جاتی مما! سر سے ایکسکیوز کرلوں گی"۔ اس نے محسوس کیا سوبر، کم گو، ڈری ڈری سی رہنے والی اس کی مما کو اس کی کمپنی کی ضرورت ہے، وہ بے حد مضطرب وافسردہ نظر آرہی تھیں۔ ان کے انداز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو وہ دل کی سرخوشی کو نظر انداز کر کے پارٹی میں نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا! باتیں تو ہوتی رہیں گی، آپ پارٹی مس نہ کریں، بہت کیوٹ لگ رہی ہو"۔

انہوں نے اس کی جانب پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا سی گئی۔ اسے محسوس ہوا مما نے اس کی چوری پکڑ لیا ہے۔

"میں...... جلدی آجاؤں گی"۔ وہ نروس تھی۔

"نہیں...... پارٹی کے ختم ہونے پر ہی آیئے گا"۔

اس کے دل کی دگرگوں حالت سے بے خبر وہ محبت سے کہہ رہی تھی۔ لمحے بھر کو اسے خود پر حیرت ہوئی کہ وہ کس طرح خائف تھی کہ کہیں مما اس کے دل کا حال بھی تو نہ گئیں؟......

محبت بھی کیسے کیسے حربے سکھاتی ہے، چالاک و شاطر بنا دیتی ہے۔ انسان خود ہی وہ کام کرنے لگتا ہے جس سے ناواقف ہوتا ہے۔ ان دنوں وہ اپنے احساسات کا موازنہ کر رہی تھی۔

حسب عادت پروفیسر آفتاب نے پُرتپاک استقبال کیا تھا۔ سب لوگ آچکے تھے جن میں کچھ دوسرے ڈپارٹمنٹس کے طلباء کے علاوہ ان کے قریبی دوست وکولیگز شامل تھے۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ اس کی ساتھیوں میں مونی، زویا پہلے ہی دوسری پارٹی میں گئی ہوئی تھیں۔ یہاں روداد شمرین کو بھی موجود نہ دیکھ کر اسے تنہائی کا احساس ہوا تھا اور یہ احساس چند لمحے ہی رہا تھا کیونکہ سر آفتاب نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ وسیع حال میں کہا گہمی تھی۔ زیادہ تر مردوں کے ساتھ ان کی بیگمات بھی شریک تھیں۔ سو اس محفل میں خوشگوار رنگینی اچھی لگ رہی تھی۔ سر آفتاب کسی مہمان کے بلانے پر اس جانب بڑھے تو وہ ایک طرف کھڑی ہوگئی اور اس کی متلاشی نگاہیں لوگوں سے ملتے ملاتے ذوالنون پر تھیں۔

لائٹ جینز و آف وہائٹ شرٹ میں اس کی دراز پرسنالٹی نمایاں تھی۔ وہ کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی، اس کی اٹریکٹیو پرسنالٹی میں عجیب وقار و شاہانہ پن تھا۔ لاپروائی و بے نیازی اس کے ہر انداز سے عیاں تھی، وجیہہ چہرے پر سنجیدہ و دھیمی سی مسکراہٹ تھی جو اس کے

چہرے کو روشن کیے ہوئے تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے میں ہمہ وقت رہنے والے حزن وملال کی سرخی اس کے کسی المناک دُکھ کو ظاہر کرتی تھی۔

"ایسا کیا دُکھ ہو سکتا ہے اس شخص کو؟ بھلا اس شخص کو بھی کوئی دُکھ، کوئی غم چھو سکتا ہے جو دوسروں کے دُکھ سمیٹ لیتا ہے، جو ہر طرح سے مکمل وآسودہ دکھائی دیتا ہے"۔ وہ اس کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس کی موجودگی سے پوری طرح باخبر تھا اور کئی بار اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر انجان بن گیا تھا، اس کے ہر انداز سے خفگی و ناراضی ظاہر تھی۔

"السلام علیکم!" حیدر نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

"آپ کی وہ کراما کاتبین نہیں آئیں؟"

"وہ بر تھ ڈے پارٹی میں گئی ہیں"۔

"اچھی بات ہے، آپ یہاں آ گئیں ورنہ پارٹی بے رونق رہتی، ذوالنون سے ملی ہیں آپ؟" وہ شوخ انداز میں گویا ہوا۔ حورین نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس کی خاموشی سے وہ سمجھ گیا اور کچھ کہے بنا وہاں سے چلا گیا۔ چند لمحوں بعد آیا تو ذوالنون ساتھ تھا۔

"پکڑ لایا ہوں آپ کے مجرم کو، اب کوئی سخت سزا دیجئے گا"۔ حورین اسے سامنے دیکھ کر بری طرح کنفیوز ہو گئی تھی۔

"تمہاری گردن میں تو کلف لگا رہتا ہے برائے کرم اب اس سے نجات پا لو تو بہت اچھا ہے، کیونکہ اب تم...... تم تنہا نہیں ہو"۔

"او کے، فار دا تھینکس ایڈوائز یو کین گو"۔

"وہاٹ؟ ذرا پھر سے کہنا"۔

"یہاں سے جانے کا کیا لو گے؟"

ذوالنون کے انداز میں سنجیدگی تھی لیکن آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"اچھا...... بیٹا! یہ بات ہے، وقت نکلتے ہی دوست کباب میں ہڈی لگنے لگا...... یاد رکھنا! ابھی بہت سے کام پڑیں گے"۔

حیدر مصنوعی غصہ جھاڑتا ہوا چلا گیا۔ ذوالنون کے سرخی مائل لبوں پر بھرپور مسکراہٹ تھی وہ حیدر کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

وہ ٹیرس کے قریب کھڑے تھے، مہمان ان سے خاصے فاصلے پر تھے، یہاں آنے والے مہمانوں کی اکثریت باہر سے تعلق رکھتی تھی اور جامعہ سے آنے والے طلباء سے اس کی صرف علیک سلیک تھی، اس لیے وہ اطمینان سے اس کے روبرو کھڑا تھا کہ ابھی ماسوائے حیدر کے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان دو مخالف سمت میں چلنے والوں کی راہ ایک ہو گئی ہے، جو بابا سے معلوم تھا کہ تنہائی بھی ہو گی، جب انہیں معلوم ہو گا ابھی اتفاقاً ہی ان میں سے کوئی بھی نہ تھا سو وہ بے فکر تھا۔

"آپ نے حیدر کو ناراض کر دیا"۔

"ابھی آ جائے گا، میرے بغیر اسے رہنے کی عادت نہیں ہے"۔ اپنی بات کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ حورین اضطرابی انداز میں اپنی

مخروطی اُنگلیوں کو حرکت دے رہی تھی، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اُس دن کے اپنے ناروا رویے کی معافی مانگے۔ ذہن لفظوں کو ترتیب دیتا پھر اسی لمحے انہیں رد کر دیتا۔

ذوالنون بڑی گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا، گلابی رخساروں پر اُٹھتی گرتی سیاہ دراز پلکوں کی جھالریں، ستواں ناک، گلابی دل کش ہونٹ، متناسب سراپا، وہ حُسن رعنائی کا مرقع تھی۔

"کیا اسی حسن سے تمہارے چٹانوں جیسے جذبوں نے چوٹ کھائی ہے؟ کیا یہ شباب ایسا ہی سحر انگیز ہے جو تمہیں عقل و خرد سے بیگانہ کر گیا ہے؟" اس کے اندر کسی نے چوٹ کی تھی۔

"حُسن و شباب ان کی کمزوری ہوتا ہے جو محبت میں نہیں، ہوس میں مبتلا ہوتے ہیں جن کے تعلقات چاہت و احترام کے جذبوں سے مربوط نہیں ہوتے، بلکہ اُن گھٹیا جذبوں میں نفسانی خواہشات کی آلائش شامل ہوتی ہے۔ حُسن کبھی محبت کی بنیاد نہیں ہوتا"۔ یہ تعلق تو دل سے ہوتا ہے۔ دل کی آنکھوں سے اپنی چاہت کا چہرہ بدصورت ہو کر بھی سب سے حسین نظر آتا ہے"۔ ضمیر کے چرکے پر اس نے سرد سانس بھر کر حورین کے چہرے سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اندر سے اُٹھنے والے سوالوں کو جواب دیئے تھے۔

"حیدر کہہ رہا تھا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں"۔

خاموشی کو محیط دیکھ کر بالآخر اسے ہی پہل کرنا پڑی۔

"میں...... میں!" وہ سخت پزل تھی۔

"ٹیک اِٹ ایزی، ایسی کیا بات ہے جو آپ کنفیوز ہو رہی ہیں"۔ ذوالنون نے قصداً لہجے میں اپنائیت و نرمی سموتے ہوئے کہا۔

"میں...... دراصل آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں ...... اس دن میں نے آپ کی انسلٹ کی، آپ کو ٹیز کیا، ہرٹ کیا، میں بہت نادم ہوں، میں نے آپ کو غلط سمجھا، نہ معلوم اس وقت مجھے کیا ہوا تھا، بلا سوچے سمجھے میں وہ ہیڈ ورڈز یوز کر بیٹھی، کیا آپ مجھے معاف کر سکیں گے؟"

اس کا دھیما لہجہ شرمندگی، تاسف، ندامت سے بوجھل تھا۔ ذوالنون چند لمحے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"گو کہ آپ کی بے اعتمادی و بے اعتباری نے میری غیرت، انا، کردار پر بہت کاری ضربیں لگائی تھیں کہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کرتا...... لیکن......"

"لیکن؟" حورین نے اس کی سنجیدگی سے گھبرا کر کہا۔

"ہوں...... آپ کی بات دوسری ہے۔ اس دل نے اسی دن آپ کو معاف کر دیا تھا"۔ اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

حورین کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ ابھری تھی۔

"پھر دوسرے دن یونیورسٹی میں کیوں ناراض ناراض گھوم رہے تھے، اس دن کتنی کوشش کی تھی، بات کرنے کی"۔

پہلی بار حورین نے اس سے بے تکلفی سے بات کی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے گاہے بگاہے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے اتنا ہرٹ کیا تھا، تھوڑا بہت تو میرا بھی رائٹ ہے آپ کو ستانے کا"۔ مسرت وشادمانی اس کے انگ انگ سے عیاں تھی۔

"اس کا مطلب ہے آپ نے بدلہ لے لیا ہے"۔

"بدلہ نہیں، تدبیر کی تھی"۔

"تدبیر......! کیسی تدبیر؟" وہ متعجب ہوئی۔

"اس طرح ملاقات کی"۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر ہنس پڑے تھے۔

☆......☆......☆

کونین آج بزنس ٹور پر روانہ ہو چکا تھا۔

حالانکہ اس کی ضرورت تو نہ تھی مگر ماں کی ٹینشن کے خیال سے وہ جانے پر مجبور ہوا تھا۔ منال بیگم پچھلے کئی ہفتوں سے بیڈ ریسٹ پر تھیں، وہ جو کھیل کھیلنا چاہتی تھیں، اس کا آغاز انہوں نے اسی دن سے کر دیا تھا، جب انہوں نے اس کو حورین کے ہمراہ یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ اس حقیقت سے وہ پہلے سے ہی واقف تھیں۔ بخوبی جانتی تھیں وہ انس وکرن کی اکلوتی بیٹی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد انہوں نے انتقام کی آگ میں جلتے وجود کو راحت پہنچانے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ کرن وانس کی بیٹی کو ایسی زک پہنچائیں گی کہ وہ کبھی بھول نہ پائیں گے، اس بار نصیب ان کے ساتھ تھا، ان کا ہر راستہ کامیابی وکامرانی کی جانب جا رہا تھا جس سے وہ بے حد خوش تھیں۔

"مزید کب تک بیمار رہنے کا ارادہ ہے؟"

فائقہ بیگم مسکراتی ہوئی مخاطب ہوئی تھیں۔

"اوہ مما...... اس سخت بور ہو گئی ہوں، بیڈ پر پڑے پڑے رئیلی ایسا فیل ہونے لگا ہے جیسے میں سچ مچ بیمار ہوں"۔

وہ منہ بنا کر گویا ہوئی تھیں۔

"بس...... اب اوپننگ کر دو ڈیئر! آپ کو کونین سے خطرہ تھا، وہ جا چکا ہے، اس کی آمد سے قبل ہمیں اپنا مشن کمپلیٹ کرنا ہے"۔

"آف کورس مما! مجھے معلوم ہے، وہ ایک ویک اینڈ بھی مشکل ہی کرے گا"۔

"میں کہتی ہوں، آج سے ہی آپ شروع ہو جائیں"۔

وہ بال سمیٹتی ہوئی بڑے پُرخوش انداز میں اٹھ کر بیٹھی تھی۔ فائقہ بھی اسی انداز میں ان کے قریب بیڈ پر چڑھ بیٹھی تھی۔

سر جوڑے وہ بڑے پُراسرار انداز میں گٹھ جوڑ کرنے لگی تھیں، جب شیطانی منصوبے بنتے ہیں، انسان ضمیر واحساس کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتا ہے تو بڑی سے بڑی برائی اس کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ضمیر ونیک شعور کی روشنیوں سے وہ نابلد نفانفسی وگناہوں کے

اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھیں، پھر مزید اتجا یہ تھی کہ انتقام، بے عزتی، حسد و کینہ ورطبیعت نے انھیں بے حس وظالم بنا ڈالا تھا۔انھیں سر جوڑے یکسر پھسر کرتے کافی وقت گزر گیا تھا وہ پوری پلاننگ کر چکی تھیں۔انھیں یہ بھیانک کھیل اب اسٹارٹ کرنا تھا۔انھیں انتظار تھا۔ ذوالنون کے آنے کا، ان کی بساط کا اہم مہرہ وہی تو تھا۔وہ بے حد مسرور، ازخوش کی رنگ انگلی پر گھماتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔گہرے آنکھوں میں بڑی چمک تھی۔اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹ رہی تھی وہ خوش ہوتا کیوں نہیں؟ حیات کے سفر میں اس نے جھلستے، تپتے محرومیوں وناامیدوں کے ریگستان میں وقت گزارا تھا۔بہت انتظار کے بعد وہ ریگستان سے گلستان میں آیا تھا۔

حورین کی محبت گلستان کی مانند ہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں والی، ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے کی طرح۔پروفیسر آفتاب کی ٹی پارٹی اس کے لیے بڑی لکی ثابت ہوئی تھی۔دنیا جہاں کی دولت گویا حورین کے ساتھ کی صورت میں اسے مل گئی تھی پہلی بار آج انہوں نے روبرو بیٹھ کر بہت ساری باتیں کی تھیں گو کہ وہ باتیں ان کے اپنے مطابق نہیں تھیں۔

مگر اسے حورین کو سننا اچھا لگ رہا تھا۔اسے محسوس ہوا جتنی خوبصورت وہ خود ہے اتنی شیریں اس کی آواز بھی ہے۔

مدھ بھری۔

رس بھری۔

جادو بھری۔

ذہن وقلب کو انوکھا سرور بخشتی دلآویز آواز۔

اقرار محبت دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا تھا مگر آگاہ تھے کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے نہیں جذبوں سے عیاں ہوتے ہیں۔احساسات سے بیاں ہوتے ہیں، یہ وہ زبان ہے جو نگاہوں سے بولی جاتی ہے دل اس کو باآسانی سنتے ہیں۔

اس کے دل نے بھی سن لیا تھا اس کے دل کا اقرار......اس کی جھکی جھکی نگاہیں۔

شرمایا لجایا انداز۔

اس کے جذبوں کو دیوانگی کی حد تک شدتیں عطا کر گیا تھا اور اسے لگ رہا تھا حورین کا حصول ہی پہلی اور آخری تمنا ہے۔وہ راستے بھر سوچتا آیا تھا۔کل ہی نانو اور مما کو لے کر وہ حورین کے ہاں جائے گا ساتھ پروفیسر آفتاب کو بھی لے گا۔اسے یقین واثق تھا حورین کے پیرنٹس اسے انکار نہیں کریں گے۔

یہی سوچتا ہوا وہ کوریڈور عبور کر کے مما کے کمرے کی طرف بڑھا ہاتھ بڑھا کر دروازہ ناک کرنا چاہا۔دروازہ تھوڑا کھلا تھا ناک کرنے کے لیے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا۔اندر سے آتی مما کی آواز نے اسے وہیں جامد وساکت کر ڈالا تھا۔

"میں نہیں چاہتی مما......! میری وجہ سے پرنس کی خوشیاں برباد ہوں، پہلی بار میں نے اسے خوش دیکھا ہے اس کی خوشیوں کے لیے میں یہ ذلت بھی اٹھانے کو تیار ہوں، آپ پرنس کو کچھ مت بتایئے گا۔"

منال کے گلوگیر لہجے میں ایک ایسی التجا تھی جو اسے متوحش کر گئی تھی۔ "پاگل مت بنو منال! آج بھی نہیں چھپتا آج نہیں تو کل پرنس کو یہ حقیقت ضرور معلوم ہو گی کہ حورین کے باپ نے کسی وقت میں اپنی عیاش فطرت کے باعث کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔

آہ......وہ یہ کیا سن رہا تھا؟ نانو نے یہ کیا کہا تھا؟ اسے ایسا لگا جیسے اس کی سماعت میں دھماکے ہونے لگے ہوں۔

پلیز......مما! وہ کانٹوں بھرا وقت یاد مت دلائیں۔"

منال سسکیوں سے رونے لگی تھی۔ ذوالنون کی ذات زلزلے کی زد میں تھی اس کی نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا جب یونیورسٹی میں حورین کے پپا انس صاحب کو دیکھ کر مما بے ہوش ہو گئی تھیں اور جب سے آج تک وہ بیڈ پر ہی تھیں۔ اس نے بہت چاہا کہ وہ اسے بتائیں کہ وہ حورین کے پپا کو دیکھ کر بے ہوش کیوں ہوئی تھیں۔ اس وقت انہوں نے اسے بہلا دیا تھا اور وہ بھی بھول بیٹھا تھا۔ اب اس انکشاف نے اس کے دل و دماغ ہلا ڈالے تھے۔

"آپ ابھی تک بھول نہیں سکی ہیں بھلا کوئی نیک، پارسا، پاک باز، عزت دار عورت اس بے عزتی کو کیسے بھول سکتی ہے جو اس ہوس زدہ شخص کی ہوس کا شکار ہو گئی ہو اس کے باوجود تم چاہتی ہو اس شخص کی بیٹی کو اس گھر میں راج کرنے کے لیے لانا چاہتی ہو۔"

"مما.....! بات میری نہیں ہے میں پرنس کی خاطر سب برداشت کرنے کو تیار ہوں، حمزہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے میں نے برداشت کیا مگر پرنس مجھے چھوڑ دے میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی، مر جاؤں گی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگیں۔

ذوالنون کی قوت برداشت جواب دے گی۔ سخت متوحش انداز میں وہ دھنا ک کیے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر منال ہکا بکا سی رہ گئیں جبکہ فائقہ بیگم کا انداز سپاٹ تھا۔

"جو......میں نے سنا وہ کیا ہے مما؟"

وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے گویا ہوا۔

"کچھ نہیں...... پرنس، ہم......ہم ایسے ہی بات کر رہے تھے۔" انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ذہنی کشمکش نے وحشت سی پیدا کر دی تھی وہ سمجھنے اور نہ سمجھنے کی اذیت میں مبتلا پریشان و بے چین لگ رہا تھا۔

"پلیز......میں سب سن چکا ہوں، غلط بیانی سے کام مت لیں۔"

"بھول جاؤ اپنی خوشیوں کے لیے بھول جاؤ، حورین کی خاطر بھول جاؤ اسے پانے کے لیے آپ کو یہ باتیں بھولنی ہوں گی۔"

"وہ باتیں بھلانے کے لیے نہیں ہیں منال!"

فائقہ بیگم غصے سے گویا ہوئیں۔

"ممی! فار گاڈ سیک، آپ خاموش رہیں، میں نے کہا ناں میں اپنے بیٹے کی خاطر سب بھلانے کو، برداشت کرنے کو تیار ہوں۔"

ان کے رندھے ہوئے لہجے میں شفقت ہی شفقت تھی۔

"پرنس! میں نے کہا تھا ناں آپ سے ایک دن میں آپ کو بتاؤں گی، آج وہ وعدہ ایفا کرنے کا وقت آ گیا ہے جن لوگوں نے آپ کی اور ہماری زندگیاں محرومیوں و دکھوں سے بھر دی ہیں اس میں لیڈنگ رول جن دو لوگوں نے ادا کیا ہے وہ حورین کے پیرنٹس ہیں۔"

"ممی..... ممی اسٹاپ اٹ پلیز!" منال نے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"نو مما! نانو کو کہنے دیں، ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی، میرا دل بند ہو جائے گا میں ایک ایک ورڈ سننا چاہتا ہوں۔" ذوالنون وحشت در وحشت کا شکار تھا۔

"دل تھام کر سن لو، کل کو مجھ پر الزام نہ آئے کہ میں نے حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود آپ کو لاعلم رکھا کیونکہ سچائی ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتی ہے اور اس سچائی کی روشنی میں اس کو فیصلہ کرنا ہے۔ حورین کو اپنانے یا نہ اپنانے کا۔"

فائقہ بیگم کی شعلہ بیانی شروع ہو گئی تھی۔ منال بیگم گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر بیٹھ گئیں۔ گویا یہ سننا ان کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہے۔ فائقہ بیگم نے شروع سے آخر تک ساری کہانی اس کو سنا دی۔ بہت چابکدستی سے انہوں نے کرداروں کا ہیر پھیر کر ڈالا تھا۔ نوشابہ بیگم کی نیک چلنی اپنے کھاتے میں ڈالی، کرن کی سادگی منال کے روپ میں بھری، برہان صاحب کی بے راہ روی و رنگین مزاجی انس صاحب کے انداز میں سمو کر لفظوں کے ایسے ایسے وار کیے تھے وہ جو زندگی سے زیادہ اہمیت حمیت و غیرت کو دیتا تھا ہر نقصان، ہر زیادتی سے بڑا احساس اسے اپنی ماں کی پامالی کا ہوا تھا جس سے اسے اپنے اندر ایک شدید آگ بھڑکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ رگوں میں گویا انگارے سے دوڑنے لگے تھے۔ اس کی نگاہوں میں انس صاحب کا اسمارٹ و شوبر سراپا تھا۔ چہرے سے مہذب و پروقار شخص کا باطن، اصل چہرہ کس قدر غلیظ و بھیانک تھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"انس نے ہی ہماری حرمت پر داغ نہیں لگایا ہماری عزت کو پوری طرح داغدار کرنے کے لیے کرن نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ کرن میری اسٹیپ ڈاٹر جس کو میں نے کبھی سوتیلا نہیں سمجھا مگر وہ اور اس کی لوز کیریکٹر ماں نے کبھی ہمیں سکون سے نہیں رہنے دیا۔ ظاہر ہے ایک ایسی ماں کی بیٹی نیک ہو بھی کیسے سکتی تھی جو اپنی آوارگی و بدچلنی کے باعث کبھی اپنے ہسبنڈ کے ساتھ نہ رہ سکی۔ ساری عمر اس نے ان سے دور رہ کر گزاری کہ اس کی آزادانہ زندگی میں برہان مداخلت نہ کر سکیں وہی انداز بیٹی نے اپنائے، حمزہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا کر ایسا پاگل بنایا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایسا گیا کہ پلٹ کر نہیں آیا اب فیصلہ کر لو بیٹا جو چاہو حورین سے شادی کرنا.....؟"

"انس امپاسبل! یہ کبھی نہیں ہو سکتا، میں انہیں شوٹ کر دوں گا..... شوٹ کر دوں گا۔"

وہ کسی بپھرے ہوئے سمندر کی طرح بے قابو ہو رہا تھا کیسی محبت؟ کہاں کی محبت؟ وہ سب بھول گیا کہ کچھ وقت قبل وہ کن سہانے سپنوں میں کھویا ہوا اس کمرے کے دروازے تک آیا تھا، وہ ساری محبت سارے جذبے، تمام جنون دروازے کی اس طرف کھو گیا تھا یہاں اب ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا تھا جو ماں کی تباہ حال زندگی پر نوحہ کناں تھا۔ اپنے جذبوں پر اسے شرمندگی تھی، اپنے دل پر ندامت کہ وہ ایک ایسی عورت کی بیٹی سے محبت کرنے لگا تھا..... جس عورت سے بچپن سے نفرت کرتا آیا تھا۔ پہلے نہ اس کے نام سے واقف تھا، نہ چہرے

سے، پھر بھی اس عورت سے وہ دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا آیا تھا اور اب اتنے اذیت ناک انکشافات کے بعد قلب میں کھلنے والا وہ پھول کس طرح تر و تازہ رہتا؟ نفرت و وحشت کی آگ نے سب جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

"جان سے مار دینا انتقام نہیں ہوتا" "آپ انہیں شوٹ کر دو گے، وہ مر جائیں۔" فائقہ درسانیت سے سمجھانے لگیں۔

"ایسے لوگوں کو مر جانا چاہیے نانو! آپ مجھے پہلے بتا دیتیں تو وہ لوگ بہت پہلے زمین کے نیچے ہوتے۔" وہ سراپا آگ ہی آگ بنا ہوا تھا، کسی آتش فشاں کی طرح۔

"پھر ہماری جیسی ذہنی اذیت وہ کیسے اٹھاتے؟ ہم جو برسوں سے مر مر کر جی رہے ہیں اس تکلیف کا احساس انہیں کس طرح ہوتا بیٹا......!" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"انسان مرتا ہے، قصہ ختم ہو جاتا ہے مگر بار بار مر کر جینا بڑا اذیت ناک ہے اور آپ اسے مار کر اس اذیت سے بچانا چاہتے ہو؟"

"یہ......آپ کیا کہہ رہی ہیں نانو! مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔"

وہ ہاتھوں سے بال مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے اضطرابی انداز میں بولا۔

"جان سے مار دینا ہی بدلہ نہیں ہوتا پرفیس ابدلہ تو وہ ہوتا ہے کہ دشمن کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو جائے وہ مرنا بھی چاہے تو مر نہ سکے اور مرنے کی آرزو میں جیتے جائے۔"

وہ قریب آ کر ذوالنون کو دھیمے دھیمے کچھ سمجھانے لگی تھیں۔ اپنے انتقام کے لیے ان کی منصوبہ بندی برسوں پر محیط تھی وہ اسے بتا رہی تھیں اور ذوالنون کا چہرہ دھواں دھواں ہوا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

"بالآخر تم نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ میری خواہش تھی جب تک میری زندگی ہے کوئی مجھ سے جدا نہ ہو سب ساتھ رہیں۔"

بی بی جان نے افسردہ انداز میں قریب بیٹھی کرن سے کہا۔

"بی بی جان! اللہ آپ کو درازی عمر عطا کرے، آپ کا مہربان سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے، آپ کی محبت و خلوص نے مجھے کبھی بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ میرا کوئی اپنا نہیں ہے، بلکہ آپ سب لوگوں نے ہم تینوں کو کبھی غیریت کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ہمیشہ ہم نے خود کو اپنوں کے درمیان محسوس کیا ہے"۔

"تم نے کون سا کبھی غیر بن کر دکھا دیا، کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ فاریہ میں اور تم میں کوئی فرق ہو، انس نے بھی بڑی بہنوں کی طرح عزت کی، جمیرا، سمیرا، اظہر، مظہر، سب کی ہی عزت کرتے ہو، کبھی بچوں میں فرق نہیں رکھا، اس گھر میں رونقیں بکھر گئی تھیں۔ اب چلے جاؤ گے تو بے رونقی پھیل جائے گی"۔

"یہ آپ کی محبت ہے، ورنہ میری محبت تو بجھی لکڑی کی طرح ہے جو نہ دوق کا باعث بن سکتی ہے، نہ دوشنی کا"۔ کرن کے لہجے میں تاسف و ملال تھا۔

"ایسی باتیں مت سوچا کرو کرن! سونا آگ میں تپ کر ہی کندن بنتا ہے پھر انس جیسا ہیرا آدمی تمہارا نصیب بنا ہے۔ حور جیسی لائق و خوب صورت بیٹی ہے۔ کیا یہ رب کریم کا کم احسان ہے، لوگ تو تمنا کرتے ہیں ایسی بہترین زندگی کی..... کیا انس سے تمہیں کوئی شکایت ہے؟ اس کی چاہت میں کوئی کھوٹ پایا ہے؟" ان کی طرف دیکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں دریافت کیا۔

"نہیں بی بی جان! انس بہت اچھے ہیں ان جیسا جیون ساتھی مجھے ملے گا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شاید وہ میری ماں کی مانگی گئی دعاؤں کا ثمر ہیں، ورنہ میں ان کے قابل نہیں تھی"۔ کرن کے لہجے میں انس کے لیے اتنی چاہت و احترام تھا جو ان کو مطمئن کر گیا تھا، وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

"پھر کس بات کا دکھ ہے، میاں بیوی میں ذہنی ہم آہنگی، محبت و احترام کا رشتہ قائم رہے، زندگی جنت بن جاتی ہے۔ ایک چھت تلے رہنے سے رشتے مضبوط نہیں ہوتے، رشتوں کو مربوط کرنے کے لیے محبت، عزت، خلوص و حوصلے و استقلال کی ضرورت ہوتی ہے پھر عورت کا تو دوسرا نام ہی ایثار و وفا و قربانی ہے، جتنی زیادہ ہم میں قوت ہو گی، اپنے فرائض کی ادائیگی و تحمل برداشت کی، اسی قدر ہی گھر کے چمن کی پھلواری پھلتی پھولتی ہے"۔

"بی بی جان! میری بھی کوشش رہی ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو، انس کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو اور سچ تو یہ ہے کہ انس کو شکوے، شکایت کی عادت ہے بھی نہیں، وہ بے حد صابر و بلند ظرف ہیں"۔

"ماشاءاللہ، مردوں کو ایسے ہی وصف بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں۔ انس صورت و سیرت، ہر لحاظ سے عام مردوں سے مختلف ہیں"۔

"ان کی ہی فرمائش ہے، آپ ہمارے ساتھ رہیں گی"۔

"ارے خوش رہو، میں یہاں سے چلی گئی تو یہاں جو شیطانوں کا ٹولہ ہے، انہیں تو پکی آزادی مل جائے گی، شرارتوں کے لیے۔ میرا ان کے سر پر موجود رہنا ضروری ہے"۔ وہ پوری سچائی سے گویا ہوئی تھیں۔

"نہیں کوئی عذر نہیں چلے گا، آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہی ہوگا"۔

"اچھا اچھا..... دل بُرا مت کرو، ابھی تمہیں جانے میں وقت لگے گا۔ میں آتی جاتی رہوں گی"۔ وہ مخصوص انداز میں گویا ہوئیں۔

☆......☆......☆

یہ پیار کا رشتہ ٹوٹے نہ کبھی

اے میرے دوست تُو مجھ سے روٹھے نہ کبھی

کرتے ہیں رب سے ہر پل یہ دعا

دور رہ کر بھی اپنا یہ ساتھ

چھوٹے نہ کبھی......

"اتنی دور تو نہیں جا رہے ہم، جو تمہیں ساتھ چھٹنے کا دکھ ستانے لگا ہے۔ کچھ دوری کا تو فاصلہ ہے تم جیسے شخص کے لیے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں ہے جو کار کو پلین سمجھ کر ڈرائیو کرتا ہے"۔

حورین ہریرہ کی جانب دیکھتی ہوئی ہنس کر بولی۔

"بات یہ نہیں ہے"۔ وہ اُداس تھا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"تمہارے بغیر میری صبح کیسے ہوگی؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"وہاٹ؟"

"میں صبح سے پہلے تمہارا حسین مکھڑا دیکھنے کا عادی ہوں، جس دن یہ مبارک صورت صبح نہ دیکھوں وہ دن اچھا نہیں گزرتا"۔

"اوہ...... جھوٹے کہیں کے، کچھ دن قبل یہی لفظ آنٹی سے کہہ رہے تھے، شرم نہیں آتی جھوٹ بولتے ہوئے"۔

"میں نے جھوٹ تو نہیں بولا"۔

"اچھا...... یہ جھوٹ نہیں ہے، تم نے آنٹی سے یہ لفظ نہیں کہے تھے؟"

"ہاں ہاں کہے تھے، میں نے کب انکار کیا ہے؟"

"پھر بھی کہتے ہو، جھوٹ نہیں کہا"۔

"ممی کا مقام اپنی جگہ ہے، تمہاری ویلیو اپنی جگہ، اظہار دونوں طرف ایک جیسا تھا مگر جذبے مختلف تھے"۔ ہریرہ بھی ایک کائیاں تھا، اس سے جیتنا آسان کام نہ تھا۔

"سب سے الگ رہنے کو دل تو نہیں کر رہا مگر یہ بات خوشی دیتی ہے کہ کم از کم تمہاری بکواس سے جان چھوٹ جائے گی"۔

"اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والی چیز نہیں ہوں میں۔ انکل کہہ رہے تھے، ہم برسوں سے ساتھ رہ رہے تھے، فشرح بھی تیار تھی، وہ تو میں نے ہی منع کیا کہ...... یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں"۔

"وہ کیوں؟"

ظاہر بات ہے اس گھر میں بارات لے کر جانا ہے، کیا اچھا لگے گا؟ شادی کے بعد بھی تم اسی گھر میں رہو گی، تمہارے لیے میں......"

"شٹ اَپ، مجھے معلوم ہے انکل بھی ہمارے برابر میں ہی بنگلہ خرید چکے ہیں، بہت جلد ہی وہاں شفٹ ہو جائیں گے"۔ وہ اس کی بات قطع کر کے غصے سے بولی۔

"ہوں...... دراصل اُن سب کو بھی میری طرح تم سے دوری گوارا نہیں"۔

"ہریرہ! پلیز کبھی سیریس بھی ہو جایا کرو"۔

"میں تو سیریس ہوں، قسم سے بالکل سیریس ہوں، تم نہ معلوم کب سیریس ہوگی"۔

"مرو کہیں، تم سے بات کرنا ہی فضول ہے"۔ وہ غصے سے کہتی ہوئی اُٹھ گئی۔

"ارے..... تم ناراض ہوگئیں، میری بات تو سنو؟" ہریرہ کہتا ہوا اس کے پیچھے لپکا تھا مگر وہ رُکی نہیں۔

"حورین! بات سنو"۔

بی بی جان کے کمرے کے آگے سے گزری تو انہوں نے پکارا تھا۔

"جی....." وہ ان کے قریب پہنچ کر گویا ہوئی۔

"بیٹھو تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے"۔

بی بی جان بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھیں۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کو گمان گزرا کہ مبادا انہیں اس کے اور ڈی والنون کے بارے میں معلوم ہوگیا ہے۔ اس خیال نے اسے پریشان کر ڈالا تھا، وہ کچھ سہمی سی بیٹھی تھی، حالانکہ وہ جانتی تھی ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے۔ نہ ہی محبت میں وہ اس حد تک بڑھے تھے کہ ان کی محبت کے چرچے زبان زد عام ہوتے اور ان کی سماعتوں تک پہنچ جاتے۔

ابھی تو ان دونوں نے ہی ایک دوسرے سے اقرار محبت نہیں تھا، صرف ان مہکتے احساسات کی مہک سے ہی اُن کے جذبات معطر ہوئے تھے۔ پارٹی میں بھی وہ خاصے وقت تک ساتھ رہے تھے، بہت سارے موضوعات پر ڈھیروں باتیں ہوئی تھیں، اس دوران نگاہیں وہ دل کی باتیں کرتی رہی تھیں، جو لب نہ کہہ سکے تھے اور حیدر بھی درمیان میں ریمارکس دینے سے باز نہیں آیا تھا۔

"حورین! کہاں کھوئی ہوئی ہو؟"

بی بی جان کی آواز پر چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"جی..... بی بی جان! آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟" وہ سوچوں سے نکل کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"حیدر کیسا لڑکا ہے؟" اُن کے سوال نے اسے چونکا دیا۔

"حیدر؟..... اچھا لڑکا ہے..... کیوں بی بی جی، کیا ہوا؟"

"اس کے والدین آئے تھے زویا کا رشتہ لے کر"۔

"اوہ..... کب آئے تھے؟" مسرت و حیرت اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔

"کل جب تم اپنے سسر کے ہاں پارٹی میں گئی تھیں۔ کل اتفاق ہی تھا کہ جو میرے علاوہ گھر میں کوئی نہیں تھا، تب وہ لوگ آئے تھے۔ بہت اصرار کر رہے تھے کہ میں انہیں خوش خبری کے ساتھ رخصت کروں مگر میں اس طرح کیسے ہاں کر سکتی تھی، بیٹی کا معاملہ ہے، لاکھ بھائی بھاوج مجھے ہر اختیار دے بیٹھے ہیں مگر اولاد کے لیے بہت دیکھ بھال کر، سوچ سمجھ کر فیصلے کیے جاتے ہیں، میں نے ان سے ایک ہفتے کا وقت مانگا ہے۔ ابھی میں نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا۔ یہی سوچا پہلے تم سے معلوم کرلوں، کیونکہ تم گاؤں گئی تھیں، وہاں ان کے گھریلو

ماحول ورہن سہن سے واقف ہو۔ بعض اوقات کسی کو جاننے کے لیے پوری زندگی بھی ناکافی ہوتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم چند گھنٹوں کی ملاقات میں ہی ساری زندگی کی شناسائی حاصل کر لیتے ہیں"۔

اب وہ ان کو کس طرح بتاتی کہ گاؤں میں وہ وقت اس نے کس طرح اور کس کے ساتھ گزارا تھا مگر انہیں مطمئن کرنا بھی تھا۔

"لوگ تو وہ بہت اچھے ہیں، وضع دار و خوش اخلاق، زمین دار ہونے کے باوجود ان میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو ایسے لوگوں میں ہوتی ہے اور حیدر تو بہت ہی نائس ہے، زویا کے لیے پرفیکٹ"۔

"ٹھیک ہے، ویسے مجھے بھی وہ لوگ اس قابل لگے تھے کہ ہم ان سے رشتہ جوڑ سکیں، اب تمہاری بات نے مجھے مطمئن کر دیا ہے"۔ بی بی جان مطمئن ہو کر بھائی، بھابیوں کی طرف گئیں، وہ زویا کی تلاش میں لاؤنج میں آ گئی جہاں سوہل، زویا، شرح، ہیلا بیٹھی میگزین میں ڈریس دیکھ رہی تھیں۔

"آج کی تازہ خبر! آج کی تازہ خبر!" وہ چیختی ہوئی آئی تھی۔

"کیا خبر ہے بتاؤ تو سہی"۔ وہ چاروں پُرتجسس انداز میں بولیں۔

"اتنی آسانی سے تھوڑی بتانے والی خبر ہے"۔

"کتنی مشکل سے بتاؤ گی؟" زویا نے ٹکڑا لگایا۔

"تمہارے ہی متعلق خبر ہے"۔ حورین نے تجسس کو ہوا دی۔

"میرے متعلق! کیا خبر ہے؟ پلیز بتاؤ نا"۔

زویا کے ساتھ ساتھ وہ تینوں بھی بے قرار ہو گئی تھیں۔

"میں نے کہا ناں اتنی آسانی سے نہیں بتاؤں گی"۔

"یار! پلیز تمہیں معلوم ہے، مجھ سے سسپنس بالکل برداشت نہیں ہوتا، رحم کرو، بتا دو...... اچھا ایسا کرو فل نیوز نہ دو، ہیڈ لائن ہی سنا دو کہ کچھ بے قراری کو قرار آئے"۔ شرح تڑپ کر بولی۔

"پرامس کرتی ہو، کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کرواؤ گی؟"

"پہلے خبر معلوم ہو پھر"۔

"زویا نہ معلوم کتنے کنجوس مرے ہوں گے جو تم پیدا ہوئی ہو"۔ سوہل اس کو ڈپٹتے ہوئے ملامت کرنے لگی۔

"ہاں...... ہاں کر لو پرامس، اب ضروری نہیں وعدہ نبھایا بھی جائے"۔

"پھر میں نہیں بتاتی"۔

"میں نے کب منع کیا ہے، میں کراؤں گی ڈنر، اب بتا بھی دو"۔

"تمہارے لیے پروپوزل آیا ہے"۔

"کس کا؟" بے اختیار زویا کے منہ سے نکلا۔

"کسی مرد کا ہی ہوگا"۔ حورین کی وضاحت پر وہ تینوں کھی کھی کرنے لگیں۔

"اللہ کرے تمہیں دانت ٹوٹ جائیں جو تم کبھی ہنس نہ سکو، یہاں میری زندگی کا سوال ہے اور تمہیں ہنسی آرہی ہے"۔

"حورین! کون ہے وہ عقل کا دشمن جو اسے پسند کر بیٹھا ہے؟"

"ارے دُعا کرو، کچھ اس کی آنکھیں بھی کمزور ہوں کیونکہ ہماری کزن کو ہر اس کام سے نفرت ہے جو گھریلو کہلاتے ہیں"۔ وہ زویا کو برابر زچ کررہی تھی۔

"چپ ہو جاؤ بی جمالو!" وہ غصے سے چلائی تھی۔

اس کے بی جمالو کہنے پر حورین بھی بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"اوکے، یہ سب تو مذاق تھا خبر یہ ہے کہ حیدر نے زویا کو پرپوز کیا ہے اور بی جان کے ارادے ٹھیک لگ رہے ہیں"۔

"حیدر.....!" زویا کے ساتھ مومل بھی حیرانگی سے گویا ہوئی۔

"سرپرائزنگ نیوز!" زویا کے ساتھ مومل بھی حیرانگی سے گویا ہوئی۔

"سرائزنگ نیوز! اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا کہ وہ زویا پر "نگاہ" رکھے ہوئے ہے، بڑا گھنا شخص ہے"۔ مومل نے کہا۔

"میں بھی حیران ہوں، اتنے عرصے میں میں نے بھی کبھی فیل نہیں کیا"۔

"ہو سکتا ہے اسے خود بھی اچانک ہی فیل ہوا ہو"۔ پیلا شرارت سے بولی۔

دل مٹی تھا، آنکھوں میں سوغات کہاں سے آئی

ساون بیت چلا تھا، یہ برسات کہاں سے آئی

چاند ابھی نکلا ہی تھا، کیسے ڈوب گیا؟

میرے آنگن میں یہ کالی رات کہاں سے آئی

☆......☆......☆

ماحول میں خنکی تھی، رات کے سیاہ گیسو کائنات کی ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ رات اندھیری تھی یا نہ معلوم ان کے اندر ہی وحشت وجنوں کی سیاہ آندھی نے اس قدر اندھیرا دتاریکی پھیلا دی تھی کہ آج سے قبل اس کو رات اتنی گھور سیاہ نہ لگی تھی۔ اس کے اندر ملال وجنون کسی آسیب کی طرح قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا۔ اسے افسوس تھا اس نے اس شخص کی بیٹی سے محبت کی جو اخلاقی کردار سے محروم تھا۔ اگر مما اور نانو اسے سمجھاتی نہیں تو وہ اس کو شوٹ کر چکا ہوتا اور حورین کی ماں وہ عورت تھی جس سے وہ بچپن سے نفرت کرتا آیا تھا۔ بہت

شدید نفرت کی تھی اس سے۔ نانو نے بتایا تھا۔ ان لوگوں نے ہر طرح سے ان سب کو اذیت دی تھی، ان کی بدنامی و رسوائی کا باعث بنے تھے۔ ان کے کروڑوں کے کاروبار پر وہ قابض ہوئے تھے پھر اس کے بابا کی جدائی میں اس عورت کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ سب تو کسی طرح سے برداشت کر سکتا تھا، معاف کر سکتا تھا مگر جس احساس نے اسے اس ٹھنڈے موسم میں بھی جلتے ہوئے انگاروں پر لا پھینکا تھا وہ احساس اپنی معصوم و بے خطا ماں کی پامالی کا تھا۔

یہ ایسا نا قابلِ معافی جرم تھا جو وہ کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک جوان و باحمیت بیٹا کس طرح یہ بات برداشت کر سکتا ہے۔ حورین کے لیے جو اس کے دل میں محبت و پسند کے جذبات پیدا ہوئے تھے وہ پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ اب وہ اس کی محبت و چاہت نہیں...... دشمن کی بیٹی تھی اس کے باپ نے ایسا جرم کیا تھا جو نا قابلِ معافی تھا وہ کبھی معاف کرنے والا بھی نہ تھا۔

نیند، بھوک، پیاس، سکون غائب تھا۔ وہ مضطرب و بے چین سا اپنے بیڈ روم میں چکر لگا رہا تھا معاً دروازہ کھلا اور آنے والی ہستی کو وہ دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تھا۔

......❀......

دروازے میں منال بیگم ایستادہ تھیں۔

بکھرے بال...... شکن آلود لباس...... متورم آنکھیں......

یہ وہ منال بیگم نہیں تھیں جن کے ماتھے پر شکنیں تکبر و رعونت کے احساس سے ہمہ وقت طاری رہتی تھیں مگر لباس ان کا ہمیشہ بے شکن رہا تھا۔ کبھی اس نے ماں کو اس حلیے میں نہیں دیکھا تھا وہ پھولوں کی طرح تر و تازہ و خوب صورت نظر آتی تھیں کہ ایک تو ان کا حسن اب بھی اتنا ماند نہیں پڑا تھا پھر وہ اپنا از حد خیال رکھتی تھیں پارٹیز کے علاوہ گھر پر بھی بڑے طمطراق و ٹپ ٹاپ سے تیار رہنے کی عادی تھیں۔

ان کے ہر انداز سے تمکنت و شاہانہ پن ٹپکتا تھا کسی ملکہ کی مانند اب وہی خوش لباس و خوش رو منال بیگم کا یہ اجڑا، بکھرا، ٹوٹا ہوا روپ ان کی شخصیت سے بالکل جدا تھا۔ بالکل متضاد و علیحدہ۔ کل تک وہ بہاروں کا چمن تھیں اور آج بہاروں پر خزاں نے ڈیرے جما لیے تھے وہ کسی اجنبی عورت میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

"پرنس...... مجھے معاف کر دیں بیٹا۔"

اپنی جانب بڑھنے والے ذوالنون کے وہ قدموں میں بیٹھ گئیں اور اس کے پاؤں پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے ہی تھے۔ ماں کو اس حرکت سے روکنے کے لیے وہ پھرتی سے پیچھے ہٹتے ہوئے گویا ہوا۔

"مم...... مما یہ کیا کر رہی ہیں؟" دکھ و صدمے سے اس کی آواز پھٹ گئی تھی۔

"بہت دکھ ملا آپ کو میری وجہ سے...... میں اس قابل ہی نہیں......" ذوالنون نے انہیں اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"دکھ تو مجھے ملا ہے مگر آپ کی وجہ سے نہیں...... خود مجھے اپنے دل کی وجہ سے...... اپنی پسند کی وجہ سے...... یہ...... احساس مجھے

مرتے دم تک ندامت میں مبتلا رکھے گا کہ میں نے پہلی بار کسی کو لائک کیا......اور جس کو پسند کیا وہ اس قابل ہی نہیں تھی۔" اس کے لہجے میں نفرتوں کے اژدھے پھنکار رہے تھے۔ گہرے سرخی مائل آنکھوں میں تو زائیدہ محبت کی موت کی نمی تھی۔

"یہ میری وجہ سے ہوا ہے میری ذات ہی آپ کی خوشیوں کی قاتل بنی ہے۔ مجھے مر جانا چاہیے۔ مجھے جینے کا حق نہیں ہے۔" وہ اس کے سینے سے چہرہ لگا کر رونے لگی تھیں۔ ان کی آنکھ سے نکلنے والا ہر آنسو اس کے دل میں گھاؤ ڈال رہا تھا اور اس زخم سے اس کے اندر الاؤ سلگ رہا تھا۔

بڑا بھیانک الاؤ......اس الاؤ میں بھڑکنے والی آگ عقل، شعور، فہم سب بھسم کر دینے والی ایسی سیاہ آگ تھی جو اس کی رگ رگ میں پھیلنے لگی تھی۔

"پلیز......مما! ریلیکس ریلیکس......آپ کو ہمارے لیے زندہ رہنا ہے۔"

"میں کیسے زندہ رہ سکتی ہوں......؟ ایک عورت تو شاید اس احساس سے مر مر کر جی سکتی ہے کہ وہ لٹ چکی ہے......مگر ایک ماں کیسے زندہ رہ سکتی ہے جب اس کی اولاد کو معلوم ہو جائے اس کی بربادی کا......" وہ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے اشکوں کے درمیان کہہ رہی تھیں۔ ذوالنون نے تیزی سے قطع کر کے کہا۔

"پلیز......مما! آپ کل بھی میری لیے اتنی ہی معتبر و قابل احترام تھیں اور آج اس سے بڑھ کر ہیں۔" وہ ان کے ہاتھوں کو چومتا ہوا پر عقیدت لہجے میں بولا۔

"نہیں......نہیں تم آج نہیں تو کل مجھ سے نفرت کرو گے۔ حقارت سے دیکھو گے شاید......شاید میرے چہرے پر تھوکو گے۔" ان پر یکلخت ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔

ذوالنون نے ان سے کچھ کہنا چاہا مگر دکھ و غم کے شدید احساس سے اس کی زبان مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ ماں کی بگڑتی ہوئی ذہنی حالت کا اسے پوری طرح احساس تھا۔ وہ خود بھی تو ان چند گھنٹوں میں ذہنی و جذباتی شدید تر ہوئی جنگ سے نبرد آزما تھا اور محسوس کر رہا تھا لمحہ لمحہ کھوکھلا ہوتا جا رہا تھا یا کہ کھونے کا دکھ ہر دکھ سے بڑھ کر لگ رہا تھا۔

منال بیگم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر روئے جا رہی تھیں۔

"آپ کا ہر آنسو میرے دل کا زخم ہے پلیز آپ روئیں مت۔ آپ میری ماں ہیں۔ کائنات کی سب سے بڑی ہستی......دنیا کی سب سے بڑی دولت......ماضی میں، میں نے آپ سے بہت زیادتی کی کہ آپ کو سمجھ نہ سکا تھا مگر مما اب آپ کو شکایت نہیں ہو گی آپ کو......بلکہ ہمارے دشمنوں سے میں بدلہ لوں گا ضرور لوں گا......"

☆......☆......☆

"ہیلو...... ہیلو ارے کیا ہوا بھئی...... آپ لوگ کچھ سن کیوں نہیں رہی ہیں؟ میں کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔"

وہ پانچوں حیدر کے پرپوزل کے بارے میں ہی ڈسکس کرتی آ رہی تھیں۔ حیدر کی آواز وہ نہیں سن سکی تھیں۔ وہ تیز تیز قدموں سے ان کے قریب آ کر گویا ہوا۔

"سوری ہم میں سے کسی نے بھی نہیں سنا۔" نٹ کھٹ ثمرین اس کی جانب دیکھتی ہوئی شوخی سے بولی۔

"بھئی حد ہوتی ہے بہرے پن کی بھی۔ آدھی جامعہ نے سن لیا۔"

"اچھا ہوا ہم میں اور آپ میں رشتہ داری ہو سکتی ہے کیونکہ کچھ عادات کی بنا پر مماثلت تو پائی جاتی ہے۔"

موُل کے کہنے پر ان چاروں کے لبوں پر گہری مسکراہٹ ابھری تھی جب کہ زویا کی اسے سامنے دیکھ کر بولتی بند ہو گئی تھی۔ وہ چہرہ جھکائے قریب کھڑی حورین اور ردا کے پیچھے تقریباً خود کو روپوش کر چکی تھی۔ نئے رشتے کے احساس سے وہ گلنار تھی۔

"کیسی مماثلت......؟" حیدر سینے پر ہاتھ باندھ کر شوخی سے گویا ہوا۔ اس نے ترچھی نگاہ کنٹی سمٹائی زویا پر بھی ڈالی تھی۔

"آپ میں گھنے پن کی کوالٹی ہے اور ہم میں بہرے پن کی......"

"کوالٹی......" حیدر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"ہائی داوے...... یہ گھنا پن کیا ہوتا ہے......؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا آپ کو۔" ردا نے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

"اوکے آئی ول ویٹ۔"

اس کے ہر انداز سے سرشاری جھلک رہی تھی۔

"آج آپ تنہا نظر آ رہے ہیں۔ آپ کے جوڑی دار کہاں ہیں؟"

"خوب! کیا پرفیکٹ ٹائٹل دیا ہے جوڑی دار...... چند دنوں سے اس کی اور میری ملاقات نہیں ہو رہی ہے۔" حیدر انہیں ٹی شاپ لے آیا تھا جہاں چائے اور برگر کے ساتھ ساتھ ان کی گفتگو بھی چل رہی تھی۔

"حیرت انگیز بات ہے۔ آپ جو ایک دوسرے کا سایہ تصور کیے جاتے ہیں، ایک دوسرے سے جدا بھی رہ سکتے ہیں......" موُل نے ڈھیر سارا کیچپ برگر پر ڈال کر کھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ہم جو ایک دوسرے کی پرچھائیں ہیں، ہر جگہ...... ہر وقت ساتھ دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ہماری دوستی و محبت دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر ہے مگر اس محبت و دوستی میں بھی کبھی کبھی ایسا مقام آ جاتا ہے کہ ہم چند دنوں کے لیے عارضی جدائی اختیار کر لیتے ہیں۔"

"ایسا کیوں ہوتا ہے؟" حورین نے آہستگی سے کہا۔

''اس کی کچھ پرسنل باتیں ہیں...... کچھ ناکامیاں ہیں۔''

''ناکامیاں وہ تو ہر طرح ایک کامیاب انسان نظر آتے ہیں۔''ثمرین نے چائے کا سپ لیتے ہوئے استفہامیہ انداز میں کہا۔

''کامیاب انسانوں کو بھی زندگی کہیں نہ کہیں ناکامی سے دوچار ضرور کرتی ہے۔ بہت زیادہ کامیاب انسان کہیں نہ کہیں ناکام بھی ہوا کرتے ہیں۔ بائی دی وے مجھے حورین سے کچھ کام ہے اگر آپ لوگ مائینڈ نہ کریں تو میں......''

''نہیں...... نہیں...... یہ فاؤل ہے رئیلی فاؤل......''ان تینوں نے احتجاج کیا۔

''زویا آپ کیا کہتی ہیں یہ فاؤل ہے؟''وہ ڈائریکٹ زویا سے مخاطب ہوا۔ زویا جو پہلے کافی گھبرائی، لجائی سی تھی۔ اس کے اس طرح پکارنے پر ہاتھ میں پکڑا ٹشو گر گیا۔ جواب دینے کی کشمکش میں ہونق سی نظر آنے لگی تھی۔ بولڈ زویا کا یہ روپ انہیں ہنسا گیا تھا۔

''ٹھیک گاڈ! زویا کے ہاتھ میں چائے کا مگ نہیں تھا۔''

''پھر پارٹی کب دے رہے ہیں کسی شاندار ہوٹل میں؟''ثمرین روا سے بخشنے کو تیار نہیں تھیں۔

''آپ لیڈیز سب جانتی ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں گی کہ...... ابھی گڈ نیوز نہیں ہے اُدھر اچھی خبر آئی اِدھر آپ کی پارٹی ارینج ہو جائے گی۔''اس نے بھرپور نگاہ زویا پر ڈالتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''گڈ نیوز۔''ثمرین نے اس انداز میں کہا کہ حیدر کا مسرتوں وامنگوں سے کھلا روشن چہرہ تاریک سا ہو گیا تھا۔

''کیا مطلب؟ کوئی...... کوئی پرابلم ہے؟''خوشیوں سے کھلکھلائے دل میں ایک دم ہی وسوسوں واندیشوں کے سانپ کلبلانے لگے تھے۔ صبوحی کے جانے کے بعد گھر میں سناٹوں، ویرانوں کا راج ہو گیا تھا۔ ان میں مزید اضافہ یہاں کراچی میں رہائش پذیر ہونے کے بعد ہوا۔ گاؤں میں اس کی والدہ کے پاس وہاں عورتوں کی آمد ورفت صبح سے رات تک رہتی تھی جن کے مسئلے مسائل سلجھانے، باتوں وقصے کہانیوں میں وقت اچھا گزر جاتا تھا۔ گاؤں کی سادہ زندگی میں ابھی بھی پرانی روایتی محبت وخلوص کی فروانی تھی۔ شہر کے لوگ ان خوب صورت نعمتوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہاں قریب رہنے والے سگے رشتے داروں سے ملنے کا نام نہیں ہوتا لوگوں کے پاس پھر بھلا ایسے مراسم کس طرح نبھائے جا سکتے ہیں۔ وقت کی الجھن میں سب الجھ چکے ہیں۔ اس کے والدین نے گھر کی اداسی وسناٹے کو توڑنے کا یہی حل نکالا کہ بہو کے وجود سے گھر کو رونق بخشی جائے۔ حیدر جو پہلے دن سے ہی زویا کے شوخ وشنگ مزاج پر فدا ہو چکا تھا۔ چپکے چپکے کی جانے والی محبت میں وہ اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ والدہ کے سامنے اقرار کر بیٹھا اور وہ زویا سے مل چکی تھیں۔ فوراً ہی دامن پھیلائے ان کی دہلیز پر جا پہنچیں گو یا اقرار نہیں ہوا تھا مگر انہیں یقین واثق تھا کہ انکار بھی نہیں ہو گا۔ یہ یقین اس کے دل کو بھی تھا اور ابھی کچھ دیر قبل زویا کا حیا آمیز انداز ان کی گفتگو یہ بھید کھول رہی تھی کہ ان کو خوشخبری ملنے والی ہے مگر......

''آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ کیا انکار ہو گیا ہے؟''محبت اس کشتی کی مانند ہے جو خوف، وسوسوں، امید وناامید خوش گمانی و بدگمانی کے سمندر میں کبھی ڈوبتی کبھی ابھرتی ہے۔ اسے اپنی کشتی محبت بھی تہہ در تہہ ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے کوئی جواب

نہیں دیا تھا۔ کھا پی کے سنجیدہ سی شکل بناتی وہاں سے چلی گئیں۔ حورین اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ وہ اسے اسنوپی لے کر چلا آیا منع کرنے کے باوجود۔

"تم..... اس قدر پریشان کیوں ہو گئے ہو؟" وہ مقابل بیٹھے حیدر سے مخاطب ہوئی تھی۔

"پرپوزل ریجیکٹ کر دیا گیا ہے میرا؟" حیدر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں کہا۔ "کیا وہ کہیں انگیجڈ ہے؟"

حورین خاموشی سے بنا کچھ کہے کرنچ آئس کریم میں چمچ پھیرتی رہی۔ اس کی خاموشی نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔

"اگر ایسا تھا تو پہلے کیوں نہیں بتایا گیا؟" حیدر کے لہجے میں دکھ درد کی ایسی شدید تڑپ تھی کہ حورین مزید اسے پریشان نہ کر سکی اور مسکرا کر گویا ہوئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ زویا کہیں انگیجڈ نہیں ہے۔"

"اوہ..... تھینکس گاڈ، مجھے مرنے سے بچا لیا آپ نے..... لیکن..... آپ کے ہاں سے ابھی تک جواب نہیں آیا ہے۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ ہمیں مایوسی تو نہیں ہو گی.....؟" اس کا لہجہ اُمید و بیم سے لبریز تھا۔

"تم..... یہی بات کرنا چاہ رہے تھے؟"

"ہاں مجھے اس معاملے میں آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آیا"۔

"ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ بہت پریشان..... بہت تنگ کرنے کے بعد تمہیں بتائیں گے کہ بی بی جان سمیت سب کی مرضی بھی ہے"۔

"ہُرا..... ویٹس فنٹاسٹک نیوز"۔ وہ خوشی سے جھوم کر بولا۔

"تم نے اتنے دنوں تک ہم سے یہ سب چھپایا تھا اس لیے ہم نے تمہیں کچھ سزا دینے کی ٹھانی تھی"۔

"اس حیات آمیز خوش خبری کے بعد جو سزا ملے منظور ہے"۔

"حیدر..... تم ذکر کر رہے تھے ناکامی کا..... انہیں..... میرا مطلب ہے..... ذوالنون..... کو کس ناکامی نے جکڑا ہوا ہے۔ اس قدر کہ وہ تم سے بھی رابطہ توڑ بیٹھے ہیں......" از حد ہچکچاتے ہوئے اس نے ذوالنون کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ پچھلے تین دنوں سے وہ یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا اور یہ بات اس کے لیے خاصی حیران کن ہونے کے علاوہ پریشان کن بھی تھی۔ اس سے قبل اسے کبھی یونیورسٹی سے غیر حاضر نہیں دیکھا گیا تھا۔ مستزاد اس پر حیدر کے منہ سے ناکامی کا سن کر وہ مضطرب تھی۔

"حورین! ذوالنون سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ دوستی کے اس طویل عرصے میں ہم ایک دوسرے کے نزدیک رہے ہیں۔ دکھ سکھ شیئر کیے ہیں، ان میں میری ذات پوری طرح انوالو رہی۔ اس نے اچھے انسان کی طرح پُرخلوص و سچے دوست کی طرح ہر پریشانی و آزمائش میں میرا ساتھ دیا اور آج بھی وہ ایسا ہی ہے۔ دوستوں کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے والا..... مگر اپنی پریشانی، اپنا دکھ محرم میاں

کسی سے شیئر کرنے والا نہیں ہے"۔

"دکھ، محرومی، ناکامی، کوئی سبب تو ہوگا ان کا؟" حورین کہہ رہی تھی اور اس کے ذہن میں وہ خوب صورت گرے آنکھیں چھانے لگی تھیں جن میں رنج والم، محرومی و تڑپ کی گہری سرخی انھیں سب میں نمایاں کرتی تھی۔ اکثر لڑکیاں ان حزن آمیز نگاہوں پر ہی مرتی تھیں۔

"سبب...... اس کے فادر ہیں"۔ حیدر آہستگی سے گویا ہوا۔

"فادر...... کیا اس کے اسٹیپ فادر ہیں؟" کانچ کی پیالیوں میں آئس کریم مکمل پگھل چکی تھی۔ وہ ذوالنون کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اردگرد سے بیگانہ ہو گئے تھے۔

"نہیں...... نہیں سگے بابا ہیں اس کے...... وہ انھیں چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں...... کیوں گئے؟ کہاں گئے؟ یہ ذوالنون کو بھی نہیں معلوم...... اس کی مما اور بھائی نے ان کی جدائی کو کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیا اور وہ نہ کر سکا۔ اسی لیے میں نے کامیابی اور ناکامی کا ذکر کیا تھا۔ دولت...... شہرت...... عیش و آرام یہ سب حاصل کرنے میں وہ کامیاب رہا ہے تو والد سے جدائی کی ناکامی نے ان تمام کامیابیوں پر اپنی مہر ثبت کر دی ہے۔ وہ اپنے بابا سے بے حد محبت کرتا تھا...... بلکہ کرتا ہے......"

"سو سیڈ...... یہ تو بہت دکھ کی بات ہے"۔

ذوالنون کے لیے اس کے دل میں ہلچل مچاتے جذبات میں محبت کے ساتھ ہمدردی بھی بیدار ہو گئی تھی۔

"عموماً وہ ایسے جذبات کا شکار ہو کر گوشہ نشین ہو جاتا ہے، ایسے میں، میں بھی اس کی تنہائی میں مخل نہیں ہوتا، وہ خود ہی نارمل ہوتا ہے تو آجاتا ہے...... لیکن اس بار وہ کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گیا ہے جو کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہا ہے، نہ معلوم کب اس کے فادر آئیں گے اور وہ بھی زندگی کے خوب صورت معنی سے روشناس ہوگا؟" حیدر کے لہجے میں ذوالنون کے لیے تردد تھا۔

"حورین! آپ میرے دوست کو کبھی مت چھوڑیے گا، وہ باہر سے جس قدر اسٹرونگ دکھائی دیتا ہے، اندر سے اتنا ہی نرم و تنہا ہے۔ اس کی پیاسی روح کو آپ کی محبت ہی سیراب کر سکے گی"۔

☆......☆......☆

راحیلہ بیگم نے بڑے اضطراب انگیز انداز میں خضریٰ کی جانب دیکھا تھا جو سیل فون ہاتھ میں پکڑے نمبر پش کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر ہویدا تاثرات بتا دے رہے تھے، دوسری جانب سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے۔

"کیا ہوا بیٹی! وہ فون نہیں اٹھا رہا؟"

"دادو! اس کا موبائل ہی آف جا رہا ہے"۔ خضریٰ سیل فون ٹیبل پر رکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"دوسرے نمبر پر ٹرائی کرو، اس کے پاس ایک تھوڑی ہے"۔ ان کا انداز اسے یاد دلانے جیسا تھا۔

"تمام پر کر چکی ہوں، سب ہی آف ہیں"۔

"الٰہی خیر! کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے، یا اللہ میرے بچے کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا"۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتی چلی گئیں۔

"دادو! پلیز سب ٹھیک ہے، خواب تو خواب ہوتے ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ آپ وہم کا شکار ہو رہی ہیں۔ ذوالنون ٹھیک ہیں، منال آنٹی نے بھی یہی کہا ہے"۔ خضر علی کے لہجے میں خاصی اپنائیت و محبت تھی۔

"مجھے چند دنوں سے بڑے بڑے پریشان کن خواب نظر آ رہے ہیں، تب سے میں صدقے، خیرات برابر کر رہی ہوں، مگر دل کو سکون نہیں مل رہا، ایسا لگ رہا ہے جیسے...... جیسے کوئی انہونی ہوگی"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سہمے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کچھ نہیں ہوگا دادو! خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ ہماری روٹین ورک کے حصے ہی روپ بدل کر خوابوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہمیں پریشان کر دیتے ہیں"۔ خضر علی نے اپنی بساط کے مطابق انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ گھر کے باقی افراد لاہور گئے ہوئے تھے، شادی اٹینڈ کرنے۔ راحیلہ بیگم بہت عرصہ قبل ایسی تقاریب سے کنارہ کشی اختیار کر چکی تھیں۔ خضر علی ان کے پاس رُک گیا تھا۔ وہ بھی تقریبات کم کم ہی اٹینڈ کرتی تھی۔ معیز اور خضر بھی نہیں گئے تھے۔ وہ تین راتوں سے راحیلہ بیگم کو پریشان کن خواب نظر آ رہے تھے جن میں زیادہ تر وہ ذوالنون کو ہی دیکھ رہی تھیں اور ہر بار ان کی پریشانی و تفکرات میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"میں اس بات کو نہیں مانتی۔ خواب کا حقیقت سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ پوری بے شک نہ ہو مگر آدھی حقیقت، ایک حصہ سچائی ان خوابوں کا آنے والے وقت سے ضرور مربوط ہوتا ہے، مجھے معلوم نہیں تھا حمزہ اور منال میں اندر ہی اندر چپقلش چل رہی ہے مگر ان دنوں بھی مجھے ایسے ہی خواب آنے لگے تھے اور حمزہ...... مجھ سے جدا ہو گیا تھا...... اور اب بھی ایسے ہی خواب دیکھتی ہوں...... حمزہ کی جگہ اب ذوالنون نے لے لی ہے"۔ ان کے جھریوں زدہ چہرے پر آنسو بے آواز بہنے لگے تھے۔ دبیز شیشوں کی عینک کے پیچھے بصارت کھوتی بجھتی آنکھوں میں دُکھ و نارسائی کا سمندر موجزن تھا۔

"انشاء اللہ! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ منال آنٹی کے ہاں چلی جائیں، وہاں ملاقات ہو جائے گی ذوالنون سے آپ کی"۔

"کیسے چلی جاؤں؟ منال سیدھے منہ بات کرے تو کچھ ہمت بھی ہو۔ دو بار فون کر چکی ہوں۔ میری بات سن کر کہتی ہے، اُلٹے سیدھے خواب دیکھ کر میرے بیٹے کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا، میں ایک نظر اسے دیکھنا چاہتی ہوں تو بولی کہ ابھی وہ گھر میں نہیں ہے اور فون بند کر دیا"۔

"اس دن تو وہ بہت مہربان و بدلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ آپ سے بہت عزت و احترام سے پیش آ رہی تھیں، پھر انہیں کیا ہوا؟" خضر علی کے انداز میں تاسف و بے یقینی سی تھی۔

"ہونہہ وہ سب دکھاوا تھا۔ مجھے پہلے ہی یقین نہیں آیا تھا کہ منال اپنی فطرت سے باز آ سکتی ہے۔ وہ طمن ساری خوش اخلاقی کے مظاہرے صرف بیٹوں کو دکھانے کے لیے تھے"۔ راحیلہ بیگم سخت بدظن انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"میرا ماتھا جب ہی ٹھنکا تھا، وہ چال باز عورت نہ معلوم کیا کیا چال بازیاں کرنا چاہتی ہے۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں ہے"۔

"وہ ماں ہیں اور کوئی ماں اپنے بچوں سے فراڈ نہیں کر سکتی"۔ ان کی بے اعتباری نے خنتری کو گڈ مڈ ڈالا تھا۔

"وہ خود پرست وجلاد صفت عورت ہے، اس سے کوئی بعید نہیں"۔

"دادو! میں کھانا لگواتی ہوں"۔

"رہنے دو، دودھ کے ساتھ سلائس لے لوں گی، بھوک نہیں ہے۔ کوئین بھی باہر جا کر بیٹھ گیا ہے۔ اسے کس طرح اپنے دل کی حالت بتاؤں کہ دیارِ غیر میں بیٹھا ہے وہ"۔

☆......☆......☆

اوائل نومبر کی راتیں بڑی پُر کیف وخوشگوار ہوتی ہیں مگر اسے لگا موسم میں جون جولائی والا حبس بھر گیا ہو۔ فضا گھٹن آلود ہو گئی ہو۔ آف وہائٹ وپنک نائٹی میں وہ کسی بے قرار روح کی مانند کمرے میں چکرا رہی تھی۔ کل مما نے اپنا حال دل اسے سنا ڈالا تھا۔ ماضی کی ڈائری کا ایک ایک ورق، ہر ورق کا ایک ایک لفظ اسے سنا ڈالا تھا۔ کچھ بھی نہ چھپایا تھا۔

ممی اسے کراچی نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔ وہ بضد تھی آنے کے لیے جدوجہد کے بعد اسے اجازت ملی تھی۔ وہ بھی مشروط اجازت اس وعدے کے ساتھ کہ وہ کراچی میں کسی کو بھی اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتائے گی کہ وہاں ان کے دشمن موجود ہیں اور اسے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ اس کے سوفٹ، سویٹ نیچر کے پاپا کے کوئی دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔

جب ہی سے اس کے اندر یہ تجسس کسی سانپ کی مانند کنڈلی مار کے بیٹھ گیا تھا کہ معلوم ہو، وہ کون دشمن ہیں؟ کیوں دشمن بنے ہیں......؟ اس کے بے حد اصرار کے باوجود مما پاپا نے وعدہ کیا تھا کہ وقت آنے پر وہ اسے سب بتائیں گے۔ انہوں نے اب وہ وعدہ ایفا کر ڈالا تھا۔ چند دنوں بعد جس گھر میں انہیں شفٹ ہونا تھا، ممی نے بتایا وہ گھر وہی تھا جس میں وہ اپنا بچپن گزار چکی تھیں۔ بچپن سے جوانی تک وہ ماں کی گود کی بجائے تنگدستی ومفلسی کی خاردار گود میں پل کر پہنچی تھیں۔ اپنوں کے درمیان بھی اجنبیت وغیریت محسوس کرنا کس قدر تکلیف دہ عمل ہے وہ جو محبتوں وچاہتوں کی رم جھم میں بھیگتی آئی تھی اس کے لیے ایسا تصور ہی سوہان روح تھا۔

اسے ناز تھا اپنی نانی کی نیک چلنی، راست بازی وصبر پر...... اسے فخر تھا اپنی ماں کی ثابت قدمی، استقامت واستقلال پر، اپنے پاپا سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی لیکن اب ان کی عزت واحترام اس کے دل میں کئی گنا بڑھ چکا تھا جس نے حیثیت ومرتبے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک ایسی لڑکی کو اپنایا تھا جو اس کی کسی طرح بھی ہم پلہ نہ تھی۔

تنہا......

لاوارث......

بے سہارا......

اس کو اپنے پاپا ایک فرشتے کی مانند محسوس ہو رہے تھے جو صرف اور صرف اس کی مما کے لیے دنیا میں آئے تھے۔ اتنی محبت والفت مما

کے وہ کزن بھی شاید مما کو نہیں دیتے جنہوں نے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود مما اور نانی کا خیال رکھا تھا جو مما کو پسند کرتے تھے...... چاہتے تھے مگر جلدی اظہار نہ کر پائے تھے اور اگر اظہار وہ کر بھی دیتے تو ممی کبھی ان کی محبت کو تسلیم نہیں کرتیں۔ ممی نے انہیں بھائی کی طرح سمجھا تھا۔

سوچیں ہوا کے جھونکوں کی طرح یکے بعد دیگرے وارد ہو رہی تھیں۔ وہ ماں کی داستانِ حیات کے ایک ایک منظر کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کرن نے یہ داستان دل سے گرتے لہو سے سنائی تھی۔ وہ لہو جو قطرہ قطرہ ان کی آنکھوں سے بہتا رہا تھا۔

ان کے لہجے کا سوز گداز......

چہرے پر چھایا حزن وملال......

وہ خود بھی کئی بار رو پڑی تھی۔ ان کے اشک صاف کرتے ہوئے، اس کے لیے یہ احساس ہی کس قدر تکلیف دہ تھا۔ ممی کے والد نے کبھی ان کو اپنے ہونے کا احساس نہیں بخشا تھا۔ کوئی خوشی نہ دی تھی۔

کیسے باپ تھے وہ......؟

محبت سے عاری......

ذمے داری سے بے نیاز......

پدری شفقت سے محروم کسی پتھر کی طرح سخت و بے احساس...... سوتیلی ماں اور سوتیلی بہن نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا وہ ناقابلِ فراموش تھا۔ انہوں نے رشتوں کے نام پر کلنک لگا دی تھی۔ ممی کے ماضی نے اسے مغموم کر ڈالا تھا۔

کرن بیٹی کے آگے اپنا ماضی بیان کر کے کچھ ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔ دل سے کچھ بوجھ سرک سا گیا۔ وہ اس سے پُرسکون گہری نیند سو رہی تھیں اور وہ جاگ رہی تھی۔ نہ معلوم کیوں ایک عجیب سی اداسی اس کے وجود پر چھا گئی تھی۔ سارا دن وہ اسی کیفیت میں مبتلا رہی تھی۔

حالانکہ آج بی بی جان نے حیدر کے والدین کی دعوت کی تھی۔ وہ آئے تھے...... ساتھ حیدر بھی تھا۔ مٹھائی، فروٹس اور میووں کے ٹوکرے تھے۔ زویا کے لیے پھولوں، گجروں کے علاوہ گولڈ کا بھاری سا سیٹ تھا۔ منگنی کرنے سے بی بی جان نے منع کر دیا تھا کیونکہ ابھی صرف گھر کے افراد موجود تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ منگنی کریں گی تو قریب و دور کے رشتوں کو بھی دعوت دیں گی۔ وہ سامان حیدر کے والدین اپنی خوشی سے لائے تھے۔ ان کا بھی کہنا تھا منگنی دھوم دھام سے کریں گے۔ ان کے آنے کے بعد سے خاصا ہلہ گلہ رہا تھا۔ وہ ہر جگہ موجود ہونے کے باوجود ذہنی طور پر غائب رہی تھی۔

حیدر نے کئی بار اسے ٹوکا تھا اور وہ کوشش کے باوجود خود کو سنبھال نہ سکی تھی پھر حیدر بھی زندگی کی اس اولین خوشی کے موقع پر بھرپور انداز میں خوش نہ ہو سکا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بے جان تھی۔ اس اہم موقع پر وہ ذوالنون کی کمی کو محسوس کر رہا تھا۔ جس نے اس کے ساتھ یہاں آنے پر معذرت کر لی تھی۔

حیدر کے ہمراہ ذوالنون کو نہ دیکھ کر حورین کو بھی دھچکا سا لگا تھا۔ دید کی پیاسی نگاہوں کو یقین تھا کہ وہ حیدر کے ساتھ ضرور آئے گا۔

مضبوط دوستی کا تقاضا بھی تھا اور...... دل کی طلب کا معاملہ بھی۔ اس کی نگاہیں اس کی دید کو بے چین تھیں تو کیا اسے دیکھنے کی چاہ نہ تھی؟ ان کے جذبے یکطرفہ نہیں تھے۔ پھر موقع کے باوجود وہ کیوں نہیں آیا تھا؟

ان سوالوں نے اسے مزید رنجیدہ کر دیا تھا اور وہ وہاں سے بہانے سے اٹھ آئی تھی۔ دل ممی کی ماضی کی داستان سے پہلے ہی دکھی تھا۔ اس پر مزید دکھ کا بوجھ ذوالنون کی بے حسی نے لا ڈالا تھا۔ حیدر کی خوشی میں شریک نہ ہو کر اس نے بہت غیر ذمہ دارانہ طبیعت کا ثبوت دیا تھا۔

''مسٹر ذوالنون مرد ہو کر تم نے صرف ایک اپنے باپ کی جدائی کو ایسی ناکامی تصور کر لیا جو تمہاری ساری زندگی پر حاوی ہو گئی ہے، اس خود ساختہ ناکامی نے تمہیں آج ایک سچے اور مخلص دوست کی خوشیوں سے بھی محروم کر دیا ہے۔ تم ایک مشکل انسان ہو۔ کبھی نہ سمجھ آنے والے...... کسی پزل کی طرح...... تم اتنے مضبوط و توانا ہو کر فقط ایک رشتے سے محرومی برداشت نہ کر سکے اور ممی جو ایک کمزور عورت ہیں۔ نازک سے احساسات و جذبات رکھنے والی، انہوں نے سگے رشتوں کی کس قدر ناکامیاں و نفرتیں دیکھی ہیں مگر بڑے حوصلے و عزم سے ان ناکامیوں کو زندگی پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ میں جانتی ہوں، تمہارا اور ممی کا کوئی تعلق...... کوئی رشتہ نہیں ہے مگر پھر بھی تمہاری اور ممی کی کہانی میں کچھ کچھ یکسانیت لگتی ہے یا شاید دکھ...... محرومی و جدائیوں کی داستانوں میں اسی طرح کی یکسانیت و مماثلت پائی جاتی ہوگی۔ جدائی کے تجربے سے محرومی کے وار اسی طرح کیے جاتے ہوں گے''۔ ذوالنون کا خیال آتے ہی سوچوں کا دھارا اس طرف بہہ نکلا تھا۔ وہ تصور میں اس سے گلے شکوے کرتی کرتی نیند کی مسحور کن وادیوں میں اتر گئی تھی۔

☆......☆......☆

جنہیں ساتھ چلنے کی خواہش ہو
انہیں چھوڑا نہیں کرتے
جو ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہیں
انہیں جھٹکا نہیں کرتے
جنہیں ساتھ چلنے کی تمنا ہو
انہیں موت کی دستک سنایا نہیں کرتے
جو کچھ لمحے مانگ کر لائے ہوں
انہیں ضائع نہیں کرتے
جو پہلے ہی تنہا ہوں
انہیں اور تنہا نہیں کرتے

چلو اس شام کو امر کر لیں
اس طرح کی شامیں دوبارہ آیا نہیں کرتیں
جو وقت گزر جائے
زندگی میں دوبارہ آیا نہیں کرتے
جنہیں آس ہو تم سے
ان کی آس کی سانس توڑا نہیں کرتے
جو پہلے ہی ٹوٹے ہوں
انہیں اور توڑا نہیں کرتے

ایک ہفتہ...... پورے سات دن وہ اندھیروں میں گم رہا تھا۔ رات دن سیاہ دلدل میں گم رہا تھا۔ بحرِ مردار میں گویا اس کی اپنی ذات غرق ہو کر رہ گئی تھی اور اسے اپنے آس پاس اردگرد اندھیرے ہی اندھیرے نظر آرہے تھے۔

مما کی ہذیانی اور بگڑی ہوئی حالت......
نانو کی ہر وقت انتقام لینے کی ترغیب
روشنی کے تمام روزن اس کے لیے بند کر دیے گئے تھے۔

وہ گھر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ بیرونی دُنیا سے اس کا رابطہ بالکل نہ رہا تھا۔ اس نے اپنے تمام نمبر آف کر دیے تھے۔ دُنیا اور دُنیا والوں سے اس کا دل اس بری طرح اچاٹ ہوا تھا کہ وہ سب سے ناراض و نالاں تھا۔ سب لوگ اسے اپنی ماں کی بربادی کے ذمے دار لگ رہے تھے۔ تمام مردوں کے چہرے اسے انس جیسے نظر آتے تھے اور عورتوں کی شکلوں میں کرن کا چہرہ نظر آتا جاتا واضح تو نہ ہوتا مگر اسے بتایا گیا تھا وہ ہو بہو اس کی ممی جیسی ہے۔

"پرنس! میری جان کب تک خود کو روم میں بند رکھیں گے؟ اس طرح تو آپ بیمار ہو جائیں گے"۔ فائقہ بیگم کمرے میں آکر بڑی محبت سے اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"باہر نکلنے کا موڈ نہیں ہوتا"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"موڈ بنانا پڑتا ہے بیٹا، آپ جامعہ بھی نہیں جا رہے ہیں۔ کئی بار حیدر بھی فون کر چکا ہے۔ وہ آپ سے ملنے کو بے چین ہے"۔

"میرا موڈ نہیں ہے"۔ وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

"پھر وہی موڈ"۔ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔ "میں سوچ رہی تھی آپ اس مردود انسان سے بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچ رہے ہیں مگر محسوس ہوتا ہے آپ کا ایسا کوئی بھی ارادہ نہیں ہے۔ آپ انتقام لینے کی بجائے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں"۔ وہ

تیوریاں چڑھا کر اشتعال انگیز لہجے میں بولیں۔

"نانو پلیز! آپ زیادتی کر رہی ہیں"۔اس کی فراخ پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، اگر آپ کو انتقام لینا ہوتا اس بھیڑیے سے تو اب تک لے چکے ہوتے۔تمام راہیں آپ کو بتائی جا چکی ہیں، ویسے آپ کو کسی پلاننگ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔سب کچھ آپ کے سامنے ہے ناں...... یہ اور بات ہے آپ اگر از خود نہ ہیں چاہئیں۔شاید محبت انتقام پر حاوی ہوتی جا رہی ہے"۔فائقہ بیگم چرکے پہ چرکے لگائے جا رہی تھیں۔ان کا ہر لفظ اس کی حمیت پر تازیانے کی طرح لگ رہا تھا۔

"نانو......نانو پلیز! اسٹاپ اٹ"۔

وہ بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتا ہوا کہنے لگا۔

"خود کو اذیت مت دیں۔تکلیف و اذیت کا حق دار وہ شخص ہے جو بڑی شان سے لوگوں میں عزت دار بنا ہے۔کسی مظلوم کی عزت خراب کر کے اب اسے اپنے کیے کی سزا پانا چاہیے۔بہت عیش و راحت انجوائے کی۔اب وہ تکلیف و آزار اس کا مقدر بننا چاہیے جو ہماری روحوں کا عذاب بنا ہوا ہے"۔

اس پورے ہفتے میں فائقہ بیگم کا یہی کام رہا تھا کہ وہ وقفے وقفے سے آ کر اس کے ذہن کو انتقام کی بھٹی میں بھڑکاتی رہتی تھیں۔منال بیگم نے دوسرا حربہ اختیار کیا ہوا تھا۔وہ ہذیانی انداز میں یہ دہراتی رہتیں کہ میرا بدلہ کوئی نہیں لے سکتا......کبھی وہ کہتیں وہ اپنے بیٹے کی نظروں میں گر گئی ہیں، اپنی پامالی کے باعث وغیرہ وغیرہ......

"ٹیک اٹ ایزی نانو جان۔مجھ پر اعتبار نہیں ہے آپ کو؟ میں آپ کا بدلہ لوں گا۔آپ کا انتقام پورا کروں گا"۔

وہ مضبوط و پُر عزم لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔اس بار اس کے لہجے میں یقین و آنکھوں میں وحشی چمک تھی، درندگی کی جھلک تھی۔

"آپ پر اعتبار ہے مگر ان پر نہیں، ہر بار وہ چکنی مچھلی کی مانند ہاتھوں سے پھسل کر نکل جاتے ہیں"۔

"اس بار ایسا نہیں ہوگا"۔وہ پُر یقین لہجے میں گویا ہوا۔

"بڑی خوش خوش آ رہی ہیں، کوئی اچھی خبر ہے کیا؟" منال بیگم نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔

"ہاں، سمجھو آج میں نے پتھر پر ایسی ضرب لگائی ہے کہ نہ صرف اس میں دراڑ پڑی بلکہ......وہ اپنی جگہ بھی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا ہے"۔فائقہ خوشی سے بے حال تھیں۔

"مما! مجھ سے صاف صاف بات کیا کریں"۔

"تم، ان چیزوں سے باہر نکل کر دیکھو تو عقل کام کرے"۔وہ سگریٹ کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئیں۔

"ڈرنک پر تو پابندی ہے اب اسموکنگ پر قدغن نہ کریں"۔جواباً وہ بھی منہ بنا کر گویا ہوئی تھیں۔

''اس ہفتے پرنس گھر سے باہر نہیں نکلا۔شاک پر شاک لگے ہیں اس کو.....اس وجہ سے میں نے بھی احتیاط برتی اور تمہیں بھی منع کیا''۔

''اوفوہ مما! اب تو وہ گھر پر نہیں ہے''۔ ہونٹوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے ان کا لہجہ بیزار کن تھا۔

''او کے ہم تو ہمیشہ سے اپنی ہی منوانے کی عادی ہو''۔

''آپ جاننے کے باوجود بحث کرتی ہیں''۔ منال کے بدلحاظ انداز نے فائقہ بیگم کا موڈ بری طرح آف کر دیا تھا۔وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔منال مزے سے کش پہ کش اڑاتی رہیں۔

''مما! آپ چپ کیوں ہو گئی ہیں؟'' سگریٹ ختم کر کے وہ گویا ہوئیں۔

''جب سننے والے دلچسپی نہ لیں تو سنانے والے کا خاموش ہونا بہتر ہے''۔

منال مسکراتی ہوئی ان سے لپٹ کر بولیں۔

''آپ مائنڈ کر گئیں مما۔آئم سوری، میرا آپ کو ہرٹ کرنے کا بالکل بھی ارادہ نہ تھا، پلیز.....آپ بتائیں پرنس کے کیا ارادے ہیں؟''

''بہت جلد ہماری مراد پوری ہونے والی ہے''۔

''ہمارے پاس ٹائم بھی نہیں ہے مما۔کونین کی واپسی میں زیادہ دن نہیں ہیں پھر اس اولڈ وومن نے الگ دماغ خراب کر رکھا ہے۔نہ معلوم کون کون سے خواب دیکھ رہی ہے، آج کل اور پریشان ہمیں کر رہی ہے۔کہتی ہے ذوالنون کی حفاظت کرو، وہ اسے بلاؤں میں گھرا دیکھ رہی ہیں''۔ اپنی ساس کے لیے ان کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

''اور جاؤ بھاگ کر، یہ سب پرنس پر قبضہ کرنے، اور قبضہ جمانے کی سازشیں ہیں۔پہلے کونین کو خشرخ کے ذریعے مٹھی میں کیا اب پرنس پر نظر ہے۔ایسی ہی باتوں سے بیا بناتی ہیں''۔

''اگر میں وہاں بچوں کے ساتھ نہ جاتی تو ہم کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اور میں نے کون سا ان کو کمپلیٹ لفٹ دی ہے۔پرنس کے لیے بار بار فون کر رہی ہیں، ان کے لہجے سے لگ رہا ہے، وہ آنا چاہتی ہیں مگر ہمت نہیں پڑ رہی ان کی.....میں نے بھی کہہ دیا، اُلٹے سیدھے خواب دیکھ کر میرے بیٹے کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''ٹھیک ہی کیا، یہ لوگ منہ لگانے کے قابل نہیں ہوتے''۔ حسبِ عادت انہوں نے اسے سسرال والوں کے خلاف اُکسایا تھا۔

''آف کورس، کبھی لگایا ہے جواب لگاؤں گی، پرنس کہاں گیا ہے؟''

''حیدر کی کئی کالز میرے پاس آئی ہیں، اس کی انگیجمنٹ ہوئی ہے۔اس کی وجہ سے وہ پارٹی دے رہا ہے، پرنس کے بغیر وہ کہتا ہے پارٹی نہیں دے گا۔میں نے پراسس کر لیا کہ وہ پارٹی دے اور پرنس کو میں بھیجوں گی اور میرے کہنے پر وہ گیا ہے، بڑی بے دلی سے''۔

''جلد از جلد وہ ہمارا کام کر دے تو ہم بھی اس قید سے آزاد ہوں، کتنے دن ہو گئے ہیں گھر سے باہر نکلے، کوئی پارٹی اٹینڈ کیے ہوئے۔لائف ایک دم ڈل اینڈ بور ہو کر رہ گئی ہے''۔

☆.....☆.....☆

"لب پہ آتی ہے دُعا بن بن کے تمنا میری
زندگی تیری زلفوں کی چھاؤں میں کٹ جائے خدایا میری"

ہریرہ بڑی ترنگ میں گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا مگر اسی لمحے دوسرے دروازے سے داخل ہوتیں بی بی جان کو دیکھ کر گھبرا کر خاموش ہو گیا۔حورین کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"کیا کہہ رہے تھے، بن سے......؟" ان کا لہجہ نرم تھا۔

"بن سے......لاحول ولا قوۃ......منہ کا ذائقہ ہی کڑوا ہو گیا"۔وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو، ذرا تیز لہجے میں کہو، ایک تو نہ معلوم اس نسل کو کیا عادت ہے، خود بولتے ہیں اور خود ہی سنتے ہیں۔ہماری سمجھ نہیں آتے"۔

"بی بی جان! میں اور موحد ہریرہ کے ساتھ جا رہے ہیں گفٹ لینے"۔حورین نے موقع دیکھ کر کہا، جبکہ ہریرہ حیران ہو کے بولا۔

"کس نے کہا، میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں؟ نہ بابا تم لوگوں کے ساتھ شاپنگ پر جانے سے بہتر ہے، بندہ موت کے کنویں میں بائیک چلائے۔خریدنی ایک پن کلپ ہوتی ہے اور پورے شاپنگ سینٹر کو ایسے کھنگالا جاتا ہے جیسے کوئی نیا امریکہ دریافت کرنے کا ارادہ ہو"۔وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا گویا ہوا۔

"ارے ساللہ نہ کرے جو دوسرا امریکہ ہماری جانوں پر نازل ہو......ایک امریکہ کم ہے کیا......؟" بی بی جان تنبیہی لہجے میں گویا ہوئیں۔

"سوری بی بی جان۔میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا"۔

"بی بی جان! اس کو کہیں ناں، ہمیں شاپنگ سینٹر لے جائے"۔حورین ہریرہ کی جانب سے انکار کے بعد ان سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں......ہاں لے جائے گا، اس نے کب منع کیا ہے......؟" وہ کاؤچ پر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے کہہ اٹھیں۔

"بی بی جان! پلیز......"

"خاموش رہو، گھر میں مرد ہوتے ہوئے لڑکیاں اکیلی جائیں، یہ کوئی اچھی بات ہے......؟ تمہارے علاوہ گھر میں کوئی اور نہیں ہے ورنہ بھیج دیتی ساتھ......ایک تو اس گھر میں لڑکوں کو بیٹھنے کی عادت نہیں ہے۔ان میں صرف وصی تھا جو گھر میں ٹکا نظر آتا تھا۔اب تو اس کے بھی پر نکل آئے ہیں۔مجال ہے جو کام کے وقت گھر پر مل جائیں"۔وہ ہریرہ کو جھڑکتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

"وصی کی شادی ہو جاتی تو اس کی کیا مجال کہیں جانے کی......"

"اچھا......یعنی مردوں کو گھر میں نظر آنے کے لیے بیویوں کا ہونا ضروری ہے؟" وہ اسے گھورتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"نہ......نن......نہیں، یہ میں نے کب کہا؟"

"مطلب تو تمہارا سیدھا اور صاف ہے، اگر وصی کی شادی ہو جاتی تو وہ بیوی کے پلو سے بندھ کر بیٹھ جاتا......نہ معلوم کیا ہو گیا

ہے آج کل کی نسل کو......؟ شادی سے قبل ہی غلامی کے لیے تیار رہتے ہیں، جورو کے غلام"۔

پہلی بار ہریرہ ان کے ہاتھ لگا تھا اور وہ چھوڑنے والی نہ تھیں۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں بی بی جان! میں ان میں سے نہیں ہوں جو بیوی کا آنچل پکڑ کر چلتے ہیں۔ میں اپنے اشاروں پر چلانے والا ہوں۔ بیوی، بیوی ہوتی ہے، ماں تھوڑی کہ جس کی خدمت کر کے جنت حاصل کرنے کی خواہش ہو"۔ اس سے جیتنا آسان نہ تھا۔

"ہوں..... کہہ تو ٹھیک رہے ہو مگر وقت آنے پر دیکھیں گے، تم ان بچیوں کو لے کر جاؤ"۔ ان کا انداز حکمیہ تھا۔

"آگے آؤ، میں کوئی تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں"۔ ہریرہ حورین کو مول کے ساتھ بیک سیٹ پر بیٹھتے دیکھ کر بولا۔

"تو کیا ہوا، کبھی کبھی ایسا بھی سہی"۔

"نہیں، آگے بیٹھو گی تو میں ڈرائیونگ کروں گا ورنہ....." وہ اسٹیرنگ چھوڑ کر آرام سے بیٹھ گیا۔

"اوہ...... کبھی کبھی تم حد ہی کر دیتے ہو"۔ مول کے اشارہ کرنے پر وہ بڑبڑاتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تو اس نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

"یہ تم کار کس اسپیڈ میں چلا رہے ہو؟ سائیکل والے بھی ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں"۔ وہ از حد سلو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"تمہیں کسی طرح سکون ہے بھی کہ نہیں......؟"

"میں نے کیا کیا ہے......؟" حورین نے کہا۔

"فاسٹ ڈرائیونگ کروں تو کہتی ہو جہاز چلا رہا ہوں..... سلو ڈرائیونگ کروں تو سائیکل سے بھی کم کہتی ہو، پہلے فیصلہ کر لو تم چاہتی کیا ہو؟"

"پلیز ہریرہ بھائی! آپ حورین سے پھر کبھی بحث کر لیجئے گا۔ پہلے ہمیں شاپنگ کروا دیں۔ دیر ہو رہی ہے"۔ انہیں پنجے جھاڑتے دیکھ کر مول نے مداخلت ضروری سمجھی۔

"اچھا...... چیونٹی کے بھی پر نکلے، تمہارے منہ میں بھی زبان آ گئی اور مجھے زبان دراز لڑکیاں اچھی نہیں لگتی ہیں"۔ وہ بیک مرر سے مول کو گھور کر بولا۔ مول شرمندہ ہو گئی۔

"ہونہہ یوں کہو تمہیں اپنی تعریف کے علاوہ اچھا کیا لگتا ہے؟"

"تم نے کبھی میری تعریف کی ہے؟"

"اس قابل ہو تو کروں"۔

"کرو گی کبھی نہ کبھی ضرور، مجھے یقین ہے اور یقین پر دنیا قائم ہے"۔

"یہاں خوش فہم لوگوں کی کمی کہاں ہے"۔ اسی طرح کی بحث کرتے وہ شاپنگ سینٹر پہنچے تھے۔

"اترنے سے پہلے حلف دے کر جاؤ کہ صرف گفٹ خریدو گی، گفٹ کے سوا کچھ نہیں"۔ اس نے کار روکتے ہی کسی وکیل کی طرح کہا تھا۔

"ریلی ہم صرف گفٹس خریدیں گے اور کچھ نہیں"۔ حورین غصے سے اسے گھورنے لگی تھی۔ موبل مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیسے پلکیں جھپکائے بنا گھورے جا رہی ہو، بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں"۔

وہ کوئی جواب دیئے بنا اتر گئی تھی۔

موبل نے رسٹ واچ لی تھی۔ حورین نے پرفیومز اور چوڑی بکس لی تھیں۔ حیدر کو گفٹس کرنے کے لیے وہ تمام چیزیں بیگ میں رکھ رہی تھی۔

معاً اسے مخصوص سی جانی پہچانی خوشبو کا احساس ہوا۔ دل ایک خاص انداز میں دھڑک اُٹھا تھا۔

اس نے بے ساختہ نگاہیں اُٹھائی تھیں۔ دل کی صداقت رنگ لائی تھی..... وہ سامنے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ شاپ کیپر کوئی گفٹ پیک کر رہا تھا۔ حورین کی طرف اس کی پشت تھی مگر پھر بھی اس کی شناخت ہو رہی تھی۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔ احساسات میں خوشگواریت گھل سی گئی تھی۔

"دل سے دل کو راہ ہوتی ہے" کے مصداق اس جانب بھی دل نے دل کی مہک پہچان لی تھی۔ جب ہی وہ گفٹس کا شاپر لے کر پلٹا تھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا تھا۔

لیکن ایک طرف مسرت و خلوص کے رنگ جھلملا رہے تھے تو دوسری طرف برفیلی سرد مہری و سنگدلی ہوئی بے گانگی تھی۔ اس نے ایک لمحہ اسے دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے وہاں سے اس طرح گزر گیا جیسے ایک انجان و بے خبر انسان گزر جاتا ہے۔ اس کے لبوں پر پھیلی جان دار مسکراہٹ نے ایک دم ہی دم توڑ دیا۔ ذوالنون کا اس طرح اجنبی بن کر گزر جانا اسے ششدر کر گیا تھا۔ سرد موسم کے باوجود اس کے اس توہین آمیز رویے سے وہ پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔

اس نے کن انکھیوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی موبل کی طرف دیکھا جو ہریرہ کے ساتھ کاؤنٹر پر تھی اور اسے اس کو اس جانب متوجہ نہ دیکھ کر کچھ ڈھارس ہوئی کہ اس سنگ دل کے بیگانگی بھرے رویئے سے وہ اس کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ گئی تھی۔

"اوئے یہ تمہیں کیا ہوا؟" موبل قریب آ کر حیرانگی سے بولی۔

"ایسے موسم میں پسینہ......؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو....." موبل گفٹس پیک کروا کر اس کے پاس آئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے حیرانگی سے دریافت کیا تھا۔

"ارے بھئی...... کچھ نہیں ہوا"۔ اس نے جبراً مسکراتے ہوئے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کیا۔

"سچ کہہ رہی ہو؟" ہریرہ نے قریب آ کر سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں، چلو دیر ہو رہی ہے"۔ اس نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"ایک وہ دور تھا جب مائیں بیٹیوں کے پیدا ہوتے ہی ان کے جہیز جمع کرنا شروع کر دیا کرتی تھیں اور جب تک لڑکیاں شادی کی عمروں کو پہنچتی، تب تک جہیز بھی مکمل ہو چکا ہوتا تھا۔ ایک دور یہ ہے کہ ایک ہفتہ قبل کوئی برتن لا کر رکھو تو معلوم ہوتا ہے، اگلے ہفتے اس سے خوب صورت و بہترین برتن آئے ہیں۔ ان کے آگے محض ایک ہفتہ پہلے کی چیز پرانی ہو جاتی ہے۔ بندہ کیا خرید کر رکھے۔ اب تو ہر سامان ہی وقت پر خریدو۔"

زویا کی بات پکی ہونے کے بعد سے بی بی جان کو عام بزرگ خواتین کی طرح اس سمیت لڑکیوں کی فکر ستانے لگی تھی۔ اس وقت بھی سمیرا، حمیرا، فاریہ اور کرن کے درمیان بیٹھی اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔

"آپ درست کہتی ہیں بی بی جان! اب تو ہر کام ہاتھوں ہاتھ ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود بھی سسرالیوں کو اعتراضات کے مواقع مل جاتے ہیں، نہ معلوم کیوں ان رشتوں میں ڈھل کر انسان اپنا مزاج و خوش اخلاقی فراموش کر بیٹھتا ہے؟"

"سمیرا! تمام لوگ نہ تو بُرے ہوتے ہیں اور نہ اچھے۔ برے اچھے لوگوں سے دنیا بھری ہوئی ہے مگر مجھے امید ہے زویا کے سسرال والے اچھے لوگ ہیں۔ وضع داری و اعلیٰ حسب و نسب ان کے ہر انداز سے ظاہر ہوتا ہے۔ انشاء اللہ زویا بڑی خوش رہے گی، بڑے قدردان لوگ ملے ہیں اس کو۔" ان کے لہجے سے طمانیت ظاہر تھی۔

"آپ کی فہم و فراست پر ہمیں ناز ہے بی بی جان۔ ہماری دعا ہے ان بچیوں کے نصیب بھی آپ کی طرح ہوں۔" حمیرا پر عقیدت لہجے میں گویا ہوئیں۔

ان کی بات پر بی بی جان کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"کیوں بددعائیں دیتی ہو بچیوں کو؟ رب العالمین میرے سائے سے بھی ان بچوں، بچیوں کو محفوظ رکھے۔" ان کی دکھ و کرب سے بوجھل آواز میں کپکپاہٹ سی تھی۔

"ایسے کیوں کہہ رہی ہیں بی بی جان! آپ تو ہم سب کا آئیڈیل ہیں۔ جتنی عقل و شعور، دانشمندی، محبت، عزت، چاہت آپ کو ملی ہے ایسی ہی بچیوں کو ملے۔"

"وقت انسان کو ہر ہنر، ہر چلن سے بہرہ مند کر دیتا ہے اور محبت، عزت، خلوص مجھے تم لوگوں نے دیا۔ یہ تم لوگوں کی خدا ترسی و بڑا پن ہے جو مجھ جیسی اجڑ کر آنے والی بدنصیب کو اتنی عزت و وقار دیا کہ باہر والے بھی میری عزت کرنے لگے۔"

حکمیہ انداز میں بات کرنے والی بی بی جان کے لہجے میں اس وقت چاشنی بھری انکساری و مروت پنہاں تھی۔

"بی بی جان! خود کی عزت اور خود سے نفرت ہمارے اخلاق و افعال پر منحصر ہوتا ہے۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو آپ کو سب میں منفرد و ہردلعزیز بنائے ہوئے ہیں۔" کرن نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"باہر والے بھی آپ کی عزت تب ہی کرتے ہیں جب گھر والے کریں ورنہ میں نے بڑے بڑے لوگوں کو اس عمر میں خوار ہوتے

دیکھا ہے۔ یہ ان لوگوں کی محبت ہی کا اعزاز ہے جو میں اپنوں اور غیروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہوں، ورنہ گھر سے رخصت ہونے والی بیٹیاں اجڑ کر گھر پر آ جائیں تو ماں اور باپ کے علاوہ سب انہیں نا قابل برداشت بوجھ سمجھتے ہیں جب اپنے ہی گھر میں جگہ تنگ ہو جائے تو پھر کہیں باہر بھی جگہ نہیں ملتی۔"

بی بی جان جو شادی کے چھ ماہ بعد ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ ایک حادثے میں ان کے شریک حیات کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ ان کے والدین انہیں گھر لے آئے تھے۔ انہوں نے بہت چاہا کہ وہ دوسری شادی کر کے پھر سے گھر گرہستی بسائیں لیکن وہ کسی طور راضی نہیں ہوئیں۔ انہوں نے کہا وہ اس گھر سے اب مر کر نکلیں گی۔ زندگی انہوں نے بھائی، بھاوجوں اور ان کے بچوں میں ہی گزار دی تھی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بھابیاں دونوں نیک و قدر کرنے والی تھیں اور بھائیوں نے بھی ان سے رویہ نہیں بدلا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ عزت و احترام کرتے تھے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بی بی جان! جو زخم اپنوں سے ملتے ہیں وہ کبھی مندمل نہیں ہوتے۔ گزرا وقت ان پر کھرنڈ ڈال دیتا ہے جو کسی نوکیلی یاد سے پھر رسنے لگتا ہے۔ اگر اپنوں میں اپنائیت رہے تو ہمارے معاشرے میں پھیلے آدھے دکھوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔"

کرن کے لہجے میں ماضی کے دکھوں کی نمی تھی جو اکثر ان کے دل کے ایک حصہ پر موجود رہتی تھی۔

☆......☆......☆

میں کہ پُر شور سمندر میرے پاؤں میں
اب کے ڈوبا ہوں تو سوکھے ہوئے دریاؤں میں
بے قراری کا یہ عالم ہے کہ اب یاد نہیں
تُو بھی شامل تھا کبھی میری تمناؤں میں

"وہ آئے محفل میں ہماری، کبھی ہم ان کو کبھی محفل کو دیکھتے ہیں۔"

بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ اپنے مخصوص سنجیدہ اور دلآویز انداز میں وہاں داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اسد نے فقرہ چست کیا تھا جب کہ حیدر تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو۔" وہ ہاتھ میں پکڑا گفٹ اسے پکڑاتا ہوا گویا ہوا۔ حیدر پوری شدت سے اس سے لپٹا تھا۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے یار...... ہوا کیا ہے......؟" حیدر نے اس کے چہرے پر پھیلی ذہنی اذیت و بے اطمینانی پوری طرح محسوس کی تھی۔

"مجھے کیا ہوگا؟ آئم فٹ اینڈ فائن۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کس سے جھوٹ بول رہے ہو؟ اس سے جو تمہارا مزاج شناس ہے......؟"

"ابھی صرف رشتے کی ابتدا ہوئی ہے اور تم میں خواتین کی عادتیں آ گئی ہیں۔ یقین نہ کرنے والی...... شک کرنے والی۔"

ذوالنون کو معلوم تھا حیدر کی زیرک نگاہوں سے وہ بمشکل خود کو چھپا پائے گا۔ حیدر ان دوستوں میں سے تھا جو دوستی کا اصل مفہوم جانتے ہیں۔ دوستی ایسے دوستوں پر فخر کرتی ہے۔ وہ بھی حیدر کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ اس کی ہر مشکل میں وہ آگے آگے رہا تھا مگر...... اب اس پر جو مشکل پڑی تھی...... ایسی کربناک تھی جو چھپانا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا تو وہ اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھتا پھر کسی دوسرے فریق سے شیئر کرنے کی تو بات ہی ناممکن تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنا حلیہ درست کر کے آیا تھا۔ ایک ہفتہ بعد شیو بھی اس نے آج ہی کی تھی مگر اتنی کوششوں کے باوجود بھی وہ حیدر کی حساس طبیعت سے نہ بچ سکا تھا۔

''تم باتوں سے مجھے بہلانا چاہو وہ الگ بات ہے لیکن اس بات پر میں مائنڈ نہیں کروں گا کہ دوستی کا پہلا اصول یہی ہے۔''

حیدر نے رنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔ ذوالنون پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ بھی ایک خوب صورت و حساس دل کا مالک تھا۔ حیدر کی جذباتی کیفیت وہ سمجھ گیا تھا مگر...... خود پر گزری قیامت، وہ کس طرح بتاتا......؟

''بھئی اب آپ لوگ یہ راز و نیاز چھوڑ دیں کہ ان کے ساتھ اصل راز و نیاز کرنے والی مخصوص ہو چکی ہیں۔''

ان کے درمیان پھیلی گھمبیر خاموشی کو طویل ہونے سے اسد کی آمد نے بچایا جو حیدر کا کزن تھا اور ان کی دوستی سے واقف بھی۔

''وہ راز و نیاز ان کو ہی مبارک ہوں۔ ہماری دوستی میں ان کی ذات رکاوٹ نہیں بن سکتی۔'' ذوالنون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''جی ہاں...... آپ کا یہ دعویٰ اس وقت سنائیں گے جب آپ کو یہ صاحب اپنی نصف بہتر کی زلفوں کی اسیری میں پڑ کر پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔''

اس کے کلاس فیلو رضوان کے کہنے پر زوردار قہقہہ گونجا تھا۔

حیدر نے اپنے گھر کے ہال میں پارٹی دی تھی جہاں اس نے کچھ دوست، کلاس فیلوز کو اس نے انوائیٹ کیا تھا۔ ہال بہت خوب صورت طریقے سے ڈیکوریٹڈ تھا۔ باوردی ویٹرز کولڈ ڈرنکس سب کو سرو کر رہے تھے۔ ماحول میں امپورٹڈ خوشبوؤں کے ساتھ مہمانوں کی سرگوشیاں بھی گونج رہی تھیں۔ حیدر کے والدین نے سب مہمانوں کا استقبال کیا پھر کچھ دیر بعد بیٹھ کر وہ اس خیال سے چلے گئے تھے کہ وہ لوگ اپنی مرضی سے پارٹی سیلیبریٹ کر سکیں۔ ان کے جاتے ہی میوزک آن کر دیا گیا تھا اور دوستوں کے بلند قہقہے گونجنے لگے تھے۔

''حورین! کیا ہوا ہے تم بالکل خاموش کیوں بیٹھی ہو؟''

حیدر اور اس کے والدین کے اصرار پر بی بی جان نے زویا کے علاوہ تمام لڑکیوں کو بھیجا تھا۔ لڑکے اپنی نجی مصروفیات کے باعث نہ آ سکے تھے۔ وہ سب لڑکیاں اب ایک ٹیبل کے گرد جمع تھیں۔

''تم لوگ بول رہی ہو، میں سن رہی ہوں۔'' ہیلا کے استفسار پر اسے اپنا موڈ ٹھیک کرنا پڑا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے اٹھ کر چلی جائے اور کسی تنہا گوشے میں اس قدر روئے کہ دل میں لگنے والی آگ جو کہ ذوالنون کی بے رخی و بیگانگی نے لگائی تھی آنسوؤں کے ذریعے بہہ نکلے۔ شاپنگ سینٹر میں جو اس نے اسے نظر انداز کیا تھا جب بھی وہ جذباتی طور پر بری طرح مجروح ہو کر رہ گئی

تھی مگر پھر یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتی رہی کہ وہ اس کی نگاہوں کا وہم ہو۔ ذوالنون نے اسے دیکھا ہی نہ ہو اور دل برابر اس کی بات کی نفی کرتا رہا تھا۔ بہت کشمکش میں وہ تیار ہوئی تھی۔ دھانی کلر کے سوٹ میں بالوں کو کلپ کیا تھا۔ دھانی سوٹ پر میرون فینسی کام تھا۔ اس کی میچنگ کی اسٹون کی جیولری پہنی تھی۔ ان کے اصرار کے باوجود اس نے لپ اسٹک تک نہ لگائی تھی۔ اس سے قبل سرآفتاب کی پارٹی میں وہ دل و جان سے تیار ہو کر گئی تھی اور اس کا روپ تازہ کھلے گلاب جیسا تھا۔ اب وہ موسم سرما کی حسین مگر اداس شام جیسی لگ رہی تھی جس حقیقت کی نفی اس کا دل کرتا آیا تھا اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ ذوالنون کو وہ دیکھ رہی تھی۔ ہنستا مسکراتا، سب سے علیک سلیک کرتا وہ موجود تھا۔ اسے مکمل طور پر اگنور کیے گویا اس کی طرف نگاہ کی تو پتھر کا بن جائے گا۔

”تم دن بدن بہت بدلتی جا رہی ہو۔ جب تم یہاں آئی تھیں کس قدر زندگی سے بھرپور تھیں۔ بات بے بات ہنسنا، شرطیں لگانا، ہریرہ بھائی سے لڑنا جھگڑنا..... تمہارے ساتھ رہ کر زندگی انجوائے کرنا ہم نے سیکھی ہے۔ اب ایسا لگتا ہے ہمیں سکھا کر تم بھول گئی ہو۔“

ماہ نور گویا اس کی ایک ایک کیفیت نوٹ کرتی رہی تھی۔

”میں اب بھی ویسی ہوں البتہ شرطیں لگانا میں نے اس لیے چھوڑ دی ہیں کہ مما کو یہ پسند نہیں ہیں۔“

”تم لوگ ذویا کو بھی لے آتے تو کتنا مزہ آتا۔ اسی کی پارٹی ہے اور وہ غریب ہی محروم کر دی گئی۔“ ثمرین نے لب کشائی کی۔

”ہمارا تو ارادہ تھا مگر بی جان نے اجازت نہیں دی۔“

”اچھی بات ہے موبل! بزرگ جو کہتے ہیں اس میں ہر پہلو ہماری بہتری و رہنمائی کا ہوتا ہے۔“

”مما نے مجھے کتنا منع کیا تھا کراچی آنے سے۔ اگر میں تب ہی ان کی بات مان لیتی تو آج یوں درد دل لے کر نہ بیٹھی ہوتی۔“ موبل سے بات کرنے کے بعد وہ خود سے مخاطب ہوئی تھی۔

اسی وقت حیدر کے ہمراہ ذوالنون کو اس طرف آتے دیکھ کر غم و غصے سے اس کے اعصاب تن سے گئے تھے۔ چہرے پر گہری سنجیدگی چھاتی چلی گئی۔ وہ نگاہیں جھکا کر بیٹھ گئی۔

”ذوالنون بھائی آپ ایسی پارٹی کب دے رہے ہیں؟“

ردا نے اسے دیکھ کر شوخی سے کہا۔

”ایسی پارٹی یہ تب ہی دیں گے جب انہیں کوئی لڑکی پسند آئے گی۔“

ثمرین کیوں خاموش رہتی فوراً بول اٹھی۔

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے اب ان ہی کا نمبر ہے۔ بہت جلد آپ لوگوں کو اس سے بھی اچھی پارٹی ملے گی۔“

حیدر نے سر جھکائے بیٹھی حورین کی جانب اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”ثمرے! کون ہے وہ لکی گرل؟“

وہ دونوں ہی استجابیہ انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ حورین کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا تھا۔ اسے ڈر تھا حیدر جذبات میں اس کا نام نہ لے بیٹھے۔ ان سے جان چھڑانا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ پیلا، فشرح، ماہ نور کی موجودگی میں یہ سب نامناسب تھا۔

"لکی گرل کا نام بعد میں بتایا جائے گا۔"

حیدر کے کہنے پر اس کی جان میں جان آئی۔ حیدر وہاں کھڑا ان سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ اس دوران ذوالنون ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اپنے مخصوص لاپرواہ بے نیاز انداز کھڑا رہا تھا۔

پارٹی کے اختتام پر جب وہ اسٹرپ کھل جانے کے باعث ان لوگوں سے پیچھے رہ گئی تھی تب ذوالنون چلا آیا تھا۔

"ہیلو۔" وہ سینڈل کا اسٹرپ باندھ کر کھڑی ہوئی تو وہ قریب آ کر گویا ہوا تھا۔ گہرے آنکھوں میں بڑی پُراسراریت تھی۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کل کسی بھی وقت میں منتظر رہوں گا۔"

......❁......

"آپ نے کیسے سوچ لیا کہ آپ بلائیں گے اور میں آجاؤں گی؟" حورین نے خفگی بھرے انداز میں اس سے کہا۔

"یہ میری سوچ نہیں...... یقین ہے، میرے جذبوں کی صداقت ہے جو بانگ دہل کہتی ہے کہ تم آؤ گی..... ضرور آؤ گی"۔ اس کا طرزِ تخاطب آج عجیب انداز لیے ہوئے تھا۔ حورین کو اس کے قرب سے اُلجھن سی ہونے لگی تھی۔

"نہ معلوم آپ کن جذبوں کی صداقت کی بات کر رہے ہیں؟ مجھے ان جذبوں کی صداقت پر یقین نہیں رہا ہے جو لمحوں میں کسی کو آکاش کی بلندیوں پر چڑھا دیتے ہیں تو کبھی آنِ واحد میں زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ خوش فہمیاں صرف دھوکا دیتی ہیں یقین نہیں"۔

"اوہ تو آپ خاصی ناراض دکھائی دے رہی ہیں، کیا غلطی ہوگئی بندے سے بتائیں تو ذرا؟"

وہ اسے کبھی آپ اور کبھی تم سے مخاطب کر رہا تھا۔ مستزاد اس کا انداز بھی بدلا بدلا لگ رہا تھا جو اس کی ذہنی پراگندگی و انتشار کی نشاندہی کر رہا تھا۔

"غلط آپ نہیں، میں ہوں جو آپ پر اعتبار کر بیٹھی"۔

"اعتبار......؟ میں نے کیا غلط کیا ہے؟" اسے لگا وہ سب جان گئی ہو۔ دل کے چور نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

"سیلفش لوگ مجھے کبھی پسند نہیں رہے، ذوالنون صاحب! میں انسان ہوں کوئی ڈمی نہیں، جس پر آپ اپنی مرضی کے تجربے کریں کہ دل چاہا تو بات کرلی اور نہ چاہا تو قریب سے بھی اس طرح گزر گئے جیسے کوئی شناسائی ہی نہیں ہے"۔

"کبھی پتھر، کبھی پھول والی دوہری پرسنالٹی رکھنے والے شخص کو معاف کرنے والی نہ تھی۔ خوب کھری کھری سنا رہی تھی۔

"آئم سوری، میں نے ایسا از خود کیا تھا اور اس لیے کہ آپ کی کزنز موجود تھیں۔ ان کے خیال سے ہی میں نے ایسا کیا تھا"۔ وہ بڑے اچھے انداز میں وضاحتیں دے رہا تھا۔

"میں کل ویٹ کروں گا، مزید باتیں وہیں ہوں گی"۔

"ذوالنون سومل کو اس طرف آتے دیکھ کر اسے کل آنے کی تاکید کرتا ہوا واپس مڑ گیا۔

☆......☆......☆

کرن محسوس کر رہی تھیں۔ کل سے بی بی جان بہت خاموش خاموش اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں۔ شاید ماضی کی یادوں نے انہیں اپنی گرفت میں جکڑ سا لیا تھا۔ رات میں کھانا بھی انہوں نے برائے نام کھایا تھا۔ صبح ناشتے اور دوپہر کے کھانے پر بھی وہ چند لقمے لے سکیں، حالانکہ گھر کا کوئی بھی فرد ان کو نوٹ نہ کر سکا تھا۔ اس وجہ سے وہ محفل پر خاصی متحرک رہتی تھیں۔ کبھی کسی کو ڈش دے رہی ہیں تو کبھی کسی کی پلیٹ میں کچھ ڈال رہی ہیں یا کسی کو ڈپٹ کر ڈائٹنگ کے نقصانات پر لیکچر دے کر ڈھنگ سے کھانے پر مجبور کر رہی ہیں۔

اس دوران کوئی یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

کرن نے دروازہ ناک کیا، اجازت ملنے پر اندر چلی آئیں۔

"کرن! آؤ.....آؤ بھئی! تمہیں اجازت لے کر اندر آنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" وہ اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"میں نے سوچا آپ کچھ کام نہ کر رہی ہوں"۔ وہ قریب رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"ارے میں کیا کام کروں گی.....؟ آرام ہی کرتی ہوں"۔

"بی بی جان! ایم سوسوری، کل آپ میری وجہ سے دُکھی ہوئیں، دراصل مجھے معلوم نہ تھا آپ سے ہونے والی ٹریجڈی کا، نہ معلوم ایسا کیوں ہو جاتا ہے، بعض اوقات کسی کے اتنے قریب ہو کر بھی ہم بہت دور ہوتے ہیں"۔ کرن کے لہجے میں ندامت و شرمندگی تھی۔

"معافی کی بات کر کے غیریت کا احساس مت دلاؤ، تم نے کچھ ایسا نہیں کیا جو مجھے دُکھ دے۔ جدائی میرے نصیب میں لکھی ہوئی تھی۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے پھر جس وقت یہ حادثہ ہوا اس وقت کو طویل عرصہ گزر گیا ہے۔ لوگ بھول بھی گئے ہیں کہ میں کبھی اس دہلیز سے رخصت بھی ہوئی تھی"۔

"آپ بھولی ہیں اس کو؟" کرن نے ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جہاں جدائی کی تحریر ابھی بھی اسی طرح رقم تھی، گویا ابھی ابھی وہ کرب ناک گھڑی گزری ہو۔

"ارے چھوڑو کیا باتیں لے کر بیٹھ گئیں......کوئی اچھی بات کرو"۔ مسکرانے کے باوجود ان کے لہجے کی یاسیت چھپی نہ رہ سکی۔

"بی بی جان! آج آپ اپنے دل کی بات کریں، خود پر چڑھے خول کو توڑ دیں۔ اپنے آپ کو بھی اہمیت دیں"۔

"اب یہ ممکن نہیں رہا کرن! یہ خول، یہ حصار اب میرے ساتھ قبر تک جائے گا۔ یہ میری ذات کا حصہ بن چکا ہے"۔ ان کی دھیمی آواز میں ایک آزردہ تھکن نمایاں تھی۔

"اس طرح زندگی نہیں گزرتی بی بی جان"۔

"تین تنہائی تو گزر ہی گئی ہے، ایک تنہائی رہ گئی ہے، وہ بھی اسی طرح گزر ہی جائے گی پھر میں تنہا کہاں رہتی ہوں...... واصف ہمیشہ میری یادوں میں زندہ رہے ہیں۔ میری تنہائیاں ان کے تصور سے آباد رہتی ہیں۔ وہ نگاہوں سے اوجھل ضرور ہوئے ہیں۔ دل سے اتنے ہی قریب ہیں جتنے شادی کے پہلے چھ ماہ رہے تھے"۔

بے حد رعب و دبدبے والی بی بی جان کا یہ بکھرا بکھرا روپ ان کی ظاہری شخصیت سے بے حد مختلف تھا۔ خود کو سنبھالنے کی سعی میں ناکام ہو کر کرن کے سامنے اپنا آپ عیاں کر بیٹھی تھیں کہ عورت ظاہری طور پر خود پر کتنے ہی سرد مہری و بے اعتنائی کے خول چڑھائے مگر اندر سے وہ کسی گیلی مٹی کی طرح نرم ہوتی ہے۔ موم کی طرح ملائم رہتی ہے۔ ذرا محبت و اپنائیت کی آنچ ملی اور وہ پگھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ گھر کے تمام لوگ ان کے رعب و کھرے مزاج کے باعث خاصے فاصلے پر رہتے تھے۔ دونوں بھاوجوں و بہن فاریہ کو بھی انہوں نے حدِ ادب میں رکھا تھا۔ تینوں ان سے عمروں میں بھی چھوٹی تھیں، اس لیے انہیں حوصلہ بھی نہیں ہوا۔

کرن فاریہ کی ہی ہم عمر تھی مگر یہاں آ کر اس کا وقت زیادہ تر ان کے ساتھ گزرا تھا اور ان کے درمیان دوستانہ بے تکلفی پیدا ہو گئی تھی، اسی دوستی نے انہیں حوصلہ فراہم کیا تھا۔

"چھ ماہ میں ایسی محبت جو آپ کی پوری زندگی پر اس طرح سے حاوی ہوئی کہ آپ نے عمر اسی میں وقف کر دی"۔

"ہاں کرن! وہ چھ ماہ میری زندگی کا حاصل ہیں...... ان چھ ماہ میں، میں نے زندگی گزاری تھی اور جب سے اب تک زندگی مجھے گزار رہی ہے"۔ گہری سانس لیتے ہوئے ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"چھ ماہ میں اتنی محبت قابلِ رشک ہے"۔

"محبت کا چلن بھی عجب ہے کرن! کبھی انسان اس کو پانے کی چاہ میں زندگی گزار دیتا ہے اور یہ حاصل نہیں ہوتی اور کبھی ایک لمحے میں سمٹ کر حاصلِ زیست بن جاتی ہے"۔

"جیسے میرا بچپن اس کی جستجو میں گزرا تھا۔ امی تا زیست ہی اس سراب کے پیچھے دوڑتی رہی تھیں اور انہیں چاہت تو کیا محبت کے نام کی بھیک تک نصیب نہ ہوئی تھی۔ ازدواجی زندگی کا حُسن ہی سچی محبت ہے"۔

"تم بھی بہت خوش نصیب ہو کرن! انس دل کی گہرائیوں سے تمہیں چاہتے ہیں، تم ان کی محبت کی قدر کرو"۔

☆......☆......☆

محبت سوز ہے

محبت ساز ہے

محبت وصل ہے

محبت فراق ہے

محبت وہ آگ ہے، جس میں تپ کر سونا کندن بن جاتا ہے۔ ویرانوں میں بہار آ جاتی ہے۔
صحراؤں میں پھول کھل اُٹھتے ہیں اور ہر سُو پھلواری مہک اُٹھتی ہے۔ اس کے دل میں بھی ذوالنون کی محبت گلاب کی طرح ہر سُو مہکی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے اس کے تصور میں گم تھی۔ کل اور آج میں کتنا فرق تھا اس کے...... کل جس شخص کی پرچھائیں سے بھی وہ بغض رکھتی تھی، آج اسی کے تصور سے اس کے دن ورات روشن تھے۔
"کس کے خیالوں میں گم ہو؟" مومل قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔
"کس کے خیالوں میں گم ہو سکتی ہوں؟" خوابا مسکرا کر بولی۔
"ہوں...... ایک ہی بندہ ہے، کل حیدر کے ہاں سے واپسی پر وہ کیا کہہ رہے تھے؟"
"وہ...... مجھ سے ملنا چاہتا ہے، بہت اصرار کر رہا تھا"۔ حورین نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
"اوہ، اب تم ڈیٹ پر جاؤ گی"۔ مومل نے چھیڑتے ہوئے کہا۔
"ایڈیٹ، بکواس مت کرو"۔ اس نے مُکا رسید کیا۔
"بکواس نہیں، سچ کہہ رہی ہوں"۔
"میں نہیں جا رہی ہوں، انڈر اسٹینڈ"۔ وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
"واٹ؟ آر یو سیریس......؟"
"ہاں، میں نہیں جاؤں گی، میں نے یہی فیصلہ کیا ہے"۔
"کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ میں تو مذاق کر رہی تھی، انہوں نے بلایا ہے تو چلی جاؤ"۔ مومل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
"میں اچھا فیل نہیں کر رہی، میرا دل نہیں مان رہا پھر میں مما سے کیا کہوں گی؟ انہیں یہ سب معلوم نہیں ہے اور وہ اس بات کی اجازت دیں گی بھی نہیں"۔
اس کے دھیمے لہجے میں اضطراب و اضطرار پنہاں تھا۔ وہ دل و دماغ کی کشمکش میں مبتلا تھی جہاں اس میں ایک شدید جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ دل کہتا تھا پیار کی راہ پر آنکھیں بند کر کے دوڑتی چلی جا۔ پہلی دفعہ اس نے دعوت دی ہے شاید محبت کے اظہار کے لیے وہ بے چین ہو، کیونکہ ابھی تک اقرار صرف آنکھیں کرتی آئی ہیں، لب دونوں کے خاموش رہے ہیں۔
دل صدا لگا رہا تھا مت جا، یہ اجنبی راستے ہیں ان پر بھٹکنا آسان ہوتا ہے، پھر وہ اپنے موڈ سے چلنے والا شخص اس قابل ہے کہ اس کی محبت پر بھروسہ کیا جائے؟ اس کی چاہت پر یقین رکھا جائے؟
"تم آنٹی کو مت بتاؤ"۔ مومل نے مشورہ دیا۔
"یہ کس طرح ممکن ہے؟ میں...... میں ایسا نہیں کر سکتی"۔ وہ دانتوں میں ہونٹ دباتے ہوئے کہہ اُٹھی۔

"بعد میں بتا دینا یار! میرا تو خیال ہے تمہیں ذوالنون بھائی سے ملنے کے لیے جانا چاہیے۔ وہ ایسے ویسے شخص نہیں ہیں۔ ان کا کردار، ان کا اخلاق روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ تم ان سے بلا خوف و خطر مل سکتی ہو اور میرا خیال ہے وہ کسی وجہ سے ہی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ کوئی ضروری بات ہوگی، ورنہ وہ ان تھرڈ کلاس عاشقوں میں سے نہیں ہیں جو موقع بے موقع اپنے جذبوں کی تشہیر ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ تم سے محبت کرتے ہیں مگر ان کے جذبوں میں اس قدر احترام و پاکیزگی ہے جو کسی کو بھی محسوس ہی نہ ہو سکا کہ وہ تم کو چاہتے ہیں"۔ مومل کی ہر بات پر دل صداقت کی مہر لگا رہا تھا، اسے انکسار ہا تھا اور پھر وہ دل کی دکھائی گئی راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے پر تیار ہو گئی تھی۔

ممی سے وہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ وقت نے اسے جھوٹ بولنے سے محفوظ رکھا تھا۔ کرن، انس کے ساتھ گئی ہوئی تھیں۔ لائٹ پرپل گرم سوٹ پر اس نے پرپل و بلیک شال لی تھی جس پر خوب صورت ملٹی شوخ کلر کی کڑھائی تھی۔ میچنگ کی نازک سی جیولری میں اس کا سادہ چہرہ بے حد حسین و جاذب لگ رہا تھا۔ بالوں کو کلپ میں جکڑا تھا، وہ تیار تھی۔

"اب کیا سوچ رہی ہو، جاؤ اس سے قبل کہ کوئی آئے اور ہزار جھوٹ گھڑنا پڑیں"۔

تیار ہونے کے بعد اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر مومل نے کہا۔

"مومل! میں اپنی فیلنگز سمجھ نہیں پا رہی ہوں، کبھی دل کہتا ہے نہیں جاؤں۔ یہ مما اور ڈیڈی کے اعتماد کو کرچی کرچی کرنا ہوا۔ کبھی دل کہتا ہے چلی جاؤں، سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟" وہ گویا رو دینے کو تھی۔

"تم جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ذوالنون بھائی کو منع کر دینا کہ ہمارے ہاں اس طرح کا دستور نہیں ہے۔ یہ پہلی ملاقات ہی آخری ہے۔ وہ سیدھے طریقے سے اپنی مما کو بھیج دیں"۔ مومل اسے بھرپور طریقے سے دلاسے دے رہی تھی اور چاہ رہی تھی کہ وہ ذوالنون سے ملنے جائے کیونکہ ذوالنون نے کل سے اب تک اسے کئی کالز کر کے مجبور کیا تھا کہ وہ اس کی بہن بن کر حورین کو ملاقات پر راضی کرے۔

☆.....☆.....☆

"کرن! ماشاء اللہ یہ گھر تو آپ کے خوابوں کی تعبیر ہے، بہت خوب صورت ہے۔ روشن، ہوادار تمام آسائشوں سے مزین"۔

قاریہ اور سعدان کے ہمراہ نئے گھر کی سیٹنگ اینڈ ڈیکوریشن دیکھ کر وہ توصیفی لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"خوابوں کی جب تعبیر ملتی ہے تو دیر ہو چکی ہوتی ہے اور جب دیر ہو جائے تو دل کرتا ہے کاش یہ خواب خواب ہی رہتے"۔ کرن کے اندر ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔

"بیگم اس گھر کا ابھی تک آپ نے کوئی نام نہیں بتایا، کیا نام رکھیں ہم اپنے اس گھر کا؟" انس صاحب نے کئی دفعہ کا پوچھا سوال دہرایا۔

"کرن! تم نے ابھی تک اس گھر کا نام ہی نہیں سوچا ہے؟ یہ کام تو تمہیں سب سے پہلے کرنا چاہیے تھا، مجھے دیکھو ابھی وہاں کنسٹرکشن کا کام جاری ہے اور میں نے نام بھی سوچ لیا ہے"۔

"اچھا...... کیا نام سوچا ہے؟" کرن مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"پنک ہاؤس" ۔وہ پُرشوق انداز میں بولیں۔

"پنک ہاؤس...... بھابی! وائٹ ہاؤس کی ٹکر پر نام رکھ رہی ہیں کیا؟"

"نہیں انس بھائی! مجھے پنک کلر از حد پسند ہے، وہاں تمام کام پنک اسٹون کا کراؤں گی، کلر اسکیم اور ڈیکوریشن بھی پنک اور وائیٹ کی کمبی نیشن کراؤں گی"۔

"تھینک گاڈ! انہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا ہم پر پنک پینٹ کروانے کا" ۔سعد بے ساختہ بول اُٹھے۔انس کے ساتھ وہ بھی مسکرا اُٹھیں۔

"آپ کو تو موقع ملنا چاہیے ہونٹنگ کا" ۔فاریہ کھسیا کر گویا ہوئیں۔

"بندہ میں نے کوئی ہونٹنگ نہیں کی، بس یوں ہی خیال آ گیا جو میں بول اُٹھا۔ بات ہو رہی تھی کرن سے اور درمیان میں آپ ٹانگ اپنی پھنسا بیٹھی، بتاؤ کرن" ۔سعد کے لہجے میں بھائیوں والا لاڈ تھا۔

"نام میں نے اکثر سوچا ہے، ایک ہی نام عموماً میرے ذہن میں گونجتا ہے"۔

"ہاں تو یار! بتاؤ ناں کیا نام ہے وہ؟" انس صاحب کے لہجے میں چاہت بھرا اشتیاق تھا۔

"آشیانہ" ۔وہ آہستگی سے گویا ہوئیں اور ذہن میں ماضی کا وہ منظر پوری طرح زندہ ہو گیا، جب معمولی سا دودھ گر جانے پر مما نے بڑی ممانی سے خوب باتیں سنی تھیں اور تنہائی میں جائے نماز پر وہ روتے ہوئے اپنے رب سے دعا گو تھیں کہ انہیں بھی ایک چھوٹا سا آشیانہ عطا کرے جہاں وہ اپنی بچی کو لے کر چین وسکون سے رہیں۔اس رات اس نے بھی ان کے ساتھ خاموشی سے آنسو بہائے تھے اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی تھی۔

"آشیانہ، یہ تو بہت خوب صورت نام ہے۔ میں کل ہی نیم پلیٹ کا آرڈر دیتا ہوں" ۔انس پُرمسرت انداز میں گویا ہوئے۔

"انس! آپ میری باتوں سے میری خواہشوں سے اختلاف کیوں نہیں کرتے؟ کبھی تو کہا کریں میں غلط ہوں"۔

"ارے یہ کیا بات کر رہی ہو؟ شکر کرو انس بھائی تمہارا اتنا خیال رکھتے ہیں، اس قدر محبت کرتے ہیں۔ اتنے سیدھے شوہر ہیں جس کی تمنا ہر بیوی کرتی ہے۔ ایک یہ ہیں جن کو میری ہر بات سے اختلاف ہوتا ہے، ہر خواہش پر اعتراض...... مجال ہے میری بات بلا بحث وتکرار مان لیں"۔

"مجھ جیسے سیدھے بندے پر تہمت لگا رہی ہو، اللہ پوچھے گا" ۔سعد نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

"میں جانتی ہوں آپ بالکل جلیبی کی طرح سیدھے ہیں" ۔ان کے جلے بھنے انداز پر دونوں مرد ہنس پڑے تھے۔

"تو بہت لکی ہے یار جو تیری آج تک کرن سے لڑائی نہیں ہوئی ہے، بائی دا وے راز کیا ہے؟"

"ویری سمپل، میں نے آج تک کرن کو بیوی نہیں سمجھا" ۔وہ محبت آمیز نگاہوں سے کرن کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

کرن حیا سے جھینپ رہی تھیں۔

"محبوبہ سمجھا ہے، بندہ بیوی سے بور ہو سکتا ہے لڑائی جھگڑے کرسکتا ہے مگر محبوبہ سے نہیں۔ مجبور ہے ہوناں، آج سے تم بھی بھابی کو بیوی نہیں محبوبہ سمجھنا شروع کردو"۔

☆......☆......☆

"ممی! آپ کو یقین ہے پرنس ہماری توقعات پر پورا اُترے گا؟" منال بیگم خوشی و بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

"آف کورس، ہنڈرڈ پرسنٹ۔ میں نے وہ آگ دکھائی ہے جو انتقام لیے بغیر بجھنے والی نہیں ہے"۔ فائقہ بیگم کے چہرے پر مکاری کی کریہہ چمک تھی۔

"پھر بھی میں آخری لمحے تک بے یقین رہوں گی، اس لیے کہ پرنس کی نیچر جانتی ہوں۔ اس کا کریکٹر ہمیشہ سے بر انٹ رہا ہے، وہ کسی کو نظر بھر کر دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا"۔

"آپ مجھے یہ سب اس طرح بتا رہی ہو گویا میں کوئی اجنبی ہوں، تمہاری طرح میں بھی اس گھر میں رہتی ہوں اور پرنس کی نیچر جانتی ہوں"۔ حسب عادت وہ برا مان گئی تھیں۔

"اوہ ممی! آپ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مائنڈ کر جاتی ہیں"۔

"آپ بات ہی ایسی کرتی ہیں۔ گویا مجھ میں کوئی عقل ہی نہیں ہے۔ آپ تو بیمار بن کر بیڈ ریسٹ کر رہی ہیں اور میں نے آرام چھوڑ کر پرنس کی مکمل نگرانی کی ہے۔ سایہ بنی رہی ہوں۔ پل پل کی خبر رکھی ہے تب جا کر آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے"۔

"یو آر گریٹ مما! آئم پراؤڈ آف یو۔ اگر آپ نہ ہوتیں تو میں کچھ نہ کر پاتی"۔ انہوں نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ فائقہ نے بھی غصہ بھلا کر ان کی پیشانی چوم لی تھی۔

"برہان کی طرف سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ کال آئے ان کی بہت ٹائم ہو گیا ہے"۔

"ہم خود چلیں گے ان کے پاس، کچھ دن اور ڈیڈی کو خوش ہونے دیں"۔ منال نے شوخی سے کہا۔ معاً کال بیل بجی تھی۔

"اس وقت کون آ گیا؟" دونوں ماں بیٹی چونک اٹھی تھیں۔

"پرنس تو نہیں آ گئے؟"

"اتنی جلدی ان کی واپسی ممکن نہیں ہے"۔

"پھر کون ہو سکتا ہے؟"

وہ پریشان ڈسکس کر رہی تھیں اور کال بیل مسلسل اس دوران پریس کی جا رہی تھی۔ فائقہ بیگم کو گیٹ کھولنا پڑا تھا۔ سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ کر دونوں ماں بیٹی کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔

"السلام علیکم نانو! اینڈ ممی! آپ لوگ مجھے دیکھ کر اتنے شاکڈ کیوں ہیں؟ کیا میرا آنا آپ لوگ ایکسپیکٹ نہیں کر رہے تھے؟"
لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے آنے والے کونین نے ان کے حیران پریشان رویے نوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں۔ہم شاکڈ کیوں ہوں گے۔دراصل آپ کو بنا اطلاع آئے دیکھ کر خوشی سے گنگ رہ گئے تھے۔"

"میں نے سوچا اس بار آپ کو سرپرائز دیا جائے۔"

"ہم رئیلی سرپرائزڈ ہو گئے ہیں۔" دلوں میں ان کے پزیشن وتشویشناک اتھل پتھل رہی تھی مگر ہونٹوں پر جبری مسکراہٹ سجائے اس سے ملی تھیں۔

"مما! پرنس کہاں ہے؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"گگ......کیوں کیا ہوا؟" اس کے سوال پر دونوں کے دل دھڑک اٹھے تھے۔گویا وہ چوری کرتے وقت رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہوں۔

"اینی پرابلم؟ آپ کنفیوز کیوں ہو رہی ہیں؟" ان کے انداز پر وہ حیرانگی سے دریافت کرنے لگا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔پرنس گھر پر نہیں ہے۔" منال پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"وہ دوستوں کے ساتھ شکار پر گیا ہوا ہے۔"

"شکار پر......مگر اسے شکار کبھی پسند ہی نہیں رہا۔نہ اس نے کبھی کیا ہے۔" کونین متعجب تھا۔

"ارے یہ کیا بحث لے کر بیٹھ گئے بیٹا۔سفر کر کے آئے ہو۔ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤ۔میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"تھینکس نانو! میں فریش ہوں۔بھوک نہیں ہے مجھے۔آپ کار میں سے سامان نکلوا لیں۔میں آفس جا رہا ہوں۔" وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا کھڑا ہو کر گویا ہوا۔

"اتنا سفر کیا ہے کچھ ریسٹ تو کر لیں۔"

"پلین میں نیند بھری ہے میں نے خوب۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔فائقہ بیگم نے منال کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر تفکرات تھے۔

"ڈونٹ وری۔آفس میں کافی کام پینڈنگ ہے ان میں الجھ کر یہ پرنس کو بھول جائیں گے۔" انہوں نے منال بیگم کو تسلی دی تھی۔

کونین کو آفس آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس کی سیکرٹری نے آ کر کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا آج کوئی اپائنٹمنٹ نہیں لینا ہے پھر بھی آپ کہہ رہی ہیں مجھ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔" اس کے آگے گلابی ٹیبل پر فائلیں بکھری ہوئی تھیں وہ ایک فائل پر جھکا ہوا تھا سیکرٹری کی اطلاع پر گویا ہوا۔

"سر! میں نے کوئی اپائنٹمنٹ نہیں لیا ہے۔یہ صاحب بغیر اطلاع کے آئے ہیں۔میں نے کہا بھی سر بے حد بزی ہیں۔نہیں مل سکتے کہنے لگے چھٹی تک تو فارغ ہو جائیں گے۔میں تب تک انتظار کروں گا۔"

"او کے کریں انتظار میں فارغ نہیں ہوں۔" وہ کہہ کر فائل پر جھک گیا۔ سیکرٹری واپس چلی گئی۔ کچھ دیر ہی گزری تھی اس کی نرم وحساس طبیعت میں بے چینی سی ہوئی۔ اسے محسوس ہوا نا معلوم کون ہے اور کون سی ضرورت اسے یہاں کھینچ لائی ہے جو وہ سارا دن انتظار کرنے کو تیار ہے۔ یقیناً وہ کوئی ضرورت مند ہے ورنہ بزنس سے متعلق تمام لوگوں کو معلوم تھا وہ ملک سے باہر ہے۔ وہ ان میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"ثمینہ" اس نے انٹرکام پر سیکرٹری کو پکارا۔ "وہ موجود ہیں؟"

"یس سر۔"

"او کے انہیں میرے پاس بھیجو۔"

چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھلا تھا اور ایک پُر تقدس لمس مہک کے ہمراہ کوئی بے آواز قدموں سے اندر داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔" رم جھم کرتی بوندوں کی نرم شہد سے چرائی گئی مٹھاس بھری آواز۔

کونین نے بے ساختہ نگاہیں اٹھائی تھیں اور اس کی نگاہیں جھپکنا بھول گئیں۔ وہ سحر زدہ سا اٹھ کر کھڑا ہوا۔

سفید قمیض شلوار میں ملبوس، سر پر سفید ہی ٹوپی جمائے اس باریش شخص کو دیکھ کر اس کے دل کی دنیا زیر وزبر تھی۔

وہ خوب صورت پُر نور چہرہ......

وہ محبت برساتی آنکھیں......

وہ خلوص سے مجسم لب......

یہ سراپا دیکھا بھالا تھا لیکن کہاں...... یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ یہ چہرہ، یہ آنکھیں، یہ چاہت بھرا لمس، دل کے کسی پوشیدہ حصے سے جھانک رہے تھے یادوں کی گرد سے اٹی تصویروں سے کچھ گرد جھڑنا شروع ہوئی تھی۔

ماحول میں اضطراب سا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو یک ٹک دیکھ رہے تھے۔ نگاہوں میں شناسائی رنگ بھرنے لگے تھی۔

درمیان میں برسوں کے فاصلوں کی دھند تھی۔ بے خبری ولا تعلقی کی برفیلی دیوار حائل تھی۔

دھند کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو۔ ایک وقت ہوتا ہے سب کے فنا ہونے کا، ختم ہونے کا، سو آج وہ وقت آ گیا تھا ان کے درمیان برسوں کے فاصلے مٹنے کا۔

"با...... با...... بابا جان۔" وہ بھاگتا ہوا ان کی طرف بڑھا تھا کونین اس لمحے وہی چھ سات سالہ کونین بن گیا تھا جب اس کے بابا اسے روتا چھوڑ گئے تھے۔ حمزہ نے بھی اسے بڑی محبت اور گرمجوشی سے سینے سے لگا لیا تھا۔

دونوں باپ بیٹے آنسوؤں پر اختیار کھو بیٹھے تھے۔ کتنے ہی لمحے وہ ایک دوسرے سے لپٹے روتے رہے تھے۔ دلی جذبات ٹھنڈے ہوئے تو وہ علیحدہ ہو گئے۔ کونین نے وہاں رکھے کولر سے پانی نکال کر انہیں پلایا خود بھی پیا پھر ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔

"آئم ایکسٹریملی سوری بابا۔ میں نے آپ کو ویٹ کروایا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ اس طرح آئیں گے۔ آپ کو ڈائریکٹ یہاں آجانا چاہیے تھا۔ یہ سب آپ ہی کا تو ہے۔"

"گزرا وقت مجھے پوری طرح بدل گیا ہے بیٹے۔ مجھے اعتماد نہیں تھا کہ آپ مجھے اتنی جلدی پہچان لیں گے۔" حمزہ کے لہجے میں لرزش سی تھی وہ بڑی شفقت سے اسے دیکھ رہے تھے جوان کی کافی شباہت لیے ہوئے تھا۔

"آپ دور رہ کر بھی ہمارے قریب رہے ہیں پھر بھلا میں آپ کو کیسے نہ پہچانتا۔ وقت نے کچھ تبدیلی ضرور کردی ہے۔ مگر ایسی بھی نہیں جو آپ کی شناخت ہی مٹا دے بابا۔ آپ چلے کہاں گئے تھے۔ آپ کو ہر جگہ ڈھونڈا پر آپ نہ ملے۔" وہ ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگاتا ہوا گویا ہوا۔

"یہ طویل داستان ہے بیٹا! ضرور سناؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ ذوالنون کیسا ہے؟ اس نے مجھے مس تو نہیں کیا؟" ذوالنون کے نام پر ان کی نگاہوں میں والہانہ چمک ابھری تھی۔

"آپ سے دوری نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے بابا جان۔ پرنس وہ پرنس نہیں رہا جو آپ کے سامنے تھا۔ آپ کی جدائی نے اس کی پرسنالٹی بری طرح ڈسٹرب کر کے رکھ دی ہے۔"

"اوہ...... کہاں ہے وہ؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" عزیز از جان بیٹے کو دیکھنے کے لیے اس لمحے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ اٹھے تھے۔ بیس سال کا حوصلہ و صبر اب بالکل ہی اختیار سے نکل رہا تھا۔ تاب برداشت دم توڑ رہی تھی۔

"وہ یہاں نہیں ہے۔"

"کہاں ہے؟ وہ انتظار جھیلنے کے قابل نہ تھے اب۔

"رات تک واپسی ہو گی۔ وہ فرینڈز کے ساتھ شکار پر گیا ہے۔"

"بیس سال جب صبر و ضبط کی لگام میں تھامے میں گزار دیے۔ اب محسوس ہوتا ہے کسی بھی آن کسی بھی پل یہ لگام مجھ سے چھوٹ جائیں گی۔ انتظار کی صلیب مزید اٹھائی نہیں جائے گی۔" ان کے لہجے میں ہجر کا کرب تھا۔ تنہائی کا سوز تھا۔

"بابا جان! پلیز آپ ہرٹ نہ ہوں وہ جلدی آئے گا۔"

"ہاں لیکن مجھے تو یہ گھنٹے صدیوں کے برابر ہی لگیں گے۔"

"بابا جان! گھر چلیں۔ مما آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔"

"نہیں...... پہلے میں آپ کی نہیں اپنی ماں سے ملنا پسند کروں گا۔ امی جان...... حیات تو ہیں؟" انہوں نے دھڑکتے دل سے راحیلہ بیگم کے متعلق پوچھا۔

"جی...... دادو! بفضل تعالیٰ ہم میں موجود ہیں اور رات دن آپ کو یاد کرتی ہیں اور آپ کی واپسی کی دعائیں کرتی ہیں۔" باپ

کے انکار پر اسے برا نہیں لگا تھا اس لیے شاید کہ اتنے عرصے میں اس کی ماما نے بھی کبھی یاد نہیں کیا تھا اگر کبھی بھولا بسرا خیال بھی آیا تو مما اور نانو کو برے القابات سے ہی باپ کو نوازتے ہوئے دیکھا تھا۔

"چلیں بابا! آج دادو کس قدر خوش ہوں گی۔ اس خوشی سے ہی مجھے خوشی ہو رہی ہے مما انکل کی فیملی بھی خوش ہو گی۔" وہ حمزہ کو لے کر روانہ ہو گیا تھا۔

کار مختلف راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ کونین ڈرائیونگ کرتے ہوئے ان سے گفتگو بھی کر رہا تھا۔ وہ سنتے ہوئے کھڑکی سے دیکھ رہے تھے جہاں ہر جگہ تبدیلیاں بڑے پیمانے پر تھیں۔ ان کا ذہن ڈانواں ڈول کی تڑپ میں مچلنے لگا تھا۔

☆-----☆-----☆

وقت کے اس کھیل میں
غم خوشی کے میل میں
رشتے ناطے کچھ نہیں
اپنے ارادے کچھ نہیں
پور رہے ہیں نفرتوں کو
کھو رہے ہیں چاہتوں کو
جی رہی ہیں سازشیں
کھل رہی ہیں رنجشیں
یہ ہی انسان کیا
یقین کیا گمان کیا
کیسی ہے یہ تقدیر
یہ ہی کیوں تعبیر ہے
یہ کیسی میل تال ہے
کہ زندگی وبال ہے
ہر خواب تو بکھر گیا
گلستان اجڑ گیا
مل گیا آدمی
انسان تو بچھڑ گیا

لائٹ بلو جینز، بلڈ ریڈ شرٹ میں وہ وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر کوئی جذبہ، کوئی امنگ نہ تھی۔ عجیب سپاٹ پن تھا جیسے وہ سانس لیتا ہوا کوئی روبوٹ ہو۔ اس کے چہرے پر صرف سرخی میں ڈوبی دو گہری آنکھیں تھیں جن میں پل پل مچلتا اضطراب و وحشت اس کے انسان ہونے کا ثبوت تھا۔ کئی راتوں سے وہ سکون سے سو نہیں پایا تھا۔ گزشتہ دو راتوں سے تو وہ ایک لمحے کو پلک نہ جھپکا پایا تھا۔

نیند آتی بھی کیونکر...... اپنی خواہشوں و آرزوؤں کو اپنے ہاتھوں سے خاک کر کے چین کس طرح میسر آسکتا ہے؟

وہ دوہری آگ میں جل رہا تھا۔

ایک ناکام عشق کی......

دوسری پامال عزت کی......

جاہت پر حمیت غالب آگئی تھی۔ ماں کی حالت، نانو کے طعنوں و جواب طلبی نے اسے وہ کام کرنے پر مجبور کر ڈالا تھا جس کا تصور بھی اس کے لیے محال تھا۔

حورین نے ڈرائیور کو بھیج دیا تھا۔ خود جھجکتی ہوئی سرخ اسٹون والے کاٹیج کی طرف بڑھی تھی۔ چھوٹا سا لان عبور کر کے تین سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں سے اوپر چپس ماربل کا چھوٹا سا برآمدہ تھا جس پر بڑے بڑے گملوں میں منی پلانٹ لہلہا رہے تھے۔ سامنے ہی بلائنڈ گلاس والا گیٹ تھا جو دن کی روشنی میں بھی اندھیروں کا پیام دے رہا تھا۔ ہوا کا سرد جھونکا آ کر گزر گیا تھا۔ کال بیل کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ نہ معلوم کس جذبے کے تحت رک گیا۔ دل سے صدا اُبھر رہی تھی۔

وہ واپس چلی جائے۔ یہاں نہ رکے۔ آوازیں تھیں کہ بڑھتی ہی جا رہی تھیں اور ممکن تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتی۔ گیٹ کھلا تھا۔

"ہیلو۔ باہر ہی سے واپس جانے کا ارادہ ہے؟" دروازے کے درمیان وہ ایستادہ تھا۔ لبوں پر دلفریب مسکان سجائے۔ بڑے والہانہ انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ کہہ نہیں پائی۔ اس کی والہانہ نظروں کی تپش نے اس کی نگاہیں جھکا دی تھیں۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

"کیوں کھڑے رہنا ہے؟ سردی لگ گئی تو مجھ پر نام آئے گا۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کے ہمراہ اندر چلی آئی۔ لاؤنج میں ہیٹر آن تھا۔ لائٹ اینڈ ڈارک بلو کلر کمبی نیشن سے کمرے کا ماحول خواب ناک سا تھا۔ پنک فرنیچر، پنک پردے و کارپٹ سے وہاں بڑی خوب صورتی سے ڈیکوریشن کی گئی تھی۔ دیواروں پر بڑے بڑے فریموں میں دو سینریز تھیں جن میں برف سے ڈھکے پہاڑوں، گرتی آبشار اور سبزے میں کھلے جنگلی گلابوں کی بہتات کو بڑی خوب صورتی سے محفوظ کیا گیا تھا۔

"تکلفات چھوڑو بیٹھ جاؤ۔" وہ اسے کھڑے دیکھ کر بولا۔

"بہت خاموشی ہے آپ کی مما اور نانو کہاں ہیں؟" وہاں پھیلی ہوئی خاموشی اسے عجیب لگی تھی۔

"تم مجھ سے ملنے آئی ہو یا ان سے؟" وہ اس کے مقابل صوفے پر بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

"جو گھر میں موجود ہوں، سب سے ہی ملا جاتا ہے۔"

"گھر میں صرف میں ہی ہوں۔ مجھ سے ہی ملو۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بھاری لہجے میں گویا ہوا۔ نہ معلوم کیا تھا اس کی لہو رنگ آنکھوں میں کیا تھا کہ اس کے بدن پر ہزاروں کی تعداد میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں وہ گھبرا گئی۔

"کیا مطلب؟ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔؟"

ماحول میں چھائی خاموشی و وحشت اس کی رگ رگ میں سرایت کرنے لگی اور پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اور سے کیا مراد؟ میں......اور......تم ہیں ناں؟" وہ قریب آتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ اس کے لباس سے اٹھتی ہوئی تیز مہک، اس کا بدلا انداز و نگاہوں کی تپش حورین کے ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ سی دوڑنے لگی تھی۔

"میں جا رہی ہوں۔" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی۔ بیٹھ جاؤ۔ ابھی آئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔"

"میں مما کو بتا کر نہیں آئی ہوں۔ فرسٹ ٹائم ایسا ہوا ہے مجھے اچھا فیل نہیں ہو رہا۔" وہ یہاں سے فوراً جانا چاہتی تھی۔

"لیکن...... مجھے بہت اچھا فیل ہو رہا ہے۔ میں جانے نہیں دوں گا۔"

"میں جاؤں گی۔ اگر آپ مجھے بتا دیتے کہ آپ کے فیملی ممبرز یہاں نہیں ہیں تو کبھی نہیں آتی اور نہ میں اب رکوں گی۔" وہ خود کو سنبھالتی ہوئی مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"کرن اور انس جیسے کرپٹ لوگوں کی بیٹی کے منہ سے یہ پارسائی کی باتیں بالکل نہیں سوٹ کر رہی ہیں۔" وہ استہزائیہ انداز اور کاٹ دار لہجے میں گویا ہوا۔ حورین کو اپنی سماعتوں پر دھوکے کا گمان ہوا۔

"کیا......کیا کہا......؟ پھر سے کہنا؟"

"میں ان گھٹیا لوگوں کے ناموں کو زبان پر لانا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ لوگ ہیں جو انسانیت پر شرمناک دھبہ ہیں۔"

"اسٹاپ اٹ۔ تمہیں معلوم ہے تم کہہ کیا رہے ہو اور کس کو کہہ رہے ہو؟" اس کے مما پپا کے لیے اس کے لہجے میں اس قدر نفرت واضح حقارت تھی۔ وہ ایک دم چیخ کر گویا ہوئی تھی۔

"چیخو مت۔" وہ بری طرح غرایا تھا۔

"چیخوں گی، چلاؤں گی۔ یہ سب کیا ہے؟ تم نے مجھے اس لیے یہاں بلایا ہے کہ بلاوجہ میرے پیرنٹس کو اتنے برے لفظوں سے یاد کرو اور میں چپ چاپ سنوں؟ پھر انھوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ پپا سے تمہاری صرف ایک بار سرسری سی ملاقات ہوئی ہے اور مما تو تمہیں جانتی تک نہیں ہیں۔"

یہ وہ ذوالنون تو نہیں تھا جس کی محبت میں وہ بنا سوچے سمجھے یہاں تک چلی آئی تھی۔ وہ سامنے کھڑا شخص کوئی اور ہی تھا جس کے ہر انداز سے نفرت ہی نفرت عیاں تھی جس کی لہو رنگ آنکھوں میں وحشی چمک تھی، جس کی زبان سے الفاظ انگارے بن کر نکل رہے تھے۔

"جان جائے گی وہ عورت بھی، وہ رذیل مرد بھی جب تم اس کے قرض کا سودا ادا کر کے جاؤ گی"۔ وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ حورین کو لگا چھت ساری اس کے وجود پر گر گئی ہو۔ اس کے بولنے کی صلاحیت گم ہو کر رہ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ ہو کیا رہا ہے؟

پہلی بار اس نے ماں کے اعتبار کو..... باپ کے اعتماد کو دھوکا دیا تھا اور نتیجتاً غلط راہ پر بھٹک گئی تھی۔

"اپنے باپ کو فون کرو اور بتاؤ اسے۔ اس کے کیے گئے گناہوں کے حساب کا وقت آ گیا ہے، کل جو رسوائی اس نے میری مما کی جھولی میں ڈالی تھی۔ آج وہ اس کی طرف لوٹنے والی ہے"۔

اس نے کارنر پر رکھے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبالی۔ لائٹر سے سلگا کر اس کی جانب بڑھا تھا۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟"

"یہ کیسا مذاق ہے؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتائیں تو سہی"۔ ضبط کی طنابیں اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں۔ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ وہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا اس قدر بے حس و بے رحم ہو گیا تھا کہ اس کی سراسیمہ حالت موتیوں کی طرح گرتے آنسو بھی کوئی اثر نہ کر سکے تھے۔

"رو ؤ نہیں، مجھ پر تمہارے ان آنسوؤں کا کوئی اثر نہ ہو گا"۔ اس نے جھک کر اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ، ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے"۔ اس نے چیختے ہوئے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"او کے، کوئی اور وقت ہوتا تو میں ایسی کسی جسارت کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن وہ سب وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ تب مجھے معلوم ہی نہ تھا جس کو میں عزت دے رہا ہوں، جس کا چہرہ میرے دل کے افق پر چاند کی طرح روشن رہتا ہے، وہ قدموں کے نیچے روندے جانے والے ذروں سے بھی زیادہ کمتر ہے"۔

اس کا لفظ لفظ حورین کی روح پر چرکے لگا رہا تھا۔ اس کی سسکیاں وہاں گونجنے لگی تھیں۔ وہ اتنا کٹھور ہوتا جا رہا تھا۔

"میں جانا چاہتی ہوں، راستہ چھوڑو میرا"۔

"تم میری خواہش پوری کیے بنا نہیں جا سکتیں"۔ وہ سگریٹ لبوں سے نکال کر دھواں اس کی جانب اڑا کر بولا۔

"تمہاری خواہش، ہونہہ تم مر کر بھی پوری نہ کر سکو گے۔ میں عزت دار ماں باپ کی بیٹی ہوں"۔ اس نے کہتے ہی پھرتی سے سینٹر ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ میں سے چھری نکال کر خود کو مارنا چاہی تھی مگر وہ اس سے غافل نہ تھا۔ اس کے ارادے کو فوری بھانپتے ہوئے ایک جست میں اس تک پہنچا تھا۔ چھری اس کے ہاتھ سے لے کر دور اچھالی تھی۔ اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"اتنی آسانی سے تمہیں مارنا ہوتا تو یہاں تک لانے کی اتنی اسٹرگل کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کہیں بھی تمہیں مار سکتا تھا"۔ اس کی گرفت میں وہ کسی کمزور چڑیا کی مانند پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"بہت ناز ہے تمہیں اپنے حسن پر، اپنے حسین چہرے پر"۔

"چھوڑو مجھے"۔ اس کی جنونی حالت دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم اپنا یہ حسین چہرہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ زندہ رہو گی موت کے انتظار میں اور موت نہیں آئے گی، روز جیو گی، روز مرو گی اور تمہارے ساتھ تمہارے پیرنٹس بھی"۔ اس کے وجود میں گویا کوئی درندہ حلول کر گیا تھا۔ لہو رنگ آنکھوں سے درندگی جھلکنے لگی تھی۔ وجیہہ چہرے پر وحشی پن تھا۔

"بہت سوچا میں نے، بہت چاہا تمہارے باپ کے انداز اپنانے کا..... مگر نہ معلوم کیا شے ہے؟ کون سا احساس ہے جو مجھے اخلاقی طور پر پست نہیں ہونے دیتا..... شاید یہ میری باحیا ماں کے دودھ کی تاثیر ہے یا میرے شریف و عزت دار باپ کے لہو کا اثر جو میری رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے۔ وہ مجھے کسی بھی پستی میں گرنے کی اجازت نہیں دیتا مگر میں اپنے دشمنوں کو سبق ضرور سکھاؤں گا۔ وہ تمہاری صورت دیکھ کر آخری سانس تک کرب و اذیت میں جتلا رہیں گے"۔ حورین کی رنگت خوف سے زرد پڑ چکی تھی۔

"کوئی مرد محبت کے نام پر کبھی کسی عورت کو لوٹ نہ سکے گا۔ کوئی بہن، دوسری بہن کو زندہ در گور نہ کر سکے گی"۔ اس نے بڑی سفاکی سے جلتا ہوا سگریٹ اس کے رخسار پر لگانا چاہا تھا جو اس کے مچلنے پر گردن پر چپک گیا تھا۔ درد بھری آہ حورین کے لبوں سے بے ساختہ نکل گئی تھی۔

اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ دوسری بار بھی سگریٹ اس کی گردن پر چپکی تھی۔ درد کی شدت سے وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اسی لمحے اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس کے بازو جھٹک کر دور ہوئی تھی۔

انسان جب عقل و شعور سے عاری ہو کر بے حسی و بے مروتی کی ردا اوڑھ لیتا ہے تو پھر حیوانوں سے زیادہ درندگی و سفاکیت اس میں آ جاتی ہے۔ ذوالنون بھی اس وقت درندہ لگ رہا تھا۔ زہریلی باتوں سے اس کا ذہن ماؤف کر دیا گیا تھا۔ آنکھوں پر انتقام کی پٹی اس قدر مضبوطی سے باندھی گئی تھی کہ اسے ایسا وحشیانہ فعل کرتے ہوئے ذرا بھی افسوس نہیں ہو رہا تھا۔ حورین کی سسکیوں پر ماں کی چیخیں غالب آ گئی تھیں۔ ماں کی آہیں سبقت لے گئی تھیں۔

"دور مت جاؤ، میں اپنا مقصد پورا کیے بغیر نہیں ہٹوں گا"۔

"پہیلیاں مت بھجواؤ مسٹر! مجھے تو تم پر اعتبار کرنے کی سزا مل رہی ہے، مجھ جیسی لڑکی کو ملنی بھی چاہیے جو آنکھیں بند کر کے سب پر اعتماد کر لیتی ہے مگر میرے پیرنٹس کا قصور بتاؤ، انہوں نے کیا کیا ہے؟" گردن پر لگے ان سرخ نشانوں سے زیادہ اذیت ناک تکلیف اسے مما پاپا کے خلاف لفظوں سے ہو رہی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟ اس کا تعلق کیا ہے؟

"تمہاری ماں میری ممی کی اسٹیپ سسٹر ہیں۔ تمہارے باپ نے میری ممی کو محبت کے نام پر چیٹ کیا، دونوں نے......"

اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ چند دن قبل مما کی ماضی کی کہانی اس کے ذہن میں گونجنے لگی جس کا ہر لفظ اسے ازبر تھا۔

"او..... منال بیگم ہی وہ عورت ہے، میں کیوں پہلے نہ سمجھ سکی۔ مما سے ان کی شباہت اکثر گفتگو کا حصہ بنی اور میں نہ سمجھ سکی"۔

"سنی تم نے نفرت کی وجہ...... معلوم ہوا کتنے کرپٹ ہیں وہ دونوں......" وہ اپنی بات مکمل کر کے زہر آلود لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

"چچ، چچ، چچ...... ترس آ رہا ہے مجھے تم پر۔ کس اعلیٰ طریقے سے تم کو بے وقوف بنایا گیا ہے۔ بڑی پلاننگ سے برین واش کیا گیا ہے"۔ چند لمحے قبل ذری سہمی پریشان و مضطرب دکھائی دینے والے حورین کے انداز میں یک دم ہی بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔

اس کے پُر اعتماد لہجے...... لفظوں کی کاٹ...... بھیگی آنکھوں میں معنی خیز چمک......

وہ گنگ سا رہ گیا۔

"یہ فضول بکواس یقیناً آپ کی مما بیگم نے سنائی ہوگی؟"

"شٹ یور ماؤتھ"۔ وہ بشدت ضبط سے چیخ اُٹھا۔

"میرا منہ بند نہیں ہوگا......"

"میں ہمیشہ کے لیے تمہارا منہ بند کر دوں گا"۔

"پہلے میری بات صبر و حوصلے سے سنیں پھر شاید اپنا منہ ہی ہمیشہ کے لیے بند کر لیں، اگر آپ اتنے ہی غیرت مند بنتے ہیں تو......"

اس کے لہجے کی سچائی اپنی مکمل زور آوری کے ساتھ کچھ اس انداز میں عیاں تھی کہ وہ بہت کچھ بولنے کی خواہش کے باوجود اسے سننے پر رضامند ہو گیا تھا۔ حورین کے رویے و انداز اس کو چونکا گئے تھے۔

"پہلے جا کر اپنی مما سے پوچھو، اُن کے شوہر نے اُن کو ڈائیورس کیوں دی تھی؟" حورین نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"واٹ......؟ یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" اس کے لہجے میں قہر و غضب کی بجلیاں سی کڑ کنے لگیں۔

"سچ ہمیشہ ہی کڑوا ہوتا ہے مسٹر، لیکن تمہیں اسے نگلنا ہوگا"۔

"یہ سچ نہیں بکواس ہے، بلکہ بہتان ہے۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے"۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخا تھا۔

"میری بات پر تمہیں یقین نہیں آئے گا، اپنی ماں کی زبان پر تو یقین کرو گے؟ اپنی نانو سے دریافت کرو، وہ کیوں میرڈ ہوتے ہوئے اپنے ایک ایمپلائی کے ساتھ فرار ہوئی تھیں؟ اور اپنے گرینڈ پا سے دریافت کرو جنہوں نے اپنے ڈاؤن بزنس کو اَپ کرنے کے لیے اپنی بیٹی کو چارہ بنا کر پیش کیا اور اس......"

"کیپ کوائٹ میں...... میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا"۔ غم و غصے سے اس کی حالت بری تھی۔

"اپنی بکواس بند کرو، شاطر ماں کی شاطر بیٹی ہو آخر"۔

"میں کیسی ماں کی بیٹی ہوں، یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ایک کال کر کے اپنی ماں سے پوچھو کہ سرور شاہ کون ہے؟ اپنی نانو سے معلوم کرو زمان گل کون تھا؟" وہ بلا خوف و خطر کہہ رہی تھی۔

"منہ بند کرو اپنا، ابھی کنفرم ہو جاتا ہے"۔اس نے ایش ٹرے میں سگریٹ پھینکتے ہوئے اس کو خون خوار نظروں سے گھورتے سیل فون جیب سے نکالا تھا اور منال بیگم کا نمبر پش کر ڈالا تھا۔

"پرنس! مائی سن وکٹری....." دوسری جانب سے فرسٹ بیل پر ہی کال اٹینڈ کی گئی اور منال بیگم کی چہکتی ہوئی آواز اور مسرت سے بھرپور لہجہ اُبھرا تھا۔ابھی وہ کہنا ہی چاہ رہی تھیں کہ وہ بنا کسی تمہید کے گویا ہوا۔

"مما! سرور شاہ کون ہے؟"

سپاٹ لہجے میں اس نے منال بیگم سے اتنا غیر متوقع و پیچیدہ سوال کیا تھا کہ دوسری جانب جو مسرتوں و کامرانیوں کے شادیانے بج رہے تھے، وہاں ایک دم ہی موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔

"مما..... مما پلیز؟ جواب دیں مجھے، سرور شاہ کون ہے؟"

اس کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگے۔ماں کی خاموشی مجرمانہ سی لگی تھی۔گویا وہ اس نام سے واقف ہیں۔

"کیا حورین نے جو کہا، وہ سچ ہے؟ کیا مما نے مجھے مس گائیڈ کیا ہے؟ کیا مما ایسی کر سکتی ہیں؟ مگر..... کیوں......؟" خاموشی کے طویل ہوتے لمحے اسے متوحش کرنے لگے تھے۔

"مما پلیز! آپ خاموش کیوں ہیں؟"

"یہ..... یہ کیا اسٹوپڈ کوئسچن ہے؟"

وہ اپنی لرزتی ہوئی آواز پر سعی کے باوجود قابو نہ پا سکیں۔

"مما! اِٹس آنسر..... یس اور نو؟"

ذوالنون کی کیفیت میں اضطراب و جنون بڑھ گیا تھا۔

"پرنس جان! ہم یہاں اچھی باتوں کے منتظر بیٹھے ہیں۔ایک ایک لمحہ ہم پر پہاڑ کی طرح بھاری ہے۔اچھی خبروں کے لیے کان ترس گئے ہیں۔آپ سب بھول کر منال سے کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ جانتے ہیں وہ کتنے عرصے سے بیمار پڑی ہے؟"

مما کے بجائے نانو کی آواز اُبھری تھی۔انداز ایسا جیسے ایک مجرم اپنے دوسرے مجرم ساتھی کو بچانے کے لیے چھوٹی وکھوکھلی صفائیاں پیش کرتا ہے۔سرد ترین موسم میں بھی وہ پسینے میں بھیگ گیا۔

"نانو! زمان گل سے آپ کی کیا ریلیشن تھی؟" اسے اپنی آواز اجنبی و کھوکھلی لگی۔

"یہ بھی انس کی طرح ہی ہماری زندگی کے ایسے بدصورت کردار ہیں جن کو ہم ماضی کے قبرستان میں دفن کر چکے ہیں اور آپ....."

اس کی رگوں میں یکلخت ہی خون سیال مادے کی طرح دوڑنے لگا۔ آن واحد میں وہ فلک کی لامحدود بلندیوں سے گرا تھا۔

نہ وہ کنڈ ذہن تھا...... نہ ہی نا سمجھ......

شدید ترین اشتعال انگیز انداز میں اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو (جس سے فائقہ بیگم کے ہیلو...... ہیلو کی آوازیں آ رہی تھیں) پوری طاقت سے سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔ ایک چھناکے سے سیل ٹوٹا اور دور دور تک بکھر گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے بال جکڑ کر کارپٹ پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے چہرے پر اس قدر بختی و وحشت تھی، سرخی تھی کہ حورین لمحے بھر کو کانپ اُٹھی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دور چلی گئی تھی۔

توہین، ذلت اپنوں کے ہاتھوں خوار ہونے کا ناقابلِ فہم احساس......

اپنا وحشی پن!

اپنا جنون و غصہ!

اپنا درندگی بھرا رویہ!

وہ بھی اپنی محبت کے ساتھ!

وہ کون تھا......؟ کیا تھا......؟ کس ماں کا بیٹا تھا......؟ سب کچھ ہی تو عیاں ہو گیا تھا۔ وہ اس کی نظروں سے گرا سو گرا مگر نانو سے اس بری طرح گرا تھا کہ اس کا جھکا چہرہ اب اُٹھ نہیں رہا تھا۔ مما اور نانو نے اقرار نہیں کیا تھا تو انکار بھی نہیں کیا تھا۔

بعض موقعوں پر فیصلوں میں اقرار و اصرار کرنے میں وقت لینا باعث افتخار و شان گردانا جاتا ہے اور بعض فیصلے فوراً اسی لمحے اقرار و انکار کے متقاضی ہوتے ہیں کہ ان ہی عزت و توقیر کا سائبان سچائی و حقیقت کے ستونوں پر تعمیر ہوتا ہے کہ ان میں معمولی سی بھی لغزش وقار و ناموس کو ملیامیٹ کر دیتی ہے، روند دیتی ہے۔

مما کی ہچکچاہٹ اور نانو کی باتوں سے اسے جواب مل گیا تھا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا ہے۔ اس کی حساسیت، جلد بازی، غصے و جنون کی کیفیت میں عقل مندی سے دست برداری اس کے تمام مزاج کو مدِ نظر رکھ کر یہ کام کروایا گیا تھا اور کروانے والے بھی غیر نہیں اپنے تھے۔ کئی بوجھل لمحے سست روی سے گزر گئے تھے۔

ماحول میں ہولناک خاموشی اس کے دل کو دھڑکا رہی تھی۔ گردن پر لگے سرخ ننھے ننھے دائروں میں جلن کے ساتھ ٹیسوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا جو زخم میں مزید تکلیف اُجاگر کر رہی تھیں۔

وہ آہستگی سے اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔

''آؤ''۔ خود دروازے سے نکل گیا۔ حورین بھی قید یافتہ پرندے کی طرح تقریباً اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ وہ اس سے آگے چل رہا تھا۔ چال میں شکستگی و بے جان پن نمایاں تھا۔

وقت کی چال بھی کیا شے ہے۔ بدلنے میں آئے تو زیادہ وقت نہیں درکار ہوتا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو وہ اس کے ہمراہ یہاں سے بڑے تفاخر آمیز انداز اور اکڑی چال سے گزرا تھا اور محض تین منٹ میں عرش سے فرش پر گر کر رینگنے والے کیڑوں کی چال تھی اس کی۔

شکستہ...... بکھری...... غیر متوازن

"رمضان! بی بی صاحبہ کو ڈراپ کر کے آؤ"۔

ڈرائیور اسے دیکھتے ہی مستعدی سے کھڑا ہوا اور اس نے حکم دیا تھا۔ ڈرائیور مؤدبانہ انداز میں پورٹیکو کی طرف بڑھ گیا۔

"نو تھینکس...... میں خود ہی چلی جاؤں گی"۔ وہ کڑوے لہجے میں غرائی۔

"یہ علاقہ آبادی سے دور ہے، شام ڈھلنے والی ہے، بہتر ہوگا شوفر کے ہمراہ ہی جانا"۔ اس نے آہستگی سے نگاہ اٹھائے بغیر کہا۔ وہ بھی پھر انکار نہ کر سکی کہ ضربیں اتنی کڑی لگی تھیں کہ وہ اندر سے ریزہ ریزہ خود کو ہوتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

کہیں نزدیک ہی رکھی ہے بچھڑنے کی گھڑی
اس سے ملنے کے سبب ہم ہو گئے ہیں
اس تواتر سے رہی ہے شبِ غم اپنا نصیب
ہم کہ اب خود ہی نصیبِ شبِ غم ہو گئے ہیں

اس نے کار گیٹ سے نکلنے کے بعد نگاہیں اٹھا کر اس جگہ کو دیکھا تھا جہاں کچھ لمحے قبل وہ کھڑی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا ہے مجھ سے؟ اپنی حیات کے پھولوں کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے پتی پتی کر کے مسل ڈالا ہے۔ کیا محبت اسی کو کہتے ہیں؟ کس قدر وحشی ہوں میں...... حیوانوں سے بڑھ کر درندگی ہے میرے اندر...... کتنی سفاکی و بے دردی سے میں نے اس کی کومل جلد کو جلایا...... کتنا درندہ ہوں...... کتنا ظالم ہوں میں...... مجھے انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے"۔

وہ خود کو سرزنش کرتا ہوا اندر گیا تھا اور سگریٹ جلا کر اپنی گردن پر کئی جگہ چپکائی تھی۔ درد تکلیف سے برا حال تھا مگر اس نے ایک بھی سسکی منہ سے نکلنے نہ دی۔ ہر زخم پر اس کو حورین کی تکلیف کا احساس شدید سے شدید تر محسوس ہوتا اور وہ خود کو سزا دینے کے لیے اس وقت تک خود کو سگریٹ سے داغتا رہا جب تک سگریٹ از خود ہی نہ بجھ گئی۔

اس سے فارغ ہو کر وہ مما کی طرف روانہ ہوا تھا۔ مما اور نانو نے اتنی بڑی غلط بیانی کر کے اسے خود سے ہی نگاہ ملانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ آندھی طوفان کی رفتار سے وہ کار ڈرائیو کر کے بخاری پیلس پہنچا تھا۔ اندر داخل ہوا تو مما نانو کے کمرے سے آتی آوازیں سن کر رک گیا۔

"مما! آپ ہر بات کو انا ایشو بنا لیتی ہیں کہ مجھے کنفیوژن ہونے لگتی ہے۔ پرنس نے سرور شاہ اور زمان خان کا نام کیوں لیا ہے؟ وہ کیوں معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ میرا ان سے کیا تعلق ہے؟ مجھے فیل ہو رہا ہے ہماری اسٹوری لیک ہو گئی ہے"۔ منال کی غصیلی آواز و سرور شاہ کے ذکر نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچے گیٹ کی آڑ میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ پرنس کے دماغ میں کوئی ایسے ہی خیال آ گیا ہوگا، پھر اس لڑکی کو کون بتائے گا یہ سب باتیں؟"

"کرن کو آپ بدھو نہ سمجھیں۔ وہ اس ماں کی بیٹی ہے جس نے تمام حیات پھونک پھونک کر قدم رکھے ہیں۔ شوہر اور ساس کی لاتعلقی و بے مروتی کے باوجود ان سے رشتہ نہیں توڑا تھا"۔

"او۔ تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟ صاف کہو ہیر پھیر سے بات مت کرو"۔ مرحوم سوتن کا نام سننا انہیں اب بھی گوارا نہ تھا۔

"اگر آپ گل زمان کے ساتھ آئرلینڈ فرار نہ ہوتیں تو آج میں بھی کرن کی طرح خوش حال و قابلِ رشک زندگی گزار رہی ہوتی"۔

"تمہاری نانو اپنے ایمپلائی کے ساتھ فرار ہوگئی تھیں، میرڈ ہونے کے باوجود"۔ اس کی سماعتوں میں حورین کی آواز گونجی تھی۔

"مجھے بلیم مت کرو، میں گل زمان کی جھوٹی محبت کے جال میں پھنس گئی تھی لیکن تمہاری خاطر واپس بھی آ گئی تھی"۔

"میری خاطر نہیں...... دولت کی خاطر...... کمفرٹ ایبل لائف کی خاطر۔ جب تو کرنے آپ پر وہاں کی میمو کو ترجیح دینی شروع کی تو آپ خالی ہاتھ واپس آئی ہی اس نیت سے تھیں، مسز برہان لغاری پھر بنتے"۔

"پھر تم کیوں سردار شاہ کو چھوڑ کر آئیں؟ وہ تو زمان کی طرح دولت کا لالچی نہ تھا اور نہ ہی عورتوں سے تعلقات رکھنے کا خواہاں؟" حسب عادت فائقہ بیگم بھی اسے دو بدو جواب دینے لگی تھیں۔ "اتنی محبت وجاہت سردار شاہ نے تمہیں دی پھر بھی تم اپنے دل سے انس کی محبت نکال کر بھول نہ سکیں۔ جواباً اس نے تمہیں ڈائیورس دی پھر حمزہ جیسا فرشتہ صفت انسان تمہاری زندگی میں آیا، تم اس کی محبت میں بھی اس بدبخت انس کو نہ بھول سکیں۔ کتنا سمجھایا، کتنا کہا اب تم ماں بن چکی ہو، دو پھول سے بیٹوں کی، اب اسے بھول جاؤ، جو بھی نہ تمہارا تھا اور نہ ہوگا، پھر حمزہ میں کوئی کمی نہ تھی۔ اگر وجاہت میں انس کے برابر نہیں تھا تو اس سے کم بھی نہ تھا لیکن تم جب بھی اس کے خمار سے نہ جاگیں اور آخر کار وہ ایک روز تمہیں چھوڑ کر چلا گیا"۔ ان کی زبان بے قابو تھی۔

"ہونہہ۔ مائی فٹ، چلا گیا تو چلا گیا، آئی ڈونٹ کیئر"۔

"اچھا...... اچھا بس بول چکیں، اب خاموش ہو جاؤ۔ اب تو تم نے مجھے بھی فکرمند سا کر دیا ہے، نہ معلوم اس لڑکی کو کہاں بلایا ہے اور کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہا ہے......؟"

"مما...... مما! کہیں کونین سے تو اس کی ملاقات نہیں ہوگی ہے؟" یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے ذہن میں لہرایا۔

"نہیں، میں نے کچھ دیر قبل کال کی تو وہ آفس میں ہی تھا اور مجھ سے یہی کہہ رہا تھا کہ پرنس سے کنٹیکٹ نہیں ہو رہا ہے"۔

کچھ دیر قبل زور و شور سے لڑنے جھگڑنے والی اب پھر مزے سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ دوسری جانب ذوالنون وہاں سے ہٹ کر کار میں دوبارہ آ بیٹھا تھا۔ مما و نانو کی گفتگو نے اُمید و آس کی وہ کرن بھی چھین لی تھی جس کے سہارے چل کر وہ یہاں تک آیا تھا کہ شاید حورین کی کہی ہوئی باتیں غلط ثابت ہو جائیں اور وہ سرخرو ہو جائے مگر اُمید و آس دامن چھڑا کر بھاگ گئی تھیں۔ حقیقت نے اسے شاک دیئے تھے کہ ہر شے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ رشتوں کا اعتبار، محبتوں کا انبساط سب محو ہو گیا تھا۔ ذہن میں طوفانی جھکڑ چل

رہے تھے۔ ماضی کی کچھ پرچھائیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔

"پاپا! مما اچھی عورت نہیں ہیں"۔

اپنی ہی آواز اسے اب اجنبی محسوس ہوئی تھی، ساتھ پاپا کی پرچھائیں بھی۔

"مما گندی ہیں، جھوٹ بولتی ہیں، نانو بھی گندی ہیں اور گرینڈ پا بھی۔ ہم ان سے بات نہیں کریں گے، وہ سب گندے ہیں"۔

"اوہ میں کیوں بھول گیا؟ کیوں ان کی باتوں میں آیا؟ مما تو کبھی اس لائق نہ تھیں کہ ان کی بات پر یقین کیا جائے پھر میں کیوں بے وقوفوں کی طرح وہ کرتا چلا گیا جو انہوں نے کہا...... جو انہوں نے چاہا......؟ زندگی کے ہنگاموں میں مصروف رہنے والی مما نے کب ہمارا خیال کیا تھا؟ کب ایک ماں کا احساس دیا تھا؟"

ماضی نے گویا اس کے ذہن کے تمام دریچے کھول دیئے تھے۔ وہ سب یاد کر رہا تھا۔ مما اور نانو کی باتوں میں ذرا بھی سچائی نہ تھی۔

حورین کا تصور اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو رہا تھا۔ اپنی حد سے بڑی سفاکیت، اس کی حد سے سوا مظلومیت، اس کی سحر انگیز نگاہوں میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی نمی اور اس نمی میں تیرتا اعتماد و اعتبار کا کرب...... وہ درد...... وہ کرب اس کے اندر زہر کی طرح پھیلتا جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا ایک ایک شریان پھٹ رہی ہو۔ آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ میں لے گیا۔ دل و دماغ پر ایسی نامرادی چھائی تھی کہ کار دھماکے سے ایک پیڑ سے ٹکرائی تھی۔

------❀------

یہ اچانک کیسی افتاد آن پڑی تھی۔

پھولوں کے بہروپ میں وہ انگاروں سے دامن خاک کر بیٹھی تھی۔ سارا راستہ ڈرائیور کے خیال سے اس نے خود پر صبر و ضبط کے پہرے بٹھا رکھے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت اس نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ سب کی نگاہوں سے بچتی بچاتی وہ لائبریری روم میں گھس گئی۔ اس وقت یہی بہترین ٹھکانہ تھا، آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں سے دل کی آگ بجھانے کا۔ اس نے عجلت میں شوز اور پینٹ پرس سے جان چھڑائی۔ انہیں ایک طرف اُچھالا اور خود صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب پوری شوریدہ سری کے ساتھ آنکھوں سے گرنے لگا۔

"کتنی پستی میں گر گئی میں، کس قدر رغیر اہم، بے نام و بے توقیر کر ڈالا خود کو۔ اس نے بلایا اور میں چلی گئی؟ اپنی عزت، نفس و وقار کو اس وحشی کے ہاتھوں داغ دار کروانے کے لیے"۔

بے تحاشا آنسوؤں کے درمیان وہ خود سے مخاطب تھی۔

"خود کو بے حد اسپیشل، بولڈ، جینئس سمجھنے والی حورین بھی ایک عام اور بے وقوف لڑکی نکلی، جو صنفِ مخالف کی صرف ایک مسکراہٹ پر دل دے دیتی ہے، پاگل بن جاتی ہے، پھر ماسوائے رسوائی و ہرجائی پن کے ان کے حصے میں کیا آتا ہے......

مگر تم میں اور ان لڑکیوں میں بہت فرق ہے حورین اور وہ مڈل اور لوئر کلاس لڑکیاں جو ڈھیروں مصائب و مشکلات میں گھری ہوتی ہیں۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں کے پیار و محبت کو ترسی ہوئی ہوتی ہیں، جن کی گھریلو پرابلم انہیں موقع نہیں دیتی کہ وہ آپس میں کچھ وقت پیار و محبت میں گزاریں۔ ایسی مظلوم لڑکیاں ان جھانسوں میں آجاتی ہیں، حالانکہ لڑکیاں کسی بھی کلاس سے تعلق رکھیں، کسی کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صنفِ مخالف کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنی اور خاندان کی عزت و ناموس کو بدنام کریں اور تم کو تو یہ بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا، کیونکہ تم نے آنکھ کھولتے ہی محبتوں و چاہتوں کو سمیٹا ہے، جس قدر تمہیں چاہا گیا ہے، اتنی تو شاید ہی کسی کو محبت ملی ہو، پھر تم کیوں اس کی محبت میں مبتلا ہوئیں؟ وہ شخص جس کا چہرہ، جس قدر خوب صورت تھا، باطن اتنا ہی بدصورت۔

''ذوالنون میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ مرتے دم تک تم میری بددعاؤں میں شامل رہو گے۔ تم نے میری ان چھوئی محبت کا ہی خون نہیں کیا، میری انا، نسوانی وقار، خودداری اور اعتماد کو بھی قتل کیا ہے۔ میں تمہاری اُداس اور ویران آنکھوں میں محبت کی روشنیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ تمہارے دُکھ اور غم بانٹنا چاہتی تھی اور تم نے ہمیشہ کے لیے میری جھولی میں غم بھر دیئے۔'' اس کی دبی دبی سسکیاں گونجنے لگیں۔

☆-----☆-----☆

چوکیدار نے کونین کو دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔

''آیئے بابا جان! اندر چلیں''۔ کونین کار سے نکل کر بنگلے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے حمزہ سے مخاطب ہوا۔

''کونین بیٹا! اس گھر سے بھرپور اجنبیت کی بو آ رہی ہے، یہ وہ بنگلہ تو نہیں جو ہماری رہائش تھا، جہاں ہماری ایک عمر گزری تھی''۔ حمزہ خلاؤں میں گھورتے ہوئے گویا ہوئے۔

''جی بابا جان! یہ ریذیڈنسی پرانی ہے''۔

''اس جگہ کا کیا ہوا؟''

دادو نے وہ کوٹھی، دادا جان کے بھائیوں کو دے دی تھی اور صبا انکل کے ساتھ یہاں آ گئی تھیں''۔

''تو چچا وہاں رہتے ہیں؟''

''نہیں، وہ کوٹھی لینے کے کچھ عرصے بعد ہی اسے فروخت کر کے چلے گئے تھے۔ اب تو عرصہ ہو گیا دادو سے بھی ملنے نہیں آئے ہیں''۔

''پھپھو کو ناجائز گھر سے بے گھر کیا تھا اور پھر خود بھی اس گھر سے چلے گئے۔ کاش! کسی کا آشیانہ تباہ کرنے والے یہ سوچ لیں کہ ہمارا آشیانہ بھی اس طرح تنکا تنکا ہو کر بکھر سکتا ہے تو ایسی غلطی ہرگز نہ کریں۔ ظلم کا بدلہ ظلم ہی ہوتا ہے''۔

''بابا جان! کیا سوچ رہے ہیں؟ آئیں اندر چلیں''۔ کونین نے بے حد محبت سے حمزہ کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ماربل کے چمکتے برآمدے و راہداری کو عبور کرنے کے بعد وہ لاؤنج کی طرف بڑھ رہے تھے، جب حمزہ یک دم ہی رُک گئے۔

لاؤنج سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ تمام افراد اندر موجود ہیں۔

"پہلے آپ جائیں بیٹا! شاید امی جان مجھے یوں اچانک دیکھ کر خوشی برداشت نہ کر سکیں اور میں بھی اتنی دیر میں اپنے حواسوں کو قابو کرلوں"۔

ایک عرصہ تک جس دل کو وہ پتھر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے، وہ لمحوں میں موم کی مانند پگھل رہا تھا۔ محبت واپنائیت کے خشک چشمے پھر سے تر ہو گئے تھے۔

"ارے کونین بیٹا! آئیں، آئیں"۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے صمد صاحب خوش دلی سے اس کی جانب بڑھے اور گلے سے لگایا۔ باقی سب لوگوں کی نگاہیں اس کے چہرے پر نئے رشتے کے حوالے سے آجانے والی جھینپ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ سامنے بیٹھی خضریٰ کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

"یہاں آؤ کونین، میرے پاس بیٹھو۔ کتنا یاد کیا ہے میں نے ان دنوں تمہیں اور تم دیارِ غیر میں جا کر ہی بیٹھ گئے؟" راحیلہ بیگم کے لہجے میں شکایت تھی......

"دادو! آپ خفا نہ ہوں، میں اب آپ کو چھوڑ کر کہیں جانے والا نہیں ہوں۔ پہلے انکل آپ باہر جا کر دیکھیں آپ کے دوست، آپ سے ملنے آئے ہیں"۔ کونین کے انداز میں بڑا خوب صورت سسپنس تھا، سب چونک گئے۔

"میرا ایسا کون سا دوست آ گیا؟" وہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے بارعب شخص کو دیکھ کر لمحے بھر کو وہ ٹھٹکے پھر دوسرے لمحے ہی حیرت ومسرت نے گویا ان کو جھنجوڑ ڈالا۔

"حمزہ......! حمزہ......! میرے...... بھائی"۔

استعجاب وخوشی سے ان کی چیخ نکل گئی اور وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ حمزہ نے بھی بازو پھیلا کر انہیں سینے سے لگالیا۔ آنسو زاروقطار ان کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"کہاں چلے گئے تھے؟ کوئی اس طرح بھی جاتا ہے اپنے نقشِ پا مٹا کر کہ ڈھونڈنے والے گرد بھی نہ پا سکیں"۔

"جانے والے کو خود ہی آنا تھا پھر وہ کیوں نقشِ پا چھوڑ جاتا"۔ جذبات کا طوفان اتنی جلدی تھمنے والا نہ تھا اگر وہ سب ہی صمد صاحب کی آواز سن کر باہر نہ آجاتے۔ صنوبر بیگم، ہریرہ اور اس کی بہن سونیا، معیز، حزل، خضریٰ، اریبہ سب وہاں موجود تھے۔ بے شمار مرتبہ دیکھی گئی حمزہ کی تصویروں سے وہ انہیں پہچان گئے تھے۔ بے شک گزرے ماہ وسال نے حمزہ کی شخصیت میں تبدیلیاں کر دی تھیں۔ جسمانی صحت ان کی کمزوری پر مائل تھی۔ رنگت جو کبھی سرخ وسفید تھی، اب مرجھا سی گئی تھی مگر چہرے پر ایک بارعب سا وقار تھا، جوان کے بارعب چہرے کو پُرجلال بنا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ آسانی سے پہچانے جا رہے تھے۔

وہ ہکابکا ان کے گرد کھڑے تھے۔ سب کی آنکھیں اس ملاپ پر پُرنم تھیں۔

"السلام علیکم بھائی صاحب!" صنوبر بیگم ساڑھی کا آنچل سر پر ڈالتی ہوئی ان سے مخاطب ہوئیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی

شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔

بظاہر بے حد بارعب و پُر جلال دکھائی دینے والے حمزہ اتنے شفیق و مہربان تھے کہ ایک ایک کر کے وہ سب ان سے بڑی گرم جوشی سے ملے۔ سونیا، خضریٰ اور اریبہ نے بھی سلام کے بعد خوب دعائیں سمیٹیں۔ ان کے جلو میں وہ لاؤنج کی طرف بڑھے، جہاں راحیلہ بیگم دم بے خودسی بیٹھی دروازے کی طرف یک ٹک دیکھ رہی تھیں۔ کونین نے سرسری طور پر انہیں بتا دیا تھا کہ وہ شاکڈ نہ ہو جائیں مگر احساسات کبھی بھی مصلحت کے تحت کام نہیں کرتے، یہ ہمیشہ اپنی اجارہ داری پر قائم رہتے ہیں۔ راحیلہ بیگم جس گمشدہ بیٹے کو دیکھنے کی آس میں زندہ رہنے کی دعائیں مانگا کرتی تھیں، وہ آس آج رنگ لے آئی تھی۔ وہ اُمید بر آئی تھی۔ خزاؤں نے اپنے بے رنگ پیراہن سمیٹ لیے تھے۔ بہاروں کے قافلے مسرتوں کی سوغاتیں لیے اُتر رہے تھے۔

"السلام علیکم امی جان! آپ کا گناہ گار حاضر ہے، آپ جو سزا دینا چاہیں اس عاقبت نااندیش بیٹے کے لیے قابلِ فخر و راحت ہوگی"۔

راحیلہ بیگم جو انہیں سینے سے لگائے آنسوؤں کے ساغر لُٹا رہی تھیں، ان کے گلوگیر ندامت سے لبریز لہجے پر تڑپ گئیں۔

"میرے چاند! عاقبت نااندیش و گناہ گار تو میں ہوں، تم مجھے معاف کر دو، تمہیں جیتے جی جہنم میں دھکیلنے والی میں ہوں"۔

"آپ میری ماں ہیں، میری جنت ہیں، آپ اس طرح خود کو ارزاں کر کے مجھ گناہ گار کو مزید گناہ گار مت کیجئے"۔ وہ ان کے نحیف و نزار ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر پھر رو دیے۔

ماحول پر رنج و مسرت کی عجیب متضاد گھمبیر کیفیت طاری تھی۔ جدائی کا غبار آنسوؤں کے ذریعے نکلا تو ماحول کی تمام تر کثافت شگفتگی و خوشیوں کی کھلکھلاہٹوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

طویل عرصے بعد اپنوں کے درمیان بیٹھے حمزہ کو اپنے اندر حیات افروز انرجی از سرِ نو دوڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور ان کی نگاہوں کی بے چینی میں دل کے ایک گوشے میں لگی تھی۔ وہ سب سے مل لیے تھے۔ سب نے ہی ان کو اتنی محبت و اپنائیت دی تھی کہ وہ ان سے اتنا عرصہ جدا رہنے پر شرمندہ ہو رہے تھے پھر حمزہ کی بیوی کے روپ میں فیملی میں اضافے سے وہ خوش تھے تو اس سے بھی بڑھ کر انہیں خوشی یہ جان کر ہوئی تھی کہ کونین کے لیے خضریٰ کا انتخاب کر کے امی حضور نے بہت دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ جھکی جھکی آنکھوں والی باحیا سی وہ لڑکی ان کی بہو بننے کے لائق تھی۔ انہیں شدت سے انتظار اب اس کا تھا جس میں ان کی روح تھی۔ سب کو بھولنے کے باوجود وہ اس کو نہ بھول پائے تھے جس کی محبت ہی انہیں کشاں کشاں کھینچ لائی تھی۔

جلدی جلدی گھر کی خواتین نے مل کر ان کی پسند کا کھانا بنایا۔ ڈائننگ روم کی وسیع و عریض ٹیبل مختلف کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ کانٹے، چھری و چمچوں کی کھنک سے فضا میں ایک ساز سا پیدا ہو گیا تھا۔ بہت پیار بھرے اصرار سے انہیں کھلایا جا رہا تھا۔ ہر ڈش بہت محبت سے انہیں پیش کی جا رہی تھی۔ وہ کھا تو رہے تھے مگر نہ معلوم دل کو یہ سب ایک بوجھ سا لگ رہا تھا۔ ہر لقمہ ان کے حلق میں ریت کے گولے کی طرح اٹک رہا تھا۔ کھانے کے بعد گرین ٹی کا دور چلا۔

"کونین! ذوالنون کی واپسی کب تک ہوگی؟" حمزہ کی بے قراری عروج پر تھی۔ بہت گھمبیر احساسات لیے انہوں نے جدائیوں کا صحرا عبور کیا تھا۔ جدائی کا ایک ایک لمحہ ان پر بھاری گزر رہا تھا۔

"بابا جان! کئی بار ٹرائی کر چکا ہوں مگر اس کا سیل فون آف جا رہا ہے۔ آج تو ممکن نہیں لگ رہا شاید کل تک اس کی واپسی ہو، اب تو رات بھی ہو چکی ہے۔"

"کہاں گیا ہے میرا بچہ؟" راحیلہ بیگم کے ہاتھ میں گرین ٹی کی پیالی کانپ کر رہ گئی۔ کئی اندیشے انہیں بے کل کر گئے۔

"شکار پر گیا ہے دوستوں کے ساتھ صبح تک آ جائے گا"۔

"صبح تک!..... ابھی تو صبح ہونے میں بہت دیر باقی ہے۔ کیا مجھ سے اتنا صبر ہو سکے گا؟" حمزہ کو اب محسوس ہوا، جدائیوں کی کٹھن گھڑیوں کی نارسائی کیسی کرب ناک ہوتی ہے۔ وہ یک دم ہی گھر سے گئے تھے، جس محبوب بیٹے کی لگن میں وہ تڑپتے ہوئے آئے تھے، وہ بھی اب ان کی جدائیوں کا جواب جدائی سے ہی دے رہا تھا۔

"جی ایز ی بابا جان! صبح آپ اس سے مل لیجیے گا"۔ کونین نے انہیں مغموم دیکھ کر تسلی دی۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر گرین ٹی کا سپ لینے لگے۔

"حمزہ! اب آرام کرو بیٹا! تمہارے لیے اپنے برابر والا روم کھلوا دوں یا..... گھر جاؤ گے؟" راحیلہ بیگم ان کے آرام کے خیال سے کہتے کہتے رُک گئیں۔

"امی جان! ابھی مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیں، گھر میں ضرور جاؤں گا، گھر جانے کے لیے ہی آیا ہوں مگر ابھی نہیں....."

راحیلہ بیگم نے چند ساعت ان کی طرف جانچتی نگاہوں سے دیکھا پھر بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئیں۔

حمزہ! بھابی سے ابھی بھی ناراض ہو؟" سب کے جانے کے بعد صمد صاحب ان کی جانب دیکھ کر بولے۔

"نہیں، میں اب کسی سے بھی ناراض نہیں ہوں"۔

"پھر بھابی کو تم نے انفارم کرنے سے بھی منع کر دیا۔ میں کال کر رہا تھا کہ کونین نے بتایا کہ تم نے منع کیا ہے"۔

"میں منال کا سامنا کرنا نہیں چاہتا"۔

"یہ غلط ہے..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے"۔ صمد نے صاف گوئی سے سچائی بیان کی تھی۔

"ہاں..... شاید..... میں نے زندگی بھر غلط فیصلے کیے ہیں۔ آغاز جوانی کی راہ بڑی خوب صورت، بڑی پرکشش ہوتی ہے۔ یہاں آپ کو اندھیروں میں بھی جگنو چمکتے نظر آئیں گے۔ دراصل یہیں سے آپ کو اپنی حیات کا وہ راستہ چننا ہوتا ہے جس کا تمام تر دارومدار آپ کی آنے والی زندگی اور شروع ہونے والے لمحوں پر ہوتا ہے، جہاں آپ کو ہر قدم بہت سنبھل کر، بہت سوچ وبچار کے بعد اُٹھانا پڑتا ہے، ذرا سی نگاہ چوکی، معمولی سے قدم ڈگمگائے اور آنِ واحد میں آپ پھولوں بھرے چمن سے خارزار صحراؤں میں پہنچ جائیں گے۔ جیسے

ایک لغزش نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ پہلے میں کئی برسوں تک بد حواسوں کی طرح ملک ملک، قریہ قریہ گھومتا رہا لیکن ذہنی سکون، میرا اپنا آپ، میری شخصیت مجھ سے چھن گئی۔ جن کو حاصل کرنے کی جستجو میں کہاں کہاں نہ گھوما۔ جنگل، ویرانے، شہر اور گاؤں میں بنجاروں کی طرح بھٹکتا رہا"۔

تنہائی پاتے ہی صمد کے ازحد اصرار پر وہ آپ بیتی سنا رہے تھے۔ ان کے لہجے میں اتنا گداز، ایسی حلاوت اور دُکھ تھا کہ صمد دم بخود رہ گئے تھے۔

"پھر کئی سال گزرنے کے بعد میرے رب کو مجھ گناہ گار و سیاہ کار پر رحم آ گیا۔ میرے رب نے مجھے منزل دکھانے کے لیے اپنے نیک بندے کو وسیلہ بنایا۔ سید عبدالرزاق چشتی میرے لیے فرشتۂ رحمت بن کر آئے اور میرے اندھیروں سے بوسیدہ ذہن و ایمان کو حق و ایمان کی روشنی سے منور کر دیا"۔ وہ چند لمحے خاموش ہو کر گویا ان کے تصور میں محو ہو گئے تھے۔

"آپ سے ان کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟"

"کینیا کے ایک جنگل میں، جہاں خون خوار جانوروں کے درمیان ان کو بے نیازی سے نماز ادا کرتے دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ نماز میں اس قدر محو تھے کہ انہیں اپنے اردگرد رینگتے زہریلے کیڑوں کا خوف ہوتا نہ دھاڑتے سفاک جانوروں کا اور تعجب کی بات تو یہ تھی کہ کوئی بھی انہیں نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ پہلے پہل تو میری لیے یہ ہاہی تھی۔ میں دور سے انہیں دیکھا کرتا تھا کہ کب کوئی جانور و زہریلا کیڑا انہیں نقصان پہنچاتا ہے مگر ایسا نہیں ہوا۔ دو ماہ گزر گئے پھر مجھے لگا کہ میں ذہنی طور پر ان سے متاثر ہونے لگا ہوں، ان کی عبادت کے خشوع و خضوع نے میری دُنیا بدل کر رکھ دی۔ دُنیا سے میری بے رغبتی بڑھنے لگی۔ ایک روز جب وہ عبادت سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر ان کے قدم پکڑ کر کہا کہ وہ مجھے بھی عبادت سکھائیں، اپنا شاگرد بنا لیں، میں ساری زندگی ان کی خدمت کروں گا۔ وہ مجھے بھی ایسی عبادت سکھا دیں کہ جس کو ادا کرتے وقت ہر خوف دل سے دور ہو جائے، ہر سوچ و غم بھاگ جائے، انہوں نے بڑی محبت و شفقت سے مجھے سینے سے لگایا اور کہا......

"علم سیکھنا اور سکھانا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک علم حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے"۔

"تو آپ سکھائیں گے نا مجھے ایسی عبادت جو ہر خوف سے، ہر غم و فکر سے بے نیاز کر دے"۔ میں نے سسکتے ہوئے کہا۔

"عمدہ و اعلیٰ علم، بہتر عبادت کی ترغیب دیتا ہے، نوجوان اور حقیقی محبت ہر شے سے عبادت کو بے نیاز کر کے بہترین کر دیتی ہے۔ جب بھی اللہ کو پکارو تو یہ یقین رکھو وہ تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ وہ ہر پکار کا فوری جواب دیتا ہے۔ اس کی ہر عبادت کے وقت یہ یقین واثق رکھو کہ تم اسے نہیں دیکھ رہے، وہ تمہیں دیکھ، سن اور سمجھ رہا ہے کہ یہی سچ ہے۔ ہمارا کوئی بھی عمل اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جس قدر بھی ہو سکے اپنے قلب میں اس کی محبت اور قربت کی آگ جلا لو۔ اپنی ہستی کو مٹا دو۔ ہر خوف، پریشانی، غم و دکھ اس آگ میں اُتار پھینکو اور پوری صداقت سے اس کے بندے بن جاؤ، جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اسی طرح اللہ کے خوف کے

ساتھ کسی اور کا خوف بھی تمہیں اللہ سے محبت نہیں سکھا سکتا، جہاں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہاں ہر خوف دُم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ اللہ سے محبت، کامل یقین اور اللہ ہی سے سب کچھ ملنے کی اُمید ہر شے سے بے نیاز کر دیتی ہے پھر دل میں خشوع وخضوع کی ایسی آگ بھڑک اُٹھتی ہے کہ بندہ اس دُنیا کی حد سے نکل کر اس کی نوازشوں کی سیر کرتا ہے۔ کائنات کا ہر سربستہ راز اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ وہ نوازنے والوں میں سب سے بڑا نوازنے والا ہے"۔

"اوہ وہ عظیم ہے! آپ مجھے بھی ان سے ملوائیں گے، سنا ہے اللہ والے، اللہ سے ملانے کا سبب بن جاتے ہیں"۔ صمد صاحب کی آواز میں ان بزرگ کے لیے بے پناہ عقیدت تھی۔

"افسوس! وہ دُنیا سے پردہ کر گئے ہیں"۔ ایک دُکھ بھری آہ حمزہ کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔

"اوہ! بہت افسوس ہوا، کب ہوا ان کا انتقال؟"

"بہت قلیل عرصہ ہمارا ساتھ رہا تھا، محض ڈیڑھ سال۔ وہ مجھے اپنی شفقت بھری آغوش میں لے کر کئی ملکوں میں تبلیغ کی روشنی پھیلانے گئے۔ اس دوران میں نے بہت کچھ ان سے سیکھا پھر واپسی پر حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہو کر ہم یہاں پاکستان آ گئے۔ وہ سندھ کے ایک دور دراز علاقے سے تعلق رکھتے تھے، وہاں ان کے بہت عقیدت مند پائے جاتے تھے، ان کے ساتھ مجھے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ انہوں نے سب کو یہ کہہ کر متعارف کروایا تھا کہ میں ان کا بیٹا ہوں پھر قلیل عرصہ بیمار رہ کر وہ رحلت فرما گئے اور ان کی ذمے داریاں ازخود ہی میرے کندھوں پر آ گئیں اور پھر میں وہیں کا ہو کر رہ گیا"۔

"اسی ملک میں، اتنے قریب رہ کر بھی اتنا دور رہے۔ کبھی کسی کی یاد نہیں آئی؟ کسی سے ملنے کے لیے دل نہیں تڑپا؟"

"نہیں، میں نے سب کی یاد دل سے بھلا کر مالکِ حقیقی کی یاد سے لَو لگائی تھی پھر کسی کی یاد جھلکی تک نہیں"۔

"پھر اب کس محبت نے آپ کو ہم میں لا موجود کیا؟"

"میرے پیر و مرشد کے قول نے......"

"کیا کہا تھا انہوں نے؟"

"یہی کہ آج رشتوں کو تم بھلا کے صحرا نشین بن گئے ہو کل تم اس گیند کی طرح ان رشتوں کی طرف پلٹو گے جس طرح پوری قوت سے اوپر اچھالی گئی گیند دُگنی رفتار سے واپس زمین کی طرف پلٹتی ہے اور جب یہ وقت آئے گا تم ہر زنجیر توڑ کر بھاگ جاؤ گے اور دیکھو آج میں ہر زنجیر توڑ کر بھاگ نکلا اور جس کی خاطر آیا ہوں، وہ چاند سا چہرہ جدائیوں کے اُفق میں چھپا مجھے سزا دے رہا ہے"۔

"ٹیک اِٹ ایزی"۔ ذوالنون سے آپ کی محبت ہم جانتے ہیں، یہ اتفاق ہی کہہ لیجیے کہ وہ شکار پر گیا ہوا ہے، حالانکہ وہ ایسی ہابیز کو پسند نہیں کرتا مگر بعض اوقات انسان دوستوں کے اصرار پر ناپسندیدہ کام کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ آرام کریں، بہت تھکن ہو گئی ہو گی"۔

صمد حمزہ کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے بیڈ روم تک چھوڑ کر گئے۔ آج عرصے بعد ان کے چہرے پر اطمینان کے احساسات آئے تھے۔ آج گویا ان کا ادھورا پن مکمل ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

"اے مس! بڑی مغرور رہی ہیں، اپنے سسر کے آنے پر جو ہم کو ذرا بھی لفٹ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی ہیں"۔ کونین نے کچن سے نکلتی خضریٰ کا راستہ روکتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ انکل ہیں میرے"۔

"جی نہیں..... وہ چچا تھے پہلے، اب صرف سسر ہیں آپ کے"۔

"او کے، یو آر رائٹ۔ میں کبھی آپ سے جیت نہیں سکتی"۔ اس کی محبت بھری خمار آلود نگاہوں نے اسے بلش کر دیا تھا۔ وہ شرگیں مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

"سب کچھ ہی تو جیت چکی ہو...... اب کیا جیتنا باقی ہے؟" اس کی دھیمی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"آج میری زندگی کا اہم ترین دن ہے، بابا طویل عرصے بعد ہماری دُنیا میں لوٹ کر آئے ہیں، اب میری طرح وہ بھی تم سے دوری برداشت نہیں کر پائیں گے"۔

"پلیز ہاتھ چھوڑیں کوئی آجائے گا"۔ خضریٰ اس کی قربت سے گھبرا رہی تھی۔

"کر دیا نا سارے رومانس کا مزہ کرکرا۔ تم لڑکیوں کو اتنا خوف کیوں ہوتا ہے، کوئی آجائے گا، کوئی دیکھ لے گا، سو واٹ؟" کونین اس کے ہاتھ چھوڑ کر مصنوعی ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

"اوہ...... پہلے یہ تو بتائیے کہ کتنی لڑکیوں سے آپ کے تعلقات ہیں؟"

"ارے! یہ میں نے کب کہا؟"

"ابھی آپ نے کہا کہ لڑکیوں کو اتنا خوف کیوں ہوتا ہے؟" خضریٰ کے منہ بنا کر کہنے پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھا۔

"مان گیا بھئی اتم بھی کمال کی جینئس ہو، ویسے تو شرم و حیا کی پوٹلی بنی رہتی ہو کہ بندہ ایک لفظ محبت کا سننے کے انتظار میں بہرہ ہو جائے اور جہاں اپنے ساتھ کسی اپنی ہی صنف کا ذکر سنا تو کفن پھاڑ کر چیخ اٹھتی ہو"۔

"یہ...... اس لیے کہ لڑکی جس سے محبت کرتی ہے اس کے لبوں سے صرف اپنا ہی نام سننا پسند کرتی ہے"۔ خضریٰ نے جلد بازی میں کہہ تو دیا پھر حیا سے دانتوں میں زبان دبالی اور ادھر وہ پوری طرح سے جھوم اٹھا۔

"اوہ...... اوری ویری لکی ڈے ار مائی"۔

☆......☆......☆

جیسے جیسے وہ وقت کی گزرتی ساعتوں کو شمار کر رہی تھی ان کی پریشانیوں و بوکھلاہٹوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

سہ پہر شام میں اور شام رات میں ڈھلنے لگی تھی۔ ذوالنون کی طرف سے انہیں نہ کوئی خبر تھی، نہ کوئی پیغام۔ وہ کال اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ ان کے درمیان ایک خاموشی تھی۔ ایسی بھیانک خاموشی جو اپنے اندر ہولناک طوفان لیے ہوئے ہوتی ہے۔

''ممی! ٹائم دیکھ رہی ہیں آپ۔ رات گہری ہونے لگی ہے پرنس کا ابھی تک کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں ہے۔'' منال کے لہجے میں بے چینی نمایاں تھی۔

''ڈارلنگ! سمجھا کرو حسن و جوانی مل جائیں تو وقت گزرنے کا احساس کس کو رہتا ہے، ڈونٹ وری۔ وہ آ جائے گا۔'' فائقہ کے لہجے کی بے باکی اس لمحہ نہ معلوم کیوں منال بیگم کو از حد بری لگی۔ وہ تیوریاں چڑھا کر بولیں۔

''مائینڈ اٹ ممی! مجھے فیل نہیں ہوتا کہ پرنس...... وہ اپنا امیج خراب نہیں کر سکتا۔ میرا دل نہیں مانتا ایسا ہو گا۔''

''آف کورس۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا اگر میں ایکوشلی اس کی برین واشنگ نہ کرتی۔ کیا کیا پاپڑ نہ بیلے میں نے اسے چینج کرنے کے لیے۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے مگر ہو گا وہی جو ہم نے چاہا ہے۔''

''پھر بھی ممی! اس وقت تک پرنس کو آ جانا چاہیے تھا۔'' اس لمحے ملازمہ ٹرالی گھسیٹے اندر داخل ہوئی۔

''بیگم صاحبہ! چھوٹے صاحب کو تو بہت وقت پہلے میں نے یہاں آتے دیکھا تھا اور واپس جاتے ہوئے بھی۔'' ملازمہ نے اندر آتے ہوئے ان کی بات سن کر کہا۔

''کیا...کیا بک رہی ہے؟ کس کو دیکھا تھا تو نے؟'' ملازمہ کی اطلاع ان پر برق کی مانند گری تھی۔

''پرنس صاحب کو دیکھا تھا بیگم صاحبہ!'' ملازمہ فائقہ بیگم کی جلاد صفت آواز سے کانپ کر بولی۔

''تجھے یقین ہے وہ پرنس ہی تھا۔'' منال اسے گھورتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''جی بیگم صاحبہ! مجھے یقین ہے وہ پرنس صاحب ہی تھے۔''

''وہ یہاں آیا تو روم میں کیوں نہیں آیا؟'' وہ ہکا بکا ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

''کتنی دیر بعد تو نے اسے واپس جاتے دیکھا تھا؟''

ملازمہ بری طرح گھبرا گئی تھی وہ ان کی شعلہ مزاجی سے ویسے ہی خائف تھی۔

''وہ جی، میں...... کیاؤنڈ میں مالی کو کھانا دینے گئی تھی تو چھوٹے صاحب اس طرف آ رہے تھے، جب میں مالی کے کھانا کھانے کے بعد برتن واپس لے کر آ رہی تھی تو صاحب کو واپس جاتے دیکھا تھا۔''

''جاؤ...... دفع ہو جاؤ یہاں سے اور خبردار جو یہ باتیں یاد رکھیں تو۔'' ملازمہ اسی لمحے وہاں سے بدحواسی سے بھاگی۔

''یہ کیا ہوا ممی! یقیناً پرنس نے ہماری تمام گفتگو سن لی ہے تب ہی اندر آنے کے بجائے واپس چلا گیا...... نہ معلوم کہاں گیا ہے؟

منال بیگم نڈھال سی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"ٹیک اِٹ ایزی، ایسی معمولی معمولی باتوں سے پریشرائزڈ مت ہوا کرو۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے اس نے کچھ نہ سنا ہو۔" وہ خود کو سنبھال کر منال کو تسلی دے رہی تھیں۔

"پھر وہ اندر آئے بنا کیوں چلا گیا؟ وہ ہمیں گڈ نیوز سنانے آیا تھا۔ پھر خاموشی سے کیوں چلا گیا؟ مجھے محسوس ہو رہا ہے ممی، اس نے سب سن لیا ہے۔ وہ سب جان گیا ہے......"

"ریلیکس...... ریلیکس ڈاٹر!" فائقہ نے پیار سے کہا۔

"میں سب کچھ برداشت کرلوں گی...... مگر پرنس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت و حقارت برداشت نہ کر پاؤں گی۔" وہ زور و شور سے رونے لگی۔

"اوہ منال، منال، کیا ہوا ہے ڈیئر! اس قدر ایموشنل کیوں ہو رہی ہو؟ کیا ہو گیا ہے آج تمہیں؟" فائقہ بیگم ان کی اچانک امڈتی جذباتیت سے سخت حیران تھیں۔

"زندگی میں پہلی بار میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے چراغ روشن دیکھے ہیں، میں اب ان آنکھوں میں نفرت کا دھواں کس طرح برداشت کر پاؤں گی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوا ہے وہ ابھی آجائے گا۔"

"وہ نہیں آئے گا، میرا دل کہتا ہے وہ نہیں آئے گا۔" اب منال بیگم نے زار و قطار اور باآوازِ بلند رونا شروع کر دیا تھا۔

"فار گاڈ سیک منال! کیا پاگل پن ہے یہ؟ یہ ملازموں کے کان بڑے لمبے ہوتے ہیں وہ کیا سوچیں گے؟ کچھ عقل استعمال کرو۔" فائقہ بیگم غصے سے مخاطب ہوئیں۔

☆......☆......☆

"کوئین بڑا مسرور سا وہاں سے پلٹا تھا۔ اللہ جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ اس مقولے پر اسے آج پکا یقین آگیا تھا۔ قدرت نے اس کی جھولی مسرتوں سے بھر دی تھی، برسوں سے بچھڑی ہوئی دولت، باپ کی واپسی کی شکل میں ملی تو آج خضریٰ نے بھی اقرار محبت کر لیا۔

ونڈ اسکرین پر گرنے والے موٹے موٹے بارش کے قطروں نے اسے سوچوں کے سمندر سے کھینچ نکالا تھا۔

"اوہ...... یہ کراچی کا موسم بھی نہ جانے کب محبوبہ کے مزاج کی طرح بدل جائے۔ خبر نہیں ہوتی۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔

کار میں دھیرا اور دھیما میوزک چل رہا تھا۔ وہ بہت خوشگوار موڈ میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ طویل عرصے بعد خوشیوں نے اس کے در پر دستک دی تھی۔ اس نے پوری طرح بانہیں وا کر دی تھیں۔ انہی سوچوں میں گم اس نے گاڑی ٹرن کی۔ سامنے کچھ فاصلے پر ہجوم دیکھ کر چونکا پھر

اس کی نگاہ لوگوں سے ہوتی ہوئی اس آف وائٹ مرسڈیز پر پڑی۔ دوسری لمحے وہ بوکھلا کر باہر نکلا اور لوگوں کے درمیان جگہ بنا کر کار تک پہنچا۔

سو فیصد یہ کار ذوالنون کی تھی جو اس وقت بری حالت میں کھڑی ہوئی اپنی تباہ حالی کا ثبوت تھی۔ کار بری طرح درخت سے ٹکرائی تھی۔ ٹکر اتنی شدید تھی کہ اس کا گلا حصہ بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ ونڈ اسکرین کا گلاس ٹوٹ کر درخت کی کئی شاخیں اندر گھسی ہوئی تھیں۔ کئی باڈی پر گری ہوئی تھیں۔ خون کی سرخی اگلے حصے میں جگہ جگہ دیکھ کر اس پر قیامت بیت گئی۔ دل کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا۔

”یا الٰہی! خیر۔ میرے بھائی کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔“ اس نے دھواں دھواں ہوتے احساسات کے ساتھ دعا کی۔

”بہت خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔“

”کار اتنی شدت سے پیڑ سے ٹکرائی ہے کہ پیڑ کا بڑا حصہ ٹوٹ کر اس پر گر گیا ہے۔“

”نوجوان نسل کو گاڑی بھگانے کی پڑی ہوتی ہے پھر جلدی جلدی کے چکر میں آگے نہیں دیکھتے کہ کیا آ رہا ہے۔“ وہاں کھڑے لوگ تبصرہ کر رہے تھے۔

”کیسا خوبصورت جوان ہے..... مشکل ہی بچے۔“

”نہیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا مت کہو، میرے بھائی نے محرومی اور دکھ ہی دکھ دیکھے ہیں۔ اسے تو ابھی جینا ہے، زندگی مسرتوں کی نوید لے کر ابھی آئی ہے وہ اس طرح نہیں جا سکتا۔ میں اسے جانے نہیں دوں گا۔“ کونین بڑبڑایا۔ وہاں کھڑے لوگ چہ میگوئیاں کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ ان کے منہ سے نکلنے والے لفظوں سے کون کس طرح گھائل ہو رہا ہے۔

”بھائی صاحب! ایکسیڈنٹ کس کا ہوا ہے؟“ زیروزبر ہوتی ہوئی دلی کیفیت میں جلا اندیشوں سے کانپتے لہجے میں کونین نے وہاں سے جاتے ہوئے ادھیڑ عمر شخص سے دریافت کیا۔

”کوئی نوعمر لڑکا ہے، بہت خطرناک حادثہ ہے۔“

”کسی نے ایمبولینس بلوائی تھی، نہ معلوم کس ہاسپٹل لے کر گئے ہوں گے؟“

بارش تیز ہو گئی تھی۔

تیز ہواؤں نے ماحول کو بالکل ہی سرد کر کے رکھ دیا تھا۔ لوگوں کا ہجوم وہاں سے غائب تھا۔ سخت سردی و بارش میں وہ ذوالنون کی کار کی بیک کو یوں تھامے کھڑا تھا گویا جسم میں جان باقی نہ ہو۔ حواس یک دم ہی شل ہو کر رہ گئے تھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرے تو کیا کرے؟ جو ہوا ہے وہ خواب ہے یا حقیقت؟

پھر وہ بھاگتا ہوا کار کی طرف بڑھا۔ ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا سیل فون بیل دے رہا تھا۔ اس نے اسکرین پر چمکتے صمد انکل کے نام کو دیکھا۔ اس کا دل بری طرح سے پھر دھڑکنے لگا۔

"ہیلو......" اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"کونین! فوراً ہاسپٹل آ جائیں۔" صمد صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے سیل بند کر دیا۔

"اوہ!" کانپتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ ہوئے اس غضب کی سردی میں بھی اس نے اپنے ماتھے پر پسینے محسوس کیے تھے۔

"خوشی کی عمر اتنی مختصر کیوں ہوتی ہے؟ یا ہماری خوشیاں ہی اتنی چھوٹی عمر کی ہوتی ہیں جن سے آشنائی پوری طرح ہو بھی نہیں پاتی کہ وہ دامن بچا کر بھاگ بھی جاتی ہیں۔"

☆......☆......☆

"کرن! ہم اپنے نئے گھر یعنی "آشیانہ" کی گرینڈ پارٹی دیں گے۔ گیسٹ لسٹ اور مینیو کی سلیکشن بھی کر لو"۔ انس صاحب ایزی انداز میں لیٹتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے۔

"ہوں ٹھیک ہے...... میرے خیال میں یہ کام ہم بی بی جان اور بھابیوں کی موجودگی میں کریں تو بہتر ہے؟" شال کاندھوں پر ڈالتے ہوئے کرن نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔ وہ بھی پیار بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"وائے ناٹ"۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"سوچ رہا ہوں، کیا میں اتنا خود پسند ہوں جو آپ معمولی سا کام بھی میری اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی ہیں"۔

"ارے نہیں، یہ میں نے کب کہا؟ آپ تو گریٹ ہیں، یہ ہر کام پوچھ کر کرنے والی عادت کو آپ محبت کہہ سکتے ہیں"۔ وہ یہ کہتی ہوئی ان کے پاس سے اٹھنے لگیں تو انہوں نے ہاتھ پکڑتے ہوئے دھیمے اور پیار بھرے انداز میں کہا۔

"محبت کی انتہاؤں کو مات دے دی ہے تم نے یار! اسی لیے میں نے تمہیں کبھی بیوی نہیں سمجھا"۔

"وہاٹ؟" گویا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ پیچھے ہٹیں۔ "معلوم ہے آپ کو...... کیا کہہ رہے ہیں؟"

"آف کورس"۔ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"آپ کے ایسے مذاق مجھے بالکل پسند نہیں ہیں"۔

"آئی ایم سیریس"۔

"میں جا رہی ہوں"۔

"ہاہاہا......" وہ ساختہ قہقہہ لگا کر گویا ہوئے۔ "میں ہر دفعہ کہتا ہوں یار! میں بیوی نہیں محبوبہ سمجھتا ہوں، پھر بھی تم مائنڈ کر جاتی ہو...... یہ کوئی بات ہوئی؟"

"بٹ...... ہر بار ایسے ورڈز اچھے نہیں لگتے"۔

"او کے، ہماری جان سے پیاری بیٹی کدھر ہوتی ہیں آج کل؟ بہت کم کم اس کا پیارا چہرہ ہماری آنکھیں دیکھ پاتی ہیں"۔

"آفس جاتے وقت آپ مل کر گئے ہیں پھر آ کر شاپنگ سینٹر چلے گئے تھے۔ دراصل آج کل آشیانہ کی تیاریوں کی وجہ سے مصروفیات اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ ساتھ بیٹھنا بہت کم ہو رہا ہے"۔

"اس کو میرے پاس بھیجتی ہوئی جائیں، گرین ٹی کے ہمراہ"۔

"جی اچھا"۔

وہ کچن میں ملازمہ کو گرین ٹی کا کہہ کر لاؤنج میں چلی آئیں جہاں تمام ینگ جنریشن جمع تھی۔ ڈرائی فروٹس کے ساتھ باتوں کا دور چل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ سب شوخی سے گویا ہوئے......

"ویلکم...... ویلکم آنٹی!" وصی نے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ مسکہ کس لیے لگایا جا رہا ہے؟" وہ ہنستی ہوئی گویا ہوئیں۔

"مسکہ نہیں آنٹی! آپ تو ہمیں ویسے بھی اتنی اچھی لگتی ہیں۔ آپ کی اور انکل کی جوڑی آئیڈیل ہے۔ ریئلی، آپ حورین کی مما نہیں، سسٹر لگتی ہیں"۔

"اوکے، اوکے، پلیز اتنی تعریفیں مغرور کر دیں گی"۔ ان کے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"آنٹی! بائی دی وے، آپ کیا ہریرہ کو اپنی سرپرستی میں لے رہی ہیں؟" وصی نے استفسار کیا۔

"ہریرہ تو ہے ہی میرا بیٹا، سرپرستی بچپن سے لی ہوئی ہے"۔ وہ ہریرہ کی طرف دیکھتی ہوئی شفقت سے گویا ہوئیں۔ ہریرہ کے خوب صورت چہرے پر مسرت و انبساط کے رنگ بکھر گئے۔

"آنٹی! آپ سمجھ نہیں رہیں، ہمارا مطلب دوسرے رشتے سے ہے"۔ رؤف جھجکتا ہوا بولا۔ انہوں نے سر ہلا کر تائید کی۔

"اچھا...... اچھا...... یہ بات ہے"۔ وہ شوخ لہجے میں ہریرہ کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئیں تو ہریرہ جھینپ گیا۔

"ارے آنٹی! آپ کو پہلے سے معلوم نہ تھا کیا؟" سرمد نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے"۔

"کسی نے انفارم نہیں کیا آپ کو؟" سفیان کو تجسس ہوا۔

"اوہ...... ہو...... ہوا" کئی معنی خیز نگاہیں اور آوازیں ہریرہ کی جانب اٹھیں تو وہ مسکرا دیا۔ لڑکیوں میں سے بیلا نے لب کشائی کی۔

"میری تو مرضی ہی مرضی ہے لیکن فیصلہ تو بی بی جان کو کرنا ہے۔ آشیانہ شفٹ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہی ہے۔ بی بی جان کو وہاں جا کر پرپوزل بھیجوں گی"۔

ہریرہ کے چہرے پر مسرتوں کے پھول کھل اٹھے۔ وہ اس سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہو گئے۔

"ارے ہاں، میں تو حورین کو بلانے آئی تھی، وہ یہاں نظر نہیں آ رہی، نہ سومل ہے۔ کہاں ہے دونوں؟" ان کو یاد آیا تو وہ کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آنٹی! ہم لوگ آج ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے، کچھ دیر قبل ہی واپسی ہوئی ہے، حورین اور سومل سے ملاقات نہیں ہوئی"۔ زویا کے کہنے پر وہ باہر نکل آئیں۔

انہوں نے اِدھر اُدھر حورین کو دیکھا، وہ کہیں نہیں تھی۔ وہ سیدھی سومل کے بیڈروم کی طرف بڑھ گئیں کہ وہ یقیناً وہی ہوگی۔ سومل سے اس کی کافی جھنتی تھی، اکثر دونوں ساتھ ہی رہتی تھی۔ نشرح کے بعد وہ سومل کے قریب آ گئی تھیں۔

"سومل! کیا ہوا؟ تم اس قدر پریشان اور گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ خیریت تو ہے ناں بیٹا؟" سومل کمرے سے باہر آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ اس کے قریب آ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"آپ پریشان مت ہوں آنٹی! آئی ایم رائٹ"۔ کمزور اعصاب و بے حوصلہ کرن بیگم اس کے متوحش چہرے کو دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھ چکی تھیں۔ سومل نے تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالا۔

درحقیقت وہ کئی گھنٹوں سے حورین کو کال کر رہی تھی، وہاں سے جواب نہیں مل رہا تھا کیونکہ وہ کہہ کر گئی تھی کہ ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں رُکے گی اور اب اسے گئے ہوئے سات گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔

کیا ہوا ہے؟

سمجھ سے باہر تھا، حورین پر جتنا اعتماد تھا، اتنا ہی اعتبار اسے ذوالنون کی شرافت پر بھی تھا۔ وہ ہر طریقے سے قابلِ بھروسہ تھا۔

لیکن...... پھر نہ معلوم کیا بات تھی کہ وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ وقت تھا کہ سرعت سے گزرے جا رہا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ اسے فکر و پریشانی سے پاگل کر رہا تھا۔ وہ بُری طرح خوف زدہ ہو رہی تھی۔ اس کے کہنے پر ہی وہ گئی تھی، ورنہ وہ خود گھبرا رہی تھی۔ نہ معلوم کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ ڈرائیور بھی حورین کو چھوڑ کر گاؤں چلا گیا تھا، ورنہ وہ اس کے ساتھ چلی جاتی جہاں حورین کو اس نے ڈراپ کیا تھا۔ دوسرا ڈرائیور اس جگہ سے لاعلم تھا۔ لاعلم تو وہ خود بھی تھی۔

گزرتے وقت نے اسے بہت بے سکون کر دیا تھا۔ بڑھتی ہوئی سردی اور بدستور حورین کی گمشدگی نے اسے بالکل ہی خوف زدہ کر دیا تھا۔

وہ ہریرہ کو سب سچ بتا کر مدد لینے کی نیت سے کمرے سے باہر نکلی تھی جو کرن اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔

"پھر تمہارا چہرہ اس قدر زرد کیوں ہو رہا ہے؟" کرن اس کے چہرے کو ہاتھ لگاتی ہوئی بولیں۔

"سر میں درد ہو رہا ہے"۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"کوئی میڈیسن لی؟ ڈاکٹر کو کال کروں؟" وسوسوں، اندیشوں میں دل اس حد تک پریشان تھا کہ اب کوئی معمولی یا غیر معمولی

بات پر دھڑکنیں رُکنے لگی تھیں۔

"میں نے دوائی لے لی ہے آپ فکر مت کریں آنٹی"۔ موحل کا دل خشک کی ڈلی بننے لگا تھا۔ نگاہوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی کچھ دیر بعد جب حورین کی گمشدگی کا معلوم ہوگا تو پھر کیا یہ خود کو سنبھال پائیں گی؟

"چلو اندر چلو، درد بہت زیادہ ہو رہا ہے، میں دبادوں گی تو لمحوں میں آرام آجائے گا۔ حورین سے سر دبوا لیتیں تو آرام آجاتا۔ بلاتی ہوں اسے تمہارے روم میں ہی ہے وہ، سب جگہ تلاش کر کے آگئی ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تمہارے روم میں ہوگی"۔ وہ بڑے اعتماد لہجے میں کہتی ہوئی آگے بڑھیں۔

قبل اس کے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر جاتیں، ملازمہ بدحواس سی وہاں بھاگتی ہوئی آئی۔

"بیگم صاحبہ! بیگم صاحبہ!" بے تحاشا پھولی ہوئی سانسوں کی وجہ سے اس سے بات نہ کی جا رہی تھی۔

"یا اللہ خیر، کیا ہوا مہرو!" ان کے علاوہ اس کا دل بھی خوف کے مارے کانپ اٹھا۔

"وہ...... جی! حورین بی بی...... اسٹڈی روم میں بے ہوش پڑی ہیں"۔ ملازمہ کی بات سنتے ہی وہ دونوں اوپر بھاگیں۔ ان کی چیخ و پکار نے لمحوں میں سب لوگوں کو اوپر جمع کر ڈالا۔

"حورین! حورین"۔ سب سے آگے انس صاحب تھے۔

کارپٹ پر اس کا وجود شاخ سے گرے پھول کی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔ آگے بڑھ کر انہوں نے اسے چھوا، اس کا وجود برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا، انہوں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ کرن پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ہریرہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ پچھلی نشست پر بی بی جان حورین کا بے جان جسم سنبھالے آیتوں کا ورد کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

یکے بعد دیگرے کئی کاریں ہاسپٹل کے کمپاؤنڈ میں رکیں۔ سب سے پہلے کونین کار سے اترا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا O-T کی جانب بڑھ گیا۔ باہر ہی آپریشن تھیٹر کے پاس صمد صاحب مل گئے، وہ ان کے گلے لگ کر خود پر قابو نہ رکھ سکا۔

"انکل! یہ کیا ہوا؟ یہ کیسے ہو گیا؟" کونین بھائی کی محبت میں بچوں کی مانند رونے لگا۔

"بی ایزی مائی سن! ٹیک کیئر، اسے اس وقت دعاؤں کی اشد ضرورت ہے، دواؤں سے زیادہ دعائیں اس کے لیے اہم ہیں پلیز، دعائیں کرو اس کے لیے"۔

صمد صاحب ڈاکٹر ہونے کے باوجود اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تھیٹر سے باہر تھے۔

"انکل! وہ بچ تو جائے گا؟ اسے زندہ رہنا ہوگا انکل! ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ اس نے دیکھا ہی کیا ہے؟ ابھی تو اسے بیاہ سے

بھی ملنا ہے، زندگی کو حقیقی رنگ میں دیکھنا ہے۔" کونین جیسا قابل و صابر بندہ حوصلہ چھوڑ بیٹھا تھا۔ یہ دکھ ہر دکھ سے بھاری اور ناقابلِ برداشت تھا۔

"ٹیک کیئر یار! انشاءاللہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ تم خود کو سنبھالو پلیز۔" آگے پیچھے وہ سب ہی چلے آئے تھے، گھر میں راحیلہ بیگم کے پاس اریبہ کو چھوڑ کر، کیونکہ ان کو اس حادثے کا بتایا نہیں تھا۔ معیز نے اسے گلے لگا کر تسلی دی، حالانکہ ان سب کے چہرے متفکر تھے۔ بریرہ اور خضر بھی پہلے ہی آپریشن تھیٹر میں جا چکے تھے۔

صنوبر بیگم اور سونیا چپکے چپکے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ شوخ و کھلنڈرے خضر کے چہرے پر بھی بے چینی کی سرخی تھی۔ معیز ان سب کو تسلی و دلاسے دے رہا تھا۔

ان سب سے آخر میں آنے والے حمزہ تھے، جن کی دھیمی چال سے شکستگی و بے رنگی ظاہر ہو رہی تھی مگر پُرنور باریش چہرے پر وقار و سکون کی بااثر کیفیت طاری تھی۔ کونین جو خود کو سنبھال نہ پا رہا تھا، بڑے جذباتی انداز میں ان سے لپٹ گیا۔

"بابا......! بابا! پرنس؟" وہ پھر شدت سے رو پڑا۔

"صبر میرے بیٹے! صبر سے ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کی دی ہوئی خوشیاں ہنسی خوشی سمیٹیں اور دکھوں پر واویلا مچا کر ناشکری کا اظہار کریں۔ بہت غلط انداز ہے یہ۔" وہ اسے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

"خوشیاں! خوشیاں ہمیں ملی ہی کہاں ہیں بابا! ہمیں دکھ ہی دکھ ملے ہیں۔ آج پہلی بار خوشی کا چہرہ دیکھا تھا کہ دکھوں نے پھر اپنے حصار میں لے لیا۔"

"اللہ سے شکایت کرنے کا بندے کو کوئی حق نہیں ہے، ہمیں جو بخشا جاتا ہے، ہمارے اعمالوں کے سبب سے بخشا جاتا ہے۔ جا کر وضو کرو اور اللہ سے مانگو جو وہ نوازدے تو شکر سے لے لو۔"

کونین خاموشی سے آنسو صاف کرتا ہوا معیز کے ساتھ وضو کرنے چلا گیا۔ صنوبر و سونیا پہلے ہی کوریڈور سے آگے بنے کٹہرے میں بنی نماز کی جگہ پر بیٹھیں قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھیں۔

"کیسا...... ہے...... وہ؟" تنہائی پاتے ہی صمد صاحب ان کے سینے سے لگے تو وہ بولے۔

"دعا کریں بھائی! وہ موت و زیست کے درمیان ہے، اس کی کنڈیشن ویک ہے، بلیڈنگ بہت ہو چکی ہے۔ ابھی بھی ہو رہی ہے اگر یہی کنڈیشن رہی تو......" شدتِ جذبات سے ان کی آواز رندھ گئی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکے۔

"جو اس کی رضا ہے، وہ میری رضا ہے۔ ہم سب اس کی امانت ہیں اور ہم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے، وہ جس حال میں بھی رکھے صرف اور صرف اپنا بنا کر رکھے، سب منظور ہے۔"

حمزہ نے سامنے برستے آسمان کی طرف دیکھا اور وہیں سنگِ مرمر سے بنی بینچ پر بیٹھ گئے، جو برف کی طرح سرد تھی۔

"بھائی جان! آپ اندر چلیں، یہاں بہت سردی ہے"۔ صمد صاحب نے بہت احترام سے ان سے کہا۔

"نہیں، جو آگ میرے اندر بھڑک رہی ہے اگر باہر نکل گئی تو اس سارے ماحول میں لگ جائے گی، یہ سردی کچھ نہیں"۔

"بھائی جان! پھر بھی...... میں یا بچے آپ کو اس طرح یہاں نہیں دیکھ سکتے"۔ صمد صاحب متفکر تھے۔

"صمد! جس حمزہ کو تم جانتے تھے، جو کانچ کا دل، موتی جیسے جذبات رکھتا تھا، وہ بیس سال قبل جذباتی موت مر چکا ہے۔ اب تمہارے سامنے وہ حمزہ ہے جو بالکل بدل چکا ہے۔ یہ بدلے موسم و وقت کے تیور اس کے لیے کچھ نہیں ہیں"۔ حمزہ کے نرم لہجے میں وہ جلالی پن تھا جو عام بندوں پر ایک ان دیکھی ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ صمد نے پھر کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے وہاں سے ڈاکٹرز روم میں چلا گیا، جہاں اس کی کال تھی۔

حمزہ وہاں بیٹھ کر سبحان و ذکر میں مشغول تھے۔ صمد صاحب بھی کئی چکر او۔ ٹی کے لگا چکے تھے۔ ہر بار ان کا چہرہ پہلے سے زیادہ فکر مند دکھائی دیتا تھا اور سب کے دل دھڑک اُٹھتے تھے، وہاں کونے کونے میں گویا اُداسیاں بکھری پڑی تھیں۔ عام حالات میں سرپٹ بھاگنے والی گھڑی کی سوئیاں چیونٹی سے بھی کم رفتار میں سرک رہی تھیں۔ وقت کی جگہ دل کی دھڑکنوں نے لے لی تھی۔

"کونین! بھابی بیگم آ رہی ہیں پلیز، انہیں سنبھالنا وہ شاکڈ ہیں، میں نے انہیں انفارم کر دیا ہے"۔

"او کے، وہ کب باہر آئے گا؟ بہت ٹائم ہو گیا ہے اندر گئے ہوئے۔ کیا کنڈیشن بہت زیادہ سیریس ہے؟" کونین جو خود کو سنبھال چکا تھا، اسے اپنے جذبات سے شدید جنگ لڑنی پڑی تھی، پھر سب سے زیادہ حوصلہ حمزہ کی موجودگی نے دیا تھا۔

"معجزانہ طور پر خطرناک چوٹوں سے وہ بچ گیا ہے جو ایسے حادثات میں عموماً لگا کرتی ہیں لیکن خون بہت ضائع ہوا ہے اور ابھی کم ہوا ہے، رُک نہیں رہا جیسے ہی بلیڈنگ انڈر کنٹرول ہوتی ہے ہم اسے روم میں شفٹ کر دیں گے"۔

صمد انکل سے تفصیلی بات کر کے اس کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ اسی وقت منال، فائقہ بیگم کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ میرا پرنس کہاں ہے؟" وہ دیوانگی کے عالم میں آ کر کونین کو جھنجوڑتی ہوئی بولیں۔

"وہ ٹھیک ہے مما! آپ...... آپ پریشان مت ہوں"۔

"وہ ٹھیک ہے تو کہاں ہے؟ تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہے؟"

"منال! ہوش میں آؤ، پرنس آپریشن تھیٹر میں ہے"۔ فائقہ بیگم سارے راستے انہیں بمشکل سنبھالتی لائی تھیں۔ اب بھی ان کی نیم دیوانگی کی حالت دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"تم چپ کرو، تم عورت نہیں ڈائن ہو، یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، ایسا ہمیشہ تم جیسی عورتوں کی وجہ سے ہوتا ہے"۔ وہ آنکھیں نکال کر ان کی طرف بڑھیں، اگر کونین بروقت ان کے ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو ممکن تھا وہ ناخنوں سے ان کا چہرہ لہولہان کر دیتیں یا گلا ہی دبا دیتیں۔

"مما! دعا کریں، یہ دعا کا وقت ہے"۔

"صمد بیٹا! منال بہت زیادہ ڈپریسڈ ہے پلیز، اسے کوئی انجکشن دے دیں، جس سے یہ ریلیکس ہو جائے"۔ فائقہ بیگم بیٹی کے ہاتھوں تماشا بننے کے خوف سے صمد کو بلا کر لے آئی تھیں۔ منال ہوش وخرد سے بیگانہ انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ صمد کی ہدایت پر کونین انہیں وہاں سے روم میں لے آیا، جہاں نرس نے انہیں انجکشن دے دیا۔

"کونین! پرنس کی حالت کی ذمے دار یہ عورت ہے، اس کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ اسے معاف......"

انجکشن نے فوری اثر دکھایا۔ وہ کہتے کہتے سو گئی تھیں۔

"ایک دم ہی صدمہ لے لیا اور دیکھو ذرا...... ماں دشمن نظر آنے لگی۔ ابھی دے اُٹھے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ تم بتاؤ، پرنس کی حالت کیسی ہے؟"

"دعا کریں"۔ کونین کا دل اس وقت ماں اور نانو سے بہت خراب تھا۔ وہ ان پر نگاہ ڈالے بنا باہر نکل آیا۔

"کونین! مبارک ہو، ذوالنون نے موت کو شکست دے دی"۔ ہری وہ بڑی گرم جوشی سے اس سے آ کر لپٹ گیا۔

"اوہ......! اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں بابا جان سے مل کر آتا ہوں"۔ کونین کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"چچا جان شکرانے کے نوافل ادا کرنے گئے ہیں"۔

"میں بھی جا رہا ہوں"۔

جہاں کچھ دیر قبل سناٹے، ویرانیاں اور سسکیاں تھیں، وہاں اب ذوالنون کی حیاتِ نو کی خبر طمانیت و مسکراہٹ بن کر ہونٹوں پر کھلی ہوئی تھی۔ روشنی بن کر چہروں کو منور کر رہی تھی۔

ذوالنون روم میں شفٹ ہو چکا تھا۔ اس کا سر، بازو اور سینہ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ چہرے پر بھی کافی خراشیں تھیں۔ صبح صادق کے وقت اسے کچھ دیر کے لیے ہوش آیا تھا۔ وہ اب ڈاکٹرز کی ٹریٹمنٹ کے بعد سکون آور انجکشنز کے باعث سو رہا تھا۔ صمد صاحب نے سب کو ذوالنون کی طبیعت بہتر ہوتے ہی گھر بھیج دیا۔ اب وہ خود اور حمزہ تھے، جو دل کی کیفیت سے مغلوب اس کا چہرہ یک ٹک دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

شعبۂ انتہائی نگہداشت میں حورین کو فوری طور پر ایڈمٹ کیا گیا تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ ڈاکٹرز کی سرتوڑ کوشش کے بعد وہ ہوش میں آئی تھی مگر دواؤں کے باعث اس پر ابھی غنودگی طاری تھی۔ رات بھر سب لوگ ہسپتال میں جمع رہے تھے۔ بے شمار دعائیں، منتیں، صدقے اور خیرات کی رقم چیریٹی میں دی گئی تھی۔

صبح بی بی جان نے سب کو گھر بھیج دیا تھا۔ کرن اور انس صاحب وہاں سے جانے کو تیار نہیں تھے۔ مومل بھی بی بی جان کی منت سماجت کر کے رُک گئی تھی۔ بی بی جان بھی محسوس کر رہی تھیں اس کی محبت کو کہ کل سے اب تک حورین کی محبت میں وہ نڈھال ہو رہی تھی، سو وہ کچھ نہ بول سکیں۔ مومل کے لیے اس کا اسٹیڈی روم سے اس حالت میں ملنا بہت بڑا معمہ تھا۔ اب جب تک وہ یہ معلوم نہ کر لیتی کہ اصل قصہ

کیا ہوا؟ اسے چین نہ آ رہا تھا، کیونکہ اس بات نے اسے بے سکون کر رکھا تھا، اس کے اصرار پر حورین گئی تھی، نہ وہ اصرار کرتی، نہ وہ جاتی اور نہ ہی اس کی یہ حالت ہوتی۔

"سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ حور نے ایسی کس بات کی ٹینشن لی ہے جو اس حالت کو پہنچ گئی۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں اگر معمولی سا لیٹ ہو جاتے تو ہماری بیٹی؟......"

کرن رات سے یہی بات کہہ کہہ کر رو رہی تھیں۔

"شکر ہے اس مالک کا...... کہ اس نے جان بخش دی، حساس بھی، بہت زیادہ ہے۔ کوئی بات دل کو لگ گئی ہوگی، بلکہ کل صبح ہی تو بلی کا ایک نوزائیدہ بچہ سردی سے مر گیا تھا۔ اس کے غم میں ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ بس وہی سوچا ہوگا" بی بی جان کو اچانک ہی کل صبح کی بات یاد آ گئی۔

"ایسی حساسیت بھی کیا جو جان پر بن جائے۔ آج کل تو انسان ہی انسان کو مار کر پھینک رہا ہے اور ملال تک نہیں کرتا"۔

"آنٹی! انکل! آپ لوگ کچھ کھا لیں ناں۔ رات سے صبح ہو چکی ہے"۔ سوال ان دونوں سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں بھئی! جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اب کھاؤ، پیو، ذرا چہروں پر بھی رونق آئے۔ بچی جاگے گی تو مزید پریشان ہو جائے گی اور کرن! خبردار جو اب بچی کے سامنے آنسو بہائے۔ ایک تو وہ بیمار ہے پھر رو رو کر اور ڈرا دو"۔

بی بی جان نے از خود لہجہ تنبیہی بنایا۔

"بی بی جان! میں بے بس ہو جاتی ہوں"۔ کرن چھلک جانے والے آنسو صاف کر کے بولی۔

"ہمت پکڑو بچے! مضبوط بنو، اولاد ہی ماں باپ کی سب سے بڑی کمزوری ہے تو طاقت بھی ہے"۔

"میں اس کو اس طرح نہیں دیکھ سکتی"۔

"غلط بات بیٹی ذات کو آگے چل کر سو طرح کے مسئلے ہوتے ہیں جو بیٹی کے لیے ماں کو ہی حل کرنے پڑتے ہیں اگر تم اس طرح آنسو بہانے بیٹھ جاؤ گی تو خود بھی تماشا بنو گی۔ بچی کو بھی بناؤ گی۔ کل رات یہاں کچھ لوگ اور بھی آئے تھے"۔

"حورین کے علاوہ؟" انس صاحب نے دریافت کیا۔

"ہاں، کوئی نوجوان ہے، کار درخت سے ٹکرا گئی ہے"۔

"کیا ہوا اس کا؟"

"میں فجر کی نماز پڑھنے گئی تھی جب لڑکے کی چچی سے پتا چلا تھا، آؤ معلوم کرنے چلتے ہیں وہ لڑکا کس حال میں ہے؟"

"بی بی جان! پہلے ناشتہ کر لیں پھر چلی جایئے گا"۔

سول نے ہریرہ کے لائے ہوئے ٹفن باکس میں سلائس، انڈے، جیم اور بٹر نکالتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر قبل ہی ہریرہ ٹفن باکس اور فلاسک میں چائے دے کر گیا تھا۔ سول نے صوفے کے درمیان پڑی سینٹر ٹیبل پر پلیٹوں میں ناشتہ لگا دیا۔

گھر جا کر فاریہ اور حمیرا بیگم نے ناشتہ بمع لوازمات بھیج دیا تھا۔ انہوں نے برائے نام ہی کھایا تھا۔

حورین شام تک نہ صرف مکمل طور پر ہوش میں آ چکی تھی بلکہ اس کی طبیعت بھی خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ بی بی جان کے خیال سے کسی نے بھی اس سے زیادہ بات کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

حورین کو ہوش میں آتے دیکھ کر کرن اور انس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اس نے وہ دن زیادہ تر دواؤں کے زیرِ اثر سوتے ہوئے گزارا اور جاگنے پر بہت کم بات چیت کی تھی۔ ڈاکٹرز نے اسے ابھی چند دن تک ڈسچارج کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آج رات بی بی جان نے زبردستی انس صاحب اور کرن کو بھی گھر بھیج دیا تھا۔

⁂

چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے، وہ اسی طرح بے حس، بے حرکت پڑا تھا۔ آتی جاتی سانسوں کا زیر و بم اس کی حیات کا یقین دے رہا تھا، ورنہ اس نے ایک بار بھی آنکھیں نہ کھولی تھیں۔ صمد صاحب نے گھبرا کر ملکی و غیر ملکی ڈاکٹرز کا بورڈ طلب کر لیا، جہاں اس کی تمام رپورٹس کا ازسرِ نو جائزہ لیا گیا۔ رپورٹس تمام کی تمام ہی تسلی بخش تھیں، معمولی زخموں کے علاوہ کوئی سیریس گھاؤ نہیں تھا۔ خون زیادہ بہنے کی وجہ سے اس پر جو نقاہت طاری ہوئی تھی اس کا سدِباب بھی اسے خون کی کئی بوتلیں چڑھا کر کیا گیا تھا لیکن اب وہ بہتر تھا۔ زخم اس کے بے شک شدید نوعیت کے تھے مگر وہ ہر قسم کے فریکچر سے محفوظ رہا تھا۔ یہ احساس ان سب کے لیے باعثِ تقویت تھا۔ ویسے بھی ان دنوں وہ بڑی شدتوں سے مانگی گئی دادو جان کی دعاؤں کے حصار میں رہا تھا۔

جہاں بزرگوں کی دعائیں حصار قائم رکھتی ہیں وہاں بڑی بڑی مشکلات ٹل جایا کرتی ہیں اگر وہ بھیانک و خطرناک بلاؤں سے بچ نکلا تھا تو وہ دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا جنہوں نے نہ صرف اسے پستیوں میں گرنے سے بچایا بلکہ معجزانہ طور پر زندگی بھی محفوظ رکھی تھی۔

چوٹ جب ضمیر پر لگتی ہے تو بے حسی کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں، باطن کی سیاہی چہرے پر چھانے لگتی ہیں، نفس دم توڑنے لگتا ہے اور خود پرستی اذیت بننے لگتی ہے۔ وہ بھی ایک طویل عرصے سے خود پرستی و خود پسندی کی گمراہ روش پر قائم رہی تھی۔ ان میں اچھی بننے کی اُمنگ نہ تھی یا انہیں بننے نہیں دیا گیا تھا۔ ان کی تربیت ایک ایسی عورت نے کی تھی جو آزاد منش، حریص طبیعت، رشتوں اور ناطوں کو ٹھوکروں میں اُڑانے والی تھی جس کے نزدیک سب کچھ "دولت" تھی۔

فائقہ بیگم کی اُنگلی پکڑ کر وہ چلتی رہی تھیں، ان کی آنکھوں سے دیکھتیں، ان کے کانوں سے سنتیں اور ان کے دماغ سے سوچتیں، خواہشوں کے حصول کی تگ و دو میں دیوانہ وار بھاگتی بھاگتی اتنی دور جا چکی تھیں کہ اب واپسی کا راستہ یاد نہ آ رہا تھا۔ کل سے رو رو کر ان کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ آنسو اب بھی ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ ماضی کے روزنوں سے کریہہ و پُرفریب حرکتوں اور یادوں کے سیاہ ناگ خوب ڈستے رہے تھے پھر سب سے زیادہ جو چیز کے لگ رہے تھے وہ ڈوالنون کے ساتھ کی گئی غلط بیانی تھی اور جواباً اس کی حالت مستزاد حقیقت و سچائی سے اس کا واقف ہو جانا...... وہ جانتی تھیں کہ اب وہ تاحیات اس سے آنکھ نہ ملا پائیں گی۔ بلندی سے گر کر اُٹھا جا سکتا مگر

نگاہوں سے گر کر نہیں۔ حمزہ کی واپسی کی خبر نے انہیں مزید مضمحل کر ڈالا تھا۔ ضمیر پر بڑھتا ہوا بوجھ محسوس ہونے لگا تھا۔ ان کے درمیان اختلاف اور جدائی کی وجہ بھی ذہنی بے راہ روی وغیر محتاط فطرت تھی۔ وہ برسوں سے جن خواہشوں وحسرتوں کے شیش محل میں آرزوؤں کے سنگھاسن پر براجمان اس انتظار میں محو تھیں کہ آنے والا وقت ان کا ہے، ہر کام ان کے منشا کے مطابق ہوگا...... سو جیسی تو سدا ہی لاحاصل رہی ہیں۔ یہ وہ جگنو ہیں جو دور دور سے جھلک دکھا کر آپ کو اسیر کر لیتے ہیں۔ جب آپ ان کے حصول کے لیے دیوانہ وار ان کی طرف دوڑتے ہیں تو یہ آگے ہی آگے بھاگتے ہیں اور بھاگتے ہی چلے جاتے ہیں، کبھی ہاتھ نہ آنے کے لیے۔

منال بیگم نے بھی ایک عمر گنوائی تھی، ان جگنوؤں کو پکڑنے کی خاطر اور پھر اپنی خوشیاں، گرہستی، شخصیت، خودداری، انا، عزت اور آخر میں اپنی کائنات...... اور اولاد بھی...... حاصل کچھ نہ ہوا۔

حسرتیں، حسرتیں رہیں۔

خواہشیں انگارے بن گئے۔

آرزوئیں ضمیر میں چبھنے والے نوکیلے کانٹے بن گئیں۔

ایک لاحاصل چاہت کی جستجو نے انہیں بے توقیر کر ڈالا تھا۔ اعمال نامہ ان کے ہاتھ میں تھما دیا گیا تھا جو ان کی بداعمالیوں سے سیاہ تھا۔ وہ کل تک مختار کل بنی ہوئی تھیں، ہر شے کو ٹھوکر پر رکھتی ہوئیں...... قدرت کی طرف سے صرف ایک معمولی سی ضرب لگائی گئی تھی۔ لمحہ نہیں لگا تھا انہیں عرش سے فرش پر اوندھے منہ گرنے میں۔ انسان خود کو کتنا ہی مضبوط سمجھے لیکن قدرت کی سمت سے لگائی گئی ہلکی سی چپت سے ہی ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتا ہے، وہ بھی بکھر گئی تھیں۔ حمزہ ان کے سامنے بیٹھے تھے، ایک نئے روپ میں، ایک نئے انداز میں، وہ خاموش بیٹھیں گردن جھکائے آنسو بہا رہی تھیں۔ انہیں سامنے دیکھ کر پہلی بار احساس ہوا کہ ان کے بغیر وہ ادھوری اور تنہا تھیں، ایک ادھورے مکان اور بنا چھت کے گھر کی طرح۔

"میں شرمندہ ہوں منال اتم سے، بچوں سے اور تادم مرگ رہوں گا کہ میں نہ اچھا باپ ثابت ہوا، نہ شوہر، نہ ہی بہترین بیٹا اور بھائی۔ رشتوں کے ساتھ میں نے بڑی بے رحمی برتی"۔ ان کی گھمبیر آواز تاسف، ملامت، شرمندگی اور ندامت سے لرزاں تھی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے لیکن بعض اوقات جذبات کے اظہار کے لیے لفظ اپنا وجود کھو بیٹھتے ہیں، ان میں تاثیر نہیں رہتی پھر جہاں سارے حساب، زباں ہی زباں پر مشتمل ہوں وہاں پچھتاوؤں اور ملال کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

"تمہیں چھوڑ کر گیا تھا اور آج سامنے ہوں، لگتا ہے کل کی بات ہے"۔ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

"اس کل میں گویا پورا جیون بیت گیا"۔ منال کے دل سے ایک درد بھری آہ نکلی۔

"مجھے معاف کر دو منال! میں تمہارا مجرم ہوں"۔

"معافی؟ ہماری زندگی سے اس لفظ کی وقعت فنا ہو چکی ہے۔ قصوروار آپ تھے، لغزشیں مجھ سے بھی ہوئیں، آپ منہ پھیر کر چلے

گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بیوی کے جذبات میرے اندر پہلے ہی سرد پڑ چکے تھے۔ آپ کے جانے کے بعد ممتا کے احساسات بھی بے حسی و سرد مہری کی قبر میں دفن ہو گئے، خطا کار ہم تھے، سزا میرے بچے کو ملی۔ وہ میرے گناہوں کا عذاب بھگت رہا ہے۔ آپ اسے کسی بھی طرح بچا لیں۔ وہ واپس آجائے میں اس کی خاطر ہر سزا کے لیے تیار ہوں"۔ منال بیگم حمزہ کے شانے سے سر لگا کر رونے لگیں۔

"کیوں چلے گئے تھے آپ اس طرح چھوڑ کر؟ میں نادان اور بھٹکی ہوئی تھی، آپ کی محبت و سہارے کی ضرورت تھی مجھے۔ عورت کتنی ہی بہادری و مضبوطی کے دعوے کرے، کتنی ہی آزاد و خود مختار بن جائے...... مگر ایک حد تک ہی وہ ان پر قائم رہ سکتی ہے۔ عورت و مرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یہ حقیقت ایک دن سمجھ میں آجاتی ہے لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے...... بہت دیر......" شدت جذبات سے ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"میں...... از حد شرمسار ہوں۔ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہا۔ تقدیر کے فیصلے شاید اسی طرح تھے۔ ہمیں اسی طرح جدائی کے پل گزارنے تھے۔ لوگ کہتے ہیں بزدل تقدیر کو قصور وار ٹھہراتے ہیں۔ تقدیر کچھ نہیں ہوتی مگر میں کہتا ہوں تقدیر کا بھی ہماری زندگی پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ تقدیر جو چاہتی ہے وہ ہم از خود کرتے چلے جاتے ہیں"۔

☆......☆......☆

کرن اور انس ابھی کچھ دیر قبل دوسرے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے گئے تھے۔ حورین کو دوسرا دن گزرنے کے بعد بھی ڈسچارج کرنے کو راضی نہ تھے۔ اس کا بی پی پوری طرح نارمل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ زیادہ تر نیند آور دواؤں کے زیر اثر سوتی رہتی تھی اور جب جاگتی تو بھی زیادہ تر خاموش رہتی۔ انس، کرن کے علاوہ کوئی بھی اس کی عیادت کو آتا تو وہ مسکرا کر ملتی۔ ایسا ظاہر کرتی جیسے بہت بہتر ہے اور تنہا ہوتے ہی اس کے لبوں پر چپ کی مہر لگ جاتی، خصوصاً مومل سے وہ نگاہیں چرا رہی تھی، اس سے بچ رہی تھی۔ وہ اسے کوئی سوال پوچھنے کا کوئی موقع دینا نہیں چاہتی تھی جس کو پوچھنے کے لیے وہ مضطرب تھی۔

وہ بھلا اس کس طرح اس داستان کو دہرا سکتی تھی؟ جس میں اس کے جذبوں کا لہو شامل تھا، جس میں اس کی محبت کو بڑی درندگی سے قتل کیا گیا تھا جس میں اس کے اعتماد و اعتبار اور وفا کی دھجیاں اُڑا دی گئی تھیں۔ وہ وقت اسے کسی بھی لمحے نہیں بھولتا تھا۔ اس کا وہ لہجہ جو اس کا دل گھائل کرتا، تڑپاتا اور اندر ہی اندر رُلاتا تھا۔ بی بی جان نماز پڑھنے گئیں تو وہ بھاگ کر اس کے بیڈ کے پاس چلی آئی تھی۔ قبل اس کے بولنے کے نرس چلی آئی ڈرپ لگانے کے لیے۔

"ہیلو، آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟" نرس نے پہلی ڈرپ نکال کر دوسری لگاتے ہوئے دریافت کیا۔

"فائن"۔ مختصر جواب ملا۔

"یہ نشان کیسے ہیں؟" نیڈل درست کرتے ہوئے نرس کی نگاہ اس کی گردن پر پڑی تو چونک کر گویا ہوئی۔ حورین نے بے دھیانی میں گردن کے گرد لپٹا ہوا دوپٹہ جو سرک گیا تھا، گھبرا کر درست کیا۔

"ایسے ہی ہیں"۔

"دکھاؤ، کیسے نشان ہیں؟"

موحل پھرتی سے اس کی طرف آئی، اس کے پیچھے نرس تھی۔ موحل نے دوپٹہ اس کی گردن سے ہٹایا اور دوسرے لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ حورین کی صاف وشفاف جلد پر وہ چھوٹے چھوٹے سرخی مائل نشانات بڑے بدنما لگ رہے تھے۔

"یہ...... یہ کیا ہوا ہے؟ یہ نشان کیسے ہیں؟"

حورین خاموش رہی۔

"یہ سگریٹ کے نشان ہیں"۔ نرس نے آہستگی سے نشانات پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا، اس عمل پر وہ درد سے بے چین ہو گئی تھی۔

"آر یو شیور؟" موحل بدحواس ہو گئی۔

"آف کورس، یہ سگریٹ سے داغے گئے نشانات ہیں، ہمارے پاس ایسے کیسز آتے رہتے ہیں"۔ نرس کے لہجے میں یقین تھا۔ اس نے ٹرالی پر رکھے سامان سے ایک ٹیوب نکالی اور اس کو لگانے لگی۔ حورین نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

موحل تو گویا انگاروں پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ ایک اژدھام پریشانی و تفکرات کا۔ پہلے ہی کیا کم بے چینی اس پر سوار تھی، جو اب اس نئے انکشاف نے اسے زبردست طریقے سے متحیر کر ڈالا تھا۔

"حورین!...... حورین! یہ کیا اسرار ہے؟ تمہارا نروس بریک ڈاؤن، اور اب یہ سگریٹ کے جھلسے ہوئے نشان......؟ او گاڈ! میں پاگل ہو جاؤں گی۔ مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟" وہ اس کی محبت میں رو پڑی۔

"موحل!" کچھ توقف کے بعد وہ سپاٹ انداز میں گویا ہوئی۔ "تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو؟"

"واٹ! یہ کیسا سوال ہے؟" موحل نے روتے ہوئے حیرانی سے دریافت کیا۔

بحث مت کرو، صرف جواب دو"۔

"آف کورس، یقیناً بلکہ میری عمر بھی تم کو لگ جائے"۔

"تمہاری یہ دعا کسی "بددعا" سے کم نہیں ہے، کیونکہ مجھے اپنی زندگی اب سزا لگ رہی ہے اور سزا کا ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے"۔ موحل کی جذباتیت پر اس نے تڑپ کر سوچا۔

"پلیز، حورین! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو، جلدی کہو"۔

"تم چاہتی ہو کہ میں زندہ رہوں...... تم کبھی مجھ سے کوئی سوال مت کرنا، کچھ مت پوچھنا، کبھی بھولے سے بھی نہیں"۔

موحل نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا جو حتمی انداز میں کہتے ہوئے چہرے پر ہاتھ رکھ کر اس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

"ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ تم اتنی کٹھور کیوں بن رہی ہو؟ میں کس طرح اس معمے کو حل کروں؟ ڈوالون بھائی ایسی کوئی حرکت کر

سکتے ہیں جو ان کے کردار کو پاش پاش کردے؟ نہیں...... نہیں ...... میرا دل نہیں مانتا، جس کی نگاہیں صنفِ مخالف کو دیکھ کر جھک جاتی ہوں، جو لڑکیوں کو دیکھ کر احتراماً راستہ بدل لیتا ہو، وہ ایسی کوئی حرکت کرہی نہیں سکتا پھر حورین کو تو انہوں نے ہمیشہ بہت عزت و وقار دیا تھا"

حورین نے خاموشی اختیار کر کے چہرے پر بازو رکھ لیا تھا۔ موحل کچھ دیر اس کی جانب سراسیمہ انداز میں دیکھتی رہی اور اس کا سپاٹ و سرد بیگانگی بھرا انداز اسے باور کروا گیا کہ وہ اب کچھ نہیں بولے گی۔ اس کے اندر سوال در سوال کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ وہ خود سے اُلجھتی باہر گیلری میں آ کر تیزی سے سیل پر ایک نمبر پش کرنے لگی۔

☆......☆......☆

حیدر بے حد پریشان انداز میں ہسپتال پہنچا، اسے کونین نے کال کر کے بلایا تھا اور کوریڈور میں ہی وہ اسے مل گیا تھا۔

"کونین بھائی! اسد ٹھیک ہے ناں؟ ایکسیڈنٹ کس طرح ہوا؟ وہ کیسا ہے؟" کونین کے گلے لگ کر پریشانی سے استفسار کرنے لگا۔

"ہی از رائٹ، ڈاکٹرز کہتے ہیں اس کی کنڈیشن امپروو ہو رہی ہے مگر وہ خود زندگی سے دور ہونا چاہ رہا ہے۔ وہ اپنی ول پاور استعمال نہیں کر رہا۔ پرسوں رات سے آج تک اس نے آنکھیں نہیں کھولی ہیں...... جیسے...... جیسے وہ کبھی آنکھیں کھولے گا ہی نہیں"۔ حساس و نرم دل، بھائی سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا کونین روہانسا ہو گیا۔

"بھائی! آپ ہرٹ مت ہوں، وہ ٹھیک ہو جائے گا"۔ حیدر نے ان کے شانے پر بازو رکھ کر تسلی دی۔

"وہ ٹھیک ہونا ہی تو نہیں چاہ رہا"۔

"اگر آپ ہی ہمت ہار دیں گے تو پھر آنٹی اور نانو کو حوصلہ کون دے گا، پلیز...... ان کی خاطر خود کو سنبھالیے"۔

"میرا حوصلہ، میری ہمت تو وہی ہے جو روشنیوں کو چھوڑ کر اندھیروں کا باسی بننا چاہتا ہے۔ چلو شاید تمہاری محبت ہی اسے دوبارہ ہمارے درمیان لے آئے، وہ آنکھیں کھول کر جینے کی راہ پر چل پڑے"۔

کونین آنکھیں صاف کرتا ہوا حیدر کو اس کے روم میں لے آیا، جہاں موجود ایک باوقار و مہذب نظر آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ بے اختیار سلام کر بیٹھا۔ جواب بہت شفقت سے ملا تھا۔

"بابا! پرنس کا دوست ہے حیدر۔ حیدر! یہ ہمارے بابا ہیں"۔

مسرت و استعجاب کا زبردست جھٹکا حیدر کو لگا تھا۔ اس نے، اس بار ان کو بغور دیکھا۔ بارعب شخصیت، خوب صورت چہرہ، شفقت و حلاوت آمیز لہجے والے بابا میں اسے وہ بے رحمی و سنگ دلی ذرا نہ نظر آئی جو ایسے شخص میں نظر آنی چاہیے تھی جو ایسے وقت میں اپنے بچوں سے لاتعلق ہو گیا جب انہیں اس کی ضرورت تھی۔

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی انکل! ذوالنون نے ہر گھڑی، ہر پل آپ کی کمی محسوس کی۔ آپ کو بے حد مس کیا ہے"۔ وہ ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حمزہ نے دُکھ کے پکھ اور سنسناتے تیروں کو اپنے قلب میں پیوست ہوتے محسوس کیا۔

"بیٹا! میرے وظائف کا وقت ہو رہا ہے، میں ابھی اجازت چاہوں گا۔ انشاءاللہ، ملاقات ہوتی رہے گی"۔

حمزہ کمرے سے نکل گئے تھے۔ کونین بھی وہاں سے چلا گیا۔ وہ خود انہیں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ حیدر اسے دیکھ رہا تھا۔ سفید پٹیوں میں جکڑا اس کا جسم بہت کمزور لگ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر جو ہمہ وقت ایک دلکش سرخی چھائی رہتی تھی۔ وہ اب زردی میں بدل گئی تھی۔ وہ بیڈ پر اسی طرح لیٹا تھا گویا زندگی سے ہار گیا ہو، کبھی نہ اُٹھنے کے لیے۔ لمحے بھر کو حیدر کانپ اُٹھا۔ آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ جلد ہی اس نے خود پر قابو پایا اور اس کے بیڈ کے قریب چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"ذوالنون! ذوالنون میں جانتا ہوں، تم جاگ رہے ہو، آنکھیں کھولو، میری بات سنو، کیوں پریشان کر رہے ہو سب کو؟"

حیدر کے بار بار اصرار پر بھی اس کی کنڈیشن جوں کی توں رہی تھی۔

"محبت انسان کو روگی بنا دیتی ہے، جوگی بنا دیتی ہے لیکن..... تم پرفیکشن پرسٹ ہے جو "ڈھونگی" بن گئے ہو، ایکٹر بن گئے ہو"۔ حیدر اس کی بند آنکھوں کی جانب جھکا ہوا ہر لفظ چبا کر اور کاٹ دار انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں بڑی ذو معنویت تھی۔

"اپنی محبت کو قتل کر کے، کسی کی عزت و اعتماد کو روند کر، تم اس طرح دنیا سے فرار نہیں ہو سکتے ہو، تمہاری وحشتوں و سفاکیت کا حساب دیے بغیر تمہاری روح جسم سے آزاد نہیں ہو سکتی"۔ حیدر کے طنزیہ انداز نے اس کے بے حس و حرکت جسم میں کچھ ہلچل پیدا کی۔

"تم نے حورین کے ساتھ کیا کیا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے وہ-----"

اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی میکانکی انداز میں اس کی آنکھیں وا ہوئی تھیں جو سیدھی خود پر جھکتے ہوئے حیدر کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔

"اُف!" وہ سرتا پا لرز اٹھا تھا۔

زندگی کی چمک سے عاری کیسی بے جان آنکھیں تھیں۔ جذبوں کی پامالی کے لہو کی سرخی ان خوب صورت آنکھوں میں جم کر رہ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے یار! تم حورین کو اتنی پرسٹیج، اتنی ویلیو دیتے تھے کہ اس سے روبرو اظہارِ محبت کرنا بھی، محبت و شرافت کی توہین سمجھتے تھے، پھر...... اچانک یہ سب کیا ہے؟"

چند لمحے قبل بہت روڈ لہجے میں بات کرنے والے حیدر کے لہجے میں اس ٹوٹے، بکھرے صحراؤں کی طرح بے رونق چہرے کو دیکھ کر نرمی در آئی تھی۔

"یہ مجھے زندگی کی جانب سے ملنے والے گفٹس میں سب سے مہنگا تحفہ ہے"۔ اس کی آواز میں درد تھا، تڑپ تھی اور ہر لفظ گھائل تھا۔

"یہ سب کیا ہے برادر؟" حیدر دونوں ہاتھ سے سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھا تھا۔

"یقین، اعتماد، بھروسہ، سچ، مجھے نفرت ہے ان الفاظ سے"۔ دنیا بھر کی نفرت و کراہیت اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ اس کے لہجے، چہرے، آنکھوں سے جنونیت اور وحشت ٹپکنے لگی تھی۔

"ذوالنون! ایک گڈ نیوز ہے تمہارے لیے"۔ حیدر نے گھبرا کر بات بدلتے ہوئے کہا۔

"تمہارے بابا...... آ گئے ہیں، تمہاری بڑی آرزو تھی کہ وہ آ جائیں"۔

"میری اب کوئی آرزو، کوئی خواہش نہیں ہے۔ یہ فیلنگز زندہ لوگوں کی ہوتی ہیں۔ تمہارے سامنے ذوالنون سانس لے رہا ہے، باتیں کر رہا ہے لیکن زندہ نہیں ہے۔ وہ مر چکا ہے، مر گیا ہے"۔

وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد دفن کر دیے جاتے ہیں، دُنیا کے تمام دکھوں، مصائب و مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں مگر کچھ لوگ میری طرح بھی مرتے ہیں جو دفن نہیں کیے جاتے، اپنی لاش کاندھوں پر ڈالے نا معلوم کب تک مجھے یہ سانسیں لینی ہوں گی؟ نا معلوم کب تک موت کی اذیت محسوس کروں گا؟ جاؤ چلے جاؤ، میں سب سے تعلق توڑ چکا ہوں"۔

حیدر حیرت و صدمے سے گنگ اسے ہذیانی حالت میں چیختے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے عاری کوئی دیوانہ لگ رہا تھا۔ ڈاکٹرز اس کی آواز سن کر تیزی سے کمرے میں آ گئے۔

☆......☆......☆

منال کو مکافاتِ عمل کی اذیت نے ادھ موا کر دیا تھا۔ مستزاد جو ذلت و رسوائی انہیں اپنے کرموں کے سبب ملی تھی اس نے ان کا ذہنی سکون بھسم کر ڈالا تھا۔ وہ تمام طمطراق اور دبدبہ بھول کر کسی ہارے ہوئے شکستہ حال جواری کی طرح نڈھال تھیں۔ اندھیرے کمرے میں لیٹی وہ اندھیرے کا ہی حصہ لگ رہی تھیں۔ کل تک وہ جھوٹ و بہکاوے سراب کی مانند نظر آنے والے خوش گمانوں میں گم تھیں اور آج حقیقت کی دُنیا میں داخل ہوئیں تو معلوم ہوا وہ اس راستے پر گامزن تھیں جس کی منزل نہیں ہوتی۔ اس پر چلنے والا جب تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے تو پھر کسی سے نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہتا۔ کونین نے دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ذوالنون اور حیدر کی تمام گفتگو سن لی تھی۔ معلوم کرنے پر حیدر نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ حتیٰ کہ موحد نے فون پر اسے حورین کے متعلق پوری تفصیل بتا دی تھی تاکہ وہ ذوالنون سے معلوم کرے کہ معاملہ کیا ہے؟ اس نے کونین کو حورین سے ہونے والی پہلی ملاقات سے آخری تک ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ کونین جو خود محبت کے کڑے امتحان سے گزر چکا تھا، اس کا دل بھائی کے دُکھ کو محسوس کر کے نم ہو گیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ کچھ عرصہ قبل اس نے کم گو اور تنہائی پسند، بے حد ریزرو رہنے والے ذوالنون کے چہرے پر بڑی خوب صورت روشنی دیکھی تھی۔ وہ بدل گیا تھا اور محبت جذبہ ہی ایسا جو پتھر میں بھی پھول کھلا دیتی ہے، صحراؤں کو گلزار بنا دیتی ہے، ویرانے سجا ڈالتی ہے۔ اسے یاد آیا وہ ابھی اس سے پوری طرح یہ معلوم ہی نہ کر سکا تھا کہ اس کے پتھر دل کو کس پری وش نے، کس اپسرا نے موم کر ڈالا تھا۔

مما اور نانو نے بزنس میں کچھ اس طرح انوالو کیا کہ وہ بھول بیٹھا تھا۔ مما اور نانو کی جانب سے وہ پہلے ہی کچھ مشکوک تھا، حیدر کی باتیں، مما کا ہسپتال میں نانو سے جھگڑنا اور پھر نانو کا ناراض ہو کر لندن جانا اسے اُلجھا سا گیا تھا۔ ہسپتال سے وہ سید حاصد انکل کے ہاں

آیا جہاں آج کل ممامقیم تھیں۔ان کی ابتر حالت کے باعث دادو نے انہیں وہاں روک لیا تھا۔

"مما! پرنس کے ساتھ کیا ہوا ہے، آپ شاید جانتی ہیں پلیز...... پلیز بتادیں۔ آج پرنس نے حیدر سے بات کی ہے۔ اس کی کنڈیشن نارمل نہیں ہے، وہ اب نارمل ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے"۔

کونین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ منال بھی ضبط نہ کرسکی۔

"کاش! ہمیں یہ اس وقت معلوم ہو جائے جب ہم شر و فساد کے بیج بو رہے ہوتے ہیں۔ تنہائی میں لگائی جانے والی اس بیج کی فصل ہمیں تنہا نہیں ہجوم بیکراں میں کاٹنی ہوگی"۔

"مما! یہ فلاسفی کا وقت نہیں ہے، ہمیں پرنس کو بچانا ہے، اسے نارمل لائف کی طرف لانا ہے اگر کسی طرح وہ نارمل ہو بھی گیا تو...... سوسائیڈ کی کوشش کرسکتا ہے...... بلکہ ٹرائی کیا وہ ڈائریکٹ......"

"بس...... بس چپ ہو جاؤ، میں سب بتاتی ہوں، سب بتاتی ہوں"۔

"کیا ہوا بھئی، خیریت تو ہے ناں؟" ان کے رونے چیخنے کی آواز سن کر راحیلہ بیگم ہانپتی کانپتی اندر آگئی تھیں۔ ان کے بعد صنوبر بیگم، منتہیٰ، اریبہ، سونیا اور آخر میں حمزہ داخل ہوئے۔ منال بیگم ہاتھوں میں چہرہ چھپائے اٹک اٹک کر داستانِ ذلت و رسوائی بتاتی چلی گئیں۔

کمرے کی فضا بھیانک سکون سے بوجھل تھی۔ اشکوں میں ڈوبی مدھم سے لرزتی منال بیگم کی آواز وہاں گونج رہی تھی۔ کونین نے نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا۔ راحیلہ بیگم کے علاوہ سب ہکا بکا تھے۔ حمزہ صاحب سوچ رہے تھے کہ عورت جب قربانی دیتی ہے تو عظمت کی بلندیوں کو چھو لیتی ہے اور قربانی لیتی ہے تو پاتال کی پستیوں میں جا گرتی ہے۔

☆......☆......☆

حیدر نے کونین کے جانے کے بعد کھڑکی سے جھانک کر اسے دیکھا۔ وہ کچھ دیر قبل پاگلوں کی طرح چیخ چلا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت اور نگاہوں سے جنون جھلک رہا تھا جیسے ہوش و حواس سے بالکل عاری ہو۔ ڈاکٹرز کی دی جانے والی ٹریٹمنٹ کے باعث وہ اب بے سدھ پڑا تھا۔ ہر وقت کسی چٹان کی طرح مضبوط اور دریاؤں کی طرح رواں دواں رہنے والا شخص ریزوں کی طرح بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی بند آنکھوں اور چہرے پر ابھی بھی بکھرے جذبات اور مضطرب احساسات کی زردی تھی، کل وہ کیا تھا......؟ آج کیا ہو گیا؟

حیدر سے ضبط نہ ہوسکا، اس کا دل دوست کے دکھ سے پگھل کر آنکھوں سے بہنے لگا۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر کارنر پر بنی اسٹون بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے آنسوؤں کی آزادی کو سلب کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی۔ وہ روانی سے بہتے رہے۔ اس پر دوست کی محبت کی شدتیں کچھ اس طرح حاوی تھیں کہ وہاں سے گزرنے والے لوگوں کی بھی اسے پروا نہ رہی تھی۔ خاصی دیر بعد جذباتی غبار تمام کا تمام بہہ گیا تو اس نے رومال سے آنکھیں صاف کیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ موسم میں خنکی بدستور موجود تھی۔ اس کے قدم ایک بار پھر ڈالٹن کے کمرے کی جانب

تھے۔ گلاس ونڈو سے اس نے جھانکا، دواؤں کے زیر اثر وہ اسی طرح بے سدھ پڑا تھا۔ بیڈ کے قریب چیئر پر اس کے بابا براجمان تھے۔ ان کی انگلیاں سرعت سے تسبیح کے چمکتے وچمک دار دانے یکے بعد دیگرے گرا رہی تھیں۔ ان کے بارعب و پُرنور چہرے پر ایک جہاں کا دُکھ و کرب عیاں تھا۔ وہ نم آنکھوں سے ذوالنون کے چہرے کو تک رہے تھے۔ حیدر گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

محبت کسی بھی جذباتی تعلق سے وابستہ ہو کر اس کی طلب، اس کی شدت صحرا میں گم ہوئے پیاسے کی مانند ہوتی ہے، بروقت اگر پیاس سیراب نہ ہو تو محبت کی بیل کے سبز پتے زرد ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ پھول پھر کبھی نہ کھلنے کے لیے مرجھا جاتے ہیں اور پتی پتی ہو کر فضاؤں میں بکھر جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ تمام طلب...؟ شدت، احساس صحرا بن جاتے ہیں۔

اس شخص نے بھی بچپن سے محبت کی پیاس میں زندگی گزاردی تھی اور جب اس کی پیاس صحرا بن گئی تو محبتوں و شفقتوں کا ساگر اُمڈ آیا، نا معلوم کب وہ سیراب کرتا...... یا نہیں؟

☆......☆......☆

معا اسے یاد آیا کہ سوہل نے اسی ہسپتال کا بتایا تھا۔ وہ ذہن میں اس کا بتایا گیا روم نمبر یاد کرتا آگے بڑھا تو اگلی رو میں اسے کراس کر گیا، باہری ریلنگ کے قریب سوہل گم صم سی کھڑی تھی۔

"ہیلو...... سوہل!" اس نے قریب جا کر دھیرے سے کہا۔

"اوہ...... تھینکس گاڈ...... ! حیدر بھائی آپ آگئے"۔

"کوئی سیریس میٹر تو نہیں ہے؟ حورین کیسی ہے؟"

"بس...... ٹھیک ہی ہے"۔ وہ رنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"مطلب؟" وہ اس کے اشارہ کرنے پر چیئر پر بیٹھ گیا۔ اس سے کچھ فاصلے پر سوہل بھی بیٹھ گئی۔ وہ سخت مضمحل اور نڈھال سی تھی۔

شام اپنے سرمئی آنچل کو سمیٹ رہی تھی، ہسپتال کے لان میں بے شمار درختوں پر موجود پرندے اپنے اپنے آشیانوں کی جانب چکرا رہے تھے۔ ان کی آوازیں اس خاموش فضا میں پُرشور تھیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ذوالنون بھائی...... ہمارے اعتماد و اعتبار کو اس طرح تباہ کریں گے، محبت کو اس طرح رسوا کریں گے؟ آئندہ ہم کبھی ان پر ہی کیا، کسی پر بھی اعتماد نہ کر سکیں گے۔ آپ ان کا گریبان پکڑ کر معلوم کریں، کیا کیا ہے انہوں نے حورین کے ساتھ؟" سوہل کی دھیمی آواز میں ذوالنون کے لیے نفرت و ناپسندیدگی تھی۔

"حورین بے حد ڈسٹرب ہے۔ میرے اصرار کے باوجود وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ زیادہ اصرار کیا تو وہ دھمکی دیتی ہوئی گویا ہوئی کہ اگر اس کی زندگی چاہیے تو اس سے کچھ معلوم نہ کیا جائے"۔

"تو ابھی خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہے"۔

"واٹ! یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ آخر کہیں گے کیوں نہیں؟ دوست ہیں آپ کے وہ۔ ایک بہترین دوست وہی ہوتا ہے جو دوسرے دوست کے عیب کی پردہ پوشی ایمان داری سے کرے"۔

"پلیز موبل! بدگمانی وہ بھی اس طرح اچھی نہیں ہوتی"۔

"بدگمانی نہیں، حقیقت بیانی ہے، آپ ایسے نکلیں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس وحشی نے اسے سگریٹ سے داغا ہے اور بھی نہ معلوم......" موبل شدت جذبات سے خاموش ہوگئی جب کہ حیدر بُری طرح چونکا تھا۔ حورین کی گردن اور گردن سے نیچے سینے تک اس نے بھی وہ چھوٹے چھوٹے سرخ دائرے دیکھے تھے جو اس کی سفید رنگت پر نمایاں تھے۔

"اسٹاپ اٹ، موبل! پلیز آگے کچھ مت کہو، سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے، زمین و آسمان ایک ہو سکتے ہیں مگر...... مجھے یقین واثق ہے کہ ذوالنون کے کردار میں کبھی لغزش نہیں آسکتی۔ تمہاری دوست پہلی حسین لڑکی نہیں ہے، لاتعداد حسین و طرح دار لڑکیاں اس کے جنون میں مبتلا رہی ہیں۔ یہ تمہاری دوست کی خوش نصیبی ہے کہ ذوالنون کو اس کی نا معلوم کون سی کوالٹی ٹریکٹ کر گئی جو وہ اس کا اسیر ہو بیٹھا، ورنہ وہ حُسن و خوب صورتی کے فسوں میں گرفتار ہونے والا بندہ نہیں ہے، ہاں ہی اس کی محبت میں کوئی کھوٹ ہے، اگر یقین نہیں ہے تو آؤ میرے ساتھ"۔ موبل کے لہجے میں جو نفرت و بے اعتباری تھی وہ حیدر قطعی برداشت نہ کر سکا۔ موبل کو وہ دوسرے کوریڈور میں لے آیا جہاں اشارے سے اس نے، اسے گلاس ونڈو سے جھانکنے کو کہا۔

موبل جو ہکا بکا اس کے ساتھ آئی تھی، گلاس ونڈو کی دوسری طرف والے شخص پر نگاہ پڑتے ہی حیرانی سے ساکت و صامت رہ گئی۔

"یہ...... یہ...... یہ سب کیا ہے......؟ کیسے؟"

موبل کا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا، مارے وحشت کے وہ مزید کچھ کہہ نہ پائی۔

"یہ...... یہ محبت کی مثال، بے لوث چاہت اور بے غرض اُلفت ہے۔ اس سے بڑھ کر عشق کی سچائی کیا ہوگی کہ اگر...... اس کوریڈور کے اس طرف حورین بے سکون ہے تو اس طرف ذوالنون بے سدھ پڑا ہے۔

اپنی دوست کے جھلسے ہوئے چند نشان تمہیں تڑپا رہے ہیں تو اس کا زخموں سے چُور جسم کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ شخص اب زندہ رہنے کی تمنا نہیں رکھتا جس نے اپنی زندگی باپ کی واپسی کی دعائیں مانگتے ہوئے گزاری، اب برسوں سے مانگی گئی دعا پوری ہوئی بھی تو اس کے لیے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی حالت کا ذمے دار کس کو ٹھہراؤں؟"

"مائی گاڈ! یہ کیا سسپنس ہے؟"۔

"دونوں میں سے کوئی بھی بتانے کو تیار نہیں"۔

حیدر اس کے ساتھ حورین کے کمرے میں آ گیا۔ حورین نے چہرے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا، نا معلوم سو رہی تھی یا بن رہی تھی۔ بی بی جان جو مغرب کی نماز سے فارغ ہوئیں تھیں، اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

☆......☆......☆

تیزی سے بھاگتا ہوا وقت اپنے دامن میں بہت سے دل خراش و اذیت ناک حادثات و روتی، سسکتی کرب ناک یادیں سمیٹ کر لے گیا تھا۔ ان بدلتے ہفتوں اور دنوں نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔ وہ دونوں ڈسچارج ہو کر گھر جا چکے تھے۔ ذوالنون نے زندگی سے سمجھوتہ کیا تو تنہائی و خاموشی کو اپنا مسکن بنا ڈالا۔ ایک عرصے بعد لوٹ کر آنے والے باپ کی واپسی بھی اس کے مردہ احساسات کو مسرت کی جلا نہیں بخش سکی تھی۔ منال بیگم نے اپنے رویے کی معافی مانگنے کے لیے اس کے آگے ہاتھ جوڑے ہی تھے کہ اس نے بڑھ کر ہاتھ کھول دیئے ممکران کے قریب رُکا نہیں۔

منال سسرال میں ہی رہ رہی تھیں۔ فائقہ بیگم بیٹی کی بدلتی نظروں سے کم بدحواس تھیں کہ اس پر ان سب کا متحد ہو جانا انہیں بری طرح خوف زدہ کر گیا۔ وہ خاموشی سے ملک چھوڑ کر برہان صاحب کے پاس جا چکی تھیں۔

اپنائیت و غیریت میں صرف اتنا ہی فاصلہ تھا جہاں رشتے لالچ و طمع، غرض و مفاد سے بندھ جائیں، دولت و آسائشات محبتوں پر حاوی ہو جائے تو وہاں اپنوں کو غیر بننے میں کوئی وقت نہیں لگتا ہے۔ بے حس و بے وفا لوگوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے جو فائقہ بیگم کی سرشت تھی۔

آسمان کی نیلگوں وسعتوں میں اس کی نگاہیں گم تھیں۔ وہ اردگرد سے بے خبر سوچوں میں گم تھا۔ بدن پر لگے تمام زخم مندمل ہو گئے تھے۔ جسم پر لگے زخم رفتہ رفتہ بھر جاتے ہیں، ٹھیک ہو جاتے ہیں، دراصل زخم تو وہ ہوتے ہیں جو روح پر لگ جاتے ہیں جن سے ضمیر داغ دار ہو جاتا ہے جن سے عزت نفس و حمیت مجروح ہوتی ہے جو انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہے۔ اندرونی طور پر لگنے والے زخموں کی ٹیسوں نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔ وہ جس قدر اس دشمنِ جاں کے تصور سے بھاگ رہا تھا، وہ اسی قدر ہی اس پر حاوی تھی۔ وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا، بھول جانا چاہتا تھا مگر وہ آنسوؤں سے بھیگا گلاب چہرہ۔

خوف سے بھری سحر انگیز نگاہیں۔

دُکھ سے کپکپاتے یاقوتی لب۔

اس کا ہر آنسو، ہر سسکی اس کے اندرونی زخموں پر نمک پاشی کرتی تھی اور وہ دُکھ و درد سے تڑپ اُٹھتا تھا۔ اپنی وحشت بھری حرکتیں یاد آتیں تو وہ بے خود سا ہو کر تڑپ اُٹھتا اور خود کو اذیتیں دینے لگتا اس کے باوجود سکون سے کوسوں دور تھا۔

حورین...... اس کی پہلی و آخری محبت، عشق، چاہت، محبت کی تمام شدتیں جس سے منسوب تھیں۔ جس نے محبت کی دل کشیوں سے جذبات و احساسات کو رنگین کیا تھا، جس نے دل و جاں کی تمام ترسچائیوں سے اسے چاہا تھا، پانے کی طلب تھی...... اور وہ طلب وقت کے بے رحم پنجوں میں پھنس کر ہمیشہ کے لیے "تڑپ"، "جدائی" اور "حسرت" بن گئی تھی۔

"ذوالنون!" ایک شکستہ سا ہاتھ اس کے شانے پر آ کر ٹھہر گیا۔

"جی...... بابا جان!" وہ رُخ بدل کر سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

"طویل مدت بعد ہم اس طرح ملے ہیں جیسے دو اجنبی ملتے ہیں۔ میں ہزار بار یہ اقرار کر چکا ہوں اور مرتے دم تک کرتا رہوں گا

جو میں نے غلط وجذباتی قدم اُٹھا کر کیا۔ تم لوگوں کے حقوق وفرائض، ذمے داریوں سے مجھ سے جو پہلوتہی ہوئی ہے وہ مجھے تاحیات شرمسار رکھیں گی کہ......"

"پلیز بابا جان! آپ اتنے سینٹی مینٹل کیوں ہو رہے ہیں جو ہمارے مقدر میں تھا مل گیا۔ گزرا وقت لوٹ نہیں سکتا پھر اب ان پچھتاؤں سے کیا حاصل، یہ سب لاحاصل اور انتہائی فضول ہے"۔

اس کے وجیہہ چہرے پر صدیوں کی تھکن واُداسی رقم تھی۔ سرمئی آنکھوں کی شفاف سطح پر اذیتوں کا الاؤ سلگ رہا تھا۔

"تم لوگوں کو چھوڑ کر جانے کے بعد کوئی ایسا دن نہیں گزرا جو میں نے یاد نہ کیا ہو، ہر پل، ہر ساعت میں نے تم سب لوگوں کو یاد کیا ہے، پھر سوچا کہ سب بھول کر تم لوگوں کے پاس آجاؤں لیکن ذمے داریوں نے جکڑے رکھا اور نا معلوم کب تک میں تم سبھوں کی یاد کو سینے سے لگائے خود پر جبر کرتا۔ تمہاری اچانک گاؤں آمد میری محبت کی دید کو سیراب کر گئی تھی"۔

"آپ نے پہچان لیا تھا مجھے؟" اس کا انداز جنوز تھا۔

"ہاں، اسی لئے"۔

"کس طرح؟ اتنی طویل مدت کے بعد بھی......"

"میں نے تمہیں اور کومین کو کبھی دل سے دور نہیں ہونے دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے نقوش میرے شعور میں بنتے رہے، آگہی مجھے عکس فراہم کرتی رہی جب تمہیں دیکھا تو مجھے ذرا دقت نہیں ہوئی شناخت کرنے میں۔ یہ فرق صرف یہ تھا کہ تم بہت سوبر اور کم گو ہو گئے تھے"

"یہ کیسی محبت ہے؟ شفقت کا یہ کون سا روپ ہے؟ جس نے آپ کو اس وقت بھی بیٹے کو بیٹا کہہ کر سینے سے لگانے پر مجبور نہیں کیا......اب بھی آپ کہتے ہیں کہ آپ نے ہمیں پل پل مس کیا ہے؟" اس کا لہجہ نرم تھا مگر لفظ بڑے سخت و نوکیلے تھے۔

"دل تو بہت بے قرار تھا، بے حد مضطرب اور بے چین مگر میں حوصلہ نہ کر سکا۔ بزدل تھا، بے ہمت و کمزور۔ مجھے خوف تھا اگر تم نے پہچاننے سے انکار کر دیا تو وہ سارا مان اور یقین ٹوٹ جائے گا جس کے بھروسے پر اتنا وقت گزارتا رہا ہوں اور دیکھو تمہاری محبت و لگن نے وہاں سے ایسا دل اُچاٹ کیا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ سوچا تھا جاتے ہی اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگاؤں گا۔ سالوں سے اسی خواہش میں جیتا رہا ہوں"۔

حمزہ کے چہرے پر جدائی کی مسافت اُبھر آئی۔ وہ شفقت بھری نگاہوں سے روٹھے روٹھے سخت بدظن ہوئے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"میری غلطی کبھی معاف نہیں ہو گی بیٹا! اپنے بابا کے سینے سے نہیں لگو گے؟ ساری زندگی ترسنے والا یہ بدنصیب باپ اب بھی ترستا رہے گا؟" حمزہ کے بھیگے لہجے میں جدائی کی اذیتیں سسکیاں بھر رہی تھیں، وہی سسکیاں جو اس کے اندر گونجا کرتی تھیں، وہی مانوس سا

درد، شناسا سی اذیت آج وہ وجود پوری شفقت سے بازو وا کیے اس کے سامنے تھا جس کو اس انداز میں بارہا اس نے خوابوں میں دیکھا تھا۔

''آ جاؤ میرے بچے! اب مزید انتظار کی تاب نہیں ہے، قبل اس کے کہ یہ وجود بھر بھری مٹی کی طرح ڈھے جائے، سمیٹ لو اپنے مضبوط بازوؤں میں۔''

بیگانگی و خفگی کی برف لازوال و صادق جذبوں کی آنچ سے پگھل کر اپنا وجود لیے بھر میں کھو بیٹھی تھی۔ وہ خود پر زیادہ جبر نہ کر سکا۔ وہ اسی انداز میں ان کے سینے سے لگا جیسے بچپن میں لگتا تھا۔ حمزہ کی آنکھیں فرطِ مسرت سے جھر جھر بہہ رہی تھیں، وہ بار بار اسے چوم رہے تھے، بے تحاشا پیار کر رہے تھے۔

''بہت دیر کر دی بابا جان! آپ نے آنے میں۔'' اس کے اندر دور تک صدا ابھری۔

''وعدہ کریں آپ اب کبھی روٹھیں گے نہیں؟''

''جس سے زندگی روٹھ گئی ہو وہ پھر کسی سے روٹھنے کا حق نہیں رکھ سکتا۔''

''پرنس میری روح! ابھی بھی خفگی برقرار ہے۔ کیا بابا کو معافی نہیں ملے گی؟'' اس کی خاموشی سے گھبرا کر وہ استفسار کر بیٹھے۔

''ڈونٹ کیئر بابا جان! وقت گزر گیا ہے، شکوے شکایات کا، ناں میں آپ سے پہلے خفا تھا اور ناں اب ناراض ہوں۔'' بے حد عام سے لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ محبت کی وہ ولولہ خیزی و احساسات کی روانی سے محروم سپاٹ و غیر جذباتی لہجہ۔ حمزہ دم بخود رہ گئے۔

''ذوالنون! محبت پانا مشکل ہے اور پا کر کھونا اس سے زیادہ مشکل۔ اس پانے اور کھونے کے درمیان اگر سچائی و صداقت سے بھرپور ''چاہ'' کے جذبے نہ ہوں تو محبت و رفاقت کے تمام احساسات خجالت بن جاتے ہیں۔ ''محبت'' نام ایک ہے مگر اس کے وجود سے بہت سے احساسات و جذبات چپٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بہت رنگ، بہت روپ ہیں، ضرورت ہوتی ہے ان کو پہچاننے کی، سمجھنے کی، اگر ان کو شناخت کرنے میں معمولی سی بھی لغزش ہو گئی تو کئی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں، خاندان بکھر جاتے ہیں جیسے ہمارے ساتھ ہوا۔ کرن جو میری پھوپھو زاد تھی، عمر کی جولانی میں مدہوش ہو کر، میں اس کی پاکیزہ محبت کو کوئی اور ہی رنگ دے بیٹھا تھا۔ جب حقیقت کا ادراک ہوا تو شرمندگی در شرمندگی کے بحر میں غرق ہو گیا تھا۔ گناہ دانستہ کیا گیا ہو یا نا دانستہ، انسان کو اس وقت تک بے سکون رکھتا ہے جب تک اسے معافی نہیں مل جائے کہ ان کی محبت کو میں نے غلط سمجھا۔ اس احساس نے مجھے بے کل کیا ہوا ہے۔''

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''مثال نے جو کچھ بھی کیا وہ سراسر غلط اور ناجائز تھا، انسان جب عقل و شعور کے در بند کر کے گھٹیا جذباتی پن اور دل کے کہنے پر چلتا ہے تو اسی طرح ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گرتا ہے، اسی طرح اس عاقبت نا اندیش عورت کی یہ حالت ہے کہ وہ خود سے نگاہ ملانے کے قابل نہیں ہے۔''

''بابا جان! پلیز میں اس ٹاپک کو کلوز کرنا چاہتا ہوں۔''

"ضروری نہیں ہے بیٹا! جو غلطیاں ہم سے سرزد ہوئیں۔ وہ تم سے بھی ہوں۔ اپنی ماں کو معاف کر دو وہ ماں صرف ماں ہوتی ہے۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں گردن ہلا دی۔

☆......☆......☆

ایک بار پھر وصی کے سسرال کے بڑوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ بی بی جان کی خواہش تھی کہ جلد از جلد وہ ان فرائض سے سبکدوش ہو جائیں، اس دوران انہوں نے سب کے رشتے ان کی رضا اور خوشی سے آپس میں ہی طے کر دیے تھے۔ حیدر کے گھر والوں کے اصرار پر وہ زویا کی شادی کی تیاریاں بھی کر رہی تھیں۔ بڑھائی سے ویسے بھی اس کی خاص دلچسپی نہ تھی۔

گھر میں گہما گہمی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر کوئی خوش و مطمئن نظر آتا تھا۔ ماسوائے اس کے جو اس انداز میں برباد ہوئی تھی کہ کئی ہفتے گزرنے کے باوجود وہ خود کو سنبھال نہ پائی تھی۔ بظاہر وہ نارمل تھی مگر ایک عجیب سی خاموشی و سکوت اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ وہ جو ہنگاموں کی شوقین اور ایڈونچر کی شیدائی تھی، تنہا اور خاموش رہنا جس کی سرشت نہ تھی وہ اب گھر کے ویران گوشوں میں گھٹنوں تنہا بیٹھی دکھائی دیتی۔

"حور! کب تک دل پر بوجھ برداشت کرتی رہو گی؟ جو کہنا ہے کہہ دو۔ ضمیر کی تکلیف ہر تکلیف سے بڑی ہوتی ہے اگر بروقت اس سے گلوخلاصی نہ کی جائے تو بہت پیچیدہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔"

جذبات آج پھر بری طرح مضطرب تھے دل کی وحشتوں سے گھبرا کر وہ لان کے سنسان حصے میں گھٹنوں میں منہ چھپا کے بیٹھی تھی۔

"بی بی جان! آپ یہاں؟" انہیں قریب دیکھ کر وہ گویا ہوئی۔

"ہاں...... تم ہر وقت میری نظروں میں ہوتی ہو۔"

"آپ کیوں بے سکون ہوتی ہیں میری خاطر؟"

"جس گھر کے بچے بے سکون ہوں وہاں کے بڑے کس طرح سکون سے رہ سکتے ہیں۔" وہ اپنائیت بھرے انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اگر میں کہوں کہ مومل کے علاوہ میں بھی تمام باتوں سے واقف ہوں تو......؟"

ان کے انداز پر وہ جی جان سے لرز اٹھی، لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"خوفزدہ مت ہو، اسپتال میں تمہاری اور مومل کی اور مومل و حیدر کی گفتگو سب سن چکی ہوں۔ تمہاری اور مومل کی ہونے والی گفتگو نے مجھے در پردہ تمہاری گفتگو سننے پر مجبور کیا کیونکہ جب گھر میں جوان بچے ہوں خصوصاً لڑکیاں تو بڑوں کو غفلت کی نیند نہیں سونا چاہیے۔"

"بی بی جان! مجھ سے غلطی ہو گئی...... مجھے معلوم نہ تھا کہ ایسا ہو گا۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"غلطی تم سے نہیں، ہم سے بھی ہوئی ہے، نا معلوم کس طرح چوک ہو گئی جو اس طرح ہوا...... لیکن اللہ کا شکر ہے اس نے لاج رکھ لی۔"

"مجھ جیسی لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے بی بی جان۔ پہلی بار میں نے مما اور پپا کے اعتبار کو مجروح کیا اور جوابا اس انداز

سے دھتکاری گئی کہ جذبوں وچاہتوں کے وجود پر یقین کھو بیٹھی ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے حورین! تم کو اپنی غلطی کا احساس ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ بیٹیاں فقط والدین کی عزت کا تاج ہی نہیں بلکہ خاندانوں کی حرمت ہوتی ہیں۔ شجاعت و بہادری سے لبریز آنے والی نسلوں کی امین ہوتی ہیں۔ ہمارے نازک شانوں پر بڑی بھاری ذمے داریاں ہوتی ہیں اگر خدانخواستہ ہمارا ایک قدم بھی ڈگمگا جائے، بہک جائے تو نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ عزت بنانے میں عمریں رائیگاں ہو جاتی ہیں۔ عزت مٹنے میں لمحہ بھی بہت ہے۔" بی بی جان رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔ اس کے آنسو خاموشی سے بے حد بہ رہے تھے۔

"اٹھو، آؤ میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"کہاں؟"

"کرن اور انس کے پاس، بتا دو ان کو حقیقت تا کہ اعتماد و بھرم بھی پارہ پارہ نہ ہو اور تمہاری سعادت مندی و فرماں برداری بھی قائم رہے۔"

"نہیں..... نہیں بی بی جان! مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ میں نے بہت کوشش کی مما..... پپا کو بتانے کی مگر ہمت نہیں ہوئی۔ وہ کیا سوچیں گے؟ ان کے پیار اور اعتماد کا یہ صلہ ہے؟ ممی نے کتنا سمجھایا تھا۔ کتنی فکر کرتی تھیں۔ مگر نا معلوم کیا ہوا..... میں دھاگے کی طرح کھنچتی چلی گئی۔" ندامت اور پشیمانی سے اس کی نظریں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ان کے کمرے میں لے آئیں۔ وہ آتے ہی انس کے سینے سے لگ کر معافی مانگنے لگی۔ ہسپتال سے آنے کے بعد سے وہ ان سے دور دور رہنے لگی تھی۔ اسے یہ احساس شرمندگی ان کے قریب نہیں آنے دیتا تھا کہ وہ ان کے اعتماد کو مجروح کر کے ذوالنون سے ملنے لگی تھی۔

بی بی جان نے حورین کے پاس جانے سے قبل انس صاحب اور کرن کو بتا دیا تھا جسے سن کر کرن خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ اسی ڈر کی وجہ سے حورین کو کراچی بھیجنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہونی ہوتے وقت نہیں لگتا۔ کسی غیبی طاقت نے ان کی عزت کی حفاظت کی تھی۔ وہ سب رب کا شکر ادا کر رہے تھے۔ حورین سے انہیں کوئی شکایت نہیں تھی۔ پہلی بار اس نے نامناسب قدم اٹھایا تھا جس پر وہ دل سے نادم اور شرمندہ تھی۔ کرن نے بھی اسے معاف کر دیا تھا۔

"تھینکس بی بی جان! آپ کی وجہ سے مجھے یہ سرخروئی حاصل ہوئی ہے اگر آپ مدد نہ کرتیں تو میں اندر ہی اندر گھٹ کر مر گئی ہوتی۔" وہ بی بی جان کا ہاتھ چومتے ہوئے گویا ہوئی۔

☆......☆......☆

"یا رب! حاضر ہوں۔ تیرے روبرو، تیری یہ بھٹکی ہوئی گناہ گار، خطاکار، ظالم و عاصی بندی، جو کل تک خود کو بہت اعلیٰ و برتر سمجھتی تھی ابلیس کے بہکاوے میں آ کر خود کو مختار کل سمجھنے لگی تھی۔ اس جھوٹی اور سطحی خوش فہمی نے میرا گلشن خزاں برد کر دیا۔ آج بھی تہی دست و تہی داماں، بے سکون اور بے قرار ہوں۔ ایک ماں اپنے بچوں کی نگاہوں سے گر کر بھلا کیسے خوش رہ سکتی ہے؟

"اے غفور الرحیم! تعریف کے لائق صرف تیری ذات ہے۔ تمام بڑائیاں تجھ ہی کو زیب دیتی ہیں۔ بے شک تو معافی کو پسند کرتا اور معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اے آدم کو معاف کرنے والے، مجھے بھی معاف کردے۔ میں تمام خطاؤں کی معافی مانگتی ہوں۔"

رات کے سناٹے میں سسکیاں بھرنے والی آواز کسی مجبور بے بس عورت کی تھی۔ غرور و طنطنہ، تفاخر و برتری ساحل کی ریت کی طرح بیٹھ چکی تھی۔ اندر داخل ہونے والی راحیلہ بیگم نے افسردگی سے سجدے میں گری زار و قطار روتی ہوئی منال بیگم کی طرف دیکھا۔

"وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جو دوسرے کو ٹھوکر کھاتے دیکھ کر سنبھل جاتے ہیں، تمہاری اور میری بدنصیبی یہ رہی کہ ہم نے کبھی اپنے کیے پر نظرثانی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اقتدار کی مسند پر بیٹھ کر یہی سوچا کہ اختیارات کا چابک کبھی ہمارے ہاتھ سے نہیں گرے گا۔ ظلم و بالادستی کی حکمرانی سدا قائم و دائم رہے گی۔ ظلم کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ظلم کی رات کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن حق و سچائی کا سویرا اسے نگل لیتا ہے، مٹا دیتا ہے۔ باطل مٹنے کے لیے ہی ہے جو اس کے زیر اثر ہوتا ہے۔ اس کا بھی یہی عبرت ناک انجام ہوتا ہے جو میرا اور تمہارا ہے۔"

سلام پھیرنے کے بعد منال بیگم نے ساس کو قریب بیٹھے دیکھا تو بولیں۔

"نا معلوم کتنے عرصے بعد میں نے اپنے رب کو سجدہ کیا ہے، بڑی انوکھی لذت و طمانیت محسوس کی ہے۔ نماز کا تو سرور ہی الگ ہے۔"

"ہاں بھو! وہ ذات اپنے بندوں کو ہر طرح نوازنے والی ہے۔"

"آنٹی!" منال نے ان کے شانے پر سر رکھتے ہوئے بھیگے لہجے میں کہا۔ "میں دعا مانگتی ہوں، آپ بھی دعا مانگیں کہ اللہ مجھے معاف کردے جب وہ معاف کردے گا تو سب کردیں گے۔ میرے بچے بھی کردیں گے۔ ان کی نگاہوں میں اپنے لیے بیگانگی و سرد مہری مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ کونین تو میری طرف دیکھتا ہی نہیں اور ذوالنون تو سب سے ہی بیگانہ رہنے لگا ہے۔ اس نے تو اپنی طرف بھی دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس سب کی ذمے دار میں ہوں۔"

"رو نہیں، انا کی قید سے ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ کل جن اپنوں کو ہم نے چھوڑا تھا، آج ان کو ہم اپنائیں گے۔ کل جن چراغوں کو ہم نے پھونکوں سے بجھایا تھا۔ ان کو اگر اپنے لہو سے روشن کرنا پڑا تو ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ کرن اور انس کے پاس چلیں گے۔ ان سے معافی مانگیں گے، ان کو منائیں گے۔" راحیلہ بیگم دل کی خواہش زبان پر لے آئی تھی۔

"آنٹی! کیا یہ ممکن ہے؟ وہ مان جائیں گے؟" ساس کی بات نے جہاں ایک نئی روح پھونکی تھی وہاں وسوسے بھی تھے۔

"جب کوئی عمل نیک نیتی و بھلائی کے لیے کیا جائے تو رائیگاں نہیں جاتا۔ بند دروازوں پر جب بار بار اور مسلسل دستک دی جائے تو وہ کھل ہی جاتے ہیں۔ ہمارے لیے بھی یہ عمل مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں پھر کرن جس صابر و نیک ماں کی بیٹی ہے، مجھے معلوم ہے وہ زیادہ وقت ہم سے خفا نہیں رہ سکتی، ماں کی خصلت اس میں بھی ہے۔"

راحیلہ بیگم کی حوصلہ افزائیوں نے گویا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دیا تھا۔

☆-----☆-----☆

عمر کا طویل حصہ کرن نے پہلے محرومیوں و دکھوں میں بسر کیا تھا پھر قسمت نے کروٹ لی، وہ جو کرن برہان بن کر پستیوں میں گری ہوئی تھیں، کرن انس بن کر یکدم ہی بخت کی بلندیوں کو چھونے لگیں۔ جہاں بخت ان پر مہربان ہوا تھا، وہیں خوف و فکر نے بھی اپنے حصار میں لیے رکھا تھا جس نے کبھی بھی انہیں سچی مسرتوں سے ہمکنار ہونے نہ دیا تھا اور ان کی لاشعور میں کنڈلی مارے بیٹھا وہ خوف حورین کے حوالے سے سچ ثابت ہو چکا تھا۔ بی بی جان کے سمجھانے کے باوجود وہ یہاں رہنے کو تیار نہ تھیں۔ ان کو یقین تھا منال انتقام لیے بغیر ماننے والی نہیں ہیں۔ وہ پھر وار کریں گی۔ انس صاحب بھی اس بار خاموش تھے۔ وہ گھر جو انہوں نے بڑی محبت سے مرمت کروایا تھا جس کا نام آشیانہ رکھا تھا اس میں انہوں نے پھر قدم نہ رکھا۔ ساتھ ہی حورین کو یونیورسٹی جانے سے بھی روک دیا تھا۔ وسی اور زویا کی شادیوں کے بعد ان کا یہاں سے جانے کا ارادہ تھا۔ ایسے میں حیدر کے ہمراہ پروفیسر آفتاب حسن کی آمد و رفت نے خزاؤں میں بہاروں کے شگوفے کھلانے شروع کیے تھے۔

پروفیسر آفتاب جو کچھ عرصہ باہر گزار کر آئے تھے، ان کے یہاں آنے پر خوشیاں اور کچھ پریشان کن حالات ان کے منتظر تھے۔ حمزہ صاحب کی آمد سے لے کر منال بیگم کی سیاست اور حورین و ذوالنون کے درمیان ہونے والے ناخوش گوار تعلقات بھی انہیں معلوم ہوئے پھر حیدر کی کوشش کے باعث وہ بی بی جان سے ملے کیونکہ یہاں سب ہی کرن سے ملنے کو بے تاب تھے جن میں راحیلہ بیگم اور منال پیش پیش تھیں البتہ یہ تمام باتیں ذوالنون سے پوشیدہ تھیں۔ حیدر نے بھی اسے نہیں بتایا تھا۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ حورین اس کی فرسٹ کزن ہے۔ حیدر اور سر آفتاب کی ہمراہی میں بی بی جان نے ایک ملاقات منال، راحیلہ بیگم، حمزہ اور صمد صاحب وغیرہ سے کی۔ ان کی جہاندیدہ و زیرک نگاہوں نے بھانپ لیا کہ ماضی میں جو ان سے ہوا، سو ہوا مگر اب وہ سچے دل سے اپنے رویوں پر تائب ہو چکے ہیں۔ ان کے دوستی کے لیے بڑھے ہاتھوں میں خلوص، محبت و اپنائیت کے پھول ہیں جن میں وفا و ایثار کی خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ بی بی جان نے کرن اور انس سے عندیہ بیان کیا تو پہلے پہل تو وہ دونوں بھونچکا گئے اور پھر حیرت سے گم صم ہو گئے۔

”بی بی جان! یہ ان کی نئی چال ہے وہ اپنی ناکامی کو بدلنے کے لیے بہروپ بدل رہے ہیں۔ وہ بھی معاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔“

”کرن ٹھیک کہہ رہی ہے بی بی جان! وہ جس قسم کی عورت ہے آپ نہیں سمجھتی ہیں وہ بہت چالاک و عیار عورت ہے۔“ انس صاحب نے کرن کی تائید کرتے ہوئے انہیں سمجھانا چاہا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں تم لوگوں کی احتیاط و بے اختیاری کو جو تم لوگوں کے ساتھ ہوا ایسے اسی طرح کے فاصلے و نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔ سانپ کا ڈسا رسی سے بھی خوفزدہ رہتا ہے مگر جس طرح موسم کبھی ایک سا نہیں رہتا۔ وقت بدلتا رہتا ہے اسی طرح انسان بھی تبدیلیوں کی زد میں رہتا ہے۔ کل تک پہاڑوں کی طرح مضبوط نظر آنے والے آج کمزور تر دکھائی دیتے ہیں۔ آسمان کی طرف منہ کر کے چلنے والے ویسے بھی جلد زمین بوس ہوتے ہیں۔ کیا حرج ہے میرے بچو! ہر کام ہم اپنی رضا کے لیے کرتے ہیں اگر ایک کام اپنے رب کی رضا کے لیے کر لیں تو کتنی بڑی سعادت ہے۔“

بی بی جان کی آخری دلیل کے آگے پھر کسی انکار کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ ویسے بھی محبت پھول ہے اور نفرت کانٹوں و انگاروں کا وجود رکھتی ہے جب چاہت و مروت کے پھول ہر سو مہک کر دلوں سے نفرت و بغض کی کثافت کو دور کر رہے ہوں تو کون دامن جھٹک کر ناشکری کرتا ہے۔ وہ شام بڑی خوب صورت و دلکش تھی۔

برسوں کے بچھڑے ایک ہو گئے تھے۔ وسیع و عریض لان میں صوفوں پر وہ براجمان تھے۔ بی بی جان خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل وہ خود راحیلہ بیگم، منال، حمزہ اور صمد کو لے کر آئیں۔ باقی لوگ مصلحتاً ساتھ نہ آئے تھے کہ بعد میں تو آنا جانا رہنا ہی تھا۔

راحیلہ بیگم اس محبت سے ملی تھیں کہ ان کے آنسوؤں نے ماضی کی تمام زیادتیاں دھو ڈالی تھیں۔ ان کا دل صاف ہو گیا تھا۔

منال سے تو کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ ان کا ٹوٹا بکھرا، شکستہ وجود، شرمندگی سے جھکی جھکی آنکھیں مسلسل بہتے اشک اور ندامت کرن کے گداز دل کو مزید موم کر چکے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا لیا اور خود بھی رو پڑیں۔ یہ آنسو خوشی کے تھے۔ حمزہ نے بڑھ کر کرن کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ان کے انداز میں بڑے بھائیوں والی شفقت و اپنائیت تھی۔ صمد صاحب نے بھی آگے بڑھ کر کرن کو گلے سے لگا لیا۔ بکھرے موتیوں کی مالا یکجا ہو چکی تھی۔

نفرت، غصے و انتقام کے بادل چھٹ چکے تھے۔ ہر طرف اب محبت، سکھ، اپنائیت و یگانگت کی خوش رنگ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سمیرا، حمیرا، فاریہ ملازماؤں کے ساتھ مل کر کچن میں مصروف تھیں۔ چائے اور اسنیکس کا دور چل رہا تھا۔ وہ سب لان میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ینگ جنریشن کے لیے یہ حقیقت بڑی دلچسپ و حیرت انگیز تھی کہ ان کی سگی پھوپھو تھی وہ سب ان کے درمیان تھے۔ ماسوائے حورین کے جو خود ہی ان کے درمیان نہیں آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”پرنس! کافی ٹائم ہو گیا ہے، تم نے شاپنگ نہیں کی چلو ابھی چلتے ہیں۔ تمہارے ساتھ میں بھی شاپنگ کر لوں گا ہم بابا اور مما کے لیے بھی شاپنگ کریں گے۔“ کونین آ کر اس سے مخاطب ہوا۔

”مجھے ضرورت نہیں ہے آپ چلے جائیں۔“

”یہ کب تک چلے گا یار! تم کب تک اس طرح اپنے ساتھ ہم کو بھی سزا دیتے رہو گے؟ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔“ کونین نے نرم لہجے میں سرزنش کی۔

”میں نے کوئی حد کراس نہیں کی، نہ ہی میں سزا دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔“

”یہ سزا نہیں تو کیا ہے؟ نہ تم بابا کو کمپنی دیتے ہو، نہ مما سے بات کرتے ہو۔ دادو، انکل، آنٹی، گھر کے ہر فرد کو نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں کچھوے کی طرح منڈی دبائے بیٹھے رہتے ہو۔ بابا خود کو تمہارا گناہ گار سمجھتے ہیں تو مما مجرم۔“

”سب کی اپنی لمبا نگہ ہیں میں نے کسی کو فورس نہیں کیا۔“ اس کے دھیمے لہجے سے خفگی و برہمی جھلک رہی تھی۔ کونین نے نظر بھر کر

اسے دیکھا اور اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

فراخ پیشانی۔

خوب صورت سرمئی آنکھیں جن میں ملال کا رنگ واضح تھا۔

ایک جہاں کا درد و رنج بسا تھا ان آنکھوں میں۔

مایوسی، اداسی، ہجر، فراق، حزن و ملال۔

"پرنس! میری جان! میرے بھائی!" وہ اسے پوری شدت سے سینے سے لگا کر گویا ہوا۔

"مما کو معاف کر دو، تمہاری خاطر وہ بدل گئی ہیں۔ بالکل چینج آ گیا ہے ان میں اگر تمہاری بے اعتنائی و بے رخی اسی طرح قائم رہی تو......انہیں کچھ ہو جائے گا۔ وہ کرن آنٹی اور انس انکل سے معافی مانگ چکی ہیں۔"

"ہونہہ جب یہی سب کرنا تھا تو اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کے لہجے میں اژدھے کی سی پھنکار تھی۔

"جذبات انسان کو اندھا کر دیتے ہیں۔"

"میری تو زندگی ہی اندھی ہو گئی ہے، سب کے لیے بھولنا آسان ہو گا لیکن میرے لیے نہیں کیونکہ میں نے اپنی کشتیاں اپنے ہاتھوں سے جلائی ہیں۔ میرے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

"ہیلو! یہ کیا ہر وقت مجھ سے چھپنے کی کوشش میں لگی رہتی ہو۔ عجیب دوستی ہے تمہاری جو تم میری پروا بھی نہیں کرتی۔" کافی دن بعد ہریرہ کو حورین ملی تو وہ شکوہ کر بیٹھا۔

"ہم روز ہی تو ملتے ہیں۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"دور دور سے ایک جھلک۔"

"اوہ......فضول۔"

"بی بی جان نے گھر کے تمام لڑکے لڑکیوں کو ٹھکانے لگا دیا، ہم کو کس خوشی میں چھوڑا ہے، کہیں خدانخواستہ ہمیں کنوارہ رکھنے کا ارادہ تو نہیں ہے ان کا؟"

"اوہ مائی گاڈ! تم اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہو؟"

"جو بات ہے وہ کر رہا ہوں۔"

"بکواس، تم صرف اپنی فکر کرو، میری فکر کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آئی سی، اتنے ڈھیروں کزنز مل گئے اس وجہ سے مجھے ناک آؤٹ کر رہی ہو تم۔" وہ منہ پھلا کر گویا ہوا۔

"تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا احمق۔" وہ مسکرائی۔

"اوہو، بالآخر آج تم نے اقرار کر ہی لیا کہ میری جگہ کوئی نہیں لے سکتا"۔ ہریرہ خوشی سے گویا ہوا۔ وصی، سرور، سفیان، حیلہ، زویا وغیرہ سب وہاں جمع ہو چکی تھیں۔

"آج میرے یار کی دعائیں مستجاب ہوئیں"۔ وصی نے کہا۔

"بڑا مبارک دن ہے"۔

"اب زبردست سی ٹریٹ ہونی چاہیے"۔

"وہ بھی کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں"۔

"پلیز...... پلیز سائیلنٹ پلیز، آگے بھی سنو"۔

"ہریرہ میرا...... بھائی ہے...... رضاعی بھائی...... یعنی ہم دودھ شریک بہن بھائی ہیں...... جب میں چند ماہ کی تھی تو ممی کسی بیماری کی وجہ سے ہاسپٹلائز ہو گئی تھیں، تب فاریہ آنٹی نے مجھے فیڈ کیا تھا"۔

حورین کے انکشاف پر وہ لمحے بھر کو سکتے میں رہ گئے۔

"تم دونوں کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی؟"

"آف کورس، ہمیں شروع سے معلوم ہے"۔

"ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟ ایک عرصے سے اُلّو بناتے رہے"۔

ان دونوں کے مسکراتے چہرے دیکھ کر سرمد مصنوعی خفگی آمیز انداز میں گویا ہوا۔

"بنے بنائے کو مزید بنا کر جو خوشی ملتی ہے وہ......" ہریرہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ وہ سب اس سے چمٹ گئے تھے۔

☆......☆......☆

"کرن! ڈیڈی کو کال کر کے میں نے سب کچھ بتا دیا ہے وہ تم سے سخت شرمندہ ہیں، بہت جلد آ رہے ہیں۔ وہ خود آ کر تم سے معذرت کریں گے اور انس سے بھی۔ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں ہم سے جن کی تلافی ممکن نہیں ہے۔" دوسرے دن وہ پھر ان کے روبرو تھیں۔

"یہ معذرتوں کا سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ اپنے کل کو بھلا کر ہم نے اپنا آج شروع کیا ہے اور ہمارے آج میں صرف محبت اور مروت ہے۔" کرن نے کافی بناتے ہوئے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہمارے رشتے آج سے قائم ہوئے ہیں جو تاحیات جڑے رہیں گے۔ ان نئے رشتوں میں ایک نئے رشتے کا اضافہ چاہتی ہوں۔" منال کرن کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"کس رشتے کا؟" کرن مسکرائیں۔

"پرنس اور حورین کے رشتے کا، میں حورین کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں، انکار نہیں سنوں گی۔" منال بیگم ازحد مان بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر......"

"انس کو اعتراض ہوگا؟"

"یہاں میرے یا انس کے اعتراض کا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ ہے حورین کی مرضی کا۔"

"اسے میں راضی کرلوں گی۔"

"وہ نہیں مانے گی انس زبردستی کے خلاف ہیں۔"

"حورین وہ لڑکی ہے جو پرنس کی زندگی میں روشنی بن کر آئی، کتنا خوش تھا وہ۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اسے اتنا خوش، مطمئن دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حورین کی محبت جگنوؤں کی طرح چمکنے لگی تھی۔ وہ بے حد خوش، بے حد مسرور تھا۔ دنیا جہاں کی خوشیاں جیسے اس کی مٹھی میں آگئی تھیں اور مجھ سے ہی برداشت نہیں ہوا۔"

"آپی! ابھی ہم نے عہد کیا ہے ناں ماضی کو نہیں دہرائیں گے۔"

"اوہ سوری۔ میرے اندر جو آگ سلگ رہی ہے وہ اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوگی جب تک میں اپنے بچوں کی روٹھی خوشیاں واپس نہ کردوں۔" وہ سخت آزردہ تھیں۔

"کافی بیٹھی ٹھنڈی ہورہی ہے۔"

"کرن! تم وعدہ کرو کل جب ہمارے بچوں کے دلوں سے یہ تمام باتیں نکل جائیں گی تو تم ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے نہیں دوگی؟"

"وعدہ آپی! میں یا انس کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

"تم کتنی اچھی ہو کاش ہمارے درمیان یہ سب نہ ہوا ہوتا یا ہم دونوں ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

☆......☆......☆

"پرنس! کہاں کی تیاری ہے؟"

"یونیورسٹی جا رہا ہوں بابا جان۔" وہ جوگرز کے فیتے باندھتا ہوا گویا ہوا۔

"مجھے خوشی ہے بیٹا! تم نے حقیقت سے سمجھوتا کرلیا ہے ورنہ محسوس ہوتا تھا کہ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے، منال آپ کو زندگی کی طرف لوٹتے دیکھ کر کس قدر خوش ہوگی اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"آئی نو بابا مجھے احساس ہے۔"

کونین سے ہونے والی گفتگو نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا کہ وہ اپنے غموں میں ڈوب کر یہ احساس فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس کے دکھ کی لپیٹ میں اس کے اپنے بھی تو تھے جو اس سے بے انتہا محبت کرتے تھے، اسے چاہتے تھے۔ چاہنے والوں کو دکھ دینا چاہت کی توہین ہوتی ہے۔ اپنے دکھ میں دھیرے دھیرے جل کر خاک ہونا اسے پسند تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنوں کے لیے ہنسے گا، مسکرائے گا۔ دل خواہ روتا رہا ہو۔

پروفیسر آفتاب نے اس مشکل میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ مشکل وقت کی اس گھڑی میں وہ اسے تنہا چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ حیدر اور گھر کے دیگر لوگ اس کی سنجیدگی اور ہٹ دھرمی کے آگے ہتھیار ڈال کر اسے، اس کی مرضی پر چھوڑ چکے تھے۔ پروفیسر آفتاب صاحب کو وہ روک نہیں سکا تھا۔ ان کی کوششیں بارآور ثابت ہوئی تھیں۔

یونیورسٹی میں وہ پیریڈ اٹینڈ کرتا رہا۔ حیدر اور دیگر فرینڈز کے اصرار کے باوجود وہ ادھر اُدھر نہ گیا تھا۔ اس کے دل میں چور تھا جو حورین سے سامنا نہ چاہتا تھا۔ عجیب جذباتی کشمکش کا وہ شکار تھا۔ اس سے ہی چھپ رہا تھا جس کو لاکھ کوششوں کے باوجود بھلا نہ پایا تھا۔ وہ آج بھی اس کے دل میں دھڑکنوں کی طرح بستی تھی۔

پیریڈز سے فارغ ہوا تو سر آفتاب اسے اپنے گھر لے آئے جہاں ملازم نے کھانا تیار کیا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ اس کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہے تھے اور اندر ہی اندر لفظوں کو ترتیب دے رہے تھے۔ اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے۔

"ذوالنون! محبت، سماعت و بصارت سے محروم ہوتی ہے۔ اس میں وہ روشنی صرف اپنے محبوب کی ذات کے لیے ہوتی ہے، یہاں بدلہ نہیں چلتا۔ انتقام نہیں لیا جاتا۔ تم سے جو کچھ بھی ہوا وہ نادانستگی میں ہوا، غلط فہمی میں، ابھی بھی وقت ہے تم اپنی روٹھی محبت کو منالو۔ کام مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔" لاؤنج میں گرین ٹی کے سپ لیتے ہوئے وہ موضوع چھیڑ بیٹھے۔

"سر! جو مجھ سے خطائیں ہوئی ہیں ان کا ازالہ شاید کبھی نہ ہو سکے گا۔ میں انسانیت کی سطح سے گر چکا ہوں۔ وہ کیا مجھ پر اعتبار کرے گی...... اعتبار کو بھی مجھ جیسے کم ظرف پر اب اعتبار نہ آئے گا۔" اس کا وجیہہ چہرہ دلسوز تھا۔ لہجے میں شکستہ آرزوؤں کی خاک تھی۔

"اس قدر ناامیدی و بددلی تم جیسے باہمت بہادر بچے کو سوٹ نہیں کرتی۔ میں حورین سے بات کر چکا ہوں۔"

"واٹ!" اس کی رگ و پے میں نے عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔

"ہاں۔ وہ ہرٹ ہے، سخت کبیدہ ہے، اس کے اعتبار و اعتماد کو بہت ٹھیس لگی ہے پھر لڑکیاں تو ہوتی ہی شیشہ دل اور شیشہ جذبات ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے اسے، اس کا چھینا ہوا اعتبار و اعتماد لوٹانا۔"

"ناممکن سر، میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا ہوں۔" شدید اضطراب و اضطرار اس کے انداز سے عیاں تھا وہ کھڑا ہو گیا۔

"ناٹ امپاسبل۔ جب تم برائی کے راستے پر گامزن ہوئے تو قدم نہیں لڑکھڑائے تھے اب اچھائی و بہتری کی جانب بڑھنے سے قدم کیوں انکاری ہیں؟ پھر جانتے ہو وہ خاندان کتنی تکالیف و خوف سے گزر کر ایک ہوئے ہیں اگر تمہارے اور حورین کے درمیان فاصلوں

کی دیواریں اسی طرح حائل رہیں تو ان خاندانوں کو ٹوٹنے میں وقت نہیں لگے گا۔ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا...... اور سنو، محبت پانا اور پا کر کھو دینا آسان نہیں ہوتا دانشمندی بھی ہے کہ کل کے انتظار میں آج ضائع نہ کرنا۔"

☆......☆......☆

آنسو روانی سے اس کے صبیح چہرے سے پھسل رہے تھے۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ قریب بیٹھیں منال بیگم کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔ سب سے پہلے ملنے کے باوجود وہ حورین سے ملنے کی ہمت خود میں نہ پا رہی تھیں مگر ضمیر کی چبھن انہیں بے سکون کیے ہوئے تھی چھوٹی سی زندگی میں وہ کتنے بڑے بڑے گناہ کر بیٹھی تھیں۔ ہر رشتے کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ ہر تعلق کی مجرم تھیں۔

کرن اور انس اس کے باعث بے سکون رہے خصوصاً کرن نے خوف میں رہ کر اذیت بھری زندگی گزاری تھی۔ وہ کون سا سکھ میں رہی تھیں ہر وقت بدلے اور انتقام کے ڈستے ناگوں کی تکلیف سے وہ بھی بے کل رہی تھی رہی سہی کسر ذوالنون کو سکھا کر، بہکا کر پوری کر لی تھی۔ یہ چوٹ تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی تھی اور وہ اپنی دنیا میں لوٹ آئیں۔ جب حقیقت سے روشناس ہوئیں تو معلوم ہوا وہ عورت جو اس کی ماں تھی ہمیشہ ان کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت نے ان کو کہیں کا نہ رکھا تھا۔ فائقہ جو خود غرض و خود پرست عورت تھیں، جنہیں پُرتعیش زندگی و دولت سے بے حد پیار تھا۔ رشتے، ناطے، تعلقات و دوستیاں سب ان کو مفاد و غرض میں لپٹی پسند تھیں۔ وہ خود تو بے لوث و سچی چاہتوں سے بے بہرہ تھیں، ساتھ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ چکی تھیں اور نا معلوم وہ کب تک ایسی بے روح زندگی گزارتی رہتیں اگر ذوالنون کی حالت ان کے اندر سونے والی عورت کو، ماں کو جگا نہ دیتی۔ اب وہ پوری شدت سے جاگ اٹھی تھیں۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے بیڈروم کو ان چیزوں سے پاک کیا جن کو وہ اپنا دکھ و تنہائی دور کرنے کے لیے استعمال کرتی تھیں پھر صدق دل سے اپنے رب سے معافی مانگی۔ تمام فنکشنز و پارٹی چھوڑ کر گھر گرہستی میں مشغول ہو گئی تھیں۔

برہان لغاری جو ایک لمبے عرصے تک کرن سے لاتعلق و خفا رہے تھے منال کی زبانی تمام صورت حال سے آگاہ ہونے کے بعد شرمندہ تھے۔ اب ان کے فون بھی گاہے بگاہے کرن اور انس کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ کرن کے پاس آ چکے ہوتے اگر فائقہ بیگم فالج کے اٹیک کا شکار نہ ہوتیں۔

"میں جانتی ہوں، آپ جس تکلیف و پریشانی سے گزری ہیں محبت کا درد، فریب و جدائی کتنی جان لیوا ہوتی ہے میں خوب جانتی ہوں۔" وہ دھیرے دھیرے حورین سے کہہ رہی تھیں۔

"اس نے جو کچھ بھی کیا میرے کہنے پر کیا۔ پرنس تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔ بہت چاہتا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارا عکس دیکھا ہے۔ اس کی زندگی میں جولڑکی پہلی اور آخری بار آئی ہے وہ تم ہو حورین مجھے معلوم ہے کہ اب وہ کسی اور لڑکی کو نہ دیکھے گا۔ وہ بچپن سے بہت ضدی ہے ایک بار جو کہا وہ کبھی بدلتا نہیں ہے۔" وہ رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔ حورین کے پاس گویا لفظ کھو گئے تھے۔ زبان گویائی سے نا آشنا تھی۔ اس ستم گر کی جانب سے دل کا دروازہ بند تھا اور اس دروازے پر دستک دی جا رہی تھی، مسلسل و بھرپور......

پروفیسر آفتاب صاحب کئی بار اسے سمجھا چکے تھے۔ ان کے پُرشفقت لہجے، پُراثر اندازِ بیاں میں ایسی شدید تاثیر ہوتی تھی کہ سنگلاخ پتھر موم ہو جاتے تھے پھر وہ تو ایک نازک و گداز دل رکھتی تھی۔ حیدر ہر وقت اس کی وکالت کرتا دکھائی دیتا۔ مومل، زویا، ثمرین، ردا اور اب جو آسی اس کے سامنے بیٹھی اسے منا رہی تھی، سب کا مقصد ایک ہی تھا۔

"حورین بیٹا! تم کو جو سزا دینا ہے مجھے دو۔ سزا کی حق دار میں ہوں پرنس کو معاف کر دو۔ وہ بے قصور اور بے خطا ہے۔"

"آنٹی پلیز، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" اس نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

اس نے سوچا تھا کبھی اس عورت پر تھوکنا بھی گوارا نہ کرے گی مگر وہ اس انداز میں سامنے آئی تھیں کہ وہ تمام کدورت و نفرت بھلا بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

وہ سب جمع تھے، خوب شور و غل مچا ہوا تھا۔ ابھی ابھی کرن نے آ کر خوش خبری سنائی تھی۔ مومل اور ہریرہ کی نسبت طے ہو گئی تھی اور اس دن رؤف اور وصی وغیرہ سے بات وہ ان دونوں کے حوالے سے ہی کر رہی تھیں جو لاعلمی کے باعث وہ لوگ حورین و ہریرہ کی سمجھ رہے تھے۔

"اوہ گاڈ! کس طرح سے ان دونوں نے ہمیں بے وقوف بنا رکھا تھا۔" ہیلا، حورین اور ہریرہ کو گھورتے ہوئے گویا ہوئی۔

"مومل! سنبھل کر رہنا بہت چار سو بیس شخص ملا ہے تمہیں۔" زویا، مومل کی جانب دیکھتے ہوئے بولی جس کے چہرے پر مسرت کے رنگوں کی قوسِ قزح چھائی ہوئی تھی۔ ہریرہ بھی بے حد خوش تھا۔

"چھپے رستم نکلے۔ اب شرافت سے گرینڈ پارٹی دے دو۔" وصی ہریرہ سے مخاطب ہوا تھا۔

"پارٹی سے یاد آیا شام میں منال، آنٹی نے گرینڈ پارٹی دی ہے، پہلے تو وہ پارٹی اٹینڈ کرنی ہے اس کے بعد ہریرہ کا نمبر آئے گا۔"

سعود کے یاد دلانے پر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے لیکن حورین بیٹھی رہی تو مومل اس کے قریب چلی آئی سب کے جانے کے بعد اس نے پوچھا۔

تم...... نہیں چلو گی؟"

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی" وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"اتنی بڑی بڑی ہستیاں تمہیں سمجھا چکی ہیں اب تم جھوٹی انا کو چھوڑ دو۔"

"میں...... اس کا سامنا کس طرح کروں گی؟"

اس کا لہجہ نفرت و تنفر کے غبار سے پاک تھا مومل کو اس کے انداز پر ڈھیروں پیار آ گیا گویا دروازہ دل پر دستک شرفِ قبولیت پا چکی تھی۔

"ڈونٹ وری مائی ڈیئر سب مجھ پر چھوڑ دو اور تیار ہو جاؤ" اس نے، اس کا رخسار چوم کر چھکتے ہوئے کہا۔ اندر داخل ہوتیں بی بی جان اور کرن کے چہروں پر بھی طمانیت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

آسمان کے سیاہ آنچل پر چاند تارے پوری آب و تاب سے جگمگا رہے تھے۔ ہوائیں سبک، رات کی رانائی اور گلاب کی دل آویز خوشبوؤں سے پُرکیف تھیں۔ خوبصورت ملبوسات اور رنگین آنچل کی سرسراہٹیں فضا کو سحر انگیز بنائے ہوئے تھیں، بہت خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا وہ وسیع و عریض لان بے تحاشہ روشنیوں سے جگمگا اور گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا۔ حمزہ اور منال نے یہ پارٹی کرن و انس کے اعزاز میں دی تھی اور خاندان کے لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ کچھ خاص دوست و احباب بھی مدعو تھے۔ مہمان سب آچکے تھے۔ گرے کلر کی بنارسی ساڑھی میں ملبوس بالکل سادہ انداز میں حمزہ صاحب کے پہلو میں کھڑی منال آج مکمل نظر آرہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بکھری خلوص و سادگی نے ان کے اندر وقار اور شائستگی پیدا کر دی تھی۔ آف وائٹ سوٹ میں ملبوس راحیلہ بیگم کرن اور انس کو صنوبر بیگم، بھو اور بچوں سے ملوا رہی تھیں۔ حورین بے حد نروس ہو رہی تھی جو آتو گئی تھی مگر عجیب سے احساسات سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی دل تھا کہ دھڑکے ہی جا رہا تھا۔ منال اور حمزہ نے بہت محبت سے اسے ویلکم کہا تھا۔ صمد صاحب اور صنوبر بیگم سے ملانے کے بعد منال اس کا ہاتھ پکڑ کر ینگ جنریشن کی طرف لے آئی تھیں۔

”بھئی! آپ لوگ ان سے ملیں یہ ہیں..... ہماری اکلوتی، بے حد لاڈلی اور حقیقی بھانجی، حورین۔“

”اوہ......! سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔ بلیک جھلملاتی فراک سوٹ میں کنفیوز، کنفیوز سی ستارہ آنکھوں اور چاندی کا سحر انگیز حسن لیے وہ لڑکی سب کو ہی پسند آئی۔ سونیا، ماریہ، جنزہ، معیز اور مزمل جوش و خروش سے ملے پھر وہ اسے لے کر خضریٰ اور کونین کی طرف آگئیں جو ویٹرز کو کچھ ہدایت دے رہے تھے۔

”مما! شی از حورین! آئی ایم رائٹ؟“

کونین کی پُرشوق نگاہیں بوکھلائی، گھبرائی سی حورین پر تھیں۔ وہ دل ہی دل میں بھائی کی پسند کو داد دے رہا تھا۔

”او یس۔ تم نے خوب پہچانا۔“ منال ہنسیں۔

”پہچانتا کیسے نہیں، اسپیشل لوگوں کی چوائس اسپیشل ہی ہوتی ہے۔“ مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت سے کونین نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اس کے ذومعنی لہجے نے حورین کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

”حورین بیٹا! یہ خضریٰ ہے کونین کی منگیتر چند دنوں بعد اس گھر میں بہو بن کر آنے والی ہے۔“

خضریٰ نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا اور اسے لے کر آگے بڑھ گئیں جہاں وہ سب ایک ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے جہاں ہریرہ، مسعود، رؤف ہوں وہاں صرف قہقہے بکھرتے ہیں ان کے ساتھ اب خضر بھی شامل ہو گیا تھا۔

ویٹرز مشروبات سرو کر رہے تھے، ہر سُو قہقہے اور مسکراہٹیں تھیں۔ کرن اور انس ایک ٹیبل پر جبکہ حمزہ اور منال کی ٹیبل پر پروفیسر DT آ بیٹھے تھے۔

حیدر لیٹ آیا تھا۔ زویا کی گیٹ کی طرف اٹھنے والی نگاہوں کو قرار مل گیا۔ حیدر نے بھی پہلی نگاہ اس پر ڈالی۔ حورین کی نگاہوں

نے غیر دانستہ ہی یہ سب توڑ دیا تھا اور اس کے اندر سناٹے سے اترنے لگے تھے۔ دل نے ایک دم ہی کسی کی طلب محسوس کی تھی۔ بے اختیار اس کی نگاہیں ارد گرد کا جائزہ لینے لگیں۔

وہ یہاں کہیں نہیں تھا۔ نگاہیں ناکام لوٹ آئیں تھیں، دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ ماحول میں یکدم ہی اداسی اور ویرانی چھاتی چلی گئی۔

”اوہ۔“ حیدر کے ہاتھ سے گلاس پھسلا اور سارا مشروب اس پر گر گیا۔

”سو......سوری“ وہ کھڑی ہوئی تو حیدر بھی کھڑا ہو گیا۔

”کوئی بات نہیں، میں دھو لیتی ہوں۔“ حورین دوپٹہ پکڑتے نرمی سے بولی۔ مشروب دوپٹے کے ایک حصے پر گرا تھا۔

”آئیں میں واش روم لے چلتا ہوں۔“

وہ حیدر کے ہمراہ رہائشی حصے کی سمت چلی آئی۔ کئی کوریڈورز، لاؤنج سے گزر کر وہ واش روم پہنچی۔ واش بیسن میں جلدی جلدی دوپٹہ دھو کر وہ حیدر کے ساتھ پلٹی تھی کہ اسی لمحے اندر سے نکلنے والے شخص کو دیکھ کر اس کے قدموں میں بڑھنے کی سکت نہ رہی۔ ایک لمحے کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں۔ کیا تھا ان آنکھوں میں؟

درد ہی درد۔

کرب ہی کرب۔

تڑپ ہی تڑپ۔

ہجر کا دکھ، نارسائی کی اذیت دونوں کی ایک ہی اذیت تھی۔

”میں زیادہ نہیں صرف اتنا ہی کہوں گا، اس جہاں میں بچھڑنے والے مشکلوں سے ملا کرتے ہیں یہ تمہارے سچے پیار کی سچائی ہے جو تم دونوں کو ایک بار پھر آمنے سامنے لے آئی ہے۔ خوش قسمتی بار بار دستک نہیں دیتی۔“ یہ کہہ کر حیدر رکا نہیں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ حورین کی جھکی نگاہوں سے قطرہ قطرہ موتی پھسلنے لگے تھے۔ وہ تمام اذیت ناک لمحات تازہ ہو گئے تھے۔

”پلیز ڈونٹ ویپ، میں نے جو کیا وہ مجھے میری نگاہوں سے گرا گیا ہے۔ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ تمہاری محبت کا جواب وحشت سے دیتا۔ تمہارے ساتھ میں نے جو کچھ کیا اس کی سزا میں آج تک خود کو دیتا رہا ہوں اور ساری زندگی دیتا رہوں گا، دیکھو......“ اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے شرٹ کے بٹن کھولے جہاں سینے کے اوپری حصے پر سیاہ چھوٹے چھوٹے دائرے جھلسے ہوئے تھے۔ حورین کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں۔ جھلسے ہوئے حصوں پر زخم بن چکے تھے۔

”روزانہ ان زخموں کو تازہ کرتا ہوں اور اس اذیت کو، تکلیف کو محسوس کرتا ہوں جو میں نے اس لڑکی کو دی جو میری زندگی کی اولین

واحد آرزو تھی۔ جس کی معصوم اور پاکیزہ چاہت کو میں نے دھوکا دیا۔" وہ گم صم حواس باختہ حورین کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا۔

"پلیز، میرا ذہنی سکون مجھے واپس مل جائے دعا کرو۔ میں بہت بے سکون ہو گیا ہوں......"

"میں سب بھول چکی ہوں، دل پر ایک بوجھ تھا، روح میں ایک بے کلی تھی وہ اس لمحے فنا ہو گئی۔ میرے زخم بھر گئے لیکن...... یہ

...... یہ آپ نے اپنے ساتھ بہت ظلم کیا ہے...... بہت سزا دی ہے۔" اس کا فگار سینہ دیکھ کر وہ لرز اٹھی۔

پوری شدت سے رو پڑی۔

ذوالنون نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا سیاہ سوٹ جس پر اسٹارز اور نگینے جگمگا رہے تھے دھلے دھلے چہرے پر سیاہ بھیگی بھیگی دراز پلکیں، گلابی بھرے بھرے دلکش ہونٹ، پشت پر پھیلے براؤن گھنے بالوں کا جنگل اس کے اندر طمانیت بھری آسودگی اترنے لگی۔ دل نے صرف اور صرف اس کی تمنا کی تھی۔ زندگی اس کی پیار بھری رفاقت کی خواہش مند تھی۔ تنہائیوں میں ہر لمحہ، وہ اس کے ہمراہ تھی۔

"بہت رلایا ہے میں نے تمہیں مگر آج کے بعد یہ آنسو گریں گے تو میری لاش پر......"

حورین نے گھبرا کر جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اتنا چاہتی ہو مجھ جیسے وحشی کو؟"

اس کے بھاری لہجے میں شوخی ابھر آئی۔ اس نے اس کے شانے پر بازو رکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"ہیلو...... اگر آپ لوگوں کا رومانس سے پیٹ بھر گیا ہو تو اللہ کے واسطے لان میں آجائیں تاکہ ڈنر اسٹارٹ کیا جائے یہاں تو بھوک کے مارے چوہوں نے توڑ پھوڑ شروع کر دی ہے۔"

خضر دہائی دیتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"تم ہمیشہ غلط ٹائم پر انٹری دینا۔"

وہ خضر سے بولا۔ حورین کے چہرے پر آسودگی پھیلی ہوئی تھی۔ ذوالنون نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس نے لجا کر گردن جھکا دی تھی۔

......❖......

ختم شد